اردو میں نعت گوئی

ڈاکٹر ریاض مجید

اقبال اکادمی پاکستان

حضور حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت

ہر مسلمان کا جزوِ ایمان ہے۔
مسلمانوں
نے ہر دور میں نعتِ رسول میں اپنے
اظہار و بیان کے جوہر عیاں کیے ہیں۔

ڈاکٹر ریاض مجید نے ــــــ

جو خود ایک ممتاز نعت گو شاعر اور اردو کے
معلّم ہیں۔ جس کمالِ انہماک، محنت اور خلوص کار
کے ساتھ اپنے اس پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے
میں نعت کے موضوع، اس فن کی نازک
خیالیوں اور نعت کے تاریخی بیان کو سمویا ہے،
وہ تحقیق کی ایک نادر مثال ہے۔

اِس

مقالے میں :
نعت کی پوری تاریخ ،
تمام نعتیہ مجموعوں ــــــ اور
نعت گو شعرا کا تذکرہ اس خوبی سے ہوا ہے
کہ یہ مقالہ نعت گوئی کا تذکرہ بن گیا ہے۔

پروفیسر شہرت بخاری

اردو میں نعت گوئی

ڈاکٹر ریاض مجید

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں:

ناشر: پروفیسر شرت بخاری
ڈائرکٹر اقبال اکادمی پاکستان لاہور

طبع اول: ۱۹۹۰ء
مطبع: حمایت اسلام پریس لاہور
تعداد: ۱۰۰۰
قیمت: 175/- روپے

24378

سیلز آفس: اقبال اکادمی پاکستان - ۱۱۶ - میکلوڈ روڈ - لاہور

انتساب

اللہ تعالیٰ کے نام

مرا بہ منزلِ الا الذین فرود آور
فرو گذاشتی از من طمطراقِ الشعراء
(خاقانی)

ابواب کی تقسیم

پہلا باب — نعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور موضوع و فن

دوسرا باب — محرکات و ماخذات / عربی فارسی پس منظر

تیسرا باب — اُردوئے قدیم کے نعتیہ نمونے اور جنوبی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ

چوتھا باب — شمالی ہند میں اردو نعت گوئی کا جائزہ

پانچواں باب — عصرِ جدید کی نعت گوئی

چھٹا باب — عصرِ حاضر کی نعت گوئی

ضمیمے

۱۔ احادیث نبوی میں لفظ نعت کا استعمال

۲۔ اسمائے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ شروحِ بُردہ

۴۔ میلاد نامے

۵۔ غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام

۶۔ خواتین کی نعت گوئی

۷۔ نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پہ لکھی گئی نعتوں کا جائزہ

کتابیات

فہرست

ابتدائیہ

(۱) پہلا باب ـــــــ تمہیدی مباحث

نعت کے مفاہیم ومطالیب / لغوی، عربی لغات میں، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، فارسی
اور اردو لغات میں
اصطلاحی / وصفِ رسولؐ میں لفظِ نعت کا اوّلین استعمال
نعت کے موضوعات / فن، لوازماتِ فن (عشقِ رسولؐ، حفظِ مراتب کا خیال، ادب اور احترام، حقیقت نگاری/
نعت کی قسمیں / رسمی / حقیقی
نعت کے مختلف انداز واسالیب / توصیفی اندازِ نعت / عشقیہ اندازِ نعت / غزلیہ انداز نعت / مقصدی
اندازِ نعت / تاریخی اندازِ نعت / نعت میں استمداد، استغاثہ اور سلام وصلوٰۃ کا انداز /
زمانی انداز میں نعت کی قسمیں / قدیم اندازِ نعت / جدید اندازِ نعت
اُردو نعت کے مضامین اور فن پر ہندوستانی اثرات

(۲) دوسرا باب ـــــــ محرکات وماخذات

اساسی محرکات / عقیدت نگاری / محبتِ رسولؐ کا جذبہ / اطاعتِ رسولؐ کا جذبہ / حصولِ ثواب
اور طلبِ شفاعت / برکت طلبی اور خیر جوئی / نعت کے ذیلی محرکات اور اس کی مقبولیت کے
اسباب / صوفیائے کرام کا خصوصی شغف و توجہ / مجلس محرکات نعت / محافل میلاد / سماع /
سیرتِ رسولؐ کے جلسے / نعتیہ مشاعرے / ذرائع ابلاغ عامہ / رسائل واخبارات / گرامو فون ریکارڈ
اور فلمیں / ریڈیو اور ٹیلی ویژن
نعت کے ماخذات ومنابع / قرآن مجید / احادیثِ نبویؐ / کتبِ سیر ومغازی / الہامی صحائف اور

مذہبی کتابیں / اسمائے رسول مقبولؐ / پس منظر / عربی نعت کے ابتدائی نمونے / ماقبل بعثت کے مبشرات کا تذکار / وحیٔ اولیٰ سے ہجرت مدینہ تک کی نعت گوئی / صحابہ کرام کی نعت گوئی عہد مابعد صحابہ کی نعت گوئی / برصغیر پاک و ہند کی عربی نعت کا ذکر / فارسی نعت کا ارتقائی جائزہ / برصغیر پاک و ہند کی فارسی نعت گوئی

(۳) تیسرا باب ——— اردوئے قدیم کے نعتیہ نمونے اور جنوبی ہند میں اردو نعت گوئی کا جائزہ

پس منظر سیاسی / تہذیبی / لسانی

اردو نعت کا اولین نمونہ / صوفیائے کرام کی جکریوں، دوہروں اور شعری تصانیف میں نعتیہ عناصر

جنوبی ہند کی نعتیہ شاعری کا پہلا دور (قلی قطب شاہ سے ماقبل ولی دکنی)

دکنی معراج ناموں، میلاد ناموں، وفات ناموں وغیرہ کا جائزہ

ولی دکنی اور اس کے بعد کی نعت گوئی

جنوبی ہند کی نعت گوئی کا جائزہ

آثارِ نعت ـ تبصرہ

(۴) چوتھا باب ——— شمالی ہند میں اردو نعت گوئی کا جائزہ

تمہید / صوفیائے کرام کی نعت گوئی کے نمونے / مجموعی جائزہ

سودا و میر کا عہد / سودا / میر تقی میر / مصحفی / مومن اور دیگر شاعروں کے نعتیہ کلام کا جائزہ /

اردو نعت دورِ تشکیل میں / مذہبی پس منظر / کرامت علی شہیدی / کفایت علی کافی مراد آبادی / غلام امام شہید / حافظ لطف علی خاں لطف بریلوی / تمنا مراد آبادی /

امیر و محسن کی نعت گوئی / امیر مینائی / محسن کاکوروی / شمالی ہند کی نعت گوئی کا جائزہ

(۵) پانچواں باب ——— عصرِ جدید کی نعت گوئی

تمہید / جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے اثرات / فریاد و استمداد کا اسلوب /

جدید انداز نعت / مولانا حالی / شبلی / احمد رضا خاں بریلوی / حسن رضا خاں بریلوی / نظم طباطبائی
علامہ اقبالؒ / ظفر علی خاں / حفیظ جالندھری
دیگر نعت گو شعرا / یزدانی / ممتاز / حمزہ / معنیؔ / حسرت / مضطر / جلیل
علما و صوفیا کی نعتیہ شاعری / عصرِ جدید کا دورِ آخر / اقبال سہیل / امجد حیدر آبادی / عزیز لکھنوی /
زائرِ حرم حمید صدیقی
عصرِ جدید کی نعت گوئی کا جائزہ

⑥ چھٹا باب ——— عصرِ حاضر کی نعت گوئی

تمہید / قیامِ پاکستان کا جذبۂ محرکہ / عصرِ جدید کی توسیع / ماہر القادری / بہزاد لکھنوی و دیگر شعرا
عبد العزیز خالد / حافظ مظہر الدین / حافظ لدھیانوی / حفیظ تائب / راسخ عرفانی / متفرق نعت
گو شاعر / رفتارِ نعت کا مطالعہ
عصرِ حاضر کی نعت گوئی کا جائزہ / موضوعات اور ہیئتوں کا تنوع / مثالیں اور نمونے
حرفِ آخر

⑦ ضمیمے

۱۔ احادیثِ نبویؐ میں لفظ نعت کا استعمال
۲۔ اسمائے رسولِ مقبولؐ
۳۔ شروحِ بُردہ
۴۔ میلاد نامے
۵۔ غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام
۶۔ خواتین کی نعت گوئی
۷۔ نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کا جائزہ

کتابیات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۴) [illegible]

[illegible]

[illegible]

(۵) [illegible]

۱. [illegible]

۲. [illegible]

۳. [illegible]

۴. [illegible]

۵. [illegible]

۶. [illegible]

۷. [illegible]

[illegible]

حرفِ اوّل

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱

مقالہ "اردو نعت" چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں موضوع کے تمہیدی مباحث پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے نعت کے لغوی مفاہیم اور مطالیب کا ذکر ہے۔ خصوصاً عربی لغات اور احادیثِ نبوی میں اس لفظ کے استعمال کی مختلف شکلوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ نعت کو وصفِ محض کی بجائے مدحِ رسول کے مفہوم میں فارسی شاعروں نے استعمال نے کیا، مگر فارسی میں یہ لفظ اپنے لغوی معنوں میں بھی مستعمل رہا۔ اردو زبان و ادب میں اس لفظ کو باقاعدہ اصطلاح کا درجہ ملا۔ فارسی اور اردو لغات کی روشنی میں اس کے اصطلاحی مفہوم کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز کتبِ سیر و مغازی اور احادیثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں وصفِ رسول میں لفظ نعت کے اولین استعمال کا سراغ لگایا گیا ہے۔

اس باب کے دوسرے حصے میں نعت کے موضوع اور فن پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ نیز فنِ نعت کے لوازمات یعنی جذبۂ عشقِ رسول، حفظِ مراتب کا خیال، ادب و احترام اور حقیقت نگاری وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نعت کی مختلف قسموں یعنی رسمی نعت گوئی اور حقیقی نعت گوئی کے ساتھ نعت کے مختلف انداز و اسالیب کا ذکر بھی یہیں کیا گیا ہے۔ خصوصی توصیفی اندازِ نعت، عشقیہ اندازِ نعت، غزلیہ اندازِ نعت، تاریخی اندازِ نعت، نعت میں استمداد و استغاثہ اور سلام و صلوٰۃ کے انداز کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف نعتوں کی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ زمانی انداز سے نعت کی قسمیں یعنی قدیم اندازِ نعت

اور جدید انداز نعت کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں۔

پہلے باب کے آخر میں نعت کے موضوع اور فن پر ہندوستانی دیومالا، اساطیر، مذہب اور معاشرت کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ہندی گیتوں اور بھجنوں نے جس طرح نعت کے الفاظ، طرزِ ادا، اسلوب، موضوع اور تشبیہات واستعارات کو متاثر کیا، اُسے مختلف ادوار کے نعت گو شعراء کی نعتوں سے مثالیں دے کر واضح کیا گیا ہے۔

مقالہ کا دوسرا باب نعت کے محرکات و ماخذات کے بیان پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے اس فن کے اساسی محرکات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں عقیدت نگاری، محبت رسولؐ کا جذبہ، اطاعت رسولؐ کا جذبہ، حصولِ ثواب اور طلبِ شفاعت نیز برکت طلبی و خیر جوئی جیسے محرکات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اساسی محرکات کے ساتھ اس فن کے ذیلی محرکات اور اس کی مقبولیت کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ صوفیائے کرام نے جس خصوصی شغف و توجہ سے اس فن کی ترویج میں حصہ لیا، اس کے ذکر کے ساتھ مجلسی محرکاتِ نعت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں محافلِ میلاد، سماع، سیرتِ رسولؐ کے جلسے اور نعتیہ مشاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ذرائع ابلاغ عامہ نے نعت کے فروغ میں جو حصہ لیا اس کا ذکر کرتے ہوئے رسائل و اخبارات، گراموفون ریکارڈز اور فلمیں نیز ریڈیو اور ٹیلیویژن کے حوالے سے نعت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

اسی باب کے دوسرے حصے میں نعت کے ماخذات و منابع کا ذکر ہے۔ قرآن مجید، احادیث نبویؐ، کتب سیر و مغازی، الہامی صحائف اور مذہبی کتابوں کے حوالے سے اس عطا کا سراغ لگایا گیا ہے۔ جو ان ماخذات سے نعت کو حاصل ہوئی۔ اس ذیل میں اسمائے رسولؐ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ ان ماخذات کی وضاحت میں اردو کے نعتیہ کلام سے مثالیں بھی دی گئی ہیں۔

دوسرے باب کے تیسرے حصہ میں عربی اور فارسی کی نعت گوئی کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ عربی نعت کے ضمن میں مدحِ رسولؐ کے ابتدائی نمونہ، ماقبل بعثت کے مبشرات کا تذکار، وحی اولیٰ سے ہجرت مدینہ تک کی نعت گوئی، صحابہ کرام کی نعت گوئی، عہد مابعد صحابہؓ اور برصغیر پاک و ہند کی نعت گوئی کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ عہدِ صحابہؓ میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن زہیر، عبد اللہ بن رواحہ کی خدمات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اور عہد مابعد صحابہؓ میں امام بوصیری خصوصاً ان کے "قصیدۂ بُردہ" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی انداز میں فارسی کا ارتقائی جائزہ لیا گیا ہے اور مختصر طور پر ایرانی اور برصغیر پاک و ہند کی فارسی نعت گوئی کا بیان ہے۔

عربی اور فارسی پس منظر کے بعد تیسرے باب میں اُردو نعت گوئی کے آغاز و ارتقاء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کے آغاز میں برصغیر پاک و ہند کے اس سیاسی، تہذیبی اور لسانی پس منظر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس

میں اردو زبان وادب خصوصاً نعت گوئی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے اُردوئے قدیم کے نعتیہ نمونوں کا سراغ لگایا گیا ہے۔ اردو نعت کے اوّلین نمونے کے بعد صوفیائے کرام کی جکریوں، دوہروں اور شعری تصانیف میں نعتیہ عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جنوبی ہند کی نعتیہ شاعری کے پہلے دور (جو قلی قطب شاہ "ماقبل" ولی دکنی "تک کے شعرا کو محیط ہے) کے بعد دکنی معراج ناموں، میلاد ناموں، وفات ناموں، شمائل ناموں اور معجزات ناموں کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے اور جنوبی ہند کی ان تصانیف میں نعتیہ نمونوں کی مثالیں دی گئی ہیں۔ جنوبی ہند میں اُردو نعت کی روایت کے اولیات و مراجع یہی منظومات ہیں جن کا بڑا حصہ مثنوی کی ہیئت پر ہے۔ اسی باب میں آگے چل کر "ولی دکنی" اور اُس کے بعد آنے والے شاعروں کے کلام میں نعتیہ عناصر کا سراغ لگایا گیا ہے۔ اور ان کے کلام کی ادبی اور فنی حیثیت کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ باب کے آخر میں اس دور کے مولود ناموں اور معراج ناموں وغیرہ کی فہرست دی گئی ہے۔ نیز جنوبی ہند کی نعت گوئی کا بحیثیت مجموعی جائزہ لیتے ہوئے اُس کے اسالیب، زبان، مخصوص موضوعات اور اصناف خصوصاً مثنوی میں کی جانے والی نعت گوئی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

جنوبی ہند کے صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی مذہبی تصانیف میں ملنے والی نعت کے مقصدی اور سماجی پہلوؤں کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے۔

مقالہ ہٰذا کا چوتھا باب شمالی ہند میں اُردو نعت گوئی کے موضوعات سے متعلق ہے۔ اس کے آغاز میں جنوبی ہند کی طرح شمالی ہند کے صوفیائے کرام کی نعت گوئی کے نمونے دیے گئے ہیں۔ اور صوفیا کی نعت گوئی کے محرک و ماخذ اور نتائج و مقاصد کا ذکر کیا گیا ہے۔

آگے چل کر سودا، میر سے مصحفی و مومن اُردو کے معروف شاعروں میں نعتیہ کلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے دوسرے حصے "اُردو نعت دورِ تشکیل میں" اُن مذہبی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کا پَرتو اس عہد کی نعتیہ شاعری میں ملتا ہے۔ اس عہد نعت میں کرامت علی شہیدی، مولانا کفایت علی، غلام امام شہید، حافظ لطف علی خاں لطف بریلوی اور تمنا مرادآبادی کے نعتیہ کلام کا بطورِ خاص تذکرہ کیا گیا ہے۔ تشکیلی دور کے بعد امیر و محسن کی نعت گوئی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ جنوبی ہند کے برعکس یہاں غزل و قصیدہ میں جو نعت لکھی گئی۔ اس کے نمونے امیر مینائی اور محسن کاکوروی کے کلام سے پیش کیے گئے ہیں۔ اس دور کی نعت گوئی میں میلاد، سراپا نگاری، اور خارجیت کا رجحان نمایاں ہے۔ اس باب کے آخر میں بحیثیت مجموعی اس دور کی نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات، موضوعات اور میلانات کا ذکر کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں عصرِ جدید ۱۸۵۷ء سے قیام پاکستان تک کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس

دور کا آغاز جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے جن اثرات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ انھوں نے نعت میں فریاد و استمداد کے رویے کو فروغ دیا۔ باب مذکورہ کے آغاز میں اُن نعتوں کے نمونے بطور خاص دیے گئے ہیں جن میں ذاتی مصائب کے علاوہ قومی اور ملی سطح پر درپیش مسائل و مصائب اور نالہ و فریاد کے عناصر نمایاں ہیں اس دورِ نعت میں مولانا حالی، مولانا شبلی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، حسن رضا بریلوی، نظم طباطبائی، مولانا ظفر علی خاں، علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والی جدید انداز نعت کا تفصیلی بیان ہے۔ بدلتے ہوئے سیاسی اور معاشرتی حالات میں نعت کے ذریعے اصلاحِ احوال، کردار سازی اور قومی تشخص کے فروغ کی جو کوششیں ہوئیں اسے مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ مغربی تہذیب کے زیرِ اثر اس دور کی نعت میں آنحضرت کی ذاتِ مبارک کے بشری پہلوؤں کا بطور خاص ذکر ہے۔ اس دور کا بڑا موضوع بنی نوعِ انسان پر آپ کے فیوض و برکات کا تذکار ہے۔ آپ کی سیرتِ مبارکہ اور صحابہ کرام کے کارناموں کے ذکر سے اصلاحِ احوالِ ملت کی جو کوششیں نعت میں ہوئیں ان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ جدید اندازِ نعت کے حامل شعراء کے علاوہ دیگر نعت گو شاعروں مثلاً شائق، یزدانی، ممتاز، حمزہ، معلّیٰ، حسرت، مضطر اور جلیل کی نعت گوئی پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس دور کے علماء و صوفیا نے جس طرح نعت کی ترویج و ارتقاء میں حصہ لیا اُس کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ عصرِ جدید کے دورِ آخر میں اُن چار نعت گو شاعروں کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے نعت کے دورِ حاضر پر بھی اپنے اثرات ڈالے۔ ان شاعروں (اقبال سہیل، امجد حیدرآبادی، عزیز لکھنوی اور ذاکر حرم حمید صدیقی) کے نمونۂ کلام، موضوعات اور طرزِ ادا کی نشاندہی کی گئی ہے۔

عصرِ جدید کے معاشرتی اور تاریخی تقاضوں نے نعت میں تبلیغ اور مقصد و اصلاح کے جن عناصر کو فروغ دیا تھا، اس کی مثالیں مولانا حالی کی مسدس سے حفیظ جالندھری کے "شاہنامۂ اسلام" تک پھیلی ہوئی ہیں۔ عصرِ جدید کی نعت گوئی کا ایک نمایاں حصہ گراموفون ریکارڈز، گیتوں، ٹھمریوں اور راگوں نیز ہندی انداز کی غزلوں پر مشتمل ہے۔ مجالسِ میلاد اور محافلِ سماع نے اس دور میں نعت کو جو تقویت دی۔ اس کا ذکر اس دور کے اجتماعی جائزہ میں دیا گیا ہے۔

اس مقالہ کا چھٹا باب عصرِ حاضر کی نعت گوئی پر مشتمل ہے۔ اس کے شروع میں قیامِ پاکستان کے بعد کے سیاسی و مذہبی فضا کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ اور ان شعراء کی نعت گوئی کا جائزہ لیا گیا ہے جو قیامِ پاکستان کے وقت بقیدِ حیات تھے۔ مگر جنھوں نے اپنی شاعری کا آغاز متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں کیا

تھا۔ ان شاعروں میں بہزاد لکھنوی اور ماہر القادری کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ نیز انہوں نے اُردو نعت گوئی پر جو اثرات ڈالے اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس دور کے عبقری ــــــ نعت گو عبدالعزیز خالد کی طویل نعتیہ منظومات "فارقلیط" اور "منحمنّا" کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خالد کے فنِ نعت میں اہم علمی، تہذیبی، عمرانی، مذہبی اور اساطیری عناصر کا ذکر کیا گیا ہے۔ عصرِ حاضر کے اُن نعت گو شاعروں جن کے کلام میں حضورِ اکرمؐ کی محبت و شیفتگی کے ساتھ آپؐ کی تعلیمات اور نوعِ انسان پر آپؐ کے پیغام کے اثرات کا موضوع نمایاں ہے۔ حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی اور حفیظ تائب ہیں۔ اس باب میں اس نعت گوئی کا بطورِ خاص ذکر ہے جو غزل کے پیرائے میں ہوئی اور جنہیں مذکورہ بالا شاعروں نے صداقت بیانی، احترامِ رسالتؐ کے شعور، فیضانِ نبویؐ کے تذکار اور آنحضرتؐ سے وابستگی اور شیفتگی والہانہ اظہار سے معتبر اور وقیع بنایا۔

عصرِ حاضر کی نعت گوئی میں دوسرے متعدد شاعروں کا ذکر ہے۔ اس دور میں اُردو نعت جس طرح شعر و ادب کا ایک مختلف باب قرار پائی اس کی وضاحت سال بہ سال چھپنے والے نعتیہ مجموعوں کی فہرست سے کی گئی ہے جس سے عصرِ حاضر میں نعت کی تیز رفتاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس باب کے آخر میں عصرِ حاضر کی نعت گوئی کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے جس میں اس دور کے خاص موضوعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں قومی و ملکی مسائل، سقوطِ ڈھاکہ، فلسطین اور اُمتِ مسلمہ کو درپیش مسائل و آشوب کا ذکر نمایاں ہے۔ ردِ اشتراکیت اور ردِ قادیانیت کے موضوعات کا حوالہ بھی اس دور کی نعت میں نظر آتا ہے۔

دورِ حاضر میں نعت گوئی کی ہیئتوں میں جو تنوع نظر آتا ہے۔ اس کی مثالیں دی گئی ہیں۔ معرّیٰ، آزاد اور نثری نظم کے علاوہ جدید غزل میں جو نعت لکھی گئی، عصرِ حاضر کے شاعروں کی نعتیہ غزلوں سے اس کے نمونے دیے گئے ہیں۔

مقالے کے آخر میں سات ضمیمے ہیں جن کے عنوانات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ احادیثِ نبویؐ میں لفظِ نعت کا استعمال

۲۔ اسمائے رسولِ مقبولؐ

۳۔ شروحِ بُردہ

۴۔ میلاد نامے

۵۔ غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام

۶۔ خواتین کی نعت گوئی

۷۔ نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کا جائزہ

مقالے کی کتابیات میں قرآن و حدیث، کتب سیرت، لغات، کتب حوالہ، کلیات دیوان، مثنویات، کتب معاون و نعتیہ دیوان / شعری مجموعے، جرائد کے خصوصی شمارے، عام انسائیکلوپیڈیا اور فہارس وغیرہ کے حوالے دیے گئے ہیں۔

(۲)

۱۹۷۴ء میں جب اس مقالہ کا خاکہ تیار کیا گیا نعت کے موضوع پر بہت کم مواد ملتا تھا مگر خاکہ کی منظوری جنوری ۱۹۷۶ء سے اس مقالہ کی تکمیل (جون ۱۹۸۳ء) تک بہت سا تحقیقی و تنقیدی مواد شائع ہوا جس سے راقم کو بہت مدد ملی۔

نعت کے بارے میں شائع ہونے والی پہلی اہم تصنیف ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" (۱۹۷۴ء) ہے جس میں علمی و تحقیقی انداز میں نعت کے فکر و فن کے ضروری پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ سید رفیع الدین اشفاق کا مقالہ "اردو میں نعتیہ شاعری" اگرچہ ۱۹۵۳ء میں مکمل ہوا مگر اس کی اشاعت ۱۹۷۶ء میں ہوئی۔ ان کتابوں کی موجودگی نے مواد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ فکر و خیال کے نئے نئے گوشے سجھائے خصوصاً قدیم دکنی مخطوطات و تصانیف کے بیشتر حوالے اشفاق صاحب کے مقالہ سے ماخوذ ہیں۔

اس مقالہ کا دائرہ کار ۱۹۸۰ء تک محدود ہے ماسوا ان چند حوالوں کے جو چند بعد کے سالوں سے متعلق ہیں۔ گزشتہ پانچ چھ سالوں میں نعت کی صنف میں مقدار اور معیار کے لحاظ سے نمایاں اضافہ ہوا ہے نئے شاعروں نے جس تخلیقی توجہ، انہماک اور فنی خوبصورتی سے اس صنف کو برتا ہے اس نے نعت کو آج کے شعری منظر نامہ میں ایک محبوب اور مقبول ترین صنف کے طور پر ابھارا ہے۔ خصوصاً نوجوان شاعروں کے ہاں نعت جس معنوی وسعت، ہیئتی تنوع اور اظہار و ابلاغ کی خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ اس سے نعت کے ان گنت امکانات سامنے آئے ہیں۔ صلاح الدین پرویز، اجمل نیازی، امیر حمزہ جغتائی نے نظم اور خالد احمد کے ہاں قصیدہ و غزل کی ہیئت میں ان خوبیوں کا پرتو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ معاصر شاعروں کے ہاں صنف نعت کی طرف خصوصی شغف اور اس نعتیہ طرز احساس کے اثر کا جائزہ ایک جداگانہ مقالے کا موضوع ہے۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کار نعت کو سمیٹنے کی بھی توفیق مرحمت فرمائے۔

۳

مقالہ لکھتے ہوئے بار بار اس امر کا شدید احساس ہوا کہ نعت کی تخلیق کی طرح اس کی تنقید و تحقیق کے مرحلے بھی بہت کٹھن ہیں۔ ان مرحلوں میں جن مشفقوں نے میری راہنمائی فرمائی ہے ان کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ استادِ مکرم ڈاکٹر وحید قریشی نے جس محبت سے خاکے سے لے کر مقالہ کی تکمیل تک شفقت و معاونت فرمائی ہے اس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔ ان کے مفید مشوروں کے بغیر اس پھیلے ہوئے اور وسیع کام کو سمیٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ ان کی خصوصی توجہ نے میرے لیے اس کام کو آسان بنایا۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر انور محمود خالد اور برادرم عبدالرحمٰن شاکر صاحب کی تائید اور توجہ بھی ممد و معاون رہی۔ برادرم افتخار حسین نے بعض نایاب کتابیں فراہم کیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے احباب ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی طور مشورہ، تائید، توجہ اور تعاون سے اس کام میں آسانیاں پیدا کیں ان سب حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ ان سب کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔

مقالہ کی اشاعت استادِ مکرم پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کی سرپرستی میں ہو رہی ہے اس بارے میں میں ان کی شفقت اور خصوصی توجہ کے لیے شکر گزار ہوں۔ برادرم ڈاکٹر وحید عشرت (معاون ناظم ادبیات) اقبال اکادمی پاکستان اس مقالہ کی اشاعت کے مختلف مسائل اور مراحل سے براہِ راست منسلک تھے انھوں نے جس انداز اور دلچسپی سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا میں اس کے لیے ان کا از حد ممنون ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب احباب کو زندگی اور آخرت کی حقیقی نعمتوں سے نوازے آمین

۴

ایک آخری مگر ضروری بات کہ "اردو نعت" کے موضوع پر یہ مقالہ کسی بھی طور نعت کے فکر و فن اور اردو نعت گو شعرا کی مساعیِ جمیلہ کا پوری طرح احاطہ نہیں کرتا۔ ابھی اس کے بہت سے پہلو تشنہ ہیں۔ اس باب میں میری کوشش بھی ایک حرفِ اوّل کی سی ہے۔

ریاض مجید

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پہلا باب

تمہیدی مباحث

نعت ـــــ لغوی مفہوم

نعت (ن ع ت) بالفتح (م ر ن ت) عربی زبان کا ایک مادہ ہے۔ جو عام طور پر وصف کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کے لغوی مفہوم کی تلاش میں عربی لغت نگاروں کے خیالات کا بنظرِ غائر جائزہ لیں تو اس لفظ کی کسی معنوی پرتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اس لفظ پر سب سے تفصیلی بحث "تاج العروس" کے مصنف نے کی ہے اور اس مادہ کی مختلف نحوی صورتوں کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔ وہ "النعت" کے ضمن میں کہتے ہیں "نعت صوتی اعتبار سے منع کی طرح ہے۔ (یعنی اس کا کلمۂ عین (درمیانی حرف) ماضی اور مضارع دونوں میں مفتوح ہوتا ہے) نعت کے معنی وصف کے ہیں، خصوصاً جب آپ کسی چیز کے وصف میں مبالغہ سے کام لیں تو اس وقت نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وصف میں جو کچھ کہا جائے اُسے بھی نعت ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وصف بیان کرنے والے کو ناعت کہتے ہیں اور اُس کی جمع نعات ہے جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

انعتها فی من نعاتها

(میں نے اُس کی تعریف کی میں اُس کے ثنا خوانوں میں ہوں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے کو بھی نعت کہتے ہیں جیسے کہ آپ کی نعت بیان کرنے والا کہتا ہے:

لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ

(میں نے آپؐ سے قبل اور آپؐ کے بعد آپؐ جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا)

نعت سے باب افتعال انتعات کے وزن پر آتا ہے۔ انتعات کا لفظ بھی وصف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نعت کی جمع نعوت ہے۔

ابن سیدہ کہتے ہیں کہ ہر عمدہ اور جید چیز کو جس کے اظہار میں مبالغہ سے کام لیا جائے نعت کہتے ہیں جو چیز بہت خوب ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے "ھٰذا نعت" ازہری کہتے ہیں کہ نعت کا لفظ اس گھوڑے کے وصف کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بہت ہی خوبصورت اور دوڑ میں سبقت لے جانے والا ہو۔ اسی طرح منتعت، انعتہ، نعیت اور نعیتہ کے الفاظ بھی اس گھوڑے کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو عمدگی، جودت اور تیز رفتاری کا وصف رکھتا ہو۔ بقول اخطل:

اذا غرف الال الاکام علونہ بمنتعتات لابغال ولاحمر

(جب سراب نے ٹیلوں کو بھی غرق کر دیا ہم ان پر سوار ہو گئے ایسے عمدہ گھوڑوں کے ساتھ جو نہ خچر تھے نہ گدھے)

منتعت (بروزن منتعل) اس ذی حیات (انسان یا حیوان) کو کہتے ہیں جبکہ اس میں کوئی ایسا خاص وصف ہو جو اسے اپنے ہم جنسوں میں فضیلت بخشے مثلاً نعتہ فانتعت (میں نے اس کی نعت بیان کی پس وہ صاحب نعت ہوا) جیسے کہا جاتا ہے وصفتہ فاتصف (میں نے اس کی صفت بیان کی اور وہ موصوف ہوا)

ابن الاعرابی لکھتے ہیں کہ نعت کا لفظ اس انسان کے لیے بھی استعمال ہوگا جو نہایت خوبرو اور حسن و جمال سے اتصاف پذیر ہو۔ (اس حوالے سے) نعیت نہایت عمدہ، معزز اور سبقت لے جانے والے کو کہتے ہیں..... جب کوئی غلام یا کنیز علو مقام پر فائز ہو اُسے نعتہ کہتے ہیں۔ بہتر خوبیوں اور عمدہ اوصاف کے لیے مناعت جمیلہ کی ترکیب بھی مستعمل ہے۔ اسی مفہوم کی ادائیگی کیلئے حرالمنات، حسن المناعت اور نعت جید کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

ناعت کی جمع ناعتون اور ناعتین آتی ہے۔ جب کہ صحاح اور لسان میں صرف پہلے صیغہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ راعی کا ایک شعر ہے۔

حی الدیار دیار ام بشیر

بنو ناعتین فشاطی التسریر

ترجمہ: "اے ام بشیر کے علاقے میں رہنے والے قبیلے جو ناعتین میں تسریر کے کنارے پر رہے۔"

نعت اور وصف کا فرق

نعت کا لفظ عام طور پر وصف کا مترادف خیال کیا جاتا ہے لیکن اہل لغت نے ان دونوں لفظوں کے

معنوی اختلاف کی نشاندہی کی ہے۔

اس ضمن میں ابن اثیر کہتے ہیں "النعت وصف الشی بمانیہ من حسن ولا یقال فی القبیح الا ان یتکلف متکلف فیقول نعت سوء والوصف فی الحسن والقبیح"[۵]

(نعت کسی شے کی اچھائیوں کے بیان کا نام ہے قبیح میں اس کا استعمال نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی تکلف کرے تو کہا جاتا ہے۔ نعت سوء[۶] یعنی بُری نعت جب کہ وصف، حسن اور قبیح دونوں میں استعمال ہوتا ہے)

صاحب قاموس اللغات نے جوہری اور فیومی سے جنہوں نے ان دونوں لفظوں (نعت اور وصف) کو مترادف قرار دیا ہے، اختلاف کرتے ہوئے ابن اثیر ہی کی مذکورہ رائے (جسے کئی دوسرے نعت نگاروں اور مفسرین حدیث نے بھی نقل کیا ہے) کے حوالے سے ان لفظوں کے معنوی فرق کی وضاحت میں کہا ہے کہ "نعت جسمانی خوبی یا حلیہ کے لیے مستعمل ہے جیسے طویل (دراز قد والا) یا صغیر (چھوٹے قد والا) مگر صفت افعال کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ضارب (مارنے والا) انہوں نے اس ضمن میں ثعلب کی رائے بھی نقل کی ہے کہ نعت جسم انسانی کے لیے مخصوص ہے مثلاً الاعرج (لنگڑا پن) اور صفت کا استعمال عام ہے جیسے عظیم وکریم، میں اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کیا جائیگا، نعت نہیں۔"[۷]

عربی کے لغات[۸] میں لفظ نعت اور اُس کی دوسری نحوی صورتوں کے جو مفاہیم و مطالب سامنے آتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں۔ (نعت) کسی چیز کو بیان کرنا (نعت، ینعت نعتاً) اوصاف بیان کرنا خصوصاً تعریف میں نعت صفت، وصف، جوہر، تعریف، خاصیت، گُن (نعتُ) کسی شے کی خوبیوں کا بیان جب کہ اس کے وصف میں مبالغہ کیا جائے (نعتُ نعتاً) بہ تکلف عمدہ صفات دکھانا (نعت) خلقتاً عمدہ صفات والا ہونا (نعت الصفت) مثلاً المنعت من الخیل تیز رفتار ہونا، گھوڑ دوڑ میں سبقت لے جانے والا گھوڑا، اسی طرح صرف و نحو میں صفت کو موصوف کے ساتھ ملانا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف بھی نعت کے مفاہیم میں شامل ہے۔

عربی لغت نگاروں کے خیالات کے مطالعہ سے لفظ نعت کے مفہوم کے بارے میں جو نمایاں تاثرات ابھرتے ہیں وہ اسے اپنے قبیل کے دوسرے الفاظ مثلاً وصف، صفت، تعریف، ثنا، حمد اور منقبت وغیرہ سے منفرد اور ممتاز ٹھہراتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تو یہ لفظ خاص طور پر تعریف میں یعنی اوصاف حسنہ یا وصف محمود کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ لفظ کسی شے یا شخص کے محض سرسری اوصاف بیان کرنے کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتا بلکہ بہ تکلف عمدہ صفات دکھانے کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔ بقول الزبیدی "نعت الشی بمانیہ ویبالغ فی وصفہ"[۹]

ترجمہ" یعنی کسی شے کی خوبیوں کا وہ بیان جب کہ اُس وصف میں اُس کے متعلقات کی بنا پر مبالغہ کیا جائے۔" تیسرے یہ کہ یہ لفظ خلقتاً عمدہ صفات کے مالک کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی اُس شخص کے لیے جو پیدائشی طور پر خوبصورت ہو، عمدہ خصلتوں اور اچھے اخلاق والا ہو۔ چوتھے یہ کہ یہ لفظ اوصاف کے انتہائی درجے کے مفہوم میں آتا ہے۔

قرآن مجید میں اس مادہ (نعت) کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا، البتہ بعض مفسرین نے قرآن کی تشریح و ترجمہ میں اس لفظ کو وصف کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ احادیثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شمائلِ نبوی (حافظ محمد بن عیسیٰ) میں نعت کا لفظ اپنی مختلف نحوی اور صرفی صورتوں میں قریباً پچاس مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ اپنے متنوع مفاہیم اور مختلف معانی میں نظر آتا ہے

احادیث[1] میں یہ لفظ مطلق اظہار اور بیانِ محض سے کر عام اشیاء و افراد کی تعریف، صفت، حالت، کیفیت، صورت، احوال، خصوصیت، علامت اور کسی چیز کی خاصیت یا کسی شخص کے حلیہ کے بیان میں استعمال ہوا ہے۔ اسی مفہوم کی رعایت اور نسبت سے یہ لفظ بعض مقاماتِ محمود مثلاً سدرۃ المنتہیٰ اور مسجدِ اقصیٰ کی تعریف و توصیف میں ملتا ہے اور اسی حوالے سے بعض صحابہ کرامؓ کے اوصاف اور دینِ اسلام اور اُس کے ارکان یعنی نماز وغیرہ کی تعریف میں بھی نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال اور قرأت کی تعریف اور حضورؐ کی مدح کے ضمن میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

احادیث میں لفظ نعت کا استعمال اگرچہ صفتِ محمود ہی کے معنی میں ہے۔ اور وصفِ مذموم کے لیے اس کے ساتھ تخصیص کے ساتھ مکروہ کی اضافت ملتی ہے تاہم یہ لفظ نامبارک اشیاء کی کیفیت اور وضاحت کے بیان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً مسند ابنِ حنبل (جلد ۲، ص ۱۷۰) میں یہ لفظ جہنم کی زنجیروں اور سلاخوں کی کیفیت کے بیان میں آیا ہے۔ ایک دو جگہوں پر یہ لفظ نشان دہی امر تجویز و سفارش (Rec-onstruction) کے مفہوم میں بھی ملتا ہے۔

احادیث میں اگرچہ نعت کا لفظ تخصیصی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا میں نہیں آیا پھر بھی لفظِ نعت کے اس مفہوم کا سراغ لگانے میں ہمارا اولین مرجع احادیث ہی قرار پاتا ہے۔ نعت کے اصطلاحی مفہوم کی تلاش میں جب ہم احادیث سے رجوع کرتے ہیں تو ہمیں چند احادیث میں یہ لفظ واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں نظر آتا ہے۔ مثلاً سننِ دارمی میں کیف تجد نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی التورۃ[11] الخ والی روایت۔

مطالعۂ حدیث ہی کی روشنی میں بعض شارحین و مفسرینِ حدیث نے اپنی تحریروں میں نعت کو مطلق

وصف کی عمومیت سے نکال کر اسے آنحضرتؐ کی توصیف و تعریف سے وابستہ کیا اور اسے ایک تخصیصی مفہوم کا حامل ٹھہرایا۔ غالباً

"النھایہ فی غریب الحدیث والاثر"

"وہ پہلا ماخذ ہے"[۱۲]

جس میں اس کے مرتب ابن اثیر (م ۵۴۴ - ۶۰۶ھ) نے لفظِ نعت کو اصطلاحی مفہوم میں پیش کیا وہ لکھتے ہیں کہ

"نعت (س)

فی صفتہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ناعتہ لم ار قبلہ ولا بعد مثلہ"

ترجمہ: "نعت رسول اکرمؐ کی صفت کو کہتے ہیں جیسے کہ ناعت (نعت کہنے والا) کہتا ہے، میں نے آپؐ سے قبل اور آپؐ کے بعد آپؐ کی مثل نہیں دیکھا۔"

ابن اثیر کے بعد ابن منظور (مصنف لسان العرب) اور الزبیدی (مصنف تاج العروس) نے نعت کے باب میں (مدح رسول کے معنی میں) ابنِ اثیر ہی کے الفاظ اور مثال کو دہرایا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ نعت کے عمومی مفہوم کے بیان پر زور زیادہ دیا ہے۔ مولانا شیخ محمد طاہر (مصنف مجمع بحار الانوار)[۱۱] نے نعت کے ضمن میں اگرچہ ابنِ اثیر ہی کی مثال کو دہرایا مگر مفہوم مطلق وصف ہی کا پیش کیا۔

نعت کے باب میں یہ امر باعث تعجب ہے کہ بعد کے عربی لغات سے لفظِ نعت کا یہ مفہوم (وصفِ رسولؐ) غائب ہوتا چلا گیا اور اپنی تمام تر اعلیٰ، مثبت اور موزوں خصوصیات (جن کا ذکر ہم پہلے بالتفصیل کر چکے ہیں) کا حامل یہ لفظ جو اپنی دلالتِ وضعی اور دیگر معنوی خوبیوں کے سبب وصفِ رسولؐ کے بیان کے لیے اپنے دوسرے مترادفات مدح، مدیح وغیرہ سے بلیغ اور وقیع تھا مطلق وصف ہی کے معنوں میں کیوں ترویج پاتا رہا اور عربی میں اسے وہ تخصیصی اور اصطلاحی درجہ کیوں نہ عطا ہوا جو اسے بہت بعد میں فارسی اور اردو میں ہوا۔

لغات کے علاوہ عربی زبان و ادب کا مطالعہ کریں تو اس میں بھی یہ لفظ اپنے عمومی معنوں میں ملتا ہے مثلاً رویم بن محمد کے اس قول

من نعت الفقیر حفظ سرہٖ وصیانۃ نفسہٖ واداء فی الضہٖ

ترجمہ: "فقیر کی خوبیوں میں سے اپنے رازِ مکتوم کی محافظت اور اپنے نفس کے جھانسوں سے ہوشیار رہ کر فرائض کا ادا کرنا ہے۔"[۱۵]

اور ابوالحسن کے قول نعت الفقیر السکون عند العدم والبذل عند الوجود۔

ترجمہ: "فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب نہ ہو تو خاموش رہے اور جب ہو تو خوب خرچ کرے)

اور جنید بغدادی کے قول

التصوف نعت رتیم العبد نیه قیل نعت للعبد ام للحق فقال نعت الحق حقیقة ونعت العبد رسم

ترجمہ: "تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا بندہ کے لیے تو فرمایا بمعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے لیکن رسماً صفت بطورِ مجاز بندہ کے لیے ہوتی ہے[۱۵]) میں نعت کا لفظ مطلق خوبی، تعریف اور صفت ہی کے مفہوم میں آتا ہے۔

علاوہ ازیں" نعت البدایات و توصیف النہایات، تبین الغموض علی نعت العروض، النعت المرصع بالجنس المسجع، اور نعوت الحیوان وغیرہ نام کی کتابوں[۱۶] میں لفظِ نعت غیر اصطلاحی مفہوم ہی میں ہے

فارسی زبان میں نعت

فارسی لغات میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں معانی میں آیا ہے۔ فرہنگِ آموزگار میں اس کا مطلب "ستائش، وصف، صفت"[۱۷] اور منتخب اللغات میں "صفت و وصف کردن"[۱۸] ہے جبکہ غیاث اللغات میں "تعریف و وصف کردن از منتخب" کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ "اگرچہ لفظ نعت بمعنی مطلق وصف است لیکن اکثر استعمال ایں لفظ بمعنی مطلق ستائش و ثنائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ است"[۱۹] فرہنگِ آنندراج کے مصنف نے لفظ نعت کے ضمن میں صاحب غیاث اللغات ہی کے مفہوم کو دہرایا ہے البتہ امیر معزی کے اشعار سے مطلق وصف کے معنی میں لفظ نعت کے استعمال کی درج ذیل مثالیں دی ہیں:

جاوید ہمی باشں بایں نعت و بایں وصف
پاکیزہ باخلاق و پسندیدہ بافعال

تا پدید آید ہمی نعت جوانی در بہار
ہمچناں چوں وصف پیری از خزاں آمد پدید!

وصفش ہمہ تقدیس ز پیوند و ز فرزند
نعتش ہمہ تنزیہہ ز امثال و ز اقران[20]

امیر معزی سے تقریباً ایک صدی پہلے ابوالحسن مجدالدین کسائی (پیدائش ۳۴۱ھ) کے ہاں بھی نعت کا لفظ مطلق وصف کے معنی میں آیا ہے۔ وہ بہار کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کہسار چوں زمرد نقطہ زدہ ز بستد
در نعت او مشعبد حیراں شداست و شیدا[21]

وصف و ستائش ہی کے حوالے سے نعت کا لفظ فارسی میں خدا تعالیٰ کی حمد اور حضرت علیؓ کی منقبت کے ضمن میں بھی استعمال ہوا ہے امیر معزی (متوفی ۵۴۲ھ) خدا تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نہ اندر ذات او تالیف و ترکیب
نہ اندر نعت او اعراض و جوہر[26]

میرزا حسن بیگ معلوم تبریزی کے ہاں منقبت کے ضمن میں لفظ نعت ملاحظہ ہو:

علی و ولی صاحب ذوالفقار
وصیِّ نبیؐ رحمت کردگار

بہ نعتش بکن صد زبان خامہ ام
بہ مہر نبوت رسد نامہ ام[22]

سید ضیاءالدین دہشیری کی کتاب "نعت حضرت رسول اکرمؐ در شعر فارسی" کے دیباچے میں اُن کی زیرِ ترتیب کتاب "نعتِ امیرالمومنین علیؓ در شعر فارسی" کا ذکر بھی ملتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے ذہن میں نعت کا وہ جداگانہ مفہوم نہیں جو اردو میں مروّج ہے، بلکہ انہوں نے نعت کو حضرت رسولِ اکرمؐ اور جناب امیرالمومنین علیؓ دونوں کے ضمن میں وصفِ مطلق کے مفہوم میں برتا ہے۔ اس خیال کی تائید اس کتاب کے دیباچے میں ایک اور جگہ سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں: "—— از قرن ہفتم و بعد ہم بر اثر حملۂ جہانسوز مغول و ہم بر سبب رہے کار آمدن سلسلہ ہائے چون صفویہ توجہ بدین و نعت او بیاء و مرسلین رواج گرفت۔"[23]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نعت کا لفظ آج بھی فارسی میں کسی صنفی و اصطلاحی تشخص کے بغیر بلا تخصیص (خاص طور پر ثنائے رسولؐ نہیں بلکہ اپنے لغوی معنوں "وصف کردن از منتخب یعنی اولیاء و مرسلین

وغیرہ کی تعریف کیلئے مستعمل ہے۔

اُردو زبان میں لفظِ نعت

اردو لغات[25] میں اگرچہ عربی و فارسی لغات کی پیروی میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسولؐ دونوں معانی میں آیا ہے مگر جیسا کہ نور اللغات کے مرتب نے لکھا ہے "—— یہ لفظ بمعنی مطلق وصف ہے لیکن اس کا استعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ستائش و ثنا کے لیے مخصوص ہے"[26] اردو زبان و ادب میں مطلق وصف کے معنی میں اس کا استعمال قریب قریب ناپید ہے۔ تلاش بسیار کے بعد علی خان کی مثنوی "قصہ زیتون و محمد حنیف" میں لفظِ نعت، صحابہ کرام کی منقبت کی جگہ عنوان میں استعمال ہوا ہے علی خاں اپنے منظوم قصہ کے آغاز میں حمد اور نعت کے بعد صحابہ کرامؓ کی منقبت سے پہلے عنوان یوں درج کرتے ہیں "در نعتِ اصحاب کبار رضی اللہ عنہم"[27]

اس مقام کے علاوہ اردو شعر و ادب میں لفظ نعت کا وصفِ رسولؐ کے علاوہ استعمال دیکھنے میں نہیں آیا۔[28] اس کی سب سے بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ عربی سے فارسی اور پھر فارسی سے اردو شعر و ادب کے آغاز تک یہ لفظ وصفِ مطلق کی عمومیت سے نکل کر آنحضرتؐ کی تعریف و مدح کے لیے مخصوص ہو چکا تھا اور لفظِ محض کی بجائے ایک مخصوص ادبی و شعری اصطلاح کے طور پر رواج پا چکا تھا یہی وجہ ہے کہ اردو کی بعض جدید لغات میں اس کے اصطلاحی معنی ہی درج ہیں اور اس کا تعمیمی پہلو (وصفِ مطلق) غائب ہے۔ مثلاً "اردو لغت" میں نعت کا مطلب اصطلاحی حوالے ہی سے درج ہے۔ مرتب لکھتے ہیں "وہ نظم جو رسول اکرمؐ کی شان میں کہی جائے"[29]

یعنی اردو لغت زبان اور شعر و ادب میں اس (نعت) کے معنی سرکارِ دو عالم رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ہی کے مفہوم سے منسوب و مختص ہیں۔[30]

اصطلاحی مفہوم

جیسا کہ ہم نعت کے لغوی مفہوم کے ضمن میں دیکھ آئے ہیں۔ یہ لفظ اردو تک پہنچتے پہنچتے ایک خاص مفہوم سے وابستہ ہو چکا تھا اس لیے اردو میں اس کا استعمال ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر ہی نظر آتا ہے یعنی اس سے صرف آنحضرتؐ کی مدح مراد لی جاتی ہے بقول ڈاکٹر یونس حسنی "—— ایسی تمام نظمیں جن میں رسولِ خداؐ سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جائے یا آپؐ کے محاسن بیان کیے جائیں نعت کی تعریف میں

آتی ہیں۔[۲۱]

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ نعت کی اصطلاح شاعری ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی حامل نثری تحریروں پر بھی اس عنوان اور اصطلاح کا اطلاق ملتا ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے کہا ہے کہ "اصولاً آنحضرتؐ کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا۔ لیکن اردو اور فارسی میں جب نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرتؐ کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے"۔[۲۲]

ممتاز حسن نے "خیر البشرؐ کے حضور میں" میں نعتیہ شاعری اور نعت کے موضوع و فن پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی بڑی بلیغ اور جامع تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں "میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور نبی کریمؐ کی ذاتِ گرامی سے قریب لائے۔ جس میں حضورؐ کی مدح ہو یا حضورؐ سے خطاب کیا جائے صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکرِ نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصدِ نبوت سے دل بستگی پائی جائے جس میں جنابِ رسالت مآبؐ سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضورؐ کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو وہ مدح یا خطاب بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اور وہ شعر نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث مخمس ہو یا مسدس، اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دار و مدار اس کے نفسِ مضمون پر ہے۔ اگر اس کا مقصد ذاتِ رسالتؐ کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاںؐ کی بعثت کی جو اہمیت نوعِ انسانی اور جملہ موجودات کے لیے ہے اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے"۔[۲۳]

ممتاز حسن نے نعت کی تعریف کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ نعت کے معیار کی نشاندہی کی ہے بلکہ اخلاقی مذہبی اور اسلامی شاعری اور نعتیہ شاعری میں جو ایک نازک سی حدِ فاصل ہے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ یعنی نعتیہ شاعری صرف وہ شاعری ہوگی جس کے شعری پیکر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا جلی یا خفی حوالہ موجود ہو جس کا تاثر ہمیں رسول اکرمؐ کی طرف لے جائے گویا نعت کے لیے ضروری نہیں کہ حضور اکرمؐ کا نام ظاہری طور پر ضرور ہی لیا جائے یا حضورؐ کے متعلقات و مناسبات کا ضرور ہی ذکر کیا جائے نعت کے شعر کی فضا ایسی ہونی چاہیے کہ اس کا تاثر ہمیں حضور اکرمؐ کی ذاتِ گرامی ان کے منصبِ نبوت، کارِ رسالت سیرت و سوانح یا جذبۂ عشقِ رسولؐ کی طرف لے جائے۔ مثلاً علامہ اقبال کا یہ شعر دیکھیے:

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب[۲۴]

اس شعر میں اگرچہ حضورؐ کے نام اور ان کے متعلقات و مناسبات کا رسالت، نبوت، وحی، قرآن

حرا، حدیث، الگنبد خضرا و صحابہ کرامؓ وغیرہ) کا ذکر نہیں مگر شعر کی مجموعی فضا میں جس شوق کا تاثر ابھرتا ہے اس کا حوالہ حضور اکرمؐ کی ذاتِ گرامی ہی سے مختص ہے لہٰذا اس شعر میں خارجی حوالوں کے بغیر نعت کی فضا موجود ہے۔ اسی سبب ہمارے نعتیہ ادب میں بہت سی منظومات ایسی ہیں جن پر نعت کا عنوان نہیں ہوتا اور نہ ہی اسمائے رسولؐ، صفاتِ رسولؐ یا مناسبات و متعلقاتِ رسولؐ میں سے کسی کو زیبِ عنوان بنایا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اپنی داخلی فضا کے سبب ان کا شمار نعت میں ہوتا ہے گویا کسی فن پارے پر نعت کی اصطلاح کا اطلاق اس کی داخلی فضا اور اجتماعی تاثر (تاثرِ رسولؐ) کی بنا پر ہوگا۔ اس کے لیے نعت کا عنوان ضروری نہیں۔ نعت غزل کی طرح بے عنوان بھی ہو سکتی ہے۔ اس پر غیر نعتیہ عنوان بھی ہو سکتا ہے اور اس پر لفظ نعت یا اسمائے رسولؐ یا مناسبات و متعلقاتِ رسولؐ کا کوئی واضح اور نمایاں حوالہ بھی ہو سکتا ہے یعنی اس کا عنوان نعتیہ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی طرح کی نعتوں میں نعتیہ دواوین میں چھپنے والی ہزاروں نعتیں شامل ہیں۔ عموماً غزل کی ہیئت میں لکھی جانے والی نعتوں پر نعتوں کا عنوان نہیں ہوتا مثلاً علامہ اقبال کی وہ نعت جو بالِ جبریل میں شامل ہے اور جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا[۳۵]

دوسری طرح کی نعتوں میں علامہ اقبال کی "ذوق و شوق"، احسان دانش کی "دارین"، مہدی نظمی کی "رحلِ نظر" کی مثال دی جا سکتی ہے جن کے عنوان بظاہر غیر نعتیہ ہیں مگر جن کا موضوع اور مجموعی فضا نعتیہ ہے تیسری طرح کی نعتوں میں علامہ اقبال کی نظم "حضورِ رسالت مآبؐ میں"، عبدالعزیز خالد کی کتاب "فارقلیط اور منحمنا"، محشر رسول نگری کی "فخرِ کونین" اور حفیظ تائب کی "صلو علیہ و آلہ" کے علاوہ وہ سارا نعتیہ کلام شامل ہے جس کا عنوان واضح طور پر نعتیہ ہوتا ہے یا جس پر لفظِ نعت لکھا ہوتا ہے۔

وصفِ رسولؐ میں لفظ نعت کا اولین استعمال

اس امر کا تعین کہ نعت کا لفظ حضور اکرمؐ کے وصف میں سب سے پہلے کب اور کس نے استعمال کیا اگرچہ مشکل ہے تاہم احادیث اور سیرت کی امہات الکتب میں کچھ ایسی روایات مل جاتی ہیں جن سے کچھ حد تک اس امر کا سراغ مل جاتا ہے کہ حضور اکرمؐ کے وصف کے بیان میں پہلے پہل یہ لفظ کب استعمال ہوا سید رفیع الدین اشفاق کا خیال ہے کہ یہ لفظ سب سے پہلے حضور اکرمؐ کے وصف کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے استعمال کیا، ان کے اس خیال کا مرجع شمائل ترمذی کی وہ طویل حدیث ہے جو ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔

من راہ بدیہتہ ھابہ ومن خالطہ معرفہ احبہ بقول ینا عتہ لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم

"آپ پر یکایک جس کی نظر پڑتی ہے ہیبت کھاتا ہے، جو آپ سے تعلق بڑھاتا ہے محبت کرتا ہے، آپ کا وصف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ آپ سے پہلے نہ آپ کے جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے جیسا دیکھا"[۲۰]
اشفاق اس حدیث میں لفظ ناعت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں "غالباً اسلامی ادب میں اس معنی میں اس کا استعمال پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے لیے بجائے واصف کے ناعت استعمال کیا ہے"[۲۵] اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رض سے منقول بالا روایت حضور اکرم کے حلیہ مبارک کا ایک خوبصورت اظہار ہے۔ خصوصاً

لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ[۲۱]

والا فقرہ حضور کے اوصاف کے بیان میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور لفظ نعت کے ضمن میں کئی نعت نگاروں نے اسے بطور مثال بھی پیش کیا ہے، مگر اپنی اہمیت اور بلاغت کے باوجود اسے لفظ نعت (بمعنی وصف رسول اکرم) کی اولین مثال کے طور پر پیش کرنا محل نظر ہے۔
اس روایت کا سلسلہ اسناد جسے رفیع الدین اشفاق نے غالباً طوالت کے خیال سے نقل نہیں کیا ابراہیم بن محمد بن علی رض سے جا ملتا ہے۔ ابراہیم بن محمد جو اس روایت کے اولین راوی ہیں حضرت علی رض کے پوتے تھے جن کا زمانہ حضور اکرم کی وفات مبارک کے کئی سال بعد کا ہے۔ اس سے بہت پہلے حضور اکرم کی حیات طیبہ ہی میں یہ لفظ مختلف احادیث میں حضور اکرم کے اوصاف و خصائل کے اور مجموعی طور پر آپ کی (مدح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
سنن دارمی میں کعب الاحبار والی روایت میں بھی نعت کا لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آیا ہے، ملاحظہ ہو

"عن ابن عباس انہ سال کعب الاحبار کیف تجد نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ......"[۲۲]

"آپ تورات میں حضور کی تعریف کیسی پاتے ہیں"
خصائص الکبریٰ میں جلال الدین سیوطی نے بھی ایسی کئی روایات نقل کی ہیں مثلاً فلتان بن عاصم، سہیل مولیٰ خیثمہ، ابو ہریرہ، ابی صخر عقیلی اور ابن عباس رض سے منقول روایات ہیں۔

قال نجد نعتنا مثل نعتک ومثل بیتک ومخرجک.... ' فغلقنہا موجدت فیہا نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم.... ' مینہا نعت النبی احمد.... ' صفتک و نعتک طبیین فی التوراۃ.... ' اتجد فی التوراۃ نعتی وصفتی ومخرجی... ھذا النبی نجد نعتہ...[2]

کے جملوں میں نعت کا لفظ حضور اکرم کے وصف ہی کے حوالے سے استعمال ہوا ہے ان میں کچھ مثالیں ایسی بھی ہیں جہاں آپؐ نے یہ لفظ اپنے اوصاف و خصائص کے بارے میں خود استعمال کیا ہے

قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کے حوالے سے لفظِ نعت کا استعمال (حضور اکرمؐ کے وصف میں) آپ کی بعثت و ولادت سے پہلے زمانے تک جا پہنچا ہے۔ وہ آیت یہ ہے

وکانو من قبل یستفتحون علی الذین کفرو فلما جاءھم ما عرفو کفروا بہ (پ ۱ ع ۱۱)

"اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا اُن کے پاس وہ جانا پہچانا تو اس سے منکر ہو بیٹھے۔"

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مستند مفسرین کرام علیہم الرحمہ نے کہ یہودی کس طرح دعا مانگتے تھے یہ عبارت نقل کی ہے۔ اللہم انصرنا بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعتہ وصفتہ فی التوراۃ[3]

"اے اللہ ہماری مدد فرما، اس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو آخر زمانہ میں بھیجے جائیں گے جن کی نعت اور صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔"

ان روایات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نعت کا لفظ حضرت علیؓ کی زیرِ بحث روایت سے پہلے حضور اکرمؐ، صحابہ کرامؓ اور دیگر حتیٰ کہ اس زمانہ کے یہودی عالموں کی زبانی سے بلکہ آپؐ سے پہلے یہود کی دعاؤں میں بھی آپؐ کی مدح و توصیف اور اوصاف و خصائص کے حوالے سے استعمال ہوتا رہا ہے۔

نعت کا موضوع

بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرمؐ کی مدح ہی کا نام ہے۔ لیکن اگر عربی، فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ "مدح" نعت کا اہم موضوع ہے اور صنفِ نعت کے آغاز ہی سے اسے نعت کے ایک اہم عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جب عربی میں باقاعدہ نعت نگاری شروع ہوئی تو کفارِ مکہ کی ہجو اور گستاخیِ رسولؐ کے جواب میں مسلمان شاعروں نے مؤثر طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دربارِ رسالتؐ

کے شاعروں نے کفار کے رد میں حضور اکرمؐ کے حسب نسب اور کردار و صفات کی توصیف و ستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھیں انہیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

عربی کے اس ابتدائی سرمایۂ نعت ہی کے مطالعے سے اس موضوع کی وسعت کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دربار رسالتؐ سے وابستہ شاعروں کی نعتوں میں آپؐ کی سیرتِ مبارکہ کی صفت و ثنا، جمالِ ظاہری، شجاعت و سخاوت، دیانت و امانت اور صداقت و عدالت اور باطنی حسن کی تعریف، حضورؐ کے خلق و ہدایت کا بیان، آپؐ کے آباؤ اجداد اور اصحاب و آل کی مدح، دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں آپؐ کی فضیلت کا بیان اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی عقاید اور اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغِ اسلام میں حضورِ اکرمؐ کی مساعیِ جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ یوں مدح کے ساتھ اسلام اور سیرتِ رسولؐ کے لامحدود پہلوؤں کا تذکار ہے، نعت کے موضوعات میں شامل ہو گیا۔ بعد کی نعتیہ شاعری خصوصاً فارسی میں شاعر کے اپنے احساسات بھی نعت کے مضامین میں شامل ہونے لگے۔ اب نعتوں میں مدینے سے دوری کا احساس، ہوا کے ذریعے روضۂ رسولؐ تک پیغام رسانی، اور ہجومِ مصائب میں آپؐ سے فریاد اور دادرسی کی خواہش یعنی استغاثہ و استمداد کے مضامین بھی نعت میں داخل ہو گئے۔ یوں ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل بھی نعت میں قلمبند ہونے لگے۔ اور نعت کا دائرہ "مدح" سے پھیل کر مسلمانوں کے قومی و ملی محسوسات کو محیط ہو گیا۔

زمان و مکان کی بدلتی ہوئی صورتِ حال میں جب آپؐ کی سیرتِ مبارکہ کے نئے نئے پہلو اور امکانات ظاہر ہوئے تو آپؐ کے حوالے سے تہذیبی اور سماجی، تمدنی اور معاشرتی، معاشی اور اقتصادی، سیاسی اور تاریخی ان گنت موضوعات و مضامین نعت آشنا ہو گئے۔ آج کے دور میں نعتوں میں موضوعات کی یہ بوقلمونی اور رنگا رنگی بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ نعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کے علاوہ آپؐ کی ذات، حیات، غزوات، معجزات، صفات، تعلیمات، احسانات، عادات و معمولات کے تذکار، شخصی واردات و کیفیات کے بیان، قومی و ملی مسائل کے ذکر اور انسانی و آفاقی تصورات و نظریات کے مختلف پہلوؤں کو ایک قرینہ اور سلیقے سے اپنے اندر سمو لیا ہے۔ نعت نگاروں نے جن مضامین کو اپنے نعت پاروں میں کثرت سے استعمال کیا ہے وہ درج ذیل ہیں

نعت کے موضوعات کا ایک بڑا حصہ آپؐ کی ذات سے متعلق ہے جس میں آپؐ کی دوسرے انبیائے کرامؑ پر فضیلت و برتری، آپؐ کا خاندانی شرف، نسلی امتیاز و بزرگی، آپؐ کا باعثِ تخلیقِ کائنات ہونا، کتبِ سماوی میں آپؐ کی تشریف آوری کی بشارت، آپؐ کا پرتوِ جمالِ الٰہی اور مظہرِ ذاتِ خداوندی

ہونا، آپؐ کا نور من نور اللہ ہونا، آپؐ کا صاحبِ خلقِ عظیم ہونا، آپؐ کا خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونا، بیان کیا جاتا ہے۔

دوسرا حصہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں ہے جس میں آپؐ کی ولادت، پرورش، بچپن کے واقعات سے لے کر آپؐ کی بعثت، اعلانِ نبوت، کفارِ مکہ کی ایذا رسانی، ہجرتِ مدینہ، مدینہ میں اسلامی سلطنت کے قیام اور وفاتِ مبارک کا بیان ہوتا ہے۔ آپؐ کی سیرت اور سوانح ہی کے ضمن میں آپؐ کے غزوات (جنگ بدر، احد، خندق اور فتح مکہ وغیرہ) کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ نیز آپؐ کے معجزات (معجزۂ رجعت شمس و شق القمر، کنکری کا کلمہ پڑھنا، حیوانات و نباتات کا سجدۂ تعظیمی کرنا، بتوں کی فریاد اور سر کے بل گرنا) اور واقعہ معراج وغیرہ کو بھی نعت کا موضوع بنایا جاتا ہے۔

آپؐ کی ذات، حیات، غزوات اور معجزات کے ساتھ نعت کے دوسرے موضوعات آپؐ کی صفات تعلیمات اور بنی نوع انسان پر آپؐ کے احسانات سے متعلق ہیں۔ آپؐ کی صفات میں آپؐ کی امانت، صداقت دیانت، عدالت، شجاعت، نجابت، سخاوت، شرافت، اخوت، محبت، بخشش، عنایت، جود و سخا، فضل و عطا، علم و حلم جیسے اعلیٰ اوصاف اور اخلاقِ حمیدہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تعلیمات کے باب میں آپؐ کے ارشادات خطبات، فرمودات، اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغ اسلام کے لیے آپؐ کی مساعیٔ جمیلہ کا بیان ہوتا ہے۔ احساناتِ نبویؐ میں دینِ اسلام، قرآن کریم، آپؐ کے منشور اور اسوہ و شریعت جیسے عطیات کے ساتھ آپؐ کی رحمت و شفاعت اور اس محبت و شفقت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو آپؐ کو اپنے اُمتیوں سے ہے۔

ان موضوعات کا بیان تمام تر جذبات کے ساتھ نعت میں نظر آتا ہے۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ نعت گو شعرا نے آپؐ کے تذکارِ مبارک کے سلسلے میں آپؐ کی عادات، معمولات اور متعلقات کے ذراورا سے پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھا ہے اور انھیں انتہائی احترام اور شیفتگی سے جزوِ نعت بنایا ہے۔ اس انداز کے مضامین نعت میں آپؐ کے ایفائے عہد، عبادت و تعزیت کے طریق، انسانی ہمدردی اور غمخواری، مہمان نوازی، دشمنوں سے حسن سلوک، عفو و درگزر، حسنِ معاملات، وسعتِ قلبی و عالی ظرفی، ایثار و احسان اور اسمائے صفات کے ساتھ آپؐ کی رفتار، گفتگو اور آپؐ کی مجلس کے آداب وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح آپؐ کے لباس، خوراک، آپؐ کی مہرِ نبوت، حلیۂ مبارک کی جزئیات جن میں قدم، پنجے، ایڑیوں اور ناخنوں تک کا ذکر ملتا ہے، نعت کے موضوعات میں شامل ہیں۔

آپؐ سے والہانہ محبت کے سبب نعت گو شعرا نے آپؐ کے نعلین، لعاب، پسینہ، راہ اور نقشِ پا کو بھی نعت کا موضوع بنایا۔ اور آپؐ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے اپنا دلی تعلق ظاہر

کیا۔ اسی سبب نعت میں مدینے کی گلیوں، سگانِ کوچہ و بازار، خاکِ راہ، سنگِ درِ اقدس سے عقیدت و محبت کا اظہار، روضۂ اقدس کی سنہری جالیاں، گنبدِ خضرا، روضۂ رسولؐ اور مسجدِ نبوی کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔

تمنائے زیارت، ہوا کے ذریعے آپؐ تک سلام و فریاد رسانی، مسجدِ نبوی میں حاضری اور روضۂ رسولؐ پر سلام و درود پڑھنے کی خواہش کا اظہار بھی نعت کے اہم موضوعات میں شامل ہے۔ "نیز اپنے گناہوں کا احساس، اشکِ ندامت، رسولؐ سے شفاعت طلبی، اپنے غموں کے مداوا کے لیے رسولؐ سے فریاد، مدینہ جا کر رسولؐ کے روضۂ پاک کی زیارت کی تمنا، خواب میں دیدار کی آرزو، مدینہ میں دفن ہونے کی خواہش جیسے مضامین بھی نعت کا موضوع ہیں"[۱۹]

نعت ذاتِ رسالتمآبؐ کے محاسن، آنحضورؐ کی صفات و تعلیمات کے تذکار اور آپؐ سے محبت و شیفتگی کی واردات و کیفیات کے اظہار تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس نے اپنے اندر تہذیبی و معاشرتی، قومی و ملی اور سیاسی و تاریخی احوال و واقعات کو بھی سمو یا۔ بقول نظیر لدھیانوی "غالباً قومی شاعری سے نعت کا رشتہ مولانا حالی کی اس نعت سے اُستوار ہوا ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

مولانا حالی نے اس نعت میں اسلام کی شوکت و عظمت اور ادبار و زوال کی دوگونہ داستان نہایت مؤثر انداز میں بیان کی ہے۔ غالباً اسی نعت سے متاثر ہو کر علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں نے بھی نعتیہ نظموں میں قومی اور سیاسی واقعات بیان کیے اور قومی شعرا نے سیاسیات کا مرکز حضورؐ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو بنایا۔"[۲۰]

آپؐ کی رسالت تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ہے۔ آپؐ اقوامِ عالم کے لیے رحمت اور پوری انسانیت کے محسن بن کر آئے لہٰذا آپؐ کے فیضانِ رسالت اور پیغامِ نبوت کو کسی ایک قوم یا زمانے تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ عصرِ حاضر میں روشن خیالی، انسانی مساوات، مواخات اور آفاقی تصورات کے جو چرچے ہو رہے ہیں اور انسان ترقی کی جو منزلیں طے کرتا نظر آ رہا ہے اس کے پس منظر میں آپؐ ہی کی اعلیٰ شخصیت اور روشن تعلیمات کارفرما ہیں۔ آپؐ کے پیغام نے انسانی زندگی، ثقافت و مدنیت، معاشرت و سیاسیات اور تاریخ و تہذیب پر جو صحت مند، روح پرور اور خوشگوار اثر ڈالے ہیں اُن کا عکس بھی نعت میں نظر آتا ہے۔ جدید نعت گو شاعروں کے ہاں آپؐ کی عظمتِ کردار، خلقِ عظیم، اسوۂ حسنہ

منشور و شریعت کا مطالعہ اپنی ذات و قوم کے دائرے سے بڑھ کر انسانی اور آفاقی تصورات کے حوالوں سے نظر آنے لگا ہے۔ یوں عصرِ حاضر کی نعتوں میں آپؐ کا ذکر پیغمبرِ اسلام کے ساتھ محسنِ انسانیت کے طور پر بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے

آج کی نعت اپنے مرکزی موضوع (مدحِ رسولؐ) سے پھیل کر کائنات بھر کے مسائل کو محیط نظر آتی ہے۔ نعت کا موضوع بلاشبہ ارتقاء پذیر اور بتدریج بڑھنے والا موضوع ہے۔ اس کے مضامین میں عہد بہ عہد وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ جیسے جیسے زمانہ ترقی کر رہا ہے اور نئے نئے سائنسی انکشافات رونما ہو رہے ہیں ویسے ویسے حضورِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ، اُن کی تعلیمات اور انسانی تہذیب و معاشرت اور تاریخ و سیاست پر ان کے بڑھتے ہوئے اثرات سے پیدا ہونے والے نت نئے محسوسات نعت کا موضوع بن رہے ہیں۔ جدید طرزِ احساس رکھنے والے تخلیقی شاعروں نے نعت کے لامحدود امکانات سجھائے ہیں۔ بقول حفیظ تائب "گزشتہ چند برسوں سے نعت میں اس معیار و معراجِ انسانیت کے حوالے سے اپنے احوال کا جائزہ لینے کا رجحان بہت عام ہو رہا ہے اور زندگی کا ہر مسئلہ نعت کا موضوع بن رہا ہے، یوں نعت کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔"[۱۶]

اس ضمن میں ممتاز حسین کی یہ رائے نہایت بلیغ، دقیق اور اہم ہے کہ "ہر وہ شے نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور رحمۃ للعالمین کی ذاتِ گرامی سے قریب لائے۔"[۱۷] نعت میں یہی صورت موضوعات اور مضامین کی ہے۔ یعنی ہر وہ موضوع یا مضمون جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حضورِ اکرمؐ کی ذات، سیرت، یا صفات کا کوئی نہ کوئی حوالہ آ جائے نعتیہ کلام میں شامل ہے۔ یا ہر کوئی موضوع، وہ معاشرت و تمدن سے متعلق ہو یا معاشیات و اقتصادیات سے، تہذیب و ثقافت سے متعلق ہو یا عمرانیات و سیاسیات سے، جسے حضورِ اکرمؐ کے حوالے سے قلمبند کیا جائے نعت کا موضوع ہوگا۔ یعنی حضورؐ کا حوالہ ایک ایسا مقناطیس ہے جسے مس کرنے والا ہر موضوع نعت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ نعت کا مرکزی موضوع حضورؐ کی مدح، اُنؐ کا تذکار اور اُنؐ سے محبت کی کیفیات و واردات کا اظہار رہا ہے۔۔۔ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور حوالہ کے سبب جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ سینکڑوں ایسے موضوعات بھی دائرۂ نعت میں شامل ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ جن سے بظاہر نعت کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا مثلاً حضورِ اکرمؐ کی بعثت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادات و معاشرت اور تہذیب و تمدن کا احوال، سرزمینِ عرب کا جغرافیہ، پہاڑ، ریگستان، موسم، آب و ہوا اور عرب کی تاریخ وغیرہ، یہ موضوعات بظاہر تاریخ و جغرافیہ سے متعلق ہیں مگر نعتوں میں ان کا بیان بکثرت نظر آتا ہے۔

اسی طرح عمرانیات، سیاسیات اور اقتصادیات و اخلاقیات، ملت کی اخلاقی کجروی اور انتشار یا مغرب پرستی اور عصرِ حاضر کی مادیت زدہ زندگی اور اس سے پیدا ہونے والی گمراہی اور بداخلاقی کو بھی نعت نگاروں نے اپنے فن کا موضوع بنایا ہے۔

یہی حال نعت کے ضمن میں لکھی جانے والی حمد و منقبت کا بھی ہے۔ ان موضوعات کی اگرچہ اصنافِ شعر میں جداگانہ اہمیت ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نعت کے حوالے سے بھی خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کی منقبت تخلیق ہوتی ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن میں حمد اور منقبت کے عناصر ضمنی حیثیت ہی میں سہی مگر نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل بنی نوعِ انسان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان اور احسانات اس قدر ہیں کہ ان کے تذکار کے وقت شاعر کے ذہن کا اس خالقِ لم یزل کے حضور سجدۂ شکر بجالانا جس نے حضور پاکؐ کی شخصیت کی شکل میں کائنات کو اپنے سب سے بڑے کرم سے نوازا ایک فطری عمل ہے۔

حضور اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ نے جس طرح اپنے اصحاب کے ذہن و کردار کو جلا بخشی اور ان کی تربیت کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین، آئمہ کرام، اولیائے عظام اور بزرگانِ دین کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے جن کی شخصیت و کردار کی تکمیل میں کسی نہ کسی شکل میں حضور اکرمؐ ہی کے فیضان، تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی معجز نمائی اور کارفرمائی ملتی ہے۔ سو نعت کی تخلیق میں صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کی مدح و تعریف اور فیوض و برکات کا ذکر اور ان کی توصیف بھی نامناسب اور غیر متعلق نہیں۔

اسی سبب نعتیہ قصائد، مسدس، اور منظومات کے آغاز میں حمد کے بہترین نمونے بھی نظر آتے ہیں اور نعتیہ کلام کی دوسری شکلوں میں بھی جزوی طور پر حمد کی جھلکیاں مل جاتی ہیں۔ اسی طرح نعت میں کہیں کہیں صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدین اور اہلِ بیت کی فضیلت اور منقبت بھی نظر آتی ہے۔ خصوصاً استغاثہ و استمداد کے انداز میں نعتوں میں بہرِ حضرت فاطمہؓ، بہرِ حسنؓ، بہرِ حسینؓ اور ..... ترحم از پئے آلِ عبا قسم کے حوالہ جات اور مضامین منقبت عام مل جاتے ہیں۔ اہلِ تشیع کی نعتوں میں اہلِ بیت اور اہلِ رسولؐ کی منقبت نمایاں نظر آتی ہے۔ شیعہ دبستانِ نعت میں منقبتِ اہلِ بیت کا رنگ بعض اوقات اتنا غالب ہو جاتا ہے کہ نعتِ رسولؐ پر منقبتِ اہلِ بیت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نعت متنوع موضوعات اور رنگا رنگ مضامین کی حامل صنف ہے۔ اس میں اگرچہ حضور اکرمؐ کی مدح اور تذکار کو ایک مرکزی و محوری حیثیت حاصل ہے مگر نعت گو شاعروں کو درپیش مسائل ان کے عہد اور زمانے اور مزاج و ماحول کے مطابق اس مرکزی دھارے میں دوسرے موضوعات کی لہریں بھی شامل ہوتی

ہیں۔ نعت کا موضوع چونکہ مسلسل ارتقار پذیر موضوع ہے اور ہر دور کے تقاضوں، تمدن و معاشرت اور علوم کے مطابق اس موضوع کے نت نئے امکانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اہلِ شعر و سخن حضور اکرمؐ کے حوالے سے ان امکانات کا جائزہ لے کر اپنے متنوع محسوسات شاملِ نعت کرتے رہتے ہیں۔

حضور اکرمؐ کی صفات کے ذکر میں زمانے اور ماحول کو بھی کافی دخل ہے۔ مختلف ادوار میں آنحضرتؐ کی مختلف صفات نعت کا موضوع بنیں اور بن رہی ہیں۔ مثلاً ملتِ اسلامیہ کے عہدِ ابتلا کی نعتوں میں حضورؐ کی رحمت کا ذکر، فتنۂ قادیانیت اور تحریک محاسبۂ قادیانیت کے ایام کی نعتوں میں آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر۔ قومی جنگوں کے زمانے کی نعتوں میں آپؐ کی شجاعت اور جذبۂ جہاد سے متعلق فرمودات اور آپ کے غزوات کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ شاعر کی طبیعت، عقاید، ذہنی افتاد اور اس کے عہد کے شعری رویوں اور میلانات کے اثرات بھی موضوعاتِ نعت پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ اہلِ حدیث اور اہلِ سنت والجماعت شاعروں نے اپنے اپنے عقاید کے مطابق موضوعاتِ نعت انتخاب کیے ہیں۔ کہیں آپؐ کے سراپا مبارک کا بیان نمایاں ہے کہیں خصائل و اخلاق کا، کسی کے ہاں آپؐ کی رسالت کے پہلو پر زور ہے تو کسی کے ہاں بشریت پر، کہیں آپؐ کے معجزات کا بیان نمایاں ہے تو کہیں آپؐ کے پیغامِ رسالت کو زیادہ اجاگر کیا گیا ہے۔ کہیں آپؐ کی سیرت و سوانح کو منظوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو کہیں آپؐ کے اسمائے صفات کو نظم کرنے کا شوق غالب ہے۔ اور کہیں ان تمام موضوعات کی ملی جلی صورت نظر آتی ہے۔

نعت کا فن

مروجہ اصنافِ سخن میں نعت نہایت مشکل صنفِ سخن ہے۔ نعت کا موضوع بظاہر بڑا آسان، عام اور قریب کا موضوع لگتا ہے۔ لیکن اگر فنِ نعت کی باریکیوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس موضوع سے عہدہ برا ہونا آسان نہیں۔

صنفِ نعت کی اس نزاکت کا احساس اُن شعرا کو بھی ہے جنہوں نے نعت گوئی میں اس کے لوازمات اور متقضیات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اور جو اس کے ادب و احترام سے بخوبی واقف ہیں۔ دوسری طرف ان ناقدین نے بھی نزاکتِ نعت کے اس پہلو کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے صنفِ نعت یا کسی نعت نگار کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ نعت کے بارے میں لکھی گئی کم و بیش ہر مختصر رائے یا طویل مضمون میں نعت کے موضوع اور فن کے اس اہم اور نازک پہلو کا ذکر ضرور کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں چند نعت گو

شعرا و ناقدین نعت کے خیالات درج ذیل ہیں۔

مولانا احمد رضا لکھتے ہیں "حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پہ چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"[۳۱]

عبدالکریم ثمر رقم طراز ہیں کہ "نعت نہایت مشکل صنف سخن ہے۔ نعت کی نازک حدود کو مد نظر رکھتے ہوئے اکی آفاقیت قائم رکھنا آسان کام نہیں...... سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش خیال و الفاظ اور ایمان و عمل کو غارت کر دیتی ہے۔"[۳۲]

مجید امجد اس ضمن میں لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت کو حدود کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے۔ ذرا سی شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتی ہے۔ ذرا سا عجز بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔"[۳۳]

ابو اللیث صدیقی کہتے ہیں کہ "نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں، موضوع کا احترام، کلام کی بے کیفی و بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ نقاد کو نعت گو سے باز پرس کرنے میں تامل ہوتا ہے، دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لیے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔"[۳۴]

بقول ڈاکٹر اے۔ ڈی نسیم "نعت گوئی کا راستہ پل صراط سے زیادہ کٹھن ہے۔ اس پر بڑی احتیاط اور ہوش سے چلنے کی ضرورت ہے، اس لیے اکثر شاعروں نے نعت کہنے میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے جس ہستی پر خدا خود درود بھیجتا ہے انسان کی کیا مجال کہ اس کی تعریف کا احاطہ کر سکے۔"[۳۵]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول "نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم و وسیع موضوع ہے اس کی عظمت و وسعت کی حدیں ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتی ہیں۔ شاعر کے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کی بجائے گیا حمد و منقبت کی سرحدوں میں۔ اس لیے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ حقیقی نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ عرفی نے اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں جس کا مطلع ہے:

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را
ہمت نہ خورد نیشترِ لا و نعم را

بہت صحیح کہا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را[56]

یہی سبب ہے کہ نعت کا فن دوسری بہت سی اصنافِ سخن کے برعکس بعض خصوصی لوازمات اور مقتضیات سے مشروط ہے۔ اور نعت گو شعراء سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ان لوازمات اور مقتضیات کو ملحوظ رکھیں گے۔ وہ شعراء جن کے ہاں ان لوازمات کا لحاظ اور احترام نہیں ان کو البتہ یہ فن آسان لگتا ہے۔ بقول نواب دہلوی

"نعت گوئی آسان بھی ہے اور مشکل سے مشکل تر بھی، آسان تو اُن شعراء کے لیے جو مبالغہ آرائی کریں یا کہیں نعت اور ہو جائے حمد یا غزل کا نام نعت رکھ دیں، اور مشکل اُن کے لیے جو پابندِ حد ہیں، مشکل تر اُن کے لیے جن کی نگاہ میں حد سے آگے بڑھنا سوئے ادب اور پیچھے ہٹنا ترکِ ادب ہے۔ غرض نعت کا مقام عجب مقام ہے۔ بقول جگر

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں"[57]

نعت کے لوازمات میں کچھ کا تعلق نعت کے موضوع کی نزاکت و احترام اور کچھ کا تعلق اس کی پیشکش کے سلیقہ اور فنی تقاضوں سے ہے۔ ذیل میں اُن لوازمات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

۱۔ عشقِ رسولؐ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کو نعت کے لوازمات میں اساس اور بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ نعت گو شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپؐ سے والہانہ عقیدت و شیفتگی رکھتا ہو۔ وہ جس قدر آپؐ کے عشق میں سرشار ہوگا۔ اسی قدر اس کے کلام میں کیف اور اثر پیدا ہوگا۔ جس طرح حفیظ جالندھری نے دینِ حق کے لیے حضورؐ کی غلامی کو شرطِ اول قرار دیا ہے:

محمدؐ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے[58]

اسی طرح تخلیقِ نعت کے لیے آپؐ کی محبت کو ایک لازمی کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ ایک شاعر نظمیں اور غزلیں تو بہت لکھ سکتا ہے لیکن اگر اس کے دل میں محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چمک

موجودہ ہو تو اچھی اور کیفیت انگیز نعت کبھی نہیں لکھ سکتا، اس میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے دل میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باضابطہ پرورش کی ہے ''اپنی فکر و نظر کی تربیت کی ہے اور قلب و روح کو احتیاط و احترام کا خوگر بنایا ہے ورنہ جذبات ہمیشہ دامنِ احتیاط چھوڑ کر ادھر اُدھر نکل جانے کے عادی ہیں''[۵۹]

لوازماتِ نعت میں عشقِ رسولؐ کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے نظیر لدھیانوی کہتے ہیں کہ ''نعت کی دلآویزی، دلکشی اور خوبی کے لیے عشقِ رسولؐ اولین شرط ہے۔ اگر شاعر کے دل میں عشقِ رسول کا جذبہ پوری طرح کارفرما نہیں تو نعت روکھی پھیکی اور رواجی سی ہو گی''[۶۰]

اسی سبب اشفاق احمد نے نعت کو صنفِ سخن کی بجائے ''تعلق، رابطے اور گذارشِ احوال کا ایک ذریعہ'' کہا ہے ''جس سے معمولی غلام اور بردے آقائے دوجہاں کی کائناتِ کرم سے دامن بھرنے کے لیے اپنا رخ متعین کرتے ہیں''[۶۱] سید عبداللہ نے بھی نعت کو ''سرتاسر کاروبارِ محبت'' سے تعبیر کیا ہے اور محبت بھی ایسی جس ''محبت کی وجہ سے اپنے محبوب کی ایک ایک بات پیاری نظر آتی ہے''۔[۶۲]

کامیاب نعت گوئی کے لیے جس سوز و گداز، تڑپ اور تشنگی و جاذبیت کی ضرورت ہے، اس کا منبع عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ بقول ضمیر جعفری ''جو چیز ایک نعت کو دوسری سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے شاعر کے دل کا سوز و گداز (اور) عشقِ رسولؐ میں سرشاری کا مرتبہ ...... ذوق و شوق کی کیفیتوں میں ڈوب کر گذرنے کے بعد نعت کہنے میں جب عشق اور الفاظ کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو شعروں میں سوز و گداز کی ہزاروں کیفیتیں چھلک اٹھتی ہیں''۔[۶۳]

۲- حفظِ مراتب کا خیال

فنِ نعت، نعت نگار سے سب سے پہلے اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ نعت لکھتے ہوئے حدودِ شریعت کی پاسداری کرے، خدا اور بندے کے اور الوہیت و نبوت کے فرق کو پیشِ نظر رکھے دراصل حفظِ مراتب کے ادراک کا یہی نازک مقام نعت نگار کے لیے پل صراط عبور کرنے کے مترادف ہے بقول معین الدین احمد ندوی ''اس راہ میں (نعت کی تخلیق میں) سب سے بڑی لغزش الوہیت اور نبوت کی حدود کو سمجھنے میں ہوتی ہے۔ اکثر شعرا نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملا دیتے ہیں، مثلاً یہ

وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰؐ ہو کر[۶۴]

نعت کا بڑا مشہور و مقبول شعر سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ شعر نہ صرف توحید کے سراسر منافی ہے بلکہ نبوت کی حقیقت کے بھی خلاف ہے ...... اس قسم کی لغزشیں زیادہ تر صحیح اسلامی تصورات سے ناواقفیت اور غلو کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ نبوت و عبدیت کا کمال اس میں نہیں ہے کہ بندے اور نبی کو خدا بنا دیا جائے بلکہ اس کا اصلی کمال یہ ہے کہ نبی جامۂ بشریت میں رہتے ہوئے عبدیت اور نبوت کا ایسا کامل نمونہ ہو کہ اس کے بعد کمال کا کوئی درجہ تصور میں نہ آ سکے۔"[65]

"اسی طرح حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو احمد بلا میم اور عرب بلا عین کہنا بلکہ ان کو حدیث نبوی قرار دینا انتہائے ضلالت و جہالت ہے۔"[66] در اصل نعت میں ہر ایسا اشارہ جس سے خدا اور رسول، احد اور احمد اور الوہیت اور نبوت کے مقام میں واضح فرق نہ ہو اور حفظ مراتب کا نازک احساس نظر انداز ہو اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ اور بہ منزلہ شرک ہے۔ اس بارے میں ممتاز حسن کہتے ہیں کہ "خدا اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے، رسول کی بشریت پر قرآن نے اور خود رسولؐ نے بار بار زور دیا ہے۔

"قل انما بشر مثلکم اور ما عرفناک حق معرفتک[67] اس پر شاہد ہیں۔"

یہاں ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ "مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا ہے میں تو صرف خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں مجھے صرف خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہی کہو۔" علامہ بوصیریؒ کا یہ شعر بھی دیکھئے

ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم
واحکم بما شئت مدحاً فیہ واحتکم

یعنی حضور علیہ السلام کی تعریف کرتے وقت وہ بات چھوڑ دو جو نصاریٰ اپنے نبی جناب مسیح علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں (یعنی ـــــ آنحضرتؐ کو شان الوہیت نہ دو)۔[68]

مگر بقول اشفاق "اس قسم کے مضامین سے اردو ادب کا نعتیہ کلام پُر ہے جس میں الفاظ کو توڑ مروڑ کر میم کے پردے کو اٹھا کر، عرب کے عین کو لفظ سے جدا کر کے، احمد کو احد اور رسول عربی کو عرب نہیں بلکہ رب کی شان میں جلوہ گر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔"[69]

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر
وہ بزم یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

اس قسم کی نعت گوئی حد ادب ہی سے متجاوز نہیں ہے دین کے دائرے سے بھی باہر ہے کوثر

شاعر تو صاف کہہ گیا ہے:

ذکی کیونکر نہ ہر دم احمدِ بے میم کی رٹ ہو
کہ اُلفت میں لحاظِ کفر و ایماں ہو نہیں سکتا

اس قسم کے افکار و اقوال اکثر صوفیہ کرام اور اُن کے معتقدین پر وارد ہوتے ہیں ان کی صفائی یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ حالتِ 'سُکر' کی واردات ہیں اور ہم بھی عقیدت کی رو میں بہہ کر انہیں قابلِ مواخذہ نہیں سمجھتے۔ یہاں صحو اور سُکر سے بحث نہیں البتہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اول تو معتبر صوفیہ حالتِ سُکر میں کہی ہوئی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور دوسرے یہ کہ سُکر اور جہاں کہیں بھی جائز سمجھا جائے دربارِ نبوی ؐ میں جائز نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

"با خدا دیوانہ و با مصطفےٰ ؐ ہوشیار باش"

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ شاعر نعت گوئی کے منصب سے صحیح طور پر اس وقت ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جب وہ توحید و رسالت اور الوہیت و عبودیت کے نازک رشتوں کو پوری طرح سمجھتا ہو اور اسے خدا اور رسول ؐ کے حفظِ مراتب کا کامل شعور اور احساس ہو۔

۳۔ ادب و احترام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نعت گو شعرا سے اس انتہائی ادب و احترام کا تقاضا کرتی ہے جو امتِ مسلمہ کو آپ ؐ کی ذاتِ ستودہ صفات سے ہے اور جس کی تاکید قرآن اور احادیث میں کئی موقع پر آئی ہے۔

قرآن میں آیا ہے

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیّ (الحجرات: ۴۹)

"(اے ایمان والو!) اپنی آواز کو نبی ؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔"

ائمہ اعلام اس حکم کو دوام کے لیے قرار دیتے ہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ آپ ؐ کا ذکر کرتے ہوئے یا نعت میں آپ ؐ سے ہمکلام ہوتے ہوئے شاعر اس ادب و احترام کو ملحوظ رکھے جس کا حکم قرآن نے دیا ہے۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کی مدح بھی کی ہے جو ان آداب کی پابندی کرتے ہیں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔ "جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں یہ وہی ہیں جن کے دلوں کا امتحان اللہ تعالیٰ نے تقویٰ میں لیا ہے (الحجرات: ۴۹) اس ضمن میں صحابہ کرام رض کا یہ قول بھی ملاحظہ ہو کہ ہم حضور ؐ

کی مجلس میں ایسے بیٹھتے تھے کہ"

کان علی اوسنا الطیر

"جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں" (کہ سر ہلانے سے ان کے اُڑنے کا احتمال ہو)

بارگاہِ رسالت مقام ادب ہے اور جس طرح اس کا احترام ہمارے ایمان کا خاصہ ہے اسی طرح نعتیہ مضامین کے اظہار اور پیشکش میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام نہ صرف ضروری بلکہ لازمۂ فن ہے۔ یہاں موضوع یا طرزِ ادا میں کسی قسم کی بے باکی نہ صرف یہ کہ خطا کاری ہے بلکہ ناقابلِ معافی گناہ بھی ہے، بقول عزت بخاری

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا

حضورِ اکرمؐ کی محبت کے اظہار میں اگر" ہوش و بصیرت سے کام نہ لیا جائے تو ہر قلم پر لغزش کا امکان ہے اس لیے ہر راہرو اس مقدس راہ سے کامیاب نہیں گذر سکتا یہ کوئی دنیا کا معرکۂ رزم نہیں ہے کہ قدمِ پس و پیش کو نظر انداز کر کے بلا غور و احتیاط کے گرد و غبار اُڑاتا بڑھتا چلا جائے۔"

اسی سبب عرفی نے کارِ نعت کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے کہا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
ہشیار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

کیونکہ آپؐ کے ادب و احترام اور شانِ اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنٰی سی لغزش نعت نگار کے خیالات و الفاظ کو تو کیا ایمان و اعمال تک کو غارت کر دیتی ہے۔

نعت گو شعراء نے اسی ادب و احترام کے باعث اپنے گناہگار ہونٹوں سے آپؐ کا نام مبارک لینے اور خود کو کسی بھی حوالے سے آپؐ کی ذاتِ اقدس سے نسبت دینے کو بھی بڑی بے ادبی قرار دیا ہے کسی شاعر کا کتنا خوبصورت شعر ہے:

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

نعت کے ناقدین نے نعت کے ادب کے پیشِ نظر اکثر اپنی تحریروں میں اس شعر کا حوالہ دے کر نعت کے صنفی مقام و مرتبہ کی نشاندہی کی ہے۔

حضورِ اکرمؐ کی ذات سے ادب و احترام کو ناقدینِ نعت اور شعرائے نعت نے صرف موضوعاً

مضامین اور طرزِ بیان واداتک محدود نہیں رکھا بلکہ نعت کی مجموعی فضا کا اس سے مملو ہونا ضروری خیال کیا ہے

(۱) مضامین

بقول مولوی عبدالحق

"نعت میں وہی ذکر ہونا چاہیے جو خدا کے نبیؐ کے لیے شایاں ہے اور جس کے پڑھنے اور سنانے سے لوگوں پر روحانی اور اخلاقی اثر پڑے اور معلوم ہو کر کمال بشریت اسے کہتے ہیں نہ یہ کہ تمام نعتیہ قصائد سننے کے بعد دل پر یہ اثر ہو کہ کسی شاہدِ رعنا، خوش رو خوش اندام، نازک بدن کی تعریف ہے"۔[۱۲]

مضامینِ نعت میں ادب و احترام کے تقاضے ہی کے پیشِ نظر ممتاز حسن نے نعت میں اس عاشقانہ اور جذباتی شاعری کی حوصلہ شکنی کی ہے جو ہندی گیتوں کا انداز لیے ہوئے ہے اور جس کا مرکز کرشن جی مہاراج ہیں۔

مثلاً مدینے میں مورا پیا بالا ہے رے

یا اسی طرح غزل کے خاص مضامین کی حامل نعتوں کو بھی حقیقی نعتیہ کلام سے فروتر سمجھا ہے

مثلاً اے دوستو فرقت میں مری مرتے ہو ناحق
اے چارہ گرو فکرِ دوا کرتے ہو ناحق
اچھا نہ کبھی ہوں گا میں بیمارِ نبیؐ ہوں

بقول ممتاز حسن

"یہ اس ذاتِ گرامی سے متعلق کہا گیا ہے جو جسم و روح کی پاکیزگی اور توانائی کا کرشمہ ہے"۔[۱۳]

نعت کے ادب و احترام کا تقاضا ہے کہ ایسے مضامین سے اجتناب کیا جائے۔

نعت کے مضامین میں ایک نمایاں موضوع، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر سے متعلق بھی ہے۔ اس مضمون نعت میں نعت گو شعرا، برگزیدہ ملائکہ اور جملہ انبیا پر آپؐ کی برتری اور فضیلت کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض اوقات اس شرف فضیلت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے زورِ بیان میں ایسی بات بھی ہو جاتی ہے جس سے دوسرے انبیا علیہم السلام کی توہین یا تنقیص کا پہلو نکل آتا ہے۔ میر حسن کے یہ شعر دیکھیے:

مسیحؑ اُس کے خرگاہ کا پارہ دوز
تجلیٔ طور اُس کی مشعل فروز
خلیلؑ اُس کے گلزار کا باغباں
سلیمانؑ سے کئی مہردار اُس کے ہاں
خضرؑ اُس کی سرکار کا آب دار
زرہ ساز داؤدؑ سے واں ہزار[۷۲]

اسی طرح سوداؔ کا یہ شعر

کرے جو ہم سری اُسؐ سے کسے تاب
کہ نبیوں سے ہیں بڑھ کے اُس کے اصحاب[۷۳]

بقول ریاض الحسن

"نعت چونکہ اُلفتِ رسولؐ کی ولولہ انگیزی اور جوشِ محبت کی ترجمان ہوتی ہے اس لیے نعت گو شاعر سرور و محبت کی بے خودی میں منہاجِ اعتدال سے لغزش کھا جاتا ہے اور دوسرے انبیائے علیہم السلام سے رحمتِ عالم کا تقابل کر کے ایسے الفاظ کہہ جاتا ہے جو در حقیقت نعتِ رسولؐ نہیں ہوتے بلکہ ان میں تو ہینِ انبیا و کرامؑ کا مفہوم مضمر ہوتا ہے"[۷۴]

نعت میں اس انداز کے مضامین بھی نعت گوئی کے ادب و احترام کے منافی ہیں۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر فضیلت اور شرف حاصل ہے مگر اس شرف کے اظہار میں کسی ایسے پیرایہ اور تقابل سے گریز کرنا چاہیے جس سے دوسرے انبیاء کی شان میں کسی گستاخی یا توہین کا احتمال بھی ہوتا ہو کیونکہ دوسرے انبیاء کی توہین گمراہی اور کفر کے مترادف ہے۔

احادیثِ رسول اکرمؐ میں حضور اکرمؐ نے جس محبت سے دوسرے انبیاء کرام کا ذکر کیا ہے اُسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ حضور اکرمؐ نے اپنے شرف اور فضیلت کا اظہار (کسی مقام پر بھی) کرتے ہوئے کسی دوسرے نبی یا پیغمبر کا ذکر استخفاف اور استہزا و توہین کے انداز میں نہیں کیا۔ اُس آیۂ مبارک کے دہان مبارک سے کسی ایسے فقرے، جملے یا اشارے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

فنِ نعت، نعت گو شعراء سے اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اظہارِ شرفِ خیر الانبیاءؐ میں اس موضوع کے جملہ تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔ صحیح اسلامی تصور یہ ہے کہ دیگر انبیاء کرامؑ کی پیغمبرانہ عظمت اور شانِ رسالت کا شعور رکھتے ہوئے اور ان کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی شان فضیلت اور شرف و بزرگی کا ذکر کیا جائے۔

(ب) طرزِ اظہار

مضامینِ نعت کے ساتھ وہ چیز جس کا تقاضا نعت گو شعراء سے کیا جاتا ہے، طرزِ اظہار و بیان میں شائستگی اور خوش سلیقگی کا وہ انداز ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا مظہر ہو۔ جیسا کہ بابائے اردو نے کہا ہے

"نعت کا جو طرز ہمارے شعراء نے اختیار کیا ہوا ہے وہ بہت قابلِ اصلاح ہے۔ ہمارے ہاں شاعری کی بنیاد غزل پر سمجھی گئی ہے جو ایک لحاظ سے کمترین قسم شعر کی ہے، اس لیے تغزل کا رنگ کچھ ایسا جما کہ ہر جگہ جا دبے جا اس کی جھلک نظر آتی ہے، بھلا نعت میں زلف و کمر، خال و خط سے کیا تعلق ...."[۳۳]

مضامینِ نعت کے غزلیہ طرزِ اظہار کی مذمت کرتے ہوئے کم و بیش ہر ناقدِ نعت نے عامیانہ انداز کی ان غزل نما نعتوں کو حقیقی نعتیہ کلام سے فروتر سمجھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت کا ایسا پیرایۂ اظہار جو غزل گو شعراء کے ہاں دنیاوی بلکہ بازاری معشوقوں کے لیے مروج ہے، نعت کے ادب و احترام کے سراسر منافی ہی نہیں ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ ڈاکٹر نسیم الہدیٰ ایسی ہی نعتوں (جن میں حضور اکرم ؐ کی ذاتِ اقدس کو عام لکھنوی محبوبہ کے روپ میں پیش کیا گیا ہے) کے بارے میں کہتے ہیں کہ

"یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں نے عام محبوب کی جگہ رسول ؐ کا نام رکھ دیا ہے۔ فرق صرف محبوبوں کے نام میں ہے شخصیت میں نہیں۔"[۳۴]

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نعت میں اس انداز کو سوئے ادب خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"عام نعت گو شعراء جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معشوقِ نازنین فرض کر کے آپ کے سراپا کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور آپ کے جسدِ عنصری بلکہ اعضائے مبارک کی تعریف کرتے ہیں، یہ اندازِ کلام ناپسندیدہ اور سوئے ادب کا پہلو رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و محاسن بیان کرتے وقت وقار و متانت اور تعظیم و تقدیس کی روش اختیار کرنی چاہیے۔"[۳۵]

فنِ نعت میں ادب و احترام کی اسی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے مرزا احمد منور کہتے ہیں

"نعت کے ہر شعر میں نعت کا ایسا قرینہ موجود ہونا چاہیے کہ وہ عام مضامینِ غزل سے

متمیز ہو اور ظاہر ہے کہ یہ آسان کام نہیں اس کے لیے خالی قادر الکلامی ہی نہیں مزاج کے داخلی رکھ رکھاؤ اور دل و دماغ کی بیداری درکار ہے۔[۱۸]

(ج) انتخابِ الفاظ

طرزِ ادا ہی سے متعلق ایک اور نازک مقام جو نعت گو سے احتیاط اور ذمہ داری کا متقاضی ہے وہ نعت میں الفاظ کے انتخاب کا ہے۔ نعت کی فضا چونکہ غزل سے مختلف ہے لہٰذا موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی کا احساس کارفرما رہنا چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور شیفتگی کا شرف اس امر کا متقاضی ہے کہ نعت میں ایسے کسی بھی لفظ کے استعمال سے اجتناب کیا جائے جس سے کسی گستاخی، غیر شائستگی یا سوقیانہ پن کا اظہار ہوتا ہو یہ مقام اتنا نازک ہے کہ آدابِ نعت سے واقف بڑے بڑے پختہ شاعروں سے بھی کہیں کہیں اس مقام پر لغزش ہو جاتی ہے۔

عرفی کا وہ نعتیہ قصیدہ جس کا مطلع ہے:

صبحدم چوں در دمد دل صورِ شیون زائے من
آسماں صحنِ قیامت گردد از غوغائے من

اس میں ایک شعر ہے:

سایۂ من ہمچو من در ملک ہستی امتست
سایۂ تو در عدم پیغمبرِ ہمتائے من!

نیاز فتح پوری کے بقول

"عرفی صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ کا سایہ معدوم تھا اسی طرح میرا ثانی بھی معدوم ہے لیکن اس مفہوم کو اس قدر الجھے ہوئے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ سچ پوچھیے تو مفہوم ہی غائب ہو جاتا ہے۔ پہلے مصرع میں ہمچو من، امتست، ملک سب تکلف دار آورد ہے اور دوسرے مصرع میں "پیغمبر ہمتائے من" لکھنا بھی گستاخی کی حد تک پہنچتا ہے سامنے کا کھلا ہوا لفظ "یکتا" تھا مگر اسے چھوڑ کر "ہمتا" لکھنا عجیب بات ہے۔

عرفی نے یہ قصیدہ مدحِ رسول اللہ میں لکھا ہے اور اس قصیدہ میں ایک شعر یہ بھی پایا جاتا ہے۔

شاہد عصمت تلاشِ صحبتِ من کے کند
خون حیض دختر رز جو شد از لبہائے من

کیا اس سے زیادہ فحش ،گندہ شعر کوئی اور ہو سکتا ہے[۹۱]

اس طرح کے الفاظ کا استعمال آدابِ نعت تو دور کی بات ہے معیاری غزل گوئی کے سلیقہ کے بھی خلاف ہے۔

(د) تشبیہہ و استعارات

نعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تشبیہات و استعارات میں بھی موضوع کے آداب و احترام کو ملحوظ رکھے اور نعت کے اظہار میں ایسی تشبیہہ یا استعارہ سے گریز کرے جس سے نعت کی پاکیزگی اور شائستگی متاثر ہوتی ہو۔

بشیر احمد قادری نے اس ضمن میں اطہر ہاپوڑی کے اس مطلع نعت کو رقم کیا ہے جس پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اس کی قلم برداشتہ اصلاح فرمائی۔ مطلع ہے :

کب ہیں درخت حضرتِ والاؐ کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

مولانا نے یہ مطلع سن کر فرمایا کہ

"مصرع ثانی مقامِ نبوت سے فروتر ہے۔ حضور علیہ السلام کو لیلیٰ سے اور گنبد خضریٰ کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہہ دینا عاشقانِ رسولؐ کے شایان نہیں۔"[۹۲]

آپ نے اس کی اصلاح یوں فرمائی۔

کب ہیں درخت حضرتِ والاؐ کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلیٰ کے سامنے

اس طرح نہ صرف یہ کہ تشبیہہ کا عامیانہ پن ختم ہو گیا بلکہ مطلع میں فن نعت کی مطلوبہ طہارت و پاکیزگی بھی پیدا ہو گئی۔

نعت میں اس طرح کی تشبیہات کا استعمال دراصل شاعر کے فکر و فن پر غزل کے گہرے اثرات کا نتیجہ ہے وہ نعت گو جنھوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نعت بھی لکھی اُن کی نعت گوئی میں تغزل کا رنگ، غزل کے مخصوص علائم و رموز اور تشبیہات اور استعارات کا استعمال بھی نظر آتا ہے جو ایک خاص حد تک

تو گوارا ہے مگر جن کا رنگ عامیانہ اور بازاری ہو، ان تشبیہات و استعارات سے گریز کرنا چاہیئے کیونکہ تشبیہ و استعارہ کا سوقیانہ مزاج نعت گوئی کے آداب کے خلاف ہے۔

(۵) اندازِ خطاب

نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے بھی اس امر کا احساس رہنا چاہیئے کہ شاعر کے لب و لہجہ میں منصبِ رسالت کا پورا پورا احترام ہو اور آپؐ سے خطاب کرتے وقت وہ کوئی ایسا لفظ یا پیرایۂ خطاب استعمال نہ کرے جس سے شانِ رسالت مآب میں گستاخی کا احتمال ہو۔

رنگینی اور تغزل نگاری کی کوشش میں بعض اوقات نعت گو شعراء عامیانہ اندازِ بیان پر اتر آتے ہیں اور حضور اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے معاذ اللہ بت، سنگدل، قاتل اور ستمگر ایسے نازیبا الفاظ استعمال کر جاتے ہیں جو دنیوی محبوبوں کے لیے موزوں ہوں تو ہوں مگر محبوبِ خدا کی شانِ اقدس کے سراسر منافی ہیں اس طرح وہ شعراء نہ صرف نعت میں تفریط کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ نعت کو عامیانہ اور بازاری سطح پر لے آتے ہیں۔

نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے اور آپؐ کا نامِ نامی لیتے ہوئے انتہائی ادب و احترام کی ضرورت ہے نعت کے ناقدین اور صوفیائے کرام نے اس لازمۂ نعت کی اہمیت اور فضیلت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں قرآن کریم کے اُن مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں خدا تعالیٰ نے حضور اکرمؐ سے خطاب فرمایا ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں آپؐ کو ہر جگہ اسمائے صفات سے یاد فرمایا گیا ہے کہیں یا ایّہا المدثر، کہیں یا ایّہا المزمّل، اسی طرح یاایّہا النبی اور یا ایّہا الرسول وغیرہ جب کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن میں اُن کے نام یا عیسیٰ یا موسیٰ، یا یحییٰ وغیرہ لیے گئے ہیں۔

نعت گو شعراء کو بھی قرآن کے انداز و آداب کی پیروی کرتے ہوئے کوشش کرنی چاہیئے کہ نعت میں بھی جہاں تک ممکن ہو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ نام والا کی بجائے اسمائے صفات آئیں کسی شاعر نے غالباً اسی اصول کے تحت ہی کہا ہے:

ھزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است[۸۳]

اس ضمن میں قرآن کریم کا یہ ارشاد بھی پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔

"وتعزروہ وتوقروہ"

ترجمہ: "اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔"[۸۹]

نعت کے لوازمات میں ادب و احترام کے پہلو (جس کا تعلق موضوع، زبان و بیان، انتخاب الفاظ تشبیہ و استعارہ اور حضورؐ سے اندازِ خطاب سے ہے اور جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے) نعت کی مجموعی فضا کو ادب و احترام کے ان جذباتِ عالیہ سے سرشار کرتے ہیں جس کی نعت متقاضی ہے درحقیقت نعت ہے ہی شانِ رسالت کا ادب و احترام ـــــ احترام وہ نقطۂ مستنیر ہے جہاں سے صنفِ نعت کے جملہ لوازمات کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور اسی نقطہ پر اُس کی مقتضیات کے تمام دھارے آکر سمٹتے ہیں۔ ایک اعتبار سے نعت کی تخلیق میں رسول اکرم صلعم کا احترام ہی سب کچھ ہے۔ باقی لوازمات نعت دراصل اسی کی مختلف شکلیں اور تفسیریں ہیں اور اسی لازمۂ نعت کے سبب مجید امجد کے لفظوں میں

"نعت لکھنے والوں کا مرتبہ انسانی اکتسابات کی معراج ہے۔ اس کا ہر سانس دیدِ آیاتِ جلیلہ کی منزل ہے۔ وہ فرشتوں کا ہم زبان ہے اور تمام ارواحِ مبارکہ کا ہم نوا ہے، اس کی زبان پر اس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح ہے جس کی مدح خود ذاتِ باری نے کی ہے۔"[۹۰]

(۴) حقیقت نگاری

نعت کا ایک اور اہم لازمہ مبالغے سے پرہیز اور حقائق کے بیان سے متعلق ہے۔ اگرچہ "تخیل اور محاکات" شعر کے ترکیبی عناصر ہیں اور ندرت و مبالغہ اس کی روحِ رواں، جب تک شعر میں تخیل کی نادرہ کاری اور مبالغہ کی رنگ آمیزی نہ ہو شعر ایک بادۂ بے کیف، گلِ افسردہ اور شمعِ بے دود ہو کر رہ جاتا ہے مگر نعت میں تخیل کی مینا کاری صرف اسلوب بیان، طرزِ ادا، بندشِ الفاظ، حسنِ تشبیہ اور رنگینیٔ استعارہ تک محدود ہے۔ نعت کے معانی و مضامین میں تخیل کی جدت طرازی اور مبالغہ کی حسن آرائی شجرِ ممنوعہ اور ام الخبائث کی حیثیت رکھتی ہے۔

نعت میں کوئی ایسا مضمون بیان کرنا جو واقعیت کے خلاف اور اصلیت کے منافی ہو اور جس کی اساس محض خیال اور آرائشِ مبالغہ پر ہو نعت کے جادۂ جمال پر یاوہ گوئی کی گرد، ہرزہ سرائی کا غبار اور دروغ بافی کی سیاہی مل دیتا ہے۔ اور وہ نعت اظہارِ عقیدت اور جلوۂ محبت کی بجائے شاعر کی خود نمائی اور شعر کی کیف آفرینی کا مظہر ہو جاتی ہے۔

نعت درحقیقت وزن و بحر اور قافیہ و ردیف کی حد بندی میں موزونیتِ الفاظ، سلاست بیان

اور جسپتی بندش کے ساتھ عشقِ رسول کی نغمہ سنجی اور ترانہ سرائی کا نام ہے۔ اس لیے اس میں صداقتِ مضمون، واقعیتِ مفہوم اور حسنِ معاملات کے سوا رنگینیِ خیال اور ندرتِ تخیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اربابِ سخن نے مضمونِ شعر کی اصلیت کو محاسنِ شعری میں سب سے زیادہ اہمیت کا درجہ اور اولیت کا رتبہ دیا ہے لیکن اس کے مفہوم کو اتنی وسعت دی ہے کہ حقیقتِ نفس الامری کی حدود و قیود سے تجاوز کر کے امکانِ عقلی، تصورِ شعری اور مسلماتِ شعری کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ نعت کی نزاکت، اصلیتِ مضمون کی اس وسعت کی متحمل ہی نہیں اور حقیقتِ نفس الامری اور واقعیتِ متعینہ سے سرمو انحراف کرنا، یہی مسلکِ نعت گوئی میں ضلالِ مبین، حرامِ قطعی اور گناہِ کبیرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔"[86]

یہ اقتباس ریاض الحسن کے مضمون "شعری حُسن اور کلامِ رضا" سے لیا گیا ہے جس میں انہوں نے نعت میں مبالغہ سے اجتناب اور حقیقت نگاری کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت کی ہے۔ اسی موضوع پر "نعت گوئی کے آداب اور حدودِ شریعت کے متوقع سے (ایک سوالنامے کے جواب میں) عصرِ حاضر کی معروف مذہبی شخصیات نے ماہنامہ "نقوش" لاہور کے رسول مقبول نمبر (۱۳۹۶ھ) میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے نعت میں مبالغہ کی حیثیت پر شرعی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع کہتے ہیں۔

"شریعتِ اسلامیہ میں چونکہ حدود کی رعایت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے لہٰذا نعت گوئی میں جھوٹ کی تو بالکل گنجائش نہیں اور ایسا مبالغہ جو حدودِ جھوٹ میں داخل ہو وہ بھی جائز نہیں۔ تشبیہ و استعارہ کلام میں استعمال کر لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔"[87]

مولانا محمد یوسف بنوری کے خیال میں

"مبالغہ اگر حدودِ شریعہ سے تجاوز نہ کرے تو گنجائش ہے، وہ مبالغہ جو کفر و شرک اور صریح جھوٹ پر مشتمل ہو کسی حال میں درست نہیں۔"[88]

مولانا حافظ محمد گوندلوی کی رائے میں

"مبالغہ ایسا جائز نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ نبوت اور مقامِ رسالت سے اٹھا کر الوہیت کی حدود میں داخل کر دیں اس طرح کرنا ناجائز ہے باقی مقامِ رسالت کے اندر ہر قسم کی تعریف جائز ہے۔"[89]

مولانا محمد چراغ کے بقول

"شعر کی بنیاد ہی مبالغہ پر ہے اسی لیے شعر میں مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے بشرطیکہ کسی نصِ قطعی یا عقل کے خلاف نہ ہو نعتِ نبوی میں بھی اس حد تک جائز اور روا ہے"[۹۰]

مولانا مودودی نے نعت میں مبالغے کے جواز اور عدمِ جواز کی حدود کو مثالوں سے واضح کیا ہے، وہ کہتے ہیں

"صرف نعت ہی نہیں ہر طرح کے کلام میں مبالغہ صرف اس حد تک جائز ہے کہ اس کے پیچھے یا اس کے نیچے اصل حقیقت چھپ کر یا دب کر نہ رہ جائے بلکہ سامع و قاری بآسانی سمجھ لے کہ حقیقتِ نفس الامری کیا ہے جسے مبالغے کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر ہے؛

حسنِ یوسف، دمِ عیسےٰ، یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں مبالغہ تو ہے لیکن دوسرے مصرعہ نے واضح کر دیا ہے کہ مقصودِ کلام یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و صفات میں جامعیت اور ہمہ گیری تھی، دوسرا شعر یہ ہے:

کیا شانِ احمدیؐ کا چمن میں ظہور ہے

ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے جس کی اجازت ذاتِ باری کی شانِ وحدانیت و خلاقیت نہیں دیتی اور اس کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں"[۹۱]

اس ضمن میں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ نعت

"ایک ایسے ممدوح کی مدح ہے جس کی بارگاہ میں مبالغہ قربتِ ممدوح کا وسیلہ نہیں بن سکتا اور نہ یہاں اس بیان کو باریابی حاصل ہے جو صادق البیانی کی ترجمانی سے محروم ہے پھر صدق و صفا کی زندگی کو سمجھنے کے لیے صدق و صفا کی حقیقت اور اس کی کیفیت کو قلب و نظر میں بسائے بغیر کام نہیں چلتا"[۹۲]

اس لیے نعت گو شعراء کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسری اصنافِ سخن سے نعت کو یکسر مختلف سمجھے اور تخلیقِ نعت کے دوران میں تخیل کی پرواز کو شرعی حدود و قیود کے اندر رکھے اور حقیقتِ محمدی کے بیان میں عقاید کی تفصیلات اور حسبِ مرتبت کی صحت کا خیال رکھے حضور اکرمؐ کی تعلیمات کو پیشِ نظر

رکھے آپ سے محبت کے باب میں آشفتگی کی بجائے شیفتگی اور شوریدگی کی بجائے سپردگی کا مظاہرہ کرے اور آپ کے ذکر میں جوش کے ساتھ ہوش کو بھی ملحوظ رکھے۔

(۵) متفرق لوازمات

مذکورہ بالا لوازمات کے ساتھ نعت کے بعض ناقدین اور نعت گو شعراء نے اپنی تحریروں میں معیاری نعت نگاری کے کچھ اور مقتضیات کی بھی نشاندہی کی، ان میں شاعر کے لیے عقیدت رسولؐ کے ساتھ سیرت طیبہ پر گہری نظر[۹۳]، تعلیمات رسالت سے قلبی تعلق اور ذات رسالت و پیکر رسالت سے دل بستگی بلکہ والہانہ شیفتگی[۹۴]، مقصد بعثت سے آگاہی، شعور مقام رسالت، دینی امور و مسائل سے واقفیت[۹۵]، دینی بصیرت بلکہ عہد رسالتؐ کی تاریخ سے بھی کماحقہ بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ تزکیۂ باطن، قلب و نظر کی پاکیزگی، روح کی طہارت، خیال و عقیدہ کی پختگی اور دل و نظر کی مسلمانی[۹۶]، نیز جذبات کی صحت و صداقت[۹۷] بھی نعت کے لوازمات میں سے ہیں۔ موضوع کی اہمیت اور پیشکش میں احترام کے ساتھ شاعر کا زبان و فن پر عبور نیز ادبی زاویۂ نظر سے شاعر کی ذہنی اور تخلیقی صلاحیت[۹۸] کی کارفرمائی کے بغیر بھی اچھی نعت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، نعت میں کیف و تاثر کے لیے مزاج کے داخلی رکھ رکھاؤ اور دل و دماغ کی بیداری[۹۹]، کی بھی ضرورت ہے، خالی قادر الکلامی سے بھی اچھی نعت نہیں کہی جا سکتی۔ نعت میں حقیقی کیف اور لطافت اس وقت پیدا ہوگی جب شاعر لوازمات فن نعت سے نہ صرف آگاہ ہو بلکہ یہ اس کے تخلیقی مزاج میں رچ بس جائیں۔ بقول مجید امجد

"حقیقت رسالت کی عظمت کے ادراک کامل، اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات صادق سے بہرہ مند ہوتا اور شاعر کے لیے اس جذبہ (عشق رسولؐ) کو اپنے اعمال اور تصورات پر حاوی کرنا نعت گوئی کی ضروری شرائط ہیں۔ ان کی نظر میں عشق رسولؐ کا جذبہ روح نعت ہے اور مقام مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سچا ادراک جان نعت ہے، دونوں صفات ایک ہی جلوے کا پرتو ہیں اور یہ صفات جب آئینۂ شعر میں منعکس ہوں گی تو نعت اس رتبہ کو پہنچ سکے گی جو اس کا مقصود ہے...... فن شعر کے لحاظ سے اس کمال کے لیے کمال سخن وری اور نفس مضمون کے لحاظ سے اس کے لیے کمال آگہی درکار ہے اور پھر ان دونوں چیزوں کو جلا جس چیز سے ملتی ہے، وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے جو لفظوں کو تجلیات سے بھر دیتا ہے اور معانی میں وسعتیں سمو دیتا

ہے، یوں نعت ایک مقدس آزمائش ہے۔ بیانِ عقیدت کی رو سے جوہرِ ایمان کی آزمائش اور غایتِ غایات کی جستجو کے ضمن میں قوتِ اور اک کا امتحان...... (نعت گو) کی فکرِ لامحدود کی حدیں متعین بھی ہیں وہ قدم قدم پر نصِ قرآنی کا پابند ہے۔ اُس کا ہر لفظ سرشارِ احترام بھی ہے۔ احتیاط کی قدغن یہ کہ کہی گئی بات قرآنِ حکیم کے ارشاد کے مطابق ہو اور احترام کا تقاضا یہ کہ مدح مرتبۂ رسالت کی حقیقی سطح پر فائز ہو، جب تک زمان و مکان کے رموز جس طرح کہ وہ کلامِ الٰہی سے منکشف ہیں اُس کی نگاہ میں نہ ہوں اُس کا بیان ناتمام اور اظہار نارسا ہے، نعت اُن ذی فضیلت لوگوں کا منصب ہے جن کی عمرِ عزیز معانیِ قرآن کو پرکھنے اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے میں صرف ہوئی ہو اور جو اس روحانی سفر کے دوران پیش آنے والے مقامات کو شعری اظہار کی منزلوں تک پہنچا سکیں۔"[۱۰۰]

مجید امجد کے یہ خیالات (جو ایک نعتیہ مجموعہ میں دیباچہ کی حیثیت میں شائع ہوئے) صنفِ نعت کے لوازمات اور مقتضیات کے ضمن میں اب تک اس موضوع پر کی گئی گفتگو کا ماحصل ہیں۔ مجید امجد کی رائے اس صنف کے تنقیدی جائزہ تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی تخلیق میں پیش آنے والی اُن مشکلات کو بھی محیط ہے جس کا اندازہ ایک حسّاس اور ذمہ دار شاعر ہی کر سکتا ہے۔ حقیقی اور معیاری نعت گوئی ہر شاعر کے بس کی بات نہیں، اپنے لوازمات کے سبب نعت نہایت دقیع اور ادق صنفِ سخن ہے۔ نعت لکھتے وقت شاعر کو عقیدت وارادت کے نازک مقامات اور محسوسات کی جن لطیف سطحوں سے گزرنا پڑتا ہے وہاں عام روش کی شعر گوئی کام نہیں آتی۔ شاعر کا کمالِ فن اور الفاظ کا سلسلہ اپنی تمام اثر اندازیوں کے باوجود حضور اکرمؐ کی توصیف کے مقام پر آ کر عاجز ہو جاتا ہے۔ مرزا غالب کی فارسی نعت کا یہ مشہور مقطع نعت گوئی میں شاعرانہ صلاحیتوں کے اسی عجز کا اعتراف ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاکؐ مرتبہ دانِ محمدؐ است[۱۰۱]

ہیئتی تنوع

جیسا کہ پہلے نشاندہی کی جا چکی ہے نعت کا تعلق صرف موضوع سے ہے کسی مخصوص ہیئت سے نہیں۔ اس میں پابندی صرف اس صنف کے داخلی پہلو یعنی مواد اور موضوع کی کی جاتی ہے اور اس

کے مضامین میں حضور اکرمؐ سے عقیدت و محبت، ان کی سیرتِ مبارکہ کا تذکار اور بنی نوعِ انسان پر اُن کے فیوض و احسانات کے ذکر سے متعلق ہوتے ہیں۔ موضوع کی پابندی اور التزام ہی دراصل نعت کہلاتا ہے۔ پیرایۂ اظہار کچھ بھی ہو موضوع کا یہ تعلق اور نسبت برقرار رہنی چاہیئے کہ اس نسبتِ گرامی کی عدم موجودگی سے نعت، نعت نہیں رہے گی۔

جہاں تک نعت کے خارجی پہلو کا تعلق ہے اس کیلئے کسی خاص ہیئتی ڈھانچے کی پابندی ضروری نہیں اس کے لیے زبان و ادب کے کسی بھی پیرایۂ اظہار، طرزِ بیان اور ہیئت کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر نعت سے مراد حضور اکرمؐ کی منظوم مدح ہی لی جاتی ہے اور مروجہ مفہوم میں اسکا تعلق نظم ہی کے حوالے سے آتا ہے لیکن اصولی طور پر اس امر کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی کہ نعت لازماً نظم ہی میں لکھی جائے۔ نعت خطاب اور نثر میں بھی ہو سکتی ہے اسی سبب نعت کے ناقدین اور مرتبین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش میں کہے جانے والے بعض خطابیہ جملوں اور نثر پاروں کو بھی نعت ہی میں شمار کیا ہے اس ضمن میں شاہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کا خطبہ اور اُمِ معبدؓ کی زبان سے حضور اکرمؐ کے حلیہ مبارک کا بیان قابلِ ذکر ہے۔[102]

خطابیہ نعت پاروں کے علاوہ نثر میں بھی دو طرح کے نعتیہ نمونے نظر آتے ہیں، ایک تو نثر کی کتابوں (داستانوں، تذکروں اور دینی و مذہبی رسالوں) کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے التزام کے نتیجہ میں لکھی جانے والی نعتیہ نثر شامل ہے جسے بعض اوقات مصنف اپنے طور پر بھی نعت کا نام دیتے ہیں مثلاً حیدر بخش حیدری "گلِ مغفرت" کے آغاز میں (حمد کے بعد) نعت کے عنوان سے رقم طراز ہیں

"نعت ہے اُس رسولِ مقبول کی جس کو حق تعالےٰ نے اپنے نورِ خاص سے پیدا کیا کہ وہ ہر دم گمراہوں، گنہ گاروں کا شافع و راہنما ہو رحمت خدا کی نازل ہو جیو اس پر، اُس کی آل پاک و وحی برحق پر"۔[103]

نثری نعت کی اس روایت کا التزام عربی و فارسی اور اردو نثر کی کم و بیش تمام کلاسیکی کتابوں میں نظر آتا ہے آج کل بھی (نثری ادب کی کتابوں کے سوا) دینی، مذہبی اور علمی کتابوں کے آغاز میں اس التزام کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

نثری نعت کی دوسری قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں لکھے گئے وہ نثر پارے ہیں جنہیں اُن کے مصنفین نے نعت کے عنوان سے تو نہیں لکھا مگر اُن کی بعض داخلی خصوصیات اور نعتیہ خوبیوں کے سبب بعض مرتبین و ناقدینِ نعت نے انہیں اپنے طور پر منتخب کر کے نعت کا مقام و مرتبہ

اور نام دے دیا ہے۔ اس ضمن میں کُتبِ سماوی اور صحائفِ آسمانی میں سے وہ مقامات جن کا تعلق آنحضرتؐ کے بارے میں پیش گوئیوں اور بشارتوں سے ہے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[1] سیرت و نعت کی کئی کتابوں میں ایسے نثریہ کلمات کو جداگانہ طور پر نعت کے عنوان سے نقل کیا گیا ہے۔

اسی طرح مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ کا وہ حصہ جو "ظہورِ قدسی" کے عنوان سے درج ہے اور جس میں حضورِ اکرمؐ کی ولادتِ مبارک کا بیان ہے قابلِ ذکر ہے۔[2] بعض مرتبین نعت نے آنحضرتؐ کی سوانح و سیرت میں لکھے جانے والے اسی انداز کے بعض اعلیٰ حصوں خصوصاً جن میں شعری محاسن کے سبب نعت کا قرینہ موجود ہو کو بھی نعت میں شمار کیا ہے۔[3]

نعت نگاری کا ایک انداز وہ ہے جہاں نثر و نظم میں ملی جلی نعتوں کے نمونے ملتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نثر کی بعض کتابوں کے آغاز میں مضامینِ نعت کے اظہار کے لیے کہیں نثر اور کہیں نظم کا پیرایۂ اظہار اختیار کیا گیا مثلاً میر شیر علی افسوس "آرائشِ محفل" کے شروع میں حمد کے تین شعروں کے بعد نعت کی طرف یوں رجوع کرتے ہیں:

"ہے اب نعتِ پیمبرؐ کی مجھے فکر
کہ بہتر اس سے کوئی اب نہیں ذکر
محمدؐ نام ہے اُس پیشوا کا
خلاصہ ہے وہ سارے انبیاء کا!

زہے نصیب کہ ہم اس کی اُمت ہوئے اب دغدغہ ہنگامۂ محشر کا مطلقاً نہ رہا اور خوفِ حساب کتاب یک لخت دل سے اٹھ گیا۔"

ابیات:

کسے اب گناہوں کا ہے اپنے غم | کہ اپنا نبیؐ ہے شفیعِ اُمم!
نہیں اک ذرا ترس نارِ جحیم | کہ حامی ہے اپنا رسولِ کریمؐ[4]

نظم و نثر کا یہ امتزاج نعت کے ایک جداگانہ اسلوب کا حامل ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کلاسیکی نثری ادب میں ایسے بے شمار نمونے مل جاتے ہیں جہاں مرتبین و مصنفین نے نثر و نظم کے ملے جلے انداز میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت تحریر کی ہے۔

خطابیہ نعت، نثری نعت اور نثری و شعری نعت کے بعد ہم اپنے اصل موضوع یعنی شعر و شاعری (اصنافِ نظم) کے حوالے سے نعت کا جائزہ لیتے ہیں۔

نعت کا موضوع شاعری کی کسی ایک صنف سے مخصوص نہیں، حضور اکرمؐ کی توصیف اور ان کی سیرت کا تذکار شعر کی کسی بھی صنف اور ہیئت میں ہو سکتا ہے۔ نعت کے مضامین کو شاعروں نے کم و بیش تمام اصناف سخن میں قلم بند کیا ہے۔ جو صنف شعر جس عہد میں زیادہ مقبول و مروج رہی ہے۔ اس صنف کو نعت کے لیے بھی اسی اعتبار سے استعمال کیا گیا۔ غزل چونکہ ہماری شاعری کی مقبول ترین صنف ہے اور ہر دور میں اپنی داخلی خصوصیات اور مخصوص ہیئت کے سبب پسندیدہ رہی ہے لہٰذا نعت کے مضامین کے لیے بھی سب سے زیادہ غزل کی صنف ہی مستعمل رہی۔ ساجد لکھنوی کے بقول

"ابتدائے اردو شاعری سے اگر آپ بنظر غائر مطالعہ کریں تو آپ کو ۹۵ فیصد نعتیں غزل کے فارم میں ملیں گی۔"

نعت کے موضوع کے لیے صنف غزل کی مقبولیت کا بڑا سبب تو یہ ہے کہ کم و بیش ہر شاعر اپنی مشق سخن کا آغاز غزل ہی سے کرتا ہے اور غزل کے مخصوص ماحول اور ـــــ مخصوص مزاج کے زیر اثر دوسری اصناف شاعری سے زیادہ غزل کہنے کی طرف ہی میلان و رغبت رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میلاد کی محفلوں اور مجلسوں میں ترنم سے پڑھنے کے لیے غزل کی ہیئت ہی موزوں ہے۔ اسی طرح قوالی اور سماع کے لیے غزل کی ہیئت سے بہتر کوئی دوسری ہیئت نہیں۔ سماع میں جو اثرات اور وجد کی کیفیات سامع پر طاری ہونی چاہییں وہ غزل کی ہیئتی خوبی (قافیہ و ردیف کی تکرار وغیرہ) سے بہتر طور پر اور کامیابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ نعت میں غزل کی ہیئت کو ان شاعروں نے خاص طور برتا جنہوں نے نعت کے جداگانہ دیوان مرتب کیے اور یوں دیوان کی ترتیب و تشکیل کے لیے کثرت سے غزل کی ہیئت میں نعتیں لکھیں۔ نعتیہ مشاعروں (خصوصاً طرحی مشاعروں) کے سبب بھی اس موضوع کے لیے صنف غزل کے استعمال کا دائرہ وسیع ہوا۔

غزل کے ساتھ نعتیہ مضامین کے اظہار کے لیے دوسری مقبول صنف جو دراصل غزل ہی کی مانند ہے (ہیئتی اعتبار سے) قصیدہ ہے۔ یہ صنف چونکہ مدح و تعریف ہی سے متعلق ہے۔ لہٰذا قصیدے میں بھی نعت گوئی کی ایک طویل روایت موجود ہے۔ عربی نعت کا تو تقریباً سارا سرمایہ ہی قصیدہ پر مشتمل ہے معدودے چند نعتوں کے جو قصیدہ کی ہیئت سے باہر لکھی گئیں۔ فارسی نعت کی تاریخ میں بھی نعتیہ قصائد کا ایک وقیع اور اہم حصہ ہے۔ عربی و فارسی سے یہ روایت اردو میں بھی منتقل ہوئی۔ جیسا کہ ہم اردو نعت کی تاریخ کا عہد بہ عہد جائزہ لیں گے اور اردو کے نعتیہ قصائد اور اس کے ارتقاء و تاریخ کا بھی (آئندہ ابواب میں) مطالعہ کریں گے۔

نعتیہ مضامین کے لیے قصیدے کی صنف کا بڑا سبب اس میں مدحت طرازی کا غالب عنصر ہے۔

اس کے علاوہ دوسری خصوصیات جو قصیدہ کا لازمہ ہیں مثلاً شوکتِ الفاظ، اظہارِ علم وفضل، علوئے خیال، زورِ بیان، طمطراقِ تراکیب، مضمون آفرینی، بلند پروازیِ خیال اور شکوہِ لہجہ وغیرہ جن کے باعث بھی قصیدے کی صنف نعت گوئی کے لیے مستعمل رہی، اگرچہ عصرِ جدید کے بعد نعت کے لیے قصیدہ کا چلن بتدریج کم ہوتا گیا مگر ایک خاص دور تک شاعروں نے قصیدے میں اپنی ذہنی رسائیاں ضرور دکھائیں اور بھرپور انداز میں اپنی فنی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔

عصرِ حاضر میں قصیدہ کی طرف رجحان میں کمی کا احساس ان طویل نعتیہ منظومات[۱۰۹] کے سبب دور ہو گیا ہے جو غزل و قصیدہ ہی کی ہیئت میں ہیں اگرچہ انہیں قصیدے کے خاص لوازماتِ فن اور اجزائے ترکیبی کی عدم موجودگی کے سبب بعینہٖ قصیدہ کا متبادل قرار نہیں دیا جا سکتا تاہم قصیدہ کی خارجی ہیئت کی پابندی اور بعض دوسری خوبیوں مثلاً رفعتِ خیال، شوکتِ الفاظ، تسلسلِ مضمون وغیرہ کے سبب ان میں قصیدہ کی مماثلت ضرور نظر آتی ہے سو کسی نہ کسی طرح صنفِ قصیدہ کے پرتو آج کی نعت میں بھی نظر آ رہے ہیں۔

غزل و قصیدہ کے بعد نعتیہ مضامین کے لیے کثرت سے استعمال ہونے والی صنف مثنوی ہے مثنوی کی صنف اپنی مخصوص خوبیوں (مثلاً کسی قصہ یا واقعہ کو تسلسل سے بیان کرنے اور شعر کے لیے جداگانہ قافیہ و ردیف کی آزادی، مندرجات کے ربط اور فطری بہاؤ کو قائم رکھنے کی آسانی وغیرہ) کے سبب طویل مضامین کے اظہار کے لیے نہایت مناسب خیال کی جاتی رہی ہے۔ اردو نعت کے ابتدائی دور کا بڑا سرمایہ مثنوی ہی کی صورت میں تخلیق ہوا، جیسا کہ ہم آئندہ ابواب میں دیکھیں گے کہ دکنی دور کے نور نامے، معراج نامے، مولود نامے[۱۱۰] اور دوسری نعتیہ نظمیں مثنوی ہی کی ہیئت میں لکھی گئیں خصوصاً وہ طویل منظومات[۱۱۱]، جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کو موضوع بنایا ہے، مثنوی ہی کی صنف میں ہیں۔

یہ صنف طویل نعتیہ مضامین کے بیان میں بعد کو بھی مستعمل رہی۔ حفیظ جالندھری کا "شاہنامۂ اسلام" جس کا ایک اہم حصہ نعتیہ مضامین پر مشتمل ہے، مثنوی ہی کی ہیئت میں ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی نعت گو شاعروں میں غزل کے بعد جو صنف سب سے زیادہ مقبول ہے وہ مثنوی ہی کی ہے

حضور اکرم ﷺ کی سیرت و سوانح، غزوات و معجزات، ولادت و وفات اور دوسرے نعتیہ موضوعات پر مشتمل مثنویوں کے علاوہ وہ مثنویاں جو نعت سے متعلق نہیں ان کے آغاز میں بھی حمد کے بعد جزوی طور پر نعت کے کچھ اشعار آ گئے ہیں، اگرچہ ایسے اشعار کا غالب حصہ رسمی انداز کا ہے پھر بھی صنفِ مثنوی میں نعت یا نعتیہ عناصر کے ذیل میں ان کا ذکر ضروری ہے۔

غزل، قصیدہ اور مثنوی کے ساتھ نعتیہ مضامین کے لیے اردو شاعری کی دوسری اصناف کو بھی

استعمال کیا جاتا رہا ہے اگرچہ تعداد کے حساب سے دوسری ہیئتوں کا استعمال غزل و مثنوی کی نسبت سے کم ہے مگر نعت کے میدان میں اپنی شعری ضروریات اور تجربات کے مطابق شاعروں نے رباعی، قطعہ، مستزاد ترجیع بند، مثمن، مسدس، مخمس، مربع، مثلث، فردیات وغیرہ کی ہیئتوں کو استعمال کیا ہے۔ اسی طرح مرثیہ، سلام، سہرا، لوری جن کا تعلق ہیئتوں کی بجائے شاعری کے مخصوص داخلی اسالیب سے ہے ان میں بھی نعت کا وافر ذخیرہ ملتا ہے۔ مرثیہ کی تکنیک حضور کی وفات کے ذکر میں استعمال ہوئی اور سلام کا انداز آپ پر درود و سلام بھیجنے کے لیے۔ سہروں اور لوریوں میں نعت کے نمونے اردو کے میلاد ناموں میں جابجا نظر آتے ہیں اور تو اور ریختی کے انداز میں بھی آپ کی مدح و توصیف مل جاتی ہے۔

وہ اصناف شعر جن کا تعلق ہیئت کی بجائے موضوع سے ہے، اُن میں سے ایک ہجو ہے جس کے عناصر ایک قرینے کے ساتھ صحابہ کرام رض کی نعت گوئی میں خصوصیت کے ساتھ نظر آتے ہیں جیسا کہ آگے نعت کے محرکات میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ نعت کا ایک محرک کفارِ مکہ کی بدگوئی اور دریدہ دہنی کا جواب دینا بھی تھا۔ چنانچہ اس لسانی جہاد میں صحابہ کرام رض نے کفار کی مذمت اور اُن کی ہجو کے رد میں اپنی شعری صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ کتب سیر و مغازی[۱۲] میں صحابہ کرام رض کی بیشمار منظومات اس انداز کی ملتی ہیں جہاں ایک طرف تو کفار کو کفر و گمراہی کا طعنہ دے کر اُن کی شدید مذمت کی گئی ہے اور دوسری طرف اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کی صفات کا ذکر کر کے ان سے نسبت و تعلق پر فخر کیا گیا ہے۔ نعت کے دورِ اوّل کے ان ابتدائی نمونوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ساتھ کفار کی ہجو کا مضمون بھی نمایاں ہیں۔

علاوہ ازیں نعت پر ہندوستانی اثرات کے سبب بعض شاعروں نے گیت، راگ اور دوہے کی ہیئت اور انداز کو بھی نعت کے لیے استعمال کیا۔ جدید دور میں جب انگریزی شاعری کے زیر اثر اردو شاعری نئی نئی ہیئتوں سے آشنا ہوئی تو نعت کے اظہار کے لیے سانیٹ، نظم معرّا، آزاد نظم اور نثری نظم کے پیرائے بھی استعمال میں آئے۔ اسی طرح جدید دور میں طویل نظم نگاری (Canto) کا رجحان (جو ایک اعتبار سے پرانی منظوم داستانوں اور مثنویوں ہی کا ایک جدید انداز ہے) شروع ہوا تو نعت گو شعراء میں بھی طویل نعتیں لکھنے کا رواج پڑا۔ عصرِ حاضر کی طویل نعتیہ نظموں میں محشر رسول نگری کی "فخر کونین"، مہدی نظمی کی "رحل نظر" اور احسان دانش کی "دارین" قابلِ ذکر ہیں۔ یہ مسدّس کی ہیئت میں ہیں اور ان میں سے "فخر کونین" سب سے زیادہ طویل ہے۔ یہ نظم تین ضخیم حصوں پر مشتمل ہے۔

عبدالعزیز خالد کی "فارقلیط" اور "منحمنا" غزل کی ہیئت میں طویل نعتیہ نظمیں ہیں۔ رفیق حنفی کی کتاب "صلصلۃ الجرس" ایک طویل نعت ہے۔ جو بیک وقت پابند و معریٰ اور آزاد نظم کی ہیئت اور

تکنیک میں لکھی گئی ہے۔ عہدِ حاضر میں جاپانی صنفِ شعر ہائیکو کو بھی نعت کے لیے برتا جا رہا ہے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ نعت کا موضوع کسی ایک صنف، ہیئت یا خاص شعری انداز سے مخصوص نہیں۔ نعت کی فضا میں اگر ہر صنف ہیئت اور شعر و شاعری کے مختلف اسالیب نعت آشنا ہو گئے۔ نعت کے موضوع نے اپنے اظہار کے لیے ہر صنفِ سخن کی خوبیوں اور خصوصیات سے فائدہ اُٹھایا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ نعت گو شعرا نے شاعری کی مروجہ اصناف، مستعمل ہیئتوں اور متنوع اسالیب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر و اذکار اور توصیف و مدح سے مشرف کر کے انہیں نعت کی صنف کے وسیع تر ہوتے دائرے میں شامل کر لیا ہے۔ "وسیع تر دائرے" اس لیے کہ نعت کے موضوع میں پوشیدہ امکانات اتنے قوی، لامحدود اور مؤثر ہیں کہ مستقبل میں شعری تجربوں کے نتیجہ میں سامنے آنے والی کئی ہیئتیں اصناف اور اسالیب سب ایک قرینے اور شائستگی کے ساتھ اس وسیع تر دائرے کا حصہ بنتے جائیں گے۔

نعت کی قسمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار و مدح میں لکھے گئے اثاثۂ نعت کو اگر بنظرِ غور دیکھا جائے اور اس صنف کا اس کے تخلیقی پس منظر اور محرکات کے حوالے سے فنی تجزیہ کیا جائے تو اس کی دو واضح قسمیں نظر آتی ہیں۔ ایک رسمی نعت اور دوسری حقیقی نعت ــــ ان دو قسموں کے علاوہ موضوع پیشکش، مقصدِ تخلیق اور زمانی اعتبار سے نعت کے مختلف انداز اور اسلوب ہیں جنہیں نعت کی قسموں کی بجائے اس کے مختلف انداز اور اسلوب کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

رسمی نعت

رسمی نعت کے ذیل میں وہ نعت آتی ہے جو محض ایک شعری روایت کے طور پر لکھی گئی ہو شعرا اپنے دواوین کی ترتیب اور مثنوی یا منظوم داستان کا آغاز حمد و نعت سے کرتے ہیں۔ سو اس شعری روایت اور رسم کے التزام کو برقرار رکھنے کے لیے کم و بیش ہر شاعر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں دو چار شعر ضرور کہے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی اس رسم کی مطابقت میں اپنے دواوین، مثنویوں اور شعری مجموعوں کے آغاز میں نعت کے موضوع پر ایک نظم پارہ یا چند نعتیہ اشعار لکھ کر اس روایت کو قائم رکھا ہے۔ متقدم زمانے میں تو اس روایت کو نبھانے کا التزام تھا ہی عہدِ حاضر کے غیر مسلم شعرا کے ہاں بھی کہیں کہیں اس کا نمونہ نظر آ جاتا ہے۔

اس التزام میں دراصل حصول ثواب اور برکت کا وہ تصور شامل ہے جسے تخلیق نعت میں ایک محرک کی حیثیت حاصل ہے، اس ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اربعین نووی اور مسند الفردوس (دیلمی) سے یہ حدیث درج کی ہے کہ

"ہر مہتمم بالشان کام جو اللہ کی تعریف اور مجھ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود کے ساتھ شروع نہ کیا جائے تو وہ ناقص اور ہر برکت سے مٹا ہوا (محروم) ہے۔"

اور اس حدیث کے حوالے سے کہا ہے کہ اس نے نثر ونظم، تحریر وتقریر کے مقدمات میں نعت کو لازم قرار دے دیا اور اس طرح ادب کے لیے پابندی عائد کر دی گئی۔[۱۱۳]

مذکورہ بالا حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے (اور اس کی نشاندہی تو خود ڈاکٹر اشفاق نے بھی کر دی ہے) لیکن مسلمانوں کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت اور شیفتگی کے سبب اسلامی معاشرت وتمدن، تہذیب وثقافت اور ادب وشعر میں اس حدیث کے نفس مضمون کی پابندی کی ایک طویل اور مستقل روایت موجود ہے۔ خطبات وتقاریر کے علاوہ مسلمانوں کی علمی ودینی، فقہی ومذہبی، معاشرتی، سماجی، تاریخی، ادبی، شعری نگارشات وکتب سے لے کر سائنسی اور طبی کتب تک میں آغازِ تحریر (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کے ساتھ حمد ونعت (نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم) کے مضمون نے ایک ایسی رسم اور روایت کی حیثیت اختیار کر لی جس کے ساتھ ثواب اور برکت کا تصور وتاثر بھی شامل ہو گیا اور جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اسی طرح ہر نثار اور شاعر کے لیے فرض رہا ہے کہ حمد ونعت کو نظم یا نثر کے ساتھ شامل کر لے۔

ہر مہتمم بالشان امر کو حمد اور نعت کے بعد شروع کرنے کا حکم ہے اور بصورت دیگر کلام کو برکت سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسمی اور اعتقادی طور پر نعت شعراء کے کلام میں لازماً شامل ہو گئی۔[۱۱۴]

نعت کے اساسی محرکات میں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے جذبے کو اولیت حاصل ہے ہے، اس لیے جہاں تک اس جذبہ کی صداقت اور نعت میں اس کے اظہار کا تعلق ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے نعتیہ کلام کی تخلیق کے پس منظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا جذبہ موجود نہیں، جذبہ یقیناً موجود ہے مگر اس جذبہ کا اظہار محض ایک عقیدہ کے طور پر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اردو کے موجودہ سرمایۂ نعت کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رسمی انداز میں کثیر تعداد میں نعتیں لکھی گئی ہیں، لیکن چونکہ ان کے لکھنے والوں نے انہیں محض حصول ثواب وبرکت اور جوشِ عقیدہ کی بنا پر حمد کے ساتھ تمہیداً

بطور تبرک لکھا ہے لہٰذا اُن کی حقیقت محض ایک رسم کی رہ گئی ہے اور اُن کے اندر وہ کیف نہیں جو حقیقی نعت کی جان ہے۔

حقیقی نعت

رسمی نعت کے برعکس نعت کی دوسری قسم حقیقی نعت ہے۔ حقیقی نعت کا اطلاق نعتیہ ادب کے اس معیاری سرمائے پر ہوتا ہے جس کے لکھنے والے نے نعت کو ایک ادبی صنف سخن کے طور پر نہ صرف یہ کہ قبول کیا بلکہ اس کے لوازمات فن اور صنفی نزاکتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے گہرے شغف، توجہ اور جذب و انہماک سے اسے ایک ادبی و فنّی معیار عطا کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔

حقیقی نعت میں بھی اگرچہ حصول ثواب کا تصور شاعر کی تخلیق کے پس منظر میں ایک اہم محرک کی حیثیت سے کارفرما ہوتا ہے مگر اس کی کیفیات کا اظہار ایک عقیدہ اور رسم کے طور پر نہیں ہوتا۔ حقیقی نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و تعلیمات، غزوات و معجزات، عادات اور خصائل مبارکہ کا ذکر جزوی اور سرسری انداز کی بجائے گہری دلچسپی اور وابستگی سے ملتا ہے۔ نیز آنحضرتؐ سے محبت کے ضمن میں رسمی عقیدت نگاری کی بجائے جذب و مستی اور جوشِ محبت کا گہرا اور مؤثر اظہار نظر آتا ہے۔ جذب و کیف اور ذوق و شوق کے اسی جوہر کے سبب نعت کی یہ قسم اپنے اندر دلکشی اور تاثیر رکھتی ہے اور اسی انداز کی نعتوں کو ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے جبکہ رسمی نعت کا ذکر زیادہ تر تاریخ و ادب کی کتابوں اور نعت کے سلسلے میں لکھے جانے والے تنقیدی و تحقیقی مضامین تک محدود رہتا ہے۔

نعت کو رسمی اظہارِ عقیدت کے روایتی انداز سے نکال کر ادبی اور فنی خصوصیات سے آشنا کرانے اور اسے بطور صنف ایک معیاری مقام عطا کرنے میں محسن کاکوروی کا نام سرِفہرست ہے۔ محسن پہلے معروف شاعر ہیں جنہوں نے اردو شاعری کی تاریخ میں حقیقی نعت گوئی کی ابتدا کی۔ انہیں کے زیرِ اثر امیر مینائی نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ محسن و امیر سے پہلے کا نعتیہ ادب زیادہ تر رسمی انداز کی نعت گوئی سے عبارت تھا۔ اس اوّلین سرمایۂ نعت میں بعض شعراء کے قصیدوں، مثنویوں یا غزلوں میں کہیں کہیں حقیقی نعت کی جھلک ضرور مل جاتی ہے مگر مجموعی طور پر محسن کاکوروی سے پہلے کسی شاعر کے ہاں حقیقی نعت کی وہ فضا نظر نہیں آتی جو محسن کے کلام کا خاصہ ہے اور جس میں امیر مینائی کے کیفِ نعت نے قابل قدر اضافہ کیا۔

محسن کاکوروی نے صحیح معنوں میں نعت کو ایک ادبی اسلوب اور فنّی معیار عطا کیا اور مختلف اصناف

سخن (قصیدہ، مثنوی، غزل وغیرہ) میں حقیقی نعت کے ابتدائی بھرپور اور مؤثر نمونے پیش کیے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

"محسن نے دوسرے شعراء کی طرح نعت گوئی کو جزوی اور رسمی طور پر نہیں اپنایا بلکہ اُسے پوری توجہ اور پورے شعور کے ساتھ فکر و فن کی جولانگاہ بنایا ہے (بلاشبہ) اُردو شاعری میں نعت گوئی کی روایت کو مستقل حیثیت دینے، اس کے امکانات کو روشن کرنے اور شاعری کو بلند سطح تک پہنچانے میں جتنا ہاتھ اُن (محسن) کا ہے اور کسی کا نہیں۔"[۱۱۵]

محسن ہی کے زیرِ اثر امیر مینائی نے آخری عمر میں نعت گوئی کی طرف خاص توجہ کی اور لب و لہجہ کی چاشنی، فنی خوبیوں اور والہانہ پن سے حقیقی نعت گوئی کے پُر کیف نمونے پیش کیے۔ نعت کی تاریخ و ارتقاء میں آگے چل کر یہی روایت مولانا الطاف حسین حالی، مولانا احمد رضا خان، بیدم وارثی، علامہ اقبال، ظفر علی خان، بہزاد لکھنوی، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، عاصی کرنالی، حفیظ تائب اور عہدِ حاضر کے دوسرے بے شمار شاعروں کی نعت گوئی اور اس صنف سے اُن کے گہرے شغف و توجہ کے سبب مستحکم ہوئی اور یہ انہیں صاحبانِ نعت کا کمال ہے کہ عہدِ حاضر کے زیادہ تر نعت گو شعراء کے ہاں نعت کی فضا رسمی اور روایتی نہیں تخلیقی اور حقیقی ہے۔

نعت کے مختلف انداز اور اسالیب

نعت کی دو بڑی قسموں (رسمی اور حقیقی) کا اگر ان کے محرکات و مقاصدِ تخلیق، موضوعات اور ان کی پیشکش کا طریقہ اور سماجی اثرات کے حوالے سے تجزیہ کیا جائے تو نعت گوئی کے انداز کا تنوع اور اس کے اسالیب کی رنگا رنگی کا پتہ چلتا ہے۔

عربی اور فارسی سے ہوتی ہوئی یہ صنفِ سخن اردو میں آئی اور اردو کی اصنافِ شعر میں ایک جداگانہ مقام حاصل کرنے میں اسے کئی صدیاں لگیں۔ اپنے ارتقاء کے سفر میں نعت نے موضوع اور پیشکش کے کئی انداز اختیار کیے۔ کم و بیش موجودہ نعت میں ان سارے انداز و اسالیب کا سراغ ملتا ہے۔ ان کا مطالعہ ایک اعتبار سے فنِ نعت گوئی کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کا مطالعہ ہے، جو اس صنفِ سخن کی تفہیم کے لیے بہت ضروری ہے۔

صنفِ نعت میں نعت گو شعراء کے مزاج اور افتادِ طبع، تخلیقی محرکات و مقاصد، عصری ضروریات و اثرات کے تحت جو منفرد و نمایاں انداز اور اسالیب نظر آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ توصیفی اندازِ نعت

اس انداز کی نعتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کا رجحان غالب ہوتا ہے اور آپؐ سے اظہارِ محبت و شیفتگی کا درجہ ثانوی (ہر چند کہ یہ جذبہ ہر نعت کے پس منظرِ تخلیق میں جذبۂ محرکہ کے طور پر موجود ہوتا ہے، مگر یہاں اس جذبہ کے اظہار اور بیان کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے)۔

نعت کا یہ انداز حضور اکرمؐ کی سیرتِ مبارکہ کی صفت و ثنا، آپؐ کے جمالِ ظاہری و باطنی کی مدح، آپؐ کے اخلاقِ حمیدہ، صداقت، امانت، سخاوت، حلم، حیا، احسان، رحمت وغیرہ کی تعریف آپؐ کے معجزات کی ستائش اور آپؐ کے پیغامِ نبوت و فیضانِ رسالت کی توصیف سے عبارت ہے۔ اس انداز کی نعتوں میں آپؐ کے ان اسمائے مبارکہ کا جن کا ذکر قرآن مجید، احادیثِ نبوی اور کتبِ سابقہ میں آیا ہے، کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور آپؐ کی سیرتِ اقدس کے روشن واقعات، آپؐ کی سیرت و کردار کے ممتاز پہلوؤں اور بنی نوعِ انسان پر آپؐ کے احسانات و برکات کے حوالے سے آپؐ کی تعریف اور مدح کی جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ تخلیقِ نعت کے پس منظر میں کارفرما محبتِ رسولؐ کا جذبہ اس انداز کی نعتوں میں بین السطور رہتا ہے، اور اس بھرپور طریقے سے نعت کے پیکر میں منقلب نہیں ہوتا جس طرح آپؐ کی مدح و ثنا اور آپؐ کے اسمائے صفات کا تذکار اظہار پذیر ہوتا ہے۔ اس اندازِ نعت کی مثال میں مسدسِ حالی کے وہ نعتیہ بند[1] پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں عالمِ بشریت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات اور آپ کے احکامات و تعلیمات کا ذکر و توصیف آپ سے اظہارِ محبت اور بیانِ شیفتگی کی مناسبت سے زیادہ ہے۔

عشقیہ اندازِ نعت

توصیفی اندازِ نعت سے مختلف نعت کا ایک پسندیدہ انداز عشقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ تجربات و واردات کے اظہار سے عبارت ہے۔ اس انداز کی نعتوں میں آپؐ کی مدح و توصیف پر آپؐ سے محبت و شیفتگی کا جذبہ غالب رہتا ہے اور آپؐ کی ستائش و ثنا کی نسبت آپؐ کی ذاتِ مبارکہ سے وابستہ جذبات و احساسات اور وارداتِ قلبی کا ذکر زیادہ ہوتا ہے۔

نعت کا یہ انداز جذب و شوق اور کیف و سرمستی میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ شاعر نہ صرف آنحضرت

24838

صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ شیفتگی کا اظہار کرتا ہے بلکہ آپؐ کے صحابہ کرامؓ، آپؐ کا زمانہ و معاشرت اور آپؐ کے متعلقات (لباس، پسینہ، نعلین مبارک وغیرہ) کا بھی محبت سے ذکر کرتا ہے۔ مسجد نبوی کی فضا (گنبد خضرا، روضہ مبارک کی جالیاں، مواجہ شریف پر درود و سلام کے پُرکیف منظر) کا احترام و عقیدت سے بیان کرتا ہے۔ آپؐ کے شہر (مدینہ منورہ کے در و دیوار، گلی کوچے، سنگ و خشت اور خار و خس) کو دنیا جہان سے افضل جانتا ہے۔ خاکِ مدینہ کو اپنے لیے کحل البصر خیال کرتا ہے، اور اس شہر کے ماحول و فضا کو جنت سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ سگانِ مدینہ سے اپنی نسبت ٹھہراتے ہوئے بھی اسے اس شہرِ مقدس و منور کی شان میں بے ادبی خیال کر کے منفعل ہوتا ہے۔

اس انداز کی نعت میں مدینے سے دوری کا احوال، روضۂ رسولؐ پر حاضر ہونے کا بے پایاں شوق، لوگوں کو روضۂ رسولؐ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر اپنی بے بسی کا ذکر، دربارِ رسولؐ میں مرنے کی شدید تڑپ اور خواہش کا اظہار اور محبتِ رسولؐ کے مظہر اسی طرح کے دوسرے احوالِ قلبی کا بیان ملتا ہے۔ وارداتِ عشقِ رسولؐ سے متعلقہ دلی جذبات کے بھرپور اظہار کے سبب اس انداز کی نعتوں کی فضا پُرکیف اور روح پرور ہوتی ہے اور پڑھنے والے پر ایک خاص تاثر چھوڑتی ہے۔

ثانوی حیثیت میں تو نعت کا یہ انداز کم و بیش ہر تخلیقی نعت نگار کے ہاں کسی نہ کسی جذبہ و شکل میں نظر آتا ہے۔ مگر علامہ بوصیری، مولانا جامی، بیدم وارثی، مولانا احمد رضا خان، علامہ اقبال، بہزاد لکھنوی، حفیظ تائب اور حافظ مظہر الدین کی نعتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ انداز کافی نمایاں اور مؤثر طریقے سے اظہار میں منقلب ہوا ہے۔

۳ غزلیہ اندازِ نعت

اصنافِ شعر میں سے وہ صنف جس نے فارسی اور اردو کے شعراء کو سب سے زیادہ متاثر کیا غزل ہے۔ غزل و تغزل کے اثرات نعت پر بھی پڑے، یوں ایجاز و اختصار، رمز و ایما، اشارہ و کنایہ اور غزل کی دوسری خصوصیات نعت میں بھی در آئیں یوں نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے ذکر اور آپؐ کی توصیف کے بیان پر غزلیہ انداز کی گہری چھاپ بھی نظر آتی ہے۔

غزلیہ اندازِ نعت میں نعت کے موضوع و منصب کے مقابلے میں لوازماتِ غزل کا التزام زیادہ نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس انداز کی نعتوں میں ایسے شعر بھی مل جاتے ہیں جنہیں اگر نعت کے عنوان سے پیش نہ کیا جائے تو ان پر نہ صرف غزل کا گمان بلکہ یقین ہوتا ہے۔ ایسی نعتوں میں شاعر کا محرک و

مقصد اگرچہ نعت ہی کی تخلیق ہوتا ہے ، مگر غزل گوئی کی روایت سے دیرینہ وابستگی اور غزل کے مزاج کی ایک مخصوص تربیت اور اس کے اثرات کے سبب اس طرح کی نعت پر تغزل کا رنگ چھا جاتا ہے۔ کسی کسی شعر میں نعتیہ مضامین کو جیتے ضرور نظر آتے ہیں مگر مجموعی طور پر فن پارے کی فضا نعت میں رچی بسی نظر نہیں آتی۔

اس انداز نعت کی قسم میں اس مشہور نعت کی مثال دی جا سکتی ہے جو امیر خسرو کے نام سے منسوب ہے اور جس کا مطلع اور مقطع درج ذیل ہے :

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

اس نعت کو قریباً ہر مجموعۂ نعت میں 'نعت' کے عنوان سے منتخب کیا گیا ہے ، حالانکہ اس کی مجموعی فضا نعت کی فضا نہیں بنتی ، یہ غزل عام غزل کے معروف علائم و رموز اور تغزل کی مانوس کیفیت میں رچی بسی نظر آتی ہے اور صوفیانہ انداز کی ایک خوبصورت غزل ہے مگر اس کے مقطع کے علاوہ اس میں نعت کا مضمون اور ماحول کسی دوسرے شعر میں نظر نہیں آتا۔

اردو نعت کی تاریخ میں غزلیہ انداز نعت کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ نعتیہ دواوین میں خاص طور پر غزل کے طرز و اسلوب میں لکھی گئی نعتوں کی کثرت نظر آتی ہے جن میں نعت کے کیف و اثر پر تغزل کا رنگ غزل کا مخصوص ذخیرۂ الفاظ ، علائم و رموز اور تغزل کی دوسری کیفیات غالب طور پر موجود ہیں۔

۴۔ مقصدی اندازِ نعت

نعت کی تخلیق و ترویج میں مقصدیت کے تصور نے اسے ایک مقصدی انداز سے روشناس کیا۔ ہر زمانے کے نعت گو شعراء نے نعت کو اپنے زمانے کی ضروریات اور درپیش مسائل کے مطابق کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیا۔ ابتدائے اسلام ہی سے نعت دفاعِ پیغمبرؐ اور تبلیغ اسلام جیسے اعلیٰ مقاصد سے منسلک ہو گئی تھی۔ دربارِ رسالتؐ سے وابستہ شعراء نے اسے نہ صرف یہ کہ دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار کی حیثیت سے استعمال کیا بلکہ اس کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ نعت کے سلسلہ کی پہلی صف کے وہ سربرآوردہ شاعر ہیں جنھوں نے کفارِ مکہ کی اسلام

دشمنی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں بدگوئی اور ہجو کے خلاف مورچہ سنبھالا۔ اپنے کلام کو غزوات کے موقع پر اسلامی لشکر کی فتوحات کا احوال، شہدائے اسلام کی بہادری اور ان کی موت پر رثائی خیالات کا اظہار، اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی فضیلت و برتری کا بیان اور قبول اسلام کے لیے آنے والے وفود سے مبارزت طلبی جیسے اہم اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔

عہدِ نبوی کے بعد عصرِ حاضر تک یہ صنف کسی نہ کسی ذاتی، معاشرتی و ملی اور آفاقی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال ہوئی اور ہو رہی ہے۔ نعت میں مقصدیت کی نوعیت کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے درج ذیل چار پہلو سامنے آتے ہیں:

۱۔ ذاتی مقاصد

یعنی شعراء کا اپنی تطہیرِ ذات اور پاکیزگیٔ نفس کے لیے نعت کی طرف رجوع کرنا (خصوصاً تصوف سے شغف رکھنے والے شعراء کا) درود و سلام کے ذریعے حصول ثواب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کے اظہار کے حوالے سے آپؐ کی شفاعت طلبی کے لیے کوشاں ہونا۔

۲ معاشرتی مقاصد

نعت کے ذریعے معاشرے کی اصلاح، اسلامی تصورِ حیات کی نشر و اشاعت اور اسلام کی تبلیغ وغیرہ۔

۳ ملّی مقاصد

نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، تعلیمات اور پیغام محبت و اخوت کے حوالے سے (مختلف نسلی، لسانی، جغرافیائی) گروہوں میں بٹی ہوئی اُمت مسلمہ میں اتحاد و یگانگت کی کوشش وغیرہ۔

۴ آفاقی مقاصد

ایک مثالی انسان، رہنما، قائد اور محسنِ انسانیت کے حوالے سے مختلف اقوامِ عالم اور بنی نوعِ انسان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفاقی گیر پیغام، عالم موجودات پر آپؐ کے فیضان و برکات کے تذکار مبارک سے فروغ خیر دامن کی کوشش وغیرہ۔

ذاتی اصلاح سے لے کر تبلیغ اسلام کی آفاق گیر مساعی تک کے مقاصد نعت میں جس سلیقے سے پیش کیے گئے ——— اور کیے جا رہے ہیں۔ اس کی اعلیٰ ترین مثال کلام اقبالؒ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کے کلام میں جس والہانہ شیفتگی اور اعلیٰ فنی محاسن کے ساتھ نعت کے موضوعات قلمبند ہوئے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کے ہاں محامد و محاسن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ ہی کی ذات بالاصفات کے حوالے سے "توحید، حفظِ ایمان و یقین، پابندیٔ ارکان اسلام، اعلائے کلمۃ الحق، امر بالمعروف نہی عن المنکر، ظلم و ستم اور فسق و فجور پر بے باک تنقید، سعی و عمل کی تلقین، مایوسی و ناامیدی کے خلاف جہاد، عباد الشیطان کے خلاف غزوہ و جہاد کی تاکید، اخلاص و قناعت، غیرت و خودداری، صبر و استقامت، فکر و ذکر کا اتحاد" وغیرہ کم و بیش ایسے تمام مقصدی موضوعات ملتے ہیں جن کا تعلق فرد، معاشرہ، ملت، اور بنی نوع انسان کی اصلاح سے ہے۔

۵ تاریخی اندازِ نعت

نعت کا ایک مقبول انداز تاریخی بھی ہے۔ اس طرح کی نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کا واقعاتی انداز میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اور آپؐ کی مدح کے ساتھ ساتھ نہ صرف آپؐ کی سیرت کے اہم واقعات بلکہ آپؐ کے زمانے میں عرب کی عمومی حالت کا ذکر، معاشرت و تمدن کا احوال، اشاعت اسلام کے سلسلے میں غزوات و فتوحات کا تذکرہ اور تاریخ اسلام کے دوسرے اہم واقعات و شخصیات کا بیان بھی ملتا ہے۔

دورِ جدید کے نعت گو شعراء نے اس انداز کی نعت کی طرف خصوصیت سے توجہ دی۔ پھیلتے ہوئے تاریخی و عمرانی شعور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سوانح کو مستند مآخذات کی روشنی اور تاریخی و عمرانی حوالوں سے پیش کرنے کی کوششیں ہوئیں اور یوں آپؐ کی تعلیمات و سیرت کو تاریخی پس منظر میں قلمبند کرنے کا رواج ہوا۔ اگرچہ قدیم نعتیہ منظومات (نور نامے، میلاد نامے، معراج نامے اور وفات نامے وغیرہ) کی پیش کش میں تاریخ کا یہ پہلو نمایاں ہے اور آنحضرتؐ کے کوائف و حالات کو واقعاتی انداز میں پیش کرنے کا میلان نظر آتا ہے مگر ان منظومات میں روایت و درایت اور صحت واقعات کا وہ معیار نہیں جو دورِ جدید کے تاریخی اندازِ نعت میں نظر آتا ہے۔

تاریخی انداز میں نعت گوئی کے میلان نے نعت کے موضوع کو وسعت سے ہمکنار کیا اور آپؐ کے اجزائے سیرت کو منظم اور مربوط شکل میں منظوم کرنے کے رجحان کو فروغ ملا۔ حفیظ جالندھری

کے "شاہنامۂ اسلام" محشر رسول نگری کی "فخرِ کونین" اور عبدالعزیز خالد کی "فارقلیط" اور "منحمنا" میں اس انداز کے نعتیہ کلام کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ واقعاتی انداز میں آپؐ کی سیرت و صفات کا تذکار دلکش انداز میں آپؐ کی ہمہ گیر شخصیت کے بھرپور اظہار پر طویل نعتوں کی تخلیق اور منظوم سیرت نگاری کی طرف رجحان —— اسی اندازِ نعت کا نتیجہ ہے۔

۶ نعت میں استمداد و استغاثہ کا انداز

نعت کا ایک اہم اور مشہور انداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اپنے حالات اور درپیش مسائل اور مصائب و آلام اور مشکلات کا اظہار کر کے اُن سے مدد طلب کرنا ہے۔ حضور اکرمؐ سے استغاثہ اور استمداد اور آپؐ کے حضور فریاد اور مشکل کشائی و حاجات روائی کے لیے آپؐ کی بارگاہِ رحمت میں سوال، آغازِ نعت ہی سے نعت کے اجزائے ترکیبی میں شامل رہا ہے۔ ہر عہد، ملک اور زبان کے شعراء نے رفعِ مشکلات، شفائے امراض، حصولِ مقاصد اور مصائب و مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے سیدِ کونینؐ کے حضور اپنی عرضداشت پیش کی ہے۔

دراصل مصائب و آلام اور کرب و اندوہ کی حالت میں ایک سچے مسلمان کی نگاہ رحمت للعلمین ہی کی جانب اُٹھتی ہے۔ اسے جب کسی انفرادی یا اجتماعی غم کا سامنا ہوتا ہے وہ آپؐ ہی سے دادرسی کا طلب گار ہوتا ہے چونکہ اس کے نزدیک دنیا و آخرت کا ملجا و ماویٰ آپؐ ہی ہیں اس لیے وہ مصائب میں آپؐ ہی کو التجائے کرم اور تمنائے لطف کا مرکز و محور مانتا ہے۔ اسے جب کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے وہ آپؐ ہی سے رجوع کرتا ہے۔ اور شدتِ اخلاص سے یہ محسوس کرتا ہے کہ کثرتِ آلام و مصائب میں آپؐ کی ذاتِ بابرکات ہی نجات دلا سکتی ہے اور آپؐ ہی ہر مشکل مرحلے پر چارہ سازی فرما سکتے ہیں۔

انفرادی یا اجتماعی حاجت و مصیبت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا و رحمت کے حصول کا یہ پیرایہ حضورؐ سے استعانت کرنے، مدد لینے اور حاجت پوری کرنے کی استدعا کا یہ انداز کم و بیش ہر نعت گو شاعر کے کلام میں نظر آتا ہے۔ انفرادی نوعیت کی نعتوں میں حضرت امام بوصیریؒ کا مشہور قصیدہ جو "قصیدہ بردہ" کے نام سے مشہور ہے قابلِ ذکر ہے جس میں شاعر نے فالج کے مرض سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپؐ کے حضور درخواست گزاری۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فریاد و استغاثہ کا محرک کوئی معاشرتی سانحہ بھی ہو سکتا ہے۔ بعض

LIBRARY

اوقات شاعر انفرادی مصائب کے علاوہ اپنے گرد و پیش میں کسی ایک سماجی حادثے سے اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ اس کے احساس کی شدت دربارِ رسالت میں استغاثے کی شکل اختیار کر لیتی ہے کسی دوسرے فرد یا طبقہ کی بے چارگی و بربادی اور کسی بے گناہ پر کیے گئے تشدد کے خونچکاں واقعات پر بھی ایسی نظمیں کہی گئی ہیں جن پر نعت کا عنوان تو نہیں مگر جن میں حضورِ اکرمؐ سے استغاثے کا انداز پوری شدت سے موجود ہے مثلاً نیر واسطی کی نظم بعنوان "بحضورِ رسالت مآبؐ" جو انہوں نے ایک معصوم اور مظلوم دوشیزہ پر کسی درندہ صفت آدمی کی طرف سے کی گئی زیادتی پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور استغاثے کی شکل میں پیش کی۔

انفرادی و سماجی مصائب کے علاوہ استغاثہ کا ایک محرک ایسا المیۂ عظیم بھی ہوتا ہے جو پوری ملتِ اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور جس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی تباہی و بربادی کا احساس مدتوں تک پوری ملت کو خون کے آنسو رُلاتا رہتا ہے۔ اجتماعی نوعیت کے ان المیوں پر لکھے گئے نعتیہ استغاثوں میں زوالِ بغداد پر شیخ سعدیؒ کا استغاثہ انتہائی مؤثر ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

یا محمدؐ سر برون آور قیامت را بہ بیں

برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد ہندی مسلمانوں کی زوال آمادہ حالت پر مولانا حالی کی مشہور نظم "عرضِ حال بجناب سرورِ کائنات" جس کا پہلا شعر ہے ؎

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے[119]

اور طرابلس کی جنگ پر علامہ اقبال کا مختصر مگر مؤثر استغاثہ بعنوان "حضورِ رسالت مآب میں"[120] قابل ذکر ہے۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد فسادات کے نتیجہ میں مسلمانوں کا جو کشت و خون ہوا، بیت المقدس پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضہ (۱۹۶۷ء) سقوطِ ڈھاکہ (۱۹۷۱ء)، افغانستان میں روسی فوجوں کا استعمار اور بربریت (۱۹۸۰ء) اور قومی و ملی مصائب و آزمائش کے دوسرے مواقع پر بھی نعت گو شعراء کے کلام میں فریاد و استغاثہ اور استمداد کی لے تیز نظر آتی ہے۔

استغاثہ اور استمداد کے اسلوب میں جو نعتیں زیادہ مشہور اور مؤثر ہیں ان کی نوعیت اجتماعی مصائب اور ملت گیر المیوں سے متعلق ہے۔ ظاہر ہے المیہ جتنا جانکاہ اور بڑا ہوگا شاعر کی فریاد میں التجا اور گریہ و زاری کی کیفیت اتنی ہی شدید ہوگی۔ اس کا دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ اجتماعی نوعیت کے حزن و کرب اور شکست و زوال کے اثرات کا دائرہ بہرحال انفرادی یا گروہی مصائب سے کہیں زیادہ بڑا ہوتا ہے لہٰذا

تاریخی نوعیت کے المیوں کی جانگسل یادیں اور اثرات کئی عہدوں اور نسلوں کے اذہان و قلوب کو لہو رلاتے رہتے ہیں۔ اس لیے اس انداز کی نعتوں کے قارئین کی اپنی التجائیں بھی ان میں منعکس ہوتی رہتی ہیں اور ہر نئے ملی سانحے پر سابقہ استغاثہ و فریاد کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔

اجتماعی نوعیت کے مصائب و شدائد پر لکھے گئے نعتیہ استغاثوں کی تخلیق میں عموماً درج ذیل عناصر شاعر کے پیش نظر ہوتے ہیں:

۱۔ شدتِ آلام کے سامنے اپنی بے بسی کا انتہائی احساس جسے حالی کے الفاظ میں "وقتِ دعا" کہا جاسکتا ہے۔

۲۔ ذکرِ مصائب اور التجائے کرم کا مرحلہ یعنی شاعر اُمتِ مسلمہ کی تباہی و بربادی اور درماندگی و بیچارگی اور اقوامِ عالم کی نظر میں ذلت و رسوائی کا رونا رو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمت کے حال پر نظرِ کرم کرنے اور درپیش مصائب کو رفع کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

کبھی کبھار شاعر کے لب و لہجہ میں دبی دبی شکایت بھی نظر آتی ہے کہ "یہ ظلم ہم پر صرف مسلمان ہونے کے سبب ڈھائے جا رہے ہیں نیز اے پیغمبرِ رحمت آپؐ پر سب حقیقتِ حال واضح ہے پھر بھی کیا سبب ہے کہ آپؐ ہماری چارہ سازی نہیں فرما رہے، آپؐ ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگزر کریں اور خدارا اس پریشانی میں ہماری مدد فرمائیں"۔ فریاد و استغاثہ کے اس مرحلے پر عام طور پر شاعر آپؐ کے اسمائے صفات رحمۃ للعالمین، شافعِ روزِ جزا، نبیٔ رحمت، آیۂ رحمت، رحمتِ کل، رحیم، کریم اور اسی طرح کے دوسرے اسمائے صفات سے خطاب کرتا ہے۔ اور اسلام کے عہدِ زریں، برگزیدہ صحابہ کرامؓ اور خاص طور پر اہل بیت کا واسطہ دے کر آپؐ سے اپنے مسائل اور مشکلات کے حل و عقد کا آرزومند ہوتا ہے، یوں شاعر فریاد کا ایک ایسا آہنگ اور پیرایۂ اظہار اختیار کرتا ہے جس میں دردمندی، التجا اور گریہ وزاری کی لے نمایاں اور پُرتاثیر ہوتی ہے۔

مرتبینِ نعت نے انفرادی و معاشرتی اور ملکی و ملی مسائل و مشکلات اور آلام و مصائب پر لکھے گئے استغاثوں کو جداگانہ طور پر بھی مرتب کیا ہے۔ "اغثنی یا رسولؐ اللہ" ایک ایسا ہی مجموعۂ نعت ہے جو اردو، سرائیکی، سندھی، ترکی اور ہندی زبانوں میں لکھے گئے استغاثوں پر مشتمل ہے۔ "لمعاتِ نور" کے مصنف نے بھی اردو شاعری کے موضوع اور صنف وار انتخاب میں "عرض دربارِ رسولؐ میں" کے عنوان سے اجتماعی مصائب سے متعلقہ استغاثوں کو ایک علیحدہ باب میں درج کیا ہے۔ اس باب میں اگرچہ استغاثوں کی تعداد کم ہے مگر یہ باب اپنے لکھنے والوں کے عہد کو درپیش المیوں کے حوالے سے

نعت میں استغاثہ و استمداد کے انداز کی قابلِ ذکر مثال ہے۔

۷۔ نعت میں صلوٰۃ و سلام کا انداز

نعت کا ایک اور مقبول انداز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و صلوٰۃ بھیجنے سے متعلق ہے جیسا کہ محرکاتِ نعت کے ذیل میں مذکور ہے۔ آپؐ پر درود و سلام بھیجنا حکمِ خداوندی ہے اور ایک اعلیٰ عبادت ہے۔ سورۃ احزاب کی آیت "ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما (۳۳، ۵۶)

(اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسولؐ پر، ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو۔) نے سلام و صلوٰۃ کو نعتیہ مضامین میں ممتاز مقام کا حامل بنا دیا ہے۔ حصولِ ثواب اور شفاعت طلبی کے جذبہ نے نعت میں سلام و صلوٰۃ کو ایک مستقل موضوع کے طور پر رائج کیا۔ شاعروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام لکھنے اور پڑھنے کے نئے نئے اسلوب وضع کیے۔ کبھی نعت کے ہر مصرعہ کا آغاز سلام سے کیا اور کبھی سلام کو ردیف کے طور پر استعمال کیا۔ اول الذکر سلاموں میں حفیظ جالندھری کا:

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی [۱۲۲]

اور ماہر القادری کا:

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی [۱۲۳]

اور مؤخر الذکر سلاموں میں مولانا احمد رضا خان کا:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام [۱۲۴]

قابلِ ذکر ہیں۔ صوفی اکبر میرٹھی وارثی کا درج ذیل سلام بھی بہت مقبول ہے:

یا نبیؐ سلام علیک یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللّٰہ علیک [۱۲۵]

اسی طرح صلی اللہ علیہ وسلم کو ردیف بنا کر حضور خیر الانامؐ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی طرح پڑی۔ اس ردیف میں لکھے جانے والے سلاموں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ کم و بیش سب ہی معروف نعت گو شعراء نے اس ردیف میں نعت لکھی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں سب سے طویل نعت غالباً اقبال سہیل کی ہے جس میں ۸۵ اشعار ہیں اور جس کا مطلع ہے:

احمدِ مرسل، فخرِ دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اول، مرسلِ خاتم، صلی اللہ علیہ وسلم[126]

حال ہی میں اس انداز کی نعتوں کا انتخاب "صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے راز کاشمیری نے شائع کیا ہے جس میں التزام کے ساتھ صرف اسی ردیف والی نعتوں کو شامل کیا گیا ہے۔

مجلسی و میلادی ضروریات کے تحت سلام وصلوٰۃ کے موضوع پر اور اس انداز کی حامل نعتوں کے چھوٹے بڑے سینکڑوں کتابچے، گلدستے اور مجموعے مرتب ہوئے ہیں جن میں مختلف شاعروں کے سلاموں کو جمع کیا گیا ہے۔ ان مجموعوں سے تخلیقِ نعت میں سلام وصلوٰۃ کے انداز کی اہمیت، ترویج اور مختلف اسالیب کا اندازہ ہوتا ہے۔

زمانی اعتبار سے نعت کے اسالیب

مطالعہ نعت کے دوران ہمیں دو نمایاں اسلوب ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں جو زمانی اثرات و اعتبار سے ایک دوسرے سے نمایاں حد تک مختلف ہیں۔ ان میں ایک نعت کا قدیم اسلوب ہے۔ اور دوسرا نعت کا جدید اسلوب۔

قدیم اسلوبِ نعت

یہ اردو نعت کا قدیم اور پہلا عمومی انداز ہے جو زیادہ تر آغازِ اردو کی نعتیہ منظومات (میلاد نامے، معراج نامے، وفات نامے وغیرہ) سے لے کر قریباً انیسویں صدی کے وسط تک لکھی جانے والی نعتوں میں مروج و مستعمل رہا۔ اس انداز کی نعت میں روایتی اور رسمی رنگ کا غلبہ ملتا ہے۔ موضوعات میں شاعر کی زیادہ تر توجہ نورِ محمدیؐ اور ولادتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اذکار اور معجزات و غزوات کے بیان کی طرف رہتی ہے اور آپؐ کی ذاتِ اقدس کے بشری پہلوؤں کا ذکر کم ہوتا ہے، نیز قانون و آئین عدل و انصاف، سیاست و ریاست اور اخلاق و تعلیم کے حوالے سے بنی نوع انسان کے لیے آپؐ کی خدمات وغیرہ کا بیان اوّل تو نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو سرسری انداز اور ثانوی حیثیت میں۔ زیادہ زور ولادت، غزوات اور معجزات پر ہی دیا جاتا ہے۔

اس اسلوبِ نعت میں آپؐ کی مدح و توصیف کے لیے آپؐ کے اسمائے مبارک کا تذکار و اعادہ نمایاں ہے اور زیادہ تر مثنوی، قصیدہ اور غزل کی صنف برتی گئی ہے۔ جہاں تک نعت کے اس

اسلوب کے لب ولہجہ کا تعلق ہے وہ بھی اردو شاعری (جس میں غزل کو ایک محوری حیثیت حاصل ہے) کی قدیم فنی خصوصیات سے عبارت ہے اس انداز نعت میں اردو غزل کے روایتی علائم و رموز اور تشبیہ و استعارہ کا رنگ جھلکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں اکثر مجازی محبوب سے خطاب کا انداز اور زبان استعمال کی گئی ہے۔

اس اسلوبِ نعت کے نمونے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل کے نعتیہ کلام میں بکثرت ملتے ہیں اور بعد کے نعتیہ ادب میں بتدریج کم کم نظر آتے ہیں، تقلیدی اور روایتی رنگ کے حامل شعراء کی نعتوں میں آج بھی اس انداز اور اسلوب کی نعتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

جدید اسلوب نعت

نعت کے دورِ جدید کا آغاز حالی سے ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پھیلتے ہوئے سائنسی سماجی علوم اور بدلتے ہوئے سیاسی و معاشرتی حالات کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان و اظہار کے پیرائے اور اسلوب میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ اب نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ساتھ ایک انسان کامل کے طور پر آپ کی بشری خصوصیات اور معاشرت و تمدن میں آپ کے انقلاب آفریں اقدامات و اصلاحات وغیرہ کے تذکار کو فروغ ملا۔ مولانا حالی کی مسدس میں اس اسلوبِ نعت کے اولین نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ حالی کے بعد تخلیقی اپج رکھنے والے معیاری نعت گو شعراء کے ذریعے اس اسلوبِ نعت کو فروغ ملا۔

جدید اسلوبِ نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کو مستند حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلم بند کیا گیا۔ نیز پیامِ رسالت اور مقصدِ رسالت، تمدن و معاشرت پر آپ کے احسانات اور بنی نوع انسان کے لیے آپ کی تعلیمات پر مبنی ضابطۂ حیات کے تعارف و تذکار کی طرف توجہ دی گئی۔ جدید نعت گو شعراء کے ہاں محبتِ رسول کی سرمستی اور آپ کی مدح و توصیف کے ساتھ ساتھ آپ کی رسالت و بشریت کا زیادہ گہرے شعور سے مطالعہ نظر آتا ہے۔

اس اسلوبِ نعت میں زبان و بیان کی شائستگی اور فنِ نعت کی پوری نزاکتیں ملتی ہیں موضوعات میں اضافہ کے ساتھ جدید دور میں نعت نئی اصنافِ شعر (آزاد نظم، معرا نظم وغیرہ) سے بھی روشناس ہوئی۔ یوں نعت کے ہیئتی دائرے کو بھی وسعت ملی طویل نظموں اور کینٹو (Canto) کو نعت کے موضوعات کے بیان و اظہار کے لیے استعمال کیا جانے لگا مختصر یہ کہ نعت کے جدید دور میں حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو عصری حوالوں سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ نعت میں فنی اور ہیئتی وسعت پیدا ہوئی ہے۔

عصرِ حاضر کے معروف نعت گو شعراء میں عبد العزیز خالد، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، مظفر وارثی، ماہر القادری، احمد ندیم قاسمی، محشر بدایونی، احسان دانش، عاصی کرنالی اور قیوم نظر وغیرہ کے ہاں یہی نعتیہ اسلوب کارفرما ہے۔

اردو نعت کے مضامین اور فن پر ہندوستانی اثرات

نعت کے مضامین اور ان کی پیشکش پر ہندوستانی طرزِ معاشرت، تہذیب و تمدن اور ہندو مت کے اثرات بھی پڑے اور یوں نعت میں بعض ایسے غیر مشروع عناصر داخل ہو گئے جن سے عربی اور فارسی نعت کا دامن پاک تھا۔ یہ عناصر ہندو دیو مالا اور اصنام پرستی سے متعلق ہیں اور ہندو معاشرت میں دیوتاؤں کی تعریف میں گائے جانے والے بھجنوں اور گیتوں کا خاصہ ہیں۔

ہندو مت میں توحید کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ مختلف دیوتاؤں کو اپنی اپنی جگہ اقتدارِ کلی کا مالک دکھایا گیا ہے۔ اسی باعث ہندوؤں کے ہاں نہ صرف یہ کہ قادرِ مطلق کا عقیدہ کسی مستحکم اور مربوط شکل میں نہیں بلکہ اس میں بے شمار تضادات نظر آتے ہیں، خدا کا مفہوم دیوتاؤں کے تصورات سے کچھ اس طرح خلط ملط ہو گیا ہے کہ ان کی ذات اور اختیارات میں کسی حدِ فاصل کا تعین تو درکنار اس کا تصور بھی محال ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے "اردو نعت میں ہندوستانی عنصریات کا اثر" کے ضمن میں وید، رامائن اور مہابھارت کے حوالے سے جو نتائج مرتب کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ "دیوتاؤں کی مدح میں جو بھجن نظم کیے گئے ہیں اُن کے مضامین میں دیوتاؤں کے حسبِ مراتب کا فرق نہیں کیا جاتا اور جوشِ عقیدت میں تخیل کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹے اور بڑے دیوتا کی مدح کا بیان ایک ہی مضمون لیے ہوئے ہوتا ہے۔

۲۔ مذہبی یا روحانی پیشواؤں کو اوتار سمجھ کر انہیں خدائی صفات سے متصف گردانا جاتا ہے یہاں تک کہ حصولِ مقصد کے لیے اکثر خدا کو ان کی محتاجی ہوتی ہے۔

۳۔ فوق العادت عناصر کی جاذبیت اور اس سے اشتیاق ہر جگہ قائم ہے۔"[۱۲۷]

ان عقائد و خیالات کے اثرات نعت پر بھی پڑے، جہاں تک مضامینِ نعت کا تعلق ہے،

الوہیت اور نبوت کے اس فرق کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا گیا جو نعت گوئی کا پہلا لازمہ ہے۔ خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور صفات کو گڈمڈ کر دیا گیا۔ حفظِ مراتب نظر انداز کرنے سے کئی ایسے مشرکانہ خیالات بھی نعت میں در آئے جن کا اسلام کی بنیادی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہندو تصوف و عقائد کے زیرِ اثر ہی مسلمان نعت گو شعراء نے رسالت کے ڈانڈے توحید سے ملا دیئے اور حضور اکرمؐ کو "احمدِ بے میم" اور "عربِ بلا عین" کہا جانے لگا۔ اور بڑے بڑے شاعر بھی اس انتہائے غلو سے نہ بچ سکے جو آپؐ کی شانِ اقدس کے سراسر منافی ہے۔

اس کی ایک صورت تو ایسے اشعار ہیں جہاں خدا اور رسولؐ کی صفات اور اختیارات کے اظہار میں مسابقت اور مقابلے کی فضا پیدا کی گئی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑا کر دیا ہے۔ جیسے شائق کے اس شعر میں

ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ [128]
مصطفیٰؐ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ

دوسری صورت وہ ہے جہاں شاعرانہ انداز میں کبھی تشبیہ و استعارہ اور کبھی کنایہ سے شاعر نے اپنا زورِ تخیل اس اظہار میں صرف کر دیا ہے کہ نعوذ باللہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں خدا خود جلوہ گر ہے۔ حضورؐ کو احمدِ بے میم اور عربِ بلا عین کہنا اسی طرح کے مشرکانہ عقیدہ کا شاعرانہ اندازِ اظہار ہے۔ اسی طرح "میم کا پردہ" اور "میم کا گھونگھٹ" کہہ کر بھی اشارہ و کنایہ میں حضور اکرمؐ میں خدا ہی کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً

پردۂ میم میں چھپے ہیں حضورؐ
ہم سے نزدیک ہیں، نہیں کچھ دور [129] (محو الوالعلائی)

میم کا رخ سے اٹھا کر گھونگھٹ [130]
شکل دکھلا مرے پیارے احمدؐ

(شائق حیدر آبادی)

اور تو اور محسن کاکوروی جیسے محتاط شاعر کے ہاں بھی اس طرح کی مثال مل جاتی ہے:

عینیت غیر رب کو رب سے — غیریت عینی کو عرب سے
ذاتِ احمدؐ تھی یا خدا تھا — سایہ کیا میم تک جدا تھا [131]

اسی طرح محسن کاکوروی کا یہ شعر دیکھئے:

کہاں اب جبہ سائی کیجیے کچھ بن نہیں پڑتا
احد کو کیجیے یا احمدِ بے میم کو سجدہ[۱۳۲]

دکھایا وہ میم کا جو گھونگھٹ احد کو احمد میں دیکھا پرگھٹ
خدا کو دیکھا جو واکو دیکھا نرالی سچ دیچ دکھا کے مارا[۱۳۳]

اور اس کافرانہ عقیدہ کی تیسری صورت وہ ہے جہاں شاعرانہ اشارہ وکنایہ کا تعلق بھی ختم کر کے رسول کو صاف طور پر خدا کہہ دیا گیا ہے، اس ذیل میں آسی غازی پوری کا یہ شعر دیکھیے :

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہو کر[۱۳۴]

اسی طرح سے " احد نے صورتِ احمد میں اپنا جلوہ دکھلایا[۱۳۵] " اور " اگرچہ ظاہر میں وہ عرب ہے مگر حقیقت میں عینِ رب ہے "

ایسے خیالات اسی اندازِ نعت کی مثالیں ہیں جہاں ہندوانہ عقائد اور دیومالا کے اثرات کے تحت اسلام کے تصورِ توحید کو نظر انداز کر کے عبد اور معبود کی تفریق ختم کر دی گئی، بعض جگہ تو تصورِ وحدت کا باقاعدہ مذاق اڑایا گیا ہے، مثلاً

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے[۱۳۶]

اس طرح کے شعر جہاں انتہائے غلو کا مظاہرہ ہو اور قادرِ مطلق کے تمام اختیارات رسولؐ سے وابستہ کر دیئے گئے ہوں، اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف توہین ہی، شانِ رسالت مآب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بھی سراسر منافی ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے :

" مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ میں تو صرف خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں۔ مجھے صرف خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہی کہو "

مگر افسوس کا مقام ہے کہ حضورؐ کے واضح ارشاد کو نظر انداز کر کے انہیں بعینہٖ خدا کا درجہ دے دیا گیا۔

رسولؐ کو خدا سمجھنے اور کہنے کی کافرانہ لغزش کے ساتھ ہندو مذہب کے زیرِ اثر اردو نعت میں جو دوسرا

عنصر در آیا وہ آپ کی سیرت و سوانح کے بیان میں فوق العادت اور مبالغہ آمیز واقعات سے متعلق ہے۔ ہندو معاشرت میں دیوتاؤں کے ساتھ منسوب بے سروپا کہانیاں (جن میں فوق العادت واقعات کی بھرمار ملتی ہے) سننے سنانے کا عام رواج ہے۔ ان کے ہاں کیرتن اور دوسرے مذہبی تہواروں میں پڑھی جانے والی منظومات اور گائے جانے والے گیتوں اور بھجنوں میں جابجا اس قبیل کے واقعات کا ذکر ہے۔ وید، رامائن اور مہابھارت میں یہ واقعات تفصیل سے آئے ہیں۔ ان میں دیوتاؤں کے متعلق ایسے قصے جابجا ملتے ہیں جہاں اُن محیر العقول اور فوق العادت قوت کے مظاہرہ کا بیان ہے۔ عوام الناس ان قصوں کو سن کر نہ صرف یہ کہ مسحور رہوتے ہیں بلکہ دیوتاؤں کی ہیبت، طاقت اور عظمت سے مرعوب بھی ہوتے ہیں۔

جب اسلامی تہذیب ہندو معاشرت سے متصادم ہوئی تو ہندو دیوتاؤں کے فوق العادت قصوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بھی پیغمبروں خصوصاً حضور اکرمؐ کے بیان سیرت میں اس انداز کے واقعات کا خاص طور پر تذکار عام ہوا جو آپؐ کے معجزات سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں آپؐ کی سیرت کا ابتدائی سرمایہ زیادہ تر آپؐ کے معجزات پر مشتمل ہے۔ میلاد ناموں میں آپؐ کی ولادت، غزوات، معراج اور دوسرے واقعات کے ضمن میں نمایاں حیثیت معجزات ہی کے بیان کی ہے۔ اس کی ایک وجہ ہندوانہ معاشرت کو جو دیوتاؤں کے محیر العقول واقعات سننے کی عادی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف راغب کرنا اور ان کے سامنے آپؐ کی عظمت اور برتری کا ایسا تصور پیش کرنا تھا جو ہندو معاشرت میں دیوتاؤں کی سحر کاری کو باطل کر سکے اور ان کے مقابلے میں ایک عظیم و برتر شخصیت کے معجز نما کردار کو پیش کر سکے۔ مقامی روایات اور اس کے زیر اثر پیدا شدہ ماحول اور ذہنیت کے پیش نظر یہ ضروری تھا اور اس میں نیک نیتی کے جذبے سے اشاعت و فروغ اسلام کے محرکات کا عمل دخل نمایاں تھا۔ معاشرتی طور پر سیرت رسولؐ کے معجزاتی پہلو کے تذکار کے اثرات بھی مرتب ہوئے اور دیوتاؤں کے فرضی کرداروں کے مقابلے میں اعلیٰ ترین انسان اور عظیم ترین پیغمبرؐ کے کردار و شخصیت سے متاثر ہو کر مقامی آبادی میں سے لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ مگر معجزوں کو قلمبند کرنے میں مصلحت اور ماحول کے تقاضے کا ایک اثر یہ ہوا کہ نعت میں سارا زور بیان معجزات پر صرف ہونے لگا اور حضور اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے دوسرے پہلو ثانوی حیثیت اختیار کر گئے نیز معجزوں کے بیان میں زور اور شدت کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت رسولؐ کے ضمن میں بعض غلط روایتیں بھی جگہ پا گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر میلاد ناموں میں شامل روایتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو حضورؐ کی

ولادت، معراج اور دوسرے موضوعات کے ذیل میں ایسے واقعات بکثرت ملیں گے جن کا آپؐ کی سیرت سے متعلق ہونا، قرآن و حدیث اور روایت و درایت سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔ خصوصاً آپؐ کی ولادت مبارک کے وقت آپؐ کی والدہ ماجدہ کے خواب کا احوال اور معراج میں خدا تعالیٰ کی آپؐ سے گفتگو کی نوعیت اور عرش پر فرشتوں کے استقبالیہ گیتوں کا بیان وغیرہ وغیرہ ولادت و معراج کے مرقع پر منظر نگاری کا احوال وغیرہ نوع موضوعات ہیں جن کی تکرار سے میلاد نامے بھرے پڑے ہیں۔ مگر ان کی سندات نہ صرف یہ کہ ضعیف بلکہ مشکوک اور غلط ہیں یہ ہندو اصنام پرستی اور دیومالا ہی کا نتیجہ ہے کہ سیرت پاک میں غلط روایات نہ صرف جگہ پا گئی ہیں بلکہ ان کی تکرار کے سبب انہیں عقیدہ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

نعت کے فن پر ہندی اثرات

مضامین نعت کے ساتھ ساتھ نعت کے فن پر بھی مقامی اثرات پڑے، ہند و معاشرت و تمدن میں مروج بھجنوں اور راگوں نے نعت کے داخل کی طرح اس کے خارج کو بھی متاثر کیا اور یوں ہندی زبان کے الفاظ، بھجنوں کے تلازمات و مناسبات، علائم و رموز اور تشبیہات و استعارات کا استعمال نعتیہ مضامین میں بھی ہونے لگا۔ اس ذخیرہ الفاظ و تلازمات کے ساتھ نعت کی ہیئت میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔ اور غزل و مثنوی وغیرہ اصناف سخن کی طرح ہندی اصناف شاعری، دوہے، گیت، راگ اور بھجن وغیرہ کے انداز میں بھی نعت کہنے کا رواج ہوا۔ اسی طرح کرشن مہاراج کی تعریف اور محبت میں لکھے جانے والے گیتوں کی لے اور جذبات و کیفیات کے اظہار کا نسائی انداز نعت میں بھی در آیا۔

نعت کے پیکر پر جو اثرات ہندوستانی مذہب و معاشرت کے سبب مرتسم ہوئے، اگر ان کا تجزیہ کریں تو اس کی نمایاں صورتیں یوں نظر آتی ہیں۔

۱۔ ہندی راگوں کی لے اور گیتوں کے انداز پر نعتیں لکھی جانے لگیں مثلاً

ٹھیٹھ دادرا:

کوئی ایسی سکھی چاتر نہ ملی مجھے پی کے دوارے بٹھا دیتی
میں نے راہ مدینہ بھی دیکھی نہیں مجھے بیاں پکڑ کے بتا دیتی [۱۳۷]

کھماچ قوالی:

جگ جوتی سوامی اوتاری ترے روپ کے واری سیدنا
من موہن گردھر گردھاری ترے روپ کے واری سیدنا [۱۳۸]

ماندوراوڑی :

مہارا بطحا باسی لاڈلا تھانڑی باٹا نہالو نچھوں
مہاری آنگن آؤ صاحبہ تھانڑی باٹا نہالو نچھوں [۱۳۹]

ٹھمری :

تم ہی محمدؐ یار لگیا نبی جی پار لگیا [۱۴۰]
گہری ندیا اگم بھی دھارا اور کگاٹ گھاٹ لینے

۲ - ہندی بھجنوں میں گوپیوں کی کرشن مہاراج سے محبت کا انداز نعت میں دخیل ہو گیا اور یوں نعت میں عورت کے جذبات اور نسائی عقیدت مندی کا اظہار ہونے لگا۔ مثلاً

تورے ہجر میں حق کے پیارے نبیؐ　　مورا چین گیا موری نیند گئی
اب در پہ تمہارے آن پڑی　　مورا چین گیا موری نیند گئی [۱۴۱]

موہے من میں ہے اب تو جو گنیا بنوں　　اور مل کے بھبوت مدینہ چلوں
سکھی ہند کی نگری میں نہ ہی رہوں　　نہیں پریت تو چین ذرا دیتی
موری میکے میں تو سکھ سے کٹی　　چلی پی کی نگریا تو سوچ پڑی
کوئی گیاں بھی ساتھ نہ آئی مورے　　موہے ریت وہاں کی بتا دیتی
میں تو سوتی سجریا پہ تڑپت ہوں　　پیا ملک عرب میں براجت ہیں
کبھی ریتے جو سپنے میں درس دکھا　　وہیں چرنوں میں سیس نوا دیتی [۱۴۲]

توری منت کروں ہوں میں سیس نوا موہے درس دکھا دے خدا کے حبیبؐ [۱۴۳]
مورا ہند سے جیو اچاٹ بھیا یثرب میں بلا دے خدا کے حبیبؐ!

لاج رکھیو نبیؐ جی ہماری۔　　میں تو چیری جی سے تمہاری
لاگی پریم کی من میں کٹاری　　جا کے تم بن کرے کون کاری
مورا جیا را تم پہ واری!

اپنے من میں بسے ہیں محمدؐ جاؤں جا پہ سے میں بلہاری
مورا جیا را تم پہ واری![۱۴۴]

موہے تلپت بیتت ہے سگری تو ہے ڈھونڈھ پھری نگری نگری
موری پھوٹ گئی من کی گگری مجھے اپنے دیس بلا تو سہی[۱۴۵]

سناؤں کس کو بات اے سکھی ری کہ کس نے جوبن دکھا کے مارا
کہت ہے سب جگ جسے محمدؐ اسی نے نیہا لگا کے مارا[۱۴۶]

واضح ہو کہ نعت کا یہ انداز خالصتاً ہندوستانی اثرات سے عبارت ہے اس سے پہلے عربی و فارسی نعت اس طرزِ اظہار سے قطعی ناآشنا تھی۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا بیان عورت کے لیے بھی اسی طرح لازمِ ایمان ہے جس طرح مسلمان مردوں کے لیے لیکن اس کے باوجود نعتیہ مضامین میں عورت کی طرف سے اس اظہارِ عقیدت و محبت میں ہمیشہ ایک سلیقہ اور احترام کارفرما رہا۔ اس محبت کی نوعیت بھی روحانی ہے اسی لیے مسلمان نعت گو شاعرات کے ہاں عشقِ رسولؐ کی کیفیت میں جسمانی قربت و وصال کی بجائے ایک دلی اور روحانی تعلق، محبت اور نسبت و موانست کارفرما رہی ہے مگر ہندی اثرات کے تحت لکھی گئی طرح کی نعتوں میں ایسے شعر بھی مل جاتے ہیں، جس میں فنِ نعت کے مطلوبہ احترام اور شائستگی کو بالائے طاق رکھ کر ہندی گیتوں کی پیروی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے انداز میں گوپیوں کی کرشن سے محبت کا رنگ ڈھنگ شامل ہو گیا ہے مثلاً

سناؤں کن کو بات اے سکھی ری کہ کس نے جوبن دکھا کے مارا
کہت ہے سب جگ جسے محمدؐ اُسی نے نیہا لگا کے مارا[۱۴۷]

مجھے اس کی کھبر نہ تھی شام سندر جیالے کے پھراؤ گے اپنی نجر
یہاں اپنا مرن ہے جگت کی ہنسی تو مدینہ نگر کو بسا بیٹھا[۱۴۸]

سپنے میں دکھا کر پیاری چھب موہے مار گیا اے شاہِ عرب
بدنام بھئی یوں پیت میں اب سنسار ہنسے توری جوگن کر[۱۸۱]

صدقے ہوں وصل کی راتن کے قربان ہوں واکی باتن کے
واری ہوں میں واکی جتون کے بلوا لو عربستانن میں[۱۸۰]

ان اشعار میں محمدؐ، مدینہ، شاہِ عرب اور عربستان ایسے الفاظ ہیں جو ان کا تعلق نعت سے قائم کرتے ہیں وگرنہ ان الفاظ کو الگ کر کے دیکھا جائے تو ان شعروں کا ماحول ہندی گیتوں سے مختلف نہیں اس رحمت للعالمینؐ کے بارے میں "جوبن دکھا کے مارا" اور "جیالے کے چھپ لاؤ گے اپنی نجر" ایسے الفاظ استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ کسی طور پر مناسب نہیں بلکہ سوئے ادب کی انتہا ہے۔ اسی طرح اسی ذاتِ بالا کے بارے میں (جس کے سگانِ کوچہ سے خود کو نسبت دیتے ہوئے بھی اہل نظر کمال بے ادبی خیال کرتے ہیں) یہ کہنا کہ ان سے نسبت اور تعلق نعوذ باللہ بدنامی اور جگ ہنسائی کا باعث ہے۔ یہ ہندی گیتوں ہی کی اندھی پیروی کا نتیجہ ہے ورنہ عربی و فارسی نعتوں میں اس طرح کے مضامین کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

نسائی محبت کی ایک اور کیفیت جو ہندی شاعری سے نعت میں منتقل ہوئی محبوب کی تلاش اور جوگ لینے سے متعلق ہے۔ ممتاز کا یہ شعر دیکھیے:

تورے نام کی مالا پھیرت ہوں ون رین تہا دکھ جھیلت ہوں
تن راکھ ملوں اور جوگ لیا توری یاد میں دھونی رما بیٹھا[۱۸۱]

سپنے میں دکھا کر پیاری چھب موہے مار گیا اے شاہِ عرب
بدنام بھئی یوں پیت میں اب سنسار ہنسے تری جوگن کر[۱۸۱]

اسی کیفیت کے یہ شعر بھی ملاحظہ ہوں:

ہجر میں تیرے جوگ لیا تن سر جلا کر کھاک کیا
رب نے تجھی کیسی کرن گھڑی موراچین گیا موری نیند گئی[۱۸۲]

مورے من میں ہے اب تو جوگنیا بنوں اور مل کے بھبوت مدینہ چلوں
سکھی ہند کی نگری میں نا ہیں رہوں نہیں پریتم توجیں ذرا نہیں

امجد حیدر آبادی کی نظم "مدینہ کی جوگن" اسی انداز کی بھرپور نظم ہے جس میں جوگن قیس سے خطاب کرتے ہوئے اپنی کیفیات، ہجر و محبت کا اظہار کرتی ہے۔ یہ نظم مسدس کی شکل میں ہے اور تاثیر رکھتی ہے۔ جوگن کا والہانہ پن ملاحظہ ہو وہ محبوب (رسول اکرمؐ) سے خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے ہے

آئی برہ کی ماری تیرے لیے بروگن
درشن سے اپنے کردے دل شاد، چشم روشن
ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منہ پہ دامن
کب سے کھڑی ہے داتا در پہ ترے بھکارن
جوگن کی جھولی بھر دے وہ رام نام والے
اس بن کو رام کر دے وہ رام نام والے
نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے
پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے
یثرب نگر کے راجہ وہ کالی کملی والے
کرپا کی اک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے
بھولی نہیں میں تم کو تم کیوں مجھے بسارے [155]

الیاس برنی کی ایک صوفیانہ انداز کی بے قافیہ نعتیہ غزل میں بھی عشق رسول کے اظہار کے لیے جوگن ہی کو علامت بنایا گیا ہے:

اپنے پیا کی میں جوگن بنی ہوں تو تن من دھن سب واروں گی
مورا پیا تو مدینے رہت، میں تو تن من دھن سب واروں گی [156]

ہندی شاعری کی دوسری خصوصیات جنہیں نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حوالہ بنایا گیا، ہندوستان کے موسموں اور پرندوں وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ہندی شاعری میں بدلتے ہوئے موسموں کے ساتھ عورت اپنی فراقیہ کیفیت کا اظہار کرتی ہے۔ خصوصاً ساون کے مہینے میں جب محبوب سے جدائی کا احساس اپنی شدت کو پہنچ جاتا ہے موسم کے حوالے سے ہجر کی یہ کیفیت نعت میں بھی منتقل ہوئی اور کالی گھٹائیں حضور اکرمؐ کی یاد کا اسی طرح بہانہ بنیں جس طرح ہندی شاعری میں اپنے محبوب کے یاد آنے کا، ملاحظہ ہو:

یہ کالی بھنور گھنگھور گھٹا مورے جی کو لبھاوت ہے سجنی
کوئی کالی کملیا والا پیا موہے یاد دلاوت ہے سجنی [157]

ساجد صدیقی کے گیت "ساون" جو مدحِ صحابہ میں لکھا گیا ہے میں نعت کا یہ بند بھی دیکھیے:

ساون آیا رے لو خبریا! تم تو بسے یثرب کی نگریا

سونی پڑی ہے ہماری اٹریا کہہ سے کہوں سرکار رے

سدھو تو صحابہ نبیؐ جی کے پیارے ترست جیارا ہمار رے (۲۰۸)

اسی طرح کوّے سے خطاب اور اس کے ذریعے محبوب تک اپنی واردات وکیفیاتِ ہجر پہنچانے کی کوشش جو ہندی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، ہندی انداز میں لکھی گئی نعتوں میں بھی در آئی اور یوں کاگا سے منسوب قاصد کا تصور نعت میں بھی، ہجر کی کیفیت کے اظہار کا حوالہ بنا، ملاحظہ ہو:

توری بنتی کرت ہوں سن کاگا مورا ماس بدن کا سگرا کھا

موہے پیا ملن کی ہے آسا جری چاند دے مکھ پر نینن کو

ممتاز کی نعت (موہے مار گیا یثرب کا دھنی سینہ میں دکھا کر جوبن کو) کا یہ شعر ہمیں میرا بائی کے مشہور دوہے کی یاد دلاتا ہے:

کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس

دو نیناں مت کھائیو موہے پیا کی ملن کی آس

۳۔ ہندی بھجنوں اور گیتوں میں کرشن اور محبوب کے لیے استعمال ہونے والے ناموں سے آنحضرتؐ کو بھی مخاطب کیا جانے لگا۔ اگرچہ یہ نام اپنا مخصوص مذہبی پس منظر رکھتے ہیں اور حضور اکرمؐ سے ان کی نسبت نامناسب اور غیر مشروع ہے، کیونکہ ان کے تصورات ہندو معاشرت میں اپنا ایک جداگانہ وجود، شخصیت، صفات اور کردار رکھتے ہیں، مگر ہندی اثرات کے تحت نعت نگاروں سے یہ بے احتیاطی بھی ہوئی اور انھوں نے بھجنوں اور گیتوں میں کرشن اور محبوب کے لیے استعمال ہونے والے ناموں کو حضورؐ کے لیے بھی استعمال کیا، مثلاً

جگ جوتی، سوامی، اوتاری ترے روپ کے واری سیّدنا

من موہن، گردھر، گردھاری ترے روپ کے واری سیّدنا (۲۰۹)

---

(۲۱۰) وہی راجکمار ہے دیس دھنی جا کو لوگ کہیں مکی مدنی

اُسے مایہ جگت کی ملے سکھیو وا کے در پہ جو ہاتھ پسارے گا

بتا دے بالم کر ہمری بپتا پہ کب دیا کی نظر کرے گا

کب ایسی رت بھجو کر ہوگی تو بھی مہر کی نظروں ادھر کرے گا

سکھی جو جائے مدینہ اب کے تو مجھ کو بھی اپنے ساتھ لے
جرا میں دیکھوں وہ شام پیارا نجر دیا کی کدھر کرے گا [161]

میں تو ڈھونڈت ڈھونڈت ہار گئی مورے پی کے نگر کا ڈگر نہ ملا
تن سوکھ گیو پگ سوج گیو کہیں ہائے وہ شام سندر نہ ملا [162]

۳۔ خط کشیدہ الفاظ کے علاوہ، ہندی بھجنوں اور گیتوں کے زیر اثر حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے لیے پیا، پریتم کے بال، بلم، مہابلی، سمراٹ، پرم آتما، سرتاج، دیوتا، مہاراج، پربھو، گن بین، سوامی، گرو دیو جیسے الفاظ استعمال ہونے لگے۔ اسی ضمن میں مولودِ سعیدی کا یہ ٹکڑا بھی ملاحظہ ہو

سدھو رے موری موہے سرتاجا — سدھو رے کل راجن کے راجا
سدھو رے موری جبرئیل کے سائیں — نبین کے راج گن بین
سدھو رے موری علی جی کے بھیا — کالی کملی والے کنہیا
اے صدیق کے راج دلارے — عمر، عثمان کے پالن ہارے
فاطمہ بی بی کے بابا پیارے — حسن حسین کے پالن ہارے
سدھو رے بی بی خدیجہؓ کے بالم — صلی اللہ علیہ وسلم [163]

۴۔ کرشن مہاراج کے ناموں پر ہی اکتفا نہ ہوئی بلکہ کرشن کی ذات سے متعلقہ تلازمات کو بھی حضور اکرمؐ سے منسوب کر دیا گیا اور یوں نعت کی فضا بھجن کے رنگ میں رنگ دی گئی۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مورا شام کنہیا مدینہ بسو موہے مرلی کی رے دھن سنائے گو
میں تو برج دوارے کا ڈھونڈ پھری گئی دیس بدیس مگر نہ ملا [164]

تری کاندھے کالی کملیا تھی وا کے مکھ سے مرلی کی لے بجی
کبھی تھی انا بشر کی دھن کبھی کنت کنزاً سنا گیا

کبھی لا الٰہ کا سُر بجا کبھی امتی کی اٹھی صدا
وہ گوالہ بن میں جا چھپا مورا چین چت کا من لیا [165]

سب سکھیاں مل جاوت ہیں اور ہیو سے جھرمٹ کھیلت ہیں

مورے نین برد گی ترست ہیں اس من موہن کے درشن کو ۱۶۶

وہ صورت نیٹ لبھاوتی ہر روپ دکھاوت بہروپی

وا کے نیناں انوکھے چھب نیاری ترے روپ کے واری سیدنا ۱۶۷

ہر ان تلازمات کے علاوہ ہندوستانی تمدن وماحول سے متعلقہ دوسرے مناسبات کا استعمال

بھی تغزلیہ مضامین کے اظہار کے لیے ہوا۔ محسن کاکوروی کا قصیدہ لامیہ

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اس انداز کی مشہور مثال ہے۔ یہ قصیدہ اپنی نوعیت کا منفرد قصیدہ ہے جس کی پوری فضا ہندوستانی

مذہبی ماحول کے متعلقات ومناسبات سے عبارت ہے چند اشعار دیکھیے:

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل

جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی

کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا کے بادل

دیکھ کا ترسا بچہ ہے برق لیے جل میں آگ

ابر پر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن

سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں

تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

اب کی میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا

نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے

نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل ۱۶۸

یہ پورا قصیدہ اسی بے تکلف انداز میں لکھا گیا ہے۔ محسن نے حیرت انگیز حد تک ہندی الفاظ و

متعلقات کو اپنے محل وقوع کی مناسبت سے استعمال کیا ہے، اس قصیدہ کی پوری فرہنگ پر ہند و مذہب و معاشرت کی گہری چھاپ ہے، مثلاً کاشی، متھرا، گنگا جل، اشنان، گوکل، جمنا، مہابن، تیرتھ، برہمن، سری کرشن، درشن، گوپیوں، رکھیاں، ہنڈولے کا میلا، رتھ، برچھوا، کھیم کسل، جوگیا، بھبوت، بیرگی، پربت، راجہ اندر، کنہیا، مندر، استھل، اگھا گرا، چنچل کے الفاظ اس کی تشبیب کی پوری فضا ہندی رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کی مشہور نعت، لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جاتا[169] میں "جگ راج کو تاج تورے سر سوہے"، "اتری جوت کی جھلمل، تورے چندن بدن پر، مورے جیرا لرجے درک درک، موہے کرنہ پرت، بپت میں کا سے کہوں، اور "مورا تن من دھن سب پھونک دیا" کے ٹکڑے بھی ہندی اثرات لیے ہوئے ہیں۔

ایاس برنی کی "معروضہ" میں بھی بہت سی نعتیں ایسی مل جائیں گی جن کے تار و پود میں ہندی معاشرت و تمدن کے اثرات نمایاں ہیں۔ عصر حاضر میں عبد العزیز خالد کی نعتوں میں خصوصاً "منمنا" اور "فارقلیط" میں ہندی الفاظ، تلازمات اور ہندی معاشرت و تمدن اور شعر و ادب کے مناسبات و تصورات کے استعمال کا منفرد انداز نظر آتا ہے۔ فارقلیط کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

میں شبدوں کی بیاسی میں چرنوں کی داسی
تری جستجو مجھ کو صبح و مسا ہے

میں جوگن بروگن میں کملی کمینی
تو سرتاج میرا مرا دیوتا ہے

تو دیپک میں کاجل تو درپن میں سیسہ
میں کالک تو پربھات کی لالما ہے

جو گوکل میں گوبندر سے بھاگ کھیلے
وہ نرلاج ناری ہے ورد اپسرا ہے

میں بلہار چنچل بل بے چھپ چھاسے نیناں
بدن کامنی کا پسیجا ہوا ہے

ہے حق سترہ، شانتی اوم تت تت
عجب دلکشا بانسری کی صدا ہے

تو ساجن سوامی میں باندی بیاکل
میں مورکھ نمانی تو گن ہے کلا ہے
گرو دیو چیلی کا سنجوگ کیسا
میں دھرتی تو امبر، میں کیا ہوں تو کیا ہے[۱۸۰]

متمنا کے یہ اشعار دیکھیے:

شمار کرنے چلیں اس کی خوبیوں کا اگر
تو ساتھ چھوڑ دیں تھک تھک کے نیل شنکھ پدم
ہے جوت جس کی فسوں خیز چاندنی کی طرح
شریر جس کا پوتر اور آتما ہے برم
اُسی کو کہتے ہیں ماتے جگت جگاون ہار
اُسی کے نور سے نت چھن میں دور رات کا تم
پٹم کو مات کرے چھب سے شیام سانول گات
یہ انکھیں درس کو کب سے ترس رہی تھیں بلم
ہے اپسراؤں کے نازک لبوں پہ کھیم کسل
بنا دیا ہے مسرت نے سانس کو سرگم
رسال ادھروں کا ہر بول راگنی میں ڈھلا
انیلی اطہریں کیا جانیں تال سُر کے مرم
یہ سرب بھومی کا راجہ مہابلی سمراٹ
اپار، اتھاہ، اننت، ایک، انیک، وشوا تم[۱۸۱]

خالدہ کے ہاں وہ تمام اثرات اپنے طرز خاص میں نظر آتے ہیں جن کا تعلق ہندو مذہب و معاشرت سے ہے اور جن کا سرسری ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی نعت کے لیے نسائی لب و لہجہ، جوگن کا تصور، درس کو ترستی آنکھیں، گوکل، گوبند، پھاگ کھیلنا، اپسر، کامنی، شانتی اوم نت نت، بانسری، ساجن، سوامی، گرو دیو، شیام، بلم، مہابلی سمراٹ وغیرہ کے خانوادۂ تلازمات اور ان کی رعایت سے دوسرے مناسبات کا بے تکلف اظہار ملتا ہے۔ اگرچہ

ان نعتوں کی بحریں ان ہندی تاثیر و فضا کی حامل بحروں سے مختلف ہیں جن کے حوالے ہم پہلے دے آئے ہیں۔ مگر بحروں کے فرق اور تاثر کے باوجود فارقلیط اور منمنا کے یہ حصے ہندی گیتوں کی کیفیات اور ہندی تہذیب و معاشرت کے حوالوں سے عبارت ہیں اور ان نعت پاروں کے مضامین و اظہار پر ہندوستانی اثرات واضح اور نمایاں ہیں۔

دوسرا باب

محرّکات و ماخذات

محرّکات

نعت کی تخلیق اور ترویج میں جو محرکات کارفرما ہو رہے ہیں ان کی نوعیت دو طرح کی ہے۔ ایک تو اساسی محرکاتِ نعت جنہیں اس صنف کی تخلیق میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور دوسرے ثانوی محرکاتِ نعت جنہوں نے نعت کے فروغ اور ترویج و اشاعت کا کام کیا۔ نعت کے اساسی محرکات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقیدت، محبت اور اطاعت کا جذبہ اور اس جذبہ کے اظہار کے حوالے سے حصولِ ثواب اور برکت طلبی کی کوششیں شامل ہیں جبکہ ثانوی محرکات کا تعلق نعت کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس کی ترویج و فروغ سے ہے۔ ان محرکات میں صوفیائے کرام کا نعت سے خصوصی شغف مجالسِ میلاد، محافلِ سماع اور مجلسی نوعیت کے دوسرے محرکات مثلاً نعتیہ مشاعرے اور سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلسے وغیرہ شامل ہیں۔ ان ثانوی محرکات کا ایک بڑا حصہ ذرائع ابلاغِ عامہ سے متعلق ہے جس میں اخبارات و رسائل، فلم، ریڈیو اور ٹی۔وی کے حوالے سے نعت کی ترویج و اشاعت شامل ہے ان اساسی اور ثانوی محرکات کو تخلیق و ترویجِ نعت میں بالترتیب افقی اور عمودی حیثیت حاصل ہے۔

اساسی محرکات

(۱) عقیدت —— نعت کے اساسی محرکات میں ہم سب سے پہلے عقیدت نگاری کے اس جذبہ کا ذکر کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی ہے۔ آپ کی شخصیت ہر مذہب اور عہد کے اہلِ فکر و دانش کے نزدیک انتہائی جاذبِ نظر اور مؤثر رہی ہے۔ بقول پروفیسر سحر انصاری "اکابرِ عالم کی شخصیات ہر اس فرد کے لیے اہم رہی ہیں، جو خود کو امروز کی اکائی میں رفتہ و آئندہ کے حوالے سے متعین کرنا چاہتا ہے، جو اپنی ذات، اپنے ذہن اور

گرد و پیش کی دنیا کے مابین ایک رشتۂ معنی تلاش کرنا اور اُسے دوسرے افراد کے لیے برقرار رکھنا چاہتا ہے اکابرِ عالم اور مشاہیرِ تاریخ سوچنے والے ذہنوں اور دکھ درد محسوس کرنے والوں کے لیے ہمیشہ فیضان رساں رہے ہیں۔ زندگی بسر کرنے اور اس عرصۂ آب و گل کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جتنے طریقے وضع کیے گئے ہیں، ان میں خیر کی بلندی کو تسلیم کرنے والوں کی اکثریت رہی ہے۔ نیکی اور خیر کا تصور اس قدر مقناطیسیت کا حامل ہے کہ جب اُسے انسانوں کی تربیت و تہذیب کا داعیہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اس کو عملی طور پر برت کر دکھایا جاتا ہے تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں۔

ہر لکھنے والا اپنے ذہنی رجحان اور ذاتی و اجتماعی پس منظر کی روشنی میں اپنے لیے اکابرِ عالم سے انتخاب کرتا ہے اور اپنی ذات اور اپنے عہد کے لیے اس سے کسبِ نور کرتا ہے...... ظاہر ہے ان میں سب سے بڑا مرتبہ ختمی مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے۔ آپؐ کی تعلیمات، اُسوۂ حسنہ اور عملی زندگی ایک انقلاب کی نقیب بنی جس نے زیر دستوں کی آقائی کو مقسومِ انسانی بنا دیا۔ جن افراد کو آپؐ کے دین یا عقیدے کی بنیاد پر کوئی تعلق نہیں وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ نے عظمتِ بشر کی ایسی راہیں سجھائی ہیں جو اس سے پہلے چشمِ زمانہ سے اوجھل تھیں۔[۲]

لہٰذا ایک اعلیٰ، افضل اور اشرف ترین رہنمائے انسانیت اور محسنِ کائنات کے طور پر آپؐ کی ذاتِ ستودہ صفات نعت گوئی کا ایک محرک بنی اور مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی آپؐ کے حضور نعت کی شکل میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور بنی نوعِ انسان پر آپؐ کے احسانات، آپؐ کے حسن و اخلاق، رحمت و شفقت، مومن و کافر سے مساویانہ سلوک، عدل و انصاف، انسان دوستی جیسے اوصافِ حمیدہ کے حوالے سے انتہائی عقیدت سے آپؐ کی مدح و ثنا کی۔

(ب) محبّتِ رسولؐ کا جذبہ:

نعت گوئی کا ایک اور بنیادی محرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبت کا جذبہ ہے۔ آپؐ کی ذاتِ بابرکات سے محبت و وابستگی ہر عہد کے مسلمانوں کے لیے پیمانۂ ایمان، حاصلِ دین اور حق و صداقت کا معیار رہی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ سے ربط، نسبت اور تعلق جتنا پختہ اور راسخ ہو گا، اسی درجہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، شریعتِ اسلامیہ سے وفاداری، عقیدۂ توحید میں پختگی اور ایمان میں ثابت قدمی نصیب ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے عشق کو مذہباً وجوب کا درجہ حاصل ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ساتھ آنحضرتؐ سے محبت کو بھی جزوِ ایمان قرار دیا گیا ہے

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: "سب لوگوں کو سنا دے کہ اگر تم کو ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بہن بھائی، زن و شوہر، قوم و قبیلہ اور مال جو تم نے جمع کیا اور تجارت جس کے خسارے کا تم کو ڈر لگا رہتا ہے اور وہ محل جن میں تم اپنا اچھا معلوم ہوتا ہے (وہ سب) زیادہ پیارے ہیں، خدا اور رسولؐ سے، اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے، تب تم منتظر ہو کہ خدا تمہارے لیے اپنا کوئی حکم سنا دے۔"[۳] (سورۂ توبہ: ۲۴)

قرآنِ کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "بلاشبہ نبیؐ تو اہلِ ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہیں۔"[۴] (سورۃ الاحزاب: ۶)

اسی ضمن میں امام مسلم نے صحیح مسلم شریف میں "مومن وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبت ہو"[۵] کے عنوان سے ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے، جس میں وجوبِ محبتِ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت انسؓ کی دو احادیث نقل کی ہیں۔

پہلی حدیث میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "کوئی بندہ یا کوئی شخص مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک تمام متعلقین، مال و اسباب اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔"[۶]

دوسری حدیث بھی کم و بیش اسی مفہوم کی حامل ہے مگر اس میں متعلقین اور مال و اسباب کی جگہ "اس کی اولاد، والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں"[۷] کے الفاظ ہیں۔

خطابیؒ ان احادیث کی وضاحت میں رقم طراز ہیں کہ: اس محبت سے محبتِ طبعی مراد نہیں بلکہ اختیاری مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت، آپؐ کے ارشاد کی تعمیل، دنیا کی سب چیزوں پر مقدم رکھے۔ ماں باپ، بی بی، اولاد، دوست، آشنا، یہ سب اگر ناراض ہو جائیں تو ہو جائیں مگر خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی ہرگز سرزد نہ ہو، یہی محبتِ صادقہ ہے اور اسی پر ایمان کا مدار ہے۔[۸]

اس ضمن میں حضورِ اکرمؐ کے یہ فرامین بھی ہمیشہ مسلمانوں کے پیشِ نظر رہے ہیں کہ "ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا ـــــ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"[۹] "اور جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"[۱۰] ـــــ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی اُمت نے اپنے نبی سے اس طرح ٹوٹ کر محبت نہیں کی جس طرح مسلمانوں نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی۔ صحابہ کرامؓ کے عہد سے آج تک ملتِ اسلامیہ کی تاریخ عشقِ رسولِ اکرمؐ کے مظاہر سے مالا مال ہے۔ مسلمانوں نے آپؐ کو ہمیشہ اپنے مال و جان اور اہل و عیال سے بڑھ کر جانا اور آپؐ کو اپنی مجلسوں کا مرکز و محور جانا اور جیسا کہ ایک حدیث ہے کہ جس کسی کو کوئی چیز پیاری ہوتی ہے وہ اس کا ذکر اکثر کیا کرتا ہے[۱۱] ـــــ تذکارِ رسولؐ کی مجالس، احادیث

کی تدوین، کتبِ سیر و مغازی کی ترتیب و تصنیف اور نعتِ رسول پاک کی تخلیق دراصل مسلمانوں کے اسی جذبہ (عشقِ رسول) کی عطا ہے۔

ڈاکٹر غلام دستگیر رشید اپنے مضمون "نعتیہ شاعری کی معنوی اہمیت اور قدر و قیمت" میں "فطرتِ انسانی پر حسن و احسان کا اثر اور شاعری میں اس کا ظہور" کے زیرِ عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ "انسان فطرتاً بندۂ حسن و احسان ہے، ہر حساس دل حسن و احسان کے جلووں پر فدا ہوتا ہے اور ان کی بدولت قلبِ سلیم میں تحسین و تشکر کے جذبات حرکت میں آتے ہیں۔ ممنونِ نظر اور مرہونِ کرم اگر شاعر بھی ہو تو حسینوں اور محسنوں کی تعریف و تحسین کا دریا جب امڈنے لگتا ہے تو یہ جذباتِ شعر و سخن کے دل ربا رنگ روپ اختیار کر لیتے ہیں اور عرض و نیاز نغمے ادب کا سرمایۂ ناز بن جاتے ہیں:

شعرِ حافظ را اگر بکسر مدحِ احسان شماست
ہر کجا بشنیدہ اند، از لطفِ تحسیں کردہ اند[11]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انسانیت پر جو احسان ہیں، جس طرح آپ نے تبلیغِ دین کے لیے مشقتیں برداشت کیں اور اپنے اُمتیوں کے لیے رو رو کر دعائیں کیں، اُن کے مطالعہ سے آپ کا ایک ایسا رحیم اور شفیق سراپا آنکھوں کے سامنے آتا ہے، جس کے احساس ہی سے آنکھوں میں نمی اور دلوں میں گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیات دراصل آپ کی محبت کی مظہر ہیں اور حقیقی معنوں میں تخلیقِ نعت کے پس منظر میں یہی جذبۂ محبت کُود دیتا نظر آتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں وہ "عشق" جس کے بغیر "شرع و دیں" "محض بت کدۂ تصورات"[12] ہے اور قیام و سجود "حجاب"[13] کے سوا کچھ نہیں، عشقِ رسولؐ ہی ہے، اور یہی وہ جذبۂ محرکہ ہے جس کے بغیر نعت بھی الفاظ کی ترتیب محض کے علاوہ کچھ نہیں۔ نعت میں کیف و تاثر اسی نسبت سے پیدا ہوتا ہے جس نسبت سے نعت گو کو آپ کی شخصیت اور ذاتِ مبارک سے اُنس و محبت ہو گی۔

اطاعتِ رسولؐ کا جذبہ

تخلیقِ نعت کا ایک اور بڑا محرک اطاعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جذبہ ہے، جو درحقیقت محبتِ رسولؐ ہی کا نتیجہ اور اسی کا عملی اظہار ہے۔ قرآنِ کریم میں نہ صرف یہ کہ متعدد بار آپ کی پیروی و اطاعت کا حکم آیا ہے، بلکہ آپ کے اتباع کو خدا تعالیٰ کی پیروی اور اطاعت کہا گیا ہے، نیز آپ کی اطاعت پر انعام کا وعدہ اور آپ کی حکم عدولی پر یا مخالفت پر دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں سے وہ مقامات

درج ذیل ہیں۔

"اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔" (آل عمران
۳۱) "اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔" (الاحزاب: ۳۳، و محمدؐ: ۳۳)

"جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔"
(النساء: ۶۹)

"جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا، اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو منہ پھیرے گا اسے دردناک عذاب دے گا۔" (الفتح: ۱۷)

"جو شخص رسولؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو...... اسے جہنم میں جھونکیں گے، جو بدترین جائے قرار ہے۔" (النساء: ۱۱۵)

ان آیات کے علاوہ "الحجرات: ۱۵"، "المجادلہ: ۱۳" اور "التغابن: ۱۲" میں بھی اسی مضمون کے احکام ہیں۔ اسی طرح احادیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی متعدد بار آپؐ کی پیروی، اتباع، اطاعت اور تقلید کے احکام ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی اطاعت و اتباع کا یہ جذبہ مسلمانوں کی عبادت سے لے کر ان کے روزمرہ کے معمولات تک میں جھلکتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ نے قرآن کریم کے ارشاد

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

(درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔)

کی پیروی میں آپؐ کی اپنی معاشرت، تمدن، عبادت، تجارت، عقائد اور روزمرہ کے معمولات وغیرہ میں ہمیشہ ایک اعلیٰ اور بلند ترین معیار سمجھا ہے اور آپؐ کی کامل اتباع کی کوشش میں زندگی کی ذرا ذرا سی جزئیات کا بھی خیال رکھا ہے۔ احادیث کے مجموعوں اور اسلامی تواریخ میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں، جہاں آپؐ کے اتباع اور پیروئ سنتِ رسولؐ کا محیر العقول اور ناقابلِ یقین جذبہ اپنی پوری شدت کے ساتھ کارفرما نظر آتا ہے۔

محرکاتِ نعت میں جذبۂ اطاعتِ رسولؐ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ نعت گوئی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ باقاعدہ نعت کا آغاز آپؐ ہی کے حکم سے ہوا۔ کتبِ سیر و مغازی میں اس کی تفصیل یوں ملتی ہے کہ جب آنحضرتؐ پر قریشیوں کی ہجو گراں گزرنے لگی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: "جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کی مدد اپنے ہتھیاروں سے کی ہے انہیں کیا چیز روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد نہ کریں...... " کفار کی ہجو اور بدزبانی کے خلاف شعرائے اسلام کی طرف سے لسانی جہاد کی باقاعدہ

ابتدا یہیں سے ہوئی۔ اور دربارِ رسالتؐ کے شاعروں نے کفار کی ہجو اور ان کے مقابلے میں آپؐ کی مدح و توصیف کے بیان کو اپنا شعار بنایا۔ عربی زبان میں نعت کا ابتدائی اثاثہ آپؐ کے اسی حکم کی عطا ہے۔

آپؐ نے نہ صرف یہ کہ شاعروں کو کارِ نبوت اور مقصدِ رسالت کو آگے بڑھانے کے لیے لسانی جہاد کا حکم دیا، بلکہ شاعروں کی مناسب حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے لیے مسجد نبویؐ میں منبر رکھا کہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفاخرت کریں۔[۱۸] حضرت کعب بن زہیرؓ کو چادر مبارک عطا فرمائی۔ اسی طرح شاعروں کو دعائیں بھی دیں، مثلاً "حضرت حسان بن ثابتؓ" کے لیے فرمایا: "الٰہی حسانؓ کی روح القدس سے مدد فرما۔"[۱۹] حضرت عباسؓ کے لیے کہا: "اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔"[۲۰]

یوں آپؐ کے حکم کی پیروی اور حوصلہ افزائی تخلیقِ نعت کا ایک اساسی محرک قرار پائی اور دربارِ رسالتؐ سے وابستہ شعرائے کرام نے کفارِ قریش کی ہجو کے جواب میں آپؐ کا دفاع کرتے ہوئے ایسی شاعری تخلیق کی جس میں دعوتِ اسلامی کے ساتھ ساتھ آپؐ کے شمائل و کردار، حسب و نسب، اخلاق و عادات، تبلیغ و پیغام اور مقام و مرتبہ کو اپنے فکر و فن کا موضوع بنایا یوں عربی شاعری کے ایک ایسے نئے دور کا آغاز ہوا جو نعتیہ عناصر سے مالا مال ہے۔

اس اوّلین دور کے بعد بھی اطاعتِ رسولؐ کا جذبہ نعت گوئی کا محرک رہا اور مسلمان شعراء نے اس لیے بھی نعت (خصوصاً سلام و صلوٰۃ کے انداز کو) اپنایا کہ آپؐ نے بے شمار احادیث میں اپنے اوپر درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حصولِ ثواب و طلبِ شفاعت

نعت گوئی کا ایک بڑا محرک حصولِ ثواب کا جذبہ بھی ہے۔ جس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور اطاعت لازمۂ ایمان ہے، اسی طرح آپؐ کا تذکارِ مبارک اور آپؐ پر درود و سلام ذریعہ نجات و بخشش ہے۔ آپؐ چونکہ شافعِ محشر بھی ہیں۔ اسی لیے شفاعت طلبی بھی نعت کی تخلیق اور فروغ کا باعث بنی۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری،

"نعت گوئی کا اوّلین محرک مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرتؐ کا ذکر اذکار کرنا، انؐ کی سیرت و شخصیت سے عوام الناس کو روشناس کرانا، انؐ کی پیروی و تقلید کی ترغیب دینا اور ان کے نام پر درود و سلام بھیجنا کارِ ثواب ہے بطور ذریعہ نجات ہے۔ اس کارِ ثواب اور ذریعہ نجات

کی خاطر تحریر و تقریر دونوں میں ہر شخص نے اپنی بساط بھر سیرت رسولؐ کو جگہ دینے کی کوشش کی بعض نے مفکرانہ تقریریں اور عالمانہ خطبے یادگار چھوڑے۔ بعض نے سیرت نبویؐ پر بلند پایہ کتابیں تالیف کر دیں۔ اور بعض نے نذرانۂ عقیدت کے طور پر اعلیٰ درجے کے نعتیہ قصیدے اور دوسری نظمیں کہہ ڈالیں لیکن ایسے کاموں کے لیے عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ وسیع مطالعہ اور تخلیقی صلاحیتیں بھی درکار تھیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص میں یہ صلاحیتیں نہ تھیں۔ اس لیے اس کی آسان صورت یہ تھی کہ جو لوگ تھوڑی بہت قوت تحریر رکھتے ہیں وہ سیرت نبویؐ پر چھوٹی موٹی کتابیں لکھ دیں یا نظم و نثر کو ملا کر مولود شریف کی محفلوں کے لیے کتابچے مرتب کر دیں اور جو لوگ شعر و شاعری سے لگاؤ رکھتے ہیں وہ ایک آدھ نعتیہ غزل کہہ ڈالیں چونکہ شعر و سخن کے رسیا ذہنوں اور موزوں طبیعتوں کے لیے سب سے آسان اور دلچسپ آخری صورت تھی اس لیے نعت گوئی ہمارے یہاں چھوٹے، بڑے، عورت، مرد اور بوڑھے جوان سب کی توجہ کا مرکز بن گئی۔[۲۱]

اس جذبۂ محرکہ نے نہ صرف یہ کہ نعت گو شعراء سے نعتیں لکھوائیں، بلکہ بعض غیر نعت گو شاعروں کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی۔ نعت کی تاریخ میں بہت سی نعتیں اور نعتیہ کتابیں ایسی بھی ملتی ہیں جو شاعروں نے کسی غیر شاعر کی ترغیب و توجہ دلانے پر لکھیں اور ترتیب دیں۔ بعض ناشرین نے بھی اسی جذبۂ حصول ثواب و شفاعت طلبی کے تحت مختلف شاعروں کے نعتیہ انتخاب مرتب کیے اور چھاپے۔ یوں نعت کی تخلیق کے مرحلے سے لے کر اس کی طباعت و اشاعت تک یہ جذبہ نعت کے ساتھ رہا۔

نعت گوئی میں سلام و صلوٰۃ کا انداز و اسلوب تو خالصتاً اسی جذبۂ محرکہ کی عطا ہے۔ قرآن کریم کے اس حکم خداوندی نے

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[۲۲]

(بیشک خداوند تعالیٰ اور اس کے (تمام) فرشتے پیغمبرؐ پر درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں (لہٰذا) اے مسلمانو! تم بھی پیغمبرؐ پر درود و سلام بھیجتے رہا کرو)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کو امت مسلمہ کی عبادات کا ایک اہم جزو بنا دیا ہے۔ قرآن حکیم کے اس حکم سے جہاں مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں درود شریف کے اوراد و وظائف کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہاں نعت میں بھی آنحضرتؐ پر درود و سلام کے مختلف انداز و اسالیب کا رواج ہوا اس اسلوب نعت کو اس لیے بھی اہمیت ملی کہ حکم خداوندی کے ساتھ ساتھ احادیث[۲۳] رسول اکرمؐ میں بھی آپؐ پر درود و سلام پڑھنے کو بہت بڑی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے ان گنت فوائد و برکات

کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا۔

۱۔ "جو شخص صبح و شام دس مرتبہ مجھ پر درود شریف پڑھے، اس کو قیامت کے روز میری شفاعت پہنچ کر رہے گی"[۲۲] (رواہ ابو الدرداءؓ)

۲۔ "جو شخص مجھ پر درود پڑھے، قیامت کے دن میں اس کا سفارشی بنوں گا"[۲۳] (رواہ ابو بکر صدیقؓ)

۳۔ "جو شخص میرے اوپر درود پڑھنے میں سب سے زیادہ ہوگا وہ مجھ سے قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب ہوگا"[۲۴] (رواہ ابو امامہ)

۴۔ "مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر گذرنے کے وقت نور ہے۔ اور جو شخص جمعہ کے روز اسّی دفعہ مجھ پر درود بھیجے، اس کے اسی سال کے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے"[۲۵] (رواہ ابو ہریرہؓ)

اس ضمن میں حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ روایت بھی بہت اہم ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں تو اس کی مقدار اپنے اوقات میں سے کتنی مقرر کروں؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جتنا تیرا جی چاہے" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ایک چوتھائی"۔ حضورؐ نے فرمایا "تجھے اختیار ہے اور اگر اس پر بڑھا دے تو تیرے لیے بہتر ہے"۔ تو میں نے عرض کیا "نصف کر دوں؟" حضورؐ نے فرمایا "تجھے اختیار ہے اور اگر اس سے بڑھا دے تو تیرے لیے زیادہ بہتر ہے"۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! پھر میں اپنے سارے وقت کو آپؐ کے درود کے لیے مقرر کرتا ہوں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اس صورت میں تیرے سارے فکروں کی کفایت کی جائے گی اور تیرے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے"[۲۶]۔

ان احادیث سے عبادات میں درود شریف کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے نعت گو شعراء نے بھی نعت گوئی کو عموماً اور نعت گوئی میں اسلوب سلام و صلوٰۃ کو خاص طور پر فن سے زیادہ عبادت سمجھا اور عبادت بھی اتنی اہم کہ جس میں ایک تو یہ کہ عابد و معبود دونوں ہی شامل ہیں، بقول شریف احسن ؎

میں عابد و معبود یہاں ایک ہی صف میں

اللہ بھی ثنا خواں ترا، احسنؔ بھی ثنا خواں[۲۷]

دوسرے یہ کہ عبادت (نعت گوئی) کبھی رد نہیں ہوتی۔ اور خدا اور اس کے رسولؐ کے حضور سلام و صلوٰۃ کا ہر لفظ، ہر لہجہ اور ہر انداز و اسلوب ہمیشہ پسندیدہ و مقبول ہے۔ لہٰذا اس اہم عبادت سے وابستہ اجر و ثواب اور بخشش و نجات کے حصول کی کوشش نعت گوئی کا ایک بڑا محرک بنی۔

برکت طلبی اور خیر جوئی

حصولِ ثواب و طلبِ شفاعت کے ساتھ ساتھ حصولِ خیر و برکت کے لیے نعت ایک مقبولِ عام ذریعہ بنی، شعرائے کرام نے اپنی نگارشات کے آغاز میں "حمد" کے ساتھ اس لیے بھی نعتیہ اشعار لکھے کہ اس سے اور اس حوالے سے خدا کی رضا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو۔

اس ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے "اربعین" (نووی) اور "مسند الفردوس" (دیلمی) سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "ہر مہتم بالشان کام جو اللہ کی تعریف اور مجھ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) پر درود کے ساتھ شروع نہ کیا جائے تو وہ ناقص اور ہر برکت سے مٹا ہوا (محروم) ہے"۔ اور اس حدیث کے حوالے سے کہا ہے کہ "اس نے نثر و نظم، تحریر اور تقریر کے مقدمات میں نعت کو لازم قرار دیا اور اس طرح ادب کے لیے پابندی عاید کر دی"۔[۲۰]

مذکورہ بالا حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے (اور اس کی نشاندہی اشفاق صاحب نے کی بھی ہے) لیکن مسلمانوں کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و شیفتگی کے سبب اس (حدیث) کے نفسِ مضمون کی پابندی کی ایک طویل اور مستقل روایت موجود ہے، اور خیر و برکت کے تصور و تاثر کے باعث خطبات و تقاریر کے علاوہ مسلمانوں کی علمی و دینی، تاریخی و سیاسی اور ادبی و شعری نگارشات میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ "نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم" کے مضمون کے التزام کی طرح تصنیف و تالیفِ کلام کے آغاز میں حمد کے بعد نعت نے ایک رسم اور روایت کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

یہ درست ہے کہ رسمی انداز میں لکھے گئے ایسے نعتیہ کلام کا غالب حصہ عقیدتِ محض کی بنا پر لکھا گیا اور اس کا مقصد خیر و برکت کے علاوہ فنِ نعت کی باقاعدہ تخلیق نہ تھا۔ بعض شاعروں نے عقیدتاً اور تبرکاً نعت لکھی تو ضرور، مگر نہ تو انھوں نے اس میں کوئی شاعرانہ کمال پیدا کیا اور نہ ہی اس میں کسی ادبی اور فنی معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، مگر جہاں تک تخلیق و فروغِ نعت کا تعلق ہے۔ اس جذبہ (خیر و برکت طلبی) کی اہمیت اور اس کے اثرات کی ہمہ گیریت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ رسماً اور تبرکاً ہی سہی کم و بیش ہر مسلمان شاعر نے نعت کے موضوع پر طبع آزمائی ضرور کی۔ برصغیر کے ہندو شاعروں نے بھی بالعموم، اپنے غزلیہ دواوین اور مثنویوں کے آغاز میں حمد کے ساتھ نعت کا التزام برقرار رکھا اور اس طرح محض خیر و برکت حاصل کرنے کی غرض ہی سے سہی، اردو نعت کے اثاثے میں بہت اضافہ ہوا۔

نعت کے ذیلی محرکات اور اس کی مقبولیت کے اسباب

جیسا کہ ہم نے اساسی محرکاتِ نعت کے ضمن میں جائزہ لیا ہے۔ نعت کی تخلیق میں عشقِ رسولؐ، اطاعتِ رسولؐ، حصولِ ثواب اور برکت طلبی کے جذبات نے ایک بنیاد کا کام کیا ہے (اور جس شاعر کے ہاں یہ بنیاد جتنی مضبوط اور قوی ہے، اس شاعر کے ہاں نعت میں جذب و مستی کی فضا اسی قدر مؤثر ہے) مگر ان محرکات کے ساتھ ساتھ کچھ اسباب و عوامل ایسے بھی ہیں جن کا کارِ نعت کی تخلیق و ترویج اور فروغ و اشاعت میں بڑا حصہ ہے۔ یہ اسباب و عوامل دراصل نعت کے اساسی منبع ہی سے پھوٹے ہوئے سوتے ہیں۔ انہیں ہم ذیلی محرکات سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں انہوں نے ایک طرف تو نفسِ نعت کی تخلیق کی دوسری طرف اس کی ترویج میں وسعت پیدا کی۔ یوں نعت مجلس آشنا بھی ہوئی اور ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے بھی اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ذیل میں ہم ایسے ہی ثانوی اور ضمنی محرکات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ صوفیائے کرام کا خصوصی شغف و توجہ

نعت کی تخلیق اور فروغ میں یوں تو کم و بیش ہر مسلمان بلکہ بعض غیر مسلم شعرا نے بھی حصہ لیا، مگر وہ بزرگانِ دین جو تصوف سے گہرا شغف رکھتے تھے، اس میدان میں ہمیشہ نمایاں رہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پُرانوار کا مقام و مرتبہ عام مسلمانوں کے خیال سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اہلِ تصوف کے ہاں جس طرح نورِ محمدیؐ، خلقتِ محمدیؐ، اور فیضانِ محمدیؐ کا گہرا اور مؤثر احساس و اظہار ملتا ہے، وہ عام اہلِ علم سے کہیں وسیع، بسیط اور منفرد حیثیت اور اہمیت لیے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں ذاتِ محمدیؐ کا ادراک کتبِ سیر و مغازی اور مجموعہ ہائے احادیث کے مطالعہ کے علاوہ ان روحانی واردات و مشاہدات پر مبنی نظر آتا ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام سیرت نگاروں کی تحریریں ناآشنا ہیں۔ ان روحانی واردات و مشاہدات کی اگرچہ کوئی خارجی سند ہمارے پاس موجود نہیں مگر صوفیائے کرام کے مختلف سلاسل سے وابستگان کے ملفوظات و نگارشات میں آپؐ کی تجلیات و انوار اور فیوض و برکات کا جو انداز، کیفیت اور اثر ملتا ہے، وہ انہیں کا خاصا ہے۔ تصوف سے گہرا شغف رکھنے والے صوفیاء کی تحریروں میں "شجرۃ الکون" (ابن عربی) "لوائح" (جامی) "شواہد النبوۃ" (جامی) "مدارج النبوت" (شاہ عبدالحقؒ) "فیوض الحرمین"

(شاہ ولی اللہ) "تعلیم غوثیہ" (مولوی گل حسن) "انوارِ احمدی" (مولانا انوار اللہ خاں) قابلِ ذکر ہیں۔ بیرِ صوفیا کی تحریروں میں "مارٹن لنگز" کی[32] What is Sufism "لاشون" کی[33] Understanding Islam اور Dimension of Islam اور "حسین نصر" کی[34] Ideas and Realities of Islam دو متصوفانہ نگارشات ہیں جن میں نورِ محمدی، مقامِ محمدی، اور فیضانِ محمدی کا صوفیانہ نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کے مطالعہ کے اسی منفرد انداز کے سبب اہلِ تصوف نے نعت کی تخلیق اور فروغ پر خصوصی توجہ دی۔ ان کے حلقوں میں نعت ایک شعری صنفِ سخن ہی نہیں، اس کا لکھنا، پڑھنا اور سننا بمنزلہ عبادت ہے۔ یہ تہذیبِ نفس اور بالیدگیِ روح کا ایک ذریعہ ہے۔ اور سالک کے لیے مختلف درجات و مقاماتِ معرفت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع اور حصولِ توجہ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے صوفیائے کرام نے مختلف اوراد و وظائف کی طرح نعت خوانی کو بھی اپنے اشغال و معمولات میں شامل کیا۔ نہ صرف یہ کہ نعتیہ قصیدے، منظومات اور مولود نامے لکھے بلکہ اپنے حلقوں اور نشستوں میں انہیں پڑھنے کے خاص اسلوب اور طریقے وضع کیے۔

صوفیا کے سلاسل میں مولود خوانی کی روایت، ضرورت و اہمیت اور انداز و اسالیب پر جے سپنسر ٹرمنگھم نے اپنی کتاب The Sufi order in Islam[35] میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیائے کرام کے ہاں میلاد خوانی کی روایت منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ خصوصاً عرب، مصر، ترکی، سوڈان، الجیریا اور مغرب کے علاقے میں اگر میلاد خوانی کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو برصغیر پاک و ہند کی مجالسِ مولود سے ایک مختلف فضا کا احساس ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام کے مختلف سلسلوں میں کون کون سے میلاد مقبول و مروج رہے؟ ان سلسلوں میں میلاد خوانی کا کیا انداز تھا اور بحیثیت مجموعی صوفیا کی مخصوص نشستوں اور حلقوں میں میلاد خوانی کی غرض و غایت اور اس سے پیدا ہونے والی کیفیات و اثرات کا "ٹرمنگھم" نے خصوصیت سے ذکر کیا ہے انہوں نے مختلف سلسلوں کے بانی صوفیا ان کے حلقوں میں پڑھے جانے والے موالید، قصائد، اور نعتیہ منظومات اور ان کے پڑھنے کے اسالیب و اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ جس میں بعض سلاسل، ان کے مولود نگار اور مقبول عام میلاد درج ذیل ہیں۔

ابو مدین شعیب بن الحسن (۱۱۲۶ء–۱۱۹۸ء) کا نام بارہویں صدی کے صوفیا میں بہت مشہور ہے جن کے سلسلہ کی ایک شاخ مصر میں بہت پھیلی۔ اس شاخ کے شاعر ابو الحجاج یوسف کا مولود خصوصاً

مصر کے بالائی علاقے میں) بہت مقبول ہوا۔ ابوالحسنؒ علی شاذلی بھی (جن سے شاذلیہ سلسلے کا آغاز ہوا) ابومدین ہی کے خاص پیروکار تھے جن کے بڑے گہرے اثرات شمالی افریقہ کی نہ صرف مذہبی بلکہ معاشرتی وسیاسی زندگی پر بھی بڑے گہرے مرتسم ہوئے۔

ترکی میں "سلیمان چلپی" (متوفی ۱۴۲۱ء) کا مولود بہت مشہور ہوا ان کا تعلق خلوتی سلسلہ تصوف سے تھا، یہ مولود صوفیہ کے حلقوں کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یوم ولادت (۱۲، ربیع الاوّل) کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی سرکاری تقریبات میں بھی پڑھا جاتا رہا۔ خلوتی سلسلہ ترکی سے مصر اور پھر وہاں سے حجاز اور مغرب میں پھیلا۔ خلوتیہ ہی کی ایک شاخ "دردیریہ" کہلائی، جس کے بانی "احمد بن دردیر" (۱۷۱۵ء-۱۷۸۶ء) کا نثری مولود بہت مشہور ہوا۔

ترکی سہروردیہ سلسلے کی ایک کڑی "زینیہ" کہلائی، جس کے بانی "شمس الدین محمد ابن حمزہ (۱۳۹۰-۱۴۵۹ء) کے صاحبزادے "حمد اللہ چلپی حمدی" کا مولود بہت مشہور ہوا۔

نقشبندیہ سلسلے سے متاثر ہونے والوں میں "محمد عثمان المرغانی" کے مولود، "مولود المرغانی" کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس مولود کے آغاز میں محمد عثمان مرغانی نے مولود کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں یہ مولود لکھنے کے لیے خواب میں کہا۔

قادریہ صوفیا کے حلقوں میں "امام برزنجی" (۱۷۶۶ء) کا مولود النبیؐ بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے ان کے ہاں مولود کی نشستیں "لیلیہ" (ہمارے ہاں "شبینہ" کی طرح جس میں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے۔) کہلاتی ہیں۔ "لیلیہ" میں مولود کے ساتھ ساتھ ذکر اور دوسری مدحیہ منظومات بھی پڑھی جاتی ہیں۔

علوی (حضری) طریقہ میں "علی ابن محمد الحبشی" کا مولود "سمط الدُرر" پڑھا جاتا ہے جو "مولود الحبشی" کے نام سے مشہور ہے۔

"تیجانی" طریقے کے بانی کا اپنا کوئی مولود نہیں، اس لیے تیجانیہ سلسلہ میں مولود کی جگہ "جوہرۃ الکمال" کا ورد مقبول و مستعمل رہا۔ اس سلسلے کے معتقدین کے نزدیک اگر "جوہرۃ الکمال" کو اس کے ضروری لوازمات، شرائط اور احتیاط کے ساتھ سات بار پڑھا جائے، اس کی ساتویں قرأت کے دوران خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محفل میں حاضری فرماتے ہیں۔ بعد میں اسی سلسلے کے "محمد بن المختار" (دوالعالیہ، (متوفی ۱۸۵۲ء) نے "مولد انسان الکامل" کے نام سے ایک مولد لکھا۔

مغرب میں صوفیا کی مجالس میں میلاد خوانی نے قصیدہ خوانی کی شکل اختیار کرلی۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح و توصیف میں قصائد کی صورت میں اظہارِ عقیدت و محبت کا رواج ہوا۔

اور قصائدین[38] (قصیدہ پڑھنے والوں) کی ایک جماعت یہ قصیدے لحن کے ساتھ پڑھتی۔

میلاد النبیؐ کے علاوہ رجب کی ستائیسویں رات کو آنحضرتؐ کی معراج کی یاد میں صوفیاء کے ہاں معراجیہ نظمیں (معراج نامے) پڑھنے کا بھی رواج ہے۔ ان نظموں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سفرِ معراج کی تفصیلات کا ذکر اور صوفیاء و سالکین پر اس ذکر سے پیدا ہونے والے روحانی اثرات[39] کو کیفیات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان مواقع پر وہ مولد بھی پڑھے جاتے ہیں جن میں خاص طور پر واقعۂ معراج کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔ مثلاً سلیمان چلپی کا مولد، امام برزنجی کا مولد اور نجم الدین الغیطی (متوفی ۹۸۱ھ/۱۵۷۶ء) کا "قصۂ معراج الکبریٰ"۔ اس ضمن میں ترکی میں غنی زادے نادری "ناثی عثمان وید ے اور نخیفی کے معراج نامے بھی قابل ذکر ہیں۔

ٹرمنگھم نے مغرب، سوڈان، مراکو، الجیریا، لیبیا، مصر، ترکی حتیٰ کہ روس کی ایشیائی مسلم ریاستوں[40] میں صوفیاء کے اثرات کے ضمن میں خلوتیہ، شاذلیہ، قادریہ، سنوسیہ اور نقشبندیہ طریق کی مختلف شکلوں، اجتماعاتِ ذکر اور مذہبی منظومات خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح اور مدح و توصیف میں لکھے گئے میلاد پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔

واضح ہو کہ جن مواجید و منظومات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ صوفیائے کرام کے مختلف طریقوں اور سلسلوں سے نسبت رکھنے والے سالکین کی خاص مجلسوں میں پڑھی جاتیں یہ مجلسیں "حضرہ" کہلاتیں اور ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تذکار مبارک سے حاضرین کی روحانی تطہیر اور تزکیہ نفس کا کام لیا جاتا اور یہ مجلس انتظام اور مقاصد کے اعتبار سے ان میلادی مجلسوں سے مختلف ہوتیں جو عام لوگوں کے لیے صوفیاء کے ہاں اس یا دوسرے مواقع پر سرِ عام منعقد ہوتیں۔

وہ صوفیا جو شعر گوئی کا باقاعدہ ذوق رکھتے تھے بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس صوفیانہ مسلک اور سلسلے سے متعلق تھے۔ انہوں نے بھی نعت گوئی کی طرف توجہ دی اور اپنے مشاہدات و کیفیات کو نعت کا پیکر عطا کیا۔ ان میں سے کچھ شعراء نے بہت کم نعت کہی مگر کچھ نے نہ صرف یہ کہ اپنی مثنویوں اور نظموں میں نعتیہ اشعار لکھے، بلکہ بعض نے نعت کے دیوان بھی مرتب کیے۔ ان شاعروں میں جن کے کلام پر تصوف کی گہری چھاپ ہے اور جو کسی نہ کسی حوالے سے تصوف سے منسلک رہے۔ ابن العربی، مولانا روم، جامی، عطار، سنائی، عراقی، خسرو، شاہ عبد العزیز، مولانا قاسم نانوتوی، مہاجر مکیؒ، غلام سرور لاہوری، بیکل سرمست، شہباز قلندر، احمد رضا خاں بریلوی، حسن بریلوی، پیر مہر علی شاہ، شاہ نیاز بریلوی، بیدم شاہ وارثی اور مفتی محمد دیدار علی شاہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نعت کی تخلیق اور فروغ میں صوفیائے کرام اور تصوف سے منسلک شاعروں نے بڑا کام کیا۔ انہوں نے خود بھی نعتیہ نظمیں اور میلاد لکھے جو اُن کی عقیدتِ رسولؐ کی علامت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی والہانہ شیفتگی کے عکاس اور جذب و مستی کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ نیز صوفیاء کے حلقوں میں نعت خوانی اور میلاد خوانی کے سبب اُن سے وابستہ عقیدت مندوں، پیرو کاروں اور شاگردوں میں نعت گوئی کی ترغیب پیدا ہوئی۔ اُن میں باصلاحیت شاعر خاص طور پر نعت گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ یوں صوفیائے کرام کا ذوقِ نعت اُن کے ارادت مندوں میں منعکس ہوا اور نعت گوئی و نعت خوانی کا دائرہ وسیع ہوا۔ نعت خوانی کے شوق نے نعتیہ انتخابات اور گلدستوں کی اشاعت کو رواج دیا اور یوں صوفیاء کی خصوصی شغف و توجہ سے نعت گوئی کے رجحان کو فروغ ملا۔

نعت کی مقبولیت کا ایک اور بڑا سبب جو صوفیائے کرام سے متعلق ہے، اعراس ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں تصوف کے مختلف سلاسل سے وابستہ صوفیاء، مشائخ اور بزرگانِ دین کے اعراس کا ایک پھیلا ہوا سلسلہ ہے۔ سال میں مشکل کوئی ایسا ہفتہ ہو گا جس میں کسی قطب، غوث، ولی یا بزرگ کا عرس نہ منایا جا رہا ہو۔ تقویم دار الاحسان[1] (۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) کے مطابق سال میں اعراس المیلاد المبارک کی تعداد ۱۵۰ کے قریب بنتی ہے۔ ان میں میلاد النبیؐ کے علاوہ، خلفائے راشدین، صحابۂ کرام، صوفیاء و مشائخ، بزرگانِ دین اور دوسری دینی، مذہبی اور ملّی شخصیات[2] کے اعراس المیلاد کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اعراس کی تقریبات میں نعت خوانی نہ صرف یہ کہ ناگزیر ہے بلکہ محوری حیثیت رکھتی ہے۔ ان اجتماعات میں مختلف نعت خواں اپنی آواز کا جادو جگاتے ہیں اور پیشہ ور قوالوں کی پارٹیاں، اساتذہ کی مشہور نعتوں اور سلاموں سے حاضرین کو سرشار کرتی ہیں۔

مجلسی محرّکاتِ نعت

مجلسی محرکاتِ نعت میں میلاد کی محفلیں، سیرتِ رسولؐ کے جلسے اور سماع کی مجلسیں قابلِ ذکر ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں نعت کی تخلیق و فروغ میں ان مجلسی محرکات کا بڑا ہاتھ ہے۔ نعت نگاروں اور عوام الناس کے درمیان یہ مجلسی محرکات ایک اہم اور مؤثر وسیلہ ہیں۔ اگرچہ ان مجالس کے انعقاد کا مقصد صرف نعت کی ترویج و اشاعت ہی نہیں بلکہ تذکارِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے حصولِ ثواب ہوتا ہے تاہم بلاواسطہ طور پر ایسی محافل و مجالس سے نعت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ نعت گو شعراء اور نعت خواں حضرات کو معاشرے میں عزت و شہرت ملی (بلکہ کہی جائے تو فنِ نعت گوئی اور

نعت خوانی حصولِ رزق کا ذریعہ بھی ہے) اور نعت شاعروں کے دواوین اور بیاضوں سے نکل کر عوام الناس کے کانوں تک پہنچی اور یہ صنفِ سخن عام ہوئی۔ ان مجلسی محرکات میں محافلِ میلاد سرِ فہرست ہیں۔

۱۔ میلاد کی محفلیں

میلاد بمعنی زمانِ ولادت کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے دن اُن کے محامدِ جلیلہ اور محاسنِ جمیلہ کے بیان کرنے اور سننے کے لیے مسلمانوں کے اجتماع کا نام "محفلِ میلاد" ہے۔[۴۳] بقول مولانا سلیمان ندوی "اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چوتھی صدی سے ہوا"[۴۴] تاریخ میلاد کے مصنف کی تحقیق کے مطابق "عمر بن محمد موصلی" پہلا شخص تھا[۴۵] جس نے ان محفلوں کو رواج دیا (ورنہ آغازِ اسلام سے آئندہ چھ سو برس تک اس طرح کی محفلوں کا پتہ نہیں چلتا) اور جس مصنف نے مولود کی سب سے پہلی کتاب لکھی، اس کا نام ابوالخطاب عمر بن دحیہ کلبی، اندلسی، بلنسی، (۵۴۴ ۔ ۶۳۰ھ) ہے ابن دحیہ کے اس اولین مولود کا سنِ تصنیف ۶۰۴ھ ہے اور اس کا نام "التنویر فی مولد السراج المنیر" ہے۔ بعض روایتوں میں اس کا نام "التنویر فی مولد البشیر والنذیر" بھی آیا ہے۔ تاریخ میلاد کے مصنف نے "ابن خلکان" کی "وفیات الاعیان" اور علامہ سیوطی کے "حسن المقصد فی عمل المولد" کے حوالے سے اس ضمن میں مزید لکھا ہے کہ اس میلاد پر سلطان اربل ابوسعید مظفر نے مصنف کو ایک ہزار دینار یا اشرفیاں انعام دیا۔[۴۶] "عبدالسمیع نے اپنی کتاب "انوارِ ساطعہ"[۴۷] اور "مولوی محمد اعظم" نے "فتح الورود"[۴۸] میں بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

اس کے بعد عربی میں مولود (مولود / میلاد) لکھنے اور پڑھنے کا آغاز ہوا۔ ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں جو ان کے سفر کی روداد ہے (۵۸۱ھ ۔ ۱۱۸۵ء) میلاد خوانی کی باضابطہ مجلسوں کا ذکر کیا ہے۔ "ابنِ تیمیہ" (جنہوں نے میلاد کی رد میں ایک رسالہ لکھا) کے زمانے میں بھی اگرچہ میلاد خوانی کا عام رواج تھا، مگر اسے وہ مذہبی اہمیت حاصل نہ تھی جو اسے بعد میں علامہ سیوطی متوفی (۱۵۰۵ء) کے زمانے میں ہوئی جنہوں نے میلاد کے حق میں ایک رسالہ لکھا اور اسے "بدعتِ حسنہ" سے تعبیر کیا۔

سیوطی کے بعد صوفیاء کے حلقوں میں میلاد کی محافل کو فروغ ملا اور مولد نگاری اور میلاد خوانی نے ایک باقاعدہ فن اور اسلوب کی شکل اختیار کر لی۔ میلاد کی تاریخ کے آغاز سے آج تک اس کے حق میں اور رد میں سیکڑوں رسالے تحریر ہوئے اور فتوے جاری کیے گئے۔ نفسِ ذکرِ ولادتِ رسولِ مقبول سے تو سبھی متفق ہیں۔ مگر مولد کی مروجہ شکل پر کچھ مذہبی علماء کی طرف سے ہمیشہ اعتراض وارد ہوتے رہے۔ بعض

علما نے اس کے انعقاد کو بعض شرائط سے مشروط کیا۔

میلاد کی شرعی اور فقہی حیثیت سے قطع نظر عوامی حلقوں میں میلاد خوانی ہمیشہ مقبول رہی، ترکی میں مجالس میلاد کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے مین میکلم (Ly man Mocllum) نے لکھا ہے کہ "مولد مسجدوں اور گھروں میں پڑھے جاتے ہیں، لیلۃ القدر اور دوسری مذہبی تقریبات کے علاوہ گھر میں کسی خوشی کے موقع پر مثلاً گھر گرم کرنے پر (نو تعمیر شدہ گھر میں رہائش اختیار کرنے) کھوئے ہوئے کی نجات و کامیابی پر غمی کے موقع پر مردے کے چالیسویں پر بھی میلاد کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔

بچے کا نام رکھنے، رسم بسم اللہ، ختنہ، بیماری سے صحتیابی، سفر سے بخیریت واپسی پر بھی میلاد خوانی کا اہتمام ہوتا۔

دور حاضر میں اگرچہ سیاسی اثرات اور حکومت کی پابندیوں کی وجہ سے ترکی اور مصر میں میلاد خوانی کی مجلسوں میں کچھ کمی واقع ہوگئی ہے۔ اور ان کی حیثیت رسمی رہ گئی ہے۔ پھر بھی ہزاروں لوگ ان اجتماعات میں اکٹھے ہوتے ہیں، خصوصاً مضافات میں ہزاروں لوگ آج بھی صوفیہ کے مختلف سلاسل سے وابستہ ہیں اور ثواب و برکت کے حصول کے لیے وہ صوفیائے کرام کے مزارات کی زیارت کرنے جاتے ہیں اور وہاں منعقد ہونے والے میلاد میں شرکت کرتے ہیں اور اس سے روحانی لطف حاصل کرتے ہیں۔"

برصغیر پاک و ہند میں اردو میلاد ناموں کی ایک باقاعدہ روایت کے آغاز اردو ہی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت و سوانح کے موضوع پر مثنویوں اور دوسری منظومات (نور نامے، معراج نامے، جنگ نامے اور وفات نامے وغیرہ) کثرت سے ملتی ہیں۔ جیسے جیسے اردو زبان ارتقائی مرحلے طے کرتی گئی، نظم اور نثر دونوں میں میلاد ناموں کا انداز و اسلوب واضح ہوتا گیا۔

اردو "میلاد نامے" جو مذہبی اجتماعات میں مقبول و مروج رہے ان کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے۔ ذیل میں ان میلاد ناموں میں سے کچھ ایسے میلاد ناموں کے نام درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے نعت کے فروغ اور شاعری میں ذکر رسول اکرمؐ کی روایت کو عوام الناس تک پہنچانے میں نمایاں کام کیا۔ ان میں سے چند ایک، بار بار چھپے اور بعض کے ایڈیشنوں کی تعداد بھی شمار سے باہر ہے۔ وہ عرصہ دراز کے بعد آج بھی اسی ذوق و شوق سے پڑھے اور سنے جاتے ہیں اور ان کی مقبولیت کا آج بھی وہی عالم ہے مثلاً "مولود شہیدی" (مولوی غلام امام شہید)، "مولود سعیدی" (مولوی محمد علی خاں سعید لکھنوی)، "زیور ایمان" (مولوی محمد علی خاں سعید لکھنوی) "مولود اکبر" (خواجہ محمد اکبر وارثی، میرٹھی)

"مولودِ طپش" (سید چراغ علی طپش) "میلاد نامہ" (خواجہ حسن نظامی)، "میلادِ مقبول" (کیف المسلمی ٹامروی) "میلادِ گوہر" (منشی گوہر علی خاں گوہر رام پوری) "تحفۃ الرسول ﷺ" (شاہ محمد معین الدین احمد فریدی ٹانڈوی) "مولودِ سعدی" (نامعلوم) "میلادِ پیغمبر" (درد کاکوروی) "آمنہ کا لال" (علامہ راشد الخیری) ——— وغیرہ وہ میلاد نامے ہیں جن میں نثر کے ساتھ نظم میں بھی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سوانح، اوصاف حمیدہ، فضائل پاکیزہ، غزوات و معجزات اور تعلیمات کا ذکر بڑے مؤثر اور دلنشین انداز میں کیا گیا ہے۔

میلاد ناموں میں نعتیہ کلام کی تخلیق اور انتخاب میں اس کے مجلسی تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے عام فہم انداز کی نعتیں تخلیق کی جاتیں، تاکہ انہیں سمجھنے میں آسانی ہو۔ نعتوں کی اکثریت غزل کا اسلوب اور ہیئت رکھتی تاکہ انہیں پڑھتے ہوئے گلوکار کو بھی کوئی دقت نہ ہو۔ میلادی نعتوں کے اسی انداز کے سبب معاشرے میں نعت ایک صنف سخن کے طور پر مقبول ہوئی۔ اور میلاد نگاری کا شوق عام ہوا خصوصاً ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد نعت کی تاریخ میں ایک دور ایسا بھی آیا جس میں میلاد نامہ کی روایت کو بہت فروغ ہوا اور اسی نسبت سے نعت بھی پھلی پھولی۔

سماع

محافل میلاد ہی کی طرح مجالس سماع بھی محرکاتِ تخلیق و فروغ نعت میں قابل ذکر ہیں مسئلہ سماع اگرچہ زمانہ سلف سے اب تک متنازع فیہ رہا ہے۔ اور اس کے حق اور رد میں سینکڑوں رسائل تحریر ہوئے ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ صوفیا کے ایک دو سلاسل کو چھوڑ کر سماع تصوف سے شغف رکھنے والے صوفیا۔ اور سالکین کے نزدیک ہر دور میں مقبول اور پسندیدہ رہا ہے۔ نفسِ سماع کی حلت اور جواز سے بہت کم صوفیا نے انکار کیا ہے۔ البتہ بعض جزوی اور فروعی امور مثلاً سماع کا وقت، مقام، کلام کی نوعیت قوال اور حاضرین کے بارے میں بعض آداب اور شرائط کی پابندی اور احتیاط کی نشاندہی کم و بیش سب نے کی ہے۔ اس ضمن میں شیخ ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات توجہ طلب ہیں۔

سماع کی مجالس صوفیا کے اعراس کے ساتھ خاص طور پر منسلک ہیں۔ دوسرے مواقع پر بھی ان مجالس کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔ بعض سلسلوں میں اسے صوفیا کے معمولات و اشغال کا درجہ حاصل ہے مثلاً گولڑہ شریف میں پیر مہر علی شاہ صاحب کے مزار پر سماع کو روزمرہ کے معمولات کی حیثیت حاصل

ہے۔ صوفیاء کے حلقوں کے علاوہ آج کل غیر صوفیاء بھی کبھی کبھار سماع کی مجلس کا انعقاد کر لیتے ہیں۔

سماع میں پڑھا جانے والا کلام عارفانہ نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس میں حمد، نعت اور بزرگانِ دین کی منقبت شامل ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ مرشد اور خدا کے درمیان ایک اہم وسیلہ ہیں اس لیے سالکین کے نزدیک "فنافی الشیخ" اور "فنافی اللہ" کے درمیان ایک اہم منزل "فنافی الرسول" کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گو و مدحِ رسول سے صوفیاء اپنے جذبۂ محبتِ رسول کی نشوونما کرتے ہیں۔ بقول "صفدر حسین صفدر": "تزکیۂ نفس اور صفائے باطن کے لیے صوفیائے کرام نعتیہ کلام کو ضروری سمجھتے ہیں اور درود و سلام کے علاوہ اس کی تکرار کو بھی برکت کا موجب سمجھتے ہیں۔ تصوف میں ایک مقام "فنا" کا بھی ہے۔ "فنا" کے (فنافی الشیخ کے بعد) دو درجے ہیں، "فنافی اللہ" اور "فنافی الرسول" "فنافی اللہ" میں "فنافی الرسول" کی منزل سے گزرے بغیر داخل ہونا ناممکن ہے۔ یہ رجحان عام طور پر "وحدت الوجودی" مکتبۂ خیال کے صوفیاء میں زیادہ تر پایا جاتا ہے۔ فنافی الرسول کے مرتبہ پر فائز ہونے کے لیے مختلف طریق کے منجملہ ایک طریقہ نعتیہ کلام کی سماعت بھی ہے۔ چنانچہ صوفیاء کے نزدیک محفلِ سماع کے قیام اور سماع کے جواز کی بھی یہی توجیہہ ہے۔ "فنافی الرسول" کا مدعا یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت پناہی سے فریفتگی اور خلوص پیدا کیا جائے۔ ثقافتی اور معاشرتی حیثیات کے منجملہ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ مجلس نعت یا مجلس سماع کا مقصد ایک قسم کی معاشرت اور ایک خاص قسم کے آداب کو قصیدہ یا نعت پڑھتے وقت حاضرینِ محفل کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ اس خاص طریقے کو جو معاشرتی زندگی کے ایک خاص دائرے کی ترجمانی کرتا ہے۔ حالیہ زمانے کی اصطلاح میں Morals and Mores کے نام سے یاد کیا جاتا ہے" [۵۳]

اس کے علاوہ سماع کی برکات میں طبیعت کا وجد میں آنا، قلب میں روشنی کا نمودار ہونا، سامع کا دولتِ مکاشفہ سے سرفراز ہونا، طبیعت میں یکسوئی اور سرور و انبساط کا پیدا ہونا شامل ہے۔ صوفیاء کے نزدیک بعض مقامات کا طے ہونا بھی محض سماع پر موقوف ہے۔ جو مقام سلوک میں ریاضتِ شاقہ سے بمشکل سے طے پاتا ہے۔ وہ سماع کی بدولت آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔ بقول حضرت سلطان الاولیاء "سماع کی حالت میں جو آثار مرتب ہوتے ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک انوار، دوسرے احوال، تیسرے آثار، اور یہ تینوں تین عالم سے اترتے ہیں۔ عالمِ ملک و عالمِ ملکوت و عالمِ جبروت۔ "عالمِ ملک" سے ارواح پر انوار نازل ہوتے ہیں۔ بعد ازاں "عالمِ جبروت" سے دلوں پر احوال اترتے ہیں۔ پھر "عالمِ ملکوت" سے وہ چیزیں نازل ہوتی ہیں، جن سے اعضاء میں حرکت پیدا

ہوتی ہے اور انہیں "آم آثار" کہتے ہیں۔[۵۴]

اس ضمن میں حضرت جنید بغدادی کا یہ قول بھی توجہ طلب ہے کہ "اگر مجھے یہ علم بھی ہو جائے کہ نمازِ نفل سماع سے بہتر ہے تو بھی میں نوافل میں مشغول نہ ہوں اور سماع سنوں"۔ الاستید نور الحسن مودودی" اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "حضرت جنیدؒ نے (یہ) اس لیے فرمایا کہ نغمہ کو روح کے ساتھ یوم الست سے ایک خاص تعلق ہے۔ دوسرے سماع میں جو یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ وہ عام طور پر نوافل میں میسر نہیں اور کل دار و مدار سکونِ قلب پہ ہے"۔ انہوں نے اس سلسلہ میں حضرت شیخ المشائخ خواجہ مودود چشتی قدس سرہ کے اس جواب کا بھی ذکر کیا ہے، جو انہوں نے "امام شمس الائمہ کرگانی" کے سوال پر (کہ "فقہی مسئلہ سے قطع نظر سلک میں سماع بہتر ہے یا نفلی نماز؟") دیا کہ "اگر کوئی شخص دوگانہ نمازِ نفل بہ تمام شرائط اور ارکانِ مقررہ با اخلاصِ تمام ادا کرے تو اللہ کے نزدیک اس کے قبول ہونے میں احتمال ہے، مگر سماع کا جذبہ، جذباتِ حق میں سے ہے اور عین مقبول ہے"۔[۵۵]

انہی امور کی بنا پر سماع کو صوفیاء کے حلقوں میں تزکیۂ نفس اور صفائی باطن کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور طبیعت کے انقباض کو دور کرنے اور انشراحِ صدر اور گداز و رقت کے لیے جہاں عارفانہ کلام پڑھا جاتا ہے، وہاں نعتیہ کلام اور نعت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی غزلیں پڑھنے کی روایت بھی موجود ہے سماع کی مجالس میں نعتیہ کلام کی تکرار سے جہاں نعت کو فروغ ملا وہاں ایسی مجالس کے لیے خاص طور پر نعت لکھنے کا ذوق و شوق بھی پیدا ہوا اور یوں سماع کے وسیلے سے بھی نعت کی صنف کو وسعت، شہرت اور مقبولیت ملی۔ سماع سے مخصوص نعتیہ کلام کے کئی گلدستے اور انتخابات شائع ہوئے اور آج بھی ہو رہے ہیں۔

ج۔ سیرت رسولؐ کے جلسے

مجلسی محرکاتِ نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کے جلسوں کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا۔ سیرت رسولؐ کے جلسے دراصل مولود شریف کے سلسلہ ہی کی ایک شکل ہیں اسے خواہ "جلسۂ سیرت النبیؐ"، سیرت کانگریس، سیرت کانفرنس یا سیمینار کا نام دے لیں، مگر جہاں ذکرِ رسولؐ کی محفل منعقد ہوتی ہے، وہاں تقاریر و مضامین کے آغاز اور درمیان میں نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے کی روایت کا التزام بھی کیا جاتا ہے اور خوش الحان نعت خواں اپنی آواز کا جادو جگاتے ہیں اور سامعین کے قلوب کو ذکرِ رسولؐ کے نور سے منور کرتے ہیں۔

د۔ نعتیہ مشاعرے

ذیلی محرکاتِ نعت میں جو محرکات مجالس سے متعلق ہیں، ان میں سے ایک محرک نعتیہ مشاعروں کا انعقاد بھی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں جہاں عام مشاعرے کی روایت کافی پرانی ہے۔ وہاں نعت سے متعلق نشستوں اور اجتماعات کی تاریخ بھی کئی عشروں پر محیط ہے۔ قیام پاکستان سے قبل مسجد وزیر خاں میں نعتیہ مشاعرے کے انعقاد کی ایک موثر روایت موجود ہے۔ جبکہ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو اور ٹی وی کے علاوہ کم وبیش ہر شہر میں "بزم حسان"، "انجمن غلامان رسول ﷺ"، "مجلس نعت" یا ایسے ہی کسی اور نام سے کوئی نہ کوئی ادارہ اور مجلس موجود ہے جو گاہے گاہے نعتیہ مشاعروں کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔ اخبارات ورسائل (خصوصاً مذہبی رسائل) میں کبھی کبھار ان مشاعروں کی روداد بھی شائع ہوتی رہتی ہے۔ ان مخصوص انجمنوں کے علاوہ کسی اسلامی تہوار، تقریب یا موقع محل کی مناسبت سے ادب وفن اور تہذیب وثقافت سے متعلق انجمنیں، ادارے اور اکادمیاں بھی نعتیہ مشاعرے منعقد کرتی رہتی ہیں۔ گزشتہ کچھ سالوں سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سالانہ تقریبات میں مباحثوں کے ساتھ کہیں کہیں مطرح مصرع پر نعتیہ مشاعروں کی روایت بھی چل نکلی ہے۔ جس سے نعت کی ترویج وتشہیر کا دائرہ نئی نسل تک بھی پہنچ گیا ہے، اور نوآموز شاعر بھی نعت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

ذرائع ابلاغِ عامہ[۵۶]

اساسی ومجلسی محرکاتِ نعت اور صوفیائے کرام کے خصوصی شغف وتوجہ کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ عامہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر اور مدح کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے جو بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اس سے نعت کو ایک باقاعدہ صنف سخن کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ اور یہ انہی ذرائع کا فیضان ہے کہ ہر مسلمان بچہ ادب کی کسی دوسری صنف کے نام سے آشنا ہو یا نہ ہو، نعت کی صنف اور اس کے موضوع سے ضرور واقف ہوتا ہے۔ ذرائع ابلاغ عامہ کے وہ شعبے جنہوں نے نعت کو مقبول عام بنایا درج ذیل ہیں:

ا۔ رسائل و اخبارات

رسائل جن میں (خصوصی مذہبی رسائل) ہر مہینے شاعروں کا تازہ نعتیہ کلام چھپتا رہتا ہے گاہ گاہے اور خصوصاً ربیع الاول کے مہینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و نعت پر خاص نمبر نکالے جاتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین نمبر، سیرت نمبر، رسول نمبر، یا ایسے کسی دوسرے نام سے نکلنے والے خاص نمبروں میں نعتوں کی تعداد نمایاں ہوتی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد عموماً اور گزشتہ دہائی سے خصوصاً ملی و قومی اخبارات نے ہفتہ وار ملی اور اسلامی ایڈیشنوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان اشاعتوں پر خاص طور پر اور اس کے علاوہ بھی کبھی کبھار اخبارات میں تازہ نعتیں چھپتی رہتی ہیں۔

ب۔ گراموفون ریکارڈ اور فلمیں

گراموفون کمپنیوں نے ریکارڈوں کی صورت میں ہزار ہا نعتوں کو قریہ قریہ پہنچایا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی فلموں میں بھی کبھی کبھار موقع و محل کی مناسبت سے نعتیں یا نعتیہ قوالیاں سننے کو مل جاتی ہیں۔ اگرچہ اس انداز کی نعتوں میں سے اکثر کا معیار ادبی نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نعت کے اعلیٰ معیار کو پہنچتی ہیں۔ تاہم نعت کی مقبولیت کے سلسلہ میں ان کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ج۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن

ریڈیو اور ٹیلیویژن کے توسط سے خصوصاً پچھلے دس پندرہ سالوں سے نعت کے فروغ کو بہت تقویت ملی ہے۔ محرم الحرام، ربیع الاول اور رمضان المبارک کے مہینوں میں خصوصی نعتیہ مشاعروں اور نعت کے فکر و فن اور تاریخ کے بارے میں گفتگو و مذاکروں کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی پرانے اور نئے شعراء کا نعتیہ کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔ ریڈیو کے پروگراموں میں تو خاص طور پر نعت رسول مقبول کو ایک معمول کی حیثیت حاصل ہے۔

آج کل فلموں، ریڈیو اور ٹیلیویژن کی نعتوں اور نعتیہ قوالیوں کے کیسٹ بھی بہت مقبول ہو رہے ہیں اور یوں کاروباری اور تجارتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ نعت کے دائرے میں بھی بتدریج توسیع ہو رہی ہے۔

ماخذات

۱۔ قرآنِ حکیم

۲۔ احادیثِ نبویؐ

۳۔ کتب سیر و مغازی

۴۔ الہامی صحائف اور مذہبی کتب

۵۔ اسمائے رسولِ مقبولؐ

قرآنِ حکیم

قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا پہلا اہم اور مستند ماخذ ہے۔ دینِ اسلام کی طرح پیغمبرِ اسلام کی سیرتِ طیبہ اور خصائلِ حمیدہ کا اوّلین مرجع بھی یہی کتابِ مبین ہے۔ اگرچہ اس میں آنحضرتؐ کے سوانحی حالات اور عادات و کردار کا ذکر مربوط اور مرتب شکل میں نہیں تاہم جگہ جگہ ایسے بلیغ اشارے اور حوالے موجود ہیں جن کے مطالعہ سے حضور اکرمؐ کی سیرت و کردار کا ایک موثر تصور اور گہرا نقش ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے قرآن میں آپؐ کی بشریت و رسالت، منصبِ بعثت، کارِ نبوت میں آپؐ کی بے غرضی، آپؐ کی راست روی اور اخلاقِ کریمانہ سے لے کر آپؐ کے غزوات و معجزات، اللہ تعالیٰ کے آپؐ پر احسانات اور بنی نوع انسان پر آپؐ کے فیوض و برکات کے بارے میں بنیادی نوعیت کی وہ تمام معلومات مل جاتی ہیں جن سے آپؐ کی سیرتِ طیبہ کی تعمیر و تشکیل عبارت ہے۔ اگرچہ حضور اکرمؐ کے ہر سیرت نگار نے اپنی تحریروں میں جگہ جگہ قرآن سے رجوع کیا ہے تاہم کچھ کوششیں خاصتاً اس انداز میں بھی ہوئی ہیں جہاں سیرتِ رسولؐ کے تمام خد و خال قرآنِ پاک کی آیاتِ بینات ہی سے اخذ کرنے کی جستجو ملتی ہے۔[۵۶]

مسلمان سیرت نگاروں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی سیرتِ رسولؐ کے سلسلے میں اس ماخذِ اوّل کی اہمیت اور جامعیت کو محسوس کیا ہے۔ بقول ولیم مور:[۵۷]

> The Koran becomes the ground work and the test of all inquiries into the origin of Islam and the character of its Founder.Here we have a stare house of Mohammad's own recorded during his life, extending over the whole course of his public career and illustrating his religious views, his public acts and his domistic character By this standard of his own making,we may safely judge his life and nations for it must represent either what he actually thought or what he effected to think And a mirror is Koran of Mohammad's character, that saying

become proverbal among the early Muslims His character is the koran.

قرآن مجید میں حضور پاکؐ کے بارے میں تین طرح کے حوالے ملتے ہیں۔

پہلا حوالہ وہ آیات ہیں جن میں آپؐ کے مقصدِ بعثت اور کارِ نبوت کا تذکرہ ہے۔

دوسرا حوالہ وہ آیات ہیں جن میں آپؐ کے مقام و منصب کی بلندی اور آپؐ کے کردار و عمل کی رفعت کی تعریف و توصیف کی گئی ہے نیز آپؐ کے سوانحی حالات، غزوات و معجزات وغیرہ کا ذکر ہے۔

اور تیسرا حوالہ وہ اسمائے صفات ہیں جن سے خدا تعالےٰ نے آپؐ کو مخاطب کیا ہے۔

یہ تینوں حوالے ہر دور کے نعت نگار شعرا کا محبوب موضوع رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک ارفع ترین انسان اور برگزیدہ ترین پیغمبر کی حیثیت سے بنی نوع انسان پر آپؐ کے بے پایاں احسانات اور فیوض و برکات کے تذکار مبارک کے اولین ماخذ اور منابع قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جن میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ آپؐ کی بعثت اللہ کا بہت بڑا احسان اور رحمت ہے۔ آپؐ کی رسالت تمام انسانوں کے لیے اور ہمیشہ کیلئے ہے۔ آپؐ صرف انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ جنوں کی رہنمائی کے لئے بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ آپؐ کی بعثت ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو آپؐ سے ملے نہیں (سبا: ۲۸) آپؐ کتاب و حکمت کے معلم، زندگیاں سنوارنے والے، ہدایت اور دینِ حق لانے والے ہیں۔ اللہ کی رضا پر چلنے والے ہیں۔ آپؐ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے۔ آپؐ اس وحی کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے آپؐ پر نازل کی جاتی ہے۔ آپؐ خبردار کرنے والے، نصیحت کرنے والے، انصاف کرنے والے، غلط بندھنوں سے نجات دلانے والے اور تاریکیوں سے نکالنے والے ہیں۔ آپؐ اللہ کا پیغام لانے والے، سچائی لانے والے ہیں اور اللہ کی بندگی کا حکم دینے والے ہیں۔ آپؐ بشیر ہیں نذیر ہیں۔ آپؐ نرم مزاج ہیں۔ انسان کی فلاح کے حریص اور ہدایت دینے کے لئے بے چین ہیں۔ آپؐ سراسر راست پر ہیں۔ آپؐ شفیق ہیں اور رحیم ہیں۔ آپؐ کارِ نبوت میں بے غرض ہیں اور تبلیغ و ہدایت کے کام پر کسی اجر کے طالب نہیں۔

قرآن میں جگہ جگہ آپؐ کی اطاعت کا حکم ہے۔ آپؐ کی دعوت قبول کرنے کے نتائج اور روگردانی کے عذاب کا ذکر ہے۔ آپؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور آپؐ کی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آپؐ کی اطاعت کا اجر اُن لوگوں (انبیا، صدیقین، شہدا و صالحین وغیرہ) کی رفاقت ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔ آپؐ کی اطاعت کرنے والوں کو ان جنتوں کی بشارت دی گئی ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور آپؐ کی مخالفت کی سزا دردناک

عذاب اور جہنم ہے۔

قرآن مجید کی وہ آیات مبارکہ جن میں اللہ تعالےٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے احسانات اور عطائے خاص کا ذکر کیا ہے۔ زیرِ بحث موضوع (نعت فی القرآن) کی جان ہیں مثلاً قرآن نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیشہ کی گواہی دی کہ آپ کو شرحِ صدر عطا کیا گیا ہے اور اللہ نے آپ کا آوازہ عالم میں بلند کیا۔ قرآن آپ سے مخاطب ہو کے کہتا ہے کہ کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار پایا۔"

قرآن میں اللہ کی طرف سے آپ کے مشرکینِ عرب پر غالب آنے کی پیشین گوئی کی گئی۔ آپ کو کھلی فتح کی نوید دی گئی۔ آپ کو مقامِ محمود پر پہنچنے کا وعدہ کیا گیا اور آپ کو کوثر عطا کیا گیا۔ قرآن میں کہا گیا کہ:

"عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔"

قرآن کے اس بیانِ مبارکہ کا انتہائی مقام اور نقطۂ عروج سورۃ الاحزاب کی وہ آیت ہے جس میں مومنین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خالقِ حقیقی نے حضور اکرم پر اپنے اور فرشتوں کے درود بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ خدا کہتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥ (۵۶)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اس پر صلوٰۃ بھیجو اور سلامتی کی دعا کرتے ہوئے اس کے فرمانبردار رہو۔"

یہ وہ آیت مبارکہ ہے جہاں قرآن میں حضورؐ کی مدح و توصیف کی تمام نورانی کرنیں ایک نقطۂ مرکز پر سمٹتی نظر آتی ہیں۔ یہ مقام نعت فی القرآن کی معراج ہے۔ ایک عبد اور رسول کے لئے اس سے بڑا شرف اور مقامِ محمود کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے آپ کے حق میں "صلوٰۃ" اور "تسلیم" کا حکم قیامت تک کے لئے نافذ فرما دیا ہے۔ پروفیسر فیاض کاوش اپنے مضمون "قرآن اور نعتِ رسولؐ" میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صلوٰۃ اور تسلیم" انتہائی کثیر المعانی الفاظ ہیں۔ اردو میں صلوٰۃ کا ترجمہ رحمت سے کیا جاتا ہے مگر اس سے پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ درود فارسی کا لفظ ہے یہ بھی صلوٰۃ کے مطلب کی وسعت کو ادا نہیں کر سکتا۔ ..... اصطلاح میں صلوٰۃ کے معنی ہیں نماز اور جب یہ لفظ "علیٰ" کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں "کسی کی طرف محبت سے مائل ہونا" "کسی کے لئے دعا کرنا" جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی ذات کی طرف ہو تو اس سے مطلب لیا جائے گا اللہ کی رحمت، محبت اور تحسین، اور جب فرشتوں

اور انسانوں کی طرف "صلوٰۃ" کی نسبت ہو تو اس کے معنی ہوں گے۔ "میلانِ محبت و تحسین کے ساتھ دعا"۔ پس اس آیت شریف کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ از روئے محبت و رحمت اپنے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بذاتِ خود "تحسین و تعریف" فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اس کے حق میں دعائے رحمت کرتے ہیں۔ ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ بھی اس سے دلی محبت رکھیں اور اس کی تحسین و تعریف میں رطب اللسان رہیں۔"

"سلمو تسلیما" کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم ان کے لیے ہر طرح کی "سلامتی کی دعا" کرتے رہو۔ دوسرے یہ کہ تم ان کے فرمانبردار بنے رہو۔ (صلوا علیہ اور سلموا تسلیما کے مفہوم و معانی پر مولانا مودودی نے بھی وضاحت سے لکھا ہے)۔ اس آیت کی تشریح و تفسیر میں شارحین و مفسرینِ قرآن نے بڑے بڑے خوبصورت نکات پیدا کیے ہیں۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں کہ:

"یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے۔ اس میں مسلمانوں کو اس ذاتِ پاک پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے مگر لطف یہ ہے کہ قرآن کریم نے بہت سے حکم سنائے نماز کا، روزہ کا، حج وغیرہ کا، ایمان کا حکم دیا مگر کسی جگہ یہ نہ فرمایا کہ یہ کام ہم بھی کرتے ہیں ہمارے فرشتے بھی کرتے ہیں اور مسلمانو! تم بھی کرو۔ صرف درود پاک کے لیے اس طرح فرمایا۔"

اس حکم ہی کی تعمیل میں آپ پر (آپ کی نسبت و تعلق سے صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیت پر) سلام و درود بھیجنے کو ایک مستقل عبادت کا درجہ عطا ہوا۔ درود کے آداب، اوقات، فضائل اور اقسام پر سینکڑوں رسائل و کتب کی تصنیف ہوئی اور احادیث رسولِ اکرم میں منقول درودوں کے علاوہ درود تاج، درود لکھی اور مختلف ناموں سے مشہور درودوں کے مجموعوں کی تالیف ہوئی۔

آیہ یصلون علی النبی کے علاوہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات نعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمایاں ماخذات میں شمار ہوتی ہیں۔

انک لعلی خلق عظیم (القلم: ۴)

بے شک آپ اخلاقِ حسنہ کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔

وکان فضل اللہ علیک عظیما — آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

انا اعطینک الکوثر (الکوثر: ۱) — ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین (الانبیاء: ۱۰۷) — ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب: ۲۱)

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

ورفعنا لک ذکرک (الم نشرح: ۴)

اور ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کیا۔

ان مقامات کے علاوہ وہ اسمائے مبارکہ جن سے قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے، ہر عہد کے نعت گو شعرا کے تخلیقی ذوق و شوق کا خاص طور پر محور و مرکز رہے ہیں۔ قرآن پاک میں آپؐ کے اسمائے صفات دراصل خالق کائنات کی آپؐ کی تعریف و توصیف میں کی گئی مختصر مگر بلیغ نعتیں ہیں۔ قرآن میں تمام پیغمبروں کو ان کے اصل ناموں سے مخاطب کیا گیا ہے مگر یہ اعزاز حضور اکرمؐ ہی کو حاصل ہے کہ اس میں آپؐ کے اسمائے گرامی محمد اور احمد کے علاوہ جگہ جگہ آپؐ کے لئے صفاتی ناموں کا استعمال کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے صفات کو جمع کرنے اور نظم کرنے کی تحریک کا آغاز قرآن کریم ہی سے ہوا۔ ان گنت مفسرین، محدثین اور سیرت نگاروں نے اسمائے رسولؐ کے ضمن میں جداگانہ رسائل و کتب اور ابواب تحریر کئے ہیں جن میں ان اسما کی تشریح، معانی اور ان کے اوراد و وظائف کے اثرات و برکات کا ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں ہم آگے چل کر وضاحت سے گفتگو کریں گے۔ ذیل میں صرف انہیں اسمائے رسولؐ کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا حوالہ قرآن مجید میں ملتا ہے۔ مولانا سید حسین مثنیٰ ندوی نے "نعت رسول کریمؐ بآیات قرآن حکیم" کے عنوان سے ان ناموں کی نشاندہی یوں کی ہے۔

وہ مصطفےٰ ہیں	ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابراھیم	۳۳	آل عمران
مجتبےٰ ہیں	ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء	۱۷۹	,,
احمد ہیں	ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد	۶	صف
محمد ہیں	محمد رسول اللہ	۲۹	فتح
یٰس ہیں	یٰس ہ والقرآن الحکیم ہ انک لمن المرسلین ہ	۱	یٰس
طٰہٰ ہیں	طٰہٰ ہ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ	۱	طٰہٰ
کملی والے ہیں	یاایھا المزمل	۱	مزمل
چادر والے ہیں	یاایھا المدثر	۱	مدثر
نبی امی ہیں	الذین یتبعون الرسول النبی الامی	۱۵۷	اعراف
داعی الی اللہ ہیں	وداعیا الی اللہ باذنہ	۴۶	احزاب

ہادی و منذر ہیں	انما انت منذر و لکل قوم ھاد	۷ رعد
روشن چراغ ہیں	و سراجا منیرا	۴۶ احزاب
شاہد ہیں	انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا	۴۵ 〃
بشیر و نذیر ہیں	وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا	۲۸ سبا
مزکی نفوس انسانی ہیں	و یزکیھم	۱۶۴ آل عمران
معلم کتاب و حکمت ہیں	و یعلمھم الکتب والحکمۃ	〃 〃
نور ہیں	قد جاءکم من اللہ نور و کتب مبین	۱۵ مائدہ
تاریکیوں سے نکالنے والے ہیں	لتخرج الناس من الظلمات الی النور	۱ ابراہیم
غلط بندھنوں سے نجات دلانیوالے ہیں	و یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم	۱۵۲ اعراف
وہی ہر بات کے شارح ہیں	لتبین للناس ما نزل الیھم	۴۴ نحل
حامل صدق ہیں	والذی جاء بالصدق	۳۳ زمر
مرکز حق ہیں	یایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم	۱۷۰ نساء
برہان ہیں	قد جاءکم برھان من ربکم	۱۷۴ 〃
حاکم برحق ہیں	لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ	۱۰۵ 〃
صاحب قول فیصل ہیں	ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم	۳۶ احزاب
سراپا ہدایت ہیں	وانہ لھدی و رحمۃ للمؤمنین	۲۷ نمل
سراپا رحمت ہیں	وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین	۱۰۷ انبیاء
رؤف و رحیم ہیں	حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم	۱۲۸ توبہ
تمہارے گواہ ہیں	لیکون الرسول علیکم شھیدا	۷۸ حج
صاحب خلق عظیم ہیں	انک لعلی خلق عظیم	۴ قلم
اول المؤمنین ہیں	امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ	۲۸۵ بقرہ
اول المسلمین ہیں	وانا اول المسلمین	۱۶۳ انعام
خاتم النبیین ہیں	ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین	۴۰ احزاب

عبدہ (کامل) ہیں	سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلا	۱ بنی اسرائیل
صاحب کوثر ہیں	انا اعطینٰک الکوثر	۱ کوثر
صاحب رفعت شان و شہرت دوام	ورفعنا لک ذکرک	۴ الم نشرح
ایمان والوں کی جان سے	النبی اولٰی بالمومنین من انفسہم	
بھی زیادہ عزیز اور پیارے		۶ احزاب

قرآن نعت گوئی کا ایک اہم مآخذ ہے اور ہر زبان اور دور کے نعت گو شاعروں نے آنحضرتؐ کے اوصاف و خصائل کے بیان کے لئے قرآن مجید کی ان آیات اور اسمائے مبارکہ سے رجوع کیا ہے جو آنحضرتؐ سے متعلق ہیں۔ قرآن سے استفادہ میں اردو نعت گو شاعروں کے ہاں خاصا تنوع نظر آتا ہے۔ بعض شاعروں نے قرآن کی آیات یا آیات کے حصوں کو بعینہٖ نعتیہ شاعری میں استعمال کیا ہے۔ بعض جگہ حروفِ مقطعات الٰم، طٰہٰ، ن، ص وغیرہ کی نشاندہی سے حضور اکرمؐ کے مقام و مرتبہ اور اوصاف و خصائل کے تذکار کو مزین کیا ہے۔ بعض جگہ عربی آیات اور ان کے حصوں کی بجائے ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ اور بعض جگہ قرآن کریم سے ابھرنے والے تصور رسولِ اکرمؐ کا مجموعی تاثر پیش کر دیا گیا ہے۔ عصرِ جدید میں مولانا احمد رضا خان بریلوی اور عصرِ حاضر میں عبدالعزیز خالد کی نعت گوئی قرآن کریم سے استفادہ کے عمدہ نمونے نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ کم و بیش ہر نعت گو کے ہاں مضامین و موضوعات اور الفاظ و اسلوب میں قرآن کی جھلک مل جاتی ہے۔ ذیل میں مختلف شاعروں کے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

اندھیری رات کے پردے سے کی حق نے سحر پیدا
ہوا ہر بصیرت کحلِ مازاغ البصر پیدا

اٹھا غارِ حرا سے ابرِ رحمت شانِ حق لے کر
لب اقرأ باسم ربک الذی خلق لے کر

کیا کیجئے بیانِ کمالِ نبی میں آپؐ کے کمال الم نشرح
محبوبِ خدا ہیں وہی تو کیسے ہے آپؐ کا جمال الم نشرح

ہے بیانِ رفعتِ شانِ نبیؐ رفعنا ذکرک سے ظاہر
او قد جاءتکم موعظۃً سے، بیان خصائل الم نشرح ؎

ما ینطق عن الھویٰ الّا دلیل ہے
ناطق تھی وحی حق سے ہی گفتارِ مصطفےٰؐ ؎

ما رمیت اذ رمیت میں جو معنی ہیں نہاں
کیا کوئی سمجھے جو ہے سرِ نہانِ مصطفےٰؐ ؎

امجد حیدر آبادی کی نعتیہ رباعیات میں ھوالظاہر ھوالباطن / رحمۃ للعالمین / ما زاغ البصر و ما طغیٰ وغیرہ کے عنوانات نہ صرف قرآن سے ماخوذ ہیں بلکہ ان رباعیوں کے موضوعات و مضامین بھی قرآن ہی سے لئے گئے ہیں۔ مضامین کے علاوہ قرآن میں دیئے گئے اسمائے رسولِ مقبولؐ کو بھی نعتیہ شاعری میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ درجِ ذیل شعر دیکھئے۔

اس بشیر و نذیر و شاہد پہ
نور الانوار پُر ضیا پہ درود
صاد و یٰسین و نون و طٰہٰ پہ
صاحب السیف و اللوا پہ درود ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ ؎

عصرِ حاضر میں عبد العزیز خالد، حافظ لدھیانوی، حافظ مظہر الدین، حفیظ تائب اور دوسرے متعدد نعت گو شاعروں نے اپنے نعتیہ کلام کو قرآنی حوالوں سے وقیع بنایا ہے۔ ذیل میں حفیظ تائب کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔ قرآنی آیات کی نشاندہی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے اپنے دیباچہ میں کی ہے۔

یہ حریصٌ علیکم کی تفسیر ہے
مفلسوں بے کسوں کے نصیر آپؐ ہیں (التوبہ ۱۲۸)

خلقِ عظیم و اسوۂ کامل حضورؐ کا
آدابِ زیست سارے جہاں کو سکھا گیا (القلم ۴ ۔ احزاب ۲۱)

نہ جھپکی آنکھ جس کی روبروئے حضرتِ باری
سرِ قوسین ذاتِ ربِ عزت دیکھنے والا (النجم ۱۷)

حدیث

نعت کا دوسرا بڑا ماخذ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے جسے اسلامی افکار و خیالات اور شریعت عقائد میں قرآن مجید کے بعد نقش مانا جاتا ہے۔ حدیث کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور ایسے واقعات جو آپ کے سامنے پیش آئے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی (جسے اصطلاحاً تقریر کہتے ہیں) غرض پیغمبر کے اقوال و افعال و تقریر کا نام حدیث ہے۔ [۱۲]

حدیث کے مفہوم میں اثر، خبر اور سنت کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً سنت کا لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفےٰ السباعی نے حدیث اور سنت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے اور سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول، فعل، تقریر، جسمانی یا اخلاقی صفت اور سیرت قبل یا بعد از بعثت منقول ہو اس کو سنت کہتے ہیں۔" [۱۳]

غرض اسلامی عقائد، عبادات، معاملات اور ملتِ اسلامیہ کی دینی روایات کا پورا مجموعہ حدیث کہلاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حدیث کی حفاظت و روایت منظور و مطلوب تھی یہی وجہ تھی کہ آپ جب گفتگو فرماتے تو آہستہ آہستہ اور خوب وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتے کہ سننے والے کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔ ضروری باتوں کو آپ تین تین مرتبہ بھی دہراتے تا کہ حاضرین خوب یاد کر لیں۔ چنانچہ آپ نے روایت حدیث کی ترغیب دلاتے ہوئے مختلف مواقع پر ارشادات فرمائے۔

فلیبلّغ الشاھد الغائب

ترجمہ: یہ جو موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک پہنچا دیں۔

تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممّن یسمع منکم

ترجمہ: تم مجھ سے سنتے ہو دوسرے لوگ تم سے سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے۔ [۱۴]

حدیث رسول اکرمؐ کی تدوین کا کام آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ آپؐ کے ارشادات افعال کے متعلق معلومات کا پہلا مستند حوالہ وہی صحابہؓ و صحابیاتؓ ہیں جنہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنے اور آپؐ کے افعال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسے ذہن میں یا کاغذ پر محفوظ کر لیا۔ آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ ہی میں بعض ایسے صحابہؓ بلکہ صحابیاتؓ کا سراغ ملتا ہے جنہوں نے حدیث کے اپنے اپنے مجموعے

تیار کر لئے تھے۔ زمانۂ مابعد میں حدیث کی تدوین کی باقاعدہ تحریک شروع ہوئی اور روایت و درایت کی روشنی میں نہ صرف حدیث کے مستند مجموعے مرتب ہوئے بلکہ ان کی تفصیلی شروح بھی لکھی جانے لگیں۔ یوں تو حدیث کے چھوٹے بڑے مجموعوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر ان میں چھ اہم کتابیں ہیں جن کے مصنفوں کو صحیح العقیدہ مسلمانوں نے عام طور پر مستند تسلیم کیا ہے۔ مختصراً الکتب الستۃ (یعنی چھ کتابیں) یا الصحاح الستۃ (یعنی چھ قابلِ اعتماد مجموعے) کہلاتی ہیں۔

ان کے مؤلفوں کے نام یہ ہیں:

امام بخاری	۱۹۴ھ — ۲۵۶ھ	الجامع الصحیح
امام مسلم	۲۰۴ھ — ۲۶۱ھ	صحیح مسلم
امام ابوداؤد	۲۰۲ھ — ۲۷۵ھ	سنن ابوداؤد
امام ترمذی	۲۱۵ھ — ۲۷۹ھ	جامع ترمذی
امام نسائیؒ	۲۱۵ھ — ۳۱۲ھ	سنن نسائیؒ
ابن ماجہ	۲۰۹ھ — ۲۷۳ھ	سنن ابنِ ماجہ

حدیث کی یہ کتابیں (صحاح ستہ) جو سب کی سب تیسری صدی ہجری میں مدون ہوئیں قرآن مجید کے بعد جو خدا کا کلام ہے دوسرے درجے کی نص تصور ہوتی ہیں۔ البخاری اور مسلم کے مجموعوں کی خاص طور پر بہت قدر و منزلت ہے اور انہیں الصحیحین (یعنی دو صحیح کتابیں) کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسے دو مجموعے جو خاص طور پر مستند ہیں ان دونوں کتابوں میں صرف وہ حدیثیں مندرج ہیں جو بالکل صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے چار مؤلفین کے مجموعوں میں جو حدیثیں درج ہیں وہ تقریباً سب کی سب سنن سے متعلق ہیں اس لئے ان کے مجموعے عام طور پر ملا کر "سنن اربعہ" کے نام سے موسوم ہیں۔

احادیث نبوی متنوع موضوعات و مضامین پر مشتمل ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق اسلامی عقائد، فرائضِ دینی ارکان و احکام اسلام، آداب و اخلاق، معاملات و معاشرت کے طریق، طعام و لباس، غسل و طہارت کے مسائل اور اسلامی تعزیرات سے ہے کچھ کا تعلق قیامت، جزا و سزا، دوزخ و بہشت، وحی، انبیائے کرام اور ملائکہ سے ہے۔ احادیث کا ایک بڑا حصہ آپ کی سیرت و سوانح، اخلاق و خصائل، غزوات و معجزات، ولادت و وفات، حسب و نسب، ازواج مطہرات اور صحابہ کرامؓ سے آپ کے معاملات و تعلق کے بیان پر مشتمل ہے بہت سی احادیث آپ کے مواعظِ حسنہ، ارشادات، خطبات، دعائیں، اخلاقی تعلیمات کے بیان میں ملتی ہیں۔

نوٹ کی تحقیق میں جن احادیث کو ماخذ و منابع کی حیثیت حاصل ہے ان کا تعلق اسی (مذکورہ بالا) موخرالذکر

حصہ سے ہے ۔ یوں تو کم و بیش حدیث کا ہر پہلو نعتیہ منظومات کا موضوع ہے مگر نعت نگاروں نے آپؐ کی سیرت و سوانح کو منظوم کرنے میں زیادہ توجہ آپؐ کی ولادت ، بعثت ، معراج ، ہجرت ، غزوات ، معجزات ، خطبہ حجۃ الوداع اور وفات مبارک کے بیان کو دی ہے ۔ اسی طرح آپؐ کی مدح و توصیف کے ذکر میں ان احادیث کو پیش نظر رکھا ہے جن کا تعلق آپؐ کے حلیہ مبارک ، سراپا مبارک ، عادات و خصائل (حیا ، حلم ، شفقت ، صلہ رحمی عفو و درگذر) اخلاق و تواضع ، مہمان نوازی ، سخاوت وغیرہ ، خطبات و ارشادات ، پیغام نبوت و منصبِ رسالت ختمِ نبوت اور رحمت للعالمین سے ہے ۔

احادیث کا وہ حصہ خاص طور پر ہر زبان اور ہر عہد کے نعت گو شعراء کی توجہ کا مرکز رہا جن میں واضح طور پر آپؐ کی توصیف اور مدح کا بیان ہے ۔ احادیث کے بعض مجموعوں میں ان احادیث کو علیحدہ ابواب میں جمع کیا گیا ہے جن میں آپؐ کے مناقب و فضائل کا ذکر ہے مثلاً مشکوٰۃ شریف میں فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے جس میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہیں جن میں یا تو آپؐ کی اپنی زبانِ مبارک سے یا صحابہ کرامؓ اور ازواجِ مطہراتؓ سے آپؐ کی تعریف اور خصائل و فضائل کی توصیف کا اظہار کیا گیا ہے ۔ سنن ترمذی میں بھی مناقب النبیؐ پر ایک باب موجود ہے ۔ علاوہ ازیں شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے امام ترمذی نے ایک علیحدہ مجموعۂ احادیث بھی مرتب کیا ہے جس میں آپؐ کے حلیہ مبارک ، اشیائے استعمال ، لباس و خوراک ، عبادات و عادات ، طریقِ نشست و رفتار ، آپؐ کے نعلین ، پسینہ ، بال ، مہرِ نبوت اور اسمائے مبارک کی فضیلت اور توصیف کا بیان ہے ۔

نعت گو شعرا کی تحریک و تخلیق کا بڑا ماخذ ایسی ہی احادیث ہیں جن کے مطالعہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا ادراک ، آپؐ کی فضیلت و شرف کا احساس اور ان کی اطاعت و پیروی کا شوق پیدا ہوتا ہے ۔ نیز رسولِ اکرمؐ کی ذات ستودہ صفات سے عشق و محبت کے جذبات میں شدت و اضافہ ہوتا ہے ۔ احادیث نبویؐ آپؐ کی سیرت و سوانح کا اتنا وقیع اور اہم اثاثہ ہے کہ آپؐ کے سیرت اور نعت نگار کے لئے اسی کی طرف رجوع لازم ہے ۔ آپؐ کی حیات مبارک سے لے کر آج تک کے نعت گو شعرا نے اس مستقل سرچشمہ سے کماحقہٗ فیض اٹھایا ہے ۔

حدیث کا اثاثہ چونکہ حضور اکرمؐ کی سیرت و سوانح کے ان گنت پہلوؤں پر مبنی ہے لہٰذا آپؐ کی ولادت و وفات اور عادات و خصائل اور پیغام و تعلیم سے لے کر آپؐ کی شخصیت کے فیوض و برکات تک ہزارہا موضوعات کے اخذ کے لئے نعت نگاروں نے حدیثِ رسول اکرمؐ ہی سے رجوع کیا ہے ۔ آپؐ کے بارے میں لکھے گئے میلاد نامے ، معراج نامے ، جنگ نامے ، وفات نامے اور آپؐ کی منظوم سیرتیں جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے ، احادیث ہی کے سرمایہ سے ماخوذ ہیں ۔ احادیث کے باطن میں آپؐ کی ہمہ گیر شخصیت جیتی جاگتی اور چلتی

پھرتی نظر آتی ہے۔ آپؐ کے سراپا مبارک سے لے کر آپؐ کے اوصافِ حمیدہ، آپؐ کا ازواجِ مطہراتؓ سے سلوک، صحابہ کرامؓ کی آپؐ سے محبت، آپؐ کی ہجرت، غزوات، معجزات وغیرہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آپؐ کے عہد اور معاشرت و تمدن کی بے شمار جھلکیاں، تاریخ و تہذیب کے لاتعداد پہلو بھی مجموعہ ہائے احادیث میں سمٹ آئے ہیں لہٰذا آپؐ کی شخصیت کے قریبی اور تفصیلی مطالعہ کے لئے قرآن کے بعد سب سے بڑا ماخذ حدیثِ رسول اکرمؐ ہی ہے۔

اردو کی نعتیہ شاعری میں احادیثِ رسول اکرمؐ کا تذکرہ تین طرح سے ملتا ہے:

ایک تو یہ کہ کسی حدیث کے عربی الفاظ و تراکیب کا نعت میں استعمال۔

دوسرا یہ کہ کسی حدیث کے ترجمہ کو موضوعِ نعت بنانا۔

اور تیسرا کسی حدیث کا منظوم ترجمہ۔

اردو نعت گوئی کے ہر دور میں نعت گو شاعروں نے مذکورہ بالا تینوں حوالوں سے احادیث کو نعت گوئی کے اہم ماخذ کے طور پر برتا ہے۔ آئندہ ابواب میں شاعروں کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیتے ہوئے ان مقامات، موضوعاتِ نعت کی نشاندہی کی گئی ہے جو احادیث سے اخذ کئے گئے ہیں تاہم یہاں بھی ملی جلی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِّ کسرائی و خاقانی [۱]

کنت کنزاً کا رازِ مخفی ہے
مخزنِ لطف و اتقا ہے درود [۲]

"لولاک لما خلقت الافلاک" کا حوالہ و ترجمہ اردو نعت گوئی میں بکثرت ملتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہیں تو ہو [۳]

مولانا ظفر علی خاں، راسخ عرفانی اور دوسرے کئی شاعروں نے بعض احادیث کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ظفر علی خاں کے مجموعۂ شاعری "خیابانِ" میں اس کے متعدد نمونے ملتے ہیں جبکہ راسخ عرفانی کا "حسنِ کلام" احادیثِ منظوم ہی پر مشتمل ہے۔

ان کے علاوہ عبدالعزیز خالد کی شاعری میں کثرت کے ساتھ احادیثِ نبویؐ کے حوالے ملتے ہیں۔ نعتِ خالد میں احادیثِ نبویؐ کا استعمال بذاتِ خود ایک تفصیلی جائزہ کا مستحق ہے۔

کتب سیر و مغازی

قرآن مجید اور احادیثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نعت کے مآخذ و منابع میں تیسرا نام کتبِ سیر و مغازی کا ہے۔ سیر و مغازی محدثین اور اربابِ رجال کی ایک قدیم اصطلاح ہے۔ بقول مولانا شبلی:

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے ہیں ۔۔۔۔ فقہ میں جو باب کتاب جہاد والسیر باندھتے ہیں اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔ ۵ے

سیر و مغازی کی ان کتابوں میں درج ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

امام زہری (۱۲۴ھ) کی کتاب المغازی ـــــ محمد بن اسحٰق (م ۱۵۱ھ) کی کتاب المغازی ـــــ ابنِ ہشام (۱۳۴ھ/۲۱۵ھ) کی سیرت ابنِ ہشام، جو دراصل محمد بن اسحٰق ہی کی کتاب المغازی کی ایک اضافہ شدہ شکل ہے اور اصل کتاب کی نایابی کے سبب زیادہ اہمیت کے لائق ہے ـــــ محمد بن عمر الواقدی ـــــ (م ۲۰۷ھ) کی کتاب السیرۃ اور کتاب تاریخ المغازی ـــــ ابنِ سعد (م ۲۳۰ھ) کی طبقات ابنِ سعد ـــــ ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ البغدادی (م ۲۹۹ھ) کی تاریخ کبیر ـــــ امام طبری (م ۳۱۰ھ) کی تاریخ کبیر ـــــ عبدالرحمٰن سہیلی (م ۵۸۱ھ) کی روض الانف جو دراصل سیرت ابنِ اسحٰق کی شرح ہے ـــــ ابنِ عبد البر (م) کی سیرت ابن البر ـــــ ابنِ سید الناس (م ۷۳۴ھ) کی عیون الاثر ـــــ قسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی مواہب اللدنیہ ـــــ زرقانی (م) کی زرقانی علی المواہب وغیرہ وغیرہ ۲ے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح پر یوں تو ہزاروں کتابیں لکھی گئیں مگر ان میں امہات الکتب کا درجہ انہیں کتابوں کو حاصل ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں بھی ابنِ اسحٰق، واقدی، ابنِ سعد اور طبری زیادہ اہمیت کے لائق ہیں۔ آپؐ کی سیرت پر لکھی جانے والی ہر کتاب کا سلسلہ کم و بیش انہی کی کتابوں پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی کتابیں چونکہ ان کے بعد میں لکھی گئیں لہٰذا ان میں لکھے گئے واقعات اور روایات زیادہ تر انہیں ابتدائی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

سیرت النبیؐ کے اس اولین اثاثے کا نعت کی تدوین و تخلیق میں بڑا اہم اور موثر مقام ہے۔ ایک تو ان کتابوں

میں وہ تمام اشعار محفوظ ہو گئے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور دوسری اسلامی جنگوں سے متعلق تھے دوسرے یہ کہ آپ کی مدح و توصیف میں کہا جانے والا ابتدائی شعری سرمایہ خصوصاً صحابہ اکرام رضی کے اشعار سیر و مغازی کے تذکرے کے حوالے سے ان کتابوں میں جگہ پا گئے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت رسول اکرم کی طرح نعت رسول اکرم کے آغاز و ارتقاء کی تلاش میں بھی انہیں امہات الکتب سیرت سے رجوع کیا جاتا ہے۔

نعت کے اوّلین نمونوں کے علاوہ ان کتابوں میں مذکور روایات کو بعد میں آنے والے شاعروں نے اپنی نعتوں کا موضوع بنایا۔ مولود ناموں، جنگ ناموں، معجزات ناموں، معراج ناموں اور منظوم سیرتوں میں تو ان روایات کو کثرت اور تسلسل سے قلمبند کیا گیا ہے مگر ان کے سادہ نعتیہ غزلیں، رباعیوں، مثنویوں اور نظموں میں بھی ایسی روایات و واقعات کو تکرار سے استعمال کیا جاتا ہے جو ان کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اردو کے نعت گو شاعروں نے آنحضرتؐ کی کتب سیرت سے بطور خاص استفادہ کیا ہے۔ اردو نعت کے ہر دور میں صحت واقعات اور اسنادِ روایات کے لیے اہم اور مستند کتب سیرت سے رجوع کیا جاتا رہا۔ اردو نعت میں اس "رجوع" کی عام طور پر درج ذیل شکلیں ملتی ہیں۔

۱۔ سیرت کے واقعات پر نعتیہ نظمیں لکھی گئیں۔

۲۔ غزوات و معجزاتِ نبویؐ کی تفصیلات میں کتب سیرت و مغازی سے استفادہ کیا گیا۔

۳۔ آپؐ کی کتب سیرت کی روشنی میں منظوم سیرتیں لکھی گئیں۔

یوں تو ہر نعت گو کے ہاں ایسے حوالے مل جائیں گے جن کا مرجع سیرت کی کوئی نہ کوئی کتاب ہو مگر طویل منظومات اور مثنویوں میں جگہ جگہ کتب سیر و مغازی سے رجوع کیا گیا ہے۔ مولوی محمد باقر آگاہ نے "ہشت بہشت" کے دیباچہ میں ان کتب سیرت کا حوالہ دیا ہے جو ان کے پیش نظر رہیں۔ چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

کتاب الشفاء۔ شمائل ترمذی۔ اصابہ۔ وفا الوفا۔ روضۃ الاحباب۔ معارج النبوۃ۔ شواہد النبوۃ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح حفیظ جالندھری نے "شاہنامہ اسلام" کے حواشی اور محشر رسول نگری نے "فخر کونین" کے اختتامیہ میں ان کتب سیرت کی نشاندہی کی ہے جو ان کی طویل منظومات میں ماخذات کی حیثیت رکھتی ہیں۔

طویل منظومات کے علاوہ مولانا حالی، شبلی، طباطبائی، مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال کے ہاں ایسی نظمیں ہیں جن کے مضامین و موضوعات سیرت رسول اکرمؐ کی کتب سے اخذ کئے گئے ہیں۔

یوں تو سیرت کی کم و بیش سبھی کتابیں اہم نعت گو شعراء کے پیش نظر رہیں مگر جن کتابوں سے سب سے زیادہ استفادہ کیا گیا ان میں سیرت ابن ہشام، خصائص الکبریٰ (علامہ سیوطی) قابل ذکر ہیں۔ میلاد ناموں میں خصائص الکبریٰ

کی روایات کو بطورِ خاص مآخذ بنایا گیا ہے۔ اسی طرح آپؐ کے اوصاف و خصائل کے تذکرے میں شمائلِ ترمذی جو جزوی طور پر سیرت ہی سے متعلق ہے، بھی ایک اہم مآخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

الہامی صحائف اور مذہبی کتب

نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور مآخذ (قرآن کے علاوہ دیگر) الہامی صحائف اور مذہبی کتب کا وہ حصہ ہے جس میں آپؐ کا ذکرِ مبارک مختلف حیثیتوں میں آیا ہے۔ ان صحائف میں آپؐ کے بارے میں مندرجات کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ ایک تو مبشرات کا جس میں ایک پیغمبر کی حیثیت سے آپؐ کے مبعوث ہونے کی پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔ اور دوسرا پہلو آپؐ کے اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ طیبہ کے تذکار سے متعلق ہے۔ ان کتابوں میں آپؐ کو بعض ایسے توصیفی اسمائے سے بھی یاد کیا گیا ہے جو آپؐ سے پہلے کسی دوسرے پیغمبر کے لئے استعمال نہیں ہوئے اور قرآن و حدیث رسول اکرمؐ سے جس کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔ آپؐ کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کے بشارت کا قرآن کریم نے یوں ذکر کیا ہے:

"اور یاد کرو عیسیٰؑ بن مریمؑ کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے۔ اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسولؐ کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔"

الصف: ۶

علاوہ ازیں جیسا کہ قرآن نے خود کہا ہے:

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ ۝

جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ الاعراف: ۱۵۷

کئی اور مقامات پر بھی قرآن نے توراۃ و انجیل میں آپؐ کے بارے میں واضح نشاندہی کا ذکر کیا ہے مثلاً سورۃ البقرہ آیات ۵۵، ۵۶، ۶۲، ۸۹۔ اور سورۃ الاعراف آیات ۱۵۵، ۱۷۱۔ وغیرہ وغیرہ۔

احادیثِ رسول اکرمؐ میں بھی کتبِ سابقہ سے ان مبشرات کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کی بڑی مشہور حدیث ہے:

انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسیٰؑ (یعنی میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہوں اور حضرت عیسیٰؑ نے میری ہی بشارت دی تھی)۔

ایک اور جگہ ارشادِ رسولؐ ہے:

انا دعوۃ ابی ابراھیمؑ یعنی میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بعض دوسرے انبیائے کرامؑ سے بھی آپؐ کے مبشرات منسوب ہیں۔ 'جواہر البحار فی فضائل النبی المختار' کے مصنف اسی ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جبریل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے اور آپؐ کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے عہد لے کہ اگر وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ انبیائے کرام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے ـــــ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرکے ان سے اس بات کا عہد لیتے رہا کریں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائل مصطفےٰ سے آگاہ کرتے اور حبیبؐ پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے۔"[۱۳]

تورات، زبور اور انجیل میں متعدد مقامات پر ان کوائف و احوال کا تفصیلی ذکر موجود ہے جن کے پس منظر میں آپ کی بعثت مبارک کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں۔ ان مقامات کی تفاسیر کا مطالعہ کرنے سے ایسی واضح داخلی شہادتیں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ جن کے مصداق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرار پاتے ہیں۔ مثلاً تورات کی یہ صریح پیشین گوئی دیکھئے:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔"

استثناء باب ۱۸۔ آیات ۱۵ ـ ۱۹

اس کے علاوہ تورات و انجیل کے حسب ذیل مقامات[۱۴] پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق صاف شہادتیں اور واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

متی۔ باب ۲۱۔ آیات ۴۳ ـ ۴۶ ـــــ یوحنا۔ باب ۱۱۔ آیات ۱ ـ ۲۱ ـــــ یوحنا۔ باب ۱۴۔ آیات ۱۵۔۱۶۔۲۵۔ ۲ ـــــ یوحنا۔ باب ۱۵۔ آیات ۲۵ـ۲۶ ـــــ یوحنا۔ باب ۱۶۔ آیات ۷ـ ۱۵ ـــــ

ان مقامات میں مندرجہ آیات کی تصریحات کا جائزہ لینے کے بعد اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں

رہ جاتی کہ آپؐ کے سوا کوئی ان بشارات کا مصداق نہیں۔ مثلاً ان میں سے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روحِ حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے۔"

یوحنا ۱۴ : ۱۶ - ۱۷

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"

یوحنا ۱ : ۲۵ - ۲۶

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔"

یوحنا ۱۴ : ۳۰

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا تو سچائی کی راہیں بتا دے گا۔"

یوحنا ۱۶ : ۱۲ - ۱۳

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔"

یوحنا ۱۶ : ۱۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کم و بیش تین ہزار سال قبل آپؐ کے بارے میں یہ نوید سنائی:

"وہ عربی ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا۔ وہ اپنے سب بھائیوں کے درمیان بود و باش کرے گا۔"

پیدائش باب ۱۶ : ۱۲

حضرت موسیٰؑ نے آپؐ کی آمد کی نشاندہی یوں فرمائی:

"خدا سینا سے نکلا۔ سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔"

استثناء باب ۳۳ : ۲

یہاں نہ صرف فتح مکہ کی بشارت ہے بلکہ آپؐ کے ساتھ مقدس صحابہ کی پاکیزگی کی بھی بشارت موجود ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے تسبیحاتِ سلیمان میں آپؐ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

"وہ ٹھیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ وہ میرے محبوب ہیں میری جان۔" پ ۵ : ۱۲

حضرت یسعیاہ نے ایک جگہ آپ کے اُمّی ہونے کی یوں پیشین گوئی کی ہے:

"ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھ۔ وہ کہتا ہے کہ میں ان پڑھ ہوں۔ پڑھ نہیں سکتا۔"

یسعیاہ۔ باب ۲۹ : ۱۲

اس میں غارِ حرا کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی لائے اور انہوں نے آپ کو سورۃ علق کی ابتدائی آیات پڑھنے کو کہا۔

زبور کا باب ۴۵ آپ کی توصیف سے عبارت ہے۔ اس میں آپ کے اوصافِ حمیدہ کے بیان کے ساتھ ساتھ آپ کے بارے میں کثرت سے پیشین گوئیاں کی گئی ہیں۔ اس باب میں آپ کا حسین و جمیل ہونا۔ قوی اور طاقتور ہونا۔ تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہونا۔ فصیح ہونا۔ مجاہد و غازی ہونا۔ مبارک ہونا۔ تیرانداز ہونا اور میدانِ سپاہ کا شہسوار ہونا۔ مخلوق کا آپ کے تابع فرماں بردار اور غلام ہونا۔ آپ کے کپڑوں سے مشک عنبر سے بڑھ کر خوشبو آنا۔ آپ کے گھر میں بادشاہوں کی بیٹیوں کا ہونا۔ اولاد کا رئیس اور سردار ہونا۔ ہر جگہ آپ کی بزرگی کا تذکرہ ہونا۔ تمام لوگوں میں آپ کی یاد اور ابدالآباد تک اور ہمیشہ ان کا ذکرِ خیر جاری و ساری رہنا۔ ایسے بدیع اوصاف و آثار کا ذکر ہے جن کا مرجع صرف حضور اکرمؐ ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔ مولانا ابوالحامد قادری نے اس باب کا ترجمہ کیا ہے جو نثری نعت کا ایک بہترین نمونہ نظر آتا ہے۔[۷۹]

حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ اور روایات بھی مروی ہیں جن میں وحی کے ذریعے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی دی گئی ہے۔ سیوطی نے حضرت وہب بن منبہؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خوشخبری دی کہ:

"اے داؤد! عنقریب تیرے بعد ایک نبی اور آنے والا ہے جس کا نام احمد محمد صادق نبی ہوگا۔ ۔ ۔ ۔
اے داؤد! میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی امت کو سب امتوں پر فضیلت دی۔"[۸۰]

سیوطی کہتے ہیں کہ مجھے زبور کے ایک ایسے نسخے کا علم ہے جس کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں اور میں نے اس کی چوتھی سورت میں لکھا دیکھا ہے کہ:

اے داؤد! جو میں تمہیں فرماتا ہوں اس کو غور سے سن اور حضرت سلیمانؑ کو حکم دے جو کہ تیرے بعد ہوگا۔ وہ لوگوں کو بتائے کہ بے شک زمین میری ہے اور میں زمین کا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت کو وارث بناؤں گا۔[۸۱]

معارج النبوۃ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک اور واقعہ نقل ہوا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے خدا تعالیٰ سے پوچھا کہ جب میں زبور پڑھتا ہوں تو ایک نور ظاہر ہوتا ہے جس سے میرے دل کو چین ملتا ہے اور تمام عبادت خانہ نور سے

منوّر ہوجاتا ہے اور در و دیوار اور محراب حرکت کرنے لگتے ہیں۔ اے پروردگار! یہ نُور کیسا ہے؟"
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک ہے۔ نیز فرمایا: "انہیں کے لیے میں نے دنیا و آخرت، آدم و حوّا اور دوزخ و جنت کو پیدا فرمایا ہے۔"[۳۴]

میر ابراہیم سیالکوٹی الہامی صحائف میں آپؐ کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"کتبِ سابقہ میں آپؐ کا مولد، آپ کا وطن و مسکن، آپ کا لہجہ، آپؐ کے جنگی اور اسلامی کارنامے آپؐ کے معجزات و برکات، آپؐ کے صحابہ کی نمایاں علامات و نشانات غرض سب کچھ نہایت وضاحت سے مکتوب و مذکور ہے اور باوجود عہد بہ عہد کی تحریفات لفظیہ و معنویہ کے ان جواہر ریزوں پر پردہ نہ پڑ سکا اور آپؐ کے معجزات ظہورِ قدسی نے ان تحریفات کی ظلمتوں کو دور کر دیا۔"[۳۵]

دوسری کتابوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر صرف برناباس کی انجیل میں ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مبشرات کا سراغ لگایا جائے تو آپؐ کی سیرت و سوانح اور صفات و خصائل کے بارے میں بہت سی صحیح اور وقیع معلومات ملتی ہیں۔ انجیل برناباس میں آپؐ کو نبیوں کا سرتاج (باب ۱۲: ۱۰) خدا کا رسولؐ (باب ۳۹: ۲۵-۲۶) مالک و مختار (باب ۴۱: ۹-۱۰) باعثِ تخلیقِ کائنات (باب ۳۹: ۲۶) کہا گیا ہے۔ نیز آدم علیہ السلام کے ناخنوں پر اسمِ محمدؐ لکھے جانے، نشانِ مصطفویؐ اور دینِ محمدیؐ، آپؐ کی برکات و عظمت، قیامت کو شانِ محبوبی، مقامِ محمود، شفاعتِ کبریٰ، آپؐ کے بارے میں دوسرے رسولوں کی گواہی، بادل کا آپؐ پر سایہ کرنا، چاند کا کلام کرنا، آپؐ کا رحمت للعالمین اور خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہے۔

دوسری کتابوں کی نسبت برناباس کی انجیل میں آپؐ سے متعلقہ بشارتیں زیادہ وضاحت کے ساتھ آئی ہیں۔ علمائے سیرت نے متعدد تصنیفات میں ان عبارات کی نشاندہی کی ہے جن پر صراحت سے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مبشرات کا اطلاق ہو سکتا ہے مثلاً درج ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"تمام انبیاء سوائے اس رسول اللہ کے آچکے ہیں جو میرے بعد آئے گا کیونکہ اللہ اسی امر کا ارادہ رکھتا ہے کہ میں اس کا راستہ صاف کروں۔"

(۳۶: ۶)

(آدم سے خطاب کرتے ہوئے اللہ کہتا ہے) "..... تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا اور یہ شخص جس کو تو نے دیکھا ہے تیرا ہی بیٹا ہے جو اس وقت کے بہت سال بعد دنیا میں آئے گا اور وہ میرا ایسا رسول ہوگا کہ اسی کے لیے میں نے سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ رسول کہ جب آئے گا دنیا کو ایک روشنی بخشے گا۔ یہ وہ نبی ہے کہ اس کی روح ایک آسمانی روشنی میں رکھی گئی ہے آٹھ ہزار

سال قبل اس کے میں کسی چیز کو پیدا کروں"۔

(۳۹: ۱۳—۲۸ پر مندرج واقعہ کا اقتباس)

"عنقریب میرے اور تمام نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی آئے گا تب وہ تمام نبیوں کے افعال کی تاریکی پر نور چمکائے گا کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے"۔ (۱۷: ۲۳)

"میں اپنے آپ کو اس کی مانند نہیں شمار کرتا جس کی نسبت تم کہہ رہے ہو کیونکہ میں اس لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسولِ اللہ کے موزے کے بند، یا جوتے کے تسمے کھولوں جس کو تم مسیا کہتے ہو، وہ جو مجھ سے پہلے پیدا کیا گیا اور اب میرے بعد آئے گا اور وہ بہت جلد کلامِ حق کے ساتھ آئے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہیں ہوگی"۔

(۴۳: ۱۶-۱۷)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک نبی جب وہ آتا ہے تو فقط ایک ہی قوم کے لئے اللہ کی رحمت کا نشان اٹھا کر لاتا ہے اور اسی وجہ سے ان انبیاء کا کلام اس قوم سے آگے نہیں بڑھا جس کی جانب وہ بھیجے گئے تھے لیکن رسول اللہ جب آئے گا اللہ اس کو گویا وہ چیز عطا کرے گا جو اس کے ہاتھ کی انگشتری کی مانند ہے۔ پس وہ زمین کی تمام قوموں کے لئے فلاح اور رحمت لائے گا جو اس کی تعلیم کو قبول کریں گے اور عنقریب وہ ظالموں پر ایک زور کے ساتھ آئے گا اور بتوں کی عبادت کو مٹا دے گا۔ شیطان ذلیل و خوار ہوگا کیونکہ اللہ نے ابراہیم سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے....."

(۴۳: ۸-۲۱ سے اقتباس)

"..... وہ ایسا انسان ہے کہ اللہ کے راز اس پر پوری طرح واضح اور جلی ہوں گے۔ پس خوش نصیب ان لوگوں کے جو اس کے کلام پر کان لگائیں گے جب وہ دنیا میں آئے گا، اس لئے کہ اللہ اس پر سایہ کرے گا جیسے کہ یہ کھجور کا درخت ہم پر سایہ کر رہا ہے۔ ہاں بے شک جس طرح یہ درخت ہم کو جلانے والے آفتاب کی دھوپ سے بچاتا ہے ویسے ہی اللہ کی رحمت ایمان والوں کو اس نام کے ذریعے شیطان سے بچائے گی"۔

شاگردوں نے دریافت کیا: "اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا"۔

یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا: "بے شک وہ محمد (سریانی منحمنا کا ترجمہ) رسول اللہ ہے اور جب وہ دنیا میں آئے گا تو اس رحمت کے وسیلے سے جس کو وہ لائے گا انسانوں کے درمیان

نیک اعمال کا ذریعہ بنے گا جس طرح بارش کے عرصہ دراز تک بند رہنے کے بعد مینہ زمین کو بارآور کرتا ہے پس وہ سفید ابر اللہ کی رحمت سے بھرا ہوا ہے اور یہی رحمت ہے کہ اللہ اس کی پھوار ایمان والوں پر پانی کی بوندوں کی طرح نثار کرے گا۔"[۴۴]

(۱۶۴ : ۲-۱۱) سے اقتباس

برنباس کی انجیل[۴۵] حیرت انگیز حد تک آپؐ کی بشارت سے عبارت ہے۔ آپؐ کے منصبِ شفاعت، مقامِ محمود، رحمت للعالمین، خاتم النبیین اور تقریباً دوسرے تمام اوصاف، امتیازات اور فضیلتوں کا تذکرہ ان بشارتوں میں موجود ہے۔ برنباس کی انجیل میں آپؐ کے اوصاف و خصائل اور مقام و منصب کا ذکر جن جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ ہوا ہے اس کی مماثلت قرآن اور احادیث میں جابجا نظر آتی ہے۔

ہندوستان کی مذہبی شخصیات اور مقدس کتابوں میں بھی بعض ایسے اشارات ملتے ہیں جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے منسوب خیال کیا جاتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق گوتم بدھ کے آخری الفاظ آپؐ کی بعثت سے متعلق گواہی پر مشتمل تھے۔ عین اس وقت جب گوتم بدھ کی سانس اکھڑ رہی تھی اور نبضیں ڈوبنے والی تھیں اس کے ایک شاگرد نندا نے بے قرار ہو کے پوچھا:

"آقا۔ آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا؟"

اس کے جواب میں گوتم بدھ نے جو الہامی الفاظ کہے وہ تاریخ نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لئے۔ اس عظیم مفکر اور اپنے عہد کے مامور نے جواب دیا: "نندا۔ میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔"

عظیم بدھ کے اس ارشاد پر اس کے شاگرد نندا نے سوال کیا: "ہم اسے کس طرح پہچانیں گے؟"

بدھ نے جواب دیا: "وہ میتریا کے نام سے موسوم ہوگا۔"

یہ میتریا کیا ہے؟

الہ آباد کے مشہور انگریزی اخبار "لیڈر" کی ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں ایک بدھ عالم کا مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے میتریا کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

"وہ جس کا نام رحمت ہے۔"[۴۶]

مولانا ابوالکلام محمد ضیاء اللہ قادری نے ہندوؤں کے اتھروید اور سام وید کی عبارتوں کے نمونے پیش کر کے ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور عظمت کا تذکرہ کیا ہے۔ اتھروید کے ایک منتر میں لفظ "نراشنس" اور "بادشاہ" بمعنی غریب نواز سے انہوں نے آپؐ ہی کی ذات مراد لیا ہے۔ اسی طرح سام وید میں پرپاٹھک ۲ کا منتر میں

"احمد ہے پتو وہ میدھام رتسیہ میری جگرہ" (احمد نے اپنے رب سے پر حکمت شریعت کو حاصل کیا ہے) سام ویدکی اس پیشین گوئی میں رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق مندرجہ ذیل صداقتوں کا ذکر ہے۔

۱۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف احمد موجود ہے۔

۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت دیئے جانے کا تذکرہ ہے۔

۳۔ شریعت کے ساتھ حکمت بھی ملنے کا اظہار ہے۔

ہندوؤں کے سام وید میں نبی پاک، صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کا نام مبارک کا ذکر کر کے تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ ہر مقدس اسم کا مرتی' 'سعد والا'، 'نہایت تعریف کیا گیا'، اندر، 'قلعوں کا توڑنے والا' 'جوان'، 'عقیل' بے انداز قوت کا پیدا کیا گیا۔۔۔۔۔۔۵۴

خواجہ حسن نظامی نے ہندوؤں کی معتبر مذہبی کتاب کلکی پوران (جس میں کرشن جی کی طرف سے ان خبروں کا حال ہے جو آخر زمانہ میں پیش آئیں گی) میں حضور اکرمؐ کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"آخر زمانہ میں ایک اوتار پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش شمبل دیپ میں ہوگی۔۔۔۔ اس اوتار کی ماں کا نام امتی ہوگا اور اس کے باپ کا نام وشنو داس ہوگا۔ یہ اوتار پہلے پہاڑ کے غار میں خدا کی بندگی کرے گا۔ وہاں خدا اس کو سبق دے گا پھر اس کو اپنے گھر والوں سے تکلیف ہوگی اور یہ مجبوراً جدا ہو کر شمالی پہاڑوں میں چلا جائے گا۔ اس اوتار کے چار بھائی ہوں گے جو اس کے دھرم کو سارے جہان میں پھیلا دیں گے۔۔۔۔"

"۔۔۔۔ اس اوتار کی ایک بیوی بڑی خوبصورت سرخ رنگت کی ہوگی۔"

آخر میں سری کرشن جی نے فرمایا ہے کہ:

"اے لوگو! جب اس اوتار کا ظہور ہو تو تم اس کے قدموں میں سر رکھ دینا کیونکہ نجات اور ہدایت اسی کے پاس ہے۔"۵۵

حسن نظامی نے اس عبارت کے ساتھ اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ شمبل دیپ کے معنی ملکِ عرب کے ہیں۔ امتی کے معنی امانت دار کے ہیں۔ آنحضرتؐ کی والدہ کا نام آمنہ تھا جس کے معنی امانت والے کے ہوتے ہیں۔ وشنو کے معنی اللہ اور داس کے معنی غلام۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ کے معنی عربی میں اللہ کے غلام کے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے تشریح کی ہے کہ پہاڑ کے غار کی اللہ بندگی سے مراد غارِ حرا ہے اور خدا کا سبق یہی اقرا ہے۔ شمالی پہاڑوں میں جانا ہجرتِ مدینہ ہے۔ چار بھائی، چار اصحابؓ ہیں جنھوں نے دینِ اسلام کی اشاعت کی اور لال رنگ کی خوبصورت بیوی حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔

اسی طرح بہت سی اور عبارتیں بھی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خفی یا جلی انداز میں بشارتیں

٨٦

اور اشارے ملتے ہیں۔ ہر عہد کے سیرت نگاروں نے سیرتِ رسول اکرمؐ کے ضمن میں ان مبشرات و اذکار پر الگ باب تصنیف کئے ہیں۔ جہاں تک نعت گو شعراء کا تعلق ہے قرآن و حدیث اور کتبِ سیرت کی طرح انہوں نے ان الہامی صحائف اور مذہبی کتابوں میں مندرج مبشّراتِ رسول پاکؐ کو بھی اپنی منظومات کا موضوع بنایا ہے۔ نعت کے دوسرے مضامین کی طرح حضور اکرمؐ کو دعائے خلیل و نویدِ مسیحا کے حوالے سے یاد کرنا بھی ایک اہم موضوع ہے۔ نعت گو شعراء کے ہاں بہ کثرت ایسے حوالے مل جاتے ہیں البتہ ان مآخذات (الہامی و مذہبی کتب) سے استفادہ کا انداز جداگانہ ہے۔ بعض شعرا نے سیرتِ رسولؐ کے ضمن میں ان عبارتوں کو منظوم کیا ہے جو ان الہامی و مذہبی کتب میں آپؐ کے مبشرات و اوصاف کے ضمن میں آئی ہیں۔ بعض نے ان مآخذات میں حضور اکرمؐ کے اسمائے مبارکہ کا سراغ لگا کر انہیں مضامینِ نعت کے ذیل میں استعمال کیا ہے جبکہ بیشتر نے ان الہامی و مذہبی کتب میں آنحضرتؐ سے متعلق مواد سے مرتب ہونے والے مجموعی تاثر پر زور دیا ہے اور مضامینِ نعت میں آپؐ کے اوصاف و خصائل اور سیرت و سوانح کا ذکر کرتے ہوئے پرانی الہامی اور مذہبی کتب سے آپؐ کے مبشرات کی نوید کا ذکر کیا ہے۔ یوں نہ صرف یہ کہ مضامینِ نعت میں وسعت پیدا ہوئی بلکہ نعت کے ابتدائی نمونوں کی تاریخ آپؐ کی بعثت سے بھی قبل کے زمانے تک پہنچ گئی۔

صحائفِ آسمانی کے مبشرات نعت گوئی کا اہم مآخذ رہے ہیں۔ اردو شاعری نے آنحضرتؐ کی ذات و نبوّت کی حقانیت، عظمت و آفاقیت کے بیان میں اکثر کتبِ سابقہ کا حوالہ دیا ہے۔ آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت کے ذیل میں اکثر ان مبشرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ قدیم نعت گوئی میں باقر کے "ہشت بہشت" میں سے "من ہرن" کے رسالے میں آنحضرتؐ کی بشارتوں کا ذکر ہے۔ باقر نے توریت، انجیل اور دوسری کتب و صحائفِ آسمانی کے حوالے سے آپؐ کے بارے میں مبشرات کو قلمبند کیا ہے۔

حفیظ جالندھری نے بھی شاہنامے میں ان مبشرات کو اپنی نعت گوئی کا مآخذ بنایا ہے۔ یہ اشعار دیکھئے:

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں
وہ جس کے نام سے داؤدؑ نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہِ سلیمانؑ نے گدائی کی
دلِ یحییٰؑ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰؑ پہ آئے وعظ جس کی شانِ رحمت کے
وہ دن آیا کہ پورے ہو گئے تورات کے وعدے
خدا نے آج ایفا کر دیئے ہر بات کے وعدے

مرادیں بھر کے دامن میں مناجاتِ زبور آئی
امیدوں کی سحر پڑھتی ہوئی آیاتِ نور آئی
نظر آئی بالآخر معنیٔ انجیل کی صورت
ودیعت ہو گئی انسان کو تکمیل کی صورت ؎[۱۰]

اسی طرح مولانا حالی کے لفظوں میں ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل و نویدِ مسیحا

حضور اکرمؐ کے مبشرات کے علاوہ دوسرا اہم عنصر جسے اردو نعت گو شاعروں نے اپنی نعتوں میں استعمال کیا۔ کتبِ سابقہ میں آنحضرتؐ کے اسمائے مبارک ہیں۔ فارقلیط ۔ منحمنا ۔ ماذماذ ۔ طاب طاب ۔ حمطایا ۔ حمیاطا وغیرہ اسمائے رسولِ مقبولؐ کی ایک طویل فہرست کا ماخذ یہی کتبِ سابقہ ہیں۔ عصرِ حاضر کے نعت گو شعراء (خصوصاً عبدالعزیز خالد) کی نعت گوئی میں تفحص و تلاش سے کتبِ سابقہ سے اسمائے رسولؐ کے احیاء کی کوشش نظر آتی ہے۔ ان نعتیہ مجموعوں کے نام بھی کتبِ سابقہ کے اسمائے رسولؐ پر رکھے گئے ہیں۔

⑤

اسمائے رسولِ مقبولؐ

نعت کا ایک بڑا ماخذ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اسمائے مبارک ہیں جن کا ذکر قرآن مجید، احادیثِ نبوی، کتبِ سیر و مغازی اور قدیم آسمانی صحائف میں آیا ہے۔ یہ تمام اسمائے پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بلیغ اور جامع استعارے ہیں جن کے مفاہیم، شروح، اثرات اور جن کے ورد کے فیوض و برکات کا ذکر سیرتِ رسولِ پاکؐ کی اور اوراد و وظائف کی بے شمار کتابوں میں ملتا ہے ان کے علاوہ اسمائے رسول مقبولؐ پر علیحدہ کتابیں بھی لکھی گئیں۔

قرآن کریم وہ پہلا مستند ماخذ ہے جس میں آنحضرتؐ کے ان گنت صفاتی ناموں کا ذکر ملتا ہے مثلاً شاہد، مبشر، داعی الی اللہ، سراجاً منیر، نذیر، بشیر، رحیم، یزکی، اُمّی، ہادی، شارح، برہان، رؤف، رحیم وغیرہ۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث رسول اکرمؐ میں بھی آپؐ کے صفاتی ناموں کا ذکر ملتا ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے خود فرمایا ہے۔ یقول ان لی اسماء ..... (میرے کئی ایک نام ہیں .....)[91] اس لئے محدثین اور علمائے کرام نے احادیث میں سے ان ناموں کو اکٹھا کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ احادیث کی بعض مستند کتب میں اسماء النبی والصفات صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے الگ ابواب[92] بھی ملتے ہیں جن میں آپؐ کی احادیث کے حوالے سے آپؐ کے صفاتی نام جمع کئے گئے ہیں مثلاً ماحی، حاشر، عاقب، المقفی، الحاشر، نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ[93] کے اسمائے مبارک آپؐ کی احادیث ہی سے لئے گئے ہیں۔

قرآن وحدیث کے بعد اسمائے رسولؐ کا تیسرا بڑا ماخذ کتب سابقہ ہیں۔ ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتب سابقہ میں احمد، محمد، حامی، المقفی، نبی الملاحم، حمطایا، فارقلیط اور ماذ ماذ کے ناموں سے مخاطب کیا جاتا تھا۔[94]

قرآن واحادیث اور کتب سابقہ کے علاوہ یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب سیر ومغازی[95] میں بھی آئے ہیں مختلف مرتبین نے زیادہ سے زیادہ اسمائے رسولؐ کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے اسمائے شریف کی شرح میں ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں تین سو چالیس ناموں کو قرآن کریم، احادیث نبوی اور کتب سابقہ سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔[96]

اسمائے رسول مقبولؐ[97] کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں ہے۔ مختلف مرتبین نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق مخصوص نام جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی مشہور شرح 'مظاہر حق' کے مرتب نے مواہب اللدنیہ کے حوالے سے کہا ہے کہ:

"القاب اور نام آنحضرتؐ کے قرآن مجید میں بہت آئے ہیں سو بعضے عالموں نے ننانوے نام جمع کئے ہیں موافق اسمائے الٰہی کے اور قاضی عیاض نے کہا کہ حق جل وعلا نے تیس نام اپنے[98] ناموں میں سے اپنے حبیبؐ کے لئے خاص کئے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب تلاش کئے جاویں آنحضرتؐ کے نام اگلی کتابوں میں اور قرآن وحدیث میں تو تین سو ہوتے ہیں اور چار سو بھی آئے ہیں اور قاضی ابوبکر بن العربی نے جو مالکی مذہب کے بڑے عالموں میں سے ہیں کہا کہ بعضے صوفیوں نے کہا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور اس کے حبیبؐ کے بھی ہزار نام ہیں مراد اوصاف ہیں اور ہر صفت سے اسم نکلتا ہے۔"[99]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی[100] ایک استفسار کے جواب میں کہتے ہیں کہ:

"..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ کثرت اسما شرف مسمی سے ناشی ہے۔ آٹھ سو سے زیادہ مواہب وشرح مواہب میں ہیں اور فقیر نے تقریباً چودہ سو پائے اور

حصر نا ممکن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[101]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل اسمائے نعت اردو نعت میں اکثر ملتے ہیں۔

محمد۔ احمد۔ حامد۔ محمود۔ قاسم۔ عاقب۔ فاتح۔ خاتم۔ حاشر۔ ماحی۔ داعی۔ سراج۔ رشید۔ منیر۔ بشیر۔ نذیر۔ ہادی۔ مہدی۔ رسول۔ نبی۔ طٰہٰ۔ یٰسین۔ مزمل۔ مدثر۔ شفیع۔ خلیل۔ کلیم۔ حبیب۔ مصطفےٰ۔ مرتضےٰ۔ مجتبےٰ۔ مختار۔ ناصر۔ منصور۔ قائم۔ حافظ۔ شہید۔ عادل۔ حکیم۔ نور۔ حجۃ۔ برہان۔ ابطحی۔ مومن۔ مطیع۔ مذکر۔ واعظ۔ امین۔ صادق۔ مصدق۔ ناطق۔ صاحب۔ مکی۔ مدنی۔ عربی۔ ہاشمی۔ تہامی۔ حجازی۔ تزاری۔ قریشی۔ مضری۔ امّی۔ عزیز۔ حریص۔ رؤف۔ رحیم۔ یتیم۔ غنی۔ جواد۔ فتاح۔ عالم۔ طیب۔ طاہر۔ مطہر۔ خطیب۔ فصیح۔ سید۔ متقی۔ امام۔ بارّ۔ شاف۔ متوسط۔ سابق۔ مقتصد۔ مہدی۔ محلل۔ حق۔ مبین۔ اول۔ آخر۔ باطن۔ ظاہر۔ رحمۃ۔ محرم۔ آمر۔ ناہی۔ شکور۔ قریب۔ منیب۔ مبلغ۔ طس۔ حم۔ حبیب۔ اولیٰ۔[102]

ہر دور کے اردو نعت گو شاعروں نے اسمائے رسول مقبول کو اپنی نعتوں میں استعمال کیا ہے اور یوں اپنی نعتوں کو وقیع بنایا ہے۔ دیدار علی شاہ کے یہ شعر دیکھئے:

سرورِ دیں محمد و احمد
شاہ محمود مجتبےٰ پہ درود
اکرم ولد آدم و اشجع
اجود الناس و مصطفےٰ پہ درود
مدنی، مکی، ہاشمی، قرشی
صاحب کوثر و شفا پہ درود
صاحب الشرع اور شکور و صبور
صاحب فضل و ارتضےٰ پہ درود
امّی و اعلم الرسل مصدوق
صادق و خیر الانبیاء پہ درود
اس بشیر و نذیر و شاہد پہ
نور الانوار پر ضیا پہ درود
سید المرسلین خیر الناس
شافع و صاحب عطا پہ درود

صاحب المعجزات والبرہان
دونوں عالم کے پیشوا پہ درود
صاحبِ تاج وصاحبِ معراج
شاہِ دیں سیدالوریٰ پہ درود
...... صاد ویٰسین و نون وطٰہٰ پہ
صاحب السیف واللوا پہ درود
میرے مزمّل و مدثر پہ،
صاحب حب و رکا پہ درود [۱۰۲]

اقبال سہیل کا یہ شعر دیکھیے:

بعد خدا ہر ایک سے افضل، اشرف واکمل، طیب واجمل
اصدق واکمل، اجود واحکم، صلی اللہ علیہ وسلّم [۱۰۳]

اقبال سہیل کے اس نعتیہ قصیدہ "موجِ کوثر" میں اسمائے رسول مقبولؐ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ عصرِ حاضر کے نعت گو شاعروں میں عبدالعزیز خالد نے نہ صرف یہ کہ حضورؐ کے اسمائے مبارکہ کو بکثرت قلمبند کیا ہے بلکہ الہامی صحائف میں مرقوم اسمائے رسولؐ کو تفحص و تلاش سے جمع کر جزوِ نعت بنایا ہے منحمنا، فارقلیط، حمطایا، ماذماذ اور زیرِ طبع حیاطا ——— خالد کے مجموعہ ہائے نعت کے نام بھی اسمائے رسولؐ سے ماخوذ ہیں۔

○

(ج) عربی فارسی پس منظر

عربی نعت کے ابتدائی نمونے

ا۔ ماقبل بعثت

ب۔ وحیِ اولیٰ سے، ہجرتِ مدینہ تک

نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز

ا۔ صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی

ب۔ عہد مابعد صحابہؓ کی نعت گوئی

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعت کی روایت

فارسی نعت

الف۔ ارتقائی جائزہ

ب۔ برصغیر پاک و ہند کی فارسی نعت

عربی نعت

جیسا کہ نعت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم پر بحث کرتے ہوئے اس امر کی نشاندہی کی گئی تھی کہ عربی زبان و ادب میں نعت کا لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم میں کبھی بھی مروّج نہیں رہا۔ عربی زبان میں اس نوع کی شاعری کو "المدح نبوی" کہا جاتا ہے اور ایسا تمام شعری ادب جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا بیان ہو "المدائح النبویہ" کہلاتا ہے۔

المدح (تعریف و تحسین) عربی شاعری کے روایتی موضوعات میں سے ایک اہم موضوع ہے جسے ہر دور کے شاعروں میں ایک خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ایام جاہلیت میں عرب شاعروں کے ہاں مدیح کی ایک پختہ روایت کا سراغ ملتا ہے جاہلیت میں قصیدے کے گنے چنے موضوعات تھے سارا عرب قبیلہ پروری اور اقربا پرستی کا شکار تھا۔ اس دور کے شعری موضوعات میں اپنے فخریہ کارنامے، حریف قبائل کی طعن و تشنیع، دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک، وفائے عہد، سخاوت و مہمان نوازی، شجاعت و دلیری کا بیان، عشق و محبت کے معاملات، اونٹ گھوڑے اور تلوار کی تعریف و توصیف کا ذکر نمایاں تھا۔ ایامِ جاہلیت میں شاعروں کی مدح امراء و حکمرانوں اور قبائلی سرداروں کے لیے ہوتی تھی۔ بعد میں جب اہلِ عرب کے درمیان رسول اللہ نے ظہور فرمایا تو آپ کی پیغمبرانہ شخصیت نے بیک وقت اپنی ہیبت اور محبوبیت سے لوگوں کو متاثر کیا تو شاعروں کو مدح کے لئے ایک نئی سمت میسر آ گئی اور یوں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کا آغاز ہوا۔[۴۵]

ابتدائی نمونے

عربی نعت کے ابتدائی سرمایہ میں دو طرح کے نمونے شامل ہیں۔ ایک تو حضور اکرم کے بارے میں وہ اشعار جو آپ کی بعثت سے قبل ملتے ہیں۔ دوسرے وہ جو آپ کی ولادت و بعثت کے بعد مگر باقاعدہ نعت گوئی سے پہلے خصوصاً آپ کے مکی دورِ نبوت سے متعلق ہیں۔ اگرچہ ان اشعار و قصائد کا سرمایہ بہت مختصر ہے مگر صنفِ نعت کے آغاز و ارتقاء میں اوّلیت کے پیشِ نظر ان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ا۔ ماقبل بعثت کے نعتیہ اشعار

عربی نعت کے اوّلین نمونے آپؐ کی بعثت مبارکہ سے پہلے کی روایات ہی سے ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ حصہ تو ان الہامی صحائف کے ان مندرجات کی صورت میں ہے جو آپؐ کے مبشرات سے متعلق تھے۔ آپؐ کے عہدِ ولادت سے پہلے کے علماء، رہبان، احبار، موحدین، متکلمین، منجّم اور کہان کے نزدیک ان مندرجات کو خصوصی توجہ حاصل تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کے اہلِ بصیرت و حکمت اور مذہبی سوجھ بوجھ رکھنے والے افراد بڑی شدت کے ساتھ اس نبیؐ کی آمد کے منتظر تھے جس کی بشارت سابقہ کتبِ سماوی میں دی گئی تھی۔ لہٰذا اس عہد کے اہلِ فکر کی سوچوں، مباحث اور گفتگو کا محوری نقطہ "النبی المنتظر" تھا حضور اکرمؐ کی تعریف و توصیف میں کہے گئے ابتدائی اشعار کا موضوع اسی نبی منتظر سے متعلق ہے جس کے زمانے تک زندہ رہنے اور جسے دیکھنے کی شدید خواہش کا اظہار ماقبل بعثت حضورؐ کے اشعار[105] میں ملتا ہے۔

محالہ محمدؐ ماقبلِ بعثت[106] میں اوّلین اشعار یمن و حضرموت کے بادشاہ اباکرب (جسے تبعِ ثانی کہتے ہیں) اور کعب بن لوی (جو حضور اکرمؐ کے جدِ امجد تھے) کے کہے ملتے ہیں۔ آپؐ کی ولادت مبارک کے بعد جب حلیمہ سعدیہ آپؐ کو لے کر چلیں تو سیدہ آمنہ نے آپؐ کی شان میں کچھ شعر پڑھے۔ نعت میں پہلا اہم قصیدہ ورقہ بن نوفل (جو الٰہیات کے بہت بڑے عالم اور مذہباً عیسائی تھے) نے کہا۔ ابنِ ہشام نے اس قصیدہ کی شانِ نزول کے ساتھ اس کے تیرہ اشعار نقل کیے ہیں۔ یہ اشعار آپؐ کی نعت کے ضمن میں تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کی تخلیق کا زمانہ جیسا کہ شانِ نزول اور ان اشعار کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپؐ کے سفرِ شام کے بعد اور وحیِ اولیٰ سے کچھ پہلے کا ہے۔ اس قصیدے[107] میں پیغمبرِ آخر الزماںؐ کی بعثت کا انتظار ان کے اعلانِ نبوت تک زندہ رہنے اور ان کا ساتھ دینے کی شدید آرزو کا اظہار ملتا ہے۔

ب۔ وحیِ اولیٰ سے ہجرتِ مدینہ تک کے زمانے کے نعتیہ اشعار

عربی نعت کے اس دور میں جو آپؐ کے اعلانِ نبوت سے شروع ہوتا ہے سب سے نمایاں نعت گو آپؐ کے عمِ نامدار جناب ابو طالب ہیں جنہوں نے اس وقت آپؐ کی مدح و توصیف میں شعر کہے جبکہ آپؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد قریش نے آپؐ سے مخالفانہ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ آپؐ کی تکذیب کی اور آپؐ کی ایذا رسانی اور دشمنی پر کمر کس لی۔ ابو طالب اگرچہ باقاعدہ شاعر نہ تھے مگر حضور اکرمؐ سے شفقت و محبت، قبائلی حمیت اور خاندانی جوش و جذبہ کے سبب انہوں نے آپؐ کی تعریف میں چند قصیدے کہے جنہیں تواتر سے اصحابِ سیر نقل کرتے آ رہے ہیں۔ آپؐ کی سیرت کے اوّلین قریبی ماخذ سیرت ابنِ ہشام میں دو قصیدے ملتے ہیں[108] جن میں صداقت، جوش اور سادگی کی خصوصیات نمایاں ہیں۔

ان قصیدوں میں ابوطالب کی آپؐ سے محبت اور آپؐ کی حفاظت کے لیے جاں نثاری کا جذبہ، آپ کا ساتھ دینے، آپ کو مغلوب نہ ہونے دینے کا عزم) اور بنو ہاشم میں آپ کے مقام و شرف کا تفصیلی اور موثر بیان ملتا ہے۔ دوسرا قصیدہ جو ۹۵ اشعار پر مشتمل ہے آپؐ کی مدح میں لکھے جانے والے قصیدوں میں پہلا طویل، موثر اور وقیع قصیدہ ہے جس میں ابوطالب نے اہلِ قریش کو جنگ سے باز رہنے کی دعوت دی ہے۔ جنگ سے پیدا شدہ مصائب کو جتلایا ہے۔ آپس کی خونریزی کے نقصانات گنائے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپؐ کے شرف و فضیلت، مرتبہ و عظمت، آپ سے مکمل تعاون، امداد و حفاظت کا یقین اور آپؐ کے لیے اپنے بے پناہ جذبہ جاں نثاری کا بیان ہے۔

اس قصیدے کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔ آپؐ کے سیرت نگاروں نے ابوطالب کے اشعار نعت میں اس شعر کو خصوصیت سے نقل کیا ہے:

وابیض یستسقیٰ الغمام بوجہہ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

(جو ایسے روشن چہرے والا ہے کہ اس کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ یتیموں کی سرپرستی کرنے والا اور بیواؤں کی پناہ)۔

ان دو قصیدوں کے علاوہ جناب ابوطالب کے چند متفرق نعتیہ اشعار کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مکی دور ہی میں حضرت عمرو بن مرۃ جہنیؓ اور حضرت امیر حمزہؓ کے وہ نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں جو انھوں نے قبولِ اسلام کے وقت کہے۔ ان اشعار میں آپ کے پیغام کی عظمت، اسے قبول کرنے پر خدا تعالیٰ کا شکر، آپ کی اطاعت و پیروی کا عزم اور آپؐ کے شرف و فضیلت کا ذکر نمایاں ہے۔ سرزمینِ حبشہ میں عبداللہ بن حارثؓ اور حبشہ سے واپسی پر حضرت عثمان بن مظعونؓ نے بھی نعتیہ موضوعات سے متعلق کچھ شعر کہے۔ آپ کے پھوپھیرے بھائی ابواحمد بن جحشؓ جو نابینا تھے، انھوں نے بھی آپ کی ہجرتِ مدینہ کے دنوں میں ایک طویل قصیدہ کہا جس میں آپ کی مدح اور آپؐ کے حکم پر بالاتفاق، ہجرت کے قبول کرنے کا ذکر ہے۔

سفرِ ہجرت میں جب آپ کا گزر قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک مہمان نواز خاتون ام معبد کے خیمہ کی طرف ہوا اور آپ کچھ دیر کے لیے وہاں رکے۔ آپؐ کے جانے کے بعد ام معبد نے اپنے خاوند سے جن الفاظ میں آپ کی تعریف کی اور آپ کا حلیہ مبارک پیش کیا وہ اگرچہ نثر میں ہے مگر اس کی خوبصورتی اور جامعیت کے سبب اسے ایک خوبصورت نعت پارہ کہا جاسکتا ہے اور آپؐ کے شمائل و سراپا میں اکثر اس کا حوالہ دیا جاتا ہے[۱۰۹]۔ اس واقعہ سے متعلق کسی نامعلوم شخص کے کہے ہوئے چند نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں جنھیں کتبِ سیرت میں شعر الجنی[۱۱۰] کے نام سے درج کیا جاتا ہے۔ بعض مرتبینِ نعت و سیرت نے اسے صدائے غیب[۱۱۱] یا شعر المجہول[۱۱۲] کے ذیل میں بھی تحریر کیا ہے۔ یہ اشعار حضور اکرمؐ، ان کے

رفقائے ہجرت اور ام معبد کی مہمان نوازی کے بارے میں ہیں۔ سیرت ابنِ ہشام میں ان کی تعداد تین ہے۔ جب کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی مختصر سیرت الرسولؐ میں چودہ شعر درج کئے ہیں۔ [۱۱۲]

اس سفر میں سراقہ بن مالک کے کچھ نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں جن میں حضورؐ تک پہنچنے میں اپنی بے بسی، آپؐ کے برحان صادق ہونے کا اعتراف اور آپؐ کے جھنڈے اور دین (اسلام) کے سربلند ہونے کی بشارت کا بیان ہے سفرِ مدینہ کی تاریخ میں یہ پہلا باقاعدہ نعتیہ کلام ہے اور ایک غیر مسلم (سراقہ اس وقت مسلمان نہیں تھے) جس کے دل میں حضور اکرمؐ کی عظمت گھر کر چکی تھی ہونے کے سبب مزید اہمیت رکھتا ہے۔ [۱۱۴]

ہجرتِ مدینہ کے دوران میں کہے گئے نعتیہ اشعار کا یہ سلسلہ بنی نجار کی معصوم بچیوں کے اس معروف شعر پر ختم ہوتا ہے۔

نحن جوار من بنی نجار

یا حبذا محمدؐ من جار [۱۱۵]

(ہم بنی نجار کی بیٹیاں ہیں اور محمدؐ کیسے اچھے ہمسایہ ہیں)۔

یہ شعر حضور اکرمؐ کی مدینہ میں تشریف آوری پر ننھی منی بچیوں نے دف بجاتے ہوئے گا کر پڑھا۔ گویا مدینہ میں آپؐ کا استقبال ہی نعتیہ شعر سے ہوا۔ اکثر لوگ طلع البدر علینا والے تین معروف اشعارِ نعت کو بھی مدینہ میں آپؐ کی آمد سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ یہ درست نہیں۔ ان اشعار کا تعلق آپؐ کے غزوۂ تبوک سے واپسی سے ہے۔ جیسا کہ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی مختصر سیرت الرسولؐ میں لکھا ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی پر جب مدینہ تشریف لا رہے تھے تو آدمیوں، عورتوں، بچوں اور بچیوں نے شہر سے باہر نکل کر آپؐ کا استقبال کیا اور فرطِ مسرت سے یہ اشعار پڑھے۔" [۱۱۶]

طلع البدر علینا

من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا

ما دعا للّٰہ داع

(کوہ وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہو گیا ہے۔ جب تک اللہ کو پکارنے والے پکارتے رہیں گے ہم پر اس کا شکر واجب ہے)۔

بعض جگہ ان اشعار کے ساتھ یہ تیسرا شعر بھی ملتا ہے:

ایہا المبعوث فینا　　جئت بالامر المطاع [۱۱۷]

(اے ہمارے پیغمبرؐ۔ تو واقعی قابلِ اطاعت پیغام لایا ہے)۔

گزشتہ اوراق میں دی گئی مثالوں کے علاوہ عربی نعت کے اس اوّلین دور میں اعشٰی بن قیس کے نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں جو اس نے آپؐ کی بعثت کی خبر سن کر کہے اور وہ قبولِ اسلام کے لئے حجاز کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اہلِ قریش کی خوشامد اور لالچ نے اسے حضورؐ تک پہنچنے اور اسلام قبول کرنے سے روک دیا اور وہ بدنصیب راستے ہی سے واپس ہو گیا۔ اعشٰی کے اس قصیدے کا ذکر عربی کی تمام جامع کتابوں اور اعشٰی کے دیوان میں موجود ہے لیکن سیرت کی اکثر کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے غالباً اصحابِ سیر نے اس کو قصداً نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا اور اپنے ارادے میں مخلص نہیں تھا۔[118]

اس قصیدہ میں اپنی اونٹنی کی کمزوری اور برہنہ پائی کے باوجود آپؐ تک پہنچنے کی کوشش، آپؐ کے احسانات آپؐ کے پسینے ہوئے دائرۂ شہرت اور آپؐ کے صدقات سے سیراب ہونے کی آرزو کا بیان ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک نے اعشٰی کے اس قصیدہ کو آپؐ کی پہلی مدح قرار دیا ہے۔[119] مگر جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ ان سے پہلے ابوطالب کے قصائد اور ان سے قبل بھی کچھ نعتیہ اشعار کا سراغ مل جاتا ہے۔

نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز

عربی شاعری میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز ہجرتِ مدینہ کے بعد لسانی جہاد کے انداز میں اُس وقت ہوا جب دشمنانِ اسلام کی ہجو اور بدزبانی حد سے بڑھ گئی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ:

"جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کی مدد اپنے ہتھیاروں سے کی ہے انہیں کیا چیز مانع ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد نہ کریں۔"[120]

آپؐ نے صحابہؓ سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

"کفار کی ہجو کرو۔ کیونکہ انہیں اپنی ہجو تیروں کی بوچھاڑ سے زیادہ شاق ہے۔"[121]

آپؐ کے یہ ارشادات نعت گوئی کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کفار کی ہجو کے ساتھ ساتھ مدحِ رسولؐ کے تذکار کو ایک باقاعدہ روایت اور منضبط شکل دینے کی طرف شعرائے اسلام کو متوجہ کیا۔ احادیث اور کتبِ سیر میں اس لسانی جہاد کی تفصیلات موجود ہیں۔[122] آپؐ کے تین شعراء یعنی حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور کعب بن مالک انصاریؓ، آپؐ کی طرف سے دفاع اور کفارِ قریش کی ہجو کا جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ تو قریش کے انساب کو اپنی ہجو کا موضوع بنایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ قریش کو کفر کا عار دلاتے اور حضرت کعب بن مالکؓ حرب و ضرب سے ڈرایا کرتے تھے۔ شعرائے رسولؐ کے ذیل میں ان

تین صحابہؓ کا تذکرہ احادیث و کتب سیرت میں خاص طور پر ملتا ہے۔

ارشاد شاکر اعوان کی تحقیق کے مطابق "نعتِ رسول کو باقاعدہ صنفِ سخن کی حیثیت سے مقامِ شرفِ قبول فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل ملا۔"[123]

صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی

عربی نعت کا پہلا اہم دور دربارِ رسالت مآبؐ کے شعراء سے شروع ہوتا ہے۔ جن صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی مدح میں شعر کہے ان کی تعداد مختلف محققین کے نزدیک مختلف ہے۔ صدیق حسن نے ان شعراء کی تعداد ۱۸۱ بتائی ہے جس میں ۱۷ خواتین بھی شامل ہیں۔[124] حافظ عبدالبرؒ نے ان شعراء و شاعرات میں ایک سو بیس نام گنائے ہیں جب کہ شیخ فتح الدین نے دو سو کے قریب نام ذکر کئے ہیں۔ صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی، شیخ فتح الدین کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"انہوں نے اپنے قصیدہ میمیہ میں ان سب حضرات کے نام جمع کر دیئے ہیں اور پھر منح المدح کے نام سے اس قصیدے کی شرح بھی لکھی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے دو صد کے قریب نام ذکر کئے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس سے زیادہ تعداد ذکر کی ہو۔"[125]

دربارِ رسالت کے نامور شاعروں[126] میں سب سے ممتاز حیثیت حضرت حسان بن ثابتؓ کی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ شاہانِ مناذرہ اور غساسنہ کی مدح کیا کرتے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد آپ کی شاعری کا رخ اسلام کی طرف ہوا۔ اور انہوں نے اپنی تمام تر شاعرانہ صلاحیتوں اور قوتوں کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور اسلامی موضوعات و تعلیمات کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔ آپ دشمنانِ اسلام کی بد زبانی کا جواب انہیں کے لب و لہجہ اور قافیہ و ردیف میں دیتے۔ سیرت کی کتابوں میں کفار کی ہجو، حضور اکرمؐ کی مدح اور لشکرِ اسلامی کی تعریف سے متعلق آپ کے متعدد قصائد ملتے ہیں آپ کی انہی خدماتِ اسلام کے سبب "آپ کو مذہبی شاعری کا بانی" کہا جاتا ہے۔ آپ کے اشعار میں قرآن سے اخذ کئے ہوئے جملے بکثرت پائے جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں فخر بھی بہت نمایاں ہے۔ انہیں ہجو و مدح میں خاص طور پر کمال حاصل تھا اور یہی وہ صفات تھیں جن کے بل پر وہ کفار کی یاوہ گوئی کا مقابلہ کا میابی سے کرتے۔[128]

مبارزت طلبی میں بھی آپ کی خدمات گراں قدر ہیں خصوصاً بنو تمیم کو دائرہ اسلام میں لانا اسی سبب سے تھا جب ان کے شاعر زبرقان کو جناب حسانؓ نے شعری مقابلے میں نیچا دکھایا اور اس کے آٹھ شعروں کے مقابلے میں فی البدیہہ بائیس اشعار کا موثر اور بھرپور قصیدہ کہا جس سے متاثر ہو کر پورا وفد ایمان لے آیا۔[127]

نعتیہ اشعار کے ساتھ وفاتِ رسول اکرمؐ پر کہے گئے مرثیے بھی آپ کی نعت گوئی کا شاہکار ہیں یہ مرثیے رسول مقبولؐ

کی وفات سے پیدا ہونے والے حزنیہ اور رقت انگیز کیفیات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں اور تاثیر کے لحاظ سے نہایت اہم ہیں۔ ان میں جذب و شیفتگی اور رسول اکرمؐ سے محبت و عقیدت کے والہانہ اظہار کے ساتھ "لقائے رسول فی الخلد" کی شدید تمنا پائی جاتی ہے۔ سیرت ابن ہشام کا آخری باب جناب حسانؓ کے وفاتِ رسولؐ پر کہے گئے ماتمی اشعار ہی سے متعلق ہے۔

حضرت حسانؓ کے نعتیہ کلام کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ وہ دینِ حق کی مدد کرنے والوں کو بھی رسول اللہ کی قوتِ تخلیق کا شاہکار خیال کرتے ہوئے ان کی تعریف کو بھی نعتِ رسولؐ میں شامل کر لیتے تھے۔ یوں صحابہ کرامؓ کی منقبت بھی نعتیہ مضامین میں شامل ہو گئی۔ نعت میں منقبتِ صحابہ کے اوّلین نمونے آپ ہی کے کلام میں ملتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے جناب حسانؓ کے لئے مسجدِ نبوی میں ایک منبر رکھوایا تاکہ وہ اس پر کھڑے ہو کر آپؐ کی مفاخرت کیا کریں اور کفار کے الزامات کا جواب دیا کریں۔ آپؐ یہ بھی فرماتے تھے کہ:

"حق تعالیٰ روح القدس سے حسانؓ کی امداد فرماتے ہیں جب تک وہ دین کی امداد کرتے ہیں"۔ [۱۳۰]

دربارِ رسالتؐ کے دوسرے معروف شاعر حضرت کعب بن زہیرؓ ہیں جو اپنے قصیدہ "بانت سعاد" کے سبب تاریخِ نعت میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ قصیدہ ۸ ھ میں فتح مکہ کے بعد لکھا گیا۔ ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں اس کے ۵۱ شعر نقل کئے تھے۔ ابن ہشام نے اپنی تحقیق سے ان میں سات شعروں کا اور اضافہ کیا ہے۔[۱۳۱] یہ قصیدہ قبل اسلام کے قصیدوں کے عام انداز میں شروع ہوتا ہے۔ اس کی تشبیب جاہلیہ دور کے قصیدوں کی طرح محبوبہ (سعاد) کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ پہلا شعر یہ ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یفد مکبول

(سعاد جدا ہو گئی۔ میرا دل آج مریضِ محبت ہے اور اس میں ایسا گرفتار ہے جس کے پیروں میں بیڑی ڈال دی گئی ہو اور اس کو رہا کرانے کی خاطر فدیہ بھی نہیں دیا گیا)۔

اس کے بعد تیرہ شعر سعاد کے بارے میں ہیں جن میں اس کی آنکھوں، آواز اور اعضائے جسم کے حسن و موزونیت کا بیان ہے اور اس کی وعدہ خلافی، سیماب صفتی اور تلوّنِ مزاج کا ذکر اور اس کی دوری کا اظہار ہے۔ چودھویں شعر سے چونتیسویں شعر تک اونٹنی کی تعریف ہے۔ پھر گریز کا مرحلہ ہے۔ شاعر اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

"یہ اونٹنی ایسی ہونی چاہئے جس کے پیچھے چغل خور بھاگ نہ سکیں۔ وہ چغل خور جنہوں نے رسول اللہ کو مجھ سے بدظن کر دیا ہے"۔

اس کے بعد معذرت کا مضمون، آپؐ کے حلم و عفو کا بیان اور آپؐ کے احسانِ کریمانہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد

شعر آتا ہے جسے نہ صرف اس قصیدہ کا حاصل کہنا چاہئے بلکہ نعت کی تاریخ میں ایک خاص مقام کا حامل ۔۔۔ یہ وہ شعر ہے جہاں حضور اکرمؐ نے کعبؓ کو اپنی چادر مبارک عطا کی۔ یہ شعر یوں ہے :

ان الرسول لنور یستضاء بہ
وصارم من سیوف الہند مسلول

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اجالا اسی طرح آنکھوں کے سامنے پھیل جاتا ہے جس طرح نیام سے جب تلوار نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے پھیل جاتی ہے)۔

حضور اکرمؐ نے اس شعر میں تصحیح فرماتے ہوئے "سیوف الہند" (ہندی لوہے کی تلوار جو اس زمانے میں اچھی سمجھی جاتی تھی)۔ کو "سیوف اللہ" (اللہ کی تلواروں) سے بدل دیا۔

اس سے اگلے شعروں میں صحابہ کرامؓ کی شجاعت، صداقت اور جوانمردی کی توصیف ہے۔

کعب بن زہیرؓ کے اس قصیدے کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ بعد میں آنے والے متعدد شاعروں نے اس بحر و قافیہ میں نعتیہ قصیدے لکھے۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے تراجم بھی ہوئے[۱۳۲]۔ بعض ناقدین نے ترجمہ و تشریح کے ساتھ اس کی شاعرانہ حیثیت پر لکھے گئے خیالات و آراء کو الگ کتابی شکل میں بھی جمع کیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ دربار نبوی کے تیسرے اہم شاعر ہیں۔ کتب سیر و مغازی میں حضرت حسانؓ کے بعد سب سے زیادہ شعر انہی کے ملتے ہیں۔ ہجرت کے بعد ان کی شعری خدمات خصوصیت سے ذکر کے قابل ہیں۔ ان کی شاعری کا نمایاں پہلو منافقوں کی سازشوں کو بے نقاب اور ناکام بنانا تھا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ مختلف غزوات (بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور غزوہ موتہ جس میں وہ شہید ہوئے)۔ حصہ لیا بلکہ اپنے اشعار سے کفار و مشرکین اور یہود کی ہجو کہی، وہ انہیں بے دینی گمراہی اور شرک و کفر کا طعنہ دینے کے ساتھ فیضانِ اسلام اور فضیلتِ رسول اکرمؐ کا ذکر کرتے۔ حضورؐ نے ایک موقع پر رواحہؓ کے شعر سن کر انہیں و ایاک فثبت اللہ (اللہ تم کو بھی ثابت قدم رکھے) کی دعا بھی دی۔ عبداللہ بن رواحہؓ کے وہ شعر خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں جو انہوں نے حضور اقدسؐ کے عمرۃ القضاء کے موقع پر حرم میں پڑھے[۱۳۳]۔

ان شعراء کے علاوہ[۱۳۴] حضرت عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبعری، حضرت کعب بن مالکؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ کے ہاں نعتیہ شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ ان شعروں میں حضور اکرمؐ کے فیوض و برکات، نورِ ہدایت، حسنِ مقام و مرتبہ، اسلام کی حقانیت، عسکری جذبات رجز، پچھلی زندگی پر اظہارِ ندامت، قبولیتِ اسلام اور اطاعتِ رسول پر اپنی خوش بختی کا اظہار ملتا ہے۔ اس کے ساتھ حضورؐ کے اوصافِ حمیدہ، تدبر، علم، بردباری، رحمت، شفقت اور صداقت و شجاعت کا بیان نمایاں ہے اور یہی صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی کے قابلِ ذکر موضوعات ہیں۔

صحابہ کرامؓ (خصوصاً حضرت کعبؓ، خلفائے راشدینؓ، سیدہ فاطمہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ،

حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ، ابوسفیانؓ بن حارث اور حضرت حسان بن ثابتؓ) کی نعت گوئی کا ایک اہم حصہ ان مرثیوں پر مشتمل ہے جن میں حضور اکرمؐ کی وفات سے پیدا ہونے والے حزنیہ تاثرات اور رثائی جذبات کا دلگداز اور موثر اظہار ملتا ہے۔ علامہ نبہانی نے ان رثائی اشعار کو "بعض مراثی الصحابہ" کے عنوان سے ایک علیحدہ فصل میں درج کیا ہے۔[۱۳۵]

مجموعی طور پر عہدِ صحابہؓ کی نعت حقیقت پسندی کی ترجمان ہے۔ صحابہؓ کے اشعارِ نعت میں آپؐ کے پاکیزہ اخلاق، شفقت، شجاعت، ہدایت، عدل اور دوسرے اوصاف کے بیان میں کہیں مبالغہ نہیں۔ رسول اکرمؐ کی ذات و رسالت کا پورا پورا احترام موجود ہے۔ اسلامی تعلیمات اور حدود کا مکمل لحاظ ہے اور آپؐ کی صفات کے بیان میں آپؐ کی تعلیمات سے کہیں انحراف موجود نہیں۔ آپؐ کے اوصاف کے بیان کے ساتھ آپؐ کے اعلیٰ حسب و نسب اور آپؐ کے ظاہری جمال کے بارے میں بھی اشعار ملتے ہیں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں نعت گوئی (مدائح النبویہ) کا ایک منفرد اور جداگانہ اسلوب و انداز پیدا ہو چکا تھا جو بعد کو ایک باقاعدہ صنفِ شعر کے طور پر صورت پذیر ہوا۔

عہد ما بعد صحابہؓ کی نعت گوئی

عربی نعت کا دوسرا دور صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ دور وسعت و مقدارِ کلام اور تعدادِ شعراء کے اعتبار سے پہلے دور کے مقابلے میں بڑا دور ہے۔[۱۳۶] ان دونوں ادوار میں نعتیہ شاعری کے موضوعات اور اسالیب بیان میں بھی فرق نظر آتا ہے۔ صحابہؓ کی شاعری کا غالب حصہ لسانی جہاد کے ذیل میں تخلیق ہوا جس میں دشمنوں کی ہجو کے ردّ، اسلام کے پیغام کی حقانیت اور عظمت و سربلندی کے مضامین شامل تھے۔ اس دور کی شاعری کی زبان سادہ اور تراکیب آسان ہیں۔ ان کے ہاں خیال آفرینی اور مبالغہ آمیزی نظر نہیں آتی مگر بعد کو (خصوصاً چوتھی صدی ہجری کے بعد) عجمی تاثرات نے عربی زبان کو بھی رنگین بنانا شروع کیا اور عربی شاعری میں بھی فارسی شاعری کی نمایاں خصوصیات یعنی نازک خیالی، لفظی تکلفات، آورد و الفاظ کی کثرت اور صنائع بدائع کا استعمال داخل ہو گیا۔ عربی نعت بھی ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ مگر نعت کے سلسلے میں یہ اثرات زیادہ تر اسلوب اور طرزِ ادا سے متعلق ہیں۔ جہاں تک نعت کے موضوع کا تعلق ہے عہد ما بعد صحابہ میں بھی محبت، فدویت، خیابت اور کیفیاتِ عشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ہے۔ تابعین کے دور میں مشہور شاعر فرزدق نے اہلِ بیت کی منقبت کو بھی نعت میں شامل کر لیا۔ یوں نعت کے موضوع میں جدّت کے ساتھ کربلا کے حوالے سے دلسوزی اور رثائی جذبات کا اضافہ ہوا۔ الکمیت بن زید الاسدی، دعبل، الشریف الرضی اور مہیار نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔

ڈاکٹر زکی مبارک نے ان شعراء کے واقعہ کربلا اور منقبت اہل بیت سے متعلق قصائد کو بھی مدائح النبویہ میں شمار کیا ہے۔[۱۲۷]

ساتویں صدی ہجری میں امام محمد بن ابی بکر الوتری اور امام یحییٰ الصرصری کے نام نمایاں نعت گو شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ امام وتری نے سوائے الف مقصورہ کے ہر حرف میں حضور اکرمؐ کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ نبہانی نے اپنے مجموعہ میں ان کے ۲۹ قصیدے درج کئے ہیں۔ امام صرصری (م ۶۵۶ھ) نے حضورؐ کی مدح میں ۱۵ کے قریب قصیدے لکھے ان کے نعتیہ قصیدوں کی نمایاں خوبی ان میں تشبیب کا التزام ہے۔ انہوں نے آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کے ساتھ قدیم آسمانی صحائف میں آپؐ کے اسماء، اوصاف، آپؐ کی رسالت کے حوالے اور مبشرات کو خاص طور پر اپنی نعتوں کا موضوع بنایا ہے۔[۱۲۸] امام صرصری کا وہ سلام جو انہوں نے ۶۵۱ھ میں روضۂ رسولؐ کی حاضری کے موقع پر کہا، بہت موثر ہے۔ اس میں بڑی طویل مسافت کاٹ کر روضۂ رسولؐ پر حاضری کے جذبات، حضورؐ کی رحمت و شفاعت کی خواہش کا اظہار جس محبت اور دردمندی سے کیا گیا ہے اس کے سبب یہ نعتیہ سلاموں میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

اس صدی کے آخری مگر سب سے نمایاں شاعر جنہوں نے نہ صرف عربی بلکہ فارسی، ترکی، اردو، پنجابی اور دوسری کئی زبانوں کے نعت گو شعراء پر اپنے اثرات چھوڑے امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری (م ۶۹۷ھ) ہیں۔ انہوں نے جس سوزِ عشق اور دردِ محبت میں ڈوب کر نعتیں لکھیں اور جس طرح ان کی نعتوں خصوصاً "قصیدۂ بردہ" نے قبولیت عام کا شرف حاصل کیا وہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی کو نصیب نہ ہوا۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں حضرت کعب بن زہیرؓ کے مشہور قصیدہ "بانت سعاد" کے معارضہ میں ایک طویل قصیدہ "ذخر المعاد"، یہود و نصاریٰ کی تردید میں ۲۹۲ اشعار کا لامیہ، رسول پاکؐ کی ایک پیشین گوئی کی تصدیق اور آتشزدگی مدینہ (۶۵۴ھ) کے بارے میں دالیہ، تقدیس الحرم من تدنیس الضرم اور قصیدۂ حائیہ وغیرہ شامل ہیں۔ موخر الذکر قصیدے میں زیارتِ رسولؐ کے شوق کا والہانہ اور بے تابانہ اظہار ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دوسرے قصیدوں میں قصیدۂ میمیہ رائیہ، ہمزیہ اور بردہ بہت مشہور ہیں۔ قصیدۂ بردہ نے اتنی شہرت حاصل کی کہ خود ان کے دوسرے نعتیہ قصیدے اس کے سامنے ماند پڑ گئے۔ حالانکہ ان کا قصیدہ ہمزیہ خاص طور پر اپنی معنوی خوبیوں کے سبب نعت گوئی کا شاہکار ہے جس میں انہوں نے سیرت رسول اکرمؐ کے مختلف پہلوؤں، ظہورِ قدسی، رضاعت، نبوت، معراج، ہجرت، اور غزوات وغیرہ کے اہم واقعات منظوم کئے ہیں۔

قصیدۂ بردہ کا پورا نام "الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ" ہے۔ ایک مشہور روایت کے مطابق یہ قصیدہ بوصیریؒ نے فالج کے مرض کی حالت میں لکھا اور خواب میں زیارت رسول اکرمؐ پر انہیں سنایا۔ حضورؐ نے اپنی بردیمانی ان پر ڈالی تو علی الفور انہیں صحت کاملہ حاصل ہوگئی۔ اس معجزانہ شفایابی کے سبب اس قصیدے کی شہرت بوصیریؒ کی زندگی ہی میں دور دور تک پھیل گئی اور یہ قصیدہ "البردہ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس قصیدے کا مطلع

درج ذیل ہے:

أمن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعاً جریٰ من مقلۃ بدم

(کیا ہمسایوں کی یاد سے جو ذی سلم تھے تیری آنکھوں سے خون آلود آنسو جاری ہیں)۔

یہ طویل قصیدہ ۱۶۲ اشعار[۱۹۰] اور دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل تشبیب میں ہے۔ بوصیری کی تشبیب کا رنگ بھی منفرد ہے جس میں محبوب سے دوری اور اس کے فراق میں بہائے جانے والے آنسوؤں کا ذکر ہے۔ اس کا اشارہ حضورِ اکرمؐ کی طرف جاتا ہے۔ یوں قصیدے کے آغاز ہی میں قاری ایک پُر درد اور پاکیزہ ماحول میں پہنچ جاتا ہے۔ بوصیری سے پہلے تشبیب کا یہ رنگ نہ تھا۔ اکثر شعرا اس حصہ میں اپنے مجازی محبوب کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں۔

بقول فضل احمد عارف:

"بوصیری پہلے شخص ہیں، جنہوں نے نعت گوئی میں تشبیب کی روایت کو توڑا۔"[۱۹۱]

دوسری فصل میں نفسِ اَمّارہ کی مذمت ہے۔ تیسری میں حضورِ اکرمؐ کے ذاتی خصائل و فضائلِ حمیدہ اور چوتھی فصل میں آپؐ کی ولادت کا تذکرہ ہے۔ پانچویں میں آپؐ کے پیغام و دعوت اور چھٹی فصل میں قرآن مجید کے شرف کا ذکر ہے ساتویں اور آٹھویں میں معراج النبیؐ، غزوات اور جہاد النبیؐ کا بیان ہے۔ نویں اور دسویں فصل میں بوصیری نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رسول اکرمؐ سے شفاعت طلب کی ہے۔ مناجات، بخشش اور مغفرت کی التجا پر مشتمل یہ حصہ درد، سوز اور تاثیر کے اعتبار سے منفرد ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ فنی طور پر بھی یہ قصیدہ نعتیہ ادب میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ بردہ کے بہت سے شارحین نے اس کے فنی محاسن، فصاحت و بلاغت، صنائع و بدائع اور شعری خصوصیات کے ضمن میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ نکلسن نے قصیدہ بردہ کے رواں اور پُر شکوہ اسلوب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''The Borda may be read with pleasure on account of its smooth and elegant style'' [۱۹۲]

بردہ کی ایک نمایاں خوبی جو اسے دوسرے نعتیہ قصائد سے ممتاز کرتی ہے اس کی شفائیہ تاثیر ہے۔ بردہ کے اکثر شارحین نے بعض بیماریوں سے شفا اور آفات کے رد کے لیے اس کا وظیفہ تجویز کیا ہے[۱۹۳]۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنے روحانی اثرات کے لحاظ سے کوئی قصیدہ، بردہ کے مقابل کو نہیں پہنچتا۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں سے یہ قصیدہ صوفیائے کرام کے حلقوں[۱۹۴] اور مجالس میلاد میں آج بھی ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ قصیدہ بردہ کے مسجدِ نبویؐ میں پڑھے جانے[۱۹۵] اور مسجد کی چھت کے گنبدوں پر لکھے جانے کی روایت بھی ملتی ہے[۱۹۶]۔ بلاشبہ یہ

قصیدہ اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کی مختلف زبانوں میں سینکڑوں شرحیں کی گئیں۔ ان گنت شاعروں نے اس قصیدے کی تقلید میں قصیدے کہے۔ نثر اور نظم میں اس کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوئے۔ اس قصیدے کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ شرحیں اسی قصیدے کی لکھی گئیں ہیں۔

آٹھویں صدی میں شہاب محمود الحلبی (م ۷۲۵ھ) نے پچاس کے قریب نعتیہ قصیدے لکھے۔ انہوں نے ایک منظوم سفرنامۂ حج اور منظوم سیرت نبویؐ لکھ کر نعت کے دائرے میں وسعت پیدا کی۔ ان کے قصائد میں معراج اور غیر مشہور معجزات کا ذکر التزاماً ملتا ہے۔ ان کے ایک تائیہ قصیدے میں روضۂ رسولؐ کے پر فضا ماحول، در اقدس، حجرہ مبارکہ، ریاض الجنۃ کا احوال اور اپنی حاضری و سلام کی کیفیت کو بڑی خوبصورتی اور عقیدت و محبت سے قلم بند کیا ہے۔ اسی عہد میں ابن نباتہ مصری (م ۷۶۸ھ) نے نعت میں نئی جہتوں کا اضافہ کیا۔ ان کے ہاں تمہید و تشبیب کے اشعار میں صنائع بدائع، ادبی محسن اور دقت پسندی عام ہے۔ صنعت گری کے ساتھ ان کی نعت میں سنجیدگی اور وقار بھی ہے۔ سیاسی اشعار کی تعداد کم ہے اور فکر و فن پر ذہانت اور قابلیت غالب ہے۔ جابر الاندلسی (۷۸۰ھ) نے اسی دور نعت میں "بدیعیہ" کے نام سے ایک نئی طرز ایجاد کی اور اسے مختلف صنعتوں سے مزین کیا۔ مدائح النبوی میں اس نے طرز کی تقلید بعد میں بہت سے شعراء نے کی جن میں ابن حجۃ الحموی کا بدیعیہ بہت مشہور ہے۔

نویں صدی میں عبدالرحیم البرعی (م ۸۰۳ھ) نے نعت کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کے قصائد نعت کی تشبیہیں گردش زمانہ، اہل دنیا کی بے مہری اور پند و نصائح کے مضامین سے عبارت ہیں۔ انہوں نے مختلف بدلتے ہوئے زمانوں کے تناظر میں حضور اکرمؐ کی ذات والا صفات کے ہر لحہ پھیلتے اور بڑھتے اثرات محسوس کئے ہیں اور انہیں نعت میں خوبصورتی سے منتقل کیا ہے۔ ان کے نعتیہ دیوان میں عقیدت و محبت اور فدویت و سرشاری کے جذبات موثر اور قابل ستائش ہیں۔

عہد جدید میں یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (م ۱۳۲ھ) اور احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) عربی نعت کے دو قابل ذکر نام ہیں۔ عربی کے نعتیہ کلام کی ترتیب و تدوین میں نبہانیؒ کا کام کئی اداروں پہ بھاری ہے۔ المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ (چار ضخیم جلدوں) کے علاوہ انہوں نے سیرت و تذکار رسولؐ کے سلسلے میں لکھی جانے والی کئی کتابوں میں اسمائے رسول کریمؐ اور موقع محل کی مناسبت سے عربی کے نعتیہ اشعار و قصائد کے بکثرت حوالے دیئے ہیں۔ مجموعہ نبہانی میں انہوں نے مختلف ردیفوں میں اپنے ۲۱ قصیدے اور کچھ متفرق اشعار جمع کئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے نعتیہ کلام کو بعض علیحدہ مجموعوں میں بھی شائع کیا ہے جن میں "طیبۃ الغراء فی مدح سید الانبیاء" زیادہ مشہور ہے۔ نعت نبہانی حضور اکرمؐ سے محبت و عقیدت اور شیفتگی و وارفتگی کا رنگ رکھتی ہے۔ ان کی نعتوں میں محبت رسولؐ کا شدید جذبہ ملتا ہے۔ اپنے عقائد میں شدت کے سبب وہ بعض مذہبی فرقوں میں معتوب بھی رہے اور بعض عرب ممالک میں آج بھی ان

کی کتابوں کی اشاعت و فروخت پر پابندی ہے۔

احمد شوقی بالاتفاق موجودہ صدی کے سب سے بڑے نعت گو شاعر مانے جاتے ہیں۔ چار جلدوں پر مشتمل ان کی کلیات کا نام "الشوقیات" ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا بڑا حصہ آنحضرتؐ کی محبت، قرآنی تعلیمات کی عظمت اور مسلم دنیا کی وحدت کے مضامین سے عبارت ہے۔ اسلامی جذبہ پوری قوت سے ان کی شاعری میں کارفرما ہے[۱۴۸]۔ نعت میں ان کے تین قصیدے بڑے اہم ہیں۔ ایک الھمزیۃ النبویہ، دوسرا ذکر المولد اور تیسرا نہج البردہ۔ جو امام بوصیری کے انداز میں اور انہی کی طرز پر کہا ہوا قصیدہ ہے۔ شوقی کے فن کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کلاسیکی عربی شاعری کے تمام محاسن کو اپنی شاعری میں سمو لیا ہے۔ انہیں اظہار پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ آسان ترکیبوں اور شگفتہ الفاظ میں وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہیں۔ بقول احمد حسن زیات:

> "تمام نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ شوقی ان دس صدیوں کا نعم البدل ہے جن میں متنبی کے بعد سے عربی تاریخ میں کوئی موہوبی صلاحیتیں رکھنے والا ایسا شاعر پیدا نہ ہوا جو وحی افکار کے منقطع سلسلے کو جاری کرتا اور ادب کے فرسودہ اسلوب میں نئی روح پھونکتا"[۱۴۹]

ان کی اسی خوبی کے سبب عرب ممالک کے نمائندہ شعراء نے ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں "امیر الشعراء" کا خطاب دیا۔

شوقی کے نعتیہ قصائد میں ولادتِ نبویؐ، معجزاتِ رسول اکرمؐ، شمائل و خصائلِ محمدیؐ کے ساتھ بڑی دردمندی اور دلسوزی سے مسلمانوں کو درپیش مسائل کا اظہار ملتا ہے۔ ان کی نعت گوئی کے پس منظر میں دینی و اسلامی جذبہ کارفرما ہے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان سماجی و معاشرتی برائیوں، مذہب سے دوری اور عیش کوشی کو چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اخلاق کو اپنائیں۔ ان کے ہمزیہ کا خاتمہ دربارِ رسالتؐ میں بڑے پُردرد اور مؤثر استغاثے پر ہوتا ہے۔ شوقی نے عصرِ حاضر میں ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کا رونا رو کر اہلِ بیت کے وسیلے سے دعا اور التجا کی ہے[۱۵۰]۔ شوقی عربی شاعری کے دورِ جدید کے سب سے نمایاں نعت گو ہیں۔ ان کے بعد سے اب تک بہت سے شاعروں نے مدحِ رسولؐ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ مگر مقدارِ کلام، تاثر اور شہرت میں کوئی شوقی کے مقام تک نہ پہنچ سکا۔

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعت کے نمونے

عربی نعت عہدِ صحابہؓ اور عہدِ مابعد صحابہؓ سے ہوتی ہوئی برصغیر تک پہنچی۔ ایران کے فارسی شعراء نے بھی عربی زبان میں مدحِ رسولؐ کی روایت کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے خالص عربی میں بھی نعتیں لکھیں اور عربی فارسی زبانوں کو ملا کر بھی نعتیہ اشعار کہے۔ خالص عربی مثالوں میں شیخ سعدیؒ کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے:

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلّوا علیہ و آلہٖ [۱۵۱]

عربی فارسی زبانوں کے امتزاج سے لکھی جانے والی نعتوں کے نمونے حکیم سنائیؔ، شیخ سعدیؔ، خواجو کرمانیؔ، مولانا جامیؔ کے دواوین میں بکثرت مل جاتے ہیں۔

برصغیر میں عربی کی نعتیہ شاعری[۱۵۲] کی روایت بھی گزشتہ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ برصغیر میں عربی نعت کی تخلیق خالص شاعروں کی بجائے ان صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے کی جو عشقِ رسول میں سرشار ہونے کے ساتھ شعروشاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ ان میں شاہ ولی اللہ، شیخ احمد تھانیسری، علامہ آزاد بلگرامی، شاہ عبدالعزیز، شیخ عبدالمقتدر کندی تھانیسری اور مولانا فضل حق خیرآبادی کے نام خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ "نزہتہ الخواطر" میں مولانا سید عبدالحی نے برصغیر کے بہت سے عربی شاعروں کے ضمن میں ان کے نعتیہ اشعار کے نمونے درج کئے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد محمد امین نقوی، ابوطاہر سیف الدین، ظفر احمد عثمانی، نیر واسطی اور عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری میں عربی زبان و ادب کے اثرات نظر آتے ہیں۔ خالد کی زیرِ طبع نعتیہ کتاب "عبدہٗ" کا ایک بڑا حصّہ عربی میں ہے۔

عربی نعت گوئی کے ارتقا اور جائزہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور صرف ان شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے مضامین و موضوعات اور اسالیب نے اردو شاعری کے نعتیہ حصہ پر اثرات ڈالے۔ اگر تلاش و تجسس سے کام لیا جائے تو عربی میں چھوٹے بڑے سینکڑوں شاعر اور مل جائیں گے جنھوں نے نعتیہ اشعار کہے۔

فارسی نعت کا ارتقائی جائزہ

عربوں کی فتحِ ایران کے بعد جب اسلام کی شعاعیں اس سرزمین پر پھیلیں تو فارسی شعروادب پر بھی اس کے اثرات پڑے۔ عربی کی طرح فارسی شعرا نے بھی صنفِ نعت کے محبوب مشغلے کو اختیار کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت و ادب کے شاہکار پیش کئے۔ عجمی لہجے میں جب حجازی لَے شامل ہوئی تو نعت کا ایک نیا اور بالکل اچھوتا اسلوب سامنے آیا۔ یہ نیا اسلوب فارسی نعت کی ہمہ رنگی اور موضوعات کے تنوّع سے عبارت ہے۔

فارسی شاعری کے نعتیہ عناصر کی تلاش میں ہمیں سب سے پہلے دورِ سامانیہ، دورِ غزنویہ اور سلجوقیہ کے شعری سرمایہ کا جائزہ لینا ہے۔ ان ادوار کے فارسی شعرا میں رودکی، عنصری، فرخی، منوچہری، انوری، فردوسی،

ابوسعید ابوالخیر اور (آلِ سلجوق کے دور میں) حکیم سنائی کا نام زیادہ مشہور ہے۔ مگر جہاں تک نعت کی تخلیق کا تعلق ہے حکیم سنائی کے علاوہ دوسرے شاعروں کے ہاں اس کی طرف بہت کم توجہ ہے بلکہ اکثر کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کے کلیات و دواوین میں سلاطین و امراء کے خوشامد اور تعریف میں قصیدے تو نظر آتے ہیں مگر افسوس ہے انہیں نعتِ رسولؐ میں چند شعر لکھنے کی بھی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ابوالقاسم فردوسی (م ۴۱۱ھ) کی مشہورِ زمانہ تصنیف "شاہنامہ" کے ساٹھ ہزار اشعار میں صرف چند اشعار نعت کے ملتے ہیں۔ ان میں منقبتِ صحابہؓ بھی شامل ہے۔ ان اشعار کا عنوان "مدحتِ رسولؐ و اصحابِ اوؓ" ہے۔[۱۵۳]

دورِ سلجوقیہ کے رباعی گو شعراء باباطاہر عریاں، ابوسعید ابوالخیر اور عبداللہ انصاری وغیرہ کے ہاں کہیں کہیں نعتیہ عناصر کا پرتو ملتا ہے۔ ان کی شاعری کا غالب رجحان عرفان و معرفت اور صوفیانہ واردات و کیفیات کی ترجمانی ہے مگر ان کے یہاں نعتیہ رباعیاں بھی نظر آتی ہیں۔ ابوسعید ابوالخیر (م ۴۴۰ھ) کی یہ رباعی دیکھئے:

خداوندا بگردانی بلا را
ازیں آفت نگہداری تو مارا
بحقِ آں دو گیسوئے محمدؐ
زبوں گرداں زبردستان مارا[۱۵۴]

ناصر خسرو (ح ۴۸۱ھ) اور فخرالدین گرگانی (م بعد ۴۵۰ھ) بھی مذہبی رجحانات رکھنے والے شاعر ہیں۔ ناصر خسرو کے قصیدۂ نعت میں منقبتِ علیؓ کا رنگ بڑی خوبصورتی اور سلیقے سے آیا ہے۔ گرگانی نے اپنے نعتیہ اشعار میں حضور اکرمؐ کے زمانۂ ولادت کے احوال، تمدن و معاشرت اور ماحول کو پیش کیا ہے اور اس پس منظر میں فضائلِ نبویؐ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے اسلوبِ نعت میں تاریخی و عمرانی شعور کارفرما ہے۔ انہوں نے آغازِ اسلام سے قبل اور بعد کی اخلاقی، مذہبی، معاشرتی اور تمدنی حالت کا فرق واضح کرتے ہوئے منصبِ نبوت، فیضانِ نبوت اور کردارِ صحابہؓ پر روشنی ڈالی ہے اور بعثتِ رسول اکرمؐ پر سپاس و شکر کا اظہار کیا ہے۔ ان کی مثنوی "ویس و رامین" میں نعت کا حصہ بڑا بھرپور، دقیع اور موثر ہے۔

حکیم سنائی (م ۵۴۵ھ) فارسی کے پہلے اہم نعت گو شاعر ہیں۔ انہوں نے نعتیہ قصیدے لکھنے کے علاوہ اپنی حکیمانہ مثنویوں میں بھی نعتیہ موضوعات کی طرف خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے نعت کے پیرایہ میں دینی تعلیمات، پیغامِ رسالت مآبؐ، معارف و حقائق اور عرفان و حکمت کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں قرآنی آیات و احادیث کے ساتھ ساتھ قصص و تمثیلات اور علمی و فنی اصطلاحات کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے فارسی میں نعت گوئی کو ایک واضح، مربوط اور موثر شکل دی۔ ان کی مثنویوں حدیقۃ الحقیقت، طریق التحقیق اور سیر العباد میں نعتیہ

کلام جداگانہ عنوانات کے تحت ملتا ہے۔ طوالت کے خوف سے یہاں ان کے نمونے نہیں دیئے جاتے۔ البتہ چند عنوانات کی نشاندہی کی جاتی ہے جن سے ان کے نعتیہ کلام کے مضامین و موضوعات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ "اندر ہدایت کمالِ نبوت" اندر کرامتِ نبوت، در صفت معراجش، ذکر تفصیل پیغمبر علیہ السلام بر سائر انبیاؑ، فی اتباع صلوٰت اللہ علیہ ذکر تفضیلش در تفسیر و ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین، اندر درود دادن بر او و آلِ او صلی اللہ علیہ وسلم، اندر ترجیح او بر پیغمبران علیہم السلام ..... وغیرہ وغیرہ[۱۵۵]

سنائی کی مثنویوں کے نعتیہ حصے شعری محاسن، ان کے حکیمانہ انداز، صوفیانہ گہرائی اور الہامی برجستگی کے سبب دل آویز اور اثر آفریں ہیں۔ ان میں خلوص کی فراوانی اور حضورِ اکرمؐ کی ذات اور پیغام سے محبت و شیفتگی کا احساس و اظہار بدرجۂ اتم موجود ہے۔

سنائی کے ساتھ فارسی نعت کے ارتقا میں ایک نام جمال الدین اصفہانی (م ۵۸۸ھ) کا ملتا ہے۔ ان کے اشعار میں صنائع بدائع کی کثرت ہے۔ مگر ان میں کوئی ابہام یا پیچیدگی نہیں۔ ان کے قصائد کا موضوع اخلاق ہے۔ تحمید باری، نعت حضرت رسول اکرمؐ کے نام سے ایک قصیدہ حمد و نعت میں ہے۔ نعت میں ایک ترکیب بند بھی بڑا معروف ہے۔ جس کے آخری شعر بڑے موثر ہیں۔ چند شعر درجِ ذیل ہیں:

گرچہ نہ سزائی حضرت تواست
بپذیر ہر آنچہ ایں گدا گفت
ہر چند فضول گوئی مروی است
آخر نہ ثنائی مصطفےٰ گفت
در عمر ہر آنچہ گفت یا کرد
نادانی کرد و ناسزا گفت
...... تو محو کن از جریدہ او
ہر ہرزہ کہ از سرِ ہوا گفت
چوں نیست بضاعتی ز طاعت
از ما گنہ و ز تو شفاعت[۱۵۶] ص: ۹۸

سید حسن ملقب بہ اشرف غزنوی (م بحدود ۵۵۵ھ) کے دیوان میں ۵۳۔ اشعار کا ایک ولولہ انگیز نعتیہ ترجیع بند موجود ہے جس میں روضۂ رسولؐ پہ حاضر ہونے کی کیفیات اور خوش بختی کا ذکر بڑے موثر پیرائے میں کیا گیا ہے۔ خاقانی شیروانی (م ۵۸۲ھ) کا نام اس دورِ نعت میں سب سے نمایاں ہے۔ بقول پروفیسر ضیاء احمد:

"سردفتر مداحانِ مصطفوی" اور "سر آمد عاشقانِ نبوی" خاقانی شروانی کا نام اس سلسلہ کا "واسطۃ العقد اور "درۃ التاج" کہا جائے تو بے جا نہیں۔ مشہور ہے کہ عرب نے حسان بن ثابتؓ، ایران نے خاقانی شروانی اور ہند نے محسن کاکوروی کے رتبے کا نعت گو پیدا ہی نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت سے لے کر اب تک اہلِ علم اس (خاقانی) کو "حسان العجم" کے لقب سے یاد کرتے آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شروع ہی سے نعت سے شغف تھا اسی لئے اس کے چچا نے اس کو یہ لقب دیا۔ خود خاقانی اپنے لئے یہی لقب استعمال کرتا ہے۔ ؎

مصطفےٰ حاضر و حسانِ عجم مدح سرا
پیش یک مرغ خمش، طوطی[۲] گویا بپسند[۱۵۷]

خاقانی کا نعتیہ سرمایہ ان کے متعدد قصائدِ نعت کے علاوہ ان کی مشہور مثنوی "تحفۃ العراقین" پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی دراصل ان کے سفرِ حج (۵۵۱ھ) کی پوری سرگزشت ہے۔ اس مثنوی میں (خصوصاً چوتھے اور پانچویں مقالے میں) مکہ و مدینہ کے ذکر میں نعتِ رسولِ اکرمؐ کے خوبصورت نمونے ملتے ہیں۔ خاقانی کے نعتیہ کلام میں پورے شعری محاسن موجود ہیں۔ ان کے ہاں صنائع بدائع کے علاوہ مختلف علوم و فنون کی اصطلاحیں اور تلمیحات کا استعمال بکثرت ملتا ہے ان کی تراکیبِ شاعری میں ان کی امتیازی حیثیت کا پتہ دیتی ہیں۔ انہیں مشکل ردیف و قافیہ پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ ان کے قصائد طویل اور موثر ہیں۔ زورِ طبیعت کے ساتھ ساتھ خلوص و عقیدت اور حضورِ اکرمؐ سے وابستگی و شیفتگی کا اظہار بھی دلپذیر ہے۔ خصوصاً حرمین شریفین میں کہے گئے قصیدوں میں زورِ کلام اور لطفِ کلام بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان میں حاجیوں کے ہجوم اور اہلِ دل کے ذوق و شوق کی تفصیلات کا بیان ہے۔ مدینہ منورہ میں حاضری اور مواجہۂ اقدس پر درود و سلام کی کیفیات کا کیف آور اظہار ہے اور وہاں سے واپسی پر زیارتِ روضۂ رسولؐ سے مشرف اور سعادت مند ہونے کے احساس کا ذکر ہے۔ ان قصیدوں میں سے کچھ کے مطلعے درج ذیل ہیں:

سر بر فقر ترا سر کشد به تاج رضا
تو سر بجیب ہوس در کشیدہ ای بہ خطا[۱۵۸]

عقل ہنوز بستۂ گہوارۂ فنا
مرد آں زماں شوی کہ شوی از ہمہ جدا[۱۵۹]

صبح وارم کافتابے در نہاں آوردہ ام
آفتابم کز دم عیسیٰ نشاں آوردہ ام[۱۶۰]

خاقانی کی نعتوں میں زمانے کی شکایت اور اپنے عہدِ اسیری کے رنج و محن کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان کے ایک ایسے ہی قصیدے "در شکایت از جہان و مدحِ پیغمبرِ اکرمؐ" کا مطلع ہے:

قحطِ وفاست در بنۂ آخر الزماں

ہاں ای حکیم، پردۂ عزلت بسازہاں [161]

نظامی گنجوی (م ۵۹۹ھ) دورِ سلجوقیہ کے آخری بڑے شاعر ہیں۔ ان کی پانچ مثنویاں خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان مثنویوں میں نعت کے موثر اور دلآویز نمونے ملتے ہیں۔ وہ نعت لکھتے ہوئے شعر اور فلسفہ میں کچھ اس طرح کا امتزاج پیدا کرتے ہیں کہ مضمون بلند اور باعظمت ہو جاتا ہے۔ ان کے محاسنِ شعری میں انتخابِ الفاظ، ایجادِ ترکیبات اور جزئیات نگاری کا کمال ملتا ہے۔ ان کے عارفانہ مزاج کے سبب ان کے نعتیہ کلام میں خلوص و عقیدت اور کیف و جذبہ کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ مثنوی "مخزن الاسرار" کے یہ نعتیہ اشعار دیکھئے:

ای مدنی برقع و مکی نقاب

سایہ نشیں چند بود آفتاب

گر مہی از مہر تو موئی بیار

ور گلی از باغ تو بوئی بیار

منتظراں رابلب آمد نفس

ای ز تو فریاد، بفریاد رس

سوی عجم راں منشیں در عرب

زردہ روز اینک و شبدیز شب

ملک برآرای و جہاں تازہ کن

ہر دو جہاں را پُر از آوازہ کن [162]

ان اشعار میں خیالات کی رفعت اور استعارات کی لطافت کے ساتھ اثر آفرینی، زور اور روانی دل پذیر ہے۔ انہوں نے نعت میں جس تڑپ اور خلوص سے عصری مسائل اور آشوب کا حال قلم بند کیا ہے اس سے ان کے کلام میں دردمندی اور دل سوزی کی کیفیات پیدا ہو گئی ہیں۔ اسی مثنوی میں آگے چل کر مسلمانوں کے عام انتشار کا نقشہ کھینچ کر حضورِ اکرمؐ سے استمداد کی درخواست کرتے ہیں:

از طرفی رخنۂ دیں می کنند

وز دگر اطراف کمیں می کنند

شحنۂ توئی قافلہ تنہا چراست
قلب تو داری علم آنجا چراست
شب بسرِ ماہِ یمانی در آر
سرچومہ از بردِ یمانی بر آر
..... پانصد و ہفتاد بس ایّامِ خواب
روز بلند است ، بمجلس شتاب
خیز و بفرمای سرافیل را
باز دمیدن دو سہ قندیل را
خلوتیٔ پردۂ اسرار شو
ما ہمہ خفتیم تو بیدار شو ..... [۱۶۴]

رسولِ اکرمؐ کے حضور استغاثہ و استمداد کا یہ انداز کم و بیش ان کی ہر نعت میں ملتا ہے۔ انہوں نے جس سلیقے سے دربارِ رسالت مآبؐ میں اپنے ذاتی اور ملّتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل کو پیش کیا ہے۔ وہ فارسی نعت کے اسالیب میں ایک خوش گوار اضافہ ہے۔ عرضِ احوال بحضور اکرمؐ کے مقام پر ان کے نعتیہ کلام میں جذب و کیف کی خوبی اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ مجموعی طور پر فارسی نعت کے ارتقا میں نظامی ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے فارسی نعت کو جو سوز و گداز عطا کیا وہ ان سے پہلے کم کم نظر آتا ہے۔ مثنوی میں واقعہ معراج بھی نظامی ہی سے شروع ہوا۔ مثنوی "لیلیٰ مجنوں" میں معراجِ پیغمبرؐ کے ذیل میں لکھے گئے اشعار ایک عمدہ معراج نامہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ مولانا نظامی کے بعد کے شعرا کی مثنویوں میں معراجیہ اشعار کا التزام و رواج انہی کی تقلید میں ہے۔

دورِ مغول جو چنگیز خاں کے تسلط سے تیمور کی تخت نشینی (۶۲۸ھ تا ۷۷۱ھ) تک پھیلا ہوا ہے۔ فارسی نعت کے ارتقا میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں عطّار، رومی، سعدی، اوحدی اور خواجو جیسے باکمال شاعروں نے فارسی نعت کی روایت کو آگے بڑھایا۔ اور فکری و فنّی دونوں اعتبارات سے اس صنفِ سخن کے نئے نئے امکانات دریافت کئے۔ خواجہ فرید الدین عطار (م ۶۲۷ھ) کا کلام صوفیانہ و عارفانہ، زبان سادہ اور انداز دلپذیر ہے۔ عشق و وارفتگی اور جذب و مستی کے سبب ایک کیف آور فضا ان کے سارے کلام پر محیط ہے۔ بقول ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا "گفتار دل انگیز وی کہ از دل سوختہ و عاشق شیدا می آید"[۱۶۵] ان کا کلام دلسوزی اور شیفتگی سے مملو ہے۔ مولانا عطار کے نعتیہ اشعار کا بڑا مآخذ ان کی حکیمانہ و عارفانہ مثنویاں (منطق الطیر، اسرار نامہ، مظہر العجائب، الٰہی نامہ اور وصیت نامہ وغیرہ) ہیں۔ روانی اور اثر آفرینی عطار کی نعت گوئی کا خاصہ ہیں۔ اُن کی

نعتوں میں قرآن و حدیث کے حوالے نمایاں ہیں۔ حضورِ اکرمؐ سے عقیدت و شیفتگی کا اظہار بھی موثر ہے۔ منطق الطیر کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے سوا سو کے قریب اشعار ہیں جن میں صوفیانہ انداز میں نورِ محمدی اور خلقتِ محمدی کا بیان ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

خواجۂ دنیا و دیں گنجِ وفا
صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفےٰؐ
..... ہر دو عالم بستۂ فتراکِ تو
عرش و کرسی قبلہ کردہ خاکِ او
..... ہمچو شبنم آمدند از بحرِ جود
ہر دو عالم از طفیلش در وجود
نورِ او مقصودِ موجودات بود
اصل موجودات و معدومات بود
حق چو کرد آں نورِ مطلق در ظہور
آفرید از نورِ او صد بحرِ نور
..... ہم پس و ہم پیش از عالم توئی
سابق و آخر بہ عالم ہم توئی

ص: ۵۸۷

ان کی مثنویوں کے علاوہ بعض قصیدوں میں بھی نعت کے شعر مل جاتے ہیں جو جملہ محاسنِ شعری اور سوز و گداز کے سبب فارسی نعت کے ارتقا میں اہم حیثیت کے حامل ہیں۔

جمال الدین اصفہانی (م ۶۳۲ھ) اور فخر الدین عراقی (م ۶۸۸ھ) بھی اسی عصر کے شاعر ہیں۔ جمال کی نعت گوئی میں اپنی اصطلاحات و تلمیحات کے متعدد حوالے ملتے ہیں جبکہ عراقی کی نعت داخلیت اور جذب و مستی کا عنصر لئے ہوئے ہے۔ مولانا روم (۶۷۲ھ) کے ہاں جمال و عراقی دونوں کی صفات کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کے اشعار علمی شکوہ اور جذب و کیف دونوں خصوصیات سے مملو ہیں۔ مثنوی مولانا روم میں جا بجا نعتِ رسولؐ کے اشعار نظر آتے ہیں۔ حکیمانہ نکات کے بیان میں انہوں نے جہاں قرآنِ حکیم کی آیات کے حوالے دیئے ہیں وہاں احادیثِ نبویؐ کو بھی مختلف قصص و حکایات اور تمثیلات کی وضاحت کے لئے استعمال کیا ہے۔ حضورِ اکرمؐ کی عظمت و فضیلت اور حقیقتِ محمدی کو صوفیانہ نکتہ رسی سے پیش کرنے کا اسلوب ان کی

مثنوی میں نمایاں ہے۔ بقول ڈاکٹر اشفاق اس کی مثال نعتیہ ادب میں صرف ڈاکٹر اقبال کے یہاں ملتی ہے۔ معانی اور بیان کے نئے نئے اسالیب نعتیہ شاعری کے لئے مولانا ہی نے فراہم کئے ہیں[166]۔ ان کا نمونۂ نعت دیکھئے:

سیّد و سرور محمدؐ نورِ جاں
مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں
آں چناں گشتہ پر از اجلالِ حق
کہ درو ہم رہ نیابد آلِ حق
زاں محمدؐ شافعِ ہر داغ بود
کہ ز سرمہ چشمِ او مازاغ بود [167]

از الم نشرح دو چشمش سرمہ یافت
دید آنچہ جبرئیل آں بر نہ تافت
گر بگویم تا قیامت نعتِ او
ہیچ او را مقطع و غایت مجو

شیخ سعدی (م ۶۹۱ھ) کا نعتیہ کلام حضور اکرمؐ کی ذات سے عقیدت و محبت کے عنصر سے معمور ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار کی زبان پاکیزگی کے جوہر سے متصف ہے۔ ان کے نعتیہ شعروں میں عربی الفاظ کا استعمال بھی ایک قرینے اور سلیقے سے ملتا ہے۔ سعدی کے کلیات میں نعتیہ اشعار کی تعداد نامی ہے۔ مثنوی بوستان کے علاوہ انہوں نے نعت میں چند غزلیں بھی لکھیں۔ مکتوبات خواجہ اور صاحب دیوان کے ترجیع میں چند اشعارِ نعت گویا تبرک کے خیال سے لکھے گئے ہیں۔ ان کی وہ نعت جو ... علیٰ سے شروع ہوتی ہے بہت مشہور ہے۔ اور نعت سعدی کے ضمن میں اکثر محققین نے اسی کا حوالہ دیا ہے ... مولانا ... کے انداز میں ہے اور بوستانِ سعدی کے آغاز میں یہ چند شعر درج ذیل ہیں:

کریم السجایا، جمیل الشیم
نبی البرایا، شفیع الامم
امامِ رسل، پیشوائے سبیل
امینِ خدا، مہبطِ جبرئیل

شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر
امام الہدیٰ، صدر دیوانِ حشر
کلیمی کہ چرخ فلک طور اوست
ہمہ نورہا پرتو نور اوست
شفیع، مطاع، نبی کریم
قسیم، جسیم، نسیم و سیم
یتیمی کہ ناخواندہ قرآں درست
کتبخانۂ ہفت ملت بشست ...... [۱۶۸]

اس نعت کے آخری شعر سعدی کی آنحضرتؐ سے وابستگی و شیفتگی کے ترجمان ہیں۔ ان اشعار میں خلوص، سوز اور محبت کے جذبات کا بڑا موثر بیان ہے۔ ان میں سے کچھ شعر سینکڑوں سالوں سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی روزمرہ دعاؤں میں شامل ہیں۔ یہ شعر دیکھئے:

خدایا بحق بنی فاطمہ رضہ
کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و داماں آلِ رسولؐ

نعت کا اختتامیہ ملاحظہ ہو:

بلند آسماں پیش قدرت خجل
تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل
تو اصلِ وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست
.... ترا عز "لولاک" تمکیں بس است
ثنای تو طٰہٰ و یاسیں بس است
چہ وصفت کند سعدیٔ ناتمام
علیک الصلوٰۃ ای نبی السلام [۱۶۹]

لطافت، سلاست اور سادگی سعدی کے ان اشعار کا جوہر ہے۔ سعدی کے سبک الفاظ اور خوش

آہنگ ترکیبیں قاری پر ایک وجد آفریں کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ سعدی کی مقبولیت کا سبب ان کا یہی پیرایۂ اظہار ہے۔

ان کے ہاں مرثیہ میں بھی نعتیہ عناصر موجود ہیں۔ بقول مرزا مقبول بدخشانی :

"آپ وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے فرد کا مرثیہ لکھتے ہوئے پوری قوم کی نوحہ خوانی کی ہے۔" [۱۲۰]

خلفائے عباسیہ کے زوال، سقوطِ بغداد، ہلاکو کی بربریت کے پس منظر میں سعدی نے مستعصم باللہ کا جو مرثیہ لکھا وہ گویا پوری قوم اور ملک کا مرثیہ ہے جس کے حرف حرف سے قومی درد جھلکتا نظر آتا ہے۔

اوحدی مراغی (م ۷۳۸ھ) خواجو کرمانی (م ۷۵۳ھ) اور سلیمان ساوجی (م ۷۷۸ھ) نے بھی فارسی نعت کو آگے بڑھایا۔ اوحدی نے اپنی مشہور مثنوی جامِ جم میں نعتیہ اشعار کو صوفیانہ و اخلاقی رنگ میں لکھا۔ خواجو کے نعتیہ اشعار عربی تراکیب اور مصرعوں سے مزین ہیں۔ ان کے ہاں اسلامی اصطلاحات اور قرآنی تلمیحات کے حوالے بھی جا بجا موجود ہیں۔ فکر و جذبہ کی آمیزش ان کی نعتوں کا نمایاں وصف ہے۔ انہوں نے "المسمط المثمن فی نعت الامی العربی الہاشمی القرشی" اور "فی نعت سلطان انبیاء و مناقب الائمہ اثنی عشر علیہم السلام" مثمن لکھے۔ نعت کی ہیئت میں توسیع کے ساتھ انہوں نے نعت کے موضوع میں بھی وسعت پیدا کی۔ دوسرا مثمن جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے نعتِ رسول اکرمؐ کے ساتھ مناقب ائمہ اکرامؓ کے مضمون پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں مثمن خواجو کے خاص رنگ کے نمائندہ ہیں۔ ان میں الفاظ و تراکیب کی بندش اور اصطلاحات و تمثیلات کا شکوہ قابلِ ستائش ہے۔ سلیمان ساوجی نے اپنے نعتیہ اشعار کو تصوف و معرفت کے انداز میں پیش کیا ہے جس سے ان کے شعر فصیح اور موثر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ترکیب بند اور قصیدے کی ہیئت میں نعت کی روایت کو آگے بڑھایا۔

یہ دورِ نعت مولانا عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ) کی نعت گوئی پر ختم ہوتا ہے۔ جامی نہ صرف فارسی نعت بلکہ تاریخ نعت میں منفرد و ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ جملہ محاسن شعری کے علاوہ ان کے نعتیہ کلام کی خوبی ان کا وہ اخلاص اور شیفتگی ہے جو انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہے۔ آنحضرتؐ سے عقیدت و محبت کا احوال ان کی دوسری متعدد تصانیف (شواہد النبوۃ وغیرہ) میں اور ان کی زندگی کے بے شمار واقعات میں جھلکتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری درد و اثر کی معراج ہے۔ وہ حضور اکرمؐ سے فدویت و جاں سپاری اور عشق و محبت کے تجربات و کیفیات کو اپنی نعتوں میں سموتے ہوئے اس کیف و مستی اور جذب و شوق سے پوری طرح سرشار ہوتے ہیں جو عشقِ رسولؐ کا خاصہ ہے۔ انہوں نے غزلیات و قصائد کے علاوہ اپنی مثنویوں (سلسلۃ الذہب، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، یوسف زلیخا، لیلیٰ مجنوں اور خرد نامہ سکندری وغیرہ) میں بھی نعتیہ اشعار لکھے۔ امام بوصیریؒ کے

مشہور نعتیہ قصیدہ "بردہ" کا فارسی میں منظوم ترجمہ بھی کیا۔ برصغیر پاک وہند کے نعت گو شاعروں پر فارسی نعت کے اثرات زیادہ تر مولانا جامی ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ گزشتہ سینکڑوں سالوں سے ان کے نعتیہ اشعار مسجدوں کی دیواروں سے لوگوں کے دلوں تک میں منقش ہیں۔ بعض اشعار کو روزمرہ اوراد و وظائف میں دعا کا درجہ حاصل ہے۔ جامی کے یہ شعر دیکھئے:

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمت للعالمینی
ز محروماں چرا غافل نشینی
ز خاک ای لالہ سیراب بر خیز
چو نرگس خواب چند از خواب بر خیز
بروں آور سر از بُردِ یمانی
کہ روئی تست صبحِ زندگانی
شبِ اندوہ مارا روز گرداں
ز رویت روز ما فیروز گرداں
بہ تن در پوش عنبر بوی جامہ
بسر بر بند کافوری عمامہ
فرود آویز از سر گیسواں را
فگن سایہ بپا سرو رواں را
ادیم طائفی نعلینِ پا کن
شراک از رشتۂ جانہای ما کن ۷۱ء

مولانا جامی کے نعتیہ اشعار کا ایک خاص موضوع لقائے رسول فی الروضہ کی شدید خواہش اور تڑپ کا اظہار ہے۔ ان کی نعتوں خصوصاً مثنویوں کے نعتیہ حصوں میں حضور اکرمؐ سے یہ التجا کہ وہ اپنی آرام گاہ سے باہر تشریف لائیں اور مسلمانوں کو در پیش حالات و مصائب میں ان کی رہنمائی و دست گیری فرمائیں، جامی کا محبوب موضوع ہے۔ روضہ رسولؐ پر حاضر ہو کر سلام کرنے اور حضور اکرمؐ کی طرف سے جواب سننے کی شدید تڑپ اور آرزو بھی اسی موضوع کی ایک شکل ہے۔ ان کی مختلف مثنویوں میں درج ذیل شعر دیکھئے:

ز حجرہ پای در صحن حرم نہ
بہ فرق خاک رہ بوساں قدم نہ
خواہم از شوق دست بوس تو فرد
دست بیروں کن از یمانی برد (سلسلۃ الذہب)

ای بہ سرا پردہ یثرب بہ خواب
خیز کہ شد شرق و مغرب خراب (تحفۃ الابرار)
خوابت از ہفصد و ہشصد بگذشت
قدر برافراز کہ از حد بگذشت (")

مولانا جامی کے اس اندازِ نعت میں مولانا نظامی گنجوی کے ان اشعار کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ نظامی کے ہاں

پانصد و ہفتاد بس ایام خواب
روز بلند است بہ مجلس شتاب (مثنوی مخزن الاسرار)

اور

برآری دست از آں بُرد یمانی
نمائی دستبرد آنگہ کہ دانی (مثنوی خسرو شیریں)

میں بھی اسی کیفیت اور تمنا کا اظہار ہے۔ موضوع کی یکسانی کے باوجود جامی کی نعت میں اخلاص، تڑپ اور گداز کی شدت نمایاں ہے۔ شوقِ دیدار اور اشتیاقِ زیارت روضۂ رسول ؐ کی جزئیات و کیفیات کے اظہار میں مولانا جامی کے ہاں جذب و کیف کی یہ فضا ان سے پہلے اور بعد کی فارسی نعت میں ناپید ہے۔

مثنویوں کے علاوہ مولانا جامی کا نعتیہ سرمایہ ان کی غزلیات و قصائد میں ملتا ہے۔ ذیل میں "کلیاتِ جامی" میں سے کچھ نعتیہ غزلوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ان نعتوں میں سفرِ دیارِ رسول ؐ، حاضری روضۂ رسول ؐ اور دوسرے موضوعاتِ نعت کے اظہار میں شیفتگی اور جذب و مستی کا عنصر نمایاں ہے:

کی بود یارب کہ رُو در یثرب و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم [۱۹۲]

سلام علیک ای نبیِ مکرم
مکرم تر از آدم و نسلِ آدم [۱۹۳]

بانگِ رحیل از قافلہ برخاست خیز ای ساربان
رختم بنہ بر راحلہ آہنگِ رحلت کن روان [124]

ماییم کہ چون لالہ صحرای مدینہ
داریم بدل داغ تمنای مدینہ [125]

نعت میں جامی کا ایک طویل اور موثر ترجیع بند خاص طور پہ قابل مطالعہ ہے۔ اس کا مطلع درج ذیل ہے۔

ما و معین چیست؟ خاک پای محمدؐ
حبلِ متین ربقۂ ولای محمدؐ [126]

مولانا جامی جیسا کہ وکتر صفا نے کہا ہے:

"خاتم شعرای بزرگ فارسی زبان است"۔ [127]

فارسی زبان کے آخری بزرگ اور اہم شاعر تھے۔ ان کے بعد عہدِ صفویہ سے عہدِ جدید تک متعدد شاعروں (ہلال چغتائی (م ۹۳۶ھ) وحشی بافقی (م ۹۹۱ھ) محتشم کاشی (م ۹۹۶ھ) صائب تبریزی (م ۱۰۹۰ھ) مشتاق اصفہانی (م ۱۱۷۱ھ) فتح علی خان صبا (م ۱۲۳۷ھ) صفی علی شاہ (م ۱۲۵۱ھ) وصال شیرازی (م ۱۲۶۲ھ) رجائی (م ۱۲۶۲ھ) اور یغمائی جندقی (م ۱۲۷۰ھ) وغیرہ) نے مقدور بھر نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا مگر ان میں جامی کے پایہ کا کوئی شاعر نہیں۔ مشہور قصیدہ نگار میرزا حبیب اللہ قاآنی (م ۱۲۷۰ھ) عاشق اصفہانی (م ۱۱۸۱ھ) سروش اصفہانی (م ۱۲۸۵ھ) ادیب الممالک فراہانی (م ۱۳۳۵ھ) کے ہاں بھی نعت کے نمونے ملتے ہیں۔ بہار خراسانی (م   ) کا وہ نعتیہ قصیدہ بہت مشہور ہوا جو انہوں نے میلاد النبیؐ (سال ۱۳۸۲ ہجری) کے موقع پر مشہد میں آستانۂ قدس پر پڑھا۔ [128] عصرِ حاضر کے فارسی اخبارات و رسائل میں گاہ گاہے نئے شعراء کی نعتیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ خصوصاً ایران کے حالیہ انقلاب (۱۹۷۹م) کے بعد ایرانی شاعری میں مذہبی رنگ ابھر رہا ہے۔ اور دوسرے مذہبی مضامین کے ساتھ نعتِ رسولِ مقبولؐ کا موضوع بھی زور پکڑ رہا ہے۔

برِصغیر پاک و ہند کی فارسی نعت گوئی

برِصغیر پاک و ہند میں نعتیہ کلام کے واضح نمونے ساتویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ شہاب الدین مہمرہ جنہیں امیر خسرو کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہے سرزمینِ پاک و ہند کے ان اولین شاعروں میں ہیں جنہوں نے تصوف و اخلاق کے ساتھ ساتھ قصیدے کی ہیئت کو حمد و نعت کے مضامین کے لئے بھی استعمال کیا۔ ان کے نعتیہ اشعارِ قصیدہ میں الفاظ کی عظمت، بحر کا شکوہ، الفاظ کے در و بست میں توافق کی

صدا، قافیہ و ردیف کی غنائیت قاری پر کیف کے اثرات چھوڑتی ہے۔ ان کا وہ قصیدہ خاص طور پر ان صفات سے مملو ہے جس کے آخر میں وہ اپنے قصیدے کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

زمن آنکہ ایں قصیدہ طلبیدہ باد جانش

چو قصیدہ ام مزین بجواہرِ معانی [۱۲۹]

امیر خسرو (م ۷۲۵ھ) نے اپنی مثنویوں اور قصائد و غزلیات کی ہیئت میں نعت کے اعلیٰ نمونے تخلیق کئے۔ وہ ایک مستقیم الحال صوفی تھے۔ صاحبِ سماع، صاحبِ وجد اور صاحبِ حال تھے۔ اسی سبب ان کے نعتیہ کلام میں جذب و محویت اور فدویت و جاں سپاری کے جذبات ملتے ہیں۔ دوسرے فنی محاسن کے ساتھ ان کے نعتیہ اشعار میں ترنم و موسیقی کا بھی ایک خاص التزام موجود ہے۔ ان کے نعتیہ کلام (خصوصاً نعتیہ غزلوں) کو اس خصوصیت کے سبب صوفیائے کرام کے حلقہ ہائے سماع میں پسندیدگی و مقبولیت حاصل رہی ہے۔ درج ذیل شعر دیکھئے صرف مطلع اور مقطع پر اکتفا کی گئی ہے:

ای رسالت را علم افراختہ

دستِ تو تیغِ شریعت آختہ

..... بندہ خسرو تا نوید نعتِ تو

زآتش دل را جانِ خود بگداختہ

نعت میں امیر خسرو کا وہ ترکیب بند مرصّع اور موثر ہے جس کا مطلع ہے:

ای دل و جاں ماندہ خیز، رہ سوی جاناں طلب

در نفسِ اہلِ درد، مایہ درماں طلب

خسرو کا یہ ترکیب بند ان کے فنی محاسن کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس میں خلوص، درد، کیف و مستی، سادگی و اثر آفرینی جیسی صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ چونکہ یہ ترکیب بند خاصا طویل ہے اس لئے پڑھنے والے کے ذہن پر اس کے اثرات بھی اسی نسبت سے مرتسم ہوتے ہیں۔ اس کے اختتامی شعر ملاحظہ ہوں:

چوں سفر افتد مرا، در رہِ تاریک گور

پرتوِ دینِ ترا مشعلہ در پیش باد

از بد و نیکو و دروغ، کام ہم ہست ریش

نامِ تو ام بر زباں مرہمِ ایں ریش باد

نوکش ثنایت مرا، کرد زباں پیش گو
شہد شہادت مدام بر سرِ ایں نیش باد
نعتِ تو گنجینہ است، نقدِ دو عالم دراو
طعمۂ زاں تا ابد خسرو درویش باد
گم شدہ ام در تو خواست راہ یقیں می کنم
رہ سوی قرآن و بس ختم بر ایں می کنم

مثنوی "مطلع الانوار" کے نعتیہ اشعار میں حضور اکرمؐ کے اوصاف کے بیان میں خسرو نے جدت پسندی کا ثبوت دیا ہے اور نئے نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔[۱۵] مثلاً آپ کے سایہ نہ ہونے کے ضمن میں کہا ہے کہ یہ حشر کے دن کی گرمی میں اہلِ عذاب کے سروں پر سایہ کرنے کے لئے رکھ دیا گیا ہے۔ یہ نعت پارہ بڑا وقیع اور موثر ہے۔

ابوالفضل فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کی مشہور مثنوی "نل ومن" کے نعتیہ اشعار میں انوری کی قصیدہ نگاری کا شکوہ اور حافظ کی غزل کی فصاحت نظر آتی ہے۔ ان کی نعت میں ان کا مخصوص حکیمانہ اور فلسفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔

آں مرکزِ دورِ ہفت جدول
گردابِ یسیں موجِ اوّل
چابک قدمِ بساطِ افلاک
والا گہرِ محیطِ لولاک
قدرش بہ زمانہ ماہ واکلیل
نورش بہ فلک چراغِ قندیل
..... خاکی و براوجِ عرش منزل
امّی و کتاب خانہ در دل
ہم آیتِ کبریا مؤید
سرلشکرِ انبیا محمدؐ
ہم مطلعِ اوّلِ رباعی
ہم مصرعِ آخرِ رباعی

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بی سایہ و سایہ بانِ عالم ۱۹۱؎

فیضی کے کلام میں فارسی شعروں میں عربی مصرعوں کی پیوند کاری بھی بڑے سلیقے سے کی گئی ہے۔ فیضی نے نعت گوئی کو جو علمی شکوہ اور فنی معیار بخشا وہ بہت کم شاعروں کے ہاں نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں نعتیہ اشعار اگرچہ مقدار میں کم ہیں مگر معیار میں اعلیٰ درجے کے ہیں۔ شکوہِ الفاظ و تراکیب، ندرتِ تشبیہات و استعارات اور زورِ بیان ان کی نعت گوئی کے نمایاں محاسن ہیں۔

جمال الدین محمد عرفی (م ۹۹۹ھ) شیراز سے ہندوستان پہنچے۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں قصائد و غزلیات کے اشعار ان کے ذوقِ نعت کے مظہر ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام رفعتِ تخیل، زورِ بیان اور شکوہِ تراکیب سے مزین ہے۔ قصیدہ نگاری کے جملہ لوازمات کے ساتھ ان کی نعت نگاری میں حضور اکرمؐ سے عقیدت و محبت کا جوہر بھی نمایاں ہے۔ زورِ کلام کے ساتھ اثر آفرینی کے وصف نے انہیں نعت گوئی میں ایک منفرد مقام بخشا ہے۔ ان کا وہ قصیدہ جو انہوں نے ایک روایت کے مطابق خواب میں زیارتِ رسولِ اکرمؐ کے بعد صبح بیدار ہو کر لکھا خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس قصیدے کا مطلع ہے:

سپیدہ دم چو دم آستیں بہ شمعِ نور
شنیدم آیت استغفروا ز عالمِ نور ۱۹۲؎

جذباتِ مسرت و عقیدت سے لکھے گئے اس قصیدے کی تشبیب بڑی ملکوتی فضا لیے ہوئے ہے۔ مضمون آفرینی اور نازک خیالی کے سبب یہ قصیدہ عرفی کے دوسرے نعتیہ قصائد میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس قصیدے کے آخر میں اپنے گناہوں کا ذکر کر کے عرفی نے شفاعت طلبی کا بڑا موثر اظہار کیا ہے۔ نعت کے ضمن میں عرفی کا ایک اور قصیدہ جس کا مطلع ہے

اقبالِ کرم می گزد ارباب ہمم را
ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را

ہے، بہت مشہور ہے۔ الفاظ کی شوکت، بندش کی چستی، تشبیہات و استعارات کی جدت اور تراکیب کی ندرت جو اس زمانے کے فنی محاسن میں بڑی اہم سمجھی جاتی تھی، اس قصیدے میں بکثرت نظر آتی ہے۔ اس قصیدے کے آخر میں فنِ نعت کے بارے میں عرفی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اس صنف کی نزاکت کا احساس ہوتا ہے۔ صنفِ نعت کی نزاکتِ فن کا ذکر کرتے ہوئے اکثر ناقدین عرفی کے انہی شعروں کا حوالہ دیتے ہیں۔

عرفی شتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونینؐ و مدیح کے و جم را [۱۸۲]

عرفی کے ہاں خیال بندی اپنی انتہائی صورت میں نظر آتی ہے۔ وہ کسی سادہ خیال کو اپنے زورِ تخیل سے اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ مضمون بہت بلند ہو جاتا ہے۔ بقول فیضی :

"مضمون کی بلندی، بیان کی قدرت، الفاظ کی چاشنی، فکر کی تیزی اور خیال کی بلندی، جو عرفی کے کلام میں دیکھی ہے اور کسی کے کلام میں نہیں دیکھی۔" [۱۸۳]

عرفی کے کلیات میں نعت گوئی کے اور بھی خوبصورت نمونے ملتے ہیں جن سے ان کی فنِ نعت سے وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً ان کا یہ شعر دیکھئے :

نو عروسی بود در حق فکرتِ من
کہ نہ از زیورِ مدحِ تو بود چہرہ طراز

نظیری نیشاپوری (م ۱۰۲۱ھ) اور مرزا بیدل (م ۱۱۳۳ھ) نے بھی قصیدہ و غزل کی ہیئت میں نعت کہی۔ نظیری کی نعت شدتِ جذبات اور زورِ کلام کے خصائص لئے ہوئے ہے جب کہ بیدل کے نعتیہ کلام میں ان کا منفرد انداز جو حکیمانہ، عارفانہ اور فلسفیانہ مزاج کا عکاس ہے، جھلکتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے :

بغیر درسِ تو علم جہانیاں باطل
بغیر حکمِ تو اعمالِ انس و جاں بیکار
تو ہر طرف کہ ہدایت کنی ہماں قبلہ
بسوی ہر چہ اشارت کنی ہماں دیدار
عطا ہماں کہ پسند د توجہِ کرمت
خطا ہماں کہ تو اش رد کنی، زہے مختار [۱۸۵]

فارسی نعت کی تاریخ میں قدسی کی وہ نعت بے حد مقبول اور مشہور ہے جس کا مطلع ہے :

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اس نعت کو اکثر مرتبینِ نعت[186] نے عہدِ شاہجہاں کے مشہور شاعر حاجی محمد جان قدسی مشہدی (م ۱۰۵۶ھ) سے منسوب کیا ہے۔ بعض ثقہ مصنفین و محققینِ ادب[187] نے بھی اس نعت کو قدسی مشہدی ہی کے حوالے سے درج کیا ہے لیکن یہ نعت قدسی مشہدی کے دیوان یا کلیات کے متداول نسخوں میں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر سمیع الدین احمد نے قدسی مشہدی کے (علی گڑھ، رام پور، بانکی پور، جیبب گنج، برٹش میوزیم اور انڈیا آفس وغیرہ کے مختلف) کلیات و دواوین، جن میں یہ نعت نہیں ہے، کے حوالے سے قدسی مشہدی سے اس نعت کی نسبت کو مشتبہ اور مشکوک قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے نتائجِ تحقیق کی بنیاد اس نعت کے اسلوب اور اس پر لکھے گئے خمسے اور تضمینوں کی شہادت پر رکھی ہے اور اسے حضرت مولانا محمد جان صاحب قدسی مرحوم دہلوی کی تصنیف لکھا ہے۔ بقول ان کے :

"یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شاعر جس کا وطن دہلی تھا انیسویں یا اٹھارویں صدی یعنی عہدِ متاخرین کا شاعر رہا ہوگا۔"[188]

چونکہ اس نعت کے کم و بیش سارے تضمین نگار انیسویں صدی اور اس کے بعد کے ہیں لہٰذا ان کے خیال کو اور تقویت ملتی ہے کہ یہ نعت عہدِ شاہجہانی کے قدسی کی بجائے نسبتاً بعد کے کسی غیر معروف شاعر قدسی دہلوی کی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ نعت یا اس کی کسی تضمین کا ذکر نہیں ملتا۔ اس نعت کے کچھ دوسرے شعر درج ذیل ہیں :

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

من بیدل بہ جمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی
چشمِ رحمت بکشا سوی من انداز نظر
ای قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
.... ما ہمہ تشنہ لبانیم و توی آبِ حیات
رحم فرما کہ ز حد میگذرد تشنہ لبی
نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوی تو شد بی ادبی
.... سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوی تو قدسی پی درماں طلبی

اس نعت کے اشعار کی تعداد ۵ سے ۱۱ تک درج ہوتی رہی ہے۔ یہ نعت قدسی کے جذباتِ محبت و

عقیدت کی ترجمان ہے۔ سیدھے سادے انداز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شیفتگی کا اظہار مصرع مصرع سے ہوتا ہے۔ یہ نعت حضور اکرمؐ کی مدح سے زیادہ شاعر کی داخلی کیفیات اور احساسات کی آئینہ دار ہے اس نعت کی منفرد خوبی اس کی تاثیر ہے۔ ادبی لطافتوں کے ساتھ فریفتگی کا اظہار اتنا مکمل ہے کہ قاری اس کے جذب و کیف سے مخمور ہو جاتا ہے۔

اس نعت کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سینکڑوں شاعروں نے اس کی تضمین کی اور اس پر خمسے لکھے۔ یہ تضمینیں اور خمسے دوسرے جرائد کے علاوہ بنارس کے اخبار 'جریدۂ روزگار' میں بطور خاص چھپتے رہے بقول کالی داس گپتا رضا:

'چار سال (۱۸۸۵ء-۱۸۸۶ء-۱۸۸۹ء-۱۹۰۰ء) ہی کے پرچوں میں نعتِ قدسی کے دو سو سے زائد خمسے چھپے ...... قیاس غالب ہے کہ خمسوں کی مجموعی تعداد پانچ سو کے قریب ہوگی۔'[۱۸۹]

مرزا اسد اللہ غالب (م ۱۲۸۵ھ) کی وجہ شہرت اگرچہ ان کی نعت گوئی نہیں تاہم انہوں نے اپنی فارسی شاعری میں حضور اکرمؐ کی شان میں جو کچھ لکھا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود اتنا وقیع اور اہم ہے کہ برصغیر کی فارسی نعت گوئی کا جائزہ ان کے ذکر کے بغیر ادھورا رہے گا۔ ان کی وہ نعت جس کا مطلع ہے:

حق جلوہ گر بہ طرزِ بیان محمدؐ است
آری کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است

نہ صرف لطافتِ شعری کے اعتبار سے نہایت بلند ہے بلکہ اس کے قریباً ہر شعر میں کسی نہ کسی آیتِ قرآنی یا حدیثِ رسول اکرمؐ کی تفسیر پائی جاتی ہے۔ پروفیسر ضیاء احمد نے غالب کی فارسی نعت گوئی کا ذکر کرتے ہوئے اس نعتیہ غزل میں خاص طور پر آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی کی نشاندہی کی ہے مثلاً مطلع نعت ہی میں ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کی طرف اشارہ ہے۔ کچھ اشعار اور دیکھئے:

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
اما کشاد او ز کمانِ محمدؐ است

(ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی)

دانی اگر بہ معنیِ لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمدؐ است

(لولاک لما خلقت الافلاک)

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمد است

(لعمرک ....)

بنگر دو نیم گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشی زبنانِ محمد است

(اقتربت الساعۃ وانشق القمر)

در خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمد است

(کان الخاتم مثل زر الحجلۃ)

اور اس کا مقطع تو مدحتِ رسولؐ کے سلسلے میں شاعرانہ عجز کے اظہار کے لئے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ غالب کہتے ہیں:

غالب ثنای خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است ۱۹۰

غالب نے قصیدہ[۱۱۱] و مثنوی میں بھی نعت لکھی۔ ان کی نعتیہ غزلوں کے مطلعے درج ذیل ہیں:

مرا دلی است بہ پیں کوچہ گرفتاری
کشادہ روی تر از شاہدانِ بازاری

آں بلبلم کہ در چمنستان بہ شاخسار
بود آشیانِ من شکنِ طرۂ بہار

چوں تازہ کنم در سخن آئینِ بیاں را
آوازہ دہم شیوہ رباہم نفساں را

پہلا قصیدہ عرفی کی زمین میں ہے۔

دوسرا قصیدہ نسبتاً طویل ہے اور ۱۰۱ اشعار پر مشتمل ہے۔

تیسرے قصیدے میں منقبت جناب علیؓ کا بیان بھی شامل ہے۔ غالب کے یہ قصیدے ان

اوصافِ شعری (طرزِ ادا، ترکیب و تشبیہات اور زورِ بیان وغیرہ) سے مزین ہیں جو ان کی قصیدہ نگاری سے خاص ہیں۔[192]

مرزا غالب کی مثنوی "ابرِ گہر بار"[193] میں بھی نعتیہ مضامین ملتے ہیں۔ انہوں نے یہ مثنوی حضور اکرمؐ کے غزوات قلمبند کرنے کی نیت سے شروع کی تھی مگر وہ اسے مکمل نہ کر سکے۔ اس مثنوی[194] میں پہلے مناجات کا انداز ہے جو آزادانہ اور بے باکانہ ہے۔ بعد میں نعتِ رسول اکرمؐ اور واقعہ معراج کا بیان ہے جو ۲۴۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ نعتِ رسولؐ میں مرزا نے مناجات کے برعکس سنجیدگی و متانت کی روش اختیار کی ہے۔ نعت کے موضوع پر مرزا غالب کی دوسری مثنوی "شانِ نبوت و ولایت" کے عنوان سے ہے۔ خواجہ حالی کے بیان کے مطابق مولانا فضل حق خیر آبادی نے یہ مثنوی مرزا غالب سے بہ اصرار لکھوائی۔ یہ مثنوی اس دور کے ایک اہم مذہبی مسئلہ امتناعِ نظیر اور امکانِ نظیر[195] سے متعلق ہے۔ اس مثنوی میں مرزا نے بعض مبتدعانہ عقائد و اعمال کی حمایت بھی کی ہے اسی لئے اسے عقائدِ وہابیہ کا رد کہا گیا ہے۔ اس مثنوی میں نعت کے درج ذیل شعر مرزا کی نعت نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں:

منشاءِ ایجادِ ہر عالم یکی است
گر دو صد عالم بود خاتم یکی است
خود ہمی گوئی کہ نورش اول است
از ہمہ عالم ظہور شش اول است
اولیت را بود ثانی تمام
کی ہر فردی پذیرد انقسام
جوہرِ گل بر نتابد تشنیہ
در محمد رہ نیابد تشنیہ[196]

مرزا کی فارسی نعت کے باب میں ان کے ایک نعتیہ خمسہ کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ خمسہ انہوں نے قدسی کی مشہور نعت پر لکھا۔ مخمور اکبر آبادی نے مرزا غالب سے اس خمسہ کی نسبت کو مشکوک ٹھہرایا ہے۔ وہ اپنی کتاب "سرود و صنوبر" میں مرزا غالب کے مزاج اور خمسہ کے اسلوب وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر اسے غیر مستند اور الحاقی قرار دیتے ہیں۔ اپنے موقف کی حمایت میں انہوں نے "تضمین" کے عنوان سے پورا ایک باب[197] قلمبند کیا ہے لیکن جیسا کہ دوسرے شواہد سے ظاہر ہے اس خمسہ کو غالب کا تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ خمسہ "باغِ دو در" کے کلام میں موجود ہے۔ نہ صرف یہ کہ یہ کتاب مرزا غالب خود اپنی زندگی میں مرتب کر چکے تھے بلکہ اس کی کتابت کا کام بھی ان کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ "سبدِ باغِ دو در"[198] اس کتاب کا تاریخی نام ہے

جو غالب نے خود دکھا اور جس سے آغازِ کتابت کا سال ۱۲۸۲ھ حاصل ہوتا ہے۔ یہ خمسہ مرزا کے متفرقات (قطعات اور رباعیات وغیرہ)[۱۹۹] میں بھی ملتا ہے۔

مرزا غالب کا یہ خمسہ (خصوصاً آخری تین بند) ان کی وابستگیٔ محبتِ رسولؐ کا آئینہ دار ہے۔ اس میں اظہارِ گناہ و ندامت اور جنابِ رسالتمآبؐ کے حضور التجا و تمنائے کرم کا بیان بہت پُر تاثیر ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم برصغیر کی فارسی نعت گوئی کے ذیل میں علامہ محمد اقبالؒ کا ذکر کریں مولانا گرامی کی نعت گوئی کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا غلام قادر گرامی (م ۱۳۴۵ھ) سبک ہندی کے پختہ شاعروں میں سے تھے۔ بقول علامہ اقبال وہ نعت گوئی کی اس شعری روایت کے آخری شاعر تھے جو اکبر کے عہد میں شروع ہوئی[۲۰۰]۔ ان کے دیوان اور مجموعۂ رباعیات میں فارسی نعت کے کچھ نمونے مل جاتے ہیں۔ خصوصاً رباعیات میں مولانا نے نعت کی روایت کو بڑی خوش اسلوبی سے آگے بڑھایا ہے۔ ان کے مجموعۂ رباعیات کے آغاز میں نعت کے موضوع پر بیس کے قریب رباعیاں ملتی ہیں۔ بطورِ نمونہ درجِ ذیل رباعی ملاحظہ ہو:

خاور دمد از شبِ‌تم بہ این تیرہ شبی
کوثر چکد از لبم بہ این تشنہ لبی
ای دوست ادب کہ در حریمِ دلِ ماست
شاہنشہ کونین رسولِ عربیؐ[۲۰۱]

علامہ محمد اقبال (م ۱۳۵۷ھ) برصغیر پاک و ہند کی فارسی نعتیہ شاعری ہی کے نہیں نعت گوئی کی تاریخ میں سب سے منفرد شاعر ہیں۔ ان کی انفرادیت ان کے موضوعات و مضامینِ نعت کے سبب ہے۔ یوں تو ان کی پوری شاعری کا محور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ہے مگر جہاں خاص طور پر انہوں نے آنحضرتؐ کے حوالے سے شاعری کی ہے یا جہاں آپؐ کا ذکر یا آپؐ سے تخاطب ہے وہ مقامات نعتیہ شاعری کی معراج ہیں۔ مثنوی اسرار و رموز کے درج ذیل نعتیہ اشعار دیکھئے:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ ست
آبروی ما ز نامِ مصطفیٰؐ ست
طور موجی از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
کمتر از آنی ز اوقاتش ابد
کاسب افزایش از ذاتش ابد

...... در جہاں آئینِ نو آغاز کرد
مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد
...... در نگاہِ او یکی بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست
...... روزِ محشر اعتبارِ ماست او
در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او
...... نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست ۲۰۲ے

یہ نعت کا ایک منفرد انداز ہے جو اقبالؒ سے پہلے ناپید تھا۔ یہ اشعار ایک طویل سلسلے سے منسلک ہیں۔ اقبالؒ کے ان خیالات وافکار کی روانی اور بہاؤ ایسا ہے کہ قاری اس میں بہے چلے جاتا ہے۔ زبان کی سلاست اور فصاحت کے ساتھ ساتھ نفسِ مضمون کی گہرائی اور جذبۂ شیفتگی کے سبب ان اشعار میں جذب اور کیف کی موثر فضا پائی جاتی ہے۔ حضور رسالت مآبؐ سے اقبال کی والہانہ عقیدت اور پیغامِ نبوت کی صداقت وحقانیت کے ایقان نے ان کے اشعار میں جاذبیت، گہرائی اور گیرائی کی ایک موثر کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اقبال نے مثنوی میں اپنے افکار کو فلسفہ واخلاق، تمدن ومعاشرت، اقتصادیات وعمرانیات اور دوسرے علوم نیز قومی وملی افکار واحساسات کو جس نعتیہ آہنگ میں پیش کیا ہے اور جس انداز میں آپؐ کے فیضان وبرکات کا تذکرہ کیا ہے وہ اپنے اندر پورا فنی حسن اور شعری تاثیر رکھتا ہے۔ مثنوی اسرار ورموز کے اختتامی حصے، عرض حالِ مصنف بحضور رحمۃ للعالمین سے یہ شعر دیکھیے:

ای ظہورِ تو شبابِ زندگی
جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
ای زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسۂ بامت بلند
شش جہت روشن ز تابِ روی تو
ترک و تاجیک و عرب ہندوی تو
در جہاں شمعِ حیات افروختی
بندگاں را خواجگی آموختی ۲۰۱ے

اس سے اگلے شعروں میں اقبال نے حضورِ رسالتمآبؐ میں بڑی دردمندی اور دلسوزی سے مسلمانوں کی اپنی بے حقیقتی، گمراہی، اخلاقی پستی اور زبوں حالی کا نقشہ پیش کیا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے بارے میں اپنی تشویش اور شاعرانہ خدمات کا ذکر کرنے کے بعد بڑی عاجزی سے التجا کی ہے کہ

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
ای فروغت صبحِ اعصار و دہور
چشمِ تو بینندۂ ما فی الصدور
..... روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بی نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر دُرِ اسرارِ قرآں سفتہ ام
با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
..... در عمل پایندہ تر گرداں مرا
آبِ نیسانم گہر گرداں مرا[۲۰۴]

مثنوی اسرار و رموز کے علاوہ "پیامِ مشرق" میں علامہ اقبال کی نظم "جوئے آب"[۲۰۵] (جو گوئٹے کی نظم "نغمۂ محمدؐ" کا آزاد ترجمہ ہے)۔ بھی نعت کا ایک منفرد رمزیہ تمثیلی اور بالواسطہ اسلوب رکھتی ہے۔ بقول امرار احمد سہاروی:

"جوئے آب سے گوئٹے نے اور غالباً اقبال نے بھی اسلامی تحریک مراد لی ہے لیکن اس کی مندرجہ تمام کیفیات بالواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر کلیتہً منطبق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ نظم ایک بہترین بالواسطہ نعت کی صورت اختیار کر گئی ہے۔"[۲۰۶]

انھوں نے اس نظم کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے اسے جاذبیت، گہرائی اور گیرائی کی حامل ایک ایمائی اور تمثیلی نعت سے تعبیر کیا ہے بقول ممتاز حسین:

"جس وضاحت اور خوبصورتی سے یہ نظم جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی یکسوئی، انسانیت نوازی اور ایک مسلسل اور مستقل جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔"[۲۰۷]

جاوید نامہ کے درج ذیل اشعار فارسی سرمایۂ نعت میں حضورِ اکرمؐ کو ایک منفرد تناظر میں پیش کرتے ہیں یہ اشعار غالب، زندہ رود اور حلاج کے مکالموں سے لیے گئے ہیں:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃ للعالمینیؐ ہم بود
خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینیؐ انتہاست

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰؐ است ۲۰۸؎

مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق" میں ایک نظم بعنوان "در حضورِ رسالت مآبؐ" ہے۔ یہ نظم استغاثہ و استمداد کا انداز لئے ہوئے ہے۔ اقبال اس نظم میں ملتِ اسلامیہ کی سراسیمگی کا احوال بیان کر کے آپؐ سے نظرِ کرم کے ملتجی ہوتے ہیں۔ اس نظم میں دردمندی اور خلوص و عاجزی کا بیان انتہائی پُر تاثیر ہے چونکہ اس نظم میں حضورِ اکرمؐ سے براہِ راست خطاب کیا گیا ہے اس لئے نظم کی تاثیر میں اور بھی اضافہ اور دلآویزی پیدا ہو گئی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

ای تو ما بیچارگاں را ساز و برگ
وا رہاں ایں قوم را از ترسِ مرگ
ای پناہِ من حریمِ کوئے تو
من بہ امیدی رمیدم سوئے تو
آہ ز اں دردی کہ در جان و تن است
گوشۂ چشمِ تو داروئے من است ۲۰۹؎

اقبال کے نعتیہ کلام کی معراج وہ رباعیات اور قطعات ہیں جنہیں "ارمغانِ حجاز" میں "حضورِ رسالتؐ" کے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ حضورؐ سے وابستگی و شیفتگی اور عقیدت و محبت میں ڈوبی ہوئی یہ رباعیاں انتہائی پُر تاثیر ہیں۔ ان میں اقبال نے سفرِ حجاز کی مختلف کیفیات و واردات کو بیان کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر تصورات میں دیارِ حبیبؐ کے مقدس راستہ پر گامزن ہے۔ اقبال کی ان رباعیوں میں نعت کے متنوع مضامین ملتے ہیں۔ دیارِ رسولؐ سے دوری کا احساس اور وہاں پہنچنے کی شدید تڑپ، دورانِ سفر کے طلوع و غروب کا احوال، ناقہ، ساربان اور صحرا سے متعلقہ احساسات، ذاتِ رسولِ اقدسؐ سے عقیدت و

محبت کا اظہار، آنحضرتؐ کے احسانات کا تذکرہ، ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کا بیان، استمداد و التجا، عقل و خرد پر عشقِ رسول پاکؐ کی بالادستی اور فوقیت کا ذکر وغیرہ، وہ موضوعات ہیں جنہیں اقبال نے اپنے داخلی جذبات و کیفیات کے حوالے سے اپنے فن میں پیش کیا۔ ان نعتیہ قطعات اور رباعیوں کی پیش کش میں اقبال کے لب و لہجہ کی عاجزی، دردمندی، خلوص اور دلسوزی پُر تاثیر ہے۔ اقبال نے اظہار کے لیے جس بحر (باباطاہر عریاں کی مخصوص بحر) کا انتخاب کیا ہے وہ اس تاثیر میں اضافہ کرتی ہے۔ چونکہ تمام رباعیاں ایک ہی بحر میں ہیں لہٰذا آہنگ و موسیقی کی یکسانیت نے ترسیلِ اظہار میں شاعرانہ حسن کے ساتھ ایک ناقابلِ بیان خوشگواریت شامل کر دی ہے۔ یہ رباعیاں قومی و ملی درد رکھنے والے انتہائی مخلص شاعر کے منظوم سفرنامۂ حجاز کی مختلف تصوراتی جھلکیاں ہیں۔ اقبال اپنی زندگی کے آخری حصے میں روضۂ رسول کی زیارت کی شدید آرزو رکھتے تھے۔ یہ رباعیاں اقبال کے انھی ایام کی ذہنی رُوداد ہیں جب وہ تصور میں اس مقدس سفر میں تھے۔

نمونہ ملاحظہ ہو:

بہ ایں پیری رہِ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام
کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ [۱۱]

بگوئی تو گدا ز یک نفس بس
مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس
خراب جرأتِ آں رندِ پاکم
خدا را گفت ما را مصطفےٰ بس [۲۱]

بحیثیت مجموعی ملی مسائل اور قومی شعور کو نعت میں سلیقے اور قرینے سے سمونا اور جدید علوم کی روشنی میں اسلام کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اور ان کے عشق کو ایک عروۃ الوثقیٰ، نحو و یکتا، جذبۂ محرکہ اور قوتِ اساسی کے طور پر پیش کرنا صنفِ نعت میں اقبال ہی کی عطا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں فارسی نعت گوئی کی روایت بعض ان شخصیات کے ذریعے بھی آگے بڑھی جن کی وجہِ شہرت فارسی شاعری نہیں مگر جنھوں نے علم و ادب، دین و مذہب اور معاشرت و سیاست میں نمایاں

کارکردگی سے شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور گاہ گاہے فارسی زبان (کہ اس دور کی علمی و ثقافتی اقدار کی نمائندہ زبان تھی) میں نعت کے کچھ شعر کہے جو اُن کے جذبۂ عشقِ رسولِ اکرم کے شاہد ہیں۔ ایسی شخصیات میں خواجہ بختیار کعکیؒ، خواجہ معین الدینؒ چشتی، بوعلی قلندرؒ پانی پتی، خواجہ باقی باللہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، میرزا مظہر جانِ جاناں، مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری، سرسید احمد خاں، مولینا احمد حسن محدث بچھرایونی (نیازی)، حضرت معروف امیٹھوی، نواب میر عثمان علی خاں عثمان (والیٔ دکن) کے نام قابلِ ذکر ہیں[۲۱۳]۔ ان کے علاوہ صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے خود نوشت حالات اور ملفوظات میں فارسی نعت کے متعدد نمونے مل جاتے ہیں۔ بہت سے صوفیائے اولیاء جنہوں نے شعرگوئی کو باقاعدہ فن کے طور پر نہیں اپنایا مگر جو شعر و شاعری سے شغف رکھتے تھے ان کے تذکروں میں کہیں کہیں فارسی نعت کے بڑے اچھے شعر مل جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض غیر مسلم شاعروں کے کلام میں بھی کہیں کہیں فارسی نعت کے کچھ شعر نظر آجاتے ہیں۔ ان میں بابو رگھنندن کشور شوق رامپوری، عرش ملسیانی، امرچند قیس جالندھری اور رانا بھگوان داس بھگوان کے نام قابلِ ذکر ہیں[۲۱۴]۔

تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے بعد اگرچہ فارسی کا رواج بتدریج کم ہوتا گیا اور شعراء و ادباء کے نزدیک اس کی وہ حیثیت نہ رہی جو اسے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی (بلکہ عہدِ اقبالؒ تک بھی) حاصل تھی۔ تاہم فارسی سے شغف رکھنے والے شعراء کے ہاں اس زبان کی شعری لطافتوں اور عظیم فنی روایتوں کا ہمیشہ احترام کیا جاتا رہا اور انہوں نے فارسی داں قارئین کے فقدان کے باوجود اس زبان کو بھی اظہار کے وسیلے کے طور پر اپنائے رکھا۔ دوسرے موضوعات کے ساتھ نعتِ رسولِ مقبولؐ، ہمیشہ کی طرح اس عہد میں بھی شاعروں کو محبوب و مرغوب رہی اور انہوں نے مقدور بھر فارسی نعت کی روایت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ گزشتہ تیس سالوں میں جن شاعروں نے فارسی میں نعتیں لکھیں ان میں حافظ مظہر الدین مظہر، عزیز الدین احمد عظامی، راجہ محمد امیر احمد خاں والیٔ محمود آباد، مولانا ظفر علی خاں، عبدالحفیظ دادگستری، نسیم امروہوی، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، محی الدین خلوت اور آغا صادق[۲۱۵] کا نام قابلِ ذکر ہے۔ ان کے علاوہ آجکل بھی اخبارات و رسائل اور نعتیہ مجموعوں یا دواوین میں کہیں کہیں نئے شاعروں کی لکھی ہوئی فارسی نعتیں مل جاتی ہیں۔

تیسرا باب

اُردوئے قدیم کے نعتیہ نمونے

اور

جنوبی ہند میں اُردو نعت گوئی کا جائزہ

پس منظر

سیاسی / تہذیبی / لسانی

اردو نعت کا اوّلین نمونہ

صوفیائے کرام کی چکریوں، دوہروں اور شعری تصانیف میں نعتیہ عناصر

جنوبی ہند کی نعتیہ شاعری کا پہلا دور

(قلی قطب شاہ سے ماقبل ولی)

دکنی معراج ناموں، میلاد ناموں، وفات ناموں کا جائزہ

ولی دکنی اور اس کے بعد کی نعت گوئی

جنوبی ہند کی نعت گوئی کا جائزہ

(اثاثہ نعت۔ تبصرہ)

—

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پس منظر — سیاسی

برِصغیر پاک و ہند میں اردو زبان کی ابتدا مسلمانوں کی آمد سے ہوئی۔ یوں تو عرب بہ سلسلۂ تجارت اس سرزمین میں طلوعِ اسلام سے قبل بھی آتے تھے، مگر قبولِ اسلام کے بعد اُن کا تجارتی تعلق پہلے کی نسبت بڑھ گیا۔ کچھ نے تو یہاں بود و باش بھی اختیار کر لی اور جنوب کے بعض ساحلی مقامات پر اپنی نوآبادیاں بنا لیں۔ محمد بن قاسم کی فتوحات (۹۳ھ / ۷۱۲ء) کے بعد مسلمان برِصغیر کے ایک معتدبہ حصہ پر قابض ہو گئے اور اب اس سرزمین سے ان کا تعلق تجارت سے پھیل کر کاروبارِ سیاست تک کو محیط ہو گیا۔ یوں سندھ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی۔ آتے سالوں میں اس سلطنت کی حدیں شمال کی طرف پھیلنا شروع ہو گئیں۔ عہدِ غزنوی میں پنجاب و سرحد کے بہت سے علاقے بھی مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے۔ غوری و ایبک کے معرکوں سے قنوج، بنارس، گوالیار، بدایوں اور بہار و بنگال کے بہت سے اضلاع بھی اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔

محمد بن قاسم سے شہاب الدین غوری تک کم و بیش پانچ سو سال کے عرصہ میں برِصغیر کے بہت سے علاقوں پر مسلم حکومتیں قائم ہوئیں۔ مگر ان کی حیثیت خود مختار حکومتوں کی بجائے ماتحت حکومتوں کی تھی کیونکہ ان کا مرکز دمشق، بغداد یا غزنی تھا۔ غوری حکومت کے خاتمے کے بعد جب قطب الدین ایبک نے ۶۰۲ھ میں سلطنتِ ہند پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کی پہلی اور خود مختار حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ بعد میں مسلمان سلاطین نے اس کی حدود وسیع کیں۔ علاؤ الدین خلجی نے ۶۹۷ھ میں گجرات فتح کیا۔ ۷۱۰ھ تک دکن کے بہت سے علاقے بھی اس کی رو میں شامل ہو گئے اور یوں آٹھویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کا اثر و رسوخ جنوبی ہند تک پھیل گیا۔ یہ اثر و رسوخ اس وقت اور بھی گہرا ہو گیا جب محمد بن تغلق نے ۷۲۸ھ میں دہلی کی بجائے دولت آباد کو دارالحکومت بنانے کا ارادہ کیا اور ایک فرمان کے ذریعے دہلی کی تمام آبادی کو دولت آباد کی طرف نقلِ مکانی کا حکم دیا۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد دکن میں آباد ہو گئی۔ یہیں مسلمانوں کی عظیم الشان بہمنی سلطنت (۷۴۷–۹۱۴ھ / ۱۳۴۵–۱۵۲۷ء) کی بنیاد پڑی جو ایک صدی سے زیادہ عرصے تک ترقی کرنے کے بعد پانچ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی۔ بعد میں یہ تین رہ گئیں جو احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت (۸۹۵–۱۰۴۳ھ / ۱۴۹۰–۱۶۳۳ء) بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت (۸۹۵–۱۰۹۷ھ / ۱۴۹۰–۱۶۸۶ء) اور گولکنڈے کی قطب شاہی سلطنت (۹۱۶–۱۰۹۸ھ / ۱۵۱۸–۱۶۸۷ء) کے نام سے مشہور ہیں۔ مغلوں نے ان سلطنتوں کو ختم کیا اور ۱۰۹۸ھ میں قریباً

پورا دکن مغلوں کی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے بعد سلطنتِ مغلیہ روبہ زوال ہو گئی۔ اورنگ زیب کے نالائق وارثوں کی خانہ جنگیوں اور بد انتظامی کے سبب شیرازہ حکومت درہم برہم ہوا تو دکن پر آصف جاہ کا قبضہ ہوا۔ ۱۱۳۶ھ سے ۱۳۲۹ھ تک دکن سلاطینِ آصفیہ کے قبضہ میں رہا۔ تاریخِ ہند کے اسی عہد میں انگریزوں کو یہاں اپنے پاؤں جمانے کا نہ صرف موقع ملا بلکہ انہوں نے ۱۲۷۴ھ میں دہلی پر قبضہ کر کے اسے باقاعدہ طور پر تاجِ برطانیہ کی حکمرانی میں شامل کر لیا۔

پس منظر ـــ تہذیبی و لسانی

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد ایک عہد آفریں واقعہ تھا۔ اسلام کے اثر و نفوذ نے یہاں کی سماجی و معاشرتی، ثقافتی و مذہبی اور لسانی و ادبی فضا پر ان مٹ اور گہرے اثرات مرتسم کئے۔ اسلامی ثقافت و تمدن، علوم و فنون اور تعلیمات و افکار نے جہاں ہندوستان کی سماجی زندگی کے مختلف شعبوں کو متاثر کیا وہاں مقامی زبانوں پر بھی نمایاں اثرات ڈالے۔ مسلمانوں کے اقتدار و حکمرانی کے زمانے میں ان کی زبانوں عربی، ترکی اور فارسی نے ہندوستانی پراکرتوں اور مقامی بولیوں کے ساتھ مل کر ایک نئے لسانی پیرائے کو جنم دیا جو بعد میں اردو کے نام سے موسوم ہوا۔ دہلی کی مرکزی حکومت سے مسلمان برصغیر میں جہاں گئے یہ زبان ان کے ہمرکاب رہی۔ مسلمانوں کی فتوحات میں توسیع کے ساتھ ملک کے گوشے گوشے میں پہنچی اور مقامی بولیوں کے دوش بدوش اس نے اسلامی قلمرو کی وسعت کے مطابق آہستہ آہستہ ایک عام اور ملک گیر زبان کا مقام حاصل کر لیا۔

اردو زبان کے آغاز کے تہذیبی و معاشرتی اور سیاسی و فکری پس منظر کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں کہ:

> "مسلمانوں نے ہندوستان کی معاشرت و تمدن اور تہذیب و ثقافت، شعر و ادب، ہر شعبہ کو نمایاں طور پر متاثر کیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مسلمان جب یہاں آئے تو واپس جانے کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آریوں کی طرح انہوں نے اس ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا وطن بنا لیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہاں والوں کی تہذیب کمزور، پارہ پارہ اور زوال پذیر تھی۔ باہر سے آنے والوں کے پاس جاندار زبانیں بھی تھیں اور ان کے خیالات و عقائد میں وہ توانائی اور لپک بھی تھی جو چڑھتے سورج اور ابھرتے ہوئے نظامِ خیال میں ہوتی ہے۔ ایک

نے دوسرے کے الفاظ ملا کر بولنے اور اپنی بات دوسرے تک پہنچانے کی کوشش کی۔

جب قومی کلچر کمزور کلچر سے ملا تو یہاں کی تہذیب کی طرح زبانوں میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے اور منجمد پتھر پگھلنے لگا۔"[1]

ڈاکٹر تاراچند بھی آغاز اردو کے اس اولین مرحلے کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"نہ صرف ہندو مذہب، فن، ادب اور حکمت نے مسلم عناصر کو جذب کیا بلکہ خود ہندو تمدن کی روح اور ہندو ذہن بھی تبدیل ہو گیا اور مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا اور ساتھ ساتھ ایک نیا لسانی امتزاج بھی رونما ہوا۔"[2]

چونکہ مسلمان سب سے پہلے سندھ کے علاقے میں داخل ہوئے لہٰذا اس زبان کا ایک ابتدائی ہیولیٰ سندھ و ملتان میں تیار ہوا۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ جہاں جہاں یہ لسانی امتزاج پہنچا، وہاں وہاں علاقائی اثرات کو جذب کر کے نکھرتا اور اپنی واضح شکل بناتا گیا۔ مقامی زبانوں میں فارسی، ترکی اور عربی الفاظ اور خیالات اپنی جگہ بناتے گئے۔ یہی لسانی عمل سرحد و پنجاب میں بھی رونما ہوا اور وہاں سے دہلی پہنچا۔ دہلی کو ہندوستان کی تاریخ و سیاست میں ہمیشہ ایک مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ وہاں سے لشکریوں، اہلِ حرفہ اور تجارت پیشہ لوگوں کی نقلِ مکانی کے باعث برِ عظیم کی معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی ضرورتوں کے تحت پروان چڑھنے والی یہ زبان پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں علاؤ الدین خلجی کی فتح گجرات و دکن (۶۹۷ھ) اور محمد تغلق کے فرمانِ ہجرت (۷۲۸ھ) وغیرہ کے سبب مسلمانوں کی کثیر تعداد جنوبی ہند منتقل ہو گئی۔ ۸۰۰ھ میں تیمور کی یلغار کے خوف سے ناصر الدین محمود اور اس کے لشکریوں، مصاحبوں اور دہلی کے باشندوں کی ایک اور بہت بڑی کھیپ گجرات نقل مکانی کر گئی۔ یوں وہ زبان جس کا مولد شمال ہے، تہذیبی و سیاسی تقاضوں کے تحت گجرات اور دکن پہنچ گئی۔ یہاں اس زبان کے پھلنے پھولنے اور بڑھنے پھیلنے کے امکانات موجود تھے۔ دکن کی سازگار فضا میں اردو تیز رفتاری سے ارتقا پذیر ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کا طوطی بول رہا تھا۔ دکن و گجرات میں اس کے برعکس اردو زبان کو بہت جلد دربارِ سرکار کی سرپرستی اور وہ اہمیت حاصل ہو گئی جو شمالی علاقوں (دہلی و پنجاب وغیرہ) میں فارسی کو حاصل تھی۔

بہمنی عہد اور بعد میں اس کی جانشین سلطنتوں کے زمانے میں یہ زبان بول چال کی سطح سے بلند ہو کر شعر و ادب اور تصنیف و تالیف کی زبان بن گئی۔ عام معاملاتِ زندگی اور دربارِ سرکار کے مختلف طبقوں کے درمیان یہی زبان وسیلۂ اظہار بنی۔ صوفیائے کرام نے تبلیغِ دین کے لیے اسی زبان کو منتخب کیا۔ ان کا رابطہ چونکہ عوام سے تھا اس لیے انہوں نے دین و اخلاق کی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت کے لیے عربی و فارسی کے مقابلے میں اسی زبان کو استعمال کیا۔

جس طرح اردو زبان کی ابتدا کا مسئلہ برِ صغیر میں مسلمانوں کی آمد اور ان کے یہاں توطن اختیار کرنے

سے وابستہ ہے اسی طرح اردو کی ابتدائی نشوونما اور اردو نظم و نثر کے اوّلین نمونوں کی تخلیق انہی صوفیائے کرام کی ممنونِ منت ہے۔

اردو ادب کی دوسری اصناف کی طرح اردو نعت کے اوّلین نمونوں کی تلاش میں بھی ہمیں سب سے پہلے جنوبی ہند کے صوفیائے کرام کی تحریروں سے رجوع کرنا ہے۔ عربی و فارسی شاعری کو نعت گوئی میں آغاز و ارتقا کا شرف حاصل ہے۔ یہ زبانیں نعت گوئی کے آغاز کے وقت اظہار و بیان کے ابتدائی مرحلوں سے گزر کر پختہ ہو چکی تھیں۔ اس لحاظ سے اردو نعت کی ابتدا کا جائزہ لیا جائے تو ایک مختلف صورتحال نظر آتی ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ صنف اور زبان ساتھ ساتھ اپنے ارتقائی مراحل سے گزرتے ہیں:

اردو نعت کا اوّلین نمونہ

دکنی نظم (و نثر) کا باقاعدہ آغاز عام طور پر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے کیا جاتا ہے اور ان کے مختلف رسائل میں اردو ادب کے ابتدائی نمونے تلاش کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ بعد کی تحقیق نے ان رسائل سے خواجہ گیسو دراز کی نسبت کو مشکوک قرار دیا ہے۔[۵] تاہم ان سے منسوب اشعار میں نعت کا ایک نمونہ ملتا ہے مولوی عبدالحق نے اپنی تصنیف 'اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصّہ' (اور نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو") میں خواجہ گیسو دراز کی شاعری کے ذیل میں درج ذیل اشعار کا ذکر کیا ہے۔

اے محمد جلو جم جم جلوہ تیرا
ذات تجلّی ہو رہگی سیس سیور نہ سیرا
واحد اپنا آپ تھا اپیں آپ بنھایا
پرکٹ جلوے کارنے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کو کاف نون بسایا
لولاک لما خلقت الافلاک خالق پا لائے
فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود ہو آئے
امت رحمت بخشش ہدایت تشریف پائے
محمّی نالوں مشتوق رکہ ظاہر شہباز کلائے

عشق کے جیسی چندر بند اپنی آپ دکھائے

الان کما کان پھر آپہیں آپ سمائے [۶]

ان اشعار کو اردو کی پہلی نعت کہا گیا ہے اور نعت کے محققین اور مرتبین [۷] نے اردو نعت کا ارتقائی جائزہ لیتے ہوئے خواجہ گیسو دراز سے منسوب انہی اشعار کو اولین نمونۂ نعت کے طور پر درج کیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں الفاظ میں معمولی سا فرق ہے۔ "تاریخ ادبیات" میں خواجہ گیسو دراز کی موسیقی شناسی کے حوالے سے جو گفتگو کی گئی ہے اتفاق سے اس میں بھی اس نعت کا ذکر موجود ہے۔ (د) نسیم کے حوالے سے فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"خواجہ بندہ نواز کی زیادہ تر شاعری موسیقی یا راگ راگنیوں کے تابع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کے ماہر بھی تھے۔

خواجہ بندہ نواز کے کچھ شعر سینہ بہ سینہ چلے آتے ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بند حجرے کی قوالی کے لئے ہیں، یہ بند حجرے کی قوالی جو مخصوص ماحول اور مخصوص ذہنی و قلبی کیفیت کے لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ صوفیانہ سماع کا مقصد و منتہا ہے۔۔۔ خواجہ بندہ نواز کا یہ شعر دیکھئے جو راگ "رام کلی" میں ہے اس کا مضمون وحدت الوجودی ہے۔ جب یہ سُر اور تال میں آتا ہوگا تو محفل میں خدا ہی جلوہ گر ہوتا ہوگا:

مخفی ناؤں معشوق دک ظاہر شہباز کہلائے

عشق کے جیسی چند بند اپنی آپ کہلائے" [۸]

مولوی عبدالحق نے مذکورہ بالا نعتیہ اشعار کو آغا حیدر حسن کی ملوکہ بیاض [۹] سے نقل کیا ہے۔ اس میں خواجہ گیسو دراز کے کچھ اور شعر بھی ملتے ہیں جنہیں نعتیہ عناصر کے ذیل میں درج کیا جاسکتا ہے۔ ان کے عارفانہ اور صوفیانہ گیت (نظم) کا یہ شعر دیکھئے:

اور معشوق بے مثل ہے نور نبی گ پایا

اور نبی رسول کا او میرے جیو میں بسایا

اسی طرح خواجہ گیسو دراز سے منسوب "چکی نامہ" جو بارہ بندوں پر مشتمل ہے اس میں بھی نعتیہ عناصر مل جاتے ہیں۔ مثلاً یہ بند ملاحظہ ہو۔

الف اللہ اس کا دستہ

میانے محمد ہو کر بستا

پہنچی طلب یوں کو دستا
کہے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ [۱۰]

خواجہ گیسو دراز کے فرزند سید محمد اکبر حسین (جو خواجہ صاحب ہی کی زندگی میں ۸۱۲ھ کو فوت ہوئے) سے منسوب اشعار میں بھی نعت کا یہ شعر ملتا ہے جو وزن اور ساخت کے اعتبار سے کسی گائی جانے والی نظم (گیت یا جکری) کا حصہ لگتا ہے۔

بعد از ثنا خدا کی بھیجوں درود نبیؐ پر
بھی آل پر . . . . . . اس کے اصحاب پر [۱۱]

لیکن جیسا کہ خواجہ گیسو دراز کے نمونۂ کلام کے ذیل میں ضمناً کہا گیا تھا کہ خواجہ سے اس کی نسبت مشکوک ہے۔ سید محمد اکبر حسین کے سلسلے میں بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس بارے میں محققانہ انداز سے صراحت کی ہے کہ خواجہ گیسو دراز اور سید محمد اکبر حسین کی کوئی اردو تصنیف نہیں [۱۲]

اس دور کی سب سے پہلی تصنیف جو اب تک دریافت ہوئی ہے، فخر الدین نظامی کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے۔ لہٰذا اردو نعت کے اوّلین، باقاعدہ اور مستند نمونے کی تلاش میں ہمیں سب سے پہلے اسی مثنوی سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یہ مثنوی ۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ کے زمانے کی تصنیف ہے۔ اس کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے شعر ملتے ہیں۔ نمونۂ نعت ملاحظہ ہو:

تہیں ایک ساچا اگیں تیں امر
مرے دوئے تیں جگہ توڑا ادھر
پہتایا امو تک رتن نور دھر
کرتے ویل بلگت کرن راج کر
امو تک مکٹ سیس سنسار کا
کرے کام نردھار کرتار کا
محمدؐ جرم آد بنیاد نور
روئے جگ مرے دے پرباد نور
نہ اکاس دھرتی نہ دنبو نہ چند
نہ بھریا کچھوا دینا نور سند

مثالا اسی کا جو دیسے گمبیر جلے جگ اس تیں اسے دیمہ دھیر [۱۳]

نظامی کے نعتیہ اشعار کی زبان (اس کی مثنوی کے دوسرے شعروں کی طرح) ٹھیٹھ ہندی ہے جس میں سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے۔ اسی سبب اس نعت پارے کی زبان بہت مشکل اور عسیر الفہم ہے۔ اس کے اسلوب پر آغاز اردو کی ہندوی روایت کا اثر گہرا نظر آتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ اس کی قدامت ہے، کہ یہ ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ پرانی نعت ہے اور اردو ادب کی اولین روایت کی نمائندہ ہے۔ سنسکرتی الفاظ کے استعمال کے علاوہ جہاں تک بیان کی چستی اور رچاوٹ کا تعلق ہے اس کا نمونہ ان اشعار میں موجود ہے۔ جمیل جالبی نے اس مثنوی کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"یہاں بیان میں بے جا پھیلاؤ کا بھی احساس نہیں ہوتا بلکہ بات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کا عمل ملتا ہے۔"[۱۴]

نظامی کی یہی خوبی اردو کے اس اوّلین اور مستند نمونۂ نعت میں بھی موجود ہے۔ نظامی نے اختصار کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات، خلقت، حقانیت، ہمیشگی و ابدیت، رحمت للعالمین اور آپ کے فیوض و برکات کی نشاندہی کی ہے۔ یوں نظامی کے ہاں چند شعروں میں ہی نعت کے کئی مضامین سمٹ آئے ہیں۔

صوفیائے کرام کی جکریوں، دوہروں اور شعری تصانیف میں نعتیہ عناصر

بقول ڈاکٹر طلحہ برق:

"اردو کو دیگر زبانوں کے درمیان یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ یہ اپنی پیدائش کے وقت سے ہی موسنہ اور کلمہ گو رہی ہے۔ صوفیائے کرام اور مبلغینِ اسلام کے ہاتھوں دینِ متین کی ترویج و اشاعت کے لئے یہ پروان چڑھی اور شروع سے ہی اس کی توتلی زبان پر حمد و ثنا اور نعتِ رسول مقبولؐ جاری ہو گئی۔"[۱۵]

نظامی کے بعد اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ تک کی درمیانی شعری روایت میں بہت سے صوفیائے کرام کے نام ملتے ہیں جنھوں نے دوہروں، جکریوں اور اپنے عہد کی مقبول شعری ہیئتوں میں اردو شاعری کو ابتدائی نمونے فراہم کئے۔ ان صوفیائے کرام کے ملفوظات و تصانیف میں دوسرے عارفانہ و صوفیانہ مسائل کے علاوہ کہیں کہیں نعت کے مناظر بھی لو دیتے ہیں۔ اردو نعت کے آغاز و ارتقا کے سلسلے میں

صوفیا و مشائخ کا یہ اثاثۂ نعت تعداد میں تھوڑا سہی مگر اپنی تاریخی حیثیت کے سبب بہت اہم ہے۔ ذیل میں ہم ان صوفیائے کرام کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے اردو نعت کی تخلیق و تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آج سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے حضرت سید برہان الدین المشہور بہ قطب عالم بنیرہ، سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری (م ۸۵۰ھ) کے ملفوظات "جمعاتِ شاہی" میں نعت کا یہ مصرع ملتا ہے:

محمدؐ پر میں کھڑیا سائیں پریم چکھائے

اس مصرع کی شانِ نزول کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قطب عالم کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ:

"ایک روز میں حضرت قطب عالم کے حجرۂ مشغول میں جا پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب ہیں اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان پر جاری ہیں:

محمدؐ پر میں کھڑیا سائیں پریم چکھائے [۱۹]

اسی طرح شاہ صدر الدین (م ۸۷۶ھ) کی کسبِ محویت [۲۰] (جس میں روح، احدیت اور محویت کے مسائل کا بیان ہے) میں درج ذیل شعر ملتا ہے جس میں حمد اور نعت کو ایک ہی مصرع میں سمیٹ لیا گیا ہے:

ناؤں لے اللہ محمدؐ کا اول
کسب کا سب کو کہوں در ہر محل [۲۱]

کچھ ایسی ہی صورت میرانجی شمس العشاق (م ۹۰۲ھ) کی "مغز مرغوب" کے اس شعر میں نظر آتی ہے جہاں وہ حمد و نعت کے ساتھ منقبت کو بھی شامل کر لیتے ہیں:

اللہ، محمدؐ، علی امام دائم ان سوں حال
سب خاصوں سوں اللہ اللہ تو رکھوں کیا کمال [۲۲]

میرانجی کی دوسری تصنیف "شہادت نامہ" [۲۳] کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے شعر ملتے ہیں۔ "شہادت نامہ" کا موضوع تصوف و اخلاق ہے۔ اس کی بحر چھوٹی ہے اور زبان قدرے صاف۔ چند شعر درج ذیل ہیں۔

محمدؐ نبی تیرا
اس پہ ایمان میرا

نادرس دیں اس باج
سب عالم کیرا تاج
جو اس کی رُخ آوے
سو تیرا درس پاوے
اس بول بجے کوئی تھاکے
تے دوزخ مان راکھے
یہ نبیؐ تجھ پیارا
سب امت سیتیں سارا
وہ نبیؐ اوّل نُور
پس عالم سیہ معمور
نورانی احمدؐ نامہ
یہ اچھا ذوق اِ ام
یہ میم احد میں آیا
تو احمدؐ نام کو آیا [۱۷]

شیخ بہاؤالدین باجن (م ۹۱۲ھ) کا نام بہاؤالدین بن معزالدین اور تخلص باجن ہے۔ شیخ باجن ایک رسالے "خزائنِ رحمت اللہ" کے مصنف ہیں۔ یہ رسالہ ان کے پیر مرشد شیخ رحمت اللہ اور ان کے اسلاف کے حالات نیز فقہ و تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے لیکن باجن نے جگہ جگہ اپنا اردو کلام بھی دیا ہے۔ اس کتاب کے ایک باب میں جسے خزینۂ ہفتم کہا گیا ہے، شیخ باجن نے دوسروں کے اقوال کے ساتھ ساتھ اپنے اشعار، جکریاں اور دوہرے بھی دیئے ہیں۔ جکری کی تعریف کرتے ہوئے اس باب کے شروع میں لکھتے ہیں کہ:

"در ذکر اشعار کہ مقولہ ایں فقیر است بزبان ہندوی جکری خوانند و قوالانِ ہند آنرا در پردہ ہائے سرودی نواز ندوی سرائند"۔۔۔ [۱۸]

ڈاکٹر جالبی جکری کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"جکری (جکری، ذکری کی بگڑی شکل ہے) میں بنیادی طور پر ذکرِ خدا، ذکرِ رسولؐ، ذکرِ پیر و مرشد، ذکرِ تجرباتِ باطنی و وارداتِ روحانی کو اس طور پر ایسے اوزان اور ایسے

عام فہم الفاظ میں لکھا جاتا تھا کہ اسے گایا جاسکے اور سازوں پر بجایا بھی جاسکے۔ جکری کی حیثیت مختصر گیت یا راگ راگنیوں کے ان بولوں کی تھی جنہیں گا بجا کر لوگوں کے اندر عالمِ وجد و سرور پیدا کیا جاسکے۔ اس میں عشق و محبت کے جذبات بھی ہوتے تھے اور ایسے ناصحانہ مضامین بھی جن سے مریدوں اور طالبوں کی ہدایت ہوسکے۔" ۲۳

"ہیئت کے اعتبار سے جکری، بھجن اور گیت ہی کی ایک شکل ہے جس میں دوہروں کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔" ۲۴

باجن کی جکریوں میں دوسرے مضامین و موضوعات کے ساتھ نعت کے عناصر بھی لو دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کی جکریاں دراصل اس زمانے کی مقبول عام ہندی روایت اور کرشن مہاراج کی محبت میں لکھے جانے والے بھجنوں اور گیتوں کے مقابلے میں اسلامی عقائد و تصوف کے اظہار کا ایک نیا وسیلہ ہیں جن میں مناجات، حمد اور نعت اور متفرق عارفانہ و صوفیانہ واردات کا اظہار ملتا ہے۔ "عقدہ در پردہ ہلاول" کا یہ بند دیکھئے:

شرابِ محبت بھر بھر پیالے
آتشِ عشقت نقل نوالے
پیں روئے رسولؐ مالا مالی
نبی رسولؐ کی چنوں جنالی
بھکاری آیا عیدی مانگے
ہیری کا کچھ تجھ دھر سانگے
صحت تن اور عمر دراز
رزق فراخ توفیق نماز
ادکن سکی کن کر لیئیں!
باجن کو دیکھن ٹیئں! ۲۵

"عقدہ در پردہ ٹوری" میں عقدہ اور بین (جکری کے مختلف حصے) کے بعد تخلص ملاحظہ ہو:

باجن تیرا باؤلا تجھ کارن تپسے دھکے
نبی محمد مصطفےٰؐ سیس نور جگ میں جھمکے ۲۶

"عقدہ در پردہ کدارا" میں نعت کا انداز دیکھئے:

مصطفےٰ جگ کا موہن رے

کاندھے سوہے کا نبلی سر پر سوہے تاج

لت کت آوے نبی محمدؐ تمہ کارن معراج ۲۷ے

عشقِ رسولؐ اور عشقِ مرشد میں ڈوبا ہوا یہ دوہرہ ملاحظہ ہو:

محمدؐ سرور پرم کا رحمت اللہ بھریا

باجن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا ۲۸ے

ہندوی اوزان کی موسیقی، لفظوں کی حلاوت اور جذبے کی گرمی کے سبب مذکورہ بالا کلام ایک منفرد تاثر اور کیف رکھتا ہے۔

قاضی محمود دریائی (م ۹۴۱ھ/۱۵۳۴ء) کا تعلق گجرات سے ہے۔ وہ اپنی صوفیانہ اور عارفانہ جکریوں کے سبب اپنے زمانے ہی میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ حال و قال اور عرس وغیرہ کی مجالس میں ان کی جکریاں پڑھی جاتیں۔ ان کی جکریاں خاص خاص راگنیوں میں ہیں اور ان کے الفاظ کے دروبست میں ان کا ذوقِ موسیقیت نمایاں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار فی اسرار الابرار" میں آپ کی جکریوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جکر ہائے وے کہ بزبان ہندی وارد دستور قوالان آں دیار است بغایت مطبوع و موثر و بے تکلف و آثارِ عشق و وجد از سخناں وے لائح است۔" ۲۹ے

ان کی جکریوں میں نعت کا عنصر ملاحظہ کیجئے:

محمود کیری بنتی صاحب انتی مانیں

نبی محمدؐ کی دوستی را مکھ پائیں ۳۰ے

نبی محمدؐ مصطفےٰ رہی ساچا گموار رسول

محمود بندا بنیوی میری حاجت کریں قبول ۳۱ے

اُمّت نبی محمدؐ کی یہ

محمود تیرا داس

برکت پیر چا یلند ھا
سائیں پور دیں من کی آس ۳۱؎

داس، محمود دریائی کا تخلص ہے جسے وہ اور بھی کئی جگہ اپنے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جیسے:
نبی محمدؐ اللہ پیارا
محمود داس سور تاری ۳۲؎

قاضی محمود کا موضوع سخن عشق ہے۔ ان کا سارا کلام اسی جذبے کی گرمی سے سرشار ہے۔ اس عشق کا اظہار اللہ، رسول اور مرشد کے ساتھ وابستہ ہے جیساکہ اوپر دی گئی مثالوں سے ظاہر ہے۔ ان کی زبان ہندی ہے جس میں کہیں کہیں گجراتی اور فارسی عربی الفاظ بھی آجاتے ہیں۔ کلام کا طرز ہندی ہے۔ چونکہ موسیقی کا خاص ذوق تھا اس لئے محمود دریائی ہر نظم کی ابتدا میں راگ راگنی کا نام بھی لکھ دیتے ہیں مثلاً "امت نبی محمدؐ، . . . . الخ والی مثال "در بلاول" ہے۔ یہ دراصل شیخ باجن کی روایت جکری ہے جس کی توسیع ہمیں محمود دریائی کے ہاں نظر آتی ہے۔ جکریوں میں نعتیہ عناصر شیخ باجن کے بعد محمود دریائی کے ہاں جن موسیقیانہ کیفیات کے ساتھ آئے ہیں اس کی مثال اس دور کی جکریوں میں بہت کم ملتی ہے۔

سید شاہ اشرف بیابانی (م ۹۳۵ھ) نے اپنی تصنیفات "نوسرہار" "لازم المبتدی" اور "واحد باری" کے ذریعے مذہبی شاعری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ "نوسرہار" کا موضوع شہادت امام حسینؓ اور واقعہ کربلا ہے۔ یہ مثنوی ۹۰۹ھ میں لکھی گئی۔ اس کے لہجے اور آہنگ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ "کربل کتھا" کی طرح مجلسوں میں پڑھنے کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس کا آغاز مثنوی کی عام روایت کے مطابق حمد و نعت سے ہوا ہے۔ افسر صدیقی امروہوی اپنے مضمون "اردوئے قدیم اور نعت گوئی" میں لکھتے ہیں کہ "نوسرہار" میں حمد کی ۴۵ ابیات کے بعد نعت کی ۲۱ ابیات ہیں مگر ہمارے سامنے نوسرہار کا جو مخطوطہ ہے وہ ناقص الاول ہے اور جو اوراق کم ہیں ان ہی میں ابتدائی و نعتیہ ابیات شامل تھیں۔ اس لئے نعت کا نمونہ یہاں پیش نہیں کیا جاسکتا ۳۳؎ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد اور انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ کے کتب خانوں میں بھی نوسرہار کے قلمی نسخوں کا پتہ چلتا ہے اگر وہ دستیاب ہو سکتے تو اردو نعت کی روایت وارتقا کا ایک اور ابتدائی اور اہم حوالہ مل جاتا خصوصاً جب ہم مثنوی کے اسلوب اور زبان و بیان کا جائزہ لیتے ہیں تو شدت کے ساتھ اشرف بیابانی کے نمونۂ نعت تک نارسائی کا احساس ہوتا ہے۔

بقول جمیل جالبی:
"مثنوی کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اشرف کو زبان کے اس عبوری دور

میں بھی اپنے جذبات کے اظہار اور مختلف کیفیات کے بیان کا اتنا سلیقہ موجود ہے جتنا ہم اس دور کے کسی اچھے شاعر سے توقع رکھ سکتے ہیں۔ جب ہم آج سے تقریباً پانچ سو سال پہلے کی تصنیف کے طور پر "نوسرہار" کا مطالعہ کرتے ہیں تو اشرف بیابانی ہمیں مایوس نہیں کرتا۔"[۲۵]

یہی بات اشرف بیابانی کے نادستیاب نمونۂ نعت کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

"لازم المبتدی" بھی نوسرہار کی بحر اور زبان میں ہے۔ یہ ایک مختصر سی مثنوی ہے جس میں دس عنوانات کے تحت اسلامی مسائل کو سمجھایا گیا ہے۔ اس میں حضورِ اکرمؐ کے غایتِ تخلیقِ کائنات اور اطاعتِ رسولؐ کا بیان ملاحظہ ہو:

نام اللہ کا کروں بیان
دعوی نبیؐ کا کہوں عیاں
اللہ صاحب محمدؐ بندہ
جس کے کاج کیا یہ دھندہ
جے کچھ حکم ہے سن دھر کان
عمل کر اس پر یقین کر مان [۲۶]

"لازم المبتدی" ان احکام و مسائل پر مشتمل ہے جن کی جزئیات و تفصیلات احادیثِ نبویؐ میں ملتی ہیں اور جن کا مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

شاہ علی محمد جیو گام دھنی (م ۹۷۳ھ) گجرات کے صوفی بزرگ تھے۔ ان کے مجموعۂ کلام "جواہر اسرار اللہ" میں ان کی ایک نعتیہ نظم ملتی ہے جو معراجِ نبویؐ کے موضوع پر ہے۔ اس کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

آدم آدمی حور جن سارے، نور نبیؐ تے کیتے
جیس بھرا کر آپ دکھایا ہم تم او پر بول سو دیتے
ڈونگر میواں حور نباتات اے سب نور نبیؐ کا جانوں
احمد محمدؐ ناؤں احد کے دو جانن منہ کوئی نہ آنوں
توریت ماں خدا اپ کہیا منتر موسیٰ ساتھ
محمدؐ رسول حبیب خدا کا ساروں کہہ یہ بات

احمد بھی ہے توریت مانہیں محمد کہیرا نانوں
انجیل میں بھی احمد کہیا مکے تیں تس مولد تھانوں
احدیت تیں وہ ھو واظاہر حضرت نبی محمد میرا
آئے صلب عبد اللہ کے سگلے تھانوں کرتے پھیرا
باجت گاجت سیلی گانویں رے تجو روپ اجالا گکیرے
آج ہماری عید ہی ہے ہمن سلونے دیکھے تیرے
حبیب خدا کا خاتم انبیاء ساروں کا سرتاج
جس کے مولود باجت گاؤ عید ہماری آج
علی محمد ایکس نور ہے بکھر گیا ہے چوندیس سوئے
جیس اپڑے آپیں پیایا رہیا آپس آپ ہیں سوئے ۲۷ے

"جواہر اسرار اللہ" میں ایک اور نظم میلاد النبیؐ پر ملتی ہے۔ ۲۸ے

شاہ علی محمد نے وحدت الوجود (جو اُن کا خاص موضوع ہے) کے رنگ میں بھی نعت و منقبت کے مضمون کو بیان کیا ہے۔

جیوں پھول کی رنگ رلی وہی
جیوں نبی محمد علی وہی
تیوں علی محمد ولی وہی ۲۹ے

شاہ علی محمد کی زبان و بیان پر ہندی روایت کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں فارسی روایت کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ ان کے آخری دور کے کلام میں وہ ابلاغ کے نئے وسیلوں کی تلاش میں فارسی شاعری کے اسالیب اور موضوعات سے رجوع کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار صوفیانہ اندازِ نعت سے عبارت ہیں۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کا فلسفہ یہاں بھی طرح طرح سے اظہار پذیر ہوا ہے۔ ان کی نعت صوفیانہ تجربات میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہ وارداتِ قلبی اور عرفانِ ذات کے مسائل کا اظہار کرتے ہوئے تفصیل میں نہیں جاتے صرف اشاروں سے کام لیتے ہیں۔ اسی سبب ان کے ہاں مشکل پسندی اور ابہام کا احساس بھی ہوتا ہے۔

حضرت شاہ میرانجی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ) کی عارفانہ تصنیف "وصیت الہادی" "منفعت الایمان" اور "ارشاد نامہ" وغیرہ میں بھی نعت کے شعر نظر آتے ہیں۔ "وصیت الہادی" میں ذکرِ جلی، ذکرِ قلبی، ذکرِ سرّی اور اسی قسم کے مسائلِ سلوک اور روح کا ذکر ہے۔ اس

کے شروع میں حمد کے بعد نعت کے یہ دو شعر ملتے ہیں:

کیا محمدؐ جگ میں پیدا جتیں سب ہی راہ
شیطان مدعی پکڑ یا باٹ کیوں کر سکیں جاہ
محمدؐ جس کی پیٹ پھنکا اس کوں کیا ہے ڈر
نت اوٹھ سحریں دل میں اس کوں کلمہ بچپنے کر ۴۱

اس کے بعد شریعتِ محمدیؐ پر قائم رہنے کی ہدایت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا راستہ سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں۔

تو نفس سوں زہد تقویٰ راکھیں شرع محمدؐ آدے
ہو نت مشغول ذکر جلی سوں منزل ناسوت پاوے ۴۲

"منفعت الایمان" کی نعت کے شعر ملاحظہ ہیں:

نبی کیری بھولے راہ
ان میں تھوڑے حق آگاہ
جس کوں ہووے ارادۂ حق
تو وہ بوجھے حق مطلق ۴۲

"ارشاد نامہ" شاہ برہان کی سب سے طویل نظم ہے جو تقریباً اڑھائی ہزار شعروں پر مشتمل ہے اس کے شروع میں حمد کے بعد نعت کے کچھ شعر ملتے ہیں، مثلاً:

ختمِ نبوت جس کا نام
بھیجیا درود اور سلام
اب میں سنوروں کروں بکھان
نازل ہوا جس فرقان
احمد محمد جس کا ناؤں
روز قیامت اس کا چھاؤں
ہرگت کیتا جس اسلام
دھوں جگ بھریں جس کا نام ۴۴

میرانجی کی نعت کا انداز صاف اور واضح ہے۔ تخلیق نعت میں اصلاحی و تبلیغی جذبہ کار فرما ہے۔ زبان

بھی نسبتاً سلیس ہے۔

میاں شیخ خوب محمد چشتی گجراتی (م ۱۰۲۳ھ) کی عارفانہ مثنوی "خوب ترنگ" (زمانہ تصنیف ۹۸۶ھ) بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ اس مثنوی میں خوب محمد نے اپنے شیخ کمال محمد سیستانی (م ۹۷۹ھ) کے دہ منقولات نظم کئے ہیں جن کا تعلق مسائل تصوف اور تعارف محمدیہ سے ہے۔ اس کے آغاز میں حمد و نعت کا ملاجلا نمونہ دیکھئے۔ طرزِ بیان صوفیانہ ہے۔

بسم اللہ کہوں چپٹ ذات
جس رحمٰن رحیم صفات
ذات اسماء افعال صفات
جمع مفصل چند اک ذات
ناؤں محمدؐ تس کو دیت
اس تفصیل کو عالم کیت
اوسی روح ارواح تمام
اوسی جیوں کے سب اجسام ۴۴

خوب ترنگ کے آخر میں خوب محمد نے مقاماتِ معراج، مرتبۂ نبوت اور مقامِ رسالتؐ کو موضوع بنایا ہے۔ اس حصے کی نعت کا انداز بھی صوفیانہ واردات و مشاہدات کا آئینہ دار ہے۔ ذیل کے نعتیہ اشعار دیکھئے ؎

جو سا آرسی وحدت جان
جسم محمدؐ اسے پہچان
ایک عکس اس ماں جو ہوئے
قلب محمدؐ کا ہے سوئے
ایک عکس پھر ایک عکس جو پائے
یہی ابو الارواح کہائے
شکلِ محمدؐ ہوئے نہ کوئے
سب اس کی تفصیل سو ہوئے

ذات سو ذاتوں ماننہ تمام جسمِ محمدؐ عین اجسام ۴۵

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے نعت کے ذیل میں ان کا یہ دوہرہ بھی نقل کیا ہے۔

حمد خدا کی خوب کر کہہ صلوٰۃ رسول

پچھیں صفت شعر کی کہے تو ہوئے قبول [۴۶]

خوب محمد چشتی کے نعتیہ اشعار میں اردو زبان کی روایت کا نیا رجحان نمایاں ہے۔ یہ نیا رجحان ہندی پر عربی فارسی زبان کے اثرات کا ہے جس کا نہ صرف یہ کہ چشتی کو احساس تھا بلکہ انہوں نے "خوب ترنگ" میں اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

جیوں میری بولی منہ بات

عرب عجم ملا ایک سنگھات

بقول جالبی:

"خوب محمد چشتی اس نئے رجحان کے اوّلین معمار ہیں۔ جس کے بعد یہ رجحان دکن پہنچ کر اردو زبان و شاعری کے دھارے کو بدل دیتا ہے اور فارسی روایت آہستہ آہستہ ہندی روایت کی جگہ لے لیتی ہے۔" [۴۷]

چشتی کے نعتیہ نمونوں میں عربی و فارسی کی آمیزش نے اردوئے قدیم کو زبان و بیاں کے ایک نئے معیار سے آشنا کیا ہے۔ موضوعاتِ نعت کے بیان میں ان کا انداز عارفانہ و صوفیانہ ہے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو صوفیانہ زاویۂ نظر سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اختصار کے ساتھ حقیقتِ محمدی کے عمیق اسرار کا بیان انہیں اردو کے اوّلین نعت نگاروں میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ ان کے دوہرے میں قبولیتِ کلام کے حصول کے لئے حمدِ خدا کے ساتھ "صلوٰۃ رسولؐ" بھی ایک لازمے کی حیثیت رکھتی ہے یہ تخلیقِ نعت کا وہی پہلو ہے جس کا ذکر ہم نے محرکاتِ نعت کے ضمن میں کیا ہے۔

عبدالملک بحروچی گیارھویں صدی ہجری کے درویش شاعر تھے۔ دین و تصوف سے متعلق ان کے تین منظوم رسالوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے مولود نامہ، وفات نامہ، نامہ سلطان یا وصیت نامہ ہیں۔ مولود نامہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس کے اثرات و نتائج کے اذکار پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی "تولدنامہ" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد ڈھائی سو ہے۔

یہ مثنوی نوعیت کے اعتبار سے اس زمانے کے دوسرے کئی مولودناموں جیسی ہے۔ اس عہد میں حضور اکرمؐ کی بعثت کے فیضان و برکات کے تذکار کا نظم میں رواج ہو چکا تھا۔ مرزا نظام الدین احمد نے "حدیقۃ السلاطین" میں عبداللہ قطب شاہ (م ۱۰۸۳ھ) کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ جشن مولود صلی اللہ علیہ وسلم منایا کرتے تھے۔

سکندر بن محمد نے "مراۃ سکندری" میں سلطان مظفر شاہ گجراتی کے متعلق کہا ہے کہ وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولود کی تقریب میں دلچسپی لیتا، غریبوں کو کھانا کھلاتا اور دولت صرف کرتا تھا۔

سید الملک بھروچیا کے علاوہ مختار، فتاحی، شاکر اور قاسم وغیرہ کے مولود نامے اسی سلسلے کی کڑیوں کے طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

عبد الملک (جو اپنے شعروں میں خود کو عبدالملک بھی کہتے ہیں یا اپنے نام کے ساتھ عاجز، غریب، بندہ اور مسکین وغیرہ کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن یہ ان کے نام کا جزو نہیں۔ عاجزی اور انکسار کے طور پر ہے) کے مولود نامہ کا نمونہ درج ذیل ہے:

یا الٰہی شکر تیرا کس زبان سے ہوں کروں
تو خدا صاحب سبھوں کا حکم تیرے میں رہوں
تیں کیا پیدا محمد جس نبی سوں سب ہوا
عرش و کرسی لوح تینو اور قلم چوتھا کیا
...... چھینے برس سب پہلے لے کر ربیع الاول منیں
احمد نبی پیدا ہوئے جیوں چاند چودھی رات منیں
تب ہوا یہ حکم رضواں کو کہ جنتاں کو سوار
سب بہشتوں سوں اوٹھا پردا انہیں حوراں سنگھار
ہور دیکھاو سب فرشتوں کوں نبی کا نور آجہ
جس نبی کوں میں دیا ہوں دین دنیا کا سوراجہ
...... اے مومنا غافل نہو مولود سن کر سب تمہیں
بھیجو محمد پہ درود اور دیو خدا کی راہ میں

عبد الملک کے مولود نامہ پر گجراتی زبان کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس مولود نامہ کا سن تصنیف ۱۰۰۹ھ ہے جیسا کہ مولود نامہ کے آخری ابیات سے ظاہر ہے۔

عاجز غریب سید الملک لیا محمد سوں پناہ
بخشے الٰہی تو اسے تیرے کرم سوں سب گناہ
نو اے ہزار اوپر لکھی تاریخ ہجرت کی جدھاں
اسی سال اے مولود میں لکھ کر سنائے جگ مہاں

عبدالملک نے اپنے مولود میں صحت روایات کی نشاندہی کرتے ہوئے اسے احادیث سے ماخوذ بتایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے اپنی مثنوی کے مضامین و واقعات احادیث کی روشنی میں لکھے ہیں اور ان میں الحاق و اختراع کا کوئی دخل نہیں۔

مولود حضرت کے لکھے ہیں میں حدیثوں سوں اثار
سن کرائے کچھ خیر کر جو تجھ دیا پرودگار

ایک اور چیز جس پر عبدالملک نے زور دیا ہے وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس مولود نامہ کے دستیاب نمونۂ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق کے کچھ تبلیغی اور اصلاحی مقاصد بھی تھے۔ اس میں جگہ جگہ مصنف سامعین کو "دیو خدا کی راہ میں" اور "سن کرائے کچھ خیر کر" کا پیغام دیتا نظر آتا ہے۔ نبی کے نام پر مال و دولت اور جان کی قربانی کے مضامین کی ایک اور مثال دیکھئے:

لاکھوں کروڑ و ہوئے تو بن جائے خالی ہاتو سب
جو دئی نبیؐ کے نام پر وہی پاویں گے خوبیاں عجب
ایسے نبیؐ کے نام پر قربان ہودیں آج سوں
جس دو ستے بخشے خدا فردا نبیؐ کی لاج سوں [۲۹]

اس مولود نامہ کا مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔

عبدالملک بھروچی کی دوسری کتاب "وفات نامہ" ہے۔ یہ منظوم رسالہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق منظومات (نور نامہ، میلاد نامہ اور معراج نامہ وغیرہ کی طرح) کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وفات ناموں میں حضور اکرمؐ کے آخری ایام کا تذکارِ مبارک اور آپؐ کی وفات پر صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ کے تاثراتِ غم کا اظہار قلم بند کیا جاتا ہے۔ حضورؐ کے بارے میں لکھی ہوئی سیرتی مثنویوں میں تو یہ حصہ ہوتا ہی ہے مگر بعض شعراء نے (میلاد مبارک کی طرح) خاص طور پر وفاتِ مبارک کے موضوع پر منظومات لکھی ہیں۔ بھروچی کا وفات نامہ بھی آنحضرتؐ کی وفات کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس انداز کے دوسرے وفات نامے اردوئے قدیم میں امامی، دریا، نصرت علی، محمد محسن علمی، افضلی اور میر (ایک غیر معروف شاعر) نے لکھے تھے۔

بھروچی کے وفات نامہ میں حضور اکرمؐ کی بیماری، وفات سے پہلے اور قدرے بعد کے واقعات کے ساتھ دنیا سے ظاہری پوشیدگی کا مضمون نمایاں ہے۔ یہ تقریباً ۲۲۸ اشعار کی مثنوی ہے۔

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی (م ۱۰۹۵ھ) کے ہاں شیخ باجن اور محمود دریائی کی روایت میں جکریاں اور نکتے ملتے ہیں جن میں عارفانہ مسائل اور صوفیانہ واردات و تجربات کا موثر بیان ملتا ہے۔ "مقصود المراۃ" ان کے

ملفوظات و ابیات پر مشتمل کتاب ہے جسے ان کی وفات کے بعد ان کے ایک مرید صاحبزادہ شاہ مراد ابن سید جلال نے مرتب کیا۔ اس میں ایک نکتہ دیکھئے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مضمون نظم کیا گیا ہے۔ شاہ ہاشم فرماتے ہیں:

نکتہ

انّما الاعمال بالنیّات
نہیں بدلہ مگر نیت سوں بات
جو ایسی نیت دیوے ہات
تو لہیاں کھیلوں شہ کے سات [۵۱]

ایک جکری کا درج ذیل بند دیکھئے جس میں ذاتِ احمدی کا صوفیانہ بیان ہے:

جکری

جائے کہو کیک تل آوے پیا
سکتا جیو دھکتا ہیا
لا الٰہ نفی الا اللہ اثبات
محمد برحق بلا میم احمد ذات
جائے کہو .... [۵۲]

حضرت شاہ امین الدین (م ۱۰۸۹ھ) بھی اسی عہد کے بزرگ ہیں۔ آپ میرانجی کے پوتے اور شاہ برہان الدین جانم کے فرزند ہیں۔ ان کی تصانیف میں بھی ہمیں نعت کے کچھ اشعار مل جاتے ہیں جو دوہڑوں کے روپ میں ہیں:

نبی پرگٹ ذات ظہور ہے
معشوق حق اللہ نور علیٰ نور ہے
حقیقت حقائق ذات کمال ہے
صورتِ معنی ذوا لجلال ہے [۵۳]

ایسا ہی ایک نمونہ اور دیکھئے:

درود نبی پر شبِ معراج ہے
ساری امتیوں نت حجم کاج ہے

سبھوں پہ شاہد ذات رحمٰن ہے
آکھیں علی امین الدین گنج لسان ہے [۵۴]

ڈاکٹر عبدالحق (بابائے اردو) نے شاہ امین کے نمونہ کلام میں ان کی تصنیف محب نامہ (یا محبت نامہ) میں ایک نظم کا ذکر بھی کیا ہے جو قصیدے کی طرز میں ہے مگر عاشقانہ رنگ میں ہے۔ اس میں ردیف تو ہے مگر قافیے کا التزام نہیں رکھا گیا۔ اس نظم پر نعت کا عنوان تو نہیں مگر اس میں بعض اشعار پر صریحاً نعت کا گمان گزرتا ہے۔ یہ اشعار دیکھئے:

تیرا قدم مبارک سوں سب ظہور جلوہ
قصد قدم کیا جب اوّل توں آونے کوں
فیضوں قدم کے تیرے پُر نور ہر جماعت
اے صاحب جمالہ یہ فیض تج قدم کوں
چرخ فلک کواکب گرداں ہیں تج خدامت
ملزوم کر لئے ہیں سجدے ترے قدم کوں

آخری شعر یہ ہے:

آکھیں امین جے کچ اپنے قدر فیاسوں
بے باک باکہ سبتی بخشندہ ہے تو ہم کوں [۵۵]

اسی طرح اردوئے قدیم کے دوسرے صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی تصنیفات[۵۶] میں بھی ایک دو نعت کے شعر مل جاتے ہیں۔ اس سرسری اندازے کے علاوہ اگرچہ اردو ادب کے ان ابتدائی ماخذات میں نعت کا بحیثیت صنف باجداگانہ فن کے کوئی نمونہ دستیاب نہیں ہوتا لیکن ان بزرگوں کی مساعی سے یہ ضرور ہوا کہ اردو کی مذہبی شاعری کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ شریعت و طریقت کے بہت سے مسائل منظوم ہونا شروع ہوئے جن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تشریح اور سیرت کے بعض واقعات نظموں کا حصہ بننے لگے۔

ان تصانیف کا انداز اگرچہ ادبی سے زیادہ تبلیغی اور عوامی نہج کا تھا مگر اس سے یہ ضرور ہوا کہ وہ مضامین جو بعد میں نعت کا نمایاں موضوع (یعنی احادیثِ نبوی کا تذکار) بنے ___ ابتدائی طور پر اس کاوش میں رواج پذیر ہونا شروع ہو گئے۔

جنوبی ہند میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز

گیارہویں صدی ہجری کے آغاز کے قریب جب بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد قطب شاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا تو اردو ادب کے ایک انتہائی گراں قدر، وقیع اور تاریخی دور کا آغاز ہوا۔ قطب شاہی سلطنت قریب قریب دو سو سال (۹۱۸ تا ۱۰۹۸ھ) تک قائم رہی۔ اس سلطنت کے بادشاہوں کی ایک مشترک خصوصیت یہ تھی کہ وہ نہ صرف آپ تعلیم یافتہ تھے بلکہ علم وادب کے فروغ سے بھی انتہائی دلچسپی رکھتے تھے اور شعر و سخن کی قدردانی کے علاوہ خود بھی شعرگوئی کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ یہ دور جس قدر اردو شاعری کے لئے سازگار ثابت ہوا اسی قدر نعت گوئی کے لئے بھی مبارک رہا۔ اس دور کے پہلے نمایاں شاعر محمد قلی قطب شاہ (۹۷۳ھ۔ ۱۰۲۰ھ) ہیں جن کے نام سے یہ دور موسوم ہے۔

محمد قلی قطب شاہ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔ انہوں نے زندگی کو وسیع تناظر میں دیکھا اور کم و بیش سبھی مروجہ اصنافِ شاعری میں اپنے محسوسات و مشاہدات کا اظہار کیا۔ موضوعات کے تنوع اور مضامین کی رنگارنگی کے اعتبار سے انہیں نظیر اکبر آبادی کا پیشرو کہا جا سکتا ہے۔ ان کی شاعری میں مذہبی موضوعات پر بھی متعدد نظمیں ملتی ہیں۔ اردو نعت کے اولین، اہم، بکثرت اور قابلِ ذکر نمونے انہیں کے کلیات میں نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان سے پہلے نظامی اور دوسرے شعرا کے ہاں بھی نعتیہ عناصر ملتے ہیں مگر اُن کے ہاں نعت نگاری کی ذیلی حیثیت ہے اور اصل مقصد قصہ گوئی (مثنوی) ہے۔ اردو نعت کی تاریخ میں یہ شرف قلی قطب شاہ کو حاصل ہے کہ انہوں نے نعت کو ایک جداگانہ موضوع کے طور پہ برتا۔ غزل کی ہیئت میں سب سے پہلے انہوں نے ہی نعت لکھی۔ ان کے ہاں نعتیہ کلام تین انداز میں آیا ہے:

۱۔ نعتیہ غزلیں

۲۔ نعتیہ موضوعات پہ نظمیں

۳۔ متفرق نعتیہ عناصر

قلی قطب شاہ کے کلام میں پانچ نعتیہ غزلیں ملتی ہیں جن کے اشعار کی تعداد ۴۳ ہے۔ ان کے مطالعے درج ذیل ہیں:

تج مکھ اجت کے جوت تھے عالم دپنا را ہوا
تج دین تھے اسلام لے مومن جگت سارا ہوا ؎

اسم محمد تھی اہے جگ میں سو خاقانی منجے
بندہ نبیؐ کا جم اہے ستی ہے سلطانی منجے ۵۸ے

چاند سورج روشنی پایا تمہارے نور تھے
آبِ کوثر کے شرف تمڈے کے پانی پور تھے ۵۹ے

دیا بندے کو حق نبیؐ کا خطاب
حکم دے دیا نور جوں آفتاب ۶۰ے

خدا منج مہر سوں آپی نبیؐ صدقے کیا رافع
منجے تخت سلیماں جو وہی آپی دیا رافع ۶۱ے

ان نعتوں میں وابستگی و شیفتگی کا اظہار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار عقیدت و محبت کے وقت قلی قطب شاہ کے لہجے میں ایک والہانہ سرمستی پیدا ہو جاتی ہے۔ حضورؐ کا ذکر کرتے ہوئے قلبی کیف و سرشاری محسوس کرتے ہیں۔ انہیں آنحضرتؐ کی غلامی پہ ناز ہے۔ وہ دکن کی سلطانی اور زندگی کی دوسری آسائشوں اور خوشیوں کو نبی پاکؐ کا صدقہ خیال کرتے ہوئے جذبۂ ممنونیت میں ڈھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسمِ محمد کی برکات اور فیضان کا اظہار اور اپنے نام محمد قلی کے حوالے سے حضورؐ کی غلامی کے شرف کا اظہار ان کی نعت کے نمایاں موضوع ہیں۔ ان کی نعتیہ غزلوں کے درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں۔

شاہاں غروری تھاؤں تے کرتے ہیں اپی دھاؤں کے
مستی میری تج ناؤں تے کیتی ہے دیوانی مجھے
اس ناؤں کی بڑیں جھک مج سر بلندی تا فلک
آکہیں سدا سارے ملک تو یوسف ثانی منجے
کیا ڈر ہے مجے فرعون کا ہور سامری افسون کا
موسیٰ عصا زیتون کا ہے تیغ ربانی منجے

جو کوئی دل میں محبت دھر کر رہیا ہے ایمان کا   سو اس کا ہت پکڑ کر آپ کرتے مصطفےٰ رافع

قلی قطب شاہ کی نعتیہ نظموں میں "عید میلاد النبیؐ" کے موضوع پہ لکھی ہوئی چھ نظمیں ہیں۔ ان نظموں کا موضوع حضورِ پاکؐ کی ولادتِ پاک کا تذکارِ مبارک ہے۔ یہ نظمیں ان تقریبات پر پڑھنے کی غرض سے لکھی گئی محسوس ہوتی ہیں جو ربیع الاول میں آنحضرتؐ کی ولادت کی یاد میں منعقد ہوتی تھیں۔ قطب شاہی عہد میں عید میلاد کو خاص اہتمام سے منانے کی روایت ملتی ہے۔ محرم کی رسومات کے علاوہ عید میلاد النبیؐ، شبِ معراج، شبِ برأت، عید الفطر اور بقر عید وغیرہ دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں جس میں نہ صرف یہ کہ رعایا دل سے شریک ہوتی بلکہ بادشاہ بھی شامل ہوتے۔ قلی قطب شاہ کے کلیات میں متعدد نظمیں ایسی تقریبات ہی کے مواقع کی یادگار ہیں۔

"قطب شاہی دور میں عید میلاد" کے عنوان سے نصیر الدین ہاشمی نے "دکنی کلچر" میں سلطان محمد قلی قطب شاہ اور اس کے نواسے سلطان عبد اللہ (جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا) کے عہد میں عید میلاد کی تقریبات کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے۔

ہاشمی لکھتے ہیں:

"عید میلاد کا جشن قصرِ دار محل کے کشادہ اور وسیع میدان میں منعقد ہوتا تھا۔ یہ میدان شاہی محل کے جانب جنوب میں واقع تھا۔ اس میدان کے تین طرف جوہریوں کی دکانیں تھیں۔ عید میلاد میں نہ صرف چالیس ستونوں اور چار سو طنابوں کا ایک خیمہ ایستادہ کیا جاتا تھا اور اس خیمہ کو آراستہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کے اطراف کی دکانیں کو بھی آراستہ کیا جاتا تھا جیسے کا وسطی حصہ مخمل و اطلس اور اطراف زرِ دوزی نقش و نگار سے مزین ہوتا۔ عید میلاد النبیؐ کی آمد سے بہت قبل صنّاع، ہنرمند اور استادانِ صنعت و حرفت شاہی عمارتوں کو آراستہ کرتے۔ ربیع الاول کی سترہ تاریخ کو نقاروں، دماموں، بفیریوں اور قرناؤں کی آواز سے میدان دار محل گونج اٹھتا۔ تمام شہر اور اطراف کے لوگ میدان میں جمع ہو کر صنعت و حرفت کے ہنرمندوں کا معائنہ کرتے"[۹۲]

ایسی تقریبات پر لکھی جانے والی نعتوں کا نمونہ ملاحظہ ہو:

قطب بندہ ہے تیرا دو جگ میں یا محمدؐ
دائم نظر رکھ اس پہ اپنا او کر دیا کا
نبیؐ کا غلام ہے محمد قطب شہ
خبر لا کہ سالاں لیایا برس گانٹھ[۹۳]

عید میلاد النبیؐ کے علاوہ عید بعثت نبیؐ پر بھی قلی قطب شاہ نے پانچ نعتیں لکھیں جو قلی قطب شاہ کی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کی مظہر ہیں۔ انہوں نے معراج کے واقعہ پر بھی ایک نظم لکھی جو مذکورہ بالا نظموں کے علاوہ ہے۔

نعتیہ غزلوں اور منظومات کے علاوہ ان کے کلام میں متعدد جگہوں پر نعتیہ عناصر نظر آتے ہیں۔ ان کی درج ذیل رباعی دیکھئے۔

جینا توں دل و جیو سوں قرآں دیکھے
احمدؐ کے سو حق پر توں سب احساں دیکھے
دیکھ حلقۂ "خاتم النبیین" میں توں
دل یمیں سوں تا ابیع رحماں دیکھے ۶۴

قلی قطب شاہ کے پورے کلام میں اکثر و بیشتر مقطعات حضورؐ کے ساتھ دلی عقیدت مندی کے اظہار پر مبنی ہیں۔ ان کی نظموں یا غزلوں کا موضوع خواہ کچھ ہو ان کے مقطع میں آنحضرتؐ کا حوالہ التزام سے ملتا ہے۔ برسات کے موضوع پر قدرتی منظر اور ہندوی شاعری کی روایت کے مطابق عورت کے جذبات اظہار کا خاتمہ اس مقطع پر ہوتا ہے:

حضرت مصطفیٰؐ کے صدقے آتا برس کالا
قطب شہ عشق کر و دن رات راج ۶۵

اسی طرح بسنت کے تہوار والی نظم بھی قدرت کا حسن عورت کا حسن اور عاشق کا اضطراب مل جل کر سامنے آتے ہیں۔ اور یہ بھی نبیؐ کا طفیل ہے:

نبیؐ صدقے قطب شہ تا رہیں جم جم
بہاریں رنگ بھرے حُسناں سُہائی ۶۶

محمد شاہی کی تعریف میں قصیدہ کا آغاز ہی حضورؐ کے نام سے کرتے ہیں:

محمدؐ ناؤں تے بستا محمدؐ کا اسے بن سارا
سو طوبا ہاں سوں سہاتا ہے جنت نمنے چمن سارا

اسی طرح اپنی سالگرہ پر لکھی جانے والی مثنوی کا آغاز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کے ذکر سے کرتے ہیں:

نبیؐ کی دعا تے برس گانٹھ پایا
خوشیاں کی خبر کے دمامے بجایا

پیا ہوں میں حضرتؐ کے ہت آب کوثر
تو ست ہاں اوپر مجھ کلس کر بنایا ۶۷ے

بعض اوقات وہ اپنی وارداتِ عشق و معاملاتِ محبت کے ذکر میں بھی حضورؐ کا حوالہ شامل کر لیتا ہے بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

"قلی قطب شاہ کے ہاں اپنی شاعری کی رنگ رلیوں میں محمدؐ اور علیؓ کو اس انداز سے وابستہ کر لیا گیا ہے جس طرح ہندو رسموں میں کرشن مہاراج کو شامل کر لیا گیا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی شاعری ہندوانہ رنگ (Paganism) میں رنگی ہوئی ہے۔" ۶۸ے

جالبی نے اس ضمن میں معاملاتِ عشق سے لبریز ان کی دو نظمیں نقل کی ہیں جن کے مقاطعے یہ ہیں:

تیرے میرے پاواں سکھ جوں ناگ ناگن مل رہے
صدقے نبیؐ کے قطب کرتا رتی آپار عیش ۶۹ے

پیارے سوں گمت بنی صدقے قطب
پرم اسی کوں ساجے بجنے یوں گمایا ۷۰ے

قلی قطب شاہ کے نعتیہ اشعار میں ہندی شاعری کی روایت کے مطابق بعض جگہ عورت کی زبان سے بھی آنحضرتؐ سے اپنے خلوص و عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ نعت کا یہ انداز اس دور کے شعری مزاج کے عین مطابق ہے بلکہ (جیسا کہ ہم نعت پر ہندوستانی اثرات کے ضمن میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں) عصر حاضر کی نعتوں میں بھی کہیں کہیں دکھائی دیتا ہے۔

قلی قطب شاہ کی نعت جس کا مطلع ہم پہلے لکھ آئے ہیں اسکے یہ شعر دیکھئے:

نہ بھاوے منجے پیو بن ہور پکھ
میں تیری پیری منجے آپ زاب
میرے نیم میداں میں دو شہسوار
سہیلیاں سبھی پچو میں اس کا رکاب ۷۱ے

مجموعی اعتبار سے قلی قطب شاہ کا نعتیہ کلام اردو نعت کا پہلا اہم مرجع ہے۔ ان سے پہلے مختلف شاعروں کے ہاں جزوی اور ذیلی طور پر نعتیہ اشعار ضرور ملتے ہیں مگر نعت کے موضوع کی صنفی حیثیت متعین کرنے میں پہلا اہم حوالہ قلی قطب شاہ ہی کا بنتا ہے۔ بقول افسر میرٹھی:

"وہ پہلا اردو شاعر ہے جس نے نعت کو غزل کے معیار کے مطابق رکھا"۔ ۴۲

اردوئے قدیم کی نعت گوئی میں قلی قطب شاہ کی اہمیت اس سبب بھی ہے کہ انہوں نے فارسی کی پیوند کاری سے اردو زبان و بیان کے دائرے کو وسعت دی اور نعت کو فارسی عروض و بحور سے آشنا کیا۔

ملا اسد اللہ وجہی (م ۱۰۷۰ھ) قطب شاہی دور کے دوسرے بڑے شاعر ہیں۔ انہوں نے ابراہیم قطب شاہ، محمد علی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ، تین بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ اردو نثر کی پہلی اہم تصنیف "سب رس" اور ایک فارسی دیوان کے علاوہ ایک داستانِ مثنوی "قطب مشتری" ان کی یادگار ہے۔ "قطب مشتری" ۱۰۱۸ھ میں لکھی گئی اور بقول وجہی کے انہوں نے اسے صرف بارہ دنوں میں مکمل کیا۔ وہ مثنوی کے آخری شعر میں اس کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تمام اس کیا دیس بارہ منے
سنہ یک ہزار ہور اٹھارہ منے ۴۳

قطب مشتری اردوئے قدیم کی اہم مثنویوں میں سے ایک ہے۔ بہمنی دور میں لکھی گئی "کدم راؤ پدم راؤ" (نظامی) کے بعد، کئی مثنویوں میں "قطب مشتری" زبان و بیان کے اعتبار سے زیادہ نکھری ہوئی اور جدید اسلوب کی روایت سے قریب تر نظر آتی ہے۔ اردو نعت کے اولین اہم نمونوں میں "قطب مشتری" کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ مثنوی کی عام روایت کے مطابق اس کا آغاز بھی حمد و نعت و منقبت سے ہوا ہے۔ حمد کے بعد وجہی نے نعت میں ۲۱ شعر کہے ہیں۔ نعت کے ساتھ ہی نعت کے ایک اہم موضوع ذکرِ معراج کے عنوان سے ۴۴ اشعار رقم کیے ہیں۔ یوں "قطب مشتری" میں نعت کے ۱۰۱ اشعار ملتے ہیں۔ اس مثنوی کو "کدم راؤ پدم راؤ" کے مقابل رکھ کر پڑھیں تو مقدار اور تاثر کے اعتبار سے وجہی کی نعت نگاری زیادہ اہم نظر آتی ہے۔

وجہی کے نعتیہ اشعار کی خوبی ان کی سلاست اور روانی ہے۔ انہوں نے سیدھے سادے انداز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت و ارادت کو اس جذب و کیف کے ساتھ قلم بند کیا ہے کہ قریباً چار سو سال گزرنے کے بعد بھی یہ پڑھنے والے پر اپنا ایک خاص اثر چھوڑتے ہیں۔ وجہی نعت کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

محمدؐ نبی ناؤں تیرا اہے
عرش کے اُپر جا نو تیرا اہے
کہ چودہ ملک کا توں سلطان ہے
علیؓ سا ترے گھر میں پردھان ہے
اچھی ہور یک لاک پیغمبر آئے
ولے مرتبا کوئی تیرا نہ پائے

چھپیا نور سب کا ترے نور لگے
کہ جیوں تارے چھپتے اسے سور لگے
. . . . . عرش کرسی تج گھر ہے در آسمان
توں سورج ہے بادل ترا سایہ بان
ملائک امیں جتنے اسمان میں
رہیں رات دن سب ترے دھیان میں
توں سلطان مصحف علم ہے ترا
نبیاں ہور ولیاں سب حشم ہے ترا
بندے ہو کے خدمت کریا ترے گھر
ازل ہو ر ابد ہور قضا ہور قدر
ترا دین جس دن سے پرگٹ ہوا
سو اس دن تی سب کفر تپٹ ہوا
محبت، مروت، وفا اور حلم
حلیمی سلیمی عمل ہور علم
توں پیدا ہوا یو ہو پیدا ہوئے
اول یو نہ تھے تج تی پیدا ہوئے [۳]

وجہی کے ہاں حضور اکرمؐ کے اوصاف و فضیلت کا اظہار جس انداز سے ہوا ہے وہ اس دور کے نعتیہ نمونوں میں نایاب ہے۔ وجہی کے بیان میں روانی اور بہاؤ ہے۔ تشبیہیں بلیغ مگر صاف اور عام فہم ہیں اور مضامین کی تفہیم میں نہ صرف یہ کہ معاونت کرتی ہیں بلکہ اپنے موضوع (نعت) کے احترام اور وقار کے مطابق ہیں۔

ازل و ابد اور قضا و قدر کو آنحضورؐ کے گھر کے خدمت گزار کہنا اور محبت و مروّت، وقار و حلم، حلیمی سلیمی اور عمل و علم جیسی اقدار کا آغاز ظہورِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت کے حوالے سے کرنا اردو نعت کے اولین سرمایہ میں انتہائی گراں قدر مضامین کا اضافہ ہے۔ وجہی کی نعت گوئی کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ انہوں نے نعت کو نعت کے محوری و مرکزی موضوع یعنی روحِ رسولؐ کے طور پر ہی برتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت میں زیادہ تر حضور اکرمؐ کے اوصاف و فضائل ہی کا بیان ہے اور نعت کے ذیلی مضامین و موضوعات کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے اسی سبب ان کے نعتیہ اشعار میں داخلی جذبات کا اظہار بھی بہت کم ہے۔ "قطب مشتری" کے نعتیہ اشعار کے اختتام پہ جہاں حضورِ اکرمؐ سے شفاعت کی امیدداری کا

بیان ہے۔ وہاں بھی وجہی زیادہ تفصیل میں نہیں گئے۔ بلکہ وہ اختصار سے کام لیتے ہوئے شفاعت طلبی کے ذکر کو دو شعروں ہی میں قلم بند کر جاتے ہیں۔ عام طور پر نعت گو شعراء اس مرحلے پر داخلی تفصیلات میں چلے جاتے ہیں مگر وجہی کا نعت کو مدح و ثنا تک خاص رکھنے کا یہ انداز ان اشعار میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے :

امید دار ہے جگ ترے پیار کا
کہ بخشائے توں پاپ سنسار کا
شفاعت کہ نار سب کا تمہیں
اپی لاڈلا ایک رب کا تمہیں ۵۸

وجہی نے "ذکرِ معراج" میں جو اشعار لکھے ہیں ان کے مضامین عام معراج ناموں کے سے ہیں۔ یعنی معراج کی رات کا پُر نور سماں، آسمانوں پر حضورؐ کے استقبال کی تیاری، براقؔ کی شان اور تیز رفتاری اور حضور اکرمؐ کی خدا سے ملاقات وغیرہ چونکہ وجہی کے ہاں معراج کا ذکر مثنوی میں ذیلی موضوع کے طور پر ہوا ہے لہٰذا وہ ان مضامین کے بیان میں تفصیلات میں نہیں گئے بلکہ انہوں نے اختصار سے واقعہ معراج کے ان نمایاں مضامین کا اظہار کیا ہے جو دکنی عہد کے معراج ناموں میں اپنی پوری جزئیات کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ وجہی کے ہاں "ذکرِ معراج" سے متعلقہ کچھ شعر دیکھیے

صفت کر توں معراج کی رات کا
کہ جاگیا اہے بخت تج بات کا
اتھا اس رین کو عجب کچہ نور
کہ لاکھاں تی چاندان کروڑاں تی سور
...... نبیؐ تھے اچھوں آپنے گھر منے
جو غوغا کیے قدسی انبر منے
نبیؐ آج ہمارے یہاں آئیں گے
ہمیں سب انو کا درس پائیں گے
ملائک اچھلنے لگے ذوق سوں
سو حضرتؐ کے دیدار کے شوق سوں
فرشتے سورج چاند تارے تمام
نو آسمان کے رہنہارے تمام
قدم بوسی کے شوق تی دعا لے کر
رتے پہلے آسمان میں آئے کر

.... براق آج خوش گرم جیوں برق ہے
کہ سر پانو لگ نور میں غرق ہے
چڑیا پیٹ پر اُس کی وو ماہتاب
گیا اڑنے اسمان پر جیوں شہاب
ندا غیب تی آئے حضرت کنے
بلاے گیا واں تی خلوت منے
کسے غام خلوت میں واں کیا ہوا
خدا ہور حضرت میں واں کیا ہوا [۷۹]

ان نعتیہ اشعار کی ایک اہم خصوصیت روانی و ربط ہے۔ ایک شعر دوسرے شعر میں اس طرح پیوست ہے جیسے ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں۔ اسی وجہ سے انہیں روانی اور تیزی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ وجہی نے جو بحر منتخب کی ہے وہ بھی اپنے اندر ایک بہاؤ رکھتی ہے۔ یوں مثنوی کی یہ خصوصیت ان نعتیہ اشعار میں بھی در آئی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی [۸۰] نے "قطب مشتری" کی روانی و ربط کی تعریف کرتے ہوئے اسے اس مثنوی کی کامیابی و اثر آفرینی کی ایک بڑی وجہ بتایا ہے۔ جب ہم جداگانہ طور پر بھی "قطب مشتری" کے نعتیہ اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ روانی اور بہاؤ ہمیں متاثر کرتا ہے۔ روانی کا ایک سبب زبان کی سلاست بھی ہے۔ وجہی کی زبان اپنے پیشروؤں سے زیادہ صاف اور منجھی ہوئی ہے۔ تشبیہات و استعارات سادہ اور عام فہم ہیں۔ ہندی الفاظ کا استعمال ہے مگر کم فارسی عربی کے الفاظ بہمنی دور کے شاعروں کی نسبت سے زیادہ ہیں۔ مختصر یہ کہ وجہی کے نعتیہ اشعار میں "پیروی فارسی" کی روایت پاؤں جماتی نظر آتی ہے۔ بقول جالبی:

"وجہی فارسی طرزِ احساس کی اسی روایت کے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جو آگے چل کر ولی دکنی کی روایتِ ریختہ سے جا ملتی ہے" [۸۱]

زبان و بیان کی انہی خوبیوں کے باعث اردو نعت کے ارتقائی جائزہ میں "قطب مشتری" کے نعتیہ اشعار گراں قدر حیثیت رکھتے ہیں۔

عبداللہ قطب شاہ (م ۱۰۸۳ھ) مزاج کے اعتبار سے اگرچہ محمد قلی کی طرح تھا اور اس کی شاعری کا غالب حصہ عیش و عشرت، لذت و انبساط اور عشق و عاشقی کے مضامین سے عبارت ہے مگر لطف اندوزی اور لذت کوشی سے پُر کلام میں نعت کے کچھ اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ اردوئے قدیم کی نعت گوئی میں عبداللہ قطب شاہ کے نعتیہ اشعار اس حوالے سے اہم ہیں کہ اس میں موسیقی اور صنعت گری کا ایک خاص التزام ملتا ہے۔ بقول جالبی:

عبداللہ موسیقی کا احساس پیدا کرنے کے لئے لفظوں کو سجا کر استعمال کرتا ہے۔ بہت سی غزلوں میں صفت لزوم مالایلزم کا استعمال کیا گیا ہے۔ ہر مصرعے میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال سے ایک لے ایک جھنکار پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عبداللہ کے دیوان میں غزلوں کی غزلیں اسی صفت میں ملتی ہیں۔ اور اکثر غزلوں میں ایک ایک دو دو شعر اسی مزاج کے حامل ہیں۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے:

یو عید ہمن سا ہے ، نصرت کے بجیں باجے
ہے جگ کے نبی راجے دن دین محمد کا
صدقے نبیؐ عبداللہ، شہ کون ہے مدد اللہ
بنج تن ہیں گوا باللہ دن دین محمد کا

اس نعتیہ غزل کے دوسرے شعر بھی دیکھئے جہاں موسیقی کو شاعری سے ملانے کی کوشش نمایاں ہے:

لکھ فیض سوں بھر آیا دن، دین محمد کا
آفاق صفا پایا ، دن، دین محمد کا
گلشن میں شریعت کے پھل کھیلے طریقت کے
پر مل سوں حقیقت کے دن، دین محمد کا
روشن ہوئے اسماناں جھمکائے رتن کھاناں
خط پیولے مسلماناں ، دن، دین محمد کا
جو بارہ اماماں ہیں لاکھ ان پہ سلاماں ہیں
ہم ان کے غلاماں ہیں دن، دین محمد کا

یہ نعت جیسا کہ اس کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے عید میلاد کے موقع پر منعقد ہونے والی تقریب کے لئے لکھی گئی، موسیقی و ترنم کے علاوہ اس نعت کا نشاطیہ آہنگ ایک خاص تاثر کا حامل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی کی مناسبت سے عبداللہ نے خوبصورت سماں پیدا کیا ہے۔ منظر نگاری کے ساتھ ساتھ شریعتِ محمدی کا تذکار اور پیغام دعوت و نبوت کی نصرت کی نشاندہی ایجاز کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان نعتیہ اشعار کی دوسری نمایاں خصوصیت نعت کے پیکر میں اثنا عشری عقائد کا اظہار ہے جو دکنی شعرا کی نعتوں میں جا بجا نظر آتا ہے۔ یہ نعت کی وہی روایت ہے جو عربی میں کمیت بن زید، دعبل اور مہیار وغیرہ سے شروع ہوئی۔ فارسی شعراء کے ہاں بھی نعت و منقبت کا امتزاج ملتا ہے۔ اردوئے قدیم کی نعت گوئی میں بھی اہل بیت

اور آئمہ معصومین کی مدح کا اظہار ہوا ہے۔ عبداللہ قطب شاہ کی زیرِ بحث نعت میں "بارہ اماماں اور پنج تن" کا حوالہ اسی نعتیہ روایت کا عکاس ہے۔

عبداللہ کے مقطعوں میں "نبی صدقے" اور "نبی کے صدقے" کے الفاظ قلی قطب شاہ کی طرح عام ملتے ہیں انہیں عبداللہ کی شاعری میں ایک تکیۂ کلام کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ اپنے اسبابِ عیش کو بھی نبیؐ ہی کے صدقے سے تعبیر کرتا ہے اور اس میں اسے کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے:

ملیا سیج پر تج سوں موہن پیاری
نبیؐ صدقے عبداللہ سلطان پیارا [۸۳]

صدقے نبیؐ کے یا اماں اس محل میلنے ہر زماں
جم عبداللہ شہ ترکماں ہوگی گھنارا ہوا [۸۴]

لیکن کہیں کہیں نبیؐ صدقے کے استعمال سے وہ اپنے مقطع کو ایک نعتیہ اسلوب بھی بخشتا ہے۔ مثلاً یہ مقطع دیکھئے:

نبیؐ کے صدقے عبداللہ سدا توں شکر کر اس کا
جکوئی تج کوں نوازیا ہور شاہی کا بدا دیتا [۸۵]

عبداللہ قطب شاہ کا اردو دیوان سید محمد نے مرتب کر کے ۱۹۳۹ء میں شائع کیا۔ انہوں نے اپنے کلام میں رسولِ اکرمؐ، حضرت علیؓ اور آئمہ عظام سے بڑی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

مُلّا غواصی (م ۱۰۶۰ھ) عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں اہم شاعر تھے۔ انہوں نے دو ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" (جسے انہوں نے تیس دنوں میں مکمل کرنے کا دعویٰ کیا ہے) میں حمد کے بعد مثنوی کی روایت کے مطابق نعتِ رسول اکرمؐ میں ۲۱ شعر کہے۔ یہ مثنوی غالب روایات کے مطابق ۱۰۲۵ھ[۸۶] میں لکھی گئی۔ یہ مثنوی اپنے دور میں ایک نمونہ اور ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہے اور بقول جالبی اس نے "بیجاپور میں نہ صرف مثنوی نگاری کو رواج دیا بلکہ اس کے رخ اور انداز کا دھارا بھی موڑ دیا۔"[۸۷] بعینہٖ یہی بات اس مثنوی کے نعتیہ اشعار پر صادق آتی ہے۔ "سیف الملوک و بدیع الجمال" کا نعتیہ نمونہ اپنا ایک جداگانہ انداز رکھتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

سچا توں محمدؐ سچا مصطفےٰ
سچا ہے توں احمد مرتضےٰ

توں طٰہٰ، تو مومن تو ابطحی
توں اُمّی توں مکی تو مرسل سہی

توں اوّل توں آخر توہی ہے امیر

توں ظاہر توں باطن نبیؐ بے نظیر

تمیں ہاشمی ہور قریشی رسول

جکچھ تو کہے سو کرے رب قبول

توں قائم توں حجت توں حافظ بچا

توں شافع توں سابق توں واعظ بچا

تقی ہور سخی توں ولی ہور خلیل

دیا تج نبیؐ ناؤں رب الجلیل

خدا کے نبیاں کا سو سلطان توں

دیونہار ساریاں کو ایمان توں [۸۵]

غواصی کے نعتیہ اشعار کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اسمائے رسول مقبولؐ کو زیادہ سے زیادہ سمونے کی کوشش کی ہے۔ ان سے پہلے اردوئے قدیم کے نعتیہ نمونوں میں اسمائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قلم بند کرنے کا یہ انداز نظر نہیں آتا۔ ان اشعار کا رنگ ڈھنگ اور بحر اگرچہ وجہی کی قطب مشتری کا ہے مگر اس میں روانی، شیرینی اور سادگی زیادہ ہے۔ املا کے معمولی ردوبدل کے بعد یہ نعتیہ نمونہ آج کی اردو کے انتہائی قریب نظر آتا ہے۔ اس میں فارسی اور عربی کے الفاظ نمایاں ہیں اور اس کی بڑی وجہ رسول اکرمؐ کے اسمائے مبارکہ ہیں جو قرآن و حدیث سے منصوص ہیں اور اپنی خالص عربی شکل اور تلفظ میں اس نعت میں در آئے ہیں۔ اس نعتیہ نمونے کے آخری شعروں میں خلفائے راشدہ کی منقبت ہے جس میں جناب علیؓ کی ولایت، شجاعت اور کرامت کے نمایاں ذکر کر کے اُن سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے۔ حضرت میراں محی الدینؒ کی مدح کا عنصر بھی اس نعتیہ نمونے میں شامل ہے۔ لکھتے ہیں:

قسم کھاؤں میں سورہ یٰسین سوں

کہ حق بعد ہے جیو میرا تین سوں

حمایت جو مج بس اہے تین کا

محمدؐ، علیؓ، ہور محی الدینؒ کا [۸۶]

غواصی کی دوسری مشہور تصنیف "طوطی نامہ" ہے۔ یہ غواصی کے آخری دور کی تصنیف ہے۔ اسی سبب اس میں قدیم دکنی کا رنگ پھیکا اور فارسی اسلوب و آہنگ کا رنگ گہرا ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ مثنوی ضیاء الدین نخشبی کے فارسی "طوطی نامہ" کا ترجمہ ہے۔ اس میں غواصی نے نفسِ مضمون کی کمی بیشی کے ساتھ فارسی کے اصل قصہ میں سے

صرف ۵۴ کہانیاں منتخب کی ہیں۔ قریباً چار ہزار ابیات کی یہ مثنوی ۱۰۴۹ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس میں نعت کے ۲۴ شعر ملے جاتے ہیں۔ جو اپنی معنوی اور فنی خوبیوں کے سبب اردوئے قدیم کی نعت گوئی کے ذیل میں قابلِ ذکر ہیں چند شعر دیکھئے:

رتن خاص دریائے لولاک کا

جھلک لامکاں نور افلاک کا

محمد نبی سید المرسلینؐ

سدا روشن اس تے ہے دنیا و دیں

عدم میں تے عالم کو پروردگار

اس کے کیا نور سوں آشکار

...... ازل محض اس کا خزینا دسے

ابد عین اس کا مدینہ دسے

ہوئے ختم اس پر نبوت کے گن

بجے طبل اس کا قیامت لگن

...... بڑے بخت جو ہیں غواصی غلام

ہوں ایسے نبیؐ کا علیہ السلام

سدا پاؤں سکھ میں اسے یاد کر

ہزاروں درود اس کی اولاد پر ۵۸ء

غواصی کے یہ نعتیہ شعر خوبصورت تشبیہات و استعارات لئے ہوئے ہیں۔ حضور اکرمؐ کو دریائے لولاک کا خاص رتن کہنا خوبصورت تشبیہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ شعر بھی دیکھئے۔

تم اس کے دسے لطف کا سلسبیل

مکھی اس کے ہے شہد کا جبرئیل

حرم کبریا کا سو اس کا مقام

بندا شمس ہور بدر اس کا غلام ۵۹ء

"طوطی نامہ" کے نعتیہ اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غواصی کی والہانہ عقیدت کے مظہر ہیں۔ ان کی زبان سلیس اور دلکش ہے۔ چونکہ یہ اشعار "سیف الملوک بدیع الجمال" کے نعتیہ اشعار کے بعد لکھے گئے لہٰذا ان میں فارسی

اور عربی کے الفاظ اور اسالیب واضح ہیں۔ سیف الملوک کے اشعار میں اسمائے رسول کا تذکرہ ہے جبکہ یہاں خالص مدح و ستائش کا رنگ غالب ہے۔ غواصی کے اندازِ نعت میں اختصار کی خوبی نمایاں ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار (بلکہ مصرعے) حضور اکرمؐ کی صفات کی الگ الگ ترجمانی کرتے ہوئے ایک نعتیہ پیکر کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔

غواصی کی تیسری تصنیف "مینا ستونتی" ہے جسے اس کے دو مرکزی کرداروں کے ناموں کے باعث "چندا اور لورک" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ مثنوی حال ہی میں دریافت ہوئی ہے۔ ڈاکٹر غلام عمر خاں نے اس مثنوی کو اپنے طویل مقدمے کے ساتھ مرتب کر کے ۱۹۶۵ء میں شائع کر دیا ہے۔ مرتب کی رائے میں "مینا ستونتی" غواصی کی پہلی تصنیف ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ "مینا ستونتی کے کسی نسخے سے اس کے سنِ تصنیف پر روشنی نہیں پڑتی۔ زیرِ بحث مثنوی اور غواصی کی دوسری تصانیف کے داخلی شواہد کی بنا پر راقم کا خیال ہے کہ یہ مثنوی "طوطی نامہ" اور "سیف الملوک" سے قبل کی تصنیف ہوگی۔" (۵۹)

زبان و بیان کے اعتبار سے "مینا ستونتی" یا چندا اور لورک قدیم دکنی شاعری کے عام میلان کے مطابق سادگی اور حقیقت پسندی کی حامل ہے۔ اس کا آغاز حمد سے ہوتا ہے اور اختتام دکنی عہد کے اکثر قصوں کی طرح نعتیہ مصرع پر ہے جو درج ذیل ہے۔

ہوا نظم یوں ناؤں سوں سب تمام
بحق محمدؐ علیہ السلام (۶۰)

اشفاق نے اپنے مقالے میں اس مثنوی کے کچھ نعتیہ اشعار نقل کئے ہیں جو بطور نمونہ یہاں درج کئے جاتے ہیں:

محمدؐ نبی سروری اولیاء
بنیاں مرسلاں پر شفاعت کیا
منور کیا جنتیں اسلام کو
شفاعت دیا خاص ہور عام کو
...... محمدؐ نبی خاتم الانبیا
شرف جنتیں حق جگمیں ہمنا دیا
دیا جس کو تشریف لولاک کا
ہوا جیتی مظہر یو افلاک کا
...... تصدق ہمن سارکی کئی ہزار
محمدؐ کے نعلین پر بار بار

ہزاروں ہیں ساری نیک نام
محمدؐ پہ صدقہ ہیں ساری تمام ۹۱؎

ان اشعار میں حضور اکرمؐ کی شفاعت، خاتم النبیینی، سبب تخلیق کائنات اور اسلام اور ملتِ مسلمہ کے لیے ان کی خدمات میں فخر و شرف کی نشاندہی کے ساتھ ان کی ذات والا صفات سے عقیدت و شیفتگی کا اظہار کرتے ہوئے تصدق و فدویت کے مضمون کو نظم بند کیا گیا ہے۔ غواصی کے نعتیہ اشعار میں زبان و بیان کی سادگی کے لحاظ سے یہ نمونہ پہلی دو مثنویوں سے قدرے مختلف اور قدیم رنگ لیے ہوئے ہے۔

اسی زمانے کی ایک اور مثنوی "پھول بن" میں بھی کچھ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ یہ مثنوی شیخ محمد مظہر شیخ فخر الدین ابن نشاطی نے ۱۰۶۶ھ (اور شیخ چاند کی تحقیق کے مطابق ۱۰۶۹ھ) میں نظم کی۔ اس کا ماخذ احمد حسن دبیر عید روسی کا فارسی قصہ "بساتین الانس" ہے۔ اس میں حمد و مناجات کے بعد نعت کے ۱۵ شعر ملتے ہیں جن کا عنوان اس دور کی کئی دوسری مثنویوں کی طرز پر ایک شعر کی صورت میں ہے۔ یہ شعر بھی نعت سے متعلق ہے مگر مختلف بحر میں ہے۔ وہ شعر اور نعت کے اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے:

کہوں میں نعت سرور کا شفیع المذنبیںؐ برحق
کہ جس کے نور سے پرتو گیا دو جگ کوں تابانی

محمدؐ پیشوا ہے سروراں کا
اہے سرخیل سب پیغمبراں کا
محمدؐ توں نبی ہے آج برحق
قمر کوں ایک اشارت میں کیا شق
...... تری تعریف کا اونچا ہے پایہ
خدا قرآں میں تجکو سراہا
نبیؐ توں پاک تیرا پاک دیں ہے
سچا توں رحمت للعالمیںؐ ہے
اگر ہوتا نہ توٗ آدمؑ نہ ہوتا
نہ آدمؑ بلکہ یہ عالم نہ ہوتا
...... تری تعریف کرنے کس کوں حد ہے
ہوا تو روح اور آدمؑ جسد ہے

...... حقیقت تجھ سوں ہے حق کا ہویدا
خدا کا معرفت تجھ سوں ہے پیدا
صفاداری کی رہ میں تیری ہر سو
کریں جاروب حوراں اپنے گیسو
ہے تجھ مکھ نور کا دیوانہ جبریلؑ
اہے تجھ شمع کا پروانہ جبریلؑ
سرج گوں چھانوں کئی دیکھے نہیں کیں
توں سورج تھا دسے تے چھانوں تجھ نہیں ۹۲؎

یہ مثنوی چونکہ ایک عشقیہ قصے پر لکھی گئی ہے لہٰذا یہاں بھی نعت کے اشعار دوسری مثنویوں کی روایت کے مطابق ایک ذیلی موضوع کی حیثیت سے آئے ہیں اور بظاہر قصہ کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کی رسم کا التزام رکھا گیا ہے، لیکن اگر غور سے ان اشعار کے موضوعات کا جائزہ لیں تو ان کی حیثیت رسم محض سے بہت بڑھ کر نظر آئے گی۔ ابنِ نشاطی نے خلقتِ آدم و کائنات کے پس منظر میں نورِ محمدی کی کارفرمائی کے صوفیانہ نقطۂ نظر کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کے مختلف اوصاف و معجزات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں نعت چونکہ ذیلی موضوع کے طور پر آئی ہے اس لئے وہ اوصاف و فضائلِ رسولؐ کے بیان کی تفصیلات میں نہیں جاتے، اختصار سے کام لیتے ہیں۔ نعت کے دوسرے شعروں میں آپؐ کے اوصاف خصوصاً شریعت، طریقت، معرفت اور دوسرے پیغمبروں پر آپؐ کی فضیلت کا بیان ہے اور آپؐ کے خلق اور کرم کا ذکر بڑے خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں:

ہے تیرے خلق سوں جنت معطر
کرم سوں ہے ترے طوبیٰ مثمر ۹۳؎

ایک تشبیہ دیکھئے جس میں قطب شاہی عہد کے درباری ماحول کا رنگ نمایاں ہے:

ہوا عالم نج احمدؐ کی خاطر
پیالہ جوں کہ آیا مد کی خاطر ۹۴؎

اس نمونۂ نعت کا آخری حصہ ایک جداگانہ تاثیر رکھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ابنِ نشاطی قیامت کے دن کی ہولناکی کا تصور کرتے ہوئے حضورؐ سے شفاعت کی التجا کرتے ہیں۔ یہاں نعت کے بیان میں شاعر اپنے داخلی احساسات شامل کر لیتا ہے۔ اس ذاتی حوالے سے ان نعتیہ اشعار کا اختتام موثر ہو گیا ہے۔

شما جس دن جو رستاخیز ہوگا
گرج کا آنچ بھوتچ تیز ہوگا
توکر ابنِ نشاطی کے سر اوپر
شفاعت کے ترے سایہ کوں چھتر
تیری اولاد ہو ہور تج پہ ہر دم
ہزاروں سو اچھو صلوات سلّم! ۹۵ے

'پھولبن' کے نعتیہ اشعار مثنوی کے دوسرے اشعار کی طرح ابن نشاطی کی قادر الکلامی کے شاہد ہیں۔ ان کی زبان صاف اور سادہ ہے اور اندازِ بیان میں دلکشی اور تاثیر ہے۔

محمد ابراہیم صنعتی جو محمد عادل شاہی دور سے تعلق رکھتے تھے اپنے "قصۂ بے نظیر" کے سبب مشہور ہیں۔ یہ قصہ انہوں نے ۱۰۵۵ھ میں لکھا۔ اس کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت تمیم انصاریؓ کی مافوق الفطرت مہمات ہیں۔ اسی مناسبت سے قصۂ بے نظیر کو "تمیم انصاریؓ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک طویل مثنوی ہے۔ جس میں نعت کے شعر کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ اس کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے ۲۱ شعر ہیں جو اپنے عہد کی دوسری مثنویوں کے نعتیہ اشعار کے مقابلے میں نمایاں طور پر زیادہ ہیں۔ ان اشعار کے علاوہ مثنوی کے دوسرے مقامات پر بھی موقعہ و محل کی مناسبت سے حضور اکرمؐ کی تعریف میں متعدد شعر ملتے ہیں۔ آغازِ مثنوی میں نعتیہ اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے:

نبی کریمؐ شفیع امیںؐ
رسولِؐ خدا رحمۃ العالمینؐ
کہ جن سر پہ لولاک کا تاج ہے
سو اس کوں عرش اپی محتاج ہے
ثنا جس کی بولیا ہے سبحان نے
سو طٰہٰ و یٰسین و قرآن نے
احد میں تجھے ناؤں احمدؐ دیا
بجز میم میں فرق کچھ نہیں کیا
...... ترا ناؤں عزت ہے آدم کے تئیں
ترا اسم ہے ورد عالم کے تئیں

ترا نانوں ہے ذات بعد یے صفات

کہ جل ہیچ اول بڑاں پھول پات

. . . . . تجلّئے تجھ پائے مجب یک جھک

کئے سجدہ آدم کوں سارے مَلک! ۹۶

قصہ بے نظیر کی نمایاں خوبی اس کا ربط و تسلسل اور زورِ بیان ہے۔ مثنوی نگاری کے مروجہ اسلوب کے مطابق آغازِ قصہ سے قبل حمد و نعت کا التزام کم و بیش سبھی شاعروں کے ہاں ملتا ہے مگر صنعتی کے ہاں یہ عناصر جس فطری انداز سے آئے ہیں اس کی مثال اس کے معاصر شعراء کی مثنویوں میں بہت کم نظر آتی ہے۔ صنعتی نے ان لوازمات کو اس قرینے اور سلیقے سے نبھایا ہے کہ ان کی نعت پر رسمی انداز کی بجائے تخلیقی و تحقیقی اسلوب کا رنگ غالب ہے۔ وہ نعت سے قبل خدا تعالیٰ کی تعریف، تخلیقِ کائنات اور ولادتِ آدم کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر حضورِ اکرمؐ سے پہلے مبعوث ہونے والے جلیل القدر انبیائے کرام اور ان کے نمایاں اوصاف کے بیان کے بعد آنحضرتؐ کی فضیلت و بزرگی اور شرف و مرتبہ کے تذکار سے آپؐ کی مدح کی طرف آتے ہیں۔

قصہ بے نظیر کے نعتیہ اشعار کی ایک اور خاص بات اس میں قرآنی آیات اور احادیث رسولِ اکرمؐ کی عبارات کے حوالے ہیں جن سے اردوئے قدیم کی نعت میں عربی الفاظ کے اولین استعمال کا سراغ ملتا ہے۔ درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں:

ے ؎ مّا زاغ کا کُحل انکھیاں میں کر

نہ واں زاغ دکھیا نہ واں باغ پر۔

ے ؎ دیا جب یو تشریف ربّ العبادؔ

کیا آخر امت کو بھی اس میں یاد

فاوحیٰ علیٰ عبدہٖ کا شرف

بڑاں حق تے نازل ہوا تج طرف

ترے تابعاں میں خدا کر قبول

کہ بولیا خدا من یطیع الرسول! ۹۷

ان میں ومازاغ، رب العباد، فاوحیٰ علیٰ عبدہٖ، من یطیع الرسول کے الفاظ و تراکیب کے استعمال سے نہ صرف یہ کہ ان نعتیہ شعروں میں قرآنی حوالے در آگئے ہیں بلکہ انہیں نعت کے معاصر نمونوں میں ایک علمی وقار عطا ہوا ہے۔

ان شعروں کے آخر میں حضورِ اکرمؐ سے وابستگی و محبت اور التجا و آرزو کا اظہار ملاحظہ ہو:

چلے صنعتیؔ سوں تیری بات پر
دو جگ میں اسے توں سرافراز کر
تیرے پاس رہنے کی ہے آس اوس
رکھ اپنے کرم سوں اپس پاس اوس
کر اوس خاک توں یک نظر سوں کچن
بحق چار یاراںؓ ، حسینؓ و حسنؓ ۹۸

قصۂ بے نظیر میں کئی مقامات پر رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے حوالے آئے ہیں اور ذیلی موضوع کے طور پر نعت و منقبت کی گنجائش پیدا ہوئی ہے۔ صنعتیؔ نے ایسے مقامات پر بھی مدح نگاری کے خوبصورت نمونے تخلیق کئے ہیں۔ قصہ میں ایک جگہ ایک نسائی کردار کی زبان سے نعتِ رسول اکرمؐ کے یہ شعر دیکھئے:

کہ توریت ہے حق تعالیٰ کی بات
محمدؐ کی دیکھی ہوں اس میں صفات
محمدؐ نبی سرورِ سروراں
حبیبِ خدا ، ختمِ پیغمبراں
نبی سب ستارے ہیں او آفتاب
دو عالم کوں ہے ان سوں پُر نور تاب
سکل انبیاؑ کے وہ سرتاج ہے
کہ جس کوں شرف حق نے معراج ہے
محمدؐ کوں ہے سب نبیاں پر شرف
اس امت کو سب امتاں پر شرف ۹۹

اس نمونۂ نعت کا آخری شعر اس نعتیہ خیال کی توسیع ہے جو ابتدائے مثنوی کے نعتیہ اشعار میں یوں آیا ہے:

توں ایسا محمدؐ کوں بخشا شرف
کہ جاں سب نبیاں کا شرف ایک طرف ۱۰۰

صنعتیؔ کی نعت فکری و فنی محاسن کے سبب اپنے معاصر شاعروں کی نعت گوئی سے منفرد اور ممتاز ہے۔ ان کے اسلوب شعر میں سادگی و لطافت ہے اور تشبیہات و استعارات میں پاکیزگی ہے۔ تعداد و تاثر کے لحاظ سے صنعتیؔ کے نعتیہ اشعار میں معاصر نعت پاروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ شاعرانہ خصوصیات ، روانی اور فنی اہتمام

کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں اردوئے قدیم کی نعت گوئی ایک نیا معیار قائم کرتی ہوئی نظر آتی ہے جو پہلے کی نعت گوئی سے ممتاز بھی ہے اور آئندہ دور کی روایت سے پیوست بھی۔

صنعتی کے ہاں یہ نیا معیار اور اسلوبِ نعت عربی فارسی الفاظ و تراکیب اور فارسی اسلوب کے بڑھتے ہوئے اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ مزید برآں ان اشعار میں عربی فارسی الفاظ صحیح تلفظ کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں جبکہ اس عہد کے اکثر شاعروں کے ہاں اس صحت کا التزام نظر نہیں آتا۔

علی عادل شاہ ثانی (م ۱۰۸۳ھ) جن کا تخلص شاہی تھا، بیجاپور کے آٹھویں فرمانروا تھے۔ انہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ انہوں نے قصیدے میں نعت کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کے چھ قصائد ہیں۔ اگرچہ نعت کا قصیدہ صرف ایک ہے مگر قصیدہ نگاری کی جملہ خصوصیات کے سبب وہ قصیدہ ایک منفرد کیفیت اور حُسن رکھتا ہے۔ ان کے ہاں شکوہ اور بلند آہنگی کے ساتھ موسیقانہ جھنکار کا احساس ہوتا ہے۔ لطفِ تخیل ان کے فن کی نمایاں خوبی ہے۔ ان کے دور میں اگرچہ فارسی اسلوب اور طرزِ احساس کا رنگ غالب ہونا شروع ہو گیا تھا مگر شاہی کے ہاں ہندوی اثرات اور مزاج واضح طور پہ نظر آتا ہے۔ یہ رنگ ان کے نعتیہ قصیدے میں بھی نمایاں ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے:

محمد شاہ مرسل کا منگیا جب نعت کہنے میں
مٹھائی پا کے من میرا یو مضموں چند کے بیایا ہے
محمد سا نہیں پیدا کیا کرتار ترجگ میں
اوسی کے عشق تیں سو نسار ترجگ کا بھرایا ہے [۱۰۱]

شاہی نے قصیدے کے لئے ایسی بحر کا انتخاب کیا ہے جس کے اندر موسیقی اور ترنم کا حسن اور تاثر نمایاں ہے وہ شعروں میں بھی انتخاب الفاظ اور قوافی کے ذریعے اس تاثر میں شدت پیدا کرتے ہیں۔ یہ شعر دیکھئے:

چنبیلی جو پھیلی ہے بتی نازک نویلی ہے
گلاں کی نت سہیلی کر کھلا مجلس میں بیایا ہے

شاہی کی مثنوی "خیبر نامہ" جو جناب علیؓ کی فتح خیبر کے واقعات پر مشتمل ہے ۲۰۰ اشعار کی ہے اس کے آغاز میں بھی حمد و منقبت کے درمیان نعت کے شعر ملتے ہیں۔

طبعی جو بعض تذکروں میں طبیعی کے نام سے موسوم ہے، سلطان عبداللہ قطب شاہ (م ۱۰۸۳ھ) اور ابو الحسن تاناشاہ (م ۱۱۱۱ھ) کے ہم عصر تھے۔ ان کی مثنوی "بہرام و گل اندام" (سنِ تصنیف ۱۰۸۰ھ) میں نعت کے کچھ شعر ملتے ہیں۔ طبعی کے نعتیہ اشعار سادہ اور سلیس زبان میں ہیں اور ان کی بحر رواں ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے:

محمدؐ ہی توں خدا کا رسول
یو پیغمبراں باغ ہی توں سو پھول
خدانے کیا تجھ کوں اپنا حبیبؐ
یو منصب نہیں ہر کسی کو نصیب
سہاتا ہے مہرِ نبوت تجی
یو دولت ہوا ہی عنایت تجی
نبیاں جگ میں یک لاکھ اسی ہزار
یو ساری پیادی ہیں توں ہی سوار
..... ہوئے ہیں میرے ہاتھ تے کئی گناہ
نہیں کوئی تج باج پشت و پناہ
کہ تیری شفاعت کے دھرتا امید
قیامت میں طبعی کوں رکھ رو سفید ۱۰۲ھ

طبعی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کے نعتیہ اشعار اگرچہ مثنوی میں ایک ذیلی جز اور موضوع کے طور پہ آئے ہیں مگر ان میں رسمی اور تقلیدی کی بجائے شعری اور تخلیقی رنگ جھلکتا ہے۔

آپؐ کے اوصاف کو نظم کا جامہ پہناتے ہوئے نصرتی کے ہاں فنکارانہ مہارت کا احساس ملتا ہے۔ ان اشعار کی ایک خوبی ان کا بہاؤ اور تسلسل ہے۔ نصرتی کے بیان میں جوش اور طوالت ہے۔ اسی سبب ان اشعار کی ایک خاص فضا اور تاثر ہے۔ ذیلی موضوع کی حیثیت سے بہت کم مثنویوں میں نعت کے اشعار اس بہاؤ اور کثرت سے ملتے ہیں جس طرح گلشنِ عشق میں۔

جہاں تک نصرتی کی نعت کے موضوعات کا تعلق ہے حضور اکرمؐ کے اوصاف کے علاوہ حضورؐ کی خلقت اور نور کا خاص بیان جو میلاد ناموں میں نظر آتا ہے اختصار (اور مثنوی میں گنجائش کی مناسبت) سے ہے۔ نورِ محمدی کی آفرینش کے ساتھ احد اور احمد کے فرق کا وہ بیان بھی ملتا ہے جو تصوف سے شغف رکھنے والے شاعروں کے ہاں نظر آتا ہے۔
نصرتی نے حضور اکرمؐ کے معجزات کو بھی شاعرانہ انداز میں نظم بند کیا ہے۔ درج ذیل شعر دیکھئے:

ترا خاتم اے خاتم الانبیاءؐ
رسالت کے فرماں پہ سکہ کیا

ہوا جلوہ گر تب نبوت کا تخت

پڑیا تس پہ جب توں شہ نیک بخت

...... ترا معجزہ معجزیاں کے اوپر

کہ کیتا گگن پہ توں شق القمر [۱۰۳]

یہاں حضورؐ کے معجزات وفیضان کا شاعرانہ بیان ہے۔ نصرتی کہتے ہیں کہ آپ کے ناخن مبارک کے خیال میں ہلال پورا چاند بنتا ہے۔ آپؐ کی انگلیوں سے امرت کے دریا بہتے ہیں جمادات نے آپ کے سبب زبان پائی اور سوکھے شجر آپ کی نظرِ فیض سے بار آور ہوئے اور حیوانات نے آپؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ کہکشاں آپؐ کی سواری کا راستہ ہے اور سورج آپؐ کے نور کا ایک شعلہ۔ جہاں نو افلاک کی حد ختم ہو جاتی ہے وہاں آپؐ کا مقام ہے۔ دوسرے طالبانِ دیدار کو خدا "لن ترانی" کا جواب دیتا ہے جب کہ آپؐ کو خدا شرفِ ملاقات بخشتا ہے۔ نصرتی کی نعت کا یہ حصہ آپؐ کے فیضان وفضیلت کے بیان سے معمور ہے۔ یہاں نصرتی کی مہارتِ شعر اور زورِ سخن کا اندازہ ہوتا ہے کہیں کہیں زبان کی قدامت کے سبب بعض الفاظ کی تفہیم میں فرہنگ کا سہارا لینا پڑتا ہے مگر جہاں تک شاعرانہ پختگی، تشبیہ و استعارات اور دوسرے شعری محاسن کا تعلق ہے اردو نعت کے دکنی دور میں نصرتی کے نعتیہ اشعار کا منفرد مقام ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

قدم تی تیرے نامور فرش ہے

شرف ناک تجھ گرد تی عرش ہے

تیں حق سوں نت ہے زباں ہمکلام

تجے قاب قوسین ادنیٰ مقام

...... جتے مرسلاں میں تو اپروپ ہے

او طالب ہیں تو حق کا مطلوب ہے [۱۰۴]

اسی طرح نصرتی کے وہ اشعار جو ذکر وصفتِ معراج کے بارے میں ہیں اپنا ایک مخصوص رنگِ سخن و طرزِ ادا رکھتے ہیں۔ یہ اشعار تعداد میں پہلے حصے سے زیادہ ہیں۔ اس میں چونکہ ایک واقعہ کا بیان ہے لہٰذا فضا بندی اور منظر نگاری کی گنجائش بھی ہے جس میں نصرتی کو کمال حاصل ہے۔ نصرتی نے معراج کی رات، آنحضرتؐ کی سواری، فلک پر ملائک کی تیاری، نزولِ رحمتِ حق، براق کی تیز رفتاری اور قطعِ افلاک کا بیان اور دوسرے مراحل و منازل کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ ان اشعار کو ایک مختصر سے معراج نامے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مختلف افلاک سے گزرتے ہوئے حضورِ اکرمؐ کے قدوم میمنت لزوم کے کواکب و بروج اور اجرام و افلاک کی فیضیابی کا بیان خوبصورت شاعری

کا نمونہ ہے۔ عرش پر حضورؐ کی آمد دیکھئے :

کرم تے کیا تخت رفرف سوار
گزر تے مقامات سوں کئی ہزار
لگیا نس انگے آسمان بروج
منازل نی تس پر چڑکے کیتی عروج
جب آیا دیکھے عرش عالی انگے
چلن تس پہ نعلین اتارن منگے
کیا عرش درحال یوں التماس
کہ ہے اے حبیبِ خدا تجھ کو آس
جھٹک گرد تجھ پگ کے نعلین کی
کہ ہوئے روشنی دل کی نجھ نین کی
دکھے تب نبیؐ عرشِ عالی پہ پاؤں
چلے چھوڑدے تس کے آنگے کی ٹھاؤں ۱۰۵

"علی نامہ" نصرتی کی دوسری طویل مثنوی ہے جس کا سنِ تصنیف ۱۰۷۶ھ ہے۔ اس کے عنوانات بھی گلشنِ عشق کی طرح مثنوی کی بحر سے مختلف بحر اور ایک ہی قافیہ میں ہیں جس کی حمد کا پہلا شعر ہی ایک قصیدے کی طرح بحر و قافیہ کے آہنگ کو متعین کر دیتا ہے۔

حمد اوّل ہے خدا کا کہ جنے روز اوّل
دیا ہے ہمتِ مرداں کو جو توفیق سوں بل ۱۰۶

گلشنِ عشق کی طرح علی نامہ کا آغاز بھی حمد و مناجات سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد نعت اور ذکرِ معراج کے بارے میں اشعار ہیں۔ ان نعتیہ اشعار کی تعداد ۱۲۰ ہے جن سے نصرتی کے زورِ بیان اور قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں :

تمہیں اے شہنشاہِ دنیا و دیں
شجاعت کی ہے صف کا کرسی نشیں
شرف کوں دلیری کی تج سینہ صدر
دیا بت پکڑ تیغ کوں تو نیچ قدر

ترے کاج جس حق نے پیدا کیا
غزا کا شرف توں ہویدا کیا
تیرا دبدبہ سن کے خوش دھات کا
زمیں پر نہ ٹھارے قدم لات کا [۱۰۷]

چونکہ "علی نامہ" علی عادل شاہ ثانی کے عہد کی منظوم تاریخ ہے اور اس میں جنگ و جدال اور مختلف معرکوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے لہذا نصرتی نے موضوعِ مثنوی کی مناسبت سے علی نامہ کے نعتیہ اشعار میں بھی یہ التزام برقرار رکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں شجاعت کو محوری حیثیت دی ہے۔

علی نامہ کی نعت کا آہنگ اور لب و لہجہ رزمیہ ہے۔ اس میں روانی، تیزی اور جوش کا انداز نمایاں ہے شاہنامہ فردوسی کی بحر کے سبب ان نعتیہ اشعار میں ایک چڑھتے ہوئے آہنگ کا احساس ملتا ہے۔ نصرتی کی رزم نگاری کے جوہر نے اردو نعت کو ایک نیا اسلوب دیا جو بعد میں ان جنگ ناموں میں نمایاں ہے جو حضور اکرمؐ کے غزوات کے بارے میں لکھے گئے۔ علی نامہ کی نعت میں زبان بھی گلشنِ عشق کی نسبت سے زیادہ صاف ہے۔

نصرتی نے رباعیاں بھی لکھی ہیں جن میں چند ایک کا تعلق حمد و نعت [۱۰۸] سے ہے۔ "چوخیاتِ نصرتی" کے نام سے نصرتی نے ایک معراج نامہ [۱۰۹] بھی لکھا۔

عالم گجراتی بھی اسی عہد کے شاعر ہیں۔ ان پر گجری اردو کی روایت کا اثر غالب ہے۔ انہوں نے ۱۱۰۸ھ میں وفات نامہ مرتب کیا جنہیں اولین وفات ناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بقول جمیل جالبی:

"یہ وفات نامہ اپنی قدامت کی وجہ سے اہم ہونے کے باوجود زبان و بیان کی سطح پر ایک تبرک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ادبیت اتنی بھی نہیں ہے، جتنی اس دور کی دوسری تحریروں میں ملتی ہے۔ عالم نے لفظوں کو وزن میں لانے کے لئے بے وجہ بگاڑا ہے۔ ساتھ ساتھ غیر مستند روایات کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے"۔

اس وفات نامے کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں ہے جس میں سے جالبی نے اس کا نمونہ کلام نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے:

میمونہ گیاں تھے جتی
اُس دن اُن کی باری تھی
او ٹھاں نبیؐ کوں نا اکھو آئے
عائشہؓ کے گھر جایا جائے

پوچھاں اُس ستی پھر پھر کر
کال میں رہو گا کس کے گھر
تب بیبیوں نیں پائی بات
سب راضی ہو ا تیں ہات
بی بی کے گھر پائے در حال
نبیؐ ہمارے ہوئے خوشحال
نبیؐ کا دکھت جو روڑ
پھر پھر سوتے پاسے موڑ
ایسی آئی تاپ پر تاپ
پاس نیںبیٹھے نلا دے تاب
ابو سعید نے پوچھا جائے
بہوت تپنی ہے نبیؐ خدائے
چادر جو تم اوڑی ہے
جانے آگ پہ چھوڑی ہے
تم جو ہے گے رسولؐ خدا
تم کوں ایسا دکھنا ہے کیا
فرمایا کہ بہوت بلا
انبیاؤں پہ آئی سدا [۱۱۰]

یہ اشعار "ذکر صعوبت مرض آں حضرت علیہ السلام" کے باب سے ہیں۔ عالم گجراتی کے وفات نامہ کی نوعیت اس قسم کی معلوم ہوتی ہے جیسی آجکل ہمارے دور میں میلاد کی ہے۔ افسر صدیقی امروہی نے بھی اردوئے قدیم اور نعت گوئی کے مضمون میں عالم کے وفات نامہ [۱۱۱] کا ذکر کیا ہے اور نمونہ کلام میں تین (نمونہ بالا سے مختلف) شعر درج کئے ہیں۔

دکنی دور کے معراج ناموں، میلاد ناموں، وفات ناموں کا جائزہ

اس دور میں نامہ کی ترکیب سے چھوٹی بڑی بیسیوں نظمیں اور بھی ملتی ہیں جن کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سیرت وسوانح کے مختلف پہلوؤں سے ہے۔ یہ نظمیں زیادہ تر چھوٹی بحر اور مثنوی کی ہیئت میں ہیں اور مجلسی ضروریات کے پیشِ نظر لکھی گئیں۔ ان کا بڑا مقصد سامعین کو حضور اکرمؐ کی سیرت سے روشناس کرانا نظر آتا ہے۔ ان کی تصنیف میں حصولِ شفاعت و ثواب کا جذبہ بھی نمایاں ہے۔ بیشتر شاعروں نے ان منظومات کے آغاز یا اختتام میں اس خواہش اور جذبہ کا اظہار بھی کیا ہے۔

نور نامے کا بنیادی موضوع ان احادیث و روایات پر مبنی ہوتا ہے جن میں یہ انکشاف کیا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔ مولود نامے (میلاد نامے یا تولد نامے) کا بنیادی موضوع حضور اکرمؐ کی ولادتِ مبارک کے واقعات کا بیان ہے۔ اس میں ان برکات و معجزات کا ذکر بطورِ خاص کیا جاتا ہے جو اس دنیا میں آپؐ کے ظہورِ قدسی سے رونما ہوئے۔ وفات نامے میں آپؐ کی وفات مبارک کے حالات و واقعات کا بیان کیا جاتا ہے۔ خصوصاً آپؐ کی وفات سے صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ پر جو اثرات ہوئے انہیں نظم بند کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اسے (وفات نامہ کو) درد نامہ بھی کہا جاتا ہے۔ معراج نامہ میں آپ کے واقعۂ معراج کی تفصیلات کا بیان ہوتا ہے جب کہ معجزات نامے میں آپؐ کے متفرق معجزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس میں سامعین کی دلچسپی کے لئے ان معجزات سے متعلق روایات اور واقعات کو بھی تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔ شمائل نامے آپؐ کے عادات واطوار اور خصائل و شمائل سے عبارت ہوتے ہیں۔ ان کا بڑا ماخذ و مرجع آپؐ کے شمائل پر لکھی گئی مشہور کتاب "شمائلِ ترمذی" ہے۔ آپؐ کی منظوم سیرت یا سیرتی مثنویاں جو ان ناموں سے تفصیلی ہوتی ہیں ایک اعتبار سے مذکورہ بالا اجزائے سیرت سے عبارت مثنویوں کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ ان میں نورِ محمدی، خلقتِ محمدی، ولادتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، غزوات، معجزات اور دوسرے نمایاں واقعات سے لے کر آپؐ کی وفات مبارک تک کم و بیش سیرت کے سبھی ضروری پہلوؤں کا تذکار ہوتا ہے۔ یہ نامے[۱۱۴] (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) منظوم سیرت کی ابتدائی شکلیں ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے زبان میں وسعت پیدا ہوتی گئی سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف و متفرق اجزا کے بیان میں مستند کتبِ سیرت سے رجوع کیا جانے لگا۔ غیر معتبر روایات و واقعات کا ذکر کم ہوتا گیا۔ دراصل یہی معراج نامے، وفات نامے اور معجزات نامے بعد میں مولانا محمد باقر آگاہ کی "ہشت بہشت" جیسی معتبر اور موثر منظوم سیرتِ رسول اکرمؐ کی تخلیق کا سبب بنے۔

دکنی عہد میں تخلیق ہونے والے نور ناموں، میلاد ناموں، وفات ناموں، شمائل ناموں اور معجزات ناموں اور معراج ناموں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے۔ اس کی ایک سرسری فہرست جنوبی ہند کی نعت گوئی کے جائزہ کے عنوان سے اس باب کے آخر میں دی جا چکی ہے۔ یہاں ہم نمونے کے لئے چند مشہور معراج ناموں، معجزات ناموں، وفات ناموں اور شمائل ناموں کا ذکر کرتے ہیں۔

سید بلاقی کا معراج نامہ سیرتِ رسولِ اکرمؐ سے متعلق طویل منظومات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ معراج نامہ ۱۰۵۶ھ میں تصنیف ہوا۔ مختلف کتب خانوں میں اس کے نسخے محفوظ ہیں۔ ان نسخوں کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معراج نامہ اپنے دور میں بہت مقبول تھا اور محفلِ میلاد کی معاشرتی و مذہبی ضرورت کے پیشِ نظر لکھا گیا تھا۔

اگر کوئی پڑے گا تو اوسکوں ثواب

نہ کہنے میں آتا ہے اوسکا حساب

اس کی بحر رواں ہے جسے مخصوص ترنم میں لے کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ بلاقی کا یہ معراج نامہ ایک صدی سے زیادہ عرصے تک اتنا مقبول رہا کہ باقر آگاہ (م ۱۲۰۰ھ) نے "ہشت بہشت" میں اور شمیر کے مرید شاہ کمال (م ۱۲۰۷ھ) نے اپنے معراج نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔[۱۱۳]

متن سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاقی نے کسی فارسی "معراج نامہ" کا ترجمہ کیا ہے۔ کہتے ہیں:

کہ معراج نامہ کے سنیو خبر

حکایت جو بولا ہوں میں مختصر

کیا فارسی کو سو دکھنی غزل

کہ ہر عام ہور خاص بجھیں سگل[۱۱۴]

یہی وجہ ہے کہ اس کی زبان تکلف و تصنع سے پاک ہے اور اظہارِ بیان صاف اور رواں ہے۔ اس میں غیر مانوس مقامی الفاظ کا استعمال اس دور کے دوسرے معراج ناموں کی نسبت سے کم ہے۔ بلاقی کی سادگی اور قدرتِ بیان کے سبب یہ معراج نامہ ترجمہ سے زیادہ طبع زاد نظر آتا ہے۔

اس کا موضوع رسولِ اکرمؐ کی معراج ہے جسے داستان کے پیرائے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ معراج کو کم و بیش سبھی معروف واقعات اور روایات کو بلاقی نے اپنی مثنوی میں نظمبند کیا ہے۔ مختلف آسمانوں کی سیر، جملہ انبیائے کرام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات، بہشت اور دوزخ کے مشاہدات اور آپؐ کی خدا تعالےٰ سے ملاقات کا بیان خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ بلاقی نے فنی مہارت سے معراج نامہ کو ان مراحل سے گزارا ہے عوامی رنگ پیدا کرنے کے لئے بعض ایسی ضعیف روایات بھی بلاقی کے ہاں ملتی ہیں جو عوام میں مقبول و مروج تھیں اور اکثر میلاد ناموں، وفات ناموں اور معراج ناموں میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ مرید شاہ کمال نے اپنے معراج نامہ میں بلاقی کے ہاں ملنے والی غلط روایات کی نشان دہی بھی کی ہے۔ بقول ہاشمی:

"اس میں معراج کے واقعہ کو ایک افسانہ کی صورت میں لکھا گیا ہے جو افسانہ کی طرح صدق و کذب کا مرقع ہے۔"[۱۱۵]

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

کہ پہلے سما کے سو دربان کوں
کیا کھول بیگا سو دروازہ کوں
سو دربان بولا کہ توں کون ہے
کہ آیا آدھی رات کیا کام ہے
کہا میں جبرئیل کچھ کام تھا
گیا تھا زمیں پر جو فرمان تھا
کہ دربان بولا وہ جا کون ہے
کہ محبوب حق کا نبیؐ خاص ہے
کہا مرحبا بیگی در کھول کر
تجھے دیکھنے میں کھڑا منتظر
کہ اپرال پہلے طبق کے ملک
دیکھے نور کا واں پڑا سب جھلک
کہ صلوات بولے و کہے سلام
دیئے جواب ان کو علیک السلام [۱۱۶]

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند شعر دیکھیے جن میں معراج سے مشرف ہونے کی کیفیت کا ذکر جھلکتا ہے: ے

کہ معراج تم کو خدا نت کرے
فرشتیاں نے سن کر بھی کلمہ پڑے
خوشی سوں کھڑا وہ مبارک بدن
دی خوب رونق کہ گل در چمن
یچی توں محمدؐ تیرا ناوں ہے
دو عالم کے سر پر تیرا چھاوں ہے
توں ہی بادشاہی تجھ راج ہے
دو عالم کی شاہائیں سرتاج ہے [۱۱۷]

بلاقی نے اپنے معراج نامہ کا اختتام جن اشعار پر کیا ہے اس میں حضورِ اکرمؐ سے اپنی نسبت غلامی کا اظہار کرتے ہوئے انؐ پر درود و سلام بھیجا ہے وہ شعر درج ذیل ہیں:

جو سیّد بلاقی نبیؐ کا غلام
قصہ یو کہیاں ہیں لطف سوں تمام
ہزاروں درود و ہزاروں سلام
بحق محمد علیہ السلام[۱۱۸]

دوسرے شعر کو ایک ضرب المثل کی سی شہرت نصیب ہوئی۔ اس بحر میں لکھی گئی سیرتِ نبویؐ سے متعلق کئی مثنویوں، میلاد ناموں، وفات ناموں اور معراج ناموں کے اختتام میں یہ شعر نظر آتا ہے۔

"معظم" کا معراج نامہ بھی اسی زمانے کی یادگار ہے۔ معظم علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ کے عہد کے ایک صوفی اور مذہبی شاعر تھے۔ انھوں نے متعدد مثنویاں، چند قصیدے، مخمس اور مسدس لکھے۔ ان کی غزلوں کا ایک دیوان بھی ہے۔ ان کے معراج نامہ کو زیادہ شہرت ملی۔ یہ معراج نامہ ۱۰۸۰ھ میں تصنیف ہوا۔ معراج نامہ میں واقعاتِ معراج کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ معظم کے معراج نامے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے عنوانات بھی شعر میں لکھے گئے ہیں یہ شعر ایک جداگانہ بحر اور ردیف قافیہ میں لکھے گئے ہیں۔ ہر شعر صرف یہ کہ عنوان ہے بلکہ عنوان کے ذیل میں مندرج مضامین کے خلاصے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان سب اشعار کو اگر یکجا کر دیا جائے تو اشعار کی ایک الگ نعتیہ نظم بن جاتی ہے جس میں سارے معراج نامہ کا خلاصہ آجاتا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

گئے حق سے "مقرب ہو جہاں قوسین سے نزدیک
امت کے باب کا حق سو کئے ہیں عرض محشر کا[۱۱۹]

معراج نامہ، سید بلاقی کے معراج نامہ کی بحر میں ہے جو اپنے بہاؤ کے سبب ہر دور کے مثنوی نگاروں میں پسندیدہ مستعمل رہی ہے۔ اس کی زبان بہت صاف ہے۔ بقول جالبی:

"اس دور میں زبان و بیان کا عام کینڈا اتنا بدل جاتا ہے کہ یہ تیزی کے ساتھ پچھلے پچیس سال کی زبان سے مختلف ہو جاتی ہے۔ اسی لئے معظم کے معراج نامہ اور قلندر نامہ[۱۲۰] کی زبان نسبتاً صاف معلوم ہوتی ہے۔"[۱۲۱]

دو شعر ملاحظہ ہوں جن میں مثنوی کے سنِ تصنیف کا ذکر کیا گیا ہے:

یہ نامہ جہاں میں ہوا جب تمام
اگیارہ صدی میں اتھے بہت کام

رجب کی ستائیس ہوا یہ تمام

نبیؐ پر ہزاروں درود و سلام [۱۲۲]

معظم کی ایک اور مثنوی "شجرۃ الانقیاد" [۱۲۳] ہے جس میں حضرت خواجہ گیسودراز اور حضرت برہان الدین جانم کی مدح بیان کی گئی ہے۔ اس کے آغاز میں بھی حمد کے بعد اور منقبت جناب علیؑ سے پہلے مثنوی نگاری کی روایت کے مطابق معظم کے کچھ شعر نعت رسول اکرمؐ میں ملتے ہیں۔

معظم کے معراج نامہ کی تصنیف کے کچھ عرصہ بعد ۱۰۹۰ھ میں احمد نے نور نامہ لکھا جو ۵۳۰ ابیات پر مشتمل ہے اس کی بحر بھی بلاقی اور معظم کے معراج ناموں والی ہے۔ افسر صدیقی امروہی نے اپنے مضمون "اردوئے قدیم اور نعت گوئی" میں اس کا حوالہ اور حمد کے شعروں کا نمونہ دیا ہے [۱۲۴]

نصیر الدین ہاشمی نے احمد کی ایک مثنوی "مصیبت اہل بیت" کے اشعار کے نمونہ میں یہ دو نعتیہ شعر بھی درج کئے ہیں:

سنو قصہ مصطفیٰؐ کا جو ہے سرور انبیاء

جن کے واسطے پیدا ہوا دونوں عالم دین دنیا

حق کا ناؤں ہے عرش اوپر رحمت للعالمین

اول ان کو پیدا کر کر بعد از کیا دنیا دین [۱۲۵]

مختار کا "معراج نامہ" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج پر لکھی گئی منظومات میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مختار سکندر عادل شاہ کے دور کے شاعر ہیں۔ ان کا معراج نامہ قریباً ۲ ہزار شعروں پر مشتمل ہے اور معراج ناموں کی روایت کے مطابق مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اس کی بحر بھی اس انداز کی دوسری مثنویوں (بلاقی، معظم وغیرہ کے معراج نامہ وغیرہ) جیسی ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۰۹۴ھ ہے جس کی صراحت مختار نے ان اشعار میں کی ہے۔

یو معراج نامہ ہوا ہے تمام

سلام علی روحِ خیر الانامؐ

یو تھا سنہ ہجرت کا اس دن قرار

تے گزرے نو ں چار پہ یک ہزار [۱۲۶]

مختار نے معراج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آسمانوں کی سیر، خدا اور پیغمبروں سے حضور اکرمؐ کی گفتگو کا تذکرہ اور عالم ملکوت کے مشاہدے کی کیفیت اور جنت و دوزخ کا احوال نظم بند کیا ہے۔ مختار کے تفصیل پسند ذہن نے معراج کے بارے میں عوام و خواص میں مقبول مختلف روایات کو بیان کرتے وقت مختلف عنوانات قائم کئے ہیں۔ ڈاکٹر اشفاق نے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کے قلمی نسخہ (نوشتہ ۱۱۲۷ھ) سے چند عنوانات کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

..... "در بیان سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت دیگر سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت سوم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت چہارم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت پنجم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پنج روایت ست

بیان رفتن در آسمان اوّل نبی صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان دیدن عجائب .....

بیان رسیدن آسمان دوئم و دیدن عجائب وغرائب آن "[۱۲۷]

مختار نے ساتوں آسمانوں کی سیر اور عجائبات و مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے اسی طرح عنوانات قائم کیے ہیں۔ اردو کے قدیم کی نعت گوئی میں یہ مثنوی پہلی تفصیلی مثنوی ہے جس میں معراج کے ذکر میں صحتِ روایات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مختار کے معراج نامہ کی ابتدا حمد سے ہوتی ہے۔ حمد کے پہلے ہی شعر میں مختار نے اس امر کی نشاندہی کر دی ہے کہ یہ مثنوی معراج کے بیان میں ہے۔ کہتے ہیں:

کہوں حمد اوّل او سی راج کا
نبیؐ کوں دیا تاج معراج کا[۱۲۸]

حمد و نعت کے بعد مختار نے خلفائے راشدین کی مدح میں بھی شعر کہے ہیں اور صحابہ کرامؓ کی آنحضورؐ سے عشق و محبت اور عقیدت و شیفتگی کو بیان کیا ہے۔ جناب علیؓ کی مدح میں شجاعت و سخاوت اور ولایت کا بیان نمایاں ہے۔ یوں مختار نے ولایت کے حوالے سے حضرت غوث الاعظمؒ اور اپنے پیر حضرت شیخ عبد الصمدؒ کی مدح سرائی کی ہے۔ حمد خدا تعالیٰ سے منقبت پیر تک کے اجزا ایک نامیاتی وحدت میں مربوط نظر آتے ہیں اور مختار نے نہایت قرینے سے ان اجزا کو ایک ربط، رشتہ اور نسبت سے منسلک کیا ہے۔ اس کے بعد معراج کا بیان ہے۔

معراج نامہ میں نعتیہ اشعار دو طرح کے ہیں: جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی ستائش ہے۔

ایک تو خالص مدح و اوصاف رسولؐ کے شعر

اور دوسرے وہ شعر جن میں آپ کے سفر کے مشاہدات کا بیان ہے:

عجب دیک محبوب ہے بے بدل
محمد شہ انبیاء از ازل

اس چار حرفاں کا ہے ناؤں آج
رکھے اس کوں لولاک کا سر پہ تاج
سو ہر حرف کا میں کہوں یوں بیان
کہ ہے میم محبوبیت کا نشان
سو حی ہے دلالت حمایت اُپر
حمایت کی ساری شفاعت اُپر
سو میم دگر سب مدد کی سبب
قیامت میں رہتا ہے امت اُپر
سوں دال ہے او نشانی دوا
جو ہے درد عصیاں کا او ہے شفا

مختار کے مذکورہ بالا نعتیہ اشعار میں خلوص وعقیدت کے ساتھ صنعت گری اور رعایت لفظی نمایاں ہے۔ اردو کی قدیم نعت گوئی میں یہ پہلا ہمدست نمونہ ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک "محمدؐ" کے حروف (م ح م د) کی مناسبت سے آپ کے اوصاف وخصائص اور مدح وستائش کے الفاظ کی تلاش نظر آتی ہے بعد کو بہت سے شاعروں نے آپ کے نام نامی کی رعایت ومناسبت سے نعتیں کہیں اور صنعت گری کے کمال دکھائے۔

نورِ محمدی کے بیان میں بھی مختار کے مندرج ذیل نعتیہ اشعار پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں:

عجب نور نور علی النور ہے
جہاں سب سمجھنے تی او دور ہے
سمجھنے منے او سماتا نہیں
زباں سوں کہنے کوں او آتا نہیں
بیاں میں سو اس کو عیاں کیوں کروں
حقیقت اسی کا بیاں کیوں کروں
بیاں کو نہیں شمار اس شمار میں
نکو کھول اسرار بازار میں
ولے کھولنا کس کو آتا نہیں
جو او بوجھنے میں سماتا نہیں ۱۲۹

ڈاکٹر جالبی مختار کے معراج نامہ کی زبان کو معاصر شعراء (طبعی وغیرہ) کی مثنویوں کے پس منظر میں سراہتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"اس دور کی دوسری مثنویوں کی طرح اس کے زبان و بیان صاف اور بحیثیت مجموعی ریختہ کے رنگ روپ سے قریب تر ہیں۔ لسانی نقطۂ نظر سے اس مثنوی کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے زبان اور ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلیوں کو دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اس کی زبان طبعی کی مثنوی سے بھی زیادہ صاف اور نکھری ستھری ہے۔ مثلاً یہ چند شعر دیکھئے:

چھٹے آسماں پر نبیؐ جب چڑے
دیکھے واں عجائب تماشے بڑے
نبیؐ جب چڑے ہیں اس آسماں پہ
اتھا پردہ دار اسپہ کہتے نظر
ادعایئی ہے ناوں اس کا مدام
کہتے تھے اسے پردہ دار اس مقام
پیمبر کئے ہیں تو اوس کوں سلام
اوب سوں علیکی دیا ہے تمام [۱۳۰]

آخر میں مختار کے آنحضرتؐ سے محبت و شیفتگی اور التجا و التماس کا رنگ بھی ملاحظہ ہو:

محمدؐ بو مختار کوں کر فدا
تو ایمان اس کو اچھیگا سدا
یو معراج نامہ لکھیا یادگار
نبیؐ کے کرم کا اسے ہے ادھار
جو کوئی یو سنے سو دیوے اس دعا
دعا کا رکھیا ہے اپنے مدعا [۱۳۱]

مختار نے ۱۰۳۰ھ میں ایک مولود نامہ بھی لکھا جس میں حضور اکرمؐ کی ولادت کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ درود کی فضیلت، نور محمدیؐ، خلق و فضیلت عرب، معجزات اور شمائل وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ مختار کا مولود نامہ اپنے زمانے میں بہت مقبول ہوا یہ ایک مختصر سی مثنوی ہے جسے مجلسی ضروریات کے سبب، رواں ہموار اور آسان زبان میں لکھا گیا۔

بحیثیت مجموعی مختار نے اردو میں نعت کی روایت کو آگے بڑھایا اور اس میں اپنے معراج نامہ اور مولود نامہ سے یادگار اور گرانقدر اضافے کئے۔

فتاحی کا مولود نامہ مفید الیقین (۱۰۹۵ھ) مختار کے مولود نامہ کے ایک سال بعد لکھا گیا۔ یہ قریباً ۲۷۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں بحر اور ترتیب واقعات کا انداز بھی مختار جیسا ہے۔ اس کی تصنیف بھی مجلسی ضروریات کے تحت ہوئی۔ اس کا آہنگ ایسا ہے کہ اسے ترنم کے ساتھ مذہبی تقریبات (میلاد وغیرہ کی مجالس) میں پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے شعر بہ آسانی یاد کئے جا سکتے ہیں۔ فتاحی نے موضوع کے بیان میں حضور اکرمؐ کی ولادتِ مبارک سے متعلق مشہور و مقبول روایات کے ساتھ احادیث اور قرآن سے بھی مدد لی ہے۔ کہیں کہیں انہوں نے اپنے بیان کو دلچسپ بنانے کے لئے ضعیف اور غیر معتبر روایات کا بھی سہارا لیا ہے جس سے موضوع کی ثقاہت مجروح ہوئی ہے اور مولود کے بیان کی حیثیت ایک قصے کی سی رہ گئی ہے۔

فتاحی نے عنوانات میں مختار کی تقلید کی ہے اور مختلف عنوانات کے تحت حضور اکرمؐ کی فضیلت، شرف و بزرگی نورِ محمدی، خلقتِ محمدی اور معجزات کو بیان کیا ہے۔ ان کے عنوانات فارسی میں ہیں۔ چند ایک بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

"۔۔۔۔۔ در بیان دیباچہ کتاب مفید الیقین کہ معجزات و تولد نور و ذات حضرت خیر الانام محمد مصطفٰےؐ صلعم، در بیان آنکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آدم را بر صورت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ساخت، در بیان اول وحیٔ نزول جبرئیل علیہ السلام" وغیرہ۔

ڈاکٹر اشفاق نے مفید الیقین (مولود نامہ فتاحی) کے قلمی نسخہ مملوکہ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد سے درج ذیل اشعار بطور نمونہ دیئے ہیں:

یہ مولود ہے سرورِ انبیاؐ
پہوتی کئی ہیں عالم تے ہور اصفیاؐ
یوسن کان دھر ابتدا سوں بیاں
کہ دکھنی زباں سوں ہوا ہے عیاں
خدا نے جو یک جھاڑ پیدا کیا
اس جھاڑ شاخاں ہو یدا کیا
بڑا خالق ہے او سورت المتین
رکھیا جھاڑ کا ناؤ شجر الیقین
بزاں اجلے موتی کے سردی بہتر
دکھیا نور احمد کوں پیدا کش کر

دیا مہور کا شکل اُس نور کوں
ہوا فلک او جھاڑ اُس نور کوں
کہ بقلی رکھے نور اس جھاڑ پہ
سو تسبیح نت او کرے واں فکر
یو تسبیح کر سال ستر ہزار
یو مدت کا واں جب ہوا ہے شمار
ہزاں آرسی یک شرم کے کیا
ایسے نور کے تب مقابل دیا
دیکھیا نور کا مصور اپنے کمال
بہوت خوب اپنا او دیکھیا جمال[۱۳۲]

وصفِ نبیؐ میں بھی کچھ اشعار دیکھئے:

جو کوئی مصطفےٰ کا صفت نت کرے
دو عالم کو اوپر شرف بی او دھرے
پورا وصف اس کا کہاں منجہ سکت
کہ سبحان جس کا کہے ہے صفت
سو او ہاشمی ابطحی پاک ذات
محمد قریش جو عالی جناب[۱۳۳]

خناجی نے مثنوی کی ہیئت میں 'معراج نامہ' بھی لکھا جس میں حضور اکرمؐ کے معراج کا بیان ہے۔ اس کا سنِ تصنیف بھی ۱۰۹۵ھ ہے (اس مثنوی کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں بھی ہے)۔[۱۳۴]
خناجی کا مولود نامہ اور معراج نامہ دکن کے صوفیہ کی تبلیغی روایت کا حصہ ہے۔ ان کا مقصد سیرتِ رسولؐ کے حوالے سے اسلامی عقائد کی تبلیغ اور فروغ ہے۔ اسی لئے یہ عوامی لب و لہجہ کے مطابق ہیں۔ اگرچہ ان منظومات میں ادبی محاسن بہت کم ہیں مگر اردو کے قدیم نعتیہ نمونوں کے جائزہ کے لئے ان کا مطالعہ بہت اہم ہے۔
اردوئے قدیم کی نعت گوئی کا ایک اور ماخذ وہ معجزہ نامے ہیں جو دکن میں دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کے زمانے میں لکھے گئے۔ ان کی صورت مختصر نظموں کی ہے جو زیادہ تر قصیدہ اور کچھ مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔ ان کے سنِ تصنیف کی طرح ان میں سے اکثر کے مصنفین کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ محی الدین قادری زورؔ نے تذکرہ اردو مخطوطات

میں چند ایسے معجزہ ناموں کا سراغ لگایا ہے جن کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

قصیدہ معجزہ یہ تین اوراق کا ایک قصیدہ ہے۔ گمان ہے کہ شاید جونی گجراتی کا تصنیف کردہ ہے۔ اس میں نعت کے یہ شعر دیکھئے:

زبان کتی سکت ناہی جو اس کے سوبنئی اوپر
جتے نوری بنی کیتے اپس کے نور سیں اظہر
او نو کے نور سیں کیتے ملائک جن سب حیواں
زمیں نو آسماں کرسی عرش شمس و قمر اختر ۱۳۵

قصیدہ معجزہ یہ پانچ اوراق اور ۲۷۰ اشعار پر مشتمل ایک اور قصیدہ ہے جو ۱۱۰۲ھ کی تصنیف ہے، ابجی جنوفی سے موسوم ہے۔ اس میں مولانا روم کی مثنوی کے اس حصہ کا ترجمہ کیا گیا ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے مکالمے سے حضور اکرمؐ کے معجزات ظاہر کئے گئے ہیں۔ اس میں شاعر نے اپنے نام و وطن اور سنِ تصنیف کے ساتھ اس امر کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس نے مولانا رومؒ کے فارسی کلام کا ترجمہ ہندی میں اس لئے کیا ہے کہ عام لوگ اسے سمجھ سکیں۔ نمونے کے دو شعر دیکھئے:

سب عاقلوں کے سدھ گئےؐ ان کی صفت کہتے منیں
لِس میں جنو نِیں (جنوفی) کیا کہوں کیا آمرا ہے اس اندر
چی اس کو در ہندی زبان اس واسطے کہنے لگا !
جو فارسی سمجھے نہیں سمجھے اسے خوش دل ہو کر ۱۳۶

باز و فاختہ ۲۰۰ اشعار کی یہ مثنوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کے بیان میں ہے۔ اس میں ایک قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت عزرائیل علیہ السلام باز اور فاختہ کی شکل میں آپ کے پاس تشریف لائے۔ فاختہ نے آپ کے حضور فریاد کی کہ یہ باز مجھے کھانا چاہتا ہے آپ نے باز کو اس سے منع کیا تو باز نے کہا کہ اگر آپ مجھے اپنے رخسار مبارک کا گوشت کھلائیں تو میں فاختہ کو چھوڑ دوں گا۔ صحابہؓ سلف اور اہلِ بیتؓ نے اپنا گوشت پیش کیا مگر باز نے قبول نہ کیا۔ آخر جب آپ اپنا گوشت کاٹنے لگے تو باز نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور حقیقت حال کی وضاحت کی کہ ہم فرشتے ہیں اور صرف آپ کی سخاوت آزمانا چاہتے ہیں۔ اس مثنوی کی زبان قدیم ہے اس سے قیاس ہے کہ یہ قصہ سن ۱۱۰۰ھ سے قبل لکھا گیا۔ اس کے افتتاحی شعر ملاحظہ ہوں۔

چلے گئے فرشتے یہاں سے مگر
کہے جا خدا کو یہ ساری خبر

الٰہی ہمیں کیا جو تعریف کرے
کہ پیارے حبیبؐ کی صفت کیا کرے
سخن صفت اوسکا سوا اثبات ہے
کہ سب حال میں پاک او ذات ہے
کہیں کس زباں سوں جو تعریف ہم
کہ دریا بھرا نور ہے در قلم
ہزاروں درود اور ہزاروں سلام
زباں پر محمد علیہ السلام[۱۳۷]

قصہ ہرنی

۱۹۔ اشعار کی یہ نظم بھی سن ۱۱۰۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔ اس میں بھی حضور اکرمؐ کے ایک معجزے کا ذکر ہے کہ آپؐ کس طرح ایک ہرنی کے ضامن ہوئے تھے اور وعدے کے مطابق وہ واپس آئی۔ اس قصہ کے آغاز میں نعتیہ اشعار دیکھئے:

پیدا کیا حق نے نبی ایسا نہ کوئی نبیوں منے
دیتا بڑائی ان کے تئیں نبیاں ستی محشر منے
سب انبیاں ہور اولیاں کر گئے ہیں دلمیں آرزو
پاویں درجگ میں ہم شرف ہوویں جو اس امت منے[۱۳۸]

اس قصہ میں آپؐ کی رحمت و شفقت اور فیوض و برکات کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے بیان کیا ہے کہ جنگلی جانور بھی آپؐ کے تابع فرمان رہیں۔ آپؐ نے سب کا دل کفر سے موڑ کر صدق کے راستے پر لگایا ہے۔ اس کے آخر میں زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لوگوں کو عبادت اور نیکی کی تلقین کی ہے۔

اردوئے قدیم کے یہ معجزہ نامے اور حضور اکرمؐ کی سیرت کے بارے میں لکھے گئے اور منظوم قصے اپنا ایک مخصوص پس منظر رکھتے ہیں جیسا کہ نعت پہ ہند و معاشرت اور تمدن اور دیومالا و مذہب کے اثرات کے ضمن میں تفصیل سے بتایا گیا تھا ہندوستان میں حضور اکرمؐ کی سیرت و سوانح کا بیان بھی مقامی اثرات سے نہ بچ سکا اور یوں سیرت و نعت میں بعض ایسے اجزاو عناصر بھی داخل ہو گئے جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ آپؐ کے بارے میں لکھے گئے معجزہ نامے بھی ایسی ہی غیر معتبر روایات سے عبارت ہیں جو ہمیں میلاد ناموں، معراج ناموں اور وفات ناموں میں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ ہندی دیومالا اور اصنام پرستی کے زیر اثر حضور اکرمؐ کے بارے میں بھی بعض فوق العادت اور غیر حقیقی واقعات قلم بند ہونا شروع ہوئے۔ اظہار بیان کے تمثیلی انداز نے انہیں مزید دلچسپ بنا دیا اور یوں ایک ایسا سلسلہ چل نکلا جس کے اثرات بعد کے

میلاد ناموں میں بھی بہ آسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔

ان معجزہ ناموں میں ملنے والے عناصرِ نعت تبلیغی نعت کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان کا مقصد مقامی معاشرت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے معجز نما پہلوؤں اور عادات و خصائل سے روشناس کرانا تھا۔ ان کے لکھنے والوں کے ہاں کسی معیارِ تحقیق کی ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے سیدھے سادے انداز میں ان واقعات و روایات کو شعروں میں ڈھال دیا جو اس وقت عوام میں پسندیدہ و مقبول تھیں اور جنہیں عام لوگ زیادہ دلچسپی سے سنتے تھے۔ ان کی قصہ گوئی میں حقیقت کے فقدان یا صحتِ واقعہ میں ضعف کے باوجود ان معجزہ ناموں اور منظوم قصوں میں حضور اکرمؐ سے وابستگی و محبت کا رنگ اور حسنِ ارادت و عقیدت کے مؤثر نمونے ملتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ مبارک کے موضوع پر لکھی جانے والی مثنویوں (جنہیں عام طور پر وفات نامہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے) میں وفاتِ سرورِ کائنات (دریا) اور وفات نامہ سرورِ کائنات (امامی دکنی) زیادہ مشہور ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں موجود وفات نامہ کے اشعار کی تعداد ۲۵۷ ہے جبکہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کا نسخہ ۲۳۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف کے حالات نہیں ملتے۔ قیاس ہے کہ وہی بزرگ ہیں جنہیں شاہ محمد قادری دریا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی نسبت "من لگن" کے مصنف محمود بحری کے والد سے بھی کی جاتی ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف جیسا کہ مثنوی کے متن سے ظاہر ہوتا ہے ۱۱۱۱ھ ہے۔

اس مثنوی میں آنحضرتؐ کی وفات کا نقشہ بڑے درد انگیز انداز میں کھینچا گیا ہے۔ آخر میں دعائیہ شعر بھی اپنا ایک خاص اثر رکھتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

ہوئے جب مصطفےٰؐ بیتاب اس دھات
دیکھی تب عائشہؓ سینے پہ دھر ہات
ہوا ہے مرض یہ تن کی رضا سے
نہیں چارا کسی کا اب قضا تے
بدن تھا گرم پوچھے مصطفےٰؐ کوں
کہے پھر مصطفےٰؐ نی اس وضا سوں
صفر کی چاند میں زحمت ہمارا
ربیع الاوّل میں ہے رحلت ہمارا
یہ سن کر عائشہؓ نے آہ ماری
حرم رونے لگی یکدم تے ساری [۲۰]

مثنوی کے آخر میں دعا کے شعر بھی دیکھئے:

نبی کی روح کی حرمت سوں یارب
کہ ناؤں بخش میرے یو گناہ سب
نہیں میرے گناہاں کوں نہایت
طفیلِ مصطفٰے کر توں عنایت
تیرے لطف و کرم سے کر مجھے پیار
نبیؐ تیرے قدم کا مجکوں ادھار
کرم تیرا تو در روزِ قیامت
تو دیوے گر نبیؐ مجکوں شفاعت ۱۸۹

دوسرا انبیا ذکر وفات نامہ سرورِ کائنات ۱۱۰۴ھ میں لکھا گیا۔ اس کے مصنف امامی دکنی ہیں۔ یہ "وفات نامہ" پہلے وفات نامے سے طویل ہے اور اس کے اشعار کی تعداد ۵۱۵ ہے۔ اس میں امامی نے اپنے مرشد (شاہ عبداللہ ہمشیرزادہ میر سید جلال) اور ان کے ماموں کی مدح کو حضورِ اکرمؐ کی نعت کے حوالے سے پیش کیا ہے جو منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ کہتے ہیں:

کہ ہیں دو نگینے سلیمان کے
مہر ہیں محمدؐ کے فرمان کے
دو مالک رسالت ولایت کے ہیں
دو ہادیٔ حقیقت ہدایت کے ہیں
مرا تن مرے پیر کے تن منیں
مرے پیر کا تن محمدؐ منیں
کہ میری کا ہے اس کا جمال
محمدؐ کی خصلت ہے اس میں کمال ۱۹۰

وفات کے بیان میں یہ شعر دیکھئے:

ے

محمدؐ کے کوچ جنت طرف
قیامت جہاں میں پری ہر طرف

جہاں کی عمارت، کوں برباد کر

جنت کی عمارت کوں آباد کر

وفات نامہ کے اختتام پر سلام وصلوٰۃ کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:

کہ صانع کی قدرت نبیؐ پہ تمام

علیک الصلوٰۃ و علیک السلام

ہزاروں درود و ہزاراں سلام

محمدؐ اوپر آل یاراںؓ تمام

ختم کر اماؔمی تو خیر الکلام

وصال محمد علیہ السلام [۱۲۱]

شمائل النبیؐ کے موضوع پر سب سے مشہور مثنوی عبدالمحمد ترین کی ہے۔ مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ پشتو زبان سے اس کو دکھنی میں نظم کیا گیا ہے (پشتو میں اس کے مصنف اخوند ادریزائی ہیں)۔ اس مثنوی میں حضور اکرمؐ کے اخلاق وعادات اور سراپا کو نظم بند کیا گیا ہے۔ اس مثنوی کا زمانۂ تصنیف گیارھویں صدی کے اوائل کا ہے۔ نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:

کیا قصد عبدالمحمد ترین

شمائل نبیؐ کا کہوں بہترین

اخوند ادریزائی جو پشتو منے

کہا ہے سو منگتا ہوں میں بولنے

شمائل نبیؐ کا دکھنی بولنے

کریما کرم کا زباں کھولنے

قریب الفہم نظم دکھنی اچھے

ہر ایک کس کا دل اس کو سکنے اچھے

...... محمدؐ کے اس سر مبارک اوپر

اتھے بال گننے رکھو یاد کر

اتھے لک بارہ او تیرا ہزار

دیگر تین سو تین اندر شمار

دخوش شکل مرغوب ہو سبزتر

رکھی تھے نبیؐ کے سو سرے اوپر [۱۲۲]

شمائل نامہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم ظاہری کی صفات اور ان خوبیوں کو منظوم کیا جاتا ہے جو احادیث کی کتابوں میں آپ کے حلیہ مبارک سے متعلقہ ابواب میں نظر آتی ہیں۔ اردو شمائل ناموں کے اکثر مضامین شمائلِ ترمذی (حافظ محمد بن عیسیٰ) سے اخذ کی گئی احادیث پر مشتمل ہوتے ہیں۔ عبد المحمد ترین کا شمائل نامہ بھی انہیں مضامین سے عبارت ہے۔ نمونہ کلام دیکھیے:

الٰہی سچا توں ہے پروردگار
دونوں جگ میں قدرت ترا آشکار
سچا توں ہے صانع سچا توں رحیم
سچا توں ہے قادر سچا توں حکیم
مراؤں تجھے میں سدا یاد کر
محمد کے کھجے سے دلشاد کر
محمد پہ پیغمبری کر ختم
کیا ان پہ مہرِ نبوت کرم
شمائل نبیؐ کا نگوں کھولنے
کیا قصد کرم کر زباں کھولنے
کیا قصد عبد المحمد ترین
شمائل نبی کا کہوں بہتریں [۱۱۶]

عبد المحمد ترین کے شمائل نامہ کا سن تصنیف صحیح طور پر تحقیق نہیں کیا جا سکتا مگر جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے زبان و بیاں کے نمونے اور دوسری ثانوی شہادتوں کی روشنی میں یہ گیارھویں صدی کے اوائل کی تصنیف لگتا ہے قمر الہدیٰ نے بھی اسے ۱۰۱۵ھ سے پہلے کی تصنیف قرار دیا ہے۔

ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانہ میں اس مثنوی کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ سالار جنگ کے کتب خانہ میں کئی نسخے موجود ہیں۔ [۱۱۷]

شمائل نبوی کے موضوع پر دوسری تصنیف عثمان کی ہے جو شمائل محمدی کے نام سے مشہور ہے بقول افسر امروہوی عثمان، ترین سے متقدم معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ترین کی زبان عثمان کے مقابلے میں زیادہ شستہ نظر آتی ہے عثمان کے شمائل نامہ میں ۱۴۱۰ ابیات ہیں۔

خاتمے پر وہ یہ کہتے ہیں:

لکھا ستاں عاشق ہو شمائل

ہمیشہ کر رکھوں گل میں حمائل

محبت ہے رسول اللہ سوں مجکوں

اور اُن کی آل پاک باصفا سوں[۱۹۴]

اس کے آغاز میں شمائل کی اہمیت اور اس کے بعد شمائل کا تذکرہ ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے۔[۱۹۵]

نامہ کی ترکیب سے تصنیف ہونے والی مذکورہ بالا مثنویوں کے علاوہ بعض مذہبی قصص میں بھی نعت رسول اکرم کے نمونے ملتے ہیں۔ ان میں صنعتی کے "قصہ بے نظیر" کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ یہاں قدرتی کے قصص الانبیاء کا ذکر کیا جاتا ہے:

قدرتی بھی اسی دور کے شاعر ہیں۔ ان کی مثنوی "قصص الانبیا" دس ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل ہے جو ان کی قادر الکلامی کی شاہد ہے۔ اس کے ۱۳۹۱ عنوانات ہیں۔ حمد و نعت و منقبت کے بعد آدم علیہ السلام سے آغاز ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تک بیان ہوا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ کا مملوکہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ اس میں حبشہ کی ہجرت تک کے واقعات درج ہیں۔ بقول نصیر الدین ہاشمی، ممکن ہے پوری مثنوی کے اور چند سو یا چند ہزار شعر ہوں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت کا پورا حال قلم بند کیا ہے یا نہیں۔[۱۹۶]

قصص الانبیا کی تصنیف کا زمانہ ۱۰۹۵ھ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے نعتیہ اشعار میں شعری سنر کم ہے۔ قدرتی کے ہاں آپ کی سیرت پاک کو سیدھے سادے انداز میں منظوم کرنے کا رنگ غالب ہے۔ نمونۂ نعت ملاحظہ ہو:

خلیفہ ہے اس کا نبی مصطفےٰ

کیا جس کتیں والّیل ہور والضحےٰ

کیا قدرتی قصہ زلا

اچھیا سب کوں معلوم یہ سلسلہ

کہ یک دن نبیؐ سو علیؓ یوں کہے

دنیا دین کس دھات پیدا اہے

کہے یوں محمد سنو یا علیؓ

وہی ذات کا نور تھا اوّلی

...... جو آدم کوں حق آپ ظاہر کیا

اسی نور کے سات باہر کیا

انو کیرے سب پشت نبی تمام
وہی نور ظاہر ہے دنیا میں نام[۱۴۹]

بی بی خدیجہؓ کے عقد کا حال، کے ذیل میں قدرتی نے آنحضرتؐ اور بی بی خدیجہؓ کے عقد کو سادہ انداز میں منظوم کیا ہے۔ اس میں حضورؐ کے چچا ابوطالب اور بی بی خدیجہؓ کی گفتگو کا بیان ہے۔ اس کے یہ شعر دیکھیے:

محمدؐ کوں ہاں تم بلا لیائے کر
کرو خواستداری میری آئے کر
نئیں مرد منج کوں کوئی محمدؐ بغیر
اس باج ملکن نہیں کارِ خیر[۱۵۰]

جالبی، قدرتی کی مثنوی پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اسے روانی کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ قدرتی کو اظہارِ بیان پر قدرت حاصل تھی لیکن یہاں مثنوی کی روایت آگے نہیں بڑھتی ہے[۱۵۱] کم و بیش یہی حال قدرتی کی نعت گوئی کا ہے۔ انہوں نے نعتیہ سرمایہ میں کوئی شاعرانہ اضافہ تو نہیں کیا البتہ مثنوی میں نعت گوئی کی روایت کو برقرار رکھا بلکہ جزوی طور پر حضور اکرمؐ کی سیرت پاک کے واقعات کو منظوم کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر لکھی گئی مثنویوں (ناموں) میں اجزائے نعت کی نشاندہی کے بعد اب ہم اردو شاعری کے پہلے معروف شاعر ولی دکنی اور اس کے بعد کی شاعری میں نعت گوئی کا جائزہ لیتے ہیں۔

دوسرا دور ___ ولی دکنی اور اس کے بعد کی نعتیہ شاعری

ولی (م ۱۱۱۹ھ) جنہیں ایک زمانہ تک اردو شاعری کا بابا آدم شمار کیا جاتا رہا۔ اردو شاعری کے اولین معماروں میں سے ہیں۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شمالی ہندوستان کی زبان کو دکنی ادب کی طویل روایت سے ملا کر ایک کر دیا۔ ان تک آتے آتے دکنی شاعری کی روایت تین سو سال سے بھی پرانی ہو چکی تھی۔ بقول جالبی:

"ولی نے فارسی ادب کی رچاوٹ سے دکنی شعر و ادب کی طویل روایت میں اتنی رنگا رنگ آوازیں شامل کر دیں اور امکانات کے اتنے سرے بھی ابھار دیئے کہ آئندہ دو سو سال تک اردو شاعری انہی امکانات کے ستاروں سے روشنی حاصل کرتی رہی۔ ولی کی شخصیت میں شمال اور جنوب کی

تہذیبوں کا امتزاج عمل میں آیا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ اور زبان و بیان کے اس نئے معیار کا آغاز ہوا جسے برسوں تک "ریختہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا۔ ریختہ، ہندوی، گجری، دکھنی (یہ اردو زبان کے علاقائی معیاروں کے نام تھے اور دکنی اس کی آخری کڑی تھی) کی وہ ارتقائی شکل تھی جس کے ساتھ اردو زبان و بیان کا علاقائی روپ ختم ہو گیا اور زبان نے ملک گیر سطح کا نیا معیار تلاش کر لیا۔[۱۶۲]

اردوئے قدیم میں ایک نئی، نمایاں اور اہم تبدیلی نے اردو نعت کے خد و خال کو بھی متاثر کیا۔ جس طرح ولی کی شاعری جنوبی ہند اور شمالی ہند کی شعری روایات اور زبان و بیان کے اسالیب کے درمیان ایک واضح حدِ فاصل قائم کرتی نظر آتی ہے۔ اسی طرح ولی کے نعتیہ اشعار اردو نعت کے ارتقائی سفر میں ایک نئی منزل کی نشاندہی کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ ولی کا نعتیہ سرمایہ ان کی غزلوں، قصیدوں سے لے کر رباعیوں، مثنویوں، مخمس اور مستزاد پر مشتمل ہے جو ان کے مخصوص رنگ (ریختہ) کی ترجمانی کرتا ہے۔

ولی کے کلیات میں نعت سے متعلق دو قصیدے ہیں۔ پہلے قصیدے میں نعت کی حیثیت ایک جزو کی ہے۔ یہ قصیدہ "در حمد و نعت و منقبت و موعظت" ہے۔ جب کہ دوسرا قصیدہ "در نعت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم" کے عنوان سے ہے۔ پہلا قصیدہ ۱۲۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز حمد خدا تعالے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ولی نعت کہتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

بعد حمدِ خدائے بے ہمتا
یاد کر نعتِ سیدِ مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں
دو جہاں مثلِ دانۂ خردل
اس کی مجلس میں آ جو اہے کھڑا
صفِ آخر میں جوہرِ اوّل
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب
آسماں جائے مثلِ موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کوں
بادشاہوں کا رنگ ہے دنگل
گر کرے بحر پر غضب کی نظر
ماہیاں جائیں جل کے جیوں جل

اُس فصاحت آگے دے مجکوں
نطق سحبان عبارت مخمل
کاملاں سوں سنا ہوں یہ نکتہ
عشق اُسس کا ہے آدمِ اکمل
نام اُسس کا ہے حرزِ ہر مومن
یاد اس کی ہے دافعِ کلول
دیکھ اس زلف و مکھ کوں بے جا ہے
بحر اور بر میں عنبر و صندل
بعد اُسس آفتابِ انور کے
چار ہیں اہلِ علم و اہلِ عمل [۱۶۳]

یہاں سے منقبتِ صحابہؓ کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرا قصیدہ جو مکمل نعتیہ قصیدہ ہے پہلے سے مختصر (۲۹ شعر کا) ہے۔ ولی کی نعت گوئی کے ضمن میں مرتبینِ نعت اکثر اسی قصیدے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مطلع یہ ہے:

عشق میں لازم ہے اوّل ذات کو فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یادِ یزدانی کرے [۱۶۴]
یاد کے گلزار پر دو نین کر ابرِ بہار
ہیچ کا سینے میں دل کو سبزستانی کرے
مرتبہ حکمت پناہی کا وہ پاوے گا ہتوئی
شلِ اسمٰعیل اوّل جی کوں قربانی کرے [۱۶۵]

اس قصیدے کی ابتدا میں عشق کی فضیلت اور تسلیم و رضا کے مرتبے کا بیان ہے۔ ولی کہتے ہیں کہ عشق میں کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کی قربانی دے کر اپنا سب کچھ عشق کی راہ میں لٹا دے یعنی فنا فی العشق ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حصولِ مقصد کے لئے مشوشتا بہ فنا فی کی ضرورت و اہمیت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قصیدے کے کچھ شعر دیکھئے:

زندگی پاوے ابد کی جگ منیں وہ خضر وقت
جو اپس کوں فدوی و محبوبِ سبحانی کرے
یا محمدؐ دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

وہ ایچھے آزاد جو بازار میں تجھ حسن کے
بندگی میں آپ کو جیوں ماہ کنعانی کرے

زیبوالخاتم کا گرسنے داؤد ناؤں
ہووے خوش دربار پر تیرے خوش الحانی کرے

نوح تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں پاوے نہ ٹھاہ
تجھ غضب کا گر سمندر جوش طوفانی کرے

رتبۂ عالی میں دیکھے حق نزیک اپنا کلام
گر کلیم اللہ آ تیری ثنا خوانی کرے

...... حکمتاں کی سب کتاباں دھوئے یک بارگی
گر فلاطوں تجھ دبستاں میں سبق خوانی کرے

تجھ قدم پر جو ایس کا سیس راکھے جیوں ترج
وہ قیامت لگ ایس چہرے کوں نورانی کرے

...... عارفاں بولیں گے جان و دل سوں لاکھوں آفریں
جب ولی تیری مدح میں گوہر افشانی کرے[۱۵۶]

اس نعتیہ قصیدے میں اچھوتے خیالات، شوکتِ الفاظ اور زورِ بیان کے اوصاف موجود ہیں۔ اس کے ہر شعر میں کسی نہ کسی تلمیح یا رعایتِ لفظی کا قرینہ ملتا ہے۔ یہ ولی کا مخصوص انداز ہے کہ وہ شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظی و معنوی مناسبت قائم کرکے اپنے قاری پر ایک خوش گوار تاثر چھوڑتے ہیں۔ اردو نعت کا یہ لب ولہجہ ولی سے پہلے ناپید تھا۔ یہ اس پیروئ فارسی کا اثر ہے جس میں ولی کی ساری شاعری رنگی ہوئی ہے۔ ولی کے نعتیہ قصیدے کے زبان و بیان کی نمایاں خوبی ان کی تلمیحات ہیں جو ان کے ترسیلِ فکر کو ایجاد کا وصف عطا کرتی ہیں اور اظہار کو وقیع اور موثر رتبہ بخشتی ہیں۔ زیرِ نظر قصیدے میں حضور اکرم کی فضیلت و بزرگی کا بیان (دوسرے انبیائے کرام کی خصوصیات کے حوالے سے) جس انداز میں ہوا ہے وہ اردو نعت میں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

ولی کی مثنویات جو ان کے کلیات میں ملتی ہیں صرف دو ہیں۔ (یہ دونوں مثنویاں چھوٹی بحر میں ہیں اور جیساکہ ہم دونوں مثنویوں کے ضمن میں آگے چل کر ذکر کریں گے بعض محققین کے نزدیک ایک ہی مثنوی کے دو جزو ہیں)۔ ان میں سے ایک مثنوی کا موضوع حمد۔ نعت اور مناجات ہے۔

اس مثنوی کا مطلع ہے:

الٰہی دل اپر دے عشق کا داغ
یقیں کے زین میں سٹ گل جا زاغ

اس مثنوی میں نعت کے اشعار کا نمونہ دیکھیے:

محمد وہ کہ جس کے حق میں لولاک
کہا ہے خالق املاک و افلاک
عجب گل زار ہے وہ مظہرِ گل
کہ ہے اس باغ کا خورشید اک گل
وہی ہے بے دلاں کا دل کشا باغ
وہی ہے عاشقاں کا مرہمِ داغ
اسی کا ذکر ہے ایمانِ مومن
اسی کا یاد اطمینانِ مومن
وہی ہے باغِ اقدس سرورِ دیں
کہ جس کے باغ کا رضواں ہے گل چیں
کھلا کونین میں وہ دین کا گل
دو جگ مشتاق اس کے شل بلبل
دو عالم جسم ہے وہ جانِ عالم
بنیاں امرا وہی سلطانِ عالم
کیا حق اس رسول لعد واح خاطر
...... مرتب چار دیوارِ عناصر[۱۵۸]

اس کے بعد دین و شریعت اور چار یار کی منقبت کا بیان ہے۔

ولی کی دوسری مثنوی "در تعریف شہ سورت" کے عنوان سے ہے جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس مثنوی کا موضوع شہ سورت کی خوبیوں اور تعریف سے متعلق ہے۔ یہ مثنوی چونکہ پہلی مثنوی کی ہم وزن ہے لہٰذا بعض مرتبین نے ولی کی دونوں مثنویوں کو یکجا نقل کیا ہے۔ کلیاتِ ولی کے زیرِ نظر نسخے میں مضامین کی نوعیت کے سبب مرتب (نور الحسن ہاشمی) نے انھیں الگ الگ دو مثنویوں کے طور پر درج کیا ہے لیکن مثنوی کی داخلی شہادت کی بنا پر اس امر کی نشان دہی بھی کر دی ہے "کہ یہ دونوں مثنویاں ضرور کسی اور مثنوی کے حصے ہیں"۔[۱۵۹]

بہرحال "در تعریف شہر سورت" کو الگ مثنوی سمجھا جائے یا پہلی مثنوی کا حصہ، اس کے آخر میں ہمیں نعت کے یہ دو شعر ملتے ہیں:

مہرباں ہو کے اے ساقیٔ کوثر!
کرم سوں تشنگی کے مجکوں دے بھر
اپس کے لطف سوں کر دے عطا مے
جو اس نشے میں دریا کوں کروں طے[۱۵۹]

ولی کی رباعیات میں ہمیں دو نعتیہ رباعیاں بھی مل جاتی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے ساتھ ان کی ذات والا صفات سے اپنی محبت و شیفتگی کا بیان ہے۔ رباعیاں درج ذیل ہیں:

ے
اے خلق کے زیب و زین! مجھ حال کوں دیکھ
اے جدِّ حسن و حسین! مجھ حال کوں دیکھ
تجھ باج مجھے نہیں ہے دوجا جگ میں
شاہنشہِ مشرقین! مجھ حال کوں دیکھ

ے
تجھ یاد کے تئیں روح سوں ہمدم کہتی
تجھ نام کے تئیں داغِ جگر غم کہتی
تجھ باج دجے کوں جو نہ دیکھی بہتر
تو خلق تجھے "سیدِ عالم" کہتی[۱۶۰]

اس سے متصل رباعی (۲۲) جو ع
تجھ فیض سوں انکھیاں کوں مری نت ہے تری
کے مصرعے سے شروع ہوتی ہے، کو بھی نعت کے ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ولی نے اگرچہ نفسِ مضمون کی نسبت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح نہیں کیا لیکن اس کی فضا اور بین السطور نعت کا رنگ جھلکتا ہے دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

از بس کہ ترا جمال سینے میں رکھا
پانی ہے مرے خیال سنے دیدہ وری[۱۶۱]

ولی کے مخمسات میں بھی نعتیہ عناصر ملتے ہیں۔ ایک مخمس کے درج ذیل بند دیکھئے:

تجھ نور کی بخشش ستی یہ سور ہور چندر ہوا
تیری زلف کی آس سوں یہ مشک ہور عنبر ہوا
یک پل میں تیرا مرتبہ افلاک سوں بر تر ہوا
پیاسے محباں دیکھ کر تو ساقیِ کوثر ہوا

فردوس سوں بھی بڑھ گئے ہے یہ انجمن سب دن اچھو

یٰس و طٰہٰ و الضحیٰ نازل ہوئے تجھ شان میں
واللیل ہور والشمس ہے تجھ زلف و مکھ کے دھیان میں
افلاک سب پیدا ہوئے لولاک کے احسان میں
تجھ یاد سوں راحت اچھو ہر مومناں کی جان میں

تیرے چرن کی خاک سوں روشن نین سب دن اچھو[۱۶۳]

سات بندوں کا یہ مخمس منقبتِ صحابہ کے بیان پر ختم ہوتا ہے۔ آخری بند میں ولی نے چار یاروں کی تعریف کرتے ہوئے ان کی محبت و اطاعت کا مضمون باندھا ہے اور ان سے روگردانی کو دونوں جہاں کی ذلت و رسوائی سے تعبیر کیا ہے۔ اس مخمس کے علاوہ ولی کے دوسرے کئی مخمسوں میں بھی نعتیہ مضامین کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کہیں منقبت اور کہیں دوسرے موضوعات کے بیان میں متعدد اشعار اور مصرعے ایسے نظر آتے ہیں جن میں حضور اکرمؐ سے وابستگی و عقیدت کا اظہار اور ان کے اوصاف و مدح کا مضمون ملتا ہے۔ نمونے کے لیے ذیل کے مصرعے دیکھئے۔ یہ ولی کے مختلف مخمسوں سے لیے گئے ہیں:

ع بندہ ہوں صدق دل سوں نبی الکریمؐ کا
ع حضرتِ نبیؐ کے نور سیں سب جہاں نورانی ہوا
ع تیری معاونت میں ہیں نت مرتضیٰ علیؓ
ع تو بے شک روح ہے جگ میں خلاصہ چار عنصر کا
ع دینِ محمدیؐ سوں ہے دو جگ کی آبرو
ع خاک درگاہِ مصطفےٰؐ کی قسم[۱۶۴]

اسی طرح ولی کی غزلوں میں بھی نعت کے متعدد شعر ملتے ہیں۔ نمونے کے لیے کچھ مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

اسم اللہ دو میم احمد ہے
حق ستیں حق کوں حق نما پایا

خاکساری ہے حق آگے منظور
خاک درگاہِ مصطفےٰ کی قسم

—

ہم کو شفیع محشر وہ دیں پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے[۱۶۳]

ولی نے شیخ سعدی کے مشہور نعتیہ قطعہ کی تضمین بھی کہی۔ اردو نعت میں اس قطعہ کی سینکڑوں تضمینیں ملتی ہیں لیکن دستیاب نمونوں میں ولی اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اس کی تضمین کی:

گئے رات معراج عرش اُپر بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کھلے پردے جبید کے بر سر کشف الدجیٰ بجمالہٖ
ہوئی حق کی ان پہ سو جب نظر حسنت جمیع خصالہٖ
ہوا حکمِ حق محباں اُپر صلوا علیہ وآلہٖ[۱۶۴]

ولی کی تضمین کا اسلوب بھی منفرد ہے۔ انہوں نے مثلث، مربع یا مخمس میں تضمین نہیں کی بلکہ سعدی ہی کی بحر میں اسی التزام سے چار مصرعے کہے ہیں۔ ولی کا ہر مصرعہ سعدی کے متعلقہ مصرع کی تشریح نظر آتا ہے:

مستزاد میں ولی کا یہ شعر بھی دیکھیے جو نعت سے متعلق ہے:

جس گرد اُپر پاؤں رکھیں تیرے رسولاں — اے بار خدایا!
اس گرد کو میں کحل کروں دیدۂ جاں کا — صدیق ہو من سوں[۱۶۵]

بہ حیثیت مجموعی ولی نے اردوئے قدیم کی نعت گوئی میں قابلِ ذکر اضافے کیے۔ ان کے کلیات میں مقدار و نوع ہر دو لحاظ سے نعتیہ عناصر اپنے ہم عصر شاعروں سے نمایاں ہیں۔ ان کے ہاں نعت میں ہیئتوں کا جو تنوع (غزل، قصیدہ، مثنوی، مخمس، مثمن، مستزاد وغیرہ) ملتا ہے وہ نہ صرف ان کے ہم عصر شاعروں بلکہ کافی مدت تک بعد میں آنے والے شاعروں کے ہاں بھی نہیں ملتا۔ ہیئتی تنوع کے علاوہ ان کی نعت گوئی کی دوسری خوبی ان کی صاف زبان ہے جو اردو کو پہلے واضح معیار کا درجہ عطا کرتی ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار کی زبان عربی و فارسی کے الفاظ سے مزین ہے۔ تراکیب و تشبیہات پر بھی فارسی اثرات نمایاں ہیں۔ کہیں کہیں قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں احترام و عقیدت کے جذبات کے ساتھ پاکیزگی کی کیف آور فضا نظر آتی ہے۔ یہ معنوی اور منزہ فضا ان کی پوری شاعری پر چھائی ہوئی ہے۔ اسی سبب بعض محققینِ نعت کو ان کی غزلوں میں نعت کی جھلک نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر طلحہ برق نے ولی کی نعت گوئی کا ذکر کرتے ہوئے جو اکلوتی مثال دی ہے وہ ولی

کی غزل کے یہ شعر ہیں:

آرزوئے چشمہ کوثر نہیں تشنہ لب ہوں شربتِ دیدار کا
کیا کہے تعریف دل ہے بے نظیر حرف حرف اس مخزنِ اسرار کا
اے ولی ہونا سریجن پر نثار مدعا ہے چشم گوہر بار کا [۱۶۷]

قاضی محمود بحری (م ۱۱۳۰ھ) صوفیانہ شاعری میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں روحانیت کے اسرارِ پنہاں اور عشقِ حقیقی کی باطنی صفات کا بیان نمایاں ہے۔ فلسفۂ وحدت الوجود اور تزکیۂ نفس و اصلاحِ اخلاق ان کی مشہور مثنوی "من لگن" کا موضوع ہے۔ اس مثنوی کے علاوہ مختلف اصناف پر مشتمل ان کا کلیات بھی ان کی یادگار ہے۔ ان کی غزلیات میں سے نعت کے یہ شعر دیکھیے:

محمد گر مدد ہو گا ہمارا
سگل دکھ درد رد ہو گا ہمارا
موحد کا معمّا کھول محمود
او احمد گر احد ہو گا ہمارا [۱۶۸]

نعت کے یہ شعر صنعتِ غیر منقوطہ میں ہیں (حمد و نعت کے مضامین سے عبارت یہ پوری غزل غیر منقوطہ الفاظ پر مشتمل ہے)۔ ایسی حالت میں کہ اردو زبان اور شاعری ہنوز عالمِ طفلی ہی میں تھی، غیر منقوطہ الفاظ کا التزام کرنا اور پھر اس مشکل صنعت میں نعت کے شعر کہنا آسان کام نہیں تھا۔ اس پوری غزل کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بحری کو الفاظ اور زبان پر قدرتِ کامل حاصل ہے۔ یہاں مقطع میں انھوں نے اسی صنعت کو نبھانے کے لئے بحری کی جگہ اپنا نام محمود نظم کیا ہے۔ ان کی دیگر غزلوں میں کہیں کہیں نعت کا شعر آ گیا ہے، ملاحظہ کیجیے:

کیا غم یو عجم سب مل اگر بچ سوں پھرے تو
سنجھ مراد جو سلطانِ عرب ہے یارب [۱۶۹]

میں گنہگار ہوں بڑا اے دوست!
دوستی مصطفےٰ کے بخش نجات نے

جو دیکھے جا لگیا نسبت نبیؐ کے نور سوں میرا
رہے جل اوٹ کر آپس کے من میں آگ ہور پانی [۱۷۰]

کلیاتِ بحری میں دو نظمیں ہیں جن میں حضورِ اکرمؐ کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ پہلی نظم کے پہلے شعر کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی ہے:

تا فکر اٹھے سٹوں محمد تول
ہور جو اس کی ہے آل امجد تول
ہور اس کے جو یار ہیں برحق
سو او تج سوں نیں جدا الحق (۲۱)

دوسری نظم کا یہ شعر دیکھیے:

اول، آخر، ظاہر، باطن نبی محمد راؤ
جس تے پرگٹ ہوا جگت میں گنجِ مخفی کا بھاؤ (۲۲)

"من لگن" بحری کی مشہور تصنیف ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۱۲ھ میں لکھی گئی۔ اس کا موضوع تصوف ہے۔ یہ الگ الگ ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت حکایات و تمثیل میں صوفیانہ نکات اور احوال قلمبند کیے گئے ہیں۔ زبان کی قدامت کے باوجود اس کی خاص لے اور آہنگ پڑھنے والے کو متاثر کرتا ہے۔ اس میں پہلی دو فصلیں حمد اور توحید سے متعلق ہیں۔ بعض فصلوں میں نعت کے شعر ملتے ہیں۔ ان کے عنوانات درج ذیل ہیں:

"در نعت خواجۂ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام"
اور "در بیان معراج شفیع امت صلی اللہ علیہ وسلم"

بحری کے نعتیہ اشعار میں اور ذکرِ معراج میں بھی صوفیانہ مزاج کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ یہ شعر دیکھیے:

ہے نامِ واحد نشانِ احمد
سرِ خفی سو احد ہے پانِ احمد

سید محمد فراقی بیجاپوری (م ۱۱۴۴ھ) کے تفصیلی حالات نہیں ملتے البتہ شمالی ہند کے تذکرہ نویسوں حاتم اور میر حسن وغیرہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایک صوفی تھے۔ "مراۃ الحشر" کے نام سے ان کی ایک ضخیم تصنیف کا ذکر مختلف تذکروں میں ملتا ہے۔ یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے اور اس میں حشر کے دن کے حالات کی تفصیلات کا بیان ہے۔ غزل کی ہیئت میں ان کی ایک نعت بھی ملتی ہے جس کا نمونہ ملاحظہ کریں:

~

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا
محمدؐ کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا

عبث خوباں کی گیوں میں عمر توں صرف کرائے دل
مدینے کی زیارت کو گیا ہوتا تو کیا ہوتا
ارے مجنوں ہوا بدنام تو لیلیٰ کو دے کر دل
اگر میرے نبیؐ کو دل دیا ہوتا تو کیا ہوتا
ازل کی دین میں یارب اگر مفلس بھکاری ہوں
نبیؐ کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا
...... نظر ہے علمِ منطق ہور معانی میں فراقی کوں
اگر علم حدیث مصطفےٰ ہوتا تو کیا ہوتا [۱۲]

احمر حسین خاں نظر لدھیانوی اردو نعت گو شاعروں کے تذکرہ" تذکرہ عندلیبانِ رسول"[۱۳] میں فراقی کی مذکورہ بالا نعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انہوں نے غزل کی شکل میں نعت، کا آغاز کیا۔ اسے اردو زبان کی پہلی نعت کہا جا سکتا ہے"[۱۴]

مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ نعت بہت بعد کی ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں اردو نعت فراقی تک پہنچنے سے پہلے مثنوی، قصیدہ، رباعی اور غزل وغیرہ مختلف ہیئتوں میں کئی شعرا کے ہاں ملتی ہے۔

اسی دور میں غزل (اور قصیدہ) کی ہیئت میں دو اور شاعروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ایک ندوی خاں ندوی اور دوسرے محمد شریف مفتون ــــ افسر صدیقی امروہوی نے اپنے مضمون "اردو کے قدیم اردو نعت گوئی" میں ان شاعروں کے ضمن میں لکھا ہے:

"ندوی، ولی کے متبع اور غالباً عجزی تخلص کے کسی شاعر کے شاگرد تھے۔ ان کا دیوان (مخطوطہ) جو تقریباً ۱۱۵۰ھ کی تصنیف ہے "ادارہ ادبیاتِ اردو" (حیدر آباد) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ دیوان شروع کرنے سے قبل انہوں نے ۱۷ شعروں کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں حمد و نعت و منقبت سب کچھ ہے۔ ابتدائی دو شعر ملاحظہ فرمائیے:

ایزد کے نام پاک سوں میں ابتدا کیا
بعد از ثنا و نعتِ رسولِ خدا کیا
ہے خاتم نبوت و سرتاجِ مرسلاں
اس ناؤں پہ سوں جیو اپس کا فدا کیا

مفتون کا نام محمد شریف تھا۔ وہ اورنگ آباد کے تھے مگر آخر عمر میں حیدر آباد منتقل ہو گئے اور نصرت جنگ

(۱۱۹۶ھ تا ۱۲۱۰ھ) کے متوسطین میں شامل تھے۔ مفتون کا دیوان قلمی موجود ہے۔ اس دیوان میں نعت کے تین قصیدے ہیں۔ پہلے قصیدے میں ۱۰۹ اشعار ہیں۔ اس کا مطلع ہے:

برنگِ سبحہ سراسر ہو جس میں غلطانی
تیز ہو سکے کیا اس کا اوّل و ثانی

دوسرے قصیدے میں ۵۰ اشعار ہیں۔ مطلع ہے:

اے عشق اب مجھے تو گلِ زعفراں سمجھ
اور دل کے تئیں مرے دردِ ارغواں سمجھ

تیسرے قصیدے میں ۶۲ اشعار ہیں۔ مطلع ملاحظہ ہو:

دل ہمارے کو نہیں جوششِ تمنا و منع
خوب نئیں ہم سے فلک کا وشِ ہمتا و منع

یہ دیوان ۱۱۹۴ھ کی تصنیف ہے اور "دو" کے تخرجے کے ساتھ "منظور" سے اس کی تاریخ نکلتی ہے۔[122]

سراج اورنگ آبادی (م ۱۱۷۷ھ) کے کلیات میں دوسری اصناف کے ساتھ نعت کے اشعار بھی نظر آتے ہیں۔ ان کا مزاج صوفیانہ تھا۔ اس کے اثرات ان کے کلام پر بھی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری پر ایک کیف و مستی کا رنگ چھایا ہوا ہے۔ ان کی غزلوں سے ایک طرف تو مجالسِ سماع میں صوفیوں کو روحانی غذا ملتی تھی، دوسری طرف اہلِ ذوق کے لیے لطف و مسرت کا سامان ہوتا۔ سراج کے کلیات میں غزلیں، مثنویاں، مخمس، ترجیع بند اور رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے ہاں حمد، منقبت اور مناجات میں اور کہیں کہیں غزلوں میں نعت کے شعر ملتے ہیں جو سلاست، روانی اور بیان کی دلکشی کے سبب اور تشبیہات، و استعارات کی بھرمار کے باعث اپنا ایک منفرد حسن اور تاثیر رکھتے ہیں۔ نمونہ نعت، درج ذیل ہے:

رسولِ خدا سیّدِ مرسلیں
قیامت کے دن شافع المذنبیں
نبوت کی مسند کا ہے جانشیں
کیا جس کی تعظیم روح الامیں
عجب روزِ محشر کا سردار ہے
صفِ اصفیا میں وہ سالار ہے
جگت میں رہے سلطنت ہے مدام
جماعت میں ہے انبیا کی امام

رہِ شرح کا ہادیٔ مستقیم
شریعت کے دریا کا درِ یتیم
حبیبِ خدا والیٔ روزگار
دو عالم کی اقلیم کا تاجدار
شہِ انس و جاں سب کا مقبول ہے
نبوت کے گلزار کا پھول ہے
کہ جس واسطے خلق پیدا کیا
زمیں آسماں سب ہویدا کیا
کہا حق نے لولاک جس شان میں
شہنشاہ ہے ملک عرفان میں
سدا گمرہوں کا وہی رہنما
ہے خیرالوریٰ احمدِ مجتبیٰ
عجب ذات مقبولِ کونین ہے
کہ کونین کا قرۃالعین ہے [۱۷۸]

سراج نے مختلف تشبیہات اور اسمائے رسولؐ کے حوالے سے حضور اکرمؐ کی صفات اور فضیلت کو جس طرح واضح کیا ہے اس سے ان کی آنحضرتؐ سے وابستگی و شیفتگی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ ان کی غزل میں نعت کے شعر ملاحظہ ہوں۔

جو دل میں غلامِ احمدی ہے
حق میں اسے فیضِ سرمدی ہے
محشر میں سراجؔ کیا مجھے خوف
ایمان مرا محمدی ہے [۱۷۹]

اور ایک جگہ احد کی مدح میں احمد کا حوالہ دیکھئے۔ ان کی یہ نعت حمد و نعت کے مضامین کا خوب صورت امتزاج ہے:

تو احد ہے نام تیرا احمدِ بے میم ہے
زیب پایا تج صفت سوں ہر ورق قرآن کا

اسی غزل میں نعت کے درج ذیل شعر ملاحظہ کیجیے:

یا محمدؐ تجھ کرم سیں ہوں سدا اُمّید وار
جلوۂ ایمان دے اور بھید کہہ ایمان کا
کہ سراسر شوق میں بے ہوش تجھ کو یا حبیبؐ
دے مجھے بھر کر پیالہ نعتِ عرفان کا[۱۱۱]

سراج کے کلام میں ایک قصیدہ بھی ملتا ہے جو خاص ان کے متصوفانہ رنگ میں ہے۔ اس پر افسانویت کی فضا طاری ہے۔ آہ کے ذریعے اپنے محبوب کی تفصیلات سرورِ کائنات تک پہنچاتے ہیں۔ قصیدے کا آخری شعر یہ ہے:

سدا ہے صرصرِ غم میں سراج بے پروا
لگا ہے ہات اسے دامنِ رسولِ کریمؐ

سیرتی مثنویوں میں ولی ویلوری کی تصنیف "روضۃ الانوار" قابلِ ذکر ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۵۹ھ میں مرتب ہوئی۔ میر ولی فیاض ولی ویلوری کی زیادہ تر تصانیف روضۃ الشہدا، روضۃ العقبیٰ اور دعائے فاطمہ وغیرہ کی طرح روضۃ الانوار بھی مذہبی موضوع سے متعلق ہے۔ اس کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اس مثنوی کے ۴۴۲۲ شعر ہیں جنہیں مختلف عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے۔ عنوانات کی طویل فہرست سے چند نمایاں عنوان درج ذیل ہیں:

ذکرِ نورِ نبیؐ۔ واقعات در مدتِ حمل۔ ذکرِ ولادت۔ شیر خوردن۔ سفرِ شام۔ خواستگاریٔ خدیجہؓ۔ ابتدائے وحی۔ اسلام حمزہ۔ ہجرت۔ وفات بی بی خدیجہؓ۔ معراج۔ ذکرِ معجزات۔ جنگِ بدر۔ جنگِ اُحد۔ جنگِ احزاب۔ جنگِ بنی قریظہ۔ جنگِ تبوک۔ افکِ عائشہؓ۔ فتحِ خیبر۔ فتحِ مکہ۔ جنگِ حنین۔ فتحِ طائف۔ حج الوداع وغیرہم۔

اس صراحت سے مثنوی کے اندراجات کا علم ہو سکتا ہے جیسا کہ ہم دکنی مولود ناموں، وفات ناموں اور معراج ناموں وغیرہ میں دیکھتے ہیں۔ ان میں حضورؐ کی سیرت کے اجزا اور چند پہلوؤں کا بیان ہے مگر "روضۃ الانوار" میں حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کے تمام اہم پہلوؤں اور احوال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ولی ویلوری کے ماخذات احادیث اور کتبِ سیر و مغازی ہیں لیکن جیسا کہ باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ) نے اپنی منظوم سیرت "ہشت بہشت" کے مقدمہ میں اس امر کی صراحت کی ہے ولی کے ہاں غیر معتبر روایات بھی جگہ پا گئی ہیں خصوصاً معجزاتِ رسولؐ کے ضمن میں کئی غیر مستند واقعات ملتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ ماحول اور مقامی اثرات ہیں۔ اس زمانے میں قصے کہانیوں کا زیادہ رواج تھا اس لیے اس قسم کے واقعات کو لوگ دلچسپی سے سنتے تھے۔ ولی کا موضوع مذہبی ہے مگر ان کا کلام شاعرانہ خصوصیات سے خالی نہیں۔ مذہبی موضوعات کے بیان میں شاعرانہ لطافتوں کو برقرار رکھنا بجائے خود ایک

ن ہے اور اس میں ولی ایک مستحسن مقام رکھتے ہیں۔ "روضۃ الانوار" کا درج ذیل نمونہ ملاحظہ ہو جو معراج سے متعلق ہے۔

کئے یو نقل حضرت عمر خطابؓ
ہوا معراج کا جس دن خوشی باب
کیا حضرت رسولؐ اللہ سوں میں سوال
نہانی راز ہا کا کچھ کرو قال
سو فرمائے کہ امت کا شکایت
کیا مستجاب یوں وو ربِ عزت
کہ عصیاں ور رہیں سب مل بہ خلوت
کریں وو انجمن میانی اطاعت
ونلے میں پردہ پوشی میں ہوں ستارؔ
ہوں دائم بخششِ رحمت سوں غفارؔ
علی مرتضیٰؓ سوں ہے یہ منقول
سخن راز نہانی کا یو مدلول
گنہ کرتے تھے امتہائے پیشیں
عذاباں ترت ان پر تھے سو تعیین
کہ بعضے غرق ہو در آب طوفاں
ہو کیتے آب رودِ نیل غرقاں
کتیاں کوں صیحۂ جبرئیل سوں مار
ہوا بعضاں اوپر بارانِ سنگسار
کیتے غرق زمیں میں مثلِ قارون
چلے جانے اچھے تحت الثریٰ کوں ۱۸۱
کتیاں کے تیں سو مسخ صورتاں کر
ہوئے تلپٹ کتے از بادِ صرصر
کتیاں کوں بجلیاں ہیبت الٹا کو مارے
جہنم کے لئے دو باٹ سارے

ولیکن تجھ امت کوں یا محمد
بدی ان کی کوں کرنے کی ستی رد
تری امت ہیں مجھ کوں بہت پیاری
غضب ہور قہر سوں یو ہیں کناری[۱۱۲]

بعض ضعیف روایات اور غیر مستند واقعات کے باوجود ولی ویلوری کی "روضۃ الانوار" اردو کی اولین منظوم سیرتوں میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اسی حوالے سے اردو نعت کے ذیل میں اس کا تذکرہ و مطالعہ خصوصی توجہ کا حامل ہے۔ ولی نے معجزات کے بیان میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ذکر معجزات کے بیان میں انہوں نے حضور اکرمؐ کے چالیس معجزات کا ذکر کیا ہے۔

نوازش علی شیدا کی معروف مثنوی "اعجاز احمدی" کا موضوع بھی حضور اکرمؐ کی سیرت پاک ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۸۶ھ کی تصنیف ہے اور ضخامت کے اعتبار سے شیدا کی دوسری مثنویوں "روضۃ الاطہار" اور "گلشن ایمان" وغیرہ سے ضخیم ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل "اعجاز احمدی" کے اشعار کی تعداد انیس ہزار کے قریب ہے۔ شیدا نے بھی ولی ویلوری کی طرح آنحضرتؐ کی سیرت کے بیان کے لئے مختلف عنوان قائم کئے ہیں۔ مثلاً آغاز داستان در کیفیت ظہور محمدی ــــ در بیان معجزاتے کہ در ایام حمل بوقوع آمدہ و رحلت بر کلفت عبداللہ ــــ در بیان طلوع خورشید رسالت ــــ احوال رضاعت حضرت خیر البشرؐ ــــ در بیان شق صدر آں والاقدر ــــ در بیان احوال سال ششم تا دوازدہم از ولادت باسعادت آں والا نسب ــــ احوال سال ہفتم و ہشتم مشتمل بر وفات عبدالمطلب وغیرہ وغیرہ۔ عنوانات و مضامین معجزات کا یہ سلسلہ اسی طرح آخر تک چلتا ہے۔ چوتھی جلد میں آپؐ کی وفات مبارک کے بعد کے واقعات کے ساتھ آپؐ کے معجزات اور فضائل صلوٰت کے بیان پر اس مثنوی کا اختتام ہوتا ہے۔

"اعجاز احمدی" کی نمایاں خوبی شیدا کا حسنِ ترتیب ہے۔ سیرت طیبہ کے وسیع موضوع کو شیدا نے چار حصوں میں اسی طرح تقسیم کیا ہے کہ حضور اکرمؐ کی زندگی کے نمایاں واقعات اور اہم تاریخی ادوار الگ الگ حصوں میں وضاحت سے نظم بند ہو گئے ہیں۔

حصہ اول میں نورِ محمدی سے آغاز کر کے چالیس سال کی عمر تک کے حالات نظم کئے ہیں۔ وحی اولیٰ تک کے تمام اہم واقعات اس حصہ میں آگئے ہیں۔ دوسری جلد میں بعثت سے ہجرت (یعنی مکی زندگی) کے حالات ہیں۔ تیسری جلد میں ہجرت سے وفات تک کے کوائف اور چوتھی جلد میں معجزات اور فضائل صلوٰۃ وغیرہ کا ذکر ہے۔ چاروں جلدوں کی ابیات آغاز یہ ہیں۔

پہلی جلد سے

اول حمد مولا میں کھولوں زباں

کہ تا ہووے سر سبز میرا بیاں

دوسری جلد ۔ الٰہی میرے دل کو پرنور کر

محبت ستی اپنی معمور کر

تیسری جلد ۔ الٰہی تو کر فضل کا فتح باب

مجھے میرے مطلب سے کر کامیاب

چوتھی جلد ۔ الٰہی ترا نام ہے گا مجیب

محبت نبیؐ کی مرے کر نصیب[۱۷۳]

"اعجازِ احمدی" کے آغاز میں شیدا نے وجۂ تالیف مثنوی میں جو اشعار لکھے ہیں ان ہی سے وابستگیٔ رسول اکرمؐ کا اظہار ہوتا ہے۔ ابتدائی شعروں سے ان کے نعت گوئی سے شغف کا پتہ چلتا ہے۔ لکھتے ہیں:

بہوت نعت کے توں قصاید کیا

معطر دماغِ سخن کوں رکھا

توں کر مثنوی معجزوں کی تمام

رکھا گلشن ایمان کر اوس کا نام[۱۸۰]

شیدا نے جن نعتیہ قصیدوں اور ذکر معجزات رسول اکرمؐ پر مشتمل مثنوی "گلشنِ ایمان" کی نشاندہی کی ہے وہ نایاب ہے اور اب تک کسی کتب خانے میں دستیاب نہیں ہوئی۔[۱۸۱] اگر یہ قصائد اور مثنوی مل جاتی تو نہ صرف شیدا کی نعت گوئی بلکہ اردو نعت کے ارتقائی سفر کے کئی نئے گوشے سامنے آتے۔

"اعجازِ احمدی" میں دو طرح کے نعتیہ عناصر ملتے ہیں۔ ایک تو خالص مدحِ رسول کا عنصر جو مثنوی کے آغاز میں ہے اور دوسرا عنصر تذکارِ سیرت کا ہے جو مثنوی کا اصل موضوع ہے۔ تذکارِ سیرت میں بھی جزوی طور پر عقیدتِ رسول کا اظہار ملتا ہے۔ شیدا نعت گوئی کے محاسن کا ادراک رکھتے ہیں اور مثنوی کے آغاز میں خدا سے تذکارِ رسول کے لئے جملہ شعری و فنی محاسن اور طبع کی روانی کی دعا مانگتے ہیں:

الٰہی میں تیرے نبیؐ کا بیاں

نظم بیچ چہتا ہوں کرنے عیاں

مری طبع کو چست و چالاک کر

رموزِ معانی کا دراک کر

فصاحت عطا کر سخن کوں میری
حلاوت ستی بھر دہن کوں میری
یہ اعجاز نامے کو مشہور رکھ
ہر اک بزم میں اس کا مذکور رکھ[۱۸۶]

نعتِ رسولؐ کا نمونہ ملاحظہ کیجیے:

حبیبِ خدا، سیّد المرسلیں
بنا جس کی خاطر کوں دنیا و دیں
...... سراپا تھا وہ ذاتِ پُرنور نور
اسی واسطہ اوس سیں سایہ تھا دور
...... چراغِ شبستاں ایماں ہے وو
گلِ معرفت کا گلستاں ہے وو
ہے قرآں ورق اس کے اعجاز کا
وہ واقف ہے سب غیب کے راز کا
بنوت اوپس اوس کے رب الجلیل
قمر کے کیا شق کوں روشن دلیل
شریعت کا کر اوس نے روشن چراغ
طریقت کا سب کوں بتایا سراغ
احد اور احمد میں ایک میم ہے
سو وہ میم از بہرِ تعظیم ہے
ہے وہ فقر کے ملک کا تاجدار
کیا رنج و محنت کتیں اختیار
ہے مضمون لولاک میں یوں عیاں
اگر وہ نہ ہوتا نہ ہوتا جہاں[۱۸۷]

شیدا کی مثنوی میں بلا کی روانی ہے۔ اس کی روانی میں شیدا کی سادہ و صاف زبان کے علاوہ اس کی بحر کے خاص آہنگ و موسیقی کا بھی عمل دخل ہے۔ یہ بحر مجلسی ضروریات کے تحت لکھی جانے والی مثنویوں میں بکثرت

استعمال ہوئی ہے۔ روانی اور سلاستِ زبان کے بعد شیدا کے کلام کی نمایاں خوبی ان کے ہاں شعری لطافتیں اور جملہ فنی محاسن ہیں۔ چند تشبیہیں ملاحظہ ہوں۔

؎ نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم ؎ شفاعت کے گلشن کا رنگیں بہار

؎ وہ ہے آئینہ ذاتِ اللہ کا ؎ ہے وہ انبیاء میں الف کی مثال

شیدا کی نعت میں زبان و بیان کی شگفتگی اور تشبیہات و استعارات کی تازگی کا احساس آج بھی ہوتا ہے سیرتِ طیبہ کے بیان میں شیدا نے ولی ویلوری کی نسبت روایت کی صحت کا التزام رکھا ہے۔ شیدا کے ہاں رزم نگاری اور جذبات نگاری کے اعلیٰ نمونے بھی نظر آتے ہیں۔ بہ حیثیتِ مجموعی شیدا نے اپنی منظوم سیرتِ رسولؐ سے اردو نعت کے اثاثہ میں اضافہ کیا۔

اس دور کی سیرتی مثنویوں میں سب سے زیادہ مبسوط، وسیع، تفصیلی اور مستند روایات و واقعات کی حامل ہشت بہشت ہے جسے مولانا محمد باقر آگاہ ارکاٹی نے لکھا۔ آگاہ، شاہ ابوالحسن قربیؔ کے مرید تھے اور انہیں عربی فارسی اور اردو میں شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا۔ آگاہ کی تصانیف کی تعداد ۲۰۲ بیان کی جاتی ہے۔ ان میں ۱۷۱ کتابیں اردو (دکھنی) میں ہیں۔[۱۸۸]

"ہشت بہشت" کا موضوع سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، یہ آٹھ رسالوں یا جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک جلد ایک علیحدہ نام سے موسوم ہے اور سیرتِ طیبہ کے مختلف مباحث سے عبارت ہے۔ اسی باعث ہر ایک رسالے کی جداگانہ حیثیت بھی ہے اور مختلف کتب خانوں میں ان کے الگ الگ قلمی نسخے بھی نظر آتے ہیں اور مکمل شکل میں بھی۔ "ہشت بہشت" کے شروع میں آگاہ نے ایک بسیط دیباچہ لکھا ہے جس میں وجہِ تالیف اور مضامین کے ماخذات کے ساتھ ساتھ سیرتِ رسولؐ کے بارے میں لکھے جانے والے ان رسائل کے زمانۂ تصنیف اور اشعار کی تعداد وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے اپنے مضمون 'قدیم اردو (دکھنی) میں سیرۃ النبیؐ' کے ذخیرہ میں آگاہ کے دیباچہ کا اقتباس دے کر اس سے درج ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

ا۔ ان رسالوں کی تصنیف ۱۱۸۴ھ سے ۱۲۰۶ھ تک ہوئی۔

ب۔ ان رسالوں کے اوزان علیحدہ علیحدہ ہیں۔

ج۔ کل اشعار کی تعداد ۹ ہزار ہے۔

د۔ ان کو شمال کی اردو میں نہیں لکھا گیا بلکہ دکھنی میں لکھا گیا ہے۔

ہ۔ عربی کی معتبر کتابوں سے معلومات اخذ کر کے ان کی تصنیف ہوئی ہے۔[۱۸۹]

ان رسالوں کے نام اور ان کے مباحث کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ من دیپک — اس میں نور محمدی کا بیان ہے۔

۲۔ من ہرن — اس میں نبوت کی بشارتوں کا بیان ہے۔

۳۔ من موہن — اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۴۔ جگ موہن — اس میں آٹھ سال کی عمر سے وفات تک کے حالات درج ہیں۔

۵۔ آرام دل — اس میں اخلاق و شمائلِ نبویؐ کا تذکرہ ہے۔

۶۔ راحتِ جاں — آنحضرتؐ کے خصائص کا حال درج ہے۔

۷۔ من درپن — اس میں معجزاتِ نبویؐ کا بیان ہے۔

۸۔ من جیون — اس میں آنحضرتؐ کے آداب اور آپؐ سے محبت رکھنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

"ہشت بہشت" اپنے موضوع، شاعرانہ محاسن اور دیگر فنی خوبیوں کے علاوہ اپنے نعتیہ عناصر کے باعث تفصیلی مطالعہ کی متقاضی ہے۔ یوں تو سیرتِ رسول اکرمؐ کا بیان محض بھی ہر دور کی نعت کا ایک اہم موضوع رہا ہے لیکن خالص مدح و ثنائے رسولؐ کے شعر جتنے "ہشت بہشت" میں ہیں اس تعداد میں اس دور کی دوسری سیرتی مثنویوں میں نہیں ملتے۔ رسول اکرمؐ کی سوانح کو منظوم کرتے ہوئے باقر نے جگہ جگہ اپنی عقیدت و محبت کا والہانہ اظہار کیا ہے اور موقع و محل کی مناسبت سے حضور اکرمؐ کے شمائل و خصائلِ حمیدہ کے اوصاف و محاسن کے بیان میں نعت کے پرکیف نمونے پیش کئے ہیں۔

"ہشت بہشت" کی ہیئت مثنوی کی ہے۔ ہر رسالے کی اپنی ایک بحر ہے۔ یوں اس میں بحروں کا تنوع بڑا رنگارنگ ہے۔ مختلف موضوعات اور مضامین کے آغاز میں اس زمانے کی روایت کے مطابق فارسی نثر میں عنوانات دیئے گئے ہیں۔

ہشت بہشت کے آغاز میں حمد، عقائد و ارکان، انبیائے کرام اور ان کے معجزات کا بیان ہے اور جملہ انبیائے کرام پر رسول اکرمؐ کی افضلیت اور خاتمیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس تمہیدی حصے میں اہل سنت کے چاروں مذہبوں کے برحق ہونے کا ذکر ہے۔ نیز آخرت اور عذابِ قبر وغیرہ سے متعلق بعض اخلاقی نوعیت کے مضامین ہیں جن کے مطالعہ سے مذہبی مسائل پر باقر کی وسیع معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس حصہ ہی میں (دیباچے کے اختتام پر) فضائلِ ذکرِ نبیؐ کا بیان ہے جو باقر کی نعت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے کچھ شعر درج ذیل ہیں:

گزرے ہیں جو اولیاء اور عالمان
متفق اس بات پر ہیں بے گمان

کہ نبیؐ کا ذکر ہر شام و سحر

افضل الاذکار ہے اے باخبر

..... گھر کو بینے کے ہے ذکر اس کا چراغ

جسم و جاں ہوتا ہے اس سے باغ باغ

ذکر سے اس کے ٹلے سب درد دکھ

ذکر سے اس کے ملے نت عیش و سکھ

..... سالکاں کو ذکر اس کا شمع راہ

عاشقاں کو ذکر اس کا ہے پناہ

عارفاں کو ذکر اس کا من لگن

واصلاں کو ذکر اس کا من موہن

انبیاء کو ذکر اس کا ہے انیس

اصفیاء کو ذکر اس کا ہے جلیس

یہ سلسلۂ اشعار کافی طویل ہے۔ اس میں باقرؔ نے آنحضرتؐ کی سیرت و سوانح کے بیان میں صحتِ روایات کی ضرورت و اہمیت کو واضح کیا ہے۔ باقر ان تصانیف کی مذمت کرتے ہیں جن میں بے سر و پا حکایات، غیر مستند روایات اور بلا تحقیق واقعات کو درج کر دیا جاتا ہے۔ یہ حصہ ایک اعتبار سے باقر کے زمانے کے مولود ناموں، وفات ناموں، معراج ناموں اور سیرتِ نبی کریمؐ کے موضوع پر لکھی جانے والی دوسری تصنیفات پر ایک تنقیدی حوالہ کا درجہ رکھتا ہے۔ فتاحی کی مثنوی "مفید الیقین" کے بارے میں لکھتے ہیں:

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات

اکثر اس میں ہے غلط اور جھوٹ بات

اور یوں نور و شمائل کا بیاں

اور یوں معراج نامہ اے میاں!

اور وفاتِ شاہ کا ذکر اس نمط

اکثر ان نسخوں کا مضموں ہے غلط

سیرت کے بیان میں احتیاط و احترام اور صداقت و صحت کا لحاظ باقر کی نمایاں خوبی ہے جو اسے ہم عصر سیرت نگاروں سے ممتاز ٹھہراتی ہے۔ باقر کے ہاں صحتِ روایات کا شعور اتنا واضح ہے کہ وہ اپنی تصانیف

میں بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک دوسری مثنوی کے دیباچے میں بھی آگاہ نے اپنی مثنویوں کو معتبر کتابوں سے اخذ کرنے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"اے بھائی! اکثر سب دکھنی کتاباں بنانے والے، بیان میں ایسی بہت غلط کئے ہیں کہ اس زبان کو بے اعتبار کر دے۔ اس لئے علماء ان کتابوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔ آج تک کوئی کتاب دکھنی صحیح و معتبر میری نظر میں نہیں آئی۔ بعض ان میں سر تا سر جھوٹ سے بھری ہیں اور بعض میں جھوٹ زیادہ اور بعضوں میں جھوٹ کم ہے۔ روایات موضوع کا سننا اور سنانا اور پڑھنا اور پڑھانا اشد حرام ہے۔ شکر خدائے تعالیٰ کا کہ میرے تمام رسائل صحیح و معتبر و نہایت مضبوط و مدلل ہیں۔ کوئی محدث اور صاحبِ علم کو مقدور نہیں کہ اس کی کوئی روایت پہ حرف رکھ سکے"[10]

اسی دیباچے میں آگے چل کر انھوں نے ولی ویلوری اور شیدا کی تصانیف "روضۃ الشہداء" اور "روضۃ الطہار" وغیرہ میں مندرج غلط روایات کی نشاندہی کی ہے۔

"ہشت بہشت" کے دیباچہ میں باقر نے ان کتابوں کے نام بھی گنائے ہیں جنھیں وہ معتبر و مستند خیال کرتے ہیں اور جن سے انھوں نے اپنے مضامین اخذ کئے ہیں۔ باقر نے جن ماخذوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

فتح الباری۔ کتابِ شفا۔ عیون الاثر۔ شمائلِ ترمذی مع شرح ملا عصام و شیخ ابن حجر۔ رسائل مولود شریف تصنیف حافظ جلال الدین سیوطی۔ اصابہ۔ وفا الوفا۔ جواہر العقدین۔ حسن التوسل۔ تحفۃ الاخیار۔ فتح المتعال۔ حیاۃ الحیوان۔ روضۃ الاحباب۔ معارج النبوۃ تصنیف مولانا معین الدین ہروی۔ شواہد النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ جذب القلوب وغیرہ۔

اس صراحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ باقر کے نزدیک صحتِ روایات کی کس قدر اہمیت تھی۔ "ہشت بہشت" اردوئے قدیم کی وہ پہلی منظوم سیرت ہے جس میں فن سیرت و نعت کے لوازمات و مقتضیات کے بارے میں بعض بنیادی تنقیدی اشاروں کا سراغ ملتا ہے۔ آیئے ان تمہیدی مباحث کے بعد "ہشت بہشت" کے مختلف رسائل کا جائزہ لیں۔

۱۔ من دیپک

یہ ہشت بہشت کا پہلا رسالہ ہے جو ۶۰۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کی بحر مختصر اور مترنم ہے۔ اس کا مرکزی موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مقدس کا بیان ہے۔ اس موضوع پر باقر سے پہلے اور بعد میں "نور نامہ" کے نام سے متعدد منظومات ملتی ہیں۔ سیرتِ رسول اکرمؐ کے سلسلے میں اکثر سیرت نگاروں اور شاعروں

نے اپنی تصانیف کے آغاز میں اسی موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ باقرؔ نے بھی اسی موضوع کو اولیت دی۔ حمد و نعت منقبت غوث الاعظمؒ اور اپنے مرشد کی مدح وغیرہ کے بعد آپؐ کی تعریف میں ایک حدیثِ قدسی کو یوں بیان کرتے ہیں:

نہ ہوتا گر تو اے سلطاں
نہ کرتا میں یہ کل منڈاں
نا ارض و سما نا لوح و قلم
نا جنّ و ملائک نا آدم
ان سب کو کیا ہوں تجھ خاطر
اور تجھ کو کیا ہوں مجھ خاطر[۱۱۱]

۲۔ من ہرن

یہ رسالہ ۱۵۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کا بیان ہے۔ باقرؔ نے توریت، انجیل اور دوسری کتب و صحائفِ سماوی کے حوالے سے آپؐ کے بارے میں مبشرات کو قلمبند کیا ہے:
نعت کا نمونہ دیکھئے:

احمدِ مختار دونوں جگ کا نور
آدم و عالم کو ہے جس سے ظہور
جس کو ہے خوش نام رؤف و رحیم
سب کے اوپر جس کی ہے رحمت عمیم
جو ہے گرفتار بجرم و گناہ
اس کو ہے اس سرورِ دیں کا پناہ
جو ہے سماوات و زمیں کے اوپر
اس کا طلبگار ہے شام و سحر[۱۱۲]

۳۔ من موہن

یہ رسالہ ۱۱۸۹ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں ۲۰۰ شعر ہیں۔ اس کا موضوع حضور سرورِ کائناتؐ کی ولادت باسعادت ہے۔ یہ "ہشت بہشت" کا تیسرا حصہ ہے مگر موضوع کے اعتبار سے پہلے حصوں سے مربوط ہے۔ باقرؔ اس سے پہلے کے دو حصوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کی وجہ تالیف کو یوں بیان کرتے ہیں۔

پہلے حصے میں اسے حقیر غریب
خوش لکھا توں بیانِ نورِ حبیبؐ
دوسرے میں لکھا ہے شوق سے توں
اس کے مولود کی بشارت کوں
کر تو ہر مو کوں اپنی موسیقار
اب ولادت کے اس کی لکھ اخبار
...... رکھ یہ نسخے کا نام من موہن
کر وسیلہ اسے تو احمدؐ کن [۱۹۴]

اس رسالے میں حضور اکرمؐ کی ولادت، وضع حمل کی کرامات و حکایات، شیر خواری سے سنِ تمیز تک کے زمانے کے نمایاں واقعات کا بیان ہے۔ آغاز میں حمد کے ۱۱ شعروں کے بعد نعتِ رسول اکرمؐ میں ۱۲ شعر ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

جس کی ہے نور سے جہاں پیدا
جس کے ہیں ملکھ یہ کن فکاں شیدا
جس کی مشعل عدم کی ظلمت سوں
وہ بتائے وجود کی سب کوں
جس کا ہے دیکھنا خدا کا شہود
جس کا ہے نام وردِ ہر موجود
مکتبِ علم میں ہیں جس کے ملک
ہور رسل، طفلِ بے زباں بے شک [۱۹۵]

اس مثنوی میں حضورؐ کی ولادت کی مناسبت سے افرادِ خانہ اجنابہ آمنہؓ اور جناب عبد المطلب کی زبانی خوشی کا اظہار اور آپؐ کی نعت کا بیان بھی ملتا ہے جو ایک منفرد اسلوب کا حامل ہے۔ اسی طرح آخر میں بولہب کا وہ مشہور واقعہ بھی قلمبند کر دیا گیا ہے جس میں (لونڈی ثوبیہ کی زبانی آپؐ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنتے پر اس کو آزاد کر دینے کے صلے میں) عذابِ قبر سے کچھ وقت کے لئے تسکین ملنے کی روایت کا ذکر ہے۔ اس کا عنوان ہے:

"در بیان ایں رسالہ میمنت انجام و مناجات بجناب خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام"۔

اس میں بیان کرتے ہیں کہ کسی صحابیؓ نے ایک روز بولہب کو خواب میں دیکھا اور مرنے کے بعد جو حالت اس پر

گزرے معلوم کئے۔ بولہب نے جواب دیا کہ میں ہمیشہ رنج و عذاب میں مبتلا رہتا ہوں۔ صرف اس بات کو مجھے تسکین ہوتی ہے جس میں میں نے اپنی لونڈی ثوبیہ کو پیغمبرِ اسلام کی ولادت کی خوشخبری سنانے کے عوض آزاد کر دیا تھا اور اسی حالت میں مجھے پیاس بھر پانی نصیب ہوتا ہے۔ باقر اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

دیے دشمن کوں اور سرور و طرب
یوں حمایت کیا بر رنج و تعب
جو کہ لایا ہے شمہ اوپر ایماں
ہو رہے بلمار اس پہ بادل و جاں
ہوئے خوش اس کے گر تولد سوں
نعمتاں کیا ملیں گی کہوں اس سوں[۱۹۱]

اس میں حضورؐ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرنے کے برکات و ثواب کا ذکر ہے۔ انعقادِ مجالسِ میلاد کے سلسلے میں یہ مضمون نعت گو شعرا خصوصاً میلاد نگاروں کے ہاں عام نظر آتا ہے۔

اس کے آخر میں ایک مناجات بطورِ غزل ہے۔ اس کا مطلع و مقطع ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

یا رسولِ خدا تمہارا ہوں
جان و دل سے خدا تمہارا ہوں

عفو باقر کی اب کرو تقصیر
از برائے خدا تمہارا ہوں[۱۹۲]

من موہن میں مولانا باقر نے مختلف عنوانات کے تحت، بہ روایات مختلف آپؐ کے معجزات بھی بیان کئے ہیں جن میں بتانِ عرب کا سرنگوں ہونا اور آسمان پر شیاطین کا موقوف ہونا وغیرہ کو نظم کیا ہے:

۴۔ جنگ موہن

۱۸۱۔ اشعار پر مشتمل چوتھے رسالے کا سنِ تصنیف ۱۱۵۵ھ ہے۔ اس میں آپؐ کے اعلانِ رسالت تک کی زندگی کے مشہور واقعات کا بیان ہے۔ حضرت ابوطالب کی کفالت، شام کا سفر، جنابِ خدیجہؓ سے عقدِ مبارک اور دیگر چالیس سال کی عمر تک کے احوال قلمبند کر کے باقر نے اسے پہلے رسالوں سے مربوط کر دیا ہے۔ اس میں نعت کے شعروں کا نمونہ دیکھئے:

جس سے صحرائے قدم ہے گلشن
جن سے ظلماتِ عدم ہے روشن

اس کی جاں جلوہ گر ذات و صفت

انبیاء کو نہ ملی جز نسبت

جس کی امت میں رسولاں سارے

کوئی نعت اس کی کرے کیا بارے [۱۶۲]

جگ موہن میں آگے چل کر نبوت کے ہر سال کے واقعات بیان کئے ہیں۔ مثلاً ہجرت کے دوسرے سال میں تحویل قبلہ، فرض صیام، عقد بی بی فاطمہؓ، صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا فرض ہونا، غزوہ بدر، بی بی رقیہؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح وغیرہ کا ذکر ہے۔ یوں حضور اکرمؐ کی وفات مبارک تک کے کم و بیش تمام موضوعات پہلے چار رسائل میں آجاتے ہیں۔ بعد والے رسائل میں جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے آپ کے شمائل، اخلاق، خصائص، معجزات اور آپ کے احترام و آداب کا تذکار ہے۔

۵۔ آرام دل

اس رسالے کی تصنیف ۱۱۸۵ھ میں ہوئی۔ اس کے اشعار کی تعداد ۱۲۵۲ ہے۔ اس میں تین باب ہیں۔ پہلے باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کا ذکر ہے۔ اس کے عنوانات و ترتیب کا انداز شمائل ترمذی سے ملتا ہے۔ باقر نے بھی حافظ محمد بن عیسٰی (مرتب شمائل ترمذی) کی طرح حضور اکرمؐ کے روئے مبارک، چشم مبارک اور گوش مبارک سے لے کر آپ کی جبیں، ابرو، بینی، دہن، تبسم، آواز، فصاحت اور رفتار مبارک وغیرہ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ یہ باب آپ کی بوئے خوش و عرق مبارک تک بیسیوں مضامین کے اوصاف کے بیان پہ مشتمل ہے۔ "ہشت بہشت" کے دوسرے حصوں کی طرح اس کے عنوانات بھی فارسی میں ہیں۔ نمونے کیلئے یہ عنوان دیکھئے:

در صفت تبسم و ضحک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

در صفت قامت زیبائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

در صفت رفتار جانفزائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ..... وغیرہ

اس رسالے کا دوسرا باب آپ کے حسن سیرت کے بیان پر مشتمل ہے اور تیسرے باب میں آپ کی عادات شریفہ کا ذکر ہے۔ بحیثیت مجموعی "آرام دل" آنحضرتؐ کی سراپا نگاری کے عمدہ نمونے کے ساتھ ساتھ آپ کے عادات و خصائل، خلق مبارک، صفت حیاء اور رحمت و شفقت کے مضامین سے عبارت ہے۔ اس میں نعت کا نمونہ ملاحظہ کیجئے:

حقیقت میں سب کا ہے مطلوب او

ہیں سب عاشقاں اور محبوب او

او مہتاب ہے سب خلائق چکور
دو عالم میں ہے حسن کا اوس کے شور
سب اخلاق پاک اوس کے بے قال و قیل
کمالات روحی اوپر تھے دلیل[۱۹۸]

شمائل نبوی کے بیان میں باقر نے احادیث کے واقعات و روایات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ وہ حضور کی صفات کو بعض اوقات قصہ کے انداز میں پیش کرتے ہیں جس سے شعروں میں دلچسپی کا عنصر بڑھتا ہے۔ جناب عائشہؓ کی زبانی روئے مبارک کی روشنی کا بیان دیکھئے:

گری سوئی مجھ ہاتھ سے بر زمیں
لگی ڈھونڈنے میں اسے ہر کہیں
کہ اتنے میں آیا سراج الانام
کہ ہے نور سے جس کے عالم تمام
پڑا اوس کے چہرہ کا اس طرح تاب
کہ مجھ کو ملی سوئی میری شتاب[۱۹۹]

اسی طرح آپ کے حسنِ سیرت کے بیان میں حضرت عائشہؓ کا مشہور جملہ (جو احادیث و سیرت کی کتابوں میں اکثر ملتا ہے) کو جامعیت سے قلمبند کر کے کہتے ہیں:

ع کہ خلق اوس کا قرآن تھا سر بسر

احادیث کی طرح قرآن کے حوالے بھی نظر آتے ہیں۔ صفتِ حیا میں باقر کا یہ شعر دیکھیے:

بیاں کیا کروں اوس کی شرم و حیا
"فیستحی منکم" ہے قولِ خدا[۲۰۰]

۶۔ راحتِ جاں

یہ سن ۱۱۸۶ھ میں تصنیف ہوا اس کے اشعار کی تعداد ۲۰۱۰ ہے اور اس میں باقر نے حضور اکرمؐ کے خصائص بیان کئے ہیں۔ جو چیزیں آپؐ پر فرض تھیں ان کا ذکر کیا ہے۔ جو چیزیں آپؐ پر حرام مگر آپؐ کی امت کے لئے حلال، نیز جو چیزیں آپؐ پر مباح مگر آپؐ کی امت پر حرام ہیں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں آپؐ کے دنیوی خصائص کے علاوہ اخروی خصائص کو بھی شاعری کا موضوع بنایا گیا ہے۔ آپؐ کے فضائل و کرامات کے ساتھ امتِ محمدی پر اللہ تعالے

کے انعامات کا بھی ذکر ہے :

جوں خدا کی حمد میں حیران ہے عقل

یوں نبیؐ کی نعت میں ناداں ہے عقل

احمد مرسل، شہنشاہِ رسل

سرورِ عالم، امامِ جزو و کل

...... جب خلائق کو ہوا اوس سے ظہور

اس سبب سے حق دکھا نام اوس کا نور[۲۰۱]

راحت جاں کے آخر میں حضور اکرمؐ کے واسطے سے خدا تعالے کے حضور ایک موثر اور پُر درد التجا ہے جس میں شہادت کی آرزو اور مدینے میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار اور دعا کی گئی ہے۔

۷۔ من درپن

یہ رسالہ "راحت جاں" کے قریباً ۳۰ سال بعد یعنی ۱۲۰۶ھ میں لکھا گیا۔ اسی سبب اس کی زبان پہلے رسالوں سے مختلف اور زیادہ صاف ہے۔ اس میں ۲۱۹۱ اشعار ہیں۔ اس میں حضور اکرمؐ کے معجزات کا بیان ہے۔ اردوئے قدیم میں معجزاتِ رسولِ اکرمؐ پر یہ سب سے زیادہ طویل، مبسوط اور مستند کتاب ہے۔ اسی سبب "بہشت بہشت" کا یہ رسالہ علیحدہ طور پر "معجزاتِ نبی کریمؐ" کے نام سے بھی مشہور ہے۔

اس میں حمد و نعت، منقبتِ شاہ جیلانیؒ اور مدحتِ سید ابوالحسن قربی کے بعد معجزات کا بیان ہے (معجزات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے)۔ معجزات کے اختتام پر "عرضِ احوال سراپا اختلال" ہے جو ایک پُر درد مناجات کی صورت میں ہے۔ اس میں اپنی ہیچمدانی، ضعفِ پیری اور پریشان حالی کا نقشہ کھینچا ہے۔ ہندوستان میں کفر کی گرم بازاری کی شکایت کی ہے اور تمنا کی ہے کہ :

مدام اس فکر میں ہے یہ کمینہ

کہ چِتا سر سے جاوے تا مدینہ

رہے واں ہور مرے واں اور اللہ واں

عنایت سے تیری یہ سب ہے آساں[۲۰۲]

آغاز کے نعتیہ اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے :

ہے گنجِ غیب کا مفتاحِ اسرار

ہے بیت القدس کا مصباحِ انوار

...... حروف اوس کے ملائک پور رسل ہیں
نقاط و سطر اوس کے جز و کل ہیں
...... مقامِ خاص "او ادنیٰ" ہے جس کا
خدا بن کوئی نہیں واتا ہے جس کا
تھے جس کے پیشکاراں انبیأ سب
تھے جس کے مژدہ گویاں اصفیأ سب[۲۰۳]

۸ - من جیون

ہشت بہشت کا آخری رسالہ "من جیون" بھی "من درپن" ہی کے سال تصنیف (۱۲۰۶ھ) میں مکمل ہوا۔ اس کے اشعار کی تعداد ۱۰۸ ہے۔ اس رسالے کے تین باب ہیں۔ پہلے باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی فرضیت کا بیان ہے۔ دوسرے میں درود پاک کے فضیلت اور برکات کا ذکر ہے۔ تیسرے باب میں حضورؐ کی زیارت کے فضائل اور آداب کا بیان ہے۔ یہ حصہ نہایت موثر اور درد میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کے کچھ اشعار دیکھئے:

بیٹھا ہے تو کیا چل اے برادر
طیبہ کی طرف قدم کر از سر
.... در مشرب عاشقانِ حیراں
ہے فرض زیارت اس کی اے جاں
..... اے آئینہ دار نورِ وحدت!
اے صبحِ بہارِ واحدیت
..... پکڑا اول میں تیرا آستانہ
بن تیرے نہیں مجھے ٹھکانا
تو اپنی عطاو مرحمت سے
کر مجھ کو نہال عاقبت سے
گر جلوہ کرے گا مہر تیرا
جاوے گا یہ سب میرا اندھیرا[۲۰۴]

من جیون بھی باقرؔ کے مخصوص طرزِ اظہار سے مملو ہے۔ اپنے بیان کی وضاحت اور استشہاد کے لیے انہوں نے

قرآن اور احادیث کے حوالے دیئے ہیں اور صحابہؓ کے بہت سے واقعات کو نقل کیا ہے۔

بحیثیت مجموعی "ہشت بہشت" موضوع اور بیان کے لحاظ سے اردو نعت کے ارتقاء میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ نامہ کی نسبت سے تمام دکنی منظومات کا ماحصل "ہشت بہشت" کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ سیرت رسولؐ سے متعلق اس کے متنوع موضوع، مختلف بحریں اور رنگا رنگ اسالیبِ نعت اس دعوے کے شاہد ہیں کہیں اس میں بیان کا عنصر نمایاں ہے۔ کہیں خطاب کا کہیں مدحت نگاری ہے اور کہیں جذبات و عقیدت نگاری، باقر کا تفصیلی اندازِ تحریر اسے مزید وسیع اور بھرپور بناتا ہے۔ "ہشت بہشت" کی سب سے بڑی خوبی اس میں صحتِ واقعات کا التزام ہے جو اسے سیرتی مثنویوں میں سب سے ممتاز ٹھہراتا ہے۔

جنوبی ہند میں اردو نعت کی روایت کو محمد باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ) کے بعد اور بہت سے شاعروں نے آگے بڑھایا۔ تیرھویں صدی کے نعت گو شاعروں میں شیر محمد خان ایمان، اعز الدین خان نامی (م ۱۲۴۰ھ) خواجہ فیاض الدین بندہ (م ۱۲۵۵ھ) خواجہ معین الدین شاہ خاموش (م ۱۲۸۸ھ) خواجہ عبداللہ خان خیر محمد حیات خاں حیات میسوری، فیاض الدین خاں ادب، شیخ محمود علی ناظم حیدر آبادی اور ظہور الدولہ نواب ارسطو جاہ خصوصیت کے ساتھ معروف ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں نعت گوئی کی اسی روایت کو خطیب بادشاہ مدراسی (م ۱۳۴۴ھ) اور سیٹھ محمد اسماعیل معصوم مدراسی (م ۱۳۳۸ھ) نے آگے بڑھایا۔ ان دونوں شاعروں کے نعتیہ کلیات طبع ہو چکے ہیں۔

اسی دور کی نعت گوئی میں ترچناپلی کے غلام مصطفےٰ راسخ (صاحبِ چمنستانِ راسخ) کا نام بھی لیا جا سکتا ہے مزید تفحص و تلاش سے اس فہرست میں اور بھی بیسیوں ایسے شاعروں کا اضافہ ہو سکتا ہے جنہوں نے فکری و فنی طور پر اردو نعت کی روایت کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اس میں قابلِ قدر اضافے کئے مگر ان شعراء کے کلام پہ تبصرہ کا یہاں محل نہیں ہے اس باب میں صرف اردوئے قدیم کے سلسلے میں جنوبی ہند کی نعت گوئی کا جائزہ مقصود ہے۔ بعد کے دور کے شعراء کی تخصیص جنوبی و شمالی ہند کے بجائے عہدِ جدید اور عہدِ حاضر سے کی گئی ہے اور ان کا ذکر متعلقہ ابواب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

جنوبی ہند کی نعت گوئی کا جائزہ

جنوبی ہند کی نعت گوئی کا جائزہ مجموعی طور پر لینے سے قبل اجمالی طور پر ان ماخذات و مراجع کا ذکر ضروری ہے جن کے سبب اردو نعت کا آغاز ہوا اور اس نے ارتقا کی اولین منزلیں طے کیں جیسا کہ ہم اس باب میں ذکر کرتے ہیں ان ماخذات میں چار طرح کی شعری تخلیقات ملتی ہیں:

۱۔ صوفیائے کرام کے عارفانہ گیت اور چکریاں جن میں اردوئے قدیم کی نعت گوئی کے نمونے ملتے ہیں۔

۲۔ بزرگانِ کرام کی مذہبی تصانیف اور سیرتی مثنویاں

۲۔ قصص اور داستانوی مثنویوں کے آغاز میں (نعت گوئی کی روایت کے تحت لکھے گئے) نعتیہ اشعار

۴۔ شاعری کی دوسری اصناف غزل، قصیدہ، رباعی، مستزاد وغیرہ میں لکھی گئی نعتیں جو جنوبی ہند کے شعرا کے کلیات میں ملتی ہیں!

مذکورہ بالا ماخذات سے ملنے والے اثاثہ نعت کا غالب حصہ بزرگانِ کرام کی مذہبی شعری تصانیف اور سیرتی مثنویوں سے ماخوذ ہے۔ ان سیرتی مثنویوں میں نامہ کی ترکیب سے ملنے والی شعری تصانیف کی کثرت ہے جن میں سے نمایاں تصانیف درج ذیل ہیں:

نوعیت	نام تصنیف	مصنف	سن تصنیف	کیفیت
نورنامے	نور نامہ	شریف	۱۱۱۵ھ	
	نورنامہ	سیدی	؟	تذکرہ اردو مخطوطات (ہاشمی) جلد اول میں ۱۸۷
	نورنامہ	ملک خوشنود	؟	زور نے اسے ملک خوشنود کی امکانی تصنیف قرار دیا ہے
	نورنامہ	مختار	گیارھویں صدی ہجری	
	نورنامہ	احمد	۱۰۸۹ھ	
	نورنامہ	عنایت شاہ قادری	۱۱۱۱ھ	۱۵۴۰ ابیات پر مشتمل ہے فارسی کے ایک نثری رسالہ کا منظوم ترجمہ ہے۔
مولودنامے	مولود نامہ/ تولدنامہ	عبدالملک بحروچی	۱۰۰۹ھ	
	تولدنامہ	امین گجراتی	بحدود ۱۰۰۹ھ	اڑھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے
	مولودنامہ	عبداللطیف	بحدود ۱۰۷۴ھ	
	مولودنامہ	مختار	۱۰۹۰ھ	
	مفید الیقین	فتاحی	۱۰۹۵ھ	
	مولودنامہ	شاکر	۱۱۰۰ھ	
	مولودنامہ	قاسم	؟	بارہ مجالس پر مشتمل ضخیم مثنوی
	تولدنامہ	؟	؟	

نوعیت	نام تصنیف	مصنف	سن تصنیف	کیفیت
نمبر ۲۰ وفات نامے	وفات نامہ	عبدالطیف	۱۰۶۴ھ	
	وفات نامہ	عالم گجراتی	۱۰۸۷ھ	
	وفات نامہ	امین گجراتی	بعد ۱۱۰۹ھ	
	درد نامہ	شیخ محبوب عالم	عہد عالمگیر	
	وفات نامہ سرور کائنات	علی بخش دریا	۱۱۱۱ھ	
	وفات نامہ سرور کائنات	امامی دکنی	۱۱۴۰ھ	
	وفات نامہ و مجلس	فیاض ولی ویلوری	بعد ۱۱۶۱ھ	
	روضۃ الانوار	نوازش علی شیدا	۱۱۶۳ھ	۸۰ ہزار ابیات پر مشتمل ہے
	مدینۃ الانوار	علامہ اعزاز الدین مستقیم جنگ	۱۲۱۲ھ	
	وفات نامہ	شاہ محمد قادری دریا	؟	
	وفات نامہ	افصحی	؟	مختصر مثنوی
	وفات نامہ پیغمبر	میر	؟	ایک غیر معروف شاعر
معراج نامے				
	معراج نامہ	معظم بیجاپوری	۱۰۸۰ھ	
	معراج نامہ	سید بلاق حیدرآبادی	۱۰۵۶ھ	
	معراج نامہ	مختار	۱۰۹۴ھ	
	معراج نامہ	سید میراں ہاشمی بیجاپوری	۱۰۹۹ھ	
	معراج نامہ	امین گجراتی	بعد ۱۱۰۹ھ	
	معراج نامہ	اعظم دکنی	۱۱۲۰ھ	بابا گیسو دراز (فارسی شاعر) کے مرید تھے
	معراج نامہ	اعظم بیجاپوری	۱۱۷۷ھ	یہ شاہ درویش قادری کے شاگرد تھے
	معراج نامہ	شاہ ابوالحسن قربی بیجاپوری	۱۱۴۰ھ	
	عزالمعانی	محمد بن مجتبیٰ حیدری	۱۱۸۱ھ	
	معراج نامہ	شاہ کمال الدین کمال	۱۱۹۱ھ	
	معراج نامہ نظم و نثر	شفیق اورنگ آبادی	ما قبل ۱۲۰۰ھ	

نوعیت	نام تصنیف	مصنف	سن تصنیف	کیفیت
	ریحان معراج	میر منظور حسین ضمیر	۱۲۴۷ھ	
	چرطیات نصرتی		ماقبل ۱۰۸۳ھ	یہ قصیدہ کی ہیئت میں ہے۔ ۱۲۴ اشعار پر مشتمل ہے۔
معجزات نامے				
	قصیدہ معجزہ	جنونی گجراتی	۱۱۰۰ھ سے قبل	
	قصیدہ معجزہ	جنونی گجراتی	۱۱۰۲ھ	
	قصیدہ ہرنی	؟	۱۱۰۰ھ	
	باز و فاختہ	؟	ماقبل ۱۱۰۰ھ	
	معجزاتِ رسالت	مخدوم حسینی		
	من درین	مولانا محمد باقر آگاہ	۱۲۰۶ھ	ہشت بہشت کا حصہ ہے "معجزات نبی کریم" کے نام سے الگ رسالے کی صورت میں بھی موجود ہے ۱۲۶۱ اشعار پر مشتمل ہے
	معجزات النبیؐ	جان محمد عاجز	ماقبل ۱۲۴۷ھ	
شمائل نامے				
	شمائل النبیؐ	عبدالحمد ترین	ماقبل ۱۱۵۰ھ	یہ پشتو سے ترجمہ کیا گیا ہے
	شمائل محمدیؐ	صاحبان عثمان	اوائل بارھویں صدی	
منظوم سیرتیں				
	روضۃ الانوار	ولی ویلوری	۱۱۵۹ھ	
	اعجاز احمدی	نوازش علی شیدا	۱۱۸۶ھ	
	ریاض السیر	غلام محمد حسرت	؟	
	ہشت بہشت	مولانا محمد باقر آگاہ	۱۱۸۴ھ — ۱۲۰۶ھ	یہ ضخیم مثنوی آٹھ حصوں پر مشتمل ہے
	مختار التفاسیر	سید امیر الدین حسین	بعد ۱۲۵۰ھ	دکنی کے چند مضامین (لا ہاشمی) ص ۹۴ میں اس مثنوی کے ابواب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے موضوع پر ملنے والی تصانیف کی مذکورہ بالا فہرست صرف ان مشہور اور نمایاں کتابوں پر مشتمل ہے جن کا ذکر دکنی شعر و ادب کی تاریخوں میں بکثرت ملتا ہے۔ اگر مزید تخصص و تلاش

سے کام لیا جاتا اور یورپ و پاک و ہند کے مختلف کتب خانوں میں موجود مخطوطات کی فہرستوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس طرح کی سینکڑوں تصانیف نظر آئیں گی۔

جنوبی ہند میں سیرت و نعت کا زیادہ تر سرمایہ انہی (مذکورہ بالا) تصانیف سے ماخوذ ہے اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ان کے مصنفین میں زیادہ تعداد صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی ہے اور ان میں اکثر کتابیں مجلسوں میں پڑھنے کی غرض سے لکھی گئیں۔

جنوبی ہند میں اردو نعت کی روایت جس کے مآخذات و مراجع کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے قریب ساڑھے پانچ صدیوں کو محیط ہے۔ اس طویل مدت میں نہ صرف اردو نعت نے اپنے آغاز و ارتقا کی اولیں منزلیں طے کیں بلکہ مختلف موضوعات اور اسالیب میں پختگی بھی پیدا کی۔ اردو نعت کی دکنی و گجراتی روایت کا جائزہ لینے کے لئے جب ہم ان ساڑھے پانچ صدیوں میں تخلیق ہونے والے شعری ادب کا بحیثیت مجموعی جائزہ لیتے ہیں تو درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ اردو نعت کا آغاز بھی اردو زبان ہی کے ساتھ ہوا۔ اور عربی و فارسی کی طرح یہ صنف بعد میں کسی زبان سے منتقل نہیں ہوئی۔ اردوئے قدیم میں صوفیائے کرام کی چکریاں اور دوسری مذہبی تصانیف اس امر کی گواہ ہیں کہ اردو نعت کے ماخذ کا ادبی ورثہ بھی وہی ہے جو اردو زبان کا۔

۲۔ اولین نعت گو صوفیائے کرام تھے جنہوں نے تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں بعض ایسی تصانیف لکھیں جن میں دوسرے مذہبی و اخلاقی مسائل کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح اور فضائل و خصائل کا بیان بھی شامل ہے۔ نعت جو ایک اعتبار سے صوفیانہ اور مذہبی شاعری ہے اپنی ابتدا اور فروغ کے لئے ان صوفیائے کرام ہی کی مرہونِ منت ہے۔

۳۔ اردو نعت کا اولین سرمایہ فنی سے زیادہ تبلیغی، اصلاحی اور مقصدی نوعیت کا ہے۔ صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی تصانیف سیدھے سادے انداز کی مسلسل نظمیں ہیں جن کا مقصد لوگوں کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے روشناس کرانا اور ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کرنا ہے ظاہر ہے ان کے مخاطب وہ خواص نہیں تھے جو علوم دینی و دنیوی سے بہرہ اندوز تھے اور جن کو عربی فارسی پر دسترس حاصل تھی۔ اصلاً ان کا خطاب ان ہزاروں عوام سے تھا جو ادبی لطافتوں اور نزاکتوں سے نا آشنا تھے اور جن کے ساتھ صاف سیدھی زبان میں دینی اور اخلاقی مضامین پر گفتگو کی ضرورت تھی۔ لہٰذا ابتدائی تخلیقی ادب میں زیادہ تر زبان و فن کا عوامی انداز نظر

آتا ہے۔ البتہ کہیں کہیں اعلیٰ اور معیاری نعت کے نمونے بھی نظر آتے ہیں۔

۲۔ دکنی نعت کے موضوعات اور ان کا اسلوب بیان عوام پسند ہے۔ موضوعات میں حضور اکرمؐ کی سیرت کے ان پہلوؤں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے جو عوام کے لئے جاذب توجہ اور دلچسپی کا موجب ہوں دکنی نعتیہ سرمایہ کا غالب حصہ آپؐ کے معجزات، خصوصاً معراج کے ذکر سے متعلق ہے۔ معراج پہ جداگانہ تصانیف کے علاوہ بہت سی دکنی مثنویوں کے آغاز میں حمد و نعت کے بعد خصوصیت سے واقعہ معراج کو نظم بند کیا گیا ہے۔ مقامی ماحول و معاشرت اور ہندی دیومالا و اصنام پرستی کے زیر اثر معجزاتِ رسول اکرمؐ کے بیان میں بعض غیر مستند واقعات و روایات بھی داخل ہو گئیں اور جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اظہار و بیان کے تمثیلی انداز نے بعض غیر حقیقی واقعات کو بھی نعت و سیرت کا جزو بنا دیا اور یوں موضوع کو دلچسپ بنانے کے لئے ایک ایسا سلسلہ چل نکلا جس کے اثرات بعد کی نعت گوئی خصوصاً میلاد ناموں میں بہ آسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔

اسلوبِ بیان میں مقامی معاشرت میں پھیلے ہوئے ذوقِ موسیقی اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا گیا۔ ہندی گیتوں کے انداز اور اوزان میں جکریاں، دوہرے اور گیت لکھے گئے جن کا موضوع صوفیانہ تھا گو جنہیں ہندی راگوں کی طرز پر لکھا گیا۔ بعض صوفیائے کرام نے ایسی شعری تخلیقات اور گیتوں کے ساتھ ان کے راگوں اور اوزان موسیقی کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ شیخ باجن اور محمود دریائی کے ہاں اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان صوفیانہ گیتوں اور دوہروں میں حمد کے ساتھ نعت کا موضوع بھی ملتا ہے۔ زبان کی تنگ دامانی کے باوجود ان ابتدائی نعتیہ جکریوں میں جذبات کی فراوانی موجود ہے۔ گیتوں کے بول اور دوہروں کی زبان اگرچہ عجز کا اظہار کر رہی ہے مگر عشق رسولؐ کا لپکتا ہوا جذبہ ہے کہ دیئے کو خاطر میں نہیں لاتا اور شاعر خود اسے بے پایاں جذبے میں پگھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ نعت کے جذبہ کو فروغ دینے میں ان جکریوں نے بڑا کام کیا اور راگوں کے ذریعے ان جکریوں اور دوہروں کے بول نگر نگر پھیل کر لوگوں کے دلوں میں اتر گئے۔

جکریوں کے علاوہ دوسری شعری تصانیف جو سیرت و نعتِ رسول اکرمؐ کے موضوع سے متعلق ہیں ان کے پس منظر میں مجلس آرائی کا جذبہ کار فرما ہے۔ اردوئے قدیم کی غالب تصانیف مجلس میں سنانے اور پڑھنے کے لئے تخلیق ہوئیں، مذہبی تقریبات میں بار بار پڑھے جانے کے سبب

معراج ناموں، میلاد و وفات ناموں اور دوسری مذہبی تصانیف کے کچھ حصّے سامعین کو یاد بھی ہو جاتے۔ بحور میں ترنم اور زبان میں سلاست اور بیان میں روانی کے عناصر ان تصانیف کی تخلیق کے پس منظر میں ملحوظ رہے ہیں۔

۵۔ ہیئت میں مثنوی پسندیدہ و مرغوب خیال کی جاتی رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ قصہ گوئی اور بیان میں ربط و تسلسل کی ضرورتیں ہیں جو مثنوی سے خاص ہیں۔ نعت سے متعلق کم و بیش تمام تصانیف مثنوی ہی کی ہیئت میں ہیں۔

مذہبی مثنویوں کے علاوہ نعت، کا اثاثہ عشق و محبت کے موضوع اور داستانوں پر لکھی گئی مثنویوں میں بھی ذیلی حیثیت سے موجود ہے۔ ان اجزا کو اردو مثنویوں میں نعتیہ عناصر کے عنوان سے جمع کیا جائے تو اس کی مقدار اس عہد میں ایک صنفِ سخن کے طور پر لکھی گئی نعتوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ مثنوی نگاری کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں کہانی خواہ ملکی ہو یا غیر ملکی، موضوع معاشرتی ہو یا اخلاقی، ان کے آغاز میں حمد و نعت (اور منقبت) کا اہتمام ضرور کیا جاتا ہے اور اصل قصہ یا موضوع اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے ہر کام کو نامِ خدا اور یادِ رسولؐ سے شروع کرنے اور خیر و برکت حاصل ہونے کا عقیدہ کارفرما ہے۔ ایک دو کے سوا دکنی اور گجری کے تقریباً سارے مثنوی گو شاعروں نے اس روایت کو نبھایا ہے۔ یوں اردوئے قدیم کا ایک بڑا حصہ مثنوی کے آغاز میں برکت طلبی کے جذبۂ محرک نے تخلیق کروایا۔

۶۔ اس ابتدائی سرمایۂ نعت میں اردو زبان کے کم و بیش تمام ابتدائی لہجے اور اسالیب شعر نظر آتے ہیں گجرات، گولکنڈہ، بیجاپور اور دکن میں نشو و نما پانے والی اردو کی ابتدائی شکلیں جو بالآخر ولی دکنی کی روایت ریختہ میں ضم ہو جاتی ہیں جنوبی ہند کی نعت گوئی میں نظر آتی ہیں۔ نیز ابتدائی سرمایۂ نعت میں ہندی الفاظ کا غلبہ ہے۔ پھر اس میں آہستہ آہستہ فارسی و عربی الفاظ داخل ہونا شروع ہوتے ہیں اور ہندی کے غیر مانوس اور ثقیل الفاظ کا زور کم ہوتا جاتا ہے۔ نظامی سے ولی دکنی اور ولی دکنی سے باقر آگاہ تک نعت زبان و اسالیبِ شعر کے مختلف مراحل سے گزر کر ایک معیار کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ باقر کی زبان ہماری آج کی زبان کے زیادہ قریب ہے، اس میں کہیں کہیں فارسی و عربی کے الفاظ اور تراکیب کا بے ساختہ استعمال بھی ملتا ہے اور ترسیل و اظہار کے وسیلے بھی واضح اور موثر انداز اختیار کر لیتے ہیں۔

۷۔ مثنوی کی ہیئت کے علاوہ اردو شاعری کی دوسری اصناف کو بھی نعتیہ مضامین کے اظہار کے وسیلوں

کے طور پر برتا گیا۔ قصیدہ و غزل کے ساتھ رباعی، مستزاد، مخمس، تضمین وغیرہ میں بھی نعت کے نمونے ملتے ہیں۔ اس کی مثالیں جیسا کہ پہلے نشاندہی کی جا چکی ہے، کلیات قلی قطب شاہ — کلیات بحری۔ کلیات ولی اور کلیات شاہی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۸۔ بحیثیت مجموعی دوسری اصنافِ سخن کی طرح اردو نعت نے بھی جنوبی ہند میں اپنی تخلیق و ارتقا کے اولین مرحلے طے کئے۔ جنوبی ہند کے نعت نگاروں نے نعت کو فنی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ رشد و ہدایت کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ تبلیغ و اصلاح کے مقاصد اور زبان کی قدامت کے باوجود جنوبی ہند کے نعتیہ کلام میں اعلیٰ فنی معیار کے حامل نمونے بھی مل جاتے ہیں۔ جن میں محاسن شعری کے علاوہ کیف و اثر کے عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ ایک صنفِ شاعری یا فن کے طور پر نہ سہی، ایک موضوع کے طور پر نعت مقبول و مروج رہی۔ یوں شمالی ہند میں نعتیہ شاعری کے باقاعدہ ارتقا سے پہلے جنوبی ہند کی نعت اس درجہ اور معیار کو پہنچ چکی تھی کہ اب اسے پھلنے پھولنے اور ایک جداگانہ صنفِ سخن کی حیثیت سے اپنا مقام منوانے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

چوتھا باب

شمالی ہند میں
اردو نعت گوئی کا جائزہ

تمہید

۱- صوفیائے کرام کی نعت گوئی کے نمونے

۲- سودا و میر کا عہد

۳- اردو نعت، دورِ تشکیل میں

۴- امیر و محسن کی نعت گوئی

جائزہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تمہید

شمالی ہند میں مسلمانوں کا عمل دخل اگرچہ جنوبی ہند سے بہت پہلے ہو چکا تھا مگر اردو ادب کی پہلی تصنیفات جنوبی ہند ہی میں ہوئیں۔ اس کے تاریخی عوامل اور سیاسی پس منظر کا سرسری ذکر گزشتہ باب کے شروع میں ہو چکا ہے۔ شمالی ہند میں اردو زبان و ادب کی نشوونما کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ایک حصہ اردو کے اس عبوری دور سے تعلق رکھتا ہے، جب پنجاب اور دہلی میں مسلمانوں کی ابتدائی حکومتیں قائم ہوئیں اور مقامی زبانوں میں عربی فارسی کی آمیزش سے اردو زبان کا ابتدائی ہیولا تیار ہوا۔

دوسرا دور اورنگ زیب کی وفات (م ۱۱۱۸ھ) کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کا ۴۹ سالہ دورِ حکومت برصغیر پاک و ہند میں مسلم اقتدار کا نقطۂ عروج تھا۔ اتنی بڑی سلطنت اور اتنا بڑا عہدِ حکومت اس سے پہلے اور بعد میں کسی مسلمان بادشاہ کو نصیب نہ ہوا تھا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد تخت نشینی کی خونریز جنگوں، سازشوں اور بغاوتوں، اندرونی شورشوں اور بیرونی حملوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مغل سلطنت کے زوال و انحطاط کا یہی زمانہ شمالی ہند میں اردو زبان و ادب کے آغاز کا زمانہ ہے۔ فارسی زبان مغلوں کی شوکت و تجمل کی علامت تھی۔ ان کے زوال کے ساتھ ہی معاشرے سے فارسی عمل دخل کی گرفت کمزور پڑنے لگی اور دہلی میں اردو شاعری کی طرف میلان کا آغاز ہوا۔ ۱۱۳۲ھ میں ولی کا دیوان شمالی ہند پہنچا تو ولی کے تتبع میں اردو غزلیں کہنے کا ایک عام رجحان ہو گیا، جس نے بڑھتے بڑھتے ایک شعری تحریک کی صورت اختیار کر لی۔

جنوبی ہند کی طرح شمالی ہند میں بھی اردو کی ابتدائی نشوونما صوفیائے کرام کی مرہونِ منت ہے۔ صوفیا کا تعلق چونکہ عوام الناس سے تھا اس لئے انھوں نے سرکار دربار کی زبان چھوڑ کر عوام کی زبان میں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں بھی اردو زبان و ادب کے ابتدائی نمونے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی تصنیفات اور ملفوظات میں ملتے ہیں۔ شمالی ہند میں اردو نعت کے اوّلین عناصر کا ماخذ اردو کا یہ پہلا دور ہے جسے حافظ محمود شیرانی نے "خانقاہی اردو" سے یاد کیا ہے۔ "یہ خانقاہی اردو کے نمونے آج ہمارے کانوں کو نہایت عجیب معلوم ہوں گے لیکن ہمیں تاریخی دلچسپی کی رو سے ان پر نگاہ ڈالنی چاہئے۔ یہ تبرکات ایسے عہد کی یادگار ہیں جب کہ ابھی دہلی میں بھی سناٹا تھا اور میر و سودا کی غزل خوانی شروع ہونے میں بھی ایک عرصہ درکار تھا۔"[1]

شمالی ہند کی نعت گوئی (جو ایک باقاعدہ شعری تحریک کی شکل میں بہت بعد کو رواج پذیر ہوئی) کا اوّلین سرمایہ بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ اردو شاعری کے آغاز (میر و سودا کے عہد) سے قبل کا وہ زمانہ ہے

جب اردو میں مستقل تصانیف بہت کم کم نظر آتی ہیں اور اس کا بیشتر شعری سرمایہ صوفیائے کرام کے دوہیرے ادر ریختہ کی صورت میں لکھی جانے والی غزلوں، نثری ترکیب سے لکھے جانے والے منظوم رسائل اور مذہبی مثنویوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ اس عہد سے تعلق رکھتا ہے جو میر، سودا و مصحفی سے شروع ہوتا ہے جبکہ اردو شاعری کا باقاعدہ رواج ہو جاتا ہے۔

ذیل میں ہم ان دونوں ادوار نعت کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) صوفیائے کرام کی نعت گوئی کے نمونے

صوفیائے کرام کی کوششوں کا مقصد عام مسلمانوں ہند سلموں اور طالبانِ حق کو دین و معرفت کے بنیادی اصول بتا کر انہیں خدا کی طرف راغب کرنا تھا۔ اس لئے ان کے اقوال، ملفوظات، گیت اور دوسری شعری تصانیف میں تبلیغ و ہدایت کا رجحان غالب ہے۔ ان کے یہاں ادبیت اور شاعری مقصود بالذات نہیں بلکہ ان کی حیثیت ثانوی ہے، اصل منشا اصلاح و ہدایت ہے۔ تبلیغِ دین کے ساتھ تصوف اس شاعری کا نمایاں موضوع ہے۔ صوفیانہ رجحانات کا ظہور مخصوص تمدنی اور تہذیبی اثرات کے سبب تھا۔ صوفیائے کرام کے دینی مسلک کے علاوہ امتِ مسلمہ کی زبوں حالی اور معاشرتی و سیاسی زوال کی جھلک بھی اس شاعری میں بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہے نیز اس دور کے لسانی رویوں کا اندازہ بھی ان ابتدائی نمونوں میں نظر آتا ہے۔ جب اردو اپنے ارتقاء کی اولین منزلوں میں تھی اور اس کے شعری اسالیب ابھی واضح نہیں ہوئے تھے۔

اردو شاعری کے اولین نعتیہ نمونوں پر بھی صوفیانہ افکار و نظریات کا رنگ غالب ہے۔ ذیل کے نعتیہ نمونوں کے مطالعے سے اس صوفیانہ رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت غلام قادر شاہ (م ۱۱۷۶ھ) کی "رمز العشق" کے یہ شعر دیکھئے:

وہی وہی نہ دوجا کوئی
پرگٹ ہو یا محمد کوئی

احد، محمد ایک پچھانوں
ایک ہی دیکھو ایک ہی جانوں

حمد کہو اور بہت درود
فہو الحامد والمحمود

اول آخر، باطن ظاہر
ناہیں اس سے کوئی باہر

اَنا من نورہ اُسنو بیان
وَالکل نوری 'دسرو دھیان
سمجھ لیو او بوجھو بات
ایک ہتا ذات ہے ایک ہی ذات
سب بڑیائی اسے مسلّم
صلی اللہ علیہ وسلّم
صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وَمن اشتاق بنور جمالہٖ [۲]

غلام قادر شاہ ہی کی ایک نعتیہ غزل دیکھیے جس میں یہ صوفیانہ رنگ فصاحت کے ساتھ نظر آتا ہے:

سب دیکھو نور محمدؐ کا اب دیکھو نور محمدؐ کا
سب بیچ ظہور محمدؐ کا، سب دیکھو نور محمدؐ کا
وہ نقطہ علم ازل کا ہے وہ اوّل ہر اوّل کا ہے
وہ مجمل ہر مجمل کا ہے، سب دیکھو نور محمدؐ کا
وہ منشا سب اسما کا ہے وہ مصدر سب اشیا کا ہے
وہ سرّ ظہور خفا کا ہے، سب دیکھو نور محمدؐ کا
کہیں ظاہر ہو مشہور ہو یا کہیں باطن ہو مستور ہو یا
کہیں ناظر ہو منظور ہو یا سب دیکھو نور محمدؐ کا
کہیں کلمہ حق کا نور اللہ کہیں بیچ بگھوڑے عبداللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ، سب دیکھو نور محمدؐ کا
کہیں شمع کہیں پروانہ ہے کہیں دانا کہیں دیوانہ ہے
کہیں یار کہیں بیگانہ ہے، سب دیکھو نور محمدؐ کا
کہیں غوث تمام کہایا ہے کہیں مولا نام دھرایا ہے
کہیں عبد غلام کہایا ہے، سب دیکھو نور محمدؐ کا [۳]

پنجاب میں اردو" (شیرانی) کے ضمیمہ میں قاضی فضل حق نے اسی نعت کے پندرہ شعر اور نقل کیے ہیں۔ ان کی فضا بھی صوفیانہ ہے "سب دیکھو نور محمدؐ کا" کی ردیف نے پوری نعت کو ایک معنوی کل میں پرو دیا ہے۔ معنوی

تسلسل اور ردیف کی تکرار کے ساتھ شعروں کی داخلی غنائیت اور قوافی نے ایک موثر آہنگ پیدا کیا ہے۔ یہ نعت لولاک لما خلقت الافلاک کی صوفیانہ تشریح ہے مگر اس میں جگہ جگہ "احد احمد ایک پچھانوں" کی صدا سنائی دیتی ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

کہیں اسم صفت موں ساز ہے کہیں اسم صفت میں ظاہر ہے
کہیں بھیتر ہے کہیں باہر ہے سب دیکھو نور محمدؐ کا
وہ غیب سوں آ عیان ہویا پھر علموں جا نہان ہویا
پھر عین موں آ اکوان ہویا سب دیکھو نور محمدؐ کا
کہیں روح مثال کہایا ہے کہیں جسم موں جا ممایا ہے
کہیں حسن و جمال دکھایا ہے سب دیکھو نور محمدؐ کا

شاعر نے اسی نعت میں حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، یوسفؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ تمام پیغمبروں کو نورِ محمدی کے روپ قرار دیا ہے۔ آگے چل کر جناب علیؓ و بتولؓ، حسنؓ و حسینؓ، سید عبدالقادر جیلانیؒ سے اس کے ڈانڈے ملا دیے ہیں۔ غلام قادر شاہ کی اس نعتیہ غزل میں نورِ محمدی کا بیان اسی انداز میں ہوا ہے جس طرح حمدیا صوفیانہ نظموں میں خدا تعالیٰ کی تجلیات و ظواہر کا ذکر کیا جاتا ہے اور ہر چیز کو خدا تعالیٰ کا جلوہ کہا جاتا ہے۔ غلام قادر شاہ نے بھی سالک، مجذوب، طالب و مطلوب، زاہد، مومن، شیخ، برہمن، درد، درمان بہجت، میزان وغیرہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ملا دیا ہے۔ حضور اکرمؐ کے حوالے سے "ہمہ اوست" کا یہ پہلو ہمیں نعت کے مطلع سے مقطع تک پھیلا ہوا ملتا ہے۔ ایک جگہ وہ ع

"آپ ہی آپ نہ دوجا ہے"

کہہ کر نورِ محمدی کو وحدتِ موجودات کا مصدر و منبع ہی قرار دے دیتے ہیں۔

جن رازِ حقیقت بوجھا ہے سب جان پہچان کے سوجھا ہے
وہ آپ ہی آپ نہ دوجا ہے سب دیکھو نور محمدؐ کا

صوفیائے کرام کی شاعری میں حمد و نعت کی آمیزش تو ہے ہی مگر خاص نعت کے شعروں میں بھی تصوف کا یہ عنصر نمایاں ہے۔ عجمی روایتِ تصوف کے علاوہ اس کا سبب ہندو دیومالا اور ضمیات کا وہ تہ دار بھی ہے جو اس عہد معاشرت میں عام تھا۔ مندروں میں جو بھجن گائے جاتے تھے اس میں ہندی تصوف کی ہی روح کارفرما تھی۔ صوفیائے کرام اور اس دور کے صوفیانہ ذہن رکھنے والے شاعروں کے نعتیہ کلام میں حمد اور حمد نگاری میں نعتیہ عناصر گھل مل گئے ہیں۔ صوفیانہ مزاج اور اسلوب کا یہ پہلو اس عہد کی شاعری میں عام ہے۔

شیخ محمد حاجی (جو شیخ فاضل الدین بٹالوی م ۱۱۵۱ھ کے مرید تھے) کے یہ شعر ملاحظہ ہوں:

کنت کنزاً مخفیاً تھا تب کسے یہ بھید نہ پایو رے
فاحببت ان اعرف چاہا تب آدم بھیکھ بنایو رے
کہا آپ کوں 'انا من نور اللہ' اور خلق سبھی کوں 'من نوری'
تم سیانے سبھی بچار کرو پھر دوسرا کون سمایو رے
'وفی انفسکم' کہا آدم کوں سبھ جان نجے ان جان ہوئے
ہر طرف بتاؤں 'وجہ اللہ' تم سوں نہ کچھ لوکایو رے
'نحن اقرب' جب خبر دیا تب سوچ بڑی سبھ کے من ہوں
احد سے احمد آپ ہوں پھر کمہ کے بعد چھپایو رے [۲۶]

امام بخش قادری بھی اسی عہد کے شاعر تھے۔ انہوں نے اسی بحر میں ایک غزل لکھی۔ اس کے یہ اشعار دیکھئے:

..... من رانی قد رای الحق سمجھ لیو احمد لا میم
رب سیں آپ ہی عرب بنیوں پھر ظاہر عہد کہایو رے
وہ ہوا الظاہر و ہوا الباطن سبھا اشیاءُ کا عین ہویا
کچھ نہ چھوڑا غیریت سوں کیا وحدت صرف بتایو رے [۲۵]

حمد یہ شاعری کی طرح اس عہد کی نعتیہ شاعری میں منقبتِ صحابہؓ اور منقبتِ بزرگانِ دین خصوصاً سید عبد القادر جیلانیؒ کی منقبت اور منقبتِ شیخ کا بیان بھی ملتا ہے۔ پنجاب میں اردو میں ایسے متعدد نمونے مل جاتے ہیں۔ جنوبی ہند کی طرح شمالی ہند کے اولین نعتیہ نمونوں میں لسانی اور ہیئتی تصرفات بھی نظر آتے ہیں۔ شیخ ابو الفرح فاضل الدین بٹالوی (م ۱۱۵۱ھ) کی یہ نعت دیکھئے اس میں ردیف کا التزام تو ہے مگر قوافی کا کہیں پتہ نہیں ہے۔

دیکھو لوگو سبھی جگہ پر محمدؐ ہے محمدؐ ہے
سر و سر تاج وہ سرور محمدؐ ہے محمدؐ ہے
ابر دریا د سبھ د حرق کرم سیں خود نوازی ہے
انشا یکاں دیکھو بہتر محمدؐ ہے محمدؐ ہے
تمامی اولیا مومن پکاریں دین و دنیا میں
ہمارے بخت کا اختر محمدؐ ہے محمدؐ ہے

ملائک جن سبھی کہتے مبارک نام ہے پایا
علیؓ اور فاطمہ زہراؓ محمدؐ ہے محمدؐ ہے
.... اٹھا پلکاں دیکھو دل موں نہیں جز مصطفےٰ کوئی
ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ محمدؐ ہے محمدؐ ہے
..... لگی ہے عشق کی برچھی کہوں میں خلق سوں خاؔر
ارے لوگو دیکھو ہر جا محمدؐ ہے محمدؐ ہے
احد احمدؐ تمہیں دیکھو کرم سیں جب نوازا ہے
خدا کے فیض کا مظہر محمدؐ ہے محمدؐ ہے[۵۵]

قاضی فضل حق نے "پنجاب میں اردو" کے ضمیمہ میں جلالا نامی کسی بزرگ کی درج ذیل نعت بھی نقل کی ہے۔ اس میں صرف ردیف کا التزام ہے:

ہمیں جیسے گنہگاروں کو ہے تقویٰ محمدؐ کا
سوا اس سے نہیں کوئی ہو کہ کلمہ محمدؐ کا
زمین و آسماں چوداں طبق اور عرش کرسی سب
خدا صاحب کیا سب کچھ سبھی صدقہ محمدؐ کا
زلیخا نوجواں ہوئی لگا یعقوب کو دینے
بہ پیراں عاشقاں نبیاں توجہ سے محمدؐ کا
..... طفیل اس کے ہی ہو یا می دیں محبوب ربانی
ہو یا روشن جہاں کے باغ میں گل اس محمدؐ کا
کہے عاجز جلالا ہو نبیؐ کا بول بالا ہو
کرم از حق تعالےٰ ہو پڑھو کلمہ محمدؐ کا[۵۶]

مذکورہ بالا دونوں نعتوں کے کچھ اشعار نمونتاً درج کئے گئے ہیں۔ ان میں نعت کے کم و بیش تمام موضوعات کی نشاندہی ملتی ہے۔ غزل کی ہیئت کے سبب باوجود مضامین میں عدم تسلسل کا احساس نہیں ہوتا۔ نعتوں کی ردیف نے مختلف مضامین میں بھی ہم آہنگی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اردو نعتوں کے ان نمونوں میں اظہار اور ترسیل صاف ہے اور قدامت زبان کے باوجود تفہیم و ابلاغ میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

اردو نعت کے قدیم نمونے ریختہ و ملمع کی شکل میں بھی ملتے ہیں جن میں نصف مصرع فارسی یا عربی اور

نصف مصرع ہندی میں ہوتا ہے ۔ اور فارسی عربی الفاظ ہندی کے ساتھ آمیز کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی نظمیں قافیہ کی پابندی سے آزاد ہیں ۔ اور ردیف کا التزام ہی انہیں ایک نظم کی وحدت عطا کرتا ہے ۔ یہ نظمیں ہندی اوزان میں بھی ہیں اور فارسی اوزان میں بھی۔

شیخ عثمان (جن کا تعلق گیارہویں صدی ہجری کی ابتدا سے ہے) کا یہ ریختہ ملاحظہ ہو۔ اس پر نعت کا عنوان تو نہیں مگر اس کی داخلی فضا اور بعض اشعار میں موجود حوالوں سے اس پر نعت کا گماں گزرتا ہے:

عاشقِ دیوانہ ام آؤ پیارے حبیب
از ہمہ بیگانہ ام آؤ پیارے حبیب
اے طلعتِ آفتاب برمنِ مسکیں بتاب
جان و جگر شد کباب آؤ پیارے حبیب
اے دل و دینِ جانِ من وردِ تو درمانِ من
ذکرِ تو سامانِ من آؤ پیارے حبیب
اے تو کسِ بے کساں مونسِ بے چارگاں
غمخوارِ آوارگاں آؤ پیارے حبیب
حکم ترا بندہ اب نزدِ تو شرمندہ ام
زار و سر افگندہ ام آؤ پیارے حبیب
بر دلِ عثماں غریب رحمتِ خود کن قریب
زانکہ تو ہستی مجیب آؤ پیارے حبیب [8]

شیخ ابو الفرح محمد فاضل الدین بٹالوی (م ۱۱۵۱ھ) کی درج ذیل مناجات دیکھئے۔ اس کی ردیف "انظر بحالی یا نبی" ہے۔ اس کے اشعار کے پہلے مصرعوں کے آخری حصہ میں بھی عربی ٹکڑوں کا التزام ہے۔ اس کا اندازِ بیاں بڑا پُر سوز، موثر اور عاجزانہ ہے:

ناہیں مرا اچھٹ تم کوئی انظر بحالی یا نبی
ہے رین دن غفلت پڑی انظر بحالی یا نبی
اس فضل سوں راکھو مجھے من سؤال و رجات الصفا
فریاد کرتا ہر گھڑی انظر بحالی یا نبی

میں ہوں خرابی میں پڑا کا نظمِ سو و الخلق حیف
اس غم ستی چھاتی سڑی اُنظر بحالی یا نبیؐ

اس شرم سوں مجھ مکھ تھیں حتی اری ضو الصفاؐ
ہے مرگ بھی سر پر کھڑی اُنظر بحالی یا نبیؐ

بر قع شریعت سوں رکھو حشی کوں بنور کم
اس عشق سوں کر چل جڑی اُنظر بحالی یا نبیؐ

رو رو لکھوں رو رو بھروں قضاً لقضاً عاصیا
افواج عصیاں سوں کھڑی اُنظر بحالی یا نبیؐ

راکھو تمہیں راکھو تمہیں لی لیس غیر ک یا ملاذ
ناہیں مرا چھوٹ تم ستی اُنظر بحالی یا نبیؐ

بھولا ہوں میں بخشو تمہیں لا تا خذ و نی بالوزر
جب محی الدیں بخشش کری اُنظر بحالی یا نبیؐ

فاضل پکارے رین دن انت شفیع المذنبیںؐ
فریاد کرتا ہر گھڑی اُنظر بحالی یا نبیؐ [۹]

"اُنظر بحالی یا نبیؐ" کی ردیف نے اس نظم کو ایک استمداد کا رنگ دے دیا ہے جو نعت کا ایک خاص اسلوب ہے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال، نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور خونریزی کے بعد مسلمان جن مصائب سے دوچار تھے ان کی جھلک اس نعت کے پس منظر میں لودے رہی ہے۔ اس میں اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت کے ساتھ ساتھ معاشرتی و تہذیبی کرب بھی نمایاں ہے جس نے اسے ایک فریاد کی شکل دے دی ہے۔ یہ فریاد اگرچہ فاضل شاہ کی ہے مگر اس میں عصری بے چینی بھی پنہاں ہے۔ اسی عصر کے ولی محمد ناشاد پسروری کے ہاں بھی کرب کی اسی کیفیت کا اظہار ہے:

غم ہجوم آورد مارا یا رسول اللہ اغث
در چنیں وقتے خدارا یا رسول اللہ اغث [۱۰]

کی فریاد کی شکل میں ملتا ہے۔
جانی نام کے ایک اور شاعر (بحدود ۱۱۲۸ھ) کی مناجات میں نعت کا عنصر بھی دیکھیے:
خدایا ستر کن عیبم کہ ساتر نام ہے تیرا
نبیؐ توں خلق دا والی تجھی کوں شرم ہے میرا

مجھے غفلت دبایا ہے ضلالت راہ بھلایا ہے
گناہاں پاپیا گھیرا الٰہی آسرا تیرا
نبیؐ جی آسرا تیرا
...... دم کا ذکر کی منزل کیا صورت ہوئی در دل
کیا حرم و ہوا ڈیرہ الٰہی آسرا تیرا
نبیؐ جی آسرا تیرا [11]

اب تک ہم نے جن نعتیہ نمونوں کا جائزہ لیا ہے وہ فارسی شاعری کے زیرِ اثر ظہور پذیر ہوئے۔ اس عہد میں ہندی آمیز نعتیں بھی لکھی گئیں جن میں غم و حزن کی کیفیات کے حوالے سے حضورِ اکرمؐ کی محبت کا اظہار ہے۔ ان میں ہندی طرزِ اظہار، الفاظ و بیان اور جذبات و کیفیات نمایاں ہیں۔

محبوب عالم عرف شیخ جیون جو سید میراں بھیکھ چشتی صابری (م ۱۱۳۱ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کے درد نامہ[12] میں سیرتِ رسولِ پاکؐ کے بعض واقعات کا بیان ہے۔ رسولِ پاکؐ کی وفات پر مصنف نے حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کی طرف سے مرثیے لکھے جو غزل کی ہیئت میں ہیں۔ مصنف نے انہیں دوہرے کے نام سے لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا دوہرا حسبِ ذیل ہے:

سکھ چین کے گھر سوتی لاگا کلیجے تیر اب
دُکھ نین بھر بھر روتی بھاری پڑی ہے پیڑ اب
رو رو کروں ہوں زاریاں کس کوں سناؤں حال یہ
کیا سی لگی اب مرم کی دیہی گئی ہے چیر اب
جانی بنا کوئی بسی جر جر بسی جوں کوئلا
تن ماں لگی ہے لو کٹی دل کا گیا دھیر اب
نندن پیو کارن ایکلی بیرہن بھی تن بے کلی
آنسوں جھراں ندی بھراں نینوں وہانا نیر اب
بیری ہوئی ہیں نین کٹ ہنسی گئی ہے جھانجھک
رنجیوں پڑی ہے کل گھڑی کیسے دھروں میں دھیر اب
پیو جاہ چلا ہے جگ سے پیو بن نہیں کچھ جیونا
جیکوں تجوں پیکوں لوں ساچی اٹھی ہے پیر اب

پک پپک پڑی تھک تھک گری ٹوٹا تک ناہیں رہا
محبوبؔ عالم نبیہ کی پاؤں پڑی زنجیر اب [۱۲]

حضرت عمرؓ کا دوہرہ یہ ہے:

محمدؐ یاد نا چوکوں پڑا دن رین کرلاؤں
کھڑا فریاد ماں کوکوں محمدؐ سا کہاں پاؤں
محمدؐ نبیہ کی پھانسی گئی گر ماں نہ ہے ہانسی
گئی ہے ٹوٹ کر پھانسی کسے یہ حال دکھلاؤں
لگن لاگی نپٹ گاہڑی محمدؐ پیت نہیں یادری
یہی ہے جیوماں شادی محمدؐ نانوت گاؤں
محمدؐ کہہ محمدؐ کہہ پوکاروں میں سدا احمد
پھروں گھر گھر یہی کہہ کہہ محمدؐ ناؤں بہ پاؤں
کروں ہاہا محمدؐ بن منوں پھاہا پڑا نس دن
گئے سب چین ہر دم میں کسے دکھ بات بتلاؤں
نہ سنگی ہے نکو ساتھی یہ ہی اس دردماں چھاتی
جیتی تن کی سبھی ناتی محمدؐ باجھ من پاؤں
عجب محبوبؔ عالم تھا نہایت خوب بالم تھا
مرانت پرت پالم تھا رہا ہے بیٹھ کس ٹھاؤں [۱۴]

موت نامے اور وفات نامے اردو نظم و نثر میں بکثرت ملتے ہیں جن میں حضور اکرمؐ کی وفات مبارک کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ "درد نامہ" الگ معنوی و صوری حیثیت کا حامل ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ماتم اور غم کا اظہار کرنے، حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے اس غم میں شریک ہونے جیسے ذیلی عنوانات ہیں۔ (جن میں سے دو کا نمونہ اوپر دیا گیا ہے)۔ ان عنوانات کے تحت لکھے ہوئے اشعار کی نوعیت پہلے انفرادی اور شخصی مرثیوں کی سی ہے، جو حضرت امام حسینؓ اور ان کے رفقاء کے مصائب کے سلسلے میں لکھے گئے وہ غم ناموں، شہادت ناموں اور مرثیوں سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ [۱۵]

درد نامہ کی طرح نور نامہ بھی نعت کی ایک مستقل صنف ہے جس میں نور محمدیؐ اور حضور اکرمؐ کی ولادت مبارک کا بیان ہوتا ہے۔ اردو کے ابتدائی نور ناموں میں ایک نور نامہ فقیر۔ می ہے جو فقیر نامی کسی شاعر نے لکھا اور ۱۰۵۱ھ

کی تصنیف ہے۔[16]

اس دور کی مذہبی تصانیف کے آغاز اور مثنویوں میں بھی نعتیہ اشعار نظر آتے ہیں۔ مولانا عبدی (حیات بحدود اورنگ زیب) کی "فقہ ہندی" تصنیف (۱۰۴۰ھ) میں آغاز میں حمد کے بعد یہ شعر ملتے ہیں۔

علم شریعت نال کے بھیجا پاک رسولؐ
جو کچھ بھیجا رب تیں سب ہم کیا قبول
یارب اپنے فضل سوں بے حد بھیج درود
نبی محمد مصطفےٰؐ تجہ سوں ہو خوشنود[17]

"فقہ ہندی" شمالی ہند کی قدیم ترین مثنویوں میں سے ایک ہے۔ اس کے بعد کی مذہبی مثنویوں میں اسماعیل امروہی کی مثنویاں ملتی ہیں۔

مثنویاتِ اسماعیل امروہی (بحدود ۱۰۵۴ھ تا ۱۱۲۳ھ) میں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ان مثنویوں کے موضوعات مذہب سے متعلق ہیں۔ ان کی غرض وغایت جیسا کہ مثنویوں سے ظاہر ہے، معاشرے کو اسلامی موضوعات وشخصیات سے روشناس کرانا ہے اور قصہ کے پیرایے میں دینِ اسلام کی تبلیغ وتشریح ہے۔

اسماعیل کی پہلی مثنوی "وفات نامہ بی بی فاطمہؓ" ہے۔[18] اس کا سنِ تصنیف ۱۱۰۵ھ ہے۔ اس مثنوی میں حضرت فاطمہؓ کی پیدائش، حضرت علیؓ سے نکاح اور وفات کے احوال کو منظوم کیا ہے۔ اس کے آغاز (حمد ونعت) کے علاوہ مثنوی کے قصہ میں بھی کئی جگہ حضور اکرمؐ کا ذکر اور نعت کا مضمون ملتا ہے۔ آغاز کے نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں:

کہوں نعت اب میں، محمدؐ رسول
دو عالم صدق دل سیں کیجو قبول
محمدؐ نبی ہیں گے دُرِّ یتیم!
ازل سے ابد تک ہوئے مستقیم
سبھوں پر جو سردار ہیں مصطفےٰؐ
شفیعؐ دن قیامت کے ہیں مجتبےٰؐ
ہمارے بخت کیا ہیں روشن سدا!
نبیؐ اومیاں بیچ کیتا خدا
نبیؐ کی صفت بہوت ہے بے شمار
سکت کیا دھراں، وتنے بولوں بچار

پڑھیا نعت جو میں کمیا دل کہ زُود
نبی آل او پر پاک. بولوں درود [19]

اس کے بعد اصحاب پاکؓ کی مدح کا بیان ہے۔

اسماعیل امروہوی کی دوسری مثنوی "معجزۂ انار" ہے جو بادشاہ خیبر و بلقیس شاہ کے قصہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۲۰۱ھ ہے۔ اس کے آغاز میں نعت کے شعر دیکھئے:

محمدؐ سبھوں پر کیا نامدار
جتی تھے انوں سے کیا کامگار
محمدؐ نبی ہیں کریم و شفیع
مراتب سبھوں پر کیا ہے رفیع
اوّل کچھ نہ تھا جد نبی جو کئے
نبوت کا چھتر انوں سر دیئے
چارو(ں) یاراں کے جو ہیں ہم کلام
خدا نے بڑائی دیا ہے مدام [20]

یہ مثنوی چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کے بیان سے عبارت ہے اس لئے اس میں جگہ جگہ نعت کے شعر ملتے ہیں۔ درج ذیل اشعار دیکھئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ملک خیبر کے بلقیس شاہ سے اس کے وزیر حضور اکرمؐ کا ذکر کرتے ہیں:

وزیراں ہر اک وھڑ تھیں بولے تمام
مدینے میں ہیں یک محمدؐ بنام
ہر جائے دین اپنا ظاہر کریں
صدق سیں اونوں کا جو کلمہ پڑھیں
اگر کوئی ان کوں دیکھے جائے کر
مسلمان ہو کر رہیں شاد کر
ہر اک ملک کے شاہ دیویں خراج
نہ ڈرتے کسی سے خدا بغیر باج
ہر اک کوئی کہتے ہیں ان کوں رسولؐ
حکم مان دل ساتھ کرتے قبول

نہیں جھوٹ بولیں نہ کرتے ستم

روشن مکھ او پر نور ہے صبح دم[۲۱]

اسی طرح یہ شعر دیکھئے۔ بلقیس شاہ کے لشکر کا ایک وزیر حضور اکرمؐ کے ایلچی سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے پوچھتا ہے:

سنا ہوں مدینے میں ہے یک نبی

خدا نے جو محبوب کیتا سبھی

خدا نے حسن بہوت دیتا جمال

نہ دیسا کوئی در جہاں خوش خصال

ہر اک طرف مشہور ہے ان کا نام

خدا کے نبی خلق کہتی تمام[۲۲]

اس کے بعد حضور اکرمؐ کے جواب میں بھی مدحِ رسول کا عنصر نمایاں ہے۔

یہ قصہ ایک غیر معتبر روایت پر مشتمل ہے۔ اس میں حضور اکرمؐ کے ایک معجزے کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا ذکر سیرت و احادیث نبوی میں کہیں نہیں ملتا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حضور اکرمؐ معجزے سے ایک انار پیدا کرتے ہیں۔ شاہ کی بیٹی اس انار کو کھا کر حاملہ ہو جاتی ہے اور پل بھر میں مدتِ حمل پوری کر کے ایک بچے کو جنم دیتی ہے جو چشم زدن میں بڑا ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے اور اسلام کی تلقین کرتا ہے۔ (اس موقع پر بھی نعتِ رسول کے کچھ شعر ملتے ہیں) یہ نومولود بوڑھا دینِ اسلام کی تبلیغ اور حضور اکرمؐ کی تعریف کے بعد مر جاتا ہے، اور اس کا جنازہ اٹھا کر اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔ اس معجزے سے (بقول اسماعیل ہوئے سکو مسلماں اسی وقت پر) اسی وقت ایک لاکھ آدمی مسلمان ہو جاتے ہیں۔ مثنوی کے اختتام میں اسی معجزے کے توسل سے اسماعیل خدا سے بخشش و نجات طلب کرتے ہیں:

نبی کے سبھی معجزے کا بیان

نگر میں ہندی نہج لایا عیاں

برکت اسی معجزے کا خدا

بہ بخشا ڈ دنی دین میں مجھ سدا

سخاوت کی مجھ کوں تو توفیق کر

گناہاں مجت میں سب دور کر

میں بندہ گنہ گار ہوں اسماعیل

تو برکت نبیؐ بخشئے رب الجلیل[۲۳]

صوفیائے کرام کی نعت گوئی کا مجموعی جائزہ

شمالی ہند میں اردو نعت کے ابتدائی نمونے جن کا ہم نے گزشتہ سطور میں جائزہ لیا ہے، چند خصوصیات کے سبب اہم ہیں۔ ان کی پہلی نمایاں خوبی یہ ہے کہ جنوبی ہند کے اولین نعتیہ نمونوں کی طرح ان کی تصنیف و تخلیق بھی صوفیائے کرام کے ہاتھوں ہوئی۔ اسی سبب ان نمونوں میں تصوف کا رنگ بڑا گہرا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے اکثر صوفیانہ عقائد و خیالات نعت میں در آئے ہیں۔ دوسری نمایاں خصوصیت ان نعتوں کا مناجاتی انداز ہے۔ یہ انداز اس دور کی منقبتوں خصوصاً سید عبدالقادر جیلانیؒ کی منقبت میں لکھی جانے والی شاعری میں عام ملتا ہے۔ ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم اس دور کی نعت و منقبت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"یوں تو حضرت نبی کریمؐ کی نظرِ کرم، ہو جانے سے تقدیر بن جانے اور حضرت پیرانِ پیر کی دستگیری سے بیڑا پار ہو جانے کا عقیدہ مسلمانوں کی غالب اکثریت میں برصغیر کے ہر دور میں رہا ہے۔ لیکن جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں شعوری یا لاشعوری طور پر اس عقیدہ نے لوگوں کے دلوں میں اس لئے جگہ بنالی تھی کہ یہ دور مسلمانوں پر انتہائی مصیبت اور ابتلا کا تھا۔ ان کی سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ فوجی قوت اور دین کی مدافعت ختم ہو چکی تھی۔ سکھ گردی نے پنجاب کے مسلمانوں کی سوچ اور فکر تک کے راستے مسدود کر رکھے تھے۔ ان حالات اور پس منظر میں اہلِ پنجاب کی نظموں میں نبی کریمؐ کی نعت اور حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی منقبت میں ان کے محامد و محاسن بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حضور مناجاتی اور فریادانہ انداز بھی پیدا ہو گیا ہے۔"[۲۴]

لہٰذا نعت میں صوفیانہ عقائد "احد' حمد ایک پچھانوں" اور "سب دیکھو نور محمدؐ کا" کے بعد "نظر بحالی باجی اور نبی جی آسرا تیرا" کا مناجاتی رنگ اور فریادانہ انداز نظر آتا ہے۔

جہاں تک ان نعتیہ نمونوں کے ہیئتی اور لسانی رویوں کا تعلق ہے، یہ بات واضح ہے کہ یہاں ادبیت اور شاعری مقصود بالذات نہیں بلکہ ان کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس کے باوجود ان نعت پاروں میں احساس کی صداقت اور خلوص کا اظہار ملتا ہے۔ موضوع اور اسلوب دونوں میں سادگی نمایاں ہے۔ سادگی اور خلوص کی اسی خصوصیت نے ان نعتوں کو پُر تاثیر بنا دیا ہے۔ اس دور کے نعتیہ نمونے اسلوبی لحاظ سے بھی متنوع ہیں۔ غزل، دوہرے، گیت اور دوہے سے لے کر منظوم مذہبی رسائل اور مثنویوں تک میں نعت کے عناصر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں ہندی آمیز اسلوب اور بحروں کے ساتھ عرب و فارسی کی پیوند کاری بھی ہے۔ الفاظ و قوافی کے انتخاب و استعمال میں اگرچہ رسمی اور روایتی ادبی پابندیوں کا التزام نہیں تھا مگر ان بحروں میں بظاہر جھول یا املا و تلفظ کے اختلاف کے باوصف زیرِ

خیالات یا اطلاعِ شعر میں کہیں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

سودا و میر کا عہد

دہلی میں شاعری کا آغاز حاتم و آبرو اور ناجی و یکرنگ سے ہوتا ہے۔ جن کے کلام میں ایہام گوئی اور رعایتِ لفظی کی صنعت گری ملتی ہے۔ اس مختصر سے دور میں شعرا کی توجہ نعت گوئی کے بجائے ایہام گوئی پر رہی کہ اسے معیارِ شاعری کا درجہ حاصل تھا، مگر بعد میں جب میر و مرزا کے دور میں شمالی ہند میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز ہو جاتا ہے اور زبان و آداب کے اسالیب نسبتاً واضح اور پختہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں، تو مختلف شاعروں کے ہاں نعتیہ عناصر نظر آنے لگتے ہیں اس دور میں کوئی ایسا شاعر تو نظر نہیں آتا جس کی کلی وابستگی صنفِ نعت سے ہو یا جس کے کلام کا معتدبہ حصہ نعت کے موضوع سے متعلق ہو۔ تاہم اردو کے معروف شاعروں کے ہاں نعت گوئی کے کچھ متفرق نمونے ضرور مل جاتے ہیں۔ ان نمونوں کی غالب حیثیت اگرچہ رسمی روایتی اور تقلیدی انداز کی ہے مگر اردو نعت کے تشکیلی اور حقیقی دور تک پہنچنے سے قبل ان شاعروں کے نعتیہ نمونوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

مرزا محمد رفیع سودا (م ۱۱۹۵ھ) شمالی ہند کے شاعروں میں پہلے معروف شاعر ہیں جنہوں نے مختلف اور متنوع موضوعات کے ساتھ نعت کو بھی اپنے فن میں برتا۔ ان کے کلیات میں اصناف اور ہیئتوں کی رنگا رنگی بھی پائی جاتی ہے جو ان کے زورِ بیان، فنی پختگی اور قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔ قصیدہ نگاری ان کے تخلیقی جوہر کا خاص میدان ہے۔ اردو قصیدے کو صحیح معنوں میں تکنیکی ہنرمندی انہوں ہی نے بخشی۔ بقول عبدالسلام ندوی:

"اردو قصیدہ نگاروں میں سودا سب کے سرخیل ہیں۔"[۲۵]

انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں بھی قصیدے لکھے۔ ایک نعتیہ قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنارِ تسبیحِ سلیمانی [۲۶]

یہ قصیدہ ۹۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کے بقول:

"اس قصیدے کو شمالی ہند میں اردو کی باضابطہ نعتیہ شاعری کا ابتدائی نمونہ کہا جا سکتا ہے۔"[۲۷]

سودا کے اس غیر معروف قصیدے کی زمین فانی سے مستعار ہے اور اسی کے اسلوب پر بھی فارسی قصیدے کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس قصیدے کی تشبیب اخلاقی مضامین سے عبارت ہے۔ شاعر عشقِ مجازی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے دل کو دینِ محمدی میں داخل ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے بعد دینِ محمدی کی تعریف اور نعتِ رسول اکرم کا بیان شروع ہو جاتا ہے۔ درج ذیل اشعار دیکھیے:

زہے دینِ محمدؐ پیروی میں اُس کے جو ہو دیں
رہے خاکِ قدم سے اس کی چشمِ عرش نورانی
ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو گر اُس کی
امانت دارِ نورِ احمدی ہوتی نہ پیشانی
اسی کو آدم و حوّا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی ہیں تا آیاتِ قرآنی
خیالِ خلق اس کا گر شفیعِ کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منّت یہودی اور نصرانی
زباں پر اس کے گزرے حرف جب جا گہ شفاعت کا
کرے واں نازِ آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی
رکھا جب سے قدم مسند پہ آں اُن نے شریعت کا
کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی [۲۸]

یہ قصیدہ اپنی معنوی اور فنی خوبیوں کے سبب نہ صرف سودؔا بلکہ اردو کے نعتیہ قصائد میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی منفرد خصوصیت اس کا اسلوب ہے جس نے اسے فارسی کے بہترین قصیدوں کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ سودؔا سے پہلے جنوبی ہند میں قصیدے کا اسلوب غزلِ مسلسل کا سا تھا۔ سودؔا نے پہلی بار اردو قصیدے کو زورِ بیان، شوکتِ الفاظ، علوئے تخیل، معنی آفرینی، نزاکتِ مضمون اور جدتِ ادا سے آشنا کیا۔ یوں سودؔا کے ذریعے اردو نعت کو صحیح معنوں میں قصیدے کا پیکر ملا۔ جس طرح مصحفی نے سودؔا کو "نقاشِ اوّل نظم قصیدہ بہ زبانِ ریختہ" [۲۹] قرار دیا ہے۔ اسی طرح شمالی ہند میں نعتیہ قصیدے کے باقاعدہ آغاز میں سودؔا ہی کو اوّلیت کا فخر حاصل ہے۔

زورِ بلاغت سے لبریز اس قصیدے میں کہیں کہیں سودؔا کے داخلی احساسات کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ عہدِ رسالت مآبؐ میں ہونے ــــ اور جمالِ محمدیؐ کے دیدار کی شدید تڑپ کا اظہار کرتے ہوئے نعتِ رسولِ اکرمؐ کے مضمون کو ایک نیا رخ دیتے ہیں۔ درجِ ذیل شعر دیکھیے:

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
وگرنہ کرتے یہ آنکھیں جمال اُس کے سے نورانی
نہ ہونے سے جدا سایہ کے اس قامت سے پیدا ہے
قیامت ہووے گا دلچسپ وہ محبوب کی سبحانی

معاذ اللہ یہ کیا حرفِ بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں تو ہوں میں مردودِ مسلمانی
کدھر اب فہمِ ناقص لے گیا مجکو نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہرِ الوہیت ہے یہ ہے ماہِ کنعانی
جو صورت اُس کی ہے لاریب وہ ہے صورتِ ایزد
جو معنی اس میں ہیں بے شک وہ ہیں معنیِ ربانی
حدیث من رآنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اُن نے دیکھی شکلِ یزدانی [۳۰]

مقطع میں نعت کے موضوع سے عہدہ برآ نہ ہو سکنے کا اظہار ملاحظہ ہو:

بس آگے مت چل اے سودا میں دیکھا فہم کو تیری
کر استغفار اس منہ سے اب ایسے کی ثنا خوانی [۳۱]

سودا کا دوسرا نعتیہ قصیدہ ۲۰۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ قصیدہ نعت و منقبت میں ہے۔ سودا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ساتھ حضرت امیر المومنین جناب علیؓ کی منقبت کو بھی اس قصیدہ کا موضوع بنایا ہے۔ یہ قصیدہ موضوع کی طرح اسلوب و ادا میں بھی ایک انفرادی شان رکھتا ہے۔ اس کا مطلع درجِ ذیل ہے:

چہرۂ مہروش ہے ایک سنبلِ مشک فام دو
حسنِ بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو [۳۲]

سودا کے قصیدوں میں یہ قصیدہ اپنی منفرد زمین اور آہنگ کے سبب قاری کی توجہ کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ سودا کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اس مشکل زمین میں شعر کہتے ہوئے کہیں دقت محسوس نہیں کی۔ خیال کی ندرت اور بیان کی جدت کے ساتھ زبان کی برجستگی اور الفاظ کی بندش اس قصیدے کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ سودا زیرِ بحث قصیدے کے موضوع (نعت و منقبت) کی انفرادیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تشبیب میں وہ اس کی نزاکتوں کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کہتی ہے مجھ سے معرفت ہووے گی خوب یہ غزل
ہمرہِ نعت و منقبت گر اسے انصرام دو
اپنی یہ عرض اس سے ہے کہہ تو بھلا یہ کیونکہ ہو
ایک زمین سنگلاخ اس میں تو ہو دیں کام دو

دے ہے جواب مجکو وہ ایک غزل تو کیا ہے یہ
ایسے کہے قصیدے تو صبح سے لے کے شام دو [۲۳]

نعت و منقبت کے مضامین کا آغاز مطلعِ ثانی سے شروع ہوتا ہے۔ نمونے کے کچھ شعر درج ذیل ہیں:

شقِ زبانِ خامہ ہیں گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک ہیں گو کہ ہوئے بنام دو
ہونے نہ دے غروب ایک مہر نمازِ عصر کو
ایک کرے اشارے سے قرصِ مہ تمام دو
...... ان کے طوافِ روضہ کو پہنچے کبھو نہ جبرئیل
رکھ کے زمیں پہ ایک گام تا نہ کرے سلام دو
...... ہوتے حکیم کس سبب معتقدِ قیام دہر
دیتے نہ گر زمانہ کو مل کے یہ انتظام دو
...... برشِ ان کے تیغ کی مجھ سے بیاں نہ ہو سکے
خامہ کی اب زبان ہوئی لکھنے سے جس کا نام دو

اختتامی اشعار میں حسنِ طلب کا رنگ انفرادیت بھی دیکھیے:

ہے یہ امید اسے یہی یوں علیؓ سے نبیؐ کہیں
اوروں کو دو جو ایک جام دیجیو اس کو جام دو
یہ بھی صلہ نہیں ہے کم عرصۂ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے باحترام دو [۲۴]

ان قصائد کے علاوہ سودا کے ہاں غزل میں بھی نعت کا نمونہ نظر آتا ہے۔ ان کے کلیات کی پہلی غزل میں حمد و معرفت کا بیان ہے اور دوسری غزل نعت کے موضوع پہ ہے۔ اس کی ردیف "محمدؐ کا" ہے۔ مطلع سے مقطع تک اس ردیف کی تکرار نے ساری غزل کے مضامین کو نعتیہ آہنگ دے دیا ہے۔ اس نعتیہ غزل کے کچھ شعر درج ذیل ہیں:

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آبِ محمدؐ کا
جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحابِ محمدؐ کا
محمدؐ علم کا گھر ہے علیؓ اس کا ہے دروازہ
غلام اس کا ہو تو جو کلب ہو بابِ محمدؐ کا

۔۔۔۔۔۔ زمین و آسماں ہوں کیوں نہ روشن نُور سے اس کے

کہ ہے اک پرتوِ خورشید مہتابِ محمدؐ کا

۔۔۔۔۔ ادا کس کی زباں سے ہو سکے شکر اس کی نعمت کا

دو عالم رینہ پہ چیں حق نے کیا قابِ محمدؐ کا

ہوا ہے کیا کچھ اہلِ بیت پر سودا نہ دم مارا

خدا بِن کون ہے آگاہ آدابِ محمدؐ کا [۲۵]

سودا کی غزلوں میں اِکّادُکّا اور بھی نعتیہ اشعار مل جاتے ہیں۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے:

پڑھتے درود، حسنِ صبیح و ملیح پر

جلوہ ہر ایک پہ ہے محمدؐ کے نور کا [۲۶]

سودا نے مثنوی میں بھی نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا التزام رکھا۔ ان کی مثنوی بہ عنوان "نصرد عشق پسر شیشہ گر بزرگ پسر بطور ساقی نامہ و دیگر حکایات شیخ و دعا پادشاہ"[۲۷] میں توحید و حمد کے بعد بیس اشعار کی ایک نعت ہے۔ اس کا نمونہ درج ذیل ہے:

محمدؐ باعثِ ایجادِ افلاک

محمدؐ علتِ غائی لولاک

محمدؐ کُنتُ کنزاً کی گواہی

محمدؐ عالمِ علمِ الٰہی

محمدؐ ہے مبشرِ عالمِ غیب

محمدؐ رازدارِ حق ہے لاریب

محمدؐ عادل و کامل و عاقل

محمدؐ ہے جو کچھ تھا اس کے قابل

۔۔۔۔۔۔ دو عالم کی بنا وہ رہبری کو

چلا دے منصبِ پیغمبری کو

نہ پیدا خاک سے ہوتا جو وہ پاک

نہ پھرتے آسماں گردِ سرِ خاک

لیا جب نامِ پاک اپنا بہ تعظیم

یہ فرمایا انا احمد بلا میم

خدا کا اوس کو ہم تجھیں نہ ثانی
پر اس سے ہے حدیث من رآنی
ہمیں کیونکہ نہ رحمت پہ یقیں ہو
کہ جب ایسا شفیع المذنبیں ہو
...... کہوں کیا خلقتِ انساں میں کیا ہے
شرف آدم کا فخرِ انبیا ہے
کرے جو ہمسری اوس کے کتاب
کہ نبیوں سے ہیں بہتر اوس کے اصحابؓ
کوئی صدق و عدالت علم میں طاق
کوئی علم و سخا میں شہرۂ آفاق

مذکورہ بالا نعت پارے کی زبان و بیان پر اگرچہ سودا کی قصیدہ نگاری کا انداز غالب ہے مگر قصیدوں کی نسبت یہاں نعت کا موضوع زیادہ واضح اور موثر انداز میں پیش ہوا ہے۔ اس نمونۂ نعت کو سودا کے نعتیہ قصائد کے ساتھ پڑھئے تو اس فرق کا شدت سے احساس ہو گا کہ سودا کے نعتیہ قصیدہ میں خارجی مضامین کا غلبہ اور زورِ بیان کا شکوہ نمایاں ہے۔ جب کہ مثنوی کے نعتیہ اشعار میں خالص نعت کے مضامین ہیں۔ یہاں اظہار میں بھی سلوگی اور روانی کا حسن اور تاثر غالب ہے۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں شاعر نے قرآن و احادیث کے الفاظ و تراکیب کا کثرت سے استعمال کیا ہے، مگر عربی کے یہ الفاظ نعت کے قارئین کے لئے اجنبی اور نامانوس نہیں دراصل انہی عربی الفاظ و کلمات نے مثنوی کے اس نمونۂ نعت کو حقیقی نعت کا آہنگ عطا کیا ہے۔

سودا نے حضور اکرمؐ کی تعریف میں آپؐ کو مختلف صفاتی ناموں، باعثِ ایجادِ عالم، علتِ خاقِ افلاک۔ عالم علمِ الٰہی، مبشرِ عالمِ غیب، رازدارِ حق، عادل، کامل، عاقل، شفیع المذنبیں اور فخرِ انبیاء سے یاد کیا ہے۔ ان اسمائے رسولِ مقبولؐ میں کچھ نام احادیث سے منصوص ہیں دوسرے سودا کے جودتِ فن اور تراکیب سازی کا نادر نمونہ، شمالی ہند میں حضورؐ کے اسمائے مبارک کو تخلیقِ نعت کا جزو بنانے کا اولین جذبہ سودا کے اسی نمونۂ نعت میں ملتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت اس لئے ضروری خیال کی گئی ہے کہ بعد میں اسمائے رسولؐ کو نظم کرنا نعت کا ایک پسندیدہ انداز قرار پاتا ہے۔

اس نعت کے آخر میں صحابہ کرامؓ کی مدح کا رنگ بھی شامل ہے۔ سودا نے ان نعتیہ شعروں میں جن مضامین و موضوعات کو قلمبند کیا ہے ان کا غالب حصہ قرآن و احادیث سے ماخوذ ہے مگر کہیں کہیں غیر معتبر روایات و احادیث

کو بھی قلمبند کر دیا گیا ہے۔ حضورؐ کو "احمد بلا میم" کہنے کا غیر اسلامی تصور یوں تو ہر دور کی نعتیہ شاعری میں نظر آتا ہے مگر اسے حضورؐ کی حدیث کے طور پر پیش کرنے کی پہل (شاعری میں) سوداؔ کے ہاں نظر آتی ہے۔

لیا جب نام پاک اپنا بہ تعظیم

یہ فرمایا "انا احمد بلا میم"

اسی طرح صحابہ کرامؓ کی دیگر انبیائے کرام پر فوقیت بھی سوداؔ کے تخیل اور زورِ بیان کی ایجاد ہے۔

سوداؔ کی ایک اور مثنوی ایک درویش اور عروس کے بارے میں ہے۔ یہ مثنوی قریباً ۱۵ صفحوں (کلیاتِ سوداؔ جلد دوم ص ۸۵ - ۱۰۰) پر مشتمل ہے۔ اس کے آغاز میں "در حمدِ باری تعالےٰ" اور "در بیان مناجات" کے درمیان میں نعت کے درج ذیل شعر ملتے ہیں۔ اس مثنوی کے مختلف حصوں کی طرح نعت کا بیان ساقی نامہ کی طرز پر ہے ملاحظہ فرمایئے:

الا اے ساقیٔ فرخندہ فرجام

ادب کی مے سے تو آتش کا بھر جام

کہ یاں نقدِ فضولی ناروا ہے

نہیں یہ حمد، نعتِ مصطفیٰؐ ہے

زہے سرِ دفترِ اربابِ ملّت

تداویٔ بخش صد انواعِ علّت

محمدؐ وہ کہ ہیں جتنے پیمبر

ہیں اوس کے مرتبے سے سب فروتر

نہ ہوتا وہ اگر زینت دہِ خاک

تصدّق خاک کے ہوتے نہ افلاک

جہاں میں ہے یہ جتنا کچھ ہویدا

ہوا اوس کے لئے سب کچھ یہ پیدا

غرض جو کچھ کہ اس کا مرتبہ ہے

خدا ہی عالم اوس کا یا خدا ہے

نہ حد اوس کی ثنا کا ئق نہیں ہے

ثنا گر اُن کا جبریلِ امیں ہے

بس اب بہتر ہے اس جا گہ خموشی
کہ ہو عجزِ سخن کی عیب پوشی
سکوتِ بر محل ہے دل کی تفریح
سخن پر اس کو سودا رجہ ہے ترجیح [۳۸]

سودا کی نعت کا مذکورہ بالا نمونہ بھی اپنی معنوی خوبیوں کے باعث اپنا ایک خاص تاثر رکھتا ہے بلکہ جب ہم شمالی ہند کی نعت گوئی کے اولین نمونوں میں سودا کے نعتیہ اشعار پڑھتے ہیں تو سودا کی قادر الکلامی، فنی مہارت، پختگیٔ خیالات اور تشبیہات و استعارات کی ندرت ہمیں بہت متاثر کرتی ہے۔

"مثنوی در ہجوِ فدوی متوطن پنجاب کہ دراصل بقال بچہ بود" کے آغاز میں بھی "لولاک لما خلقت الافلاک" کا شاعرانہ بیان ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں:

یا رو خدا ایک ہے دوسرا ہے بر حق نبیؐ
صورتِ لوح و قلم جس کے لئے خلق کی
راست ہی مثل بولنا ان کی ہی سوگند ہے
آج زباں ہے کھلی کل کے تئیں بند ہے [۳۹]

یوں راست گوئی کی تعریف کرتے ہوئے مثنوی کے واقعہ کی طرف رجوع کیا ہے:

رحمت للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

دھر زیرِ سایۂ لطفِ عمیم
خلق سب وابستۂ خلقِ عظیم
تجھ سے جو پائے کرم عاصم اثیم
تخت حاجت مند ہیں ہم تُو کریم
رحمت للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

میر کا نعتیہ مسدس "دربارِ رسالت مآب میں ایک عاصی اور گنا ہگار کا ندامت نامہ" ہے۔ بارہ بندوں پر مشتمل یہ مسدس ایک منفرد تاثر کا حامل ہے۔ میر حضور اکرمؐ کی رحمت، لطفِ عمیم، خلقِ عظیم اور دوسرے اوصاف کا ذکر کرکے اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتے ہیں۔ ٹیپ کا شعر بار بار رحمت طلبی اور حصولِ شفاعت کی شدید

تڑپ کا اظہار کرتا ہے۔ اور ایک درد انگیز کیفیت لئے ہوئے ہے۔ کم و بیش تمام بند اسی ٹیپ کے شعر کی وضاحت اور تشریح نظر آتے ہیں۔

میر کی نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کے اظہار کے بجائے اپنے گناہوں اور خطاکاریوں پر ندامت کا اظہار اور رحمت طلبی کا تاثر نمایاں ہے۔ میر کے کلام کی خصوصیات جن میں دردمندی، اخلاص اور سوز و گداز کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس نعتیہ مسدس کے ہر بند میں نمایاں ہیں۔ میر کی نعت میں مناجات اور التجا کا رنگ ایک ایسی منفرد خصوصیت ہے جو اسے شمالی ہند کے اولین نعت پاروں میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ میر نے اگرچہ اس نعتیہ مسدس کے علاوہ نعت میں کوئی قابلِ ذکر شعر نہیں کہا۔ (ان کی مثنویوں میں بھی روایتِ نعت کا التزام نہیں ملتا)۔ مگر یہ ایک مسدس ہی اپنی فکری و فنی خوبیوں کے باعث اس قابل ہے کہ شمالی ہند کے اولین نعت گو شعرا میں میر کا ذکر بھی کیا جائے۔

میر کی یہ خوبصورت رباعی بھی دیکھیے:

پیغمبرِ حق کہ حق دکھایا اس کا
معراج ہے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اُسے نہ تھا یہ باعث ہو گا
کل حشر کو سب پہ ہو گا سایا اس کا

غلام ہمدانی مصحفی (م ۱۲۴۰ھ)

سودا اور میر کے ہم عصر ہیں۔ انہوں نے دلی کے دبستان شاعری کی شعری روایات میں آنکھ کھولی مگر نادر شاہ اور دلی کی تہذیبی شکست و ریخت کے بعد یہاں سے نقل مکانی کر گئے۔ ان کی عمر کا آخری حصہ لکھنؤ میں گزرا۔ یوں انہوں نے لکھنؤ کے دبستانِ شاعری کا رنگ بھی دیکھا۔ مصحفی کے کلام کی طرح اس دور کے دوسرے شاعروں سے منفرد کیفیت لیے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں غزلوں میں کہیں کہیں نعت کا شعر نظر آتا ہے:

نہ ہو گی جاں کنی کے وقت ہرگز تشنگی غالب
کہ تو اے مصحفی مداح ہے ساقیِ کوثر کا
خداوندا انہیں مشتاق میں سرو و صنوبر کا
بروزِ حشر ہو سر پہ مرے سایہ پیمبر کا

سر تاجِ فصحاں میں نہ ہوں کیوں کہ مصحفیؔ!

سایہ ہے میرے سر پہ محمد کی میم کا[۴۱]

ایک مخمس کا آغاز بھی مدحِ پیغمبرؐ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ یہ مخمس نواب وزیر الممالک آصف الدولہ مرحوم کے بارے میں ہے:

اوّل تو مدح گوئے پیمبرؐ ہے مصحفیؔ!

پھر نغمہ سنجِ مدحتِ حیدر ہے مصحفیؔ![۴۲]

درج ذیل رباعی میں حمد، نعت اور منقبت کا بیان ایک ساتھ ہے:

اس رنج میں تو نے بہت دکھ پایا

اور مارے قلق کے سخت تو گھبرایا

اب ہے یہ دعا کہ مصحفیؔ تجھ پہ رہے

اللہ و محمدؐ و علیؑ کا سایا[۴۴]

مصحفیؔ کے دیوان ہفتم میں ایک ایسی رباعی بھی ملتی ہے جس میں انہوں نے درود و نعت کا ذکر کرتے ہوئے اہلِ تشیع پر سخت طنز کی ہے۔ واضح ہو کہ یہ رباعی مرنے سے چند سال پہلے کی ہے:

مجھے ہیں درود سے بھی نعت کو بہ خوب

یہ شیوہ نہیں طبع کو اپنی مرغوب

ہے مجلسِ شیعاں میں اک سُنّی یوں

سو نکٹوں میں ناک والا معیوب[۴۵]

"ریاض الفصحاء" میں مصحفیؔ نے عربی میں اپنے نعتیہ قصیدہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ تلف ہوگیا۔

"۔۔۔۔۔ یک دو جزو قصیدہ نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ گفتہ بودم آن جزو مسوّدہ صاف کردہ برطاق بلند افتادہ بود بہ سبب نم زدگی باراں ارضہ قوت خود نمودہ پارہ کاغذ کرم خوردہ دپارہ بہ سلامت بہ آمدہ مضمون بستہ آں تعلم از دست رفت ۔۔۔۔۔"[۴۶]

مصحفیؔ کے اردو قصائد میں ایک نعتیہ قصیدہ خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہے۔ اس میں مصحفیؔ نے اپنے شاعرانہ مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے اس زمانے کے شاعروں کے لسانی و عروضی رویّوں اور ضرورت سے زیادہ زبان و محاورہ کی صحت اور استادانہ طرزِ عمل کے طنزیہ بیان سے قصیدے کا آغاز کیا ہے:

بعضوں کو گماں یہ ہے کہ ہم اہلِ زباں ہیں

دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں

پھر تس پہ ستم اور یہ دیکھو کہ مرد نثی
کہتے ہیں سدا آپ کو اور لاف گزاں ہیں
...... اک ڈیڑھ ورق پڑھ کے وہ جامی کا رسالہ
کرتے ہیں گھمنڈ اپنا کہ ہم قافیہ داں ہیں

یہ مضمون کچھ اور آگے چل کر گریز کا رخ اختیار کرتا ہے:

حاصل ہے زمانے میں جنہیں نظم طبیعی
نظم اون کی کے اشعار بہ از آب رواں ہیں
پروا انہیں کب ہے ردیف اور روی کی
کب قافیہ کی قید میں آتش نفساں ہیں
مجھ کو بھی عروض آتی ہے نہ قافیہ چنداں
اک شعر سے گردیدہ مرے پیر و جواں ہیں
سو کیوں نہ ہوں، ہونٹوں میں بھی تو لیے کا تنا خواں
جس کے لیے مخلوق، یہ سب کون و مکاں ہیں
ماہِ عرب، اُمّی لقب، امّی کہ محمدؐ
نت جس کی طرف دیدۂ انجم نگراں ہیں

یہاں سے مدح رسولؐ کا حصہ شروع ہوتا ہے جو مصحفی کی قادر الکلامی اور زور بیان کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

ان کے نعتیہ قصائد کی تشبیبوں میں تنوع پایا جاتا ہے۔ ان میں نادر تخیل اور جدت [illegible] کا شعور نمایاں ہے۔ انہوں نے نعتیہ قصائد کی تشبیب میں عاشقانہ شعر بھی لکھے۔ ان کا یہ قصیدہ جس کا مطلع درج ذیل ہے ایسی ہی تشبیب سے عبارت ہے۔ اس "گریباں آستیں دامن" کی ردیف مصحفی کی مشکل پسندی کا ثبوت ہے۔

جو ہاتھ آیا مرے یکسر گریباں آستیں دامن
سو تھا سو چاک کے در پور گریباں آستیں دامن

بہ حیثیت مجموعی شمالی ہندوستان میں سودا کے بعد مصحفی نے قصیدے میں نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے نعت میں جو چند قصیدے (دیوان قصائد جلد اول دو قصیدے، دیوان قصائد جلد دوم تین قصیدے) کہے، وہ متانت، پاکیزگی اور خلوص سے عبارت ہیں۔

حکیم مومن خاں مومنؔ (م ۱۲۶۸ھ)

نے بھی اردو نعت کے سرمایہ میں وقیع اضافہ کیا۔ انہوں نے نعت میں ایک زوردار قصیدہ لکھا جو ۹۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ مثنوی میں نعت کے ۸۲ شعر کہے۔ قدسی کی فارسی غزل پر تضمین کی اور چند نعتیہ رباعیاں لکھیں۔ ان کے علاوہ غزلوں میں اور حمد و منقبت سے متعلق قصیدوں میں بھی نعت کے شعر کہے۔ غالب اور اس دور کے بعد دوسرے نامور شاعروں کے حوالے سے دیکھا جائے تو مومنؔ کا یہ مختصر سا اثاثۂ نعت بڑی وقیع اور قابلِ ذکر نظر آتا ہے۔ مومن کے نعتیہ قصیدے کا نام "زمزمہ سنجی بلبل بہ مضمون باد خوانی نسیمِ گلشنِ نبوت و شمال چمنِ رسالتؐ" ہے یہ مطلع در مطلع تین اجزا پر مشتمل ہے۔

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبحِ شبِ ہجر، ناہمائے خروس [۹۳]

زباں لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعلِ افسرِ کاؤس [۹۴]

ترے ہے فیض سے ہر قطرہ آبیار مجوس
ترے ہے نور سے ہر ذرہ جلوہ نار شموس [۹۵]

یہ قصیدہ، جیسا کہ ان مطلعوں سے ظاہر ہے ایک علمی انداز لئے ہوئے ہے۔ اس میں الفاظ و تراکیب کا شکوہ بھی ہے اور زورِ بیاں بھی۔ کہیں کہیں نامانوس الفاظ اور ایسی علمی اصطلاحات استعمال کر جاتے ہیں کہ عام قابلیت کے لوگ اس قصیدے کی صحیح تفہیم سے محروم رہتے ہیں۔ منطق و فلسفہ، عقائد و کلام، طب و حکمت، نجوم و ہیئت کئی علوم و فنون کی مصطلحات کے سبب قصیدہ میں شعریت کی جگہ علمیت بنے لے لی ہے۔ ڈاکٹر محمود الٰہی، مومنؔ کے نعتیہ قصیدے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"دینی اصطلاحات، علمیت اور بلاغت کے لحاظ سے بھی مومن کا درجہ بلند ہے۔ جہل وہ اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں۔ ذوق کی علمیت کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور زورِ بیان و برجستگی میں سودا کے ہمدوش ہو جاتے ہیں۔ مانوس، خروس کی زمین میں جو قصیدہ ہے، وہ مومن کی بے پناہ علمیت کی دلیل ہے۔" [۹۶]

اس قصیدے کی تشبیب، گریز اور مدح کے کچھ اشعار دیکھیے۔ تشبیب بہاریہ ہے اور کافی طویل ہے:

ہے اس طرح فرح انگیز کوکوئے قمری
کہ جیسے نوج مظفر میں شور و غلغلِ کوس
نوائے طوطیِ شکر فشاں کی لذت سے
سماع و رقص میں اہلِ مذاق جوں طاؤس
..... صفائے وہ در و دیوارِ باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس
زہے فریبِ صفا خاک بیز سے پکھیں
پڑے جو وسعتِ گل زار میں گلوں کے عکوس
..... یہ آب و رنگ کہاں لعل اور زمرد کا
مگر دیا ہے گل و سبزہ نے انہیں ملبوس
..... ہوا ہے بس کہ گلِ شمع بھی ہے عطر آگیں
علاوہ مثلہ عطار بن گئی فانوس

گریز کا مرحلہ دیکھیے:

ہوا ہے کون سی ایسی مگر مدینے کی
دمِ مسیح کو ہے جس کی حسرتِ پا بوس
شرف مدینے کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہو
جسے بتاتے ہیں محبوبِ حضرتِ قدوس

مدح کے کچھ شعر ملاحظہ ہوں:

..... وہ کون؟ احمدِ مرسل، شفیعِ ہر دو سرا
جو خلق کا سبب اور باعثِ معاد نفوس
جہاں مطاع، شہنشاہ آفتاب نشاں
فلک سریر و قمر طلعت و ملک ناموس
سیاہ چشموں کو مشکل نگاہ دزدیدہ
یہ اس کے حفظ سے بے ملک معدلت محروس

...... کرم میں دوں اسے نیسال سے کس طرح تشبیہ
کروں میں جان کے کیوں کر ترقیِ معکوس
کہ جس کی بخششِ یک روزہ کو وفا نہ کریں
ہزار سالہ گہر ہائے قلزم و قاموس

قصیدے کے آخری حصہ میں قطعہ کے عنوان سے مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور رنگ اختیار کرتی ہے۔ یہاں بھی مومن کی نعت گوئی پر علمی رنگ غالب ہے اور مختلف تلمیحات و اصطلاحات کے حوالے سے شانِ محمدی کے مقام و مرتبہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ قصیدہ کے آخر میں مومن نے اپنے ذاتی واردات اور مشکلات کا اظہار کیا ہے یہاں مومن کے لب و لہجہ میں داخلیت کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے۔ مومن نے دربارِ رسالت مآب میں بے مہریٔ زمانہ، جورِ فلک، اپنے علوم و فنون کے رائیگاں جانے اور بدقسمتی کی شکایت کرتے ہیں۔ اور یہاں قصیدہ حسنِ طلب اور دُعا کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے جس میں دوستوں کے بامراد اور دشمنوں کے نامراد رہنے کی دعا مانگی ہے۔

درج ذیل اشعار میں مذکورہ مضامین و موضوعات کا نمونہ دیکھیے:

اگر کہے مددے یا محمدِ عربی
صفیرِ مرگ ہو رستم کو نعرہ اکوس

...... براق اسپ ترا ابروئے فرشتہ رکاب
کہاں ہے چشمِ بشر ایسے پاؤں سے ممسوس
نہ جس کے دھیان میں مضمونِ قابَ قوسین آئے
وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس

...... ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے
ہزار گونہ ستم روزگارِ نامانوس
کچھ انتہا بھی کواکب کے دَورِ بے جا کی
ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماعِ نحوس

...... خدا کے واسطے گرمِ دُعا ہو بس مومن
کہ منتظر ہے ازل سے اجابتِ قدوس
ہے جب تلک گلِ دربر قسمتِ نہال و شجر
ہے جب تلک دلِ لالہ میں داغِ حسرت و بدکس

مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخلِ مراد

رہینِ داغ عدو کا رہے دلِ مایوس ۲۲

شروع سے آخر تک اس نعتیہ قصیدے کا انداز مومن کی علمی وجاہت اور نکتہ آفرینی کا گواہ ہے۔ اس قصیدے کے قوافی شموس، عبوس، الکیوس، سبوس، سوس، فلوس، ایوس، بلبوس، محروس، ارانیوس، جاموس، کیوس، دبوس، بستوس، جالینوس، بطلیموس، منحوس، طوس وغیرہ مومن کی مشکل پسندی، زورِ بیان، قادر الکلامی اور بے پناہ علمیت کی دلیل ہیں۔

قصیدہ کے برعکس مثنوی میں مومن کے ہاں سلاست و روانی کا احساس ہوتا ہے۔ کلیاتِ مومن میں "مثنوی ناتمام دیگر" کے عنوان سے ایک نعتیہ مثنوی ملتی ہے جس کے آخر میں ایک طویل مناجات ہے۔ اس مثنوی کا آغاز ساقی نامہ کے انداز میں ہوتا ہے۔ آغاز کے کچھ اشعار یہ ہیں:

پلا ساقیا جامِ کوثر مجھے

خرابِ شرابِ محبت کر مجھے

وہ ذوق آشنا لذت افزا شراب

کہ تسنیم ہو شرم سے جس کی آب

وہ مے جو کرے لوثِ عصیاں کو دور

کہے جس کو خالق شرابِ طہور

...... وہ مے جس کے حور و ملک تشنہ کام

وہ مے جو سوا احمدی کے حرام

وہ مے جس کی قلقل ندائے صلات

سبو و صراحی ادائے صلات

...... خرابِ شرابِ سخن ہو قبول

ستوں سے فروشِ ثنائے رسول ۲۳

مومن کی نعت کا یہ انداز اردو نعت کے متنوع اسالیب میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ مومن نے نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مضمون کے لیے ساقی ناموں کا معروف اسلوب اختیار کیا اور ساقی و شراب سے متعلقہ علائم و رموز کو حضورِ اکرم کی محبت، پیغام اور صفات کے بیان کے لیے استعمال کیا۔ جملہ فنی محاسن کے علاوہ اس نعت میں مومن کے مذہبی عقائد (اہلِ حدیث) کا سراغ بھی ملتا ہے۔ ان کی نعت میں قرآن و احادیث کے

حوالے اور مقامِ رسالت مآب کے بیان میں شرعی حدود و قیود کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے:

محمد سزائے ستائش گری
مدیح آفریں جس کی پیغمبری
دلِ ساکنانِ سپہرِ بریں
سرِ انبیاؑ سیّد المرسلیںؑ
وہ اُمّی وے نقش بندِ علوم
کلام اس کے سب دل پسندِ علوم
یہ کیسے فنون اس کو حاصل ہوئے
کہ سارے صحف نقشِ باطل ہوئے
اسی بات پر حجّت اتمام ہے
کہ جو بات ہے وحی و الہام ہے
...... وہی شافعِ خلق روزِ جزا
اسی کی گزارش پہ عفو و سزا
نکو خواہ ساری امم کا وہی
وسیلہ نجات و کرم کا وہی
وہی ساقیٔ کوثر و سلسبیل
وہی آبروبخشِ عبدِ ذلیل
...... نہ کیجیے اگر حسبِ شرعِ رسولؐ
خدا کی بھی طاعت نہ ہووے قبول
...... یہ کیا جسمِ خاکی کی معراج ہے
کہ نقشِ قدم عرش کا تاج ہے [۵۵]

یہ وہ مقام ہے جہاں مومن معجزاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں۔ اس زمانے میں بعض لوگ واقعۂ معراج اور معجزہ شق القمر کے بارے میں مغربی خیالات اور جدید علوم کے زیرِ اثر طرح طرح کی تاویلیں کر رہے تھے۔ مومن ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں:

جو کہتے ہیں خرقِ فلک ہے محال
یہی ہے دلیلِ ضعیفِ خیال

سمجھنے کی ہے بات اے نکتہ داں
ہوا خلق جس کے لئے آسماں
ہوا خرق اس کے لئے پھر اگر
تو کیا دور ہے گفتگو مختصر
کہاں نکتہ چیں میں دمِ جنگ ہے
کہ یاں بحث کا دائرہ تنگ ہے
بس اے تیرہ باطن نہ انکار کر
کہ برہان ساطع ہے شق القمر
تجھ میں جو آوے وہ اعجاز کیا
خیالات وسواس پرداز کیا
گیا ہے کدھر فلسفی کا خیال
کہاں فکرِ ناقص کہاں یہ کمال
تری عقل کیا اے ظلوم و جہول
کہ حیراں ہیں یاں سب نفوس و عقول
تک سے نہ ہوں حصر اس کی صفات
زیادہ ثوابت سے ہیں معجزات[۵۶]

مومن نے معجزاتِ رسول اکرمؐ میں سب سے زیادہ زور آپ کا سایہ نہ ہونے پر دیا ہے۔ منطقی اور شاعرانہ دونوں اعتبارات سے مومن نے اس ایک مضمون سے کئی مضمون پیدا کئے ہیں۔ اس حصۂ نعت میں (جو تقریباً ۱۹۔اشعار پر مشتمل ہے) مومن نے کہیں دلائل سے کام لیا ہے اور کہیں تمثیلی انداز سے نفسِ مضمون کی وضاحت کی ہے: ؎

کدورت کہاں جسمِ اطہر سے تُو
کہ نورِ مجرد کا مظہر ہے تُو
..... اگر ذات وجہِ وجودِ امم
تو سایہ ہے آبادِ ملکِ عدم
...... ہوا جب کہ بحرِ ہدایت موجزن
کہ ہو جلوہ فرما زمیں پر وہ نور

گوارا نہ تھا بس کہ ہونا جدا
رہا سایہ حاضر حضورِ خدا [۵۷]

ایک اور نمایاں موضوع جس کی طرف مومن نے اس نعت میں اشارہ کیا ہے حضورِ اکرمؐ کی سنتِ جہاد ہے۔ اردو نعت میں مومن سے پہلے حضورِ اکرمؐ کی شخصیت کے اس پہلو کا بیان نہ ہونے کے برابر ہے۔ مومن، شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد سے متاثر تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک جداگانہ مثنوی بھی لکھی (اس مثنوی کی بحر اور انداز بھی زیرِ نظر مثنوی جیسا ہے)۔ یہاں بھی آنحضرتؐ کی نعت کے بیان میں مومن نے جہاں دوسری صفات کا ذکر کیا ہے وہاں جہاد، حضورؐ کی شجاعت، اور عسکری صفات اور احتساب جیسے جلالی اوصاف کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مومن کی نعت کا یہ پہلو بھی دیکھئے:

وہ مستاصلِ بیخِ کفر و عناد
کہ جس کی چھری تیغِ وقتِ جہاد
دمِ قتلِ کفار قہرِ خدا
ستم گارِ دشمن نوازِ عدا
زبانِ کشش سخت چالاک و چست
شکستہ کماں میں تگاپو درست
قضا کی نظر سے دو بیمار ہے
اجل پر غضب کار فرما رہے
عجب استتاب اس کا اعجاز جوش
نراتِ افتادہ بدن افسردہ نوش [۵۸]

حضورؐ کی جلالی صفات کے اظہار کے بعد نعت کے دوسرے مضامین کا بیان ہے۔ یہاں تراکیب و تشبیہات کی ندرت اور بلاغت قابلِ تحسین ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

نگہبانِ صد گونہ اسرارِ دل
گہر تابِ جوہر بختِ بیدار دل
نہ شکستہ زلزلِ بخت و بش
گواہِ نبوت شجر تا حجر
مطاعِ جہان و مطیعِ الٰہ
سرافرازِ صبر و جہاں اُمید شاہ

بہارِ ازل خاتم المرسلیںؐ

گُلِ اوّلین و بہ آخرین ﷺ

نعت کے اختتام میں حضور اکرمؐ آل و اصحاب اور آئمہ و شہدائے اسلام پر درود و سلام بھیجا گیا ہے اس کے بعد مثنوی میں مناجات اور دعا کے مضامین شروع ہو جاتے ہیں۔

مومن نے قدسی کی مشہور نعت پر ایک خمسہ بھی لکھا جس میں حضور اکرمؐ سے حد درجہ احترام و عقیدت کے ساتھ اپنی محبت و شیفتگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس خمسہ کے دو بند درج ذیل ہیں:

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی
میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبیؐ
یا نبی یک نگہ لطف بہ امی و ابی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

. . . . . . کر سکے پایہ عالی کو ترے کون ادراک
تیرے درجے کو نہ پہنچے ہی پہنچے نہ سماک
گر یہ کافی تھی فضیلت کہ حدیث لولاک
شب معراج عروج تو گذشت از افلاک
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبیؐ

یہ خمسہ ۹ بندوں پر مشتمل ہے۔ حضور اکرمؐ کے اوصاف کے بیان کے ساتھ شاعر نے کہیں کہیں اپنی حرص ذنوب، عجز، بیانی، آپ سے دوری میں زندگی کے رائیگاں جانے کا احساس اور دوسری داخلی کیفیات کا اظہار کیا ہے۔ اس خمسے کا درمیانی بند نعت کا نہ بصورت نمونہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

صاحب خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام
وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا مقام
آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

مومن کی رباعیات میں بھی تین چار رباعیوں میں حضور اکرمؐ ان کی اطاعت گزاری اور دین اسلام سے

اپنے شغف و توبہ کا ذکر کرتا ہے مگر بیان زیادہ زور اپنے مذہبی عقائد کے اظہار پر ہے:

ارباب حدیث کا میں فرماں بر ہوں
تقلید کے منکروں کا سر رفتہ ہوں
مقبول روایت آئمہ نہ قیاس
یعنی کہ فقط مطیعِ پیغمبر ہوں [11]

مجموعی طور پر مومن کے نعتیہ اشعار عقیدت و وابستگیٔ رسول کے ساتھ ایک عاجزانہ شان کے مظہر ہیں۔ مومن نے نعت میں اگرچہ چند نمونے ہی پیش کیے مگر علمیت و شعریت کے امتزاج کے سبب ان کے نعتیہ اسلوب کا ایک منفرد رنگ ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں احترام و عقیدت کی شدت کے باوجود اظہار کا ایک سنجیدہ انداز ملتا ہے اور کہیں بے اعتدالی نہیں پائی جاتی اور یہی ان کی نعت کا رنگِ خاص ہے۔

گزشتہ اوراق میں ہم نے اردو کے ان معروف شاعروں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے دوسری اصناف کے ساتھ نعت کو بھی جزوی طور پر اپنے فکر و فن کا موضوع بنایا۔ جزوی طور پر نعت گوئی کی یہ روایت میر و سودا کے دور سے کم و بیش شمالی ہند کی پوری شاعری تک پھیلی ہوئی ہے۔ نعت کے کچھ شعر یا غزل و قصیدہ کی ہیئت میں کچھ نعتیں ہر دیوان و کلیات میں نظر آ جاتی ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی اس انداز کی نعت گوئی نے اردو نعت کی تاریخ و ارتقا میں کسی واضح رویے کو جنم نہیں دیا۔ مگر نعت گوئی کی روایت کے تسلسل کو نعت کی اس ریزہ کاری نے کسی نہ کسی شکل میں برقرار رکھا اور جہاں کہیں یہ موضوع کسی قادر الکلام اور پختہ شاعر کے فکر و فن کا موضوع بنا وہاں اس ریزہ کاری میں تقلید کی بجائے تخلیق کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔

ان انفرادی مثالوں میں انیس و دبیر کا نعتیہ کلام قابلِ ذکر ہے۔ ان کا نعتیہ کلام اگرچہ چند رباعیوں اور ایک دو قصائد تک محدود ہے لیکن ان میں ان باکمال شاعروں کی فنی مہارت پورے محاسن کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ خصوصاً میر انیس کا "فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمد ﷺ" کے مصرعے سے شروع ہونے والا نعتیہ مسدس کیف آور اور مؤثر ہے اور اس کے الفاظ و تراکیب میں قصیدے کا سا شکوہ ہے۔

قصائد میں میر نظام الدین ممنون نے سودا و مصحفی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ سرورِ کائنات کی مدح میں انہوں نے تین قصیدے لکھے جو ان کے زورِ قلم کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ ایک قصیدے کا مطلع ہے:

نگاہ و غمزہ و ابرو و مژگانِ جفا کیشاں
رگِ جاں میں، جگر میں، دل میں، سینے میں ہیں پنہاں [12]

یہ خوبصورت تراکیب کا ایک دلکش جادو ہے۔ اس کے ہر شعر میں انہوں نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے

اور ہر بات کے لئے وہ دلکش الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔ لفظی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس قصیدہ کے اکثر مصرعوں کے ارکان ترصیع رکھتے ہیں۔ مرصّع میں جس ترنم اور وزن کی ضرورت ہوتی ہے وہ ممنون کے یہاں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی اور نواب مرزا محمد تقی خاں ہوس نے بھی نعت میں چند قصیدے کہے۔

میر مہدی مجروح کا دیوان "مظہرِ معانی" (مطبوعہ ۱۲۱۹ھ) میں شائع ہوا۔ انہوں نے بھی غزل کی ہیئت میں چند سہل ممتنع نعتیں لکھی ہیں۔ چھوٹی بحروں کی ان نعتوں میں حسن اور تاثیر ہے۔ سہل اور سادہ زبان اور مختصر بحروں میں پہلے پہل مجروح ہی نے نعتیں لکھیں۔ اس رنگ میں تقدمِ زمانی کے اعتبار سے ان نعتوں کا ایک خاص مقام ہے۔

میر حسن (م ۱۲۰۳ھ) جرأت (م ۱۲۲۵ھ) انشاء اللہ خاں انشاء (م ۱۲۳۳ھ) نظیر اکبر آبادی (م ۱۲۴۶ھ) سعادت یار خاں رنگین (م ۱۲۵۱ھ) ناسخ (م ۱۲۵۴ھ) ذوق (م ۱۲۷۱ھ) اور بہادر شاہ ظفر (م ۱۲۷۹ھ) وغیرہ کے ہاں مثنوی، غزل اور مخمس کی شکل میں نعتیہ شاعری کے اکا دکا نمونے مل جاتے ہیں۔

ماحصلِ گفتگو یہ ہے کہ شمالی ہند میں نعت گوئی کا یہ دور زیادہ تر رسمی و تقلیدی روایتوں سے عبارت ہے اس دور میں اردو کے معروف شاعروں نے جزوی طور پر نعت گوئی کو اپنایا ضرور مگر کسی کے ہاں نعت سے کلی وابستگی نظر نہیں آتی بلکہ کسی کے ہاں نعت کا غالب حصہ بھی نہیں۔

اردو نعت "دورِ تشکیل میں"

شمالی ہند میں اردو نعت کا دوسرا دور کرامت علی شہیدی، مولانا کفایت علی کافی، مولانا غلام امام شہید، مولانا لطف بریلوی اور مولوی تمنا مراد آبادی سے شروع ہوتا ہے۔ ان نعت گو شاعروں نے اردو نعت کو تقلیدی دور سے نکال کر تشکیلی دور میں داخل کیا۔ انہوں نے اپنے شغفِ نعت سے نہ صرف یہ کہ نعت گوئی کی ترویج تشہیر میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں بلکہ نعت کے اعلیٰ نمونے بھی تخلیق کئے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جب غزل کے دیوان کی طرح پہلی بار ردیف وار نعتیہ دیوان مرتب کرنے کا آغاز ہوا۔

اردو نعت کے اس تشکیلی دور کے پس منظر میں سب سے بڑا اخضری، معاشرتی و مذہبی روایتیں اور تحریکات ہیں جن میں سرِ فہرست سید احمد شہید کی اصلاحی تحریک، اور اس کے رد عمل میں شدید ردِ عمل کی تحریک ہے۔ سید صاحب کی تحریکِ اصلاح نے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی تعمیر پر زیادہ زور دیا اور پیر پرستی،

قبر پرستی، سوئم، چہلم، شادی کی ہندوانہ رسوم، بے جا اسراف، ممانعتِ نکاحِ بیوگان، وغیرہ مشرکانہ بدعات کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اسی سلسلے کی ایک اہم اور مؤثر کڑی شاہ اسماعیل شہید کی معروف کتاب "تقویت الایمان" (سنِ تصنیف ۱۲۴۳ھ) ہے۔ یہ اگرچہ اصلاحِ عقائد و ترکِ بدعات کی ایک مخلصانہ کوشش تھی، مگر اس کے اکثر مندرجات جن کا تعلق مسئلہ علمِ غیب، مسئلہ حیات النبیؐ، توسل فی الدعا، استمداد اور غیر اللہ کو پکارنا، مجالسِ اعراس اور محافلِ میلاد کے انعقاد سے ہے۔ برصغیر کے غالب مسلمانوں کے مذہبی عقائد و خیالات سے متصادم تھے۔ "تقویت الایمان" کے خلاف گہرا ردِ عمل ہوا۔ اور کسی نہ کسی شکل میں اب تک ہو رہا ہے۔ تقویت الایمان کو "تفویت الایمان" کہا گیا ہے۔ اس کے رد میں فتاویٰ اور کتب و رسائل کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ اس میں زیرِ بحث مسائل پر "بدعتی" اور "وہابی" گروہوں میں مناظروں اور بحث و مباحث کی شدت و کثرت نے نعت پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔ حیات النبیؐ، علمِ غیب اور دوسرے مسائل کے علاوہ تقویت الایمان کی عبارت

"۔۔۔۔۔ اس شاہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم "کُن" سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی، جن اور فرشتے، جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔۔۔۔۔"[۹۰]

نے امکانِ نظیر اور امتناعِ نظیر کے مسئلہ کو جنم دیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی اور ان کے متبعین نے امکانِ نظیر کے خلاف اور امتناعِ نظیر کے حق میں نہ صرف یہ کہ فتوے جاری کیے، بلکہ رسائل لکھے اور منظومات کہیں[۹۱]

"تقویت الایمان" کے خلاف شدید ردِ عمل اس دور کے نعت گو شاعروں کے ہاں بھی ملتا ہے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ کی فضیلت، مدح اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کے ساتھ ان عصری مذہبی مسائل کو بھی اپنی نعت گوئی کا موضوع بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی نعت گوئی میں درج ذیل مضامین و رویے بکثرت ملتے ہیں:

۱۔ مجالسِ میلاد کے انعقاد کی اہمیت و فضیلت پر زور اور منکرانِ میلاد کے خلاف شدید ردِ عمل۔

۲۔ میلادیہ نعتوں کی کثرت، جن میں حضور اکرمؐ کی ولادت کا تذکار ہوتا ہے۔

۳۔ درود شریف کے موضوع پر نعتیں اور سلام و قیام کے مضامین۔

۴۔ حیات النبی اور آنحضرتؐ کے علمِ غیب کے مضامین کی کثرت۔

۵۔ حضور اکرمؐ کی بشریت کے مقابلے میں آپؐ کی رسالت و نبوت کا خصوصی تذکرہ۔

۶۔ یا رسول اللہ، یا نبی، یا مصطفیٰ اور اسی انداز سے خطاب، نیز آپؐ سے استمداد اور توسل فی الدعا کے مضامین۔

۷۔ امکانِ نظیر کا رد اور امتناعِ نظیر کا بیان۔

ان مذہبی مسائل و مضامین کے علاوہ تشکیلی دور کی نعت گوئی میں معاصر ادبی میلانات کی جھلک بھی ملتی ہے اس وقت لکھنوی دبستانِ شاعری کے زیرِ اثر اردو شاعری میں سراپا نگاری کا رجحان عام تھا۔ اس کے اثرات نعت گوئی پر بھی پڑے اور نعتوں میں حضور اکرمؐ کے ظاہری جمال اور اعضائے مبارک کے حسن کے تذکار پر خصوصی توجہ دی جانے لگی۔

ذیل میں ہم ان چند اہم شعرا کا ذکر کرتے ہیں جو ادبی سطح پر تو زیادہ شہرت حاصل نہ کر سکے اور ادبی تاریخوں اور تذکروں میں جن کا ذکر کم ملتا ہے مگر اردو نعت کی تشکیل و ارتقاء کے سلسلے میں جن کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

کرامت علی شہیدی م ۱۲۵۶ھ

مصحفی اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ان کے اردو دیوان میں خمسے، قصیدے، غزلیں، مثنویاں، رباعیاں اور قطعات بھی ملتے ہیں۔ انہوں نے نعت میں اگرچہ بہت کم لکھا مگر ان کی وجہ شہرت، وہ مختصر سا سرمایۂ نعت ہے جو ایک قصیدے، دو نعتیہ غزلوں اور ایک رباعی پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی زیادہ شہرت، ان کے قصیدے کو ملی جس کا مطلع یہ ہے:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعتِ احمدؐ کا

اس قصیدے کے چند دوسرے شعر درج ذیل ہیں:

دبستانِ ازل میں وہ معلمِ عقلِ کُل کا تھا
نہ تھا نام و نشاں بھی روزِ اوّل اس لوحِ ابجد کا
چمن پیرائے کن فراش جس کی بزمِ رنگیں میں
بہارِ آفرینش ایک بوٹا اس کی مسند کا
عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور اٹھا جس وقت اس کی آمد آمد کا
شرف حاصل ہوا آدمؑ اور ابراہیمؑ کو جس سے
نہ تنہا فخرِ عالم، فخر تھا اپنے اب و جد کا

گزر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذاتِ مطلق کو
نہ بنتا صفر گر نقشِ احد پہ میم احمدؐ کا
رہا کعبے میں تیرے روضے کے در پہ نہ جا پائیں
اسی اندوہ سے ہے رنگِ تیرہ سنگِ اسودؔ کا [۱۹۹]

یہ قصیدہ ۲۳۵- اشعار پر مشتمل ہے اور رنگِ قدیم کی شاعری کے انداز و اسلوب کا حامل ہے۔ اس میں تشبیہات و استعارات، تراکیب و حسنِ تعلیل کی خوبصورت مثالیں بھی ملتی ہیں، مگر اس کا مجموعی مزاج اس دور کے عام قصیدوں کا سا ہے۔ تمنیدی نے تشبیب وگریز کے التزام کے بغیر مطلع سے مقطع تک سارا زورِ بیان مدح ہی پر صرف کیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ قصیدہ، قصیدہ سے زیادہ غزلِ مسلسل نظر آتا ہے۔ فکری طور پر یہ قصیدہ نعت کے تین غالب مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ حضور اکرمؐ کے اوصاف و مدح سے عبارت ہے جس کے اشعار کا نمونہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ شفاعت طلبی کے موضوع سے عبارت ہے۔ یہ چند شعر دیکھئے:

بھرا سا ہر کسی کو اک حصارِ عافیت کا ہے
تجھے نامِ مبارک کا ہے ذوالقرنین کو سد کا
اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں تھا حرفِ مشدّد کا
عجب کیا ہر نشاں ہوں گے جب حرفِ شفاعت کو
تماشہ گاہِ محشر میں تکیں گے نیک منہ بد کا
بٹیں گے جس گھڑی عشرت کے ساماں بزمِ جنت میں
کھلے گا حال امت کو ترے انعامِ بے حد کا [۱۷۰]

تیسرا حصہ شیفتگی و فدائیت کے اظہار پر مشتمل ہے۔ اور یہی اس قصیدے کا سب سے جاندار حصہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قصیدے کی خارجیت میں کہیں کہیں (خصوصاً آخری شعروں میں) وفورِ جذبات نے ایک کیف آور داخلیت پیدا کر دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت نگاری عقیدت اور شیفتگی کی لے میں بدل جاتی ہے تو قصیدے میں سوز، اخلاص، فدائیت اور والہانہ پن کے جذبات و احساسات کا اظہار نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ اشعار دیکھئے:

ہوئی ہے ہمتِ عالی مری معراج کی طالب
میسر ہو طواف اے کاش مجھ کو تیرے مرقد کا

کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں
کبھی گر دور بیٹھوں میں کروں نظارہ گنبد کا

طواف و دیدارِ آستانہ کی یہ خواہش شدید ہوتی ہے تو شہیدی کہتے ہیں:

مدینے کی گلی کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں میں دام اور دد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا
خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمّد کا[۱۱۵]

شہیدی نے نہ جانے کس لمحۂ مقبولیت میں یہ شعر لکھے تھے کہ حج بیت اللہ (۱۲۵۵ھ) کے لیے جب وہ مدینہ منورہ جا رہے تھے تو راستے میں بیمار پڑ گئے۔ جب وہ دیارِ رسول کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ روضۂ اقدس نظر آنے لگا تو وہیں جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ ۲ صفر سن ۱۲۵۶ھ کا ہے۔ اس قصیدے میں درج خواہش اور حسنِ خاتمہ کے سبب شہیدی اور ان کے اس قصیدے کو بہت شہرت ملی۔ اردو نعت کی تاریخ میں شہیدی کا ذکر دراصل اسی قصیدہ اور حسنِ خاتمہ کی عطا ہے۔ اس قصیدے کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امیر مینائی اور محسن کاکوروی جیسے نعت نگاروں نے اسی قصیدے کی تقلید میں قصیدے کہے۔ امیر مینائی کے قصیدے کا مطلع یہ ہے:

تفکر امتیازِ جان و جاناں میں کیا حد کا
عروس اب تک نہ آیا ہاتھ میں بیتِ محمد کا[۱۱۶]

اور محسن کاکوروی کے قصیدے کا مطلع یہ ہے:

مٹایا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب و جد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا[۱۱۷]

حدیثِ قدسی (مرتبہ قاضی محمد عمر) کے آخر میں ص ۱۲۲ - ۱۲۵ پر اسی قصیدہ کی تضمین میں ایک بھرپور اور وقیع خمسہ ہے جو مذاق نے لکھا ہے۔ آخری بند درج ذیل ہے:

مذاق اس مرگ کی ہے خبر ثابت روایت سے
کہ خالق نے دُرود و فضل کیا ہے ہر عبادت سے

وہیں صلِ علیٰ فرمائے بس لب ہلے رحمت سے

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدیؔ کس محبت سے

زباں پہ میری جس دم نام آتا ہے محمدؐ کا

قصیدہ کے علاوہ شہیدیؔ نے غزل کی ہیئت میں بھی دو قابلِ ذکر نعتیں لکھیں۔ پہلی نعت کا مطلع یہ ہے:

مرا سینہ ہے بیشہ بود و باشِ شیرِ یزداں کا

فضائے لامکاں سے قرب ہے میرے نیستاں کا

ڈاکٹر فرمان فتحپوری اس غزل کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"یہ نعت، ناسخ کی مشہور زمین میں ہے اور زبان و بیان کی صناعیوں کے لحاظ سے لکھنوی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے" [۴۶]

اسی باعث یہ نعتیہ غزل [۴۷] دوسری نعتیہ غزل کی نسبت کم معروف رہی۔ دوسری نعتیہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

ہے سورہ والشمس اگر روئے محمدؐ

واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمدؐ

جب روئے محمدؐ کی نظر آئی تجلی

سمجھا ہیں شبِ قدر ہے گیسوئے محمدؐ

کم ساتھ ہوا دوئے نکوخوئے نکو کا

ہے نیک مگر روئے صفت خوئے محمدؐ

ہے سرمۂ کوری میں نہاں دیدۂ بدبیں

جس دن سے عیاں ہے رخِ نیکوئے محمدؐ

ماہِ نو شوال سے عاشق کو نہیں عید

جب تک نظر آجائے نہ ابروئے محمدؐ

اس نعتیہ غزل میں جمالِ محمدی کے ظاہری پہلو خصوصاً آپؐ کے خدوخال اور ابرو و گیسو کی تعریف کی گئی ہے۔ یہاں موضوع اور اظہار کے انتخاب و پیش کش میں لکھنوی شاعری کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ نکتہ آفرینی اور صنعت گری کے نمونے کم و بیش سبھی شعروں میں ملتے ہیں جس کے سبب خارجیت نمایاں

ہے۔ اور واقعی احساسات و واردات کا فقدان ہے۔ اردو نعت پر لکھنؤ کے دبستانِ شاعری کے اثرات کے مطالعہ کے سلسلے میں یہ غزل ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وہ رعایتِ لفظی اور صنعت گری جو لکھنوی شعرا کا خاصہ تھی اس نعت کے فکری و فنی ماحول پر غالب ہے۔

شہیدی نے نعت میں ایک رباعی بھی کہی جس میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں اپنی غفلت اور عصیاں کے بیان کے ساتھ حضورِ اکرمؐ کے تذکارِ مبارک اور شفاعت طلبی کا مضمون باندھا ہے۔

عصیاں سے مرا دستِ امل کوتہ ہے
اب چشم شفیع کی طرف گرگہ ہے
ذاکر کو ہے لا الٰہ الا اللہ کا شغل
یاں وردِ محمد رسول اللہ ہے

رباعی کے دوسرے شعر میں کلمہ طیبہ کے الفاظ کس خوبصورتی سے سمیٹے ہیں۔

شہیدی کے دیوان میں جرأت، عطا حسین عطا اور شاہ نصیر کی غزلوں پر مخمس کے علاوہ جامی کی ایک غزل پر بھی مخمس ملتا ہے۔ جامی کی غزل چونکہ نعت رسول اکرمؐ میں ہے اس لئے شہیدی کے مخمس میں دوسرے مضامین کے علاوہ نعت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ پہلا بند ملاحظہ ہو:

بادشاہی سے تو بہتر ہے مجھے رنج کشی
شہد ہمت سے بھی شیریں ہے مجھے تلخ چشی
عقلِ کل کو ہے تمنا مری دیوانہ وشی
اے حبیب عربی مدنی قرشی
کہ بود دردِ غمت مایہ صد عیش و خوشی

جامی کی نعتیہ غزل پر مخمس کے علاوہ جامی کا ذکر ان کی غزلوں میں بھی نظر آتا ہے۔ جامی سے ان کی قدرِ مشترک ، حبِ رسول اور ذوقِ نعت ہے۔ ان کے کلام میں کہیں کہیں جامی کے رنگِ سخن کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے اپنے مضمون "شہیدی کی نعت"[۵۴] میں شہیدی کے چند اشعار کی نشان دہی کی ہے جن کا مضمون اور اسلوب جامی سے ماخوذ نظر آتا ہے۔

اس مختصر سے سرمایۂ نعت کے علاوہ مولوی کرامت علی شہیدی نے اردو نعت میں کوئی چیز یادگار نہیں چھوڑی مگر ان کے مختصر سے نعتیہ کلام خصوصاً قصیدہ ہی نے انہیں وہ مقام و مرتبہ بخشا کہ اردو نعت کی تاریخ کے اولین اہم شاعروں میں ان کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ امیر مینائی جیسے نعت گو شاعر نے شہیدی

کے حسنِ خاتمہ کی آرزو کی ہے۔

ان کے کوچے میں اجل کاش میسّر ہوتی
میری تربت بھی شہیدی کے برابر ہوتی

مولوی کفایت علی کافیؔ مراد آبادی

نعت کی اس روایت کے دوسرے بڑے شاعر مولوی کفایت علی کافیؔ مراد آبادی (شہید ۱۲۷۴ھ) ہیں۔ لطف بریلوی کی طرح کافیؔ نے بھی نعتِ رسول اکرمؐ کے لئے غزل کی ہیئت کو استعمال کیا۔ دیوانِ کافیؔ کے آخر میں ان کے کچھ نعتیہ خمسے بھی ہیں جو قدسی کی مشہور فارسی نعت اور کافی کی اپنی نعتوں کی تضمین میں ہیں۔ ان کے علاوہ ایک معراج نامہ ہے جو ترجیع بند کی صورت میں ہے۔ دیوان نعت سے الگ داستانِ صادق، جذبۂ عشق، مثنوی تجلّی دربار نبی کریمؐ، حلیہ شریف، مولود بہاریہ، بہارِ خلد (شمائلِ ترمذی کا ترجمہ)، نسیم جنت، (چہل حدیث کا ترجمہ)، خیابانِ فردوس (ترغیبِ اہلِ سعادت از شاہ عبدالحق محدث) بھی کافیؔ کی یادگار تصنیفات ہیں[۵] ان کے فکر و فن کا رجحان جیساکہ مذکورہ بالا کتابوں سے ظاہر ہوتاہے، مذہبی موضوعات خصوصاً نعت کی طرف ہے۔

مولانا کافیؔ کی نعت کے نمایاں موضوعات میلاد سے متعلق ہیں۔ لطف بریلوی کی طرح مولانا کافی کی بیشتر غزلیں میلادیہ ہیں۔ ان کی ردیفوں اور مطلعوں ہی سے ان کی نعتوں کی پوری فضا سامنے آجاتی ہے۔ یہ نعتیں میلاد کی ضرورت کے تحت لکھی گئیں۔ زیرِ نظر نسخہ[۶] دیوانِ کافی کے آغاز میں مہتمم مطبع نے میلاد خوانوں کے حلقے اور مجالسِ میلاد میں ان کی مقبولیت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"۔۔۔۔۔ حضرات مولود خواناں کی خدمت میں التماس ہے کہ بعد ختم مولود شریف اس خاکسار کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔۔۔۔۔"

ان میں سے کچھ نعتیں آج بھی مجالسِ میلاد میں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ چند میلادیہ نعتوں کے مطلعے درج ذیل ہیں:[۷]

خاتم الانبیاءؐ ہوئے پیدا
مجتبےٰؐ، مصطفےٰؐ ہوئے پیدا (ص ۱)

ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ صلِ علیٰ پیدا
ہوئے حضرت رسول اللہ احمدؐ مجتبیٰ پیدا ص ۲

جناب فخرِ عالم سیّد سرور ہوئے پیدا
شفیعِ دردمنداں شافعِ محشر ہوئے پیدا ص ۲

ہوئے پیدا رسولؐ قدر دانِ مکّہ و بطحیٰ
حبیبِ کبریا عزّت رسانِ مکّہ و بطحیٰ ص ۸

شبِ ولادتِ ختمِ پیمبراں ہے آج
شبِ ولادتِ سردارِ سروراں ہے آج ص ۲۱

ذیل میں ذکرِ میلاد ہی کے موقعہ پر کافی نے امکانِ نظیر اور امتناعِ نظیر کے مسئلہ پہ اپنے موقف کی وضاحت یوں کی ہے:

جنابِ صاحبِ لولاک کی مانند اے کافیؔ!
نہیں کوئی ہُوا پیدا، نہیں کوئی ہوا پیدا ص ۲

کوئی پیدا ہوا انسان نہ ہووے گا کوئی کافیؔ
قسم کھاتا ہوں میں باعزّو شان مکّہ و بطحیٰ ص ۸

ہے وہ یکتائے عالم ایجاد
اس کا ثانی کوئی ہوا ہی نہیں ص ۴۴

میلاد کی مناسبت سے اس تقریبِ سعید کے انتظام واہتمام اور مجالسِ میلاد کے احترام وآداب اور فیوض وبرکات کا ذکر بھی کافیؔ کی متعدد نعتوں میں نظر آتا ہے۔ آغازِ دیوان ہی کی نعتوں میں ایک نعت[۱] اسی موضوع سے متعلق ہے۔ اس کے کچھ شعر دیکھیے:

مرکے بل جاہیے اے اہلِ ولا یاں آنا
الفتِ رحمتِ عالم میں ذرا یاں آنا

محفلِ مورد سلطان رسالت ہے یہ
عین آداب ہے با صدق وصفا یاں آنا
بے ادب کو تو یہاں دخل نہیں بار نہیں
عطرِ آداب سے پوشاک بسا یاں آنا
عرش سے فرش تک اللہ رے ہجوم ملکوت
اور جبریل کا وہ مژدہ رسا یاں آنا
محفلِ فرحتِ میلادِ نبی صلِّ علیٰ
بہ نصیب اپنے تئیں صبح و مسا یاں آنا
شرفِ محفلِ میلاد کہیں کیا کافیؔ!
ہم سمجھتے ہیں شفاعت کا صلا یاں آنا ص ۳

اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ اسی مضمون کے شعر ملتے ہیں۔ مثلاً:

اس رُخِ پاک کا جس بزم میں چرچا ہوگا
درو دیوار سے واں نور برستا ہوگا ص ۶

زیارت گاہِ عالم ہے مکانِ مولدِ حضرتؐ
شغلِ اہلِ ایماں ہے بیانِ مولدِ حضرتؐ ص ۱۱

کافیؔ کی نعتوں کا دوسرا نمایاں موضوع درُود ہے۔ یہ موضوع میلاد کی مجالس سے متعلق بھی ہے مگر نعت گوئی میں اس کی ایک جداگانہ حیثیت بھی ہے۔ کافیؔ نے اس موضوع پر دونوں اعتبار سے نعتیں لکھی ہیں۔ بعض نعتیں مجلسی انداز کی ہیں اور بعض میں درود شریف کی خیر و برکت اور درود پڑھنے کی تلقین ملتی ہے۔ چند مطلعے درج ذیل ہیں:

پیدا ہوئے رسولِ خدا مومنو صلوات
اس صاحبِ لولاک پہ ہر دم کہو صلوات ص ۱۸

بروز جمعہ پڑھے جو بہت درود و صلوات
نہ ہووے کیونکر اسے نارِ دوزخی سے نجات ص ۱۹

عاصیو جرم کی دوا ہے درُود
کیا دوا عینِ کیمیا ہے درُود ص ۲۲

نامِ حضرتؐ پہ لاکھ بار درُود
بے عدد اور بے شمار درُود ص ۲۳

نورِ ایماں ہوا درُود شریف
دُرِ افشاں ہوا درُود شریف
ہر مرض کی دوا درُود شریف
دافعِ ہر بلا درُود شریف ص ۲۶

یہ پوری غزلیں فضائلِ درود کے موضوع پر ہیں اور مقصدی و اصلاحی اندازِ نعت کی حامل ہیں۔ ان سے جہاں کافی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی و شیفتگی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں تذکار و تبلیغِ سیرتِ رسولؐ کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں۔ خصوصاً جب ہم اس عہد کے مذہبی و تہذیبی پس منظر میں ان نعتوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی کثرت، شدت اور کیفیت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

کافی نے درود و سلام کی تلقین کے علاوہ اپنی نعتوں میں آنحضرتؐ پہ خود بھی درود و سلام بھیجا ہے۔ درج ذیل مطلعے دیکھئے:

ہوئے تولّد حبیبِ رحماں خدا کا ان پر درود دائم
کہیں بہم ہو کے جنّ و انساں خدا کا ان پہ درود دائم ص ۳۰

عرش بریں ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خلد سرا بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱

پیدا ہوئے خیرالوریٰ صلو علیہ و آلہٖ
پیدا ہوئے نورالہدیٰ صلو علیہ و آلہٖ ص ۴۱

ہے جو یہ حکم خدا صلو علیہ وسلمو
اور امیرِ گریا صلو علیہ وسلمو　ص ۳۸

ان نعتوں کی ردیفیں طویل ہیں اور درود و سلام ہی کا مفہوم رکھتی ہیں۔ اس التزام کے سبب ان نعتوں کی مکمل فضا درود و سلام کا مخصوص آہنگ رکھتی ہے۔ جو حسن اور کیف کا ایک خاص تاثر اور ترنم و موسیقی کی ایک منفرد لے رکھتی ہے۔ لطف بریلوی کی طرح کافی کے ہاں بھی حضور اکرمؐ کے ظاہری جمال اور سراپا کے اوصاف کا بیان ملتا ہے۔ ان کی ایک نعت کا مطلع ہے:

سراپا وہ صلِّ علیٰ آپ کا تھا
کہ ہر عضو حسنِ تجلی نما تھا

اس میں آنحضرتؐ کے عارض، چہرہ، رنگ، پیراہن، جسم، دندان و لب، حسنِ تبسم اور مجموعی طور پر اوصافِ شمائل کا ذکر ہے۔ اس انداز کی اور بہت سی نعتیں ہیں جن کا غالب حصہ آپؐ کے سراپا مبارک کے بیان میں ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

پھرِ حسن پہ روئے شریف کے آگے
سہا کی شکل ہے ادنیٰ سا ایک تارا چاند　ص ۲۲

سہی سروِ ریاضِ بے مثالی
قد رعنائے دلجوئے محمد　ص ۲۳

تھا جو گلدستہ گلزارِ تجلی وہ قد
سایہ سے دور رہا سروِ روانِ اعجاز
نرگسِ گلشنِ مازاغ ہے وہ چشم شریف
ہوئے مژگان مبارک رگِ جانِ اعجاز
سوزنِ گم شدہ صدیقہ نے پائی اپنی
کھل گیا کچھ یہ تبسم جو دہانِ اعجاز　ص ۲۴
صل علیٰ کرامت پیراہن شریف
کیا تازہ تر ہے صورتِ پیراہن شریف　ص ۲۷

کافی مراد آبادی کی نعت گوئی کی ایک خصوصیت ان کا علمی انداز ہے۔ انہوں نے اوصاف و مقامِ محمدی کے بیان میں کہیں ضعیف روایات کا سہارا نہیں لیا اور نہ ہی رنگِ تغزل کی رو میں نعت کو شریعت کی حدود سے متجاوز ہونے دیا۔ انہوں نے اپنی نعتوں کو قرآن اور احادیث سے مزین کیا ہے۔ ان کے ہاں متعدد جگہ احادیثِ رسول کریمؐ قرآن مجید کی آیات کے حوالے نظر آتے ہیں۔ یہ شعر دیکھئے:

ہے آیتِ رفعت و رفعنا لک ذکرک
بارایتِ شہرت و رفعنا لک ذکرک ص ۲۸

یہاں و رفعنا لک ذکرک کی ردیف نے خوب سماں باندھا ہے۔

کافی نے آنحضرتؐ کی وفات مبارک، معراج شریف اور صحابہ کرامؓ کے منقبت کو بھی بڑی شائستگی سے اپنی نعتوں کا موضوع بنایا ہے۔ شہرِ رسولؐ مدینہ کے فراق اور محبت میں بھی ان کی چند نعتیں ہیں جن کی ردیف ہی میں لفظ مدینہؐ کا التزام ہے۔

کافی کی نعت گوئی کے بارے میں اب تک کی گفتگو اس کے خارجی پہلوؤں اور تہذیبی و عصری روایتوں کے زیرِ اثر پیدا ہونے والے نعتیہ عناصر کی تھی۔ نعتِ کافی کا اصل جوہر ان کا عشقِ رسولؐ اور اس سے پیدا ہونے والا اخلاص ہے۔ مولانا کافی کی نعتوں کی وجہِ شہرت ان کی وابستگیٔ رسولؐ کا یہی والہانہ جذبہ ہے جس کے سبب بعد میں آنے والے بڑے بڑے نعت گو شعرا نے ان کے اخلاص و درومندی کی آرزو کی ہے۔ مولانا احمد رضا خاںؒ کی ایک رباعی دیکھئے:

پرواز میں جب مدحتِ شہ میں آؤں
تا عرش پروازِ فکر رسا میں جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضاؔ
کافیؔ کا دردِ دل کہاں سے لاؤں ؎

کافی کے ہاں نعت گوئی ایک رسم نہیں، ایک قلبی واردات کا درجہ رکھتی ہے۔ انہوں نے جس محبت میں ڈوب کر نعتیں لکھی ہیں وہ اس عہد کے بہت کم شاعروں کے ہاں نظر آتی ہے۔ ان کی یہ مشہور نعتؐ دیکھئے جس کے مصرع مصرع سے والہانہ پن ٹپکتا محسوس ہوتا ہے:

دیکھتے جلوۂ دیدار کو آتے جاتے
گلِ نظارہ کو آنکھوں سے لگاتے جاتے
ہر سحر روضۂ مبارک کی زیارت کرتے
داغِ حرماں کو دلِ غم زدوں سے مٹاتے جاتے

سرِ شوریدہ کو کسوت پہ تصدّق کرتے
دلِ دیوانہ کو زنجیر پہناتے جاتے
پائے اقدس سے اٹھاتے نہ کبھی آنکھوں کو
روکنے والے اگر لاکھ ہٹاتے جاتے
قدمِ پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آ جاتی
چشمِ مشتاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے
خواب میں دولتِ دیدار ہی ملتی وہ اگر
بختِ خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے
دشتِ یثرب میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے
دستِ صیاد سے چھوٹے جو ہزاروں کی طرح
چمن کوچۂ دلبر ہی کو جاتے جاتے
کافیؔ کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے
لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے ص ۵۱

شیفتگی و وارفتگی کے عالم میں لکھی ہوئی ان کی ایک اور مشہور نعت آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ اس کا مطلع اور مقطع یہاں درج کیا جاتا ہے:

یا الٰہی حشر میں خیر الوریٰ کا ساتھ ہو
رحمتِ عالم جنابِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو
...... بعد مرنے کے بھی ہے کافیؔ کی یہ یارب دعا
دفترِ اشعارِ نعتِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو ص ۴۹

کافیؔ کے ہاں اس قبیل کے اور سینکڑوں اشعار اور متعدد نعتیں مل جاتی ہیں جن میں نعت کے موضوعات کے بیان میں ان کے داخلی احساسات اور کیفیات، واردات کا مؤثر بیان نظر آتا ہے۔ بحیثیتِ مجموعی انہوں نے اردو نعت کو اخلاص اور دردمندی اور سرمستی و شیفتگی عطا کی اور اردو نعت کو ایک رسمی و روایتی دائرے سے نکال کر اسے تخلیقی تجربہ کے طور پر پیش کیا۔ ان کی نعتیں کیف و گداز اور فنی محاسن کے اعتبار سے بلند پایہ ہیں۔ انہوں نے مابعد کے نعت گو شعراء کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ ان کے ذوقِ نعت کے لئے ایک تحریک کا

کام گیا۔ مولانا احمد رضا خاں اور دوسرے کئی شاعروں کے ہاں کافی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

غلام امام شہید م ۱۲۹۲ھ

شمالی ہندوستان کے اوّلین معروف نعت نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے قبل اگرچہ مختلف شاعروں کے کلام میں نعتیہ اشعار اور غزلیات و قصائد نعت نظر آتے ہیں۔ مگر مولوی غلام امام شہید نے پہلی بار اردو نعت کو ایک انفرادی رنگ دیا۔ انہوں نے سوز و گداز میں ڈوب کر نعتیں کہیں جس سے نہ صرف یہ کہ نعت کی لے بدلی اور وہ رسمی دائرے سے نکل کر حقیقی اور تخلیقی انداز و اسلوب سے آشنا ہوئی، بلکہ اس میں کیف و تاثیر کا عنصر بھی داخل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اردو نعت کے ارتقائی سفر میں غلام امام شہید کا نعتیہ کلام دیکھتے ہیں تو نعت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

فارسی نعتوں کے علاوہ اردو میں غلام امام شہید نے غزل، مثنوی، ترجیع بند اور دوسری ہیئتوں میں بھی نعتیہ شعر کہے۔ مختلف اصناف کے علاوہ انہوں نے مختلف بحور میں بھی نعت کی ترویج کی۔ بحرِ طویل میں ان کی نعت کا نمونہ دیکھئے جو شاید اردو میں پہلی مثال ہے۔ دو شعر دیکھئے:

باغِ جہاں آباد ہے یاں سرو بھی آزاد ہے
قمری نہایت شاد ہے نہ صید نہ صیاد ہے
اں محفلِ میلاد ہے وقتِ مبارک باد ہے
جبریل کو ارشاد ہے مشہور کر دے یہ سخن

نورِ خدا پیدا ہوا، خیر الوریٰ پیدا ہوا
بحرِ عطا پیدا ہوا، ابرِ سخا پیدا ہوا
نجم الہدیٰ پیدا ہوا، بدر الدجےٰ پیدا ہوا
شمس الضحیٰ پیدا ہوا، پیدا ہوا شاہِ زمن ۸۵؎

اس نعت کی تشبیب بہاریہ اور ہر مصرع مقفیٰ و مسجع ہے۔ اندرونی قوافی کے التزام نے پوری نعت میں ایک ترنم اور موسیقی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ (غلام امام شہید نے اسی بحر اور انداز و مضامین پر مشتمل فارسی میں بھی ایک میلادیہ قصیدہ لکھا)۔ چھوٹی بحر کے ایک قصیدہ میں نعت کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے:

چمن میں آج کیوں شورِ فغاں ہے
کہ گُل خنداں ہے بلبل نوحہ خواں ہے
...... محمدؐ بادشاہِ دو جہاں ہے
محمدؐ قبلہ گاہِ مُقبلاں ہے
محمدؐ شمع ہے بزمِ قدم کی
محمدؐ مالکِ کون و مکاں ہے
محمدؐ ہے دوائے درد مندان
محمدؐ چارۂ بے چارگاں ہے
محمدؐ سے ہوئی تکوینِ کونین
محمدؐ مدعائے کُن فکاں ہے [۸۹]

غزل کی ہیئت میں بھی انہوں نے متعدد نعتیں لکھیں جو اندازِ بیان کی شگفتگی کے سبب ایک منفرد حسن اور تاثیر کی حامل ہیں۔ ان میں غزل کے رنگ کے ساتھ ساتھ نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیف بھی شامل ہے۔ غلام امام شہید کی نعتیہ غزلوں نے نہ صرف یہ کہ معیاری اور تخلیقی نعت کی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ اسے ایک معیاری اسلوب سے آشنا کیا۔ ان کی مندرجۂ ذیل نعت دیکھئے:

مدّاح ہوں جنابِ رسالت پناہ کا
عرشِ بریں پہ گوشہ ہے میری کلاہ کا
...... زیبا ہے فخر و ناز مجھے جس قدر کروں
دیکھو تو مدح خواں ہوں میں کس بادشاہ کا
ہے اس کے حکم کے نہ چلے لوح پر قلم
مالک ہے وہ تمام سپید و سیاہ کا
پیغمبروں کو فخر ہوا اُس کی ذات پہ
سردار ہی سے بڑھتا ہے رتبہ سپاہ کا
...... درپیش ہے عدم کا سفر سب کو دوستو
جو نعت کا کلام ہے توشہ ہے راہ کا [۹۰]

"مدینہ" ردیف میں ان کی یہ نعتیہ غزل بھی اپنی انفرادی شان لئے ہوئے ہے:

جب سے ہوا وہ گل چمن آرائے مدینہ
ہر دل بنا بلبلِ شیدائے مدینہ
سینہ ہے مرا روکشِ صحرائے مدینہ
دل ہے جرسِ محملِ لیلائے مدینہ
واں کے در و دیوار مرے پیشِ نظر ہیں
اندھیر ہو گر آنکھ سے چھپ جائے مدینہ
ہر سنگ میں واں کے شررِ طور ہے پنہاں
ہر خشت کو کہئے یدِ بیضائے مدینہ
قسمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے
ہم دیکھتے ہیں اس کو، جو دیکھ آئے مدینہ [۸۸]

اس متفرق نعتیہ کلام کے علاوہ غلام امام شہید کی نعتیہ شاعری کا غالب حصہ ان کے مولود شریف میں نظر آتا ہے جو موضوعات اور طرزِ اظہار کے اعتبار سے متنوع اور رنگارنگ کیفیات و تاثرات کا حامل ہے میلاد ناموں کی روایت کے مطابق اس میں سب سے پہلے حضورِ اکرمؐ کی ولادتِ مبارک کا ذکر ہے۔ غلام امام شہید کہتے ہیں:

آمد آمد ہے رسولِ پاکؐ کی
آمد آمد ہے شہِ لولاکؐ کی
آمد آمد سیدِ اعظمؐ کی ہے
آمد آمد سرورِ عالمؐ کی ہے
آمد آمد ہے شہِ ابرارؐ کی
آمد آمد ہے بڑے سردار کی [۸۹]

یہ سلسلہ ۲۹۔ اشعار تک جاتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل کون و مکاں میں ان کے استقبال کی تیاریوں پر مشتمل اس نعت پارے میں شہید نے آپؐ کی صفات اور اسمائے مبارکہ کے ساتھ زمین و عرش کی اس رونق اور چہل پہل کا نقشہ بڑے دلکش پیرائے میں کھینچا ہے۔ آپؐ کے ظہورِ قدسی کے بعد دوسری نعت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کی بحر پہلی نعت سے مختلف ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

شہنشاہِ اعظم تولّد ہوئے
رسولِ مکرّم تولّد ہوئے
شۂ دین و دنیا تولّد ہوئے
مہِ اوجِ علیا تولّد ہوئے
تولّد ہوئے پیشوائے جہاں
تولّد ہوئے مقتدائے جہاں
تولّد ہوئے سرورِ مرسلاں
تولّد ہوئے رہبرِ دو جہاں
تولّد ہوئے رہنمائے قدیم
قسیمؐ، جسیمؐ، نسیمؐ، وسیم
تولّد ہوئے بحرِ فیضِ عمیم
شفیعؐ، مطاعؐ، نبیؐ کریم [۹۰]

آپ کی صفات پر مشتمل چند شعر مزید ہیں۔ اس کے بعد ایک طویل سلام ہے جس میں آپ کے اسمائے مبارکہ کی صفات کے حوالے سے آپ کی نعت بیان کی گئی ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے:

السلام اے آفتابِ داد و دیں
السلام اے انتخابِ اوّلیں
السلام اے دستگیرِ بے کساں
السلام اے چارۂ دردِ نہاں

سلام کے پندرہ شعروں کے بعد یہ سلام ایک التجا اور مناجات، کا انداز اختیار کر لیتا ہے۔ یہ حصہ وفورِ اخلاص اور شدتِ جذبات سے عبارت ہے۔ دربارِ رسالت مآبؐ میں اپنے گناہوں پر ندامت کا شدید احساس، روزِ محشر کی سختیوں کا خوف، حضورِ اکرمؐ کی شفاعت کی امید، دستگیری اور رحمت کی آرزو اس مناجات کے نمایاں موضوعات ہیں۔ طرزِ بیان میں دردمندی اور گداز کا عنصر بھرپور اور مؤثر ہے۔ مناجات کے آخری حصہ میں آستانۂ رسولؐ پر حاضر ہونے اور وہیں مرنے کی شدید تڑپ کا اظہار ہے:

در کو تکتے تکتے ہو جاؤں ہلاک
واں کی خاکِ پاک سے مل جائے خاک [۹۱]

معجزات کے بیان میں حضورِ اکرمؐ کے سایہ نہ ہونے کو صوفیانہ انداز نظر سے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"فی الحقیقت وہ جمالِ جہاں آرا قدرت میں عکسِ نورِ احدیت تھا۔ پس عکس کا عکس محال ہے۔"

اس موقع پر ایک نظم بھی لکھی ہے جو نعت کا اعلیٰ نمونہ ہے:

محمدؐ کی مانند جگ میں نہیں
ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں
یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا
کہ رنگِ دوئی واں سمایا نہ تھا
نہ ہونے کا سایہ کے تھا یہ سبب
ہوا صرف پوشش میں کعبہ کی سب
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر
سمجھ مایۂ نور کحلِ بصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اٹھا
زمیں پر نہ سایا کو گرنے دیا
سیاہی کا پتلی کی ہے یہ سبب
وہی سایہ آنکھوں میں پھرتا ہے اب[۹۲]

شہید کی نعت گوئی کا کمال وہ تین منظوم قصے ہیں جو ان کے مولود شریف کے آخر میں ہیں۔ یہ تینوں قصے مثنوی کی ہیئت اور مختصر بحروں میں ہیں۔ اور ان میں عشقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات و واردات کا بیان ہے۔ ان قصوں کے عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔ قصہ حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ،

۲۔ قصہ حضرت حلیمہ سعدیہ

۳۔ روایت استنِ حنانہ

قصہ حضرت بلالؓ میں حضورِ اکرمؐ کی وفاتِ مبارک کے بعد جناب بلالؓ کے غم و اندوہ اور آنحضرتؐ کی جدائی سے پیدا ہونے والی حزنیہ کیفیات کا بیان ہے۔ اس قصہ کی بنیاد اگرچہ تاریخی واقعہ پر رکھی گئی ہے مگر جذبات و احساسات کے اظہار میں شاعرانہ رنگ غالب ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ شام سفر کر جاتے ہیں۔ کافی عرصہ بعد جب حضورؐ کی یاد ستاتی ہے تو مدینہ کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں ان کی آخری اذان اور وفات کو

غلام امام شہید نے جس دردمندی سے بیان کیا ہے وہ حصہ نہ صرف جذبات نگاری کا مرقع ہے بلکہ اپنے شعری محاسن کے سبب شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ کچھ شعر ملاحظہ کیجئے۔

آیا زباں پر جو محمدؐ کا نام
بس لیا ہاتھوں سے کلیجہ کو تھام
کہتے ہیں کوٹھے سے گرا بے خبر
کر گیا گرتے ہی جہاں سے سفر
مرقدِ انور کو اشارہ کیا
زندگی سے اپنی کنارا کیا
ہاتھ سوئے قبر اٹھا رہ گیا
سر جو جھکا تھا سو جھکا رہ گیا
ماتم و غم غمزدہ کا عام تھا
حجرۂ ازواج میں کہرام تھا
خاک پہ تڑپا جو وہ اندوہ گیں
عرش کو جنبش ہوئی کانپی زمیں
عشق کا غم چارہ گرِ جاں ہوا
خانۂ محبوب کا مہماں ہوا
جان گئی جان کے جویا کے پاس
پہنچا مریض اپنے مسیحا کے پاس
ذرّہ ہوا مہرِ درخشاں میں گم
قطرہ ہوا چشمۂ حیواں میں گم
پیاسے نے دریا سے ملاقات کی
خوب تلافی ہوئی مافات کی [۹۲]

قصۂ بلالؓ کے بیان میں شہید اپنی وارداتِ محبتِ رسولؐ کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ یہ ان کا مخصوص انداز ہے جو دوسرے قصوں میں بھی نمایاں ہے۔ ان کے لئے حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کا بیان دراصل اپنے جذبۂ محبتِ رسول کو زندہ و تازہ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ آنحضرتؐ سے صحابہ کرامؓ کے

عقیدت و محبت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ارادت و شیفتگی کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ یہاں صحابہؓ کے جذبۂ فریفتگی پر پُر اثر تبصرہ اور مدینے سے دوری کا احساس، ان کی لے میں اخلاص اور دردمندی کا تاثر اور نمایاں کر دیتا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

چاہتے ہیں جس کو بلاتے ہیں یوں
شربتِ دیدار پلاتے ہیں یوں
حیف ہے ہم پھرتے ہیں شام و سحر
حرص کا کاسہ لیے یوں در بدر
گھر کے نہ دلدار کے در کے ہوئے
ہم نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے ہوئے
رحمتِ عالم مجھے بلوایئے
رحم مرے حال پہ فرمایئے
شربتِ دیدار پلا دیجیے
بہرِ خدا میری دوا کیجیے
ہند میں خاطر مری ناشاد ہے
جلد خبر لیجیے فریاد ہے
مجھ کو نہیں چاہیے باغِ اِرم
سر ہو مرا اور وہ خاکِ قدم [۲۹]

یہاں سے شہید حضورِ اکرمؐ کے قدمِ مبارک کے فضائل مناقب کا بیان شروع کرتے ہیں۔ ان کا یہ خوبصورت گریز غزل کی ہیئت میں ہے جس کا عنوان ہے "غزل در وصفِ قدم شریف"۔ یہ نعتیہ غزل قصۂ بلالؓ کے متن سے الگ کر کے بھی پڑھی جا سکتی ہے اور اپنی منفرد خوبیوں کے سبب نعتیہ شاعری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

سنگ موم ہوتا ہے دیکھ کر قدم تیرا
سب کے جی میں کرتا ہے اپنا گھر قدم تیرا
رتبے سب کے ہیں اعلیٰ پر کسی پیمبر کا
عرش تک نہیں پہنچا ہاں مگر قدم تیرا

اپنی جاں مٹاؤں گا خاک میں ملاؤں گا
پر کہیں نہ جاؤں گا چھوڑ کر قدم تیرا [۹۵]

'وصفِ قدم شریف' میں یہ غزل چھ شعروں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد مثنوی کی بحر و ہیئت میں قصہ کا آخری شعر یوں ہے:

قصہ کیا میں نے دعا پر تمام
بھیجو ہمیں محمد پہ درود و سلام [۹۶]

دوسرا قصہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے حبِ رسول کا ترجمان ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق اس قصہ کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"یہ قصہ بچوں اور عورتوں میں نہایت مقبول رہا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب تک وہ گھروں میں گایا جاتا ہے۔ اور چھوٹے بچوں کے لئے لوری کا کام کرتا ہے۔ اس کی اس قدر مقبولیت کا سبب مضمون کی سادگی، بیان کا دلنشیں انداز، نہایت صاف اور بدیع تشبیہیں اور رواں دواں سلیس الفاظ کا استعمال ہے جن کی ترکیب اور خلوص سے شاعر نے کلام کو پُر تاثیر بنا دیا ہے۔ محبوبِ یزدانی پر تصدق کا مضمون ہر جگہ موجود ہے لیکن یہاں اس کی خصوصیت اس کا معصوم رنگ ہے۔ ماں کا اپنے بچے کے ساتھ پیار اور محبت کا اظہار اس قدر شیفتہ، وارفتہ اور والہانہ انداز میں شاعر کے اپنے جذب و کیف کی ترجمانی کرتا ہے جو اس بجنت عالم کے ساتھ عشق و محبت کے ایمانی رشتے نے پیدا کیا ہے۔ خلوص کی فراوانی سے شاعر کا دل، پیچ و تاب کی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے۔ وہ اس جذب و شوق کو حضرت حلیمہ سعدیہ کی زبانِ حال سے ظاہر کرتا ہے۔" [۹۷]

یہ قصہ غلام امام شہید کے مولود شریف کا حصہ ہے جسے میلاد کی مجلسوں میں پڑھے جانے کی غرض سے لکھا گیا۔ خصوصاً زنانہ مجالسِ میلاد میں اس کا تاثر شدید ہو گا کیونکہ اس میں حبِ رسول کا نسائی جذبات و کیفیات کا انداز نمایاں ہے۔ مگر اس قصہ میں شاعر کی داخلی زندگی کے ان تاثرات و احساسات کی جھلکیاں بھی واضح طور نظر آتی ہیں جو آنحضرتؐ کی محبت سے متعلق ہیں۔ شہید نے حضرتِ حلیمہ سعدیہ کے حوالے سے اپنے حبِ رسولؐ کی ترجمانی کی ہے۔ اس قصہ کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

دودھ اس گل کو پلاتی تھی وہ
گل سی پھولی نہ سماتی تھی وہ

کبھی مکھڑے کی بلائیں لیتی
صدقے ہو ہو کے دعائیں دیتی
کبھی صورت کا تماشا کرتی
ٹکٹکی باندھ کے دیکھا کرتی
چومتی تھی کبھی پیشانی کو
کبھی اس چہرۂ نورانی کو
کبھی نہلاتی تھی خوش ہو ہو کر
پانی پیتی تھی قدم دھو دھو کر
گرد پھرتی تھی کبھی سو سو بار
جیسے ہو شمع پہ پروانہ نثار
کبھی کرتی تھی بے ساختہ شور
چاند کو دیکھ کے جس طرح چکور
کبھی آنکھوں میں بٹھا لیتی تھی
کبھی سینے سے لگا لیتی تھی
خواب سے کرتی تھی جس دم بیدار
آنکھوں سے تلووں کو ملتی ہر بار
بختِ عالم ہے تو اے دلبر جاگ
جاگنا بخت کا ہے بہتر جاگ
جب جگاتی تو جگاتی تھی یوں
اور سلاتی تو سلاتی تھی یوں
سو مرے عرش کے تارے سو جا
مرے اللہ کے پیارے سو جا
ماہِ والا نبی کر آرام!
آفتابِ عربی کر آرام!
آمنہ بی بی کے جانی سو جا
میری دولت کی نشانی سو جا

تیرے آرام کو اے مہ پارہ
میری آنکھوں کا بنے گہوارہ [۱۹]

یہ قصہ واقعات و کیفیات کا ایک تنوع لئے ہوئے ہے۔ شہیدؔ کو اظہار پر اتنی قدرت حاصل ہے کہ انھوں نے ہر مقام پر حب رسولؐ کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ پیرایۂ اظہار چونکہ نسائی ہے اس لئے الفاظ اور لب و لہجہ پر بھی یہی رنگ غالب ہے۔ محاکات نگاری کا حامل اسلوب ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔ یہ اسلوب اردو نعت میں ایک خوش گوار اضافہ ہے جس کی مثال شہیدؔ سے پہلے کے نعتیہ کلام میں نظر نہیں آتی۔ قصہ کے یہ شعر دیکھئے جہاں حضور اکرمؐ کی گمشدگی پر حلیمہ سعدیہ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں:

ہائے کس ابر میں وہ چاند چھپا
چھا گئی دل پہ مرے غم کی گھٹا
کیا ہوا دودھ کا پالا میرا
کیا ہوا گیسوؤں والا میرا
کیا ہوا وہ گلِ باغِ خوبی
کیا ہوا نورِ دلِ محبوبی
کیا ہوا سروِ گلستانِ کمال
کیا ہوا شمعِ شبستانِ جمال
...... کھو گیا دشت میں جانی میرا
گم ہوا یوسفِ ثانی میرا
اس لئے روتی ہوں باحالِ سقیم
نہیں ملتا ہے مرا دُرِّ یتیم
لعل میرا گہرِ یکتا ہے
بچہ بن باپ کا اکلوتا ہے

اسی جگہ حلیہ و سراپا نگاری کا نمونہ بھی ملاحظہ کیجئے جو آنحضرتؐ کے سراپوں میں منفرد حیثیت رکھتا ہے:

سر پہ چھوٹا سا عمامہ ہے بجا
تن پہ ننھا سا ہے جامہ زیبا

گال اس گل کے ہیں گورے گورے
لال ہیں آنکھوں میں اس کی ڈورے
سر پہ ہیں بال جھنڈولے ایسے
گلِ سنبل کا ہو جھرمٹ جیسے
اس کی زلفوں کے گھنگھروالے بال
دلِ شیدا کے لئے ہے جنجال
قد ہے بوٹا سا قیامت پایا
خواب نے جس کا نہ دیکھا سایا
سُرمگیں آنکھ خرد کی رہزن
آفتِ جاں ہے غضب وہ چتون
سامنے اس کے اگر آتا ہے
آفتاب ابر میں چھپ جاتا ہے
خمِ ابرو سے مہِ نو ہے خجل
تیرِ مژگاں سے دل و جاں بسمل
نور ہی نور ہے مکھڑا اس کا
غیرتِ حور ہے وہ نامِ خدا
جلوہ افزا جو وہ دلبر ہو جائے
راہ خوشبو سے معطر ہو جائے[۹۹]

شیدا نے اس قصہ کے اختتام پر حلیمہ سعدیہ کی آنحضرتؐ سے محبت اور والہانہ پن کا ذکر کرتے ہوئے اپنی طرف گریز کیا ہے۔ قصہ کا یہ حصہ اپنی دلپذیری اور اثر آفرینی کے سبب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اپنی دنیا طلبی اور دربارِ رسولؐ سے دوری کا بیان کیا گیا ہے۔ اعترافِ ندامت کے ساتھ فریاد اور التجا کے انداز نے کیف و گداز کے تاثر کو اور زیادہ اُبھار دیا ہے۔ خلوص کی شدت سے شاعر کا دل ایک ہیجانی اور اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے۔ حلیمہ سعدیہ کے جذبۂ حبِ رسولؐ کا تذکار ان کی اپنی محبتِ رسولؐ کا ترجمان ہو گیا ہے۔ آخری شعروں میں شیدا کے جذبات حبِ رسولؐ ایک دعا اور مناجات کا رنگ اختیار کر جاتے ہیں۔ روضۂ رسولؐ کے دیدار اور شہرِ رسولؐ میں موت کی شدید خواہش کا اظہار دیکھئے:

کون حالِ دلِ ناشاد سُنے
بے کسوں کی وہی فریاد سُنے
آستانہ پہ بلائے ہم کو
اپنا دیدار دکھائے ہم کو
ہند سے ہم بھی سفر کر جائیں
جا کے اُس دیس میں بس مرجائیں
کام جاں ذائقہ دولت پائے
مشتِ خاک اپنی ٹھکانے لگ جائے
یہ مناجاتِ شہیدِ مسکیں
سن کے یارو کہو "آمیں آمیں" [۱۰۰]

روایت "استن حنانہ" اس سلسلے کی تیسری اور آخری کڑی ہے۔ پہلے دو قصوں میں شہید نے صحابۂ کرامؓ کی آنحضرتؐ سے بے انتہا محبت کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ یہاں مسجدِ نبویؐ کے ایک ستون کے جذباتِ عشق کا بیان کیا گیا ہے۔ اس کا ماخذ حضورِ اکرمؐ کی احادیث و سیرت میں ملنے والا وہ مشہور واقعہ ہے کہ جب مسجدِ نبویؐ میں نیا ممبر رکھا گیا اور آپؐ اس پر بیٹھ کر خطاب کرنے لگے تو مسجد نبویؐ کے ایک ستون (جسے استن حنانہ کہا جاتا ہے) ۔ اور جس سے ٹیک لگا کر آپؐ خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپؐ کی جدائی میں رونے لگا۔ قصہ کے آغاز ہی میں حبِ رسولؐ کا مضمون ہے۔ شہید ستون حنانہ کی آنحضرتؐ سے محبت و وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مسجدِ مصطفےٰؐ میں ایک ستون
تھا بہت اُس جہاں پر مفتون
گو کہ آتش کو چوب سے ہے لاگ
لیکن اس کی غذا تھی عشق کی آگ
دست بستہ رہِ وفا میں سدا
ایک ہی پاؤں سے کھڑا رہتا
خشک ہو کر وہ درد و غم کا دوست
رہ گیا صرف استخوان و پوست

...... تھا مگر کوئی عاشقِ غمناک
پردۂ چوب میں چھپا بے باک
...... عشقِ جانانہ سے جو بے کل تھا
رکنِ کعبہ سے بھی وہ افضل تھا
قدرتِ کردگارِ برحق تھا
کہ مقید تھا اور مطلق تھا
طاقِ ابرو کی سمت سے جھکتا
یہ ستون تھا کہ مرغِ قبلہ نما
حق کی قدرت کے کھیل ہیں یہ نفیس
چوب سے یوں ہے کارِ مقناطیس
یارو لکڑی کا ماجرا دیکھو
کاہ میں جذبِ کہربا دیکھو
...... کششِ عشق اس کی کامل تھی
محبتِ یار اس کو حاصل تھی [۱۰۱]

شہیدؔ نے تخیل کی ندرت اور جدتِ ادا سے اس قصہ کو نعت نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ بنا دیا ہے۔ ایک چوبِ خشک کی زبان سے انہوں نے محبتِ رسولؐ کی ایسی واردات بیان کی ہیں جو قاری پر ایک بھرپور تاثر چھوڑتی ہیں۔ تشبیہ و استعارات کی جدت سے ان کا قصہ محاکاتی کیفیات کا حامل ہو گیا ہے۔ ایک ایک شعر حضور اکرمؐ کی محبت و عقیدت میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ ستون کی زبانی کہتے ہیں :

لیکن اس آرزو میں ہوں میں ہلاک
کیوں نہ دانتوں کی میں بنا مسواک
یہ تو کہتا نہیں کہ شانہ بنوں
تیرے آئینہ ہی کا خانہ بنوں
تو ہو جس آئینہ میں عکس فگن ،
میں اسی آئینہ کا ہوں مسکن

میرے تختوں کا تخت بن جاتا
استراحت مجھی پہ فرماتا
سرمہ آنکھوں میں تو لگاتا ہے
رنگ سے دل پسا ہی جاتا ہے
کہ جگر کاش کہ رمرداں بنتا
سرمہ پردے سے جان کے چھنتا
ایسی قسمت کہاں کہ جام بنوں
لب جاں بخش تک ترے پہنچوں
کاش نعلین تیری بن جاؤں
پاؤں ہر لحظہ چومنے آؤں [۱۰۲]

پورے قصے میں ستون کی زبانی شہید نے اپنے عشقِ رسولؐ کا اظہار کیا ہے۔ یہ ان کی فن کارانہ صلاحیت کا کمال ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی زندگی سے ایک نسبتاً غیر معروف واقعہ کو اپنی تخلیق کا موضوع بنا کر حبِ رسولؐ کے مختلف تجربات بیان کئے ہیں۔ وہ حضور اکرمؐ کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں مثلاً نگارِ عرب، بہارِ طرب، ماہِ عالی نسب، شاہِ اُمی لقب، سرورِ انبیاء، مظہرِ کبریا، شمعِ بزمِ قدم، مہرِ اوجِ کرم، بحرِ جود و سخا، سیدِ عالم، شفیعِ امم اور شہِ دینؐ وغیرہ ان القابات و اسمائے صفات کے ساتھ انہوں نے والہانہ انداز میں نہ صرف اپنے جذب و کیف کی ترجمانی کی ہے، بلکہ حضور اکرمؐ کے اوصاف، صفات اور فیوض و برکات کا ذکر بھی کیا ہے۔

اب تک علام امام شہید کی نعت گوئی پر جو گفتگو کی گئی ہے اور نمونۂ کلام سے نعت کی جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ غزل و مثنوی سے متعلق تھیں لیکن جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے شہید نے دوسری اصناف اور ہیئتوں میں بھی نعت لکھی ہے۔ ذیل میں معراج سے متعلق مشہور ترجیع بند کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔ یہ ترجیع بند پندرہ بندوں پر مشتمل ہے۔ پہلا بند یہ ہے:

ے

قدِ رعنا کی ادا جامۂ زیبا کی پھبن
سرگمیں آنکھ غضب ناز بھری وہ چتون
وہ عمامہ کی سجاوٹ وہ جبین روشن
اور وہ مکھڑے کی تجلی وہ بیاضِ گردن

وہ مہاسے عربی اور وہ یمنی دامن

دلربانہ وہ رفتار وہ بے ساختہ پن

مردہ بھی دیکھے تو کر چاک گریبانِ کفن

اٹھ چلے قبر سے بے تاب زباں پر یہ سخن

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی [۲۳]

اس نعتیہ ترجیع بند کی فضا اور آہنگ نشاطیہ ہے۔ شہید نے حضورِ اکرمؐ کے سراپا اور جمالِ محمدی کے مختلف پہلوؤں کو دلربایانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ شبِ معراج افلاک کی رونق، مرتبِ بریں کی تزئین، حوروں اور فرشتوں کی ہماہمی، مختلف برگزیدہ پیغمبروں کی مسرت کا اظہار، درود و سلام کی صدائیں، ماہ و نجوم اور آسمان و کہکشاں کی تزئین کا ذکر کرتے ہوئے شہید نے اپنی قوتِ متخیلہ کا پورا زور صرف کر دیا ہے۔ تشبیہ و استعارات کی دل کشی، تراکیب کی ندرت، منظر نگاری اور محاکاتی اسلوب شہید کے نعتیہ ترجیع بند کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ کہیں کہیں مکالمہ کا عنصر بھی نظر آتا ہے اور کہیں کہیں ڈرامائی کیفیت والے اسلوب سے کام لیا ہے۔ ذیل کا بند دیکھیے:

انگلیاں اٹھنے لگیں دور سے وہ آپہنچا

گردنیں جھکنے لگیں سجدہ کی خاطر ہر جا

سب لگے کہنے کہ ہے سایۂ ذات یکتا

آدمی ہم نے تو اس شان کا دیکھا نہ سنا

آدمی ہوتا تو اس ماہ کے سایہ ہوتا

جس کے سایہ نہ ہو وہ نورِ خدا ہے بخدا

واہ کیا حسن ہے کیا شان ہے اے صلِ علیٰ

وجد کے حال میں پھر جھوم کے رضواں بولا

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی!

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی [۲۴]

شہید نے امیر خسرو کی مشہور غزل کی تضمین میں بھی ایک نعت لکھی جو ان کے مخصوص رنگِ نعت کی مظہر ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے:

بخشی ہے خالق نے تجھے سب سروروں کی سروری

پیغمبروں کی دی تجھے اللہ نے پیغمبری

صورت سے تیری ہے عیاں شانِ خدا کی برتری
اے چہرہ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند صفت می کنم در حسن زاں زیبا تری
...... جبریل سے معراج میں تھے پوچھتے شاہِ اممؐ
تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامینؑ کہنے لگے اے مہ جبینِ حق کی قسم
آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری[۱۰۵]

بہ حیثیت مجموعی غلام امام شہیدؔ نے متنوع ہیئتوں اور اصناف میں نعت کے مختلف موضوعات و مضامین کو شعری محاسن اور تخلیقی انداز میں پیش کیا۔ انہوں نے مقدار اور معیار دونوں اعتبار سے اردو نعت کی روایت میں گراں قدر اضافہ کیا خصوصاً جب ہم شمالی ہندوستان میں اردو نعت کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہیں، تو کرامت علی، شہیدیؔ کے بعد وہ دوسرے اہم نعت نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ حامد حسن قادری ان کی حبِ رسولؐ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'ان کی شیفتگی اور فدایت اس درجہ پہ پہنچ گئی ہے کہ بجز نعت شریف لکھنے اور پڑھنے کے کوئی شغل نہ تھا۔ اس سبب سے مداحِ نبیؐ اور عاشقِ رسولؐ کے مبارک القاب سے مشہور تھے'[۱۰۶]

ان کا نعتیہ کلام اور مولود شریف ان کی اسی شیفتگی اور فدایت کا ترجمان ہے۔ ان کے مولود کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ گزشتہ سو سال سے متعدد اشاعتی اداروں نے اسے بار بار شائع کیا۔ اس کی اشاعتوں کا شمار مشکل ہے نیز اس کے بہت سے حصے آج بھی میلاد کی مجلسوں میں ذوق و شوق سے پڑھے اور سنے جاتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ لطف بریلوی کا ذکر کریں سرسری طور پر نیازؔ بریلوی کا بھی تذکرہ کرتے چلیں جن کے شغفِ نعت نے نعت گوئی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی، م ۱۲۹۵ھ

قادری، چشتی، فخری، نظامی، صابری، سہروردی، نقشبندی نذیریہ سلاسل میں بیعت تھے اور تصوف کے ساتھ نعت گوئی سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ ان کا زیادہ تر نعتیہ کلام فارسی میں ہے۔ اردو میں بھی کہیں کہیں

نعت کے شعر مل جاتے ہیں۔ سوز و گداز کی فراوانی اور اثر انگیزی کے سبب انہوں نے اپنے حلقۂ ارادت کے کئی نعت گو شاعروں کو بہت متاثر کیا۔ اردو نعت کے فروغ و ترویج میں ان کی صوفیانہ شاعری اور عشقِ رسولؐ کا بھی عمل دخل ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

معمور ہو رہا ہے عالم میں نُور تیرا
ناہ تا بماہی سب ہے ظہور تیرا
اسرارِ احمدیؐ سے آگاہ ہو سو جانے
تو نور ہر شجر ہے ہر سنگ طور تیرا [۱۰۷]

بہتر ہے نیاز آپ کو تو رشتۂ اخلاص
ہر ایک سے توڑے شہِ لولاکؐ سے باندھے [۱۰۸]

عرفناک کہیں صاحبِ لولاکؐ جہاں
بس وہاں وہم و گماں یار و ہے سب لاشئے [۱۰۹]

مولوی حافظ لطف علی خاں لطف م ۱۲۹۸ھ

جو لطف بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ غزل میں نعت نگاری کی روایت کے سب سے پہلے بڑے شاعر ہیں۔ انہوں نے نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھرپور انداز میں غزل کی ہیئت کا استعمال کیا۔ ان سے پہلے کی نعتیہ شاعری کا بڑا سرمایہ مثنوی اور قصیدہ پر مشتمل ہے۔ مختلف شاعروں کے ہاں غزلوں میں نعت نگاری کے کچھ نمونے ملتے ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی کوئی ایسا غزل گو نظر نہیں آتا جس نے اپنی غزل کو نعت کے لئے مخصوص کر دیا ہو۔ لطف نے نہ صرف یہ کہ غزل میں نعت نگاری کے وسیع امکانات دریافت کئے بلکہ باقاعدہ نعت میں ایک غزلیہ دیوان ۱۲۷۰ھ میں مرتب کیا جو ان کی زندگی ہی میں متعدد بار چھپا اور ان کی وفات کے بعد اب تک اس کے بہت سے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ [۱۱۰]

"تذکرہ مسرتِ انتخاب" کے مرتب نے لطف بریلوی کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دیوانش تماما در نعت۔" [۱۱۱]

لطف بریلوی کے دیوان نعت میں ۱۰۲ غزلوں کے علاوہ ، ۹۰ اشعار کا ایک طویل سراپا اور ایک خمسہ شامل ہے۔ یہ دیوان اردو نعت کے ارتقا میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لطف بریلوی سے پہلے نعت ایک موضوع تھا جسے مختلف شعرا نے فنی طور پر برتا اور مختلف اصناف (غزل ، قصیدہ ، رباعی و مثنوی) میں نعتیں لکھیں مگر لطف بریلوی کے ہاں یہ موضوع ایک جداگانہ صنف کے طور پر ابھرتا محسوس ہوتا ہے۔ لطف بریلوی کی نعت گوئی مقدار اور کیفیت دونوں اعتبار سے نعت کے موضوع کو اردو میں پہلی مرتبہ ایک علیحدہ صنفی درجہ عطا کرتی ہے۔ یوں اردو شعرا کے کلام میں ملنے والے نعتیہ عناصر پہلی بار ایک واضح اور جداگانہ شعری کل (صنف) میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لطف بریلوی کی نعتوں میں کم و بیش نعت کے سبھی معروف موضوعات اور نمایاں اسالیب جن کا زیرِ نظر مقالے کے پہلے باب میں ذکر کیا گیا تھا اپنے فنی محاسن اور شعری لطافتوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ غزل کی صنفی خصوصیات نے نعتیہ مضامین کی پیش کش میں حسن و تاثیر کا جو اضافہ کیا ہے اس سے لطف بریلوی کی نعت اور صنف نعت سے متعلق ان کے تخلیقی رویّے اور نکھر کر سامنے آتے ہیں۔

دیوانِ لطف کے مطالعے میں سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے وہ لطف بریلوی کے ذوقِ نعت سے وابستگی کے بارے میں ہے۔ اردو نعت میں لطف بریلوی پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ تواتر سے اپنے شغفِ نعت کا اظہار کیا بلکہ اس میں طرح طرح کے مضامین پیدا کیے۔ ان کا یہ رویّہ نعت کو ایک جداگانہ صنف کے طور پر ترویج دینے کی طرف پہلا شعوری اعلان نامہ ہے۔ یہ اعلان نامہ متنوع مضامین سے عبارت ہے۔ اس میں فنِ نعت کی نزاکت ، منصبِ نعت گوئی سے عہدہ برآ ہونے کی مشکلات ، کوتاہیٔ اظہار ، اپنے شغفِ نعت گوئی ، نعت گوئی کی برکات و ثمرات کے مضامین نمایاں ہیں۔ لطف نے ان موضوعات پر بکثرت اشعار لکھے ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں :

وصف لکھتا ہوں نبیؐ کے حسنِ عالمگیر کا
کیوں نہ شہروں شہروں شہرہ ہو مری تحریر کا ص ۵

...... تیری مدحت کی بدولت اب تو اے ممدوحِ حق !
خلق میں ممدوح ہوں اک اک جوان و پیر کا

اے لطف نعت گوئی میں یہ مرتبا ہوا
تجھ کو حصولِ عشقِ حبیبِ خدا ہوا

ہوں میں بلبل باغِ وصفِ احمدِ مختار کا
سو زباں رکھتا ہے ہر پتہ مرے گلزار کا — ص ۶

ہوئی پسند فصاحت مری جو روزِ الست
کیا نبیؐ کا مجھے حق نے مدح خواں پیدا — ص ۱۲

وہ ہے مدیحِ خدا اُس کا ہے خدا مدّاح
بشر کی جان لکھے نعتِ سیّدِ ابرار — ص ۲۳

ایسے بے مثل کی لکھے کوئی کیوں کر تعریف
میرے ادراک سے بھی جس کی ہو باہر تعریف — ص ۲۹

داب لی ہے منہ میں اپنے صورتِ غنچہ زباں
ہم نے قرآں میں ترے وصف و ثنا کو دیکھ کر — ص ۴۲

لطفؔ کے ہاں ایسے شعروں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے۔

میلاد، لطفؔ بریلوی کی غزلوں کا نمایاں موضوع ہے۔ انہوں نے میلادِ رسول اکرمؐ کے سلسلے میں منعقد ہونے والی مجالس کے لیے بطورِ خاص نعتیہ غزلیں لکھیں جو ان کے دیوان میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ اکثر غزلوں کے مطالع کی زمین بھی اس کے مزاج کو متعین کر دیتی ہے۔ ان نعتوں میں مجالسِ میلاد انعقاد کرنے کی برکت، ان مجلسوں میں شرکت کرنے کے آداب اور فیوض و برکات سے بہرہ ور ہونے کے مضامین قلم بند کیے ہیں۔

لطفؔ بریلوی کی میلادیہ نعتوں سے ان کے مذہبی رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے جو مکتبِ بریلی سے خاص ہیں اور جن کے مطابق مجلسِ میلاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لاتے ہیں اور صاحبِ خانہ اور سامعینِ مجلس کو اپنے لطف و کرم اور فیوض و برکات سے نوازتے ہیں۔ اسی سبب اس انداز کی نعتوں میں مجالسِ میلاد کو ترتیب دینے میں شائستگی و اہتمام کے ذکر کے ساتھ ساتھ حاضرینِ مجلس کو بھی مؤدب و محتاط انداز میں شریک ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔ دورانِ میلاد خوانی حضور اکرمؐ پر درود پڑھنے کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ لطفؔ بریلوی کی چند میلادیہ نعتوں کے مطلع درج ذیل ہیں:

دکھائے گر خدا مجھ کو مکانِ مولدِ حضرت
لکھوں اے لطفؔ مذکورِ زبانِ مولدِ حضرت ص ۱۵

نہ پایا دو جہاں میں اک مکانِ محفلِ مولد
جہاں دل کھول کر کرتے بیانِ محفلِ مولد ص ۲۰

با ادب داخل ہو اے دل محفلِ میلاد میں
خود بدولت خود ہیں شامل محفلِ میلاد میں ص ۲۴

لطفؔ کیا بیٹھا ہے غافل محفلِ میلاد میں
ہیں رسول اللہ شامل محفلِ میلاد میں "

خموش بیٹھے ہو کیا مومنو! درود پڑھو
شفیعِ روزِ جزا پر پڑھو درود پڑھو ص ۲۷

آج فخرِ انبیاء صلِ علیٰ پیدا ہوئے
شافعِ روزِ جزا، صلِ علیٰ پیدا ہوئے ص ۱۵
آج وہ شمس الضحیٰ، شمس الضحیٰ، پیدا ہوئے
آج وہ بدر الدجیٰ بدر الدجیٰ پیدا ہوئے "

یہ نعتیں اپنا ایک خاص تاریخی و مذہبی پس منظر رکھتی ہیں۔ ان کا غالب حصہ اس عہد میں اہلِ حدیث علمائے کرام کے ان خیالات کے ردِ عمل کے طور پر تخلیق ہوا جن میں محافلِ میلاد کے انعقاد کو بدعت قرار دے کر اس سے اجتناب کی تلقین کی گئی۔ یہ خیالات فتاویٰ کی صورت کے علاوہ اس عہد کی مناظراتی تحریروں میں عام نظر آتے ہیں۔ (بریلوی اور اہلِ حدیث عالموں کی تحریروں اور تقریروں میں ان خیالات کی حمایت اور رد کا سلسلہ آج بھی جاری ہے)۔

لطفؔ بریلوی ان نعتوں میں جہاں اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ و تشہیر کرتے نظر آتے ہیں وہاں اپنے

مخالفوں کے بارے میں طنز و تشنیع سے کام لیتے ہوئے ان کی مذمت بھی کرتے ہیں۔ یہاں لطفِ شاعری سے زیادہ مناظرہ کھائی دیتے ہیں۔ اپنے موقف کی تائید اور منکرینِ میلاد کے رد میں وہ نہ صرف اپنے دلائل دیتے ہیں بلکہ اس کے ثبوت میں مختلف اقوال اور کتب کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ درج ذیل اشعار دیکھیے جن میں انعقادِ مجالسِ میلاد کی تعریف اور برکات کا ذکر ہے:

روایت کرتے ہیں یہ زائرانِ مولدِ حضرت
کہ دیکھا نور جو دیکھا میانِ مولدِ حضرت ص۱۵۱

—

سال بھر آئیں گے اس گھر کی زیارت کیلئے
ہیں فرشتے جو کہ داخل محفلِ میلاد ہیں ص۲۸

..... مومنو "جمع الجوامع" میں لکھا ہے دیکھ لو
ہوتے ہیں حضرتؐ بھی شامل محفلِ میلاد میں

"منکرینِ میلاد" کے بارے میں ان کے خیالات کا اندازہ درجِ ذیل شعروں سے بخوبی ہو سکتا ہے:

جو منکر اس کی عظمت کے ہیں شیطانِ مجسم ہیں
بہشتی جنتی ہیں دوستانِ مولدِ حضرت ص۱۵۱

—

اس کو دشمن جانو محبوبِ خدا کا دوستو!
جو کرے انکار جاہل محفلِ میلاد میں ص۲۷

—

رسولِ پاک پہ دائم درود پڑھو
کدھر خیال ہے اے غافلو درود پڑھو ص۲

..... خدا کے دوست پر اے دشمنو درود پڑھو
جہنمی ہو بہشتی بنو، درود پڑھو

—

جو منکر ہیں رسول اللہ کی تعظیم کے ان کو
نہ بلوایا کرو اے عاشقانِ محفلِ مولد ص۲

اگر وہ دشمنِ دیں خود بخود آ جائیں محفل میں
نظر میں رکھیں ان کو حاضرانِ محفلِ مولد ص ۶۰

نہ اٹھیں منکرِ تعظیم جب تعظیم حضرت کو
اٹھا دیں زور سے ان کو میانِ محفلِ مولد ایضاً

لطف بریلوی کی نعتوں میں ایک اور منفرد انداز جو ان سے پہلے کے نعتیہ نمونوں میں کم تھا اور پہلی بار تکرار و کثرت سے ان کے ہاں اظہار پذیر ہوا حضورِ اکرمؐ کی سراپا نگاری سے متعلق ہے۔ اردو نعت میں حضورِ اکرمؐ کے شمائل اور ظاہری اوصاف سے زیادہ آپؐ کے باطنی اوصاف اور خصائل و صفات پر زور دیا جاتا رہا مگر لکھنوی دبستانِ شاعری کے اثرات کے سبب نعت میں بھی سراپا نگاری کے رجحانات آ نا شروع ہو گئے۔ لطف بریلوی کی نعتوں میں حضورِ اکرمؐ کے دوسرے اوصاف کے ساتھ آپؐ کے ظاہری جمال کا تذکرہ بھی انہی اثرات کے سبب ہے۔

لطف کے ہاں یہ سراپا نگاری دو انداز کی ہے۔ پہلا انداز تو ایک باقاعدہ سراپا کا ہے جو غزلِ مسلسل کی ہیئت میں ۹۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں حضورِ اکرمؐ کے اعضائے مبارک اور ظاہری جمال کی تفصیلات اپنی جزئیات کے ساتھ موجود ہیں اور پڑھنے والے پر اپنا بھرپور تاثر چھوڑتی ہیں۔ اور دوسرا انداز جو بعد سراپا کے بجائے مختلف اجزائے حسنِ رسولِ پاکؐ کے اظہار پر مشتمل ہے۔ یہ انداز ان کی نعتوں میں نمایاں ہے جہاں غزل کے اشعار میں مضامین کی ریزہ کاری کے سبب مسلسل سراپا کے بجائے جزوی طور پر سراپا نگاری کے نمونے نظر آتے ہیں۔

سراپائے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے دیوان کے آخر میں طویل سراپا کا مطلع درج ذیل ہے:

مری وہ فکر رسا ہے وہ ہوں طبیعت دار
ازل کے روز سے لکھتا ہوں نعت کے اشعار : ص ۵۲

اس میں سر و زلف، عارض و چشم اور لب و دندان مبارک کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔ اعضائے مبارک کی صفات کے اظہار میں لطف نے حضورِ اکرمؐ کے بعض معجزات کو بھی شاملِ سراپا کر لیا ہے۔ اس سراپائے منظوم پر ایک قصیدہ کا گمان گزرتا ہے۔ اس میں تراکیب و تشبیہات کے علاوہ مختلف صنائع بدائع اور رعایتِ لفظی کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ حسنِ صورت کے بیان میں لطف کا اندازِ نعت احتیاط و احترام کے جذبات سے مملو ہے اس سراپا کے علاوہ جزوی طور پر جمالِ محمدی کے ظاہری پہلوؤں کی مدح ان کی نعتیہ غزلوں میں جابجا نظر آتی ہے۔ درجِ ذیل اشعار دیکھیے:

تیغِ ابروئے مبارک کا جہاں مداح ہے
جس کو دیکھو بھر رہا ہے دم اسی شمشیر کا ص ۵

نجمؔ کے زلف و عارض کا مجھے دھوون ملے یا رب
نہیں خواہاں ہے دل میرا گلاب و عطر و عنبر کا ؍؍

قیامت یادِ قامت میں تری فریاد کرتا ہوں
کہ ہمسایوں کو ہو جاتا ہے دھوکا شورِ محشر کا ؍؍

یادِ ابروئے رسولِ پاک آتی ہے مجھے
سجدہ کرواتی ہے اے محراب کعبہ خم ترا ص ۶

وصف جب گلزار میں چشمِ مبارک کا کیا
خواب آنکھوں سے اڑا یا نرگسِ بیمار کا ؍؍

یہ کس کے قدِ بالا کے الم میں جان دی میں نے
کہ پہنچا عالمِ بالا تک غل میرے ماتم کا ص ۷

مدحتِ قامتِ بالائے نجمؔ لکھتا ہے
کلک ہے غیرتِ شمشاد و صنوبر اپنا ص ۸

دل یہ کس خورشید رو کے تل پہ مائل ہو گیا
جو سویدا کو قمر کا نور حاصل ہو گیا

بجاے شام تک شام سے لے کر تا صبح
رخ و گیسو کا ترے ذکر ہی گھر گھر ہوتا ص ۹

دیکھتا ہوئے مصفا جو مرے حضرت کا
صورتِ آئینہ حیران سکندر ہوتا ص ۹

سنبل میں نہیں نکہت گیسوئے محمد
گل میں نہیں رنگ رخ نیکوئے محمد ص ۱۹

لکھوں حبیب خدا کی وہ مدحتِ رخسار
کہے جہاں کہ یہ مطلع ہے مطلعِ انوار ص ۴۲

یہ ساری نعت آنحضرت کے ظاہری اوصاف جمال اور منصب رسالت کی تعریف میں ہے۔ لطف نے اس نعت میں حضور اکرمؐ کے رخسار، گیسو، ابرو، رفتار و گفتار کی مدح سے آپؐ کی شانِ رسالت اور مقام و مرتبہ محمدیؐ کا اور فضیلتِ آنحضرت کے مضامین تلمیحاً کیے ہیں۔ نعت، غزلِ مسلسل میں لکھی گئی ہے۔ اس نعت پر ایک قصیدے کا گمان ہوتا ہے۔ لطف نے آپؐ کے جزوی سراپا کے بیان میں ان مناسبتوں کا خاص خیال رکھا ہے جو غزل سے مختص ہیں۔ رعایتِ لفظی کا التزام کم و بیش ہر جگہ نظر آتا ہے۔ نمونۃً یہ شعر دیکھئے:

بنیں گے طائرِ تصویر طوطی و بلبل
سنیں گے آپ کا گر وصفِ خوبیٔ گفتار ص ۴۲

مثال رہ کے ہوں پامال کبک اور طاؤس
سناؤں آپؐ کی اس ڈھب کی خوبیٔ گفتار ″

جگہ ہے اس کی یاد مصحفِ عارض میں سیپارہ
نزولِ آیتِ رحمت ہے جس کی پاک سورت پر ص ۴۲

لطف بریلوی کی دوسری خصوصیاتِ نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے وابستہ ان کے وہ رویے ہیں جن میں ان کے داخلی احساسات کی جھلک ملتی ہے۔ ان رویوں میں روضۂ رسولؐ سے دوری کا احساس نمایاں ہے۔ ہند کی پُر آشوب زمین سے دیارِ رسولؐ جانے، روضۂ رسول پاکؐ کے دیدار اور سرزمینِ مدینہ میں مرنے کی خواہش کا اظہار جا بجا نظر آتا ہے۔ خصوصاً وہ نعتیں جن کے قافیہ و ردیف میں مدینہ کا لفظ آتا ہے

ایسے ہی احساسات سے عبارت ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی کئی غزلوں کے آخری شعروں میں بھی داخلی ردیف کارفرما ہے۔

حضور اکرمؐ سے استمداد اور شفاعتِ علمیہ کے مضامین بھی لطف بریلوی کے ہاں عام ہیں۔ وہ نعتیں جن کی ردیفیں یاشفیع المذنبینؐ، یاشفیع الوریٰؐ، الغیاثؐ، یارسولؐ اور یارسولؐ اللہ ہیں، اسی اندازِ نعت سے عبارت ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ اہلِ حدیث علمائے کرام کی تحریروں اور تقریروں میں حضور اکرمؐ کے خطابِ ندائیہ کو بدعات اور شرک وکفر سے تعبیر کیا جاتا تھا، لطف بریلوی کے ہاں "یارسولؐ اللہ" اور "یارسولؐ" کی ردیفیں ان کے مذہبی عقائد کی ترجمان ہیں۔ [۱۳]

ذیل کے اشعار دیکھیے جن میں لطف بریلوی کے داخلی ردیفوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان شعروں میں وابستگی و محبتِ رسولؐ کے جذبات نے کیف اور تاثر کو نمایاں کر دیا ہے:

نہ ہوئی ہائے مدینہ کی زیارت حاصل
جیتے جی میں نہ ہوا داخلِ جنت افسوس ص ۲۶

یا خدا بہرِ نبیؐ اب تو مدینہ دکھلا
جیتے جی باغِ جناں بندے کو مولا دکھلا ص ۴

ہاں عرب میں کہیں اے شاہِ عرب بلوا لو
ہند میں اب تو گزارا نہیں دم بھر اپنا ص ۸

شفیع الورا یا شفیع الورا!
مجھے بخشوا یا شفیع الورا! ص ۱۰

کب تک ہوں آپ کی فرقت میں بے دم الغیاث
الغیاث اے بادشاہِ ہر دو عالم الغیاث ص ۱۶

تیغِ فراق سے ہے دل افگار الغیاث
کب تک رہوں میں صورتِ بیمار الغیاث "

اسی فراق اور محرومی میں کہیں کہیں شہیدی کے حسنِ خاتمہ اور خوش بختی کا اظہار بڑے رشک سے کرتے ہیں۔

تا بہ کے شوقِ شہادت میں پھرے دل آوارہ
یا خدا میں بھی شہیدی ہوں وہ روضہ دکھلا ص ۴

عشق میں لطف جو تو اس سے نہ کم تر ہوتا
تیرا مرقد بھی شہیدی کے برابر ہوتا ص ۹

پہنچا نہ آپ کے درِ اقدس تلک یہ لطف
ہیہات مرتبہ نہ شہیدی کا عطا ہوا ص ۵

مجموعی طور پر لطف اردو نعت کے پہلے اہم شاعر ہیں جنہوں نے نعت کے موضوع کو فنی اور صنفی سطح پر برتا۔ فکری و فنی طور پہ نعت کی روایت کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اسے غزل کی مستحکم بنیادوں پر استوار کیا جن میں آگے چل کر سینکڑوں صاحبِ دیوان نعت گو پیدا ہوئے۔

مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی م ۱۳۱۷ھ

کے نعتیہ دیوان المسمّٰی بہ "ترانۂ ایمان" بھی نعت کے عصری رویوں سے عبارت ہے۔ وہ مشہور شیخ طریقت شاہ عبد الغنی مجددی (م ۱۲۹۶ھ) سے نقش بندی سلسلے میں بیعت تھے۔ ان کی نعت میں ان کے مذہبی عقائد کی جھلک نمایاں ہے۔ ان کی نعت نگاری صوفیانہ اور عارفانہ اسلوب کی حامل ہے۔ "احد اور احمد" کے الفاظ سے نعت گو شعرا نے سینکڑوں متنوع مضمون پیدا کیے ہیں۔ مولوی محمد حسین تمنا کے دیوان کی پہلی نعت ہی میں احد اور احمد کی رعایتِ لفظی سے مختلف مضمون نکالے ہیں جو ان کی عالمانہ شان کے مظہر ہیں۔ درج ذیل اشعار دیکھیے ؎

احد کے سب کمالاتِ وجوبی ان سے ظاہر ہیں
بقدر میم پیدا ہے اثر امکانِ احمد کا
...... احد ظاہر ہے احمد سے نشانِ بے نشاں دیکھو
لیا ہے آئینہ مطلق نے اس نورِ مقید کا

...... نبی کی معرفت عنوان عرفان الٰہی ہے

احد منکشف ہے تنہا ہے گر میم احمد کا

...... احد نے نام میں اپنی لگا کر میم محبوبی

تمنا رحمت دالنت سے رکھا نام احمد کا [۱۱۴]

وہ موضوع جس کے سبب مولوی محمد حسین تمنا نے بہت شہرت حاصل کی "امتناع نظیر" کا موضوع ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے "تقریت الایمان" کی ایک عبارت اور اس کی رد میں امکان نظیر اور امتناع نظیر کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ اس بارے میں مولوی تمنا، مولانا شمس الحق خیرآبادی کے ہم نوا تھے۔ انہوں نے اپنے نعتیہ کلام میں متعدد جگہ پر بڑے شدومد کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کیا ہے اور طرح طرح کی دلیلوں سے اپنے مخالفین کی تردید کی اور اپنے موقف کی تائید میں شعر کہے۔ ذیل میں ان کے کچھ شعر درج کیے جاتے ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حیثیت پیغمبر شان یکتائی کا اظہار کیا گیا ہے اور امکانِ نظیر کی تردید کی گئی ہے:

مرآتِ وحدتِ احدی ہے وہ ذاتِ پاک

آوے گا کیونکر آپ کا ہمسر خیال میں [۱۱۵]

بچشم دیکھیں گے منکر بھی اُن کی یکتائی

قریب موسم ہنگامۂ نشور آیا [۱۱۶]

احدی شان بھلا کس میں تجلی کرتی

ذاتِ احمد کا نہ آئینہ جو یکتا ہوتا [۱۱۷]

مختلف اشعار کے علاوہ ان کی درج ذیل نعت میں دیکھیے اس میں امتناع نظیر کے مسئلہ پر تمنا مرادآبادی نے کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کی یہ نعت اس مسئلہ پر ان کے موقف کا ایک واضح اعلان نامہ ہے۔ اسکی زمین اور مطلع و مقطع کے علاوہ دوسرے اشعار اس مسئلہ پر تمنا کے خیالات درست مدد کی موثر ترجمانی کرتے ہیں۔

مثل ان کے دوسرے انساں کو کہنا ہے غلط

اس کا ہے لکھنا غلط اور اس کا ہے پڑھنا غلط

ان کو خاتم کہہ دیا ہے خالقِ کونین نے

یہ نہیں ممکن کہ ہو اللہ کا کہنا غلط

قدرت حق اور ہے ثانی نبیؐ کا اور ہے
اس کا ہونا ہے اسے اور اس کا ہے ہونا غلط
وہ کہا اللہ کا کہتے ہیں ہو سکتا نہیں
اب سے لے کر تا ابد ایک ان کا فرمانا غلط
مثلِ آیت قولِ حضرت واجب الاذعان ہے
ہے وہ کافر جس نے قولِ شاہِ دیں جانا غلط
...... اے تمنا ہیں وہ یکتائے دو عالم بالیقیں
مومن صادق نہ سمجھے گا مرا کہنا غلط [۱۰۸]

اس نعت کے علاوہ مختلف نعتوں میں طرح طرح سے تمنا نے امتناعِ نظیر کی کھل کر وضاحت و حمایت کی ہے۔ بقول ڈاکٹر ایوب قادری : (مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی کے علاوہ)

"شاید ہی کسی شاعر نے اردو میں اس مسئلہ پر اس بلند آہنگی سے اظہارِ خیال کیا ہو۔" [۱۰۹]

امتناعِ نظیر کے ساتھ دوسرے مسائل بورد وہابیت کے سبب نعت کا اہم موضوع بنے "حیات النبیؐ" اور حضور اکرمؐ کے "علم غیب" کا مسئلہ ہے۔ یہ مضامین و مسائل بعد میں تو نعت (خصوصاً دبستانِ بریلی سے وابستہ نعت گو شاعروں) کے بنیادی موضوع بنے مگر شروع شروع میں اس کی جھلکیاں تمنا کے ہاں نظر آتی ہیں۔ یہ شعر دیکھیے :

جب دوستوں نے ان کو حیات النبیؐ کہا
بیٹھے رہی ہی تمام بد اندیش مر گئے [۱۱۰]

ازل کا ماجرا ظاہر ابد کا حال روشن ہے
نہ پوچھو علم ان اللہ کے شاگردِ ارشد کا [۱۱۱]

تمنا کی ایک نمایاں خصوصیت جو انہیں اس دور کے نعت گو شاعروں سے ممتاز کرتی ہے ان کے ہاں حضور اکرمؐ کی شجاعت اور ان کے متعلقات کا اظہار ہے۔ تمنا اپنے ہم عصر نعت نگاروں میں واحد شاعر ہیں جنہوں نے اس موضوع پر کثرت سے لکھا ہے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ کی جرأت و شجاعت، جنگ و رزم اور غزوات میں آپ کی کارکردگی کو مختلف حوالوں سے اپنی نعتوں کا موضوع بنایا ہے۔ اردو نعت میں حضور کی رحمت و شفقت سے

مضامین تو ہر دور میں بکثرت ملتے ہیں مگر میدانِ جنگ میں اعدا پر آپ کی ہیبت و جلال کے مضامین بہت کم نظر آتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی حدود و پس منظر میں لکھی جانے والی نعتوں میں حضورؐ کی شجاعت نگاری کا یہ رویہ تمنا ہی کے ان اپنی پوری جزئیات و متعلقات کے ساتھ اظہار پذیر ہوتا ہے۔ تمنا کی کم و بیش ہر نعت میں دو چار شعر ایسے مل جاتے ہیں جن میں آپ کی شجاعت، آلاتِ حرب، دشمنانِ دین پر آپ کی قوت و شجاعت کے اثرات اور اسی انداز کے دوسرے مضامین قلم بند کیے گئے ہیں بعض نعتوں کا غالب موضوع ہی آپ کی شجاعت کا تذکار ہے۔

اسی تذکار میں تمنا کے ذوقِ شعری اور رنگِ غزل کے سبب ایک خاص فضا ملتی ہے۔ تمنا نے تشبیہ و استعارہ اور الفاظ و تراکیب کے انتخاب میں اس موضوع کے تقاضوں کو بطورِ خاص پیشِ نظر رکھا ہے اور ہیبت و جلال کی کیفیات کے اظہار میں رزم نگاری کے لوازم کو خوش اسلوبی سے برتا ہے۔ یہ نعت دیکھیے:

گرم ہو پیکار جو حضرت شاہ رسل باندھ کے صف
ایک تیر آپ کا اور لاکھ عدو اس کے ہدف
کانپ کر ترکِ فلک فرش زمیں پر گر جائے
ہر گزیں تیر ہو و اقلعہ گہ دوں کی طرف
فوجِ اعدا ہو پراگندہ بسانِ آواز
لشکرِ شاہِ دو عالم کی جو سن لے حسف
پیل کو زیر کرے مورچۂ لشکرِ شاہؐ
ان کی خدمت میں جو کچھ ہوتے ہیں اقوی اضعف [۱۲۱]

اسی طرح ایک اور نعت کے یہ شعر دیکھیے جس میں تشبیہ و استعارہ اور رعایتِ لفظی کی خوبیوں کے علاوہ نعت کی زمین ہی میں ایک رزمیہ اور عسکری آہنگ کا تاثر ملتا ہے۔

جراتِ حضرت کا اب تک یہ اثر باقی ہے واں
کوہسارِ یثرب میں شیرِ نر ہر سنگ ہے
لشکرِ حضرت کی صفا کی بیاں کیا ہو سکے
ناگہانی مرگ جس لشکر کا اک سرہنگ ہے
سامنے ترکانِ شاہِ دیں کی آ سکتا ہے کون
ان کی جرأت دیکھ کر ترکِ فلک بھی دنگ ہے

شہسوارِ اشہب گردوں ہیں وہ عرشی مکاں
کہکشاں بھی مرکبِ شیرِ ابورا کا تنگ ہے
ہے نکلتا عید قربانِ اجل کا اک ہلال
جب نکلتی تیغ شاہِ دب بوقتِ جنگ ہے ۱۴۳

تمنا کے دیوان میں اس موضوع پر سینکڑوں شعر ملتے ہیں۔ یہاں مختلف نعتوں کے چند اور متفرق شعر درج کئے جاتے ہیں جن سے تمنا کی نعت کے اس رنگِ خاص کا اندازہ ہو سکے۔

للکارے جو شبروں کو وہ حکم کشۂ دیں سے
سو بیل کا نعرہ دہنِ مور سے نکلے ص ۵

جس دن سے ثنا لکھی ہے تیغِ شہ دیں کی
اس دن سے تمنا کا قلم سیف زباں ہے ص ۶

رزم نبیؐ کی مدح تمنا نے جب لکھی
مصرع غزل کے فقرے ہوئے ذوالفقار کے ص ۷

گر شجاعانِ عرب دب کے ملے کیا ہے بعید
شیر بھی ملتے جو حضرت سے تو دب کر ملتے ص ۸

قتل اعدائے نبیؐ میں کام آنے کے لئے
خنجر و تیر و کماں، تیغ و تبر پیدا ہوئے ص ۹

للکاریں جو وہ سرورِ کونین تمنا
شیروں کا بھی ہیبت سے کلیجہ نکل آوے ص ۱۰

تمنا نے آنحضرتؐ کے اجزائے صورت اور متعلقاتِ نبویؐ کے اوصاف میں بھی قابلِ ذکر شعر کہے۔ ان کی نعتوں کا غالب حصہ جمالِ محمدیؐ کے اوصاف و تذکار پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اس ذیل میں اتنی جزئیات اور تفصیلات

قلمبند کی ہیں کہ ان سے ماقبل اور عصری نعت گو شاعروں میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ان کے ہاں نعتوں کے مختلف اشعار میں یہ جزئیات دو طرح کی ہیں۔ ایک تو حضورِ اکرمؐ کے ظاہری جمال اور اعضائے مبارک مثلاً آنکھیں، دندان، لب، قامت، چہرہ، گیسو، ہتھیلی، تلوے یعنی جسم سے متعلق ہیں اور دوسرے کا تعلق آپؐ کے مناسبات و متعلقات سے ہے۔ اس باب میں تمنّا کے نعتیہ اشعار مدحت سرائی کے ساتھ ساتھ ان اشیا اور مقامات سے انتہائی عقیدت و وابستگی کے مظہر ہیں جن سے حضورِ اکرمؐ کا کوئی نہ کوئی تعلق رہا۔ ذیل میں کچھ شعر دیکھیے جہاں دونوں طرح کے نمونے نظر آتے ہیں۔ تمنّا کا ذوقِ غزل یہاں بھی اپنا جادو جگا رہا ہے۔ رعایتِ لفظی اور دوسرے محاسنِ شعری کے سبب یہ اشعار ایک خاص حسن اور کیف کے حامل ہیں:

میں آبِ غسلِ نعلینِ پیمبرؐ کا پیاسا ہوں
نہیں اب حضرتِ خضر آبِ حیواں میرے پینے کا ص ۸

کروں حرفِ اک کلامِ نعتِ گیسوئے پیمبرؐ میں
اگر مل جائے مجھ کو طولِ عمرِ جاودانی کا ص ۸

قلم ہاتھ سے نکلا جائے ہے لکھوں تو کیا لکھوں
اثر رکھتا ہے یہ وصفِ روانی ان کے توسن کا ص ۹

زمیں کے ساکن تو کیا ہیں صاحب نہ آسمانوں نہ جنّتوں میں
نبیؐ کے تلوے کی مثل ہوگا عذار زیبا کسی حسیں کا ص ۹

اگر ذراتِ صحنِ شاہِ یثربؐ کی مدح لکھ جاتی
تو صفحہ اس مرے دیواں کا تختِ کہکشاں ہوتا ص ۱۰

جس چاہ میں آبِ دہنِ شاہؐ پڑا تھا
وہ چاہ بھی ہے چشمۂ کوثر کے برابر ص ۲۹

جس پہ لکھوں گا مدیحِ کفِ پائے نبوی
جلوہ گر ہوگا برنگِ یدِ بیضا کاغذ ص ۲۷

سفرہ جودِ نبیؐ کی ہو فراخی لکھوں
عمر اتنی ہے کہاں اور کہاں اتنا کاغذ ص ۷۰

گر تاک کو دیں اس رخِ انور کا غالبہ
خوشے کی جگہ عقدِ ثریا نکل آوے ص ۷۰

نقشِ قدمِ شاہ میں گر تخمِ مغیلاں
بو دیں تو بھی نخلہ طوبیٰ نکل آوے ص ۷۰

وہ نورانی ہتھیلی آستیں سے یوں نکلتی ہے
کہ جوں خاور سے تاباں نیرِ خاور نکلتا ہے[۱۲] ص ۵۵

شہرِ رسولؐ کے اوصاف میں بھی تمنا نے متعدد اشعار کہے۔ ان کی جزئیات پسند طبیعت نے اس باب میں بھی حسنِ ارادت و عقیدت کی کیف آور جھلکیاں پیش کیں۔ گنبدِ خضرا، روضۂ رسولؐ اور دیارِ نبیؐ (مدینہ) کے تذکار و اوصاف کے علاوہ انہیں مدینہ کی ہر چیز میں حضورِ اکرمؐ کا موثر حوالہ اور تعلق نظر آتا ہے اور یوں مدینے سے وابستہ ہر چیز ان کے لیے محترم اور گراں مایہ قرار پاتی ہے۔ ایک ہی نعت کے یہ شعر دیکھیے:

بدخشاں میں جو معدن سے کوئی گوہر نکلتا ہے
علاوہ سنگِ یثرب سے تو اک پتھر نکلتا ہے
سعادت نخلِ یثرب کی تمنا ہے کہ ہر پتہ
ہمائے دولتِ جاوید کا شہپر نکلتا ہے
زمینِ یثرب کی خوبیاں دیکھو کہ صحرا میں
مغیلاں کا شجر بھی سرو سے خوشتر نکلتا ہے
شجاعت کا نبی کی یہ اثر ہے دشتِ یثرب میں
کہ ہر یک بچہ روباہ شیرِ نر نکلتا ہے[۱۲۵]

مناسبات شہر رسولؐ کی مدحت کا یہ انداز اور تسلسل اردو نعت میں اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔ مدینہ شہر کے بارے میں ارادت و محبت کا ایک مجموعی تصور، روضۂ رسولؐ دیکھنے کی خواہش اور دیارِ رسولؐ میں مرنے کی خواہش کا اظہار اردو نعت کا عام موضوع ہے۔ مگر اس شہر کے مناسبات اور ان کی جزئیات کا توصیفی اظہار اردو نعت میں تسنؔ کی عطا ہے۔

گزشتہ اوراق میں جن نعت گو شاعروں کا مطالعہ کیا گیا ہے وہ اردو ادب و شعر کی تاریخوں اور تذکروں میں زیادہ معروف تو نہیں مگر اردو نعت کی تاریخ وارتقا میں نہ صرف یہ کہ تاریخی مقام کے حامل ہیں بلکہ نعت کو سنجیدہ اور فنی درجہ عطا کرنے میں ایک اعتبار سے 'موجدین' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کے تجزیاتی مطالعہ سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں، درج ذیل ہیں:

۱۔ اردو نعت کو اس دور میں چند ایسے شاعر ملے جنھوں نے کلّی طور پر اپنے فکر وفن کو نعت کی تخلیق میں استعمال کیا۔ انھوں نے اپنے شغفِ نعت اور کثرتِ کلام کے سبب نعت گوئی کو جزوی اور تقلیدی روش سے نکال کر تشکیلی دور میں داخل کیا اور اپنی نعت گوئی سے اس صنف کے خدوخال واضح کیے۔

۲۔ اس دور میں زیادہ تر غزل کو نعت گوئی کے لیے برتا گیا۔ غزل کی بہت سی خصوصیات نعت میں بھی در آئیں۔

۳۔ نعتیہ دیوان مرتب کرنے کا رواج ہوا۔

۴۔ فکری طور پر اس دور کی نعت گوئی کا زیادہ حصہ میلاد کی فضا سے متعلق ہے اور اس کے پس منظر میں 'تقویت الایمان' کا ردّ بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

۵۔ اس دور کی نعت گوئی میں معاصر ادبی و فنی روایتوں کی جھلکیاں ملتی ہیں جن میں غزل دوستی، خارجیت، سراپا نگاری، رعایتِ لفظی، صنائع بدائع وغیرہ کی وہ خصوصیات سرِفہرست ہیں جو اس دور کی لکھنوی شاعری کا طرۂ امتیاز ہیں۔

امیر و محسن کی نعت گوئی

نعت گوئی کی دورِ تشکیل کی یہی روایت امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی تک پہنچ کر تکمیلِ فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ گئے ہیں، اردو نعت کے تقلیدی دور کے شاعروں نے جزوی طور پر نعتیں کہیں۔ وہ اگرچہ

مشہور شاعر تھے مگر ان کی وجہِ شہرت نعت گوئی نہیں۔ اسی طرح تشکیلی دور کے شاعروں نے اگرچہ نعت گوئی ہی کو ترسیل و اظہارِ فن کا ذریعہ بنایا مگر ان کے شغفِ نعت کو معیارِ فن کا وہ درجہ حاصل نہ ہوا کہ ادبی تاریخوں اور شعری تذکروں میں ان کا ذکر نمایاں طور پر کیا جاتا۔ زیرِ مطالعہ دور میں نعت گوئی کی یہی روایت امیر و محسن کے فن میں منقلب ہو کر ادب و فن کے اعلیٰ معیار حاصل کر لیتی ہے۔ امیر مینائی نے نعت کے علاوہ دوسری اصناف میں بھی شاعری کی مگر محسن کاکوروی کی وابستگیٔ نعت اور کمالِ فن صحیح معنوں میں نعت گوئی کے سلسلے میں اب تک کی جانے والی کوششوں کا ماحصل ہے۔ ذیل میں ہم ان شاعروں کی نعت گوئی کا جائزہ لیتے ہیں:

امیر مینائی م ۱۳۱۸ھ

ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب شاہ میناؒ تک جا پہنچتا ہے۔ انہوں نے خود بھی سلسلہ چشتیہ صابریہ میں امیر شاہ سے بیعت کی۔ ان کی جمعیت اور کلام میں تصوف، توکل و استغنا، انکسار و زہد اور عشقِ رسول اکرمؐ کا میلان اسی پس منظر کی دین ہے جو بعد میں ان کی نعتیہ شاعری کی تخلیق کا محرک بنا۔

امیر مینائی نے نعت گوئی کو بطورِ خاص اس وقت اپنایا جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد انہوں نے لکھنؤ چھوڑ کر کاکوری میں پناہ لی۔ یہاں ان کی ملاقات مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی سے ہوئی۔ مذہبی پس منظر کے سبب اگرچہ امیر مینائی کے کلام میں پہلے بھی کہیں کہیں نعت کے اشعار ملتے ہیں مگر ان کے نعتیہ کلام کا بڑا اور وقیع حصہ ان کے قیامِ کاکوری اور اس کے بعد کے زمانے میں تخلیق ہوا جس میں محسن کاکوروی کے اثرات کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے۔

امیر مینائی کی متعدد تصنیفات میں سے محامد خاتم النبیینؐ، مثنوی نورِ تجلی و ابرِ کرم، نعتیہ مسدس صبحِ ازل، شامِ ابد، لیلۃ القدر اور شاہِ انبیاءؐ نعت سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں نعت میں انہوں نے تین قصیدے بھی لکھے۔ خیابانِ آفرینش امیر مینائی کا مولود نامہ ہے جو نثر میں ہے۔ ان تصنیفات کے علاوہ ان کے متعدد نعتیہ اشعار ہیں جو ان کے دوسرے شعری مجموعوں میں ملتے ہیں۔

امیر مینائی کا نعت سے شغف کسی رسم یا تقلید کا نتیجہ نہ تھا۔ انہوں نے نعت گوئی کی طرف بطورِ خاص توجہ دی اور اسے ایک اہم شعری صنف کے درجہ اور معیار پر پہنچانے کی مخلصانہ کوشش کی۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے نعت کے موضوع کو ایک مکمل فن بنانے میں امیر (و محسن) کی کارکردگی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ فنی نزاکتوں کے علاوہ نعت کے فکری پہلوؤں کے سلسلے میں بھی امیر مینائی کی مساعی قابلِ ذکر ہے۔ ان کے سامنے میلاد ناموں کی ایک طویل روایت تھی جن میں

بالعموم صحتِ واقعات کا خاص خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ میلاد ناموں میں ایسی روایات جو مستند اور معتبر نہیں بکثرت جگہ پانے لگی تھیں۔ ان میلاد ناموں کے اثرات نعتیہ شاعری میں بھی نظر آتے تھے۔ امیر مینائی نے صحتِ روایات کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان کے میلاد نامے "خیابانِ آفرینش" کا سببِ تالیف ان کا یہی جذبہ ہے۔ وہ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"...... مولف حقیر فقیر امیر عرض کرتا ہے کہ نعتیہ مسدسات "ذکر شاہِ انبیاؐ"، "صبحِ ازل"، "لیلۃ القدر"، "شامِ ابد" بار بار چھپے اور شیوع پا چکے تو قصد ہوا کہ میلاد شریف نثر میں لکھا جائے اور اس کی تصحیح روایت کا بہت اہتمام کیا جائے مگر دنیا کی مکروہات سے یہ ارادہ پورا نہ ہوتا تھا۔ ہر امر ایک وقت پر موقوف ہے۔ اب اس کا وقت آگیا ہے کہ یہ میلاد شریف جس میں تکلفات شاعرانہ و منشیانہ کو اس ڈر سے کہ مبادا کہیں حد سے متجاوز ہو جائے دخل نہیں دیا گیا۔ صاف صاف عبارت میں مستند اور معتبر کتب سیَر سے منتخب کرکے لکھا ہے اور تاریخی نام "خیابانِ آفرینش" رکھا ہے......"[۱۲۶]

اس کے بعد میلاد ناموں میں ملنے والی روایات پر بحث کی ہے اور ان روایتوں میں تنقیح و تصحیح کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ آخر میں پھر سببِ تالیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہتے ہیں:

"ان وجوہ سے اس ہیچمدان کو یہ خیال ہوا کہ ایک رسالہ ایسا لکھا جائے جس کے پڑھنے سننے میں اہلِ علم و فضل کو مطلق تامل نہ ہو اور تکلفاتِ شاعرانہ و منشیانہ سے بالکل پاک ہو۔ اس لیے کہ شاعری اور انشا پردازی میں کسی قدر حد سے تجاوز ہو ہی جاتا ہے اور نقل روایات میں حد سے تجاوز کرنا سخت مواخذے سے ڈرانا ہے......"[۱۲۷]

"خیابانِ آفرینش" کے موضوعات میں نورِ نبویؐ اور احوالِ پیدائش، احوالِ رضاعت، حضورؐ کا لڑکپن، حضورؐ کی فراست، حلیۂ مبارک، حضورؐ کے خصائل، نزولِ وحی، شروع زمانۂ اسلام، صحابہؓ اور نجاشی، حضرت عمرؓ کا ایمان لانا، معراج، ہجرت، نمایاں ہے۔ آخر میں تین نثری مناجاتیں ہیں جن میں اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت اور مغفرت و بخشش طلبی کا دلدوز اور موثر بیان ہے۔

امیر مینائی کا اندازِ میلاد نگاری سنبھلا ہوا اور محتاط ہے۔ اسی سبب انھوں نے اسے نثر تک محدود رکھا ہے کہ میلاد ناموں میں کی جانے والی شاعری میں بے احتیاطی کی گنجائش اور ڈر رہتا ہے۔ انھیں اس کا بخوبی اندازہ تھا۔[۱۲۸] اسی لیے انھوں نے اپنے نعتیہ کلام کو میلاد کا حصہ بنانے کے بجائے اسے میلاد نامے کے بعد ضمیمہ کے طور پر شائع کیا "تاکہ جس کا جی چاہے مقامات مناسب پر میلاد پڑھنے میں اس دیوان سے پڑھے۔"[۱۲۹]

امیر مینائی کی نعت گوئی کے ذیل میں ہم پہلے اس کلام کا جائزہ لیتے ہیں جو میلاد کی فضا سے متعلق ہے اور جسے

میلاد کی مجالس میں پڑھنے کی غرض سے لکھا گیا۔ اس میں نعت نگاری کا ایک مجلسی انداز نمایاں ہے اور نعت کے ان مضامین کو قلمبند کیا گیا ہے جن کا تعلق مجلسِ میلاد کے انعقاد، خیر و برکت اور حضورِ اکرمؐ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں سے ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ سے عقیدت کا اظہار درود شریف اور سلام و صلوٰۃ کے موضوعات پر مشتمل نعتیں بھی میلادوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ امیر مینائی نے میلاد کے تمام مروج اور مقبول عام موضوعات پر نعتیں لکھی ہیں۔ اس کلام میں وہ ترجیع بند قابلِ ذکر ہے جس کا عنوان "ترجیع بند قابل پیشخوانی در محفل میلاد شریف صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ اس کا پہلا بند یہ ہے:

کر دو خبر یہ محفلِ میلادِ شاہ ہے
یاں آمدِ جنابِ رسالت پناہ ہے
امت چلے رسولؐ کی یہ جلوہ گاہ ہے
سیدھی یہی بہشت میں جانے کی راہ ہے
دربارِ عام کرم ہوا اشتہار دو
جنّ و بشر سلام کو آئیں پکار دو

دو متفرق بند اور دیکھیے:

وا ہیں کشادہ رحمتِ ربِ کریم کے
ہیں عطر بار باغ میں جھونکے نسیم کے
خلعت بٹیں گے لطفِ خدائے کریم کے
تقسیم ہوں گے ہار ثوابِ عظیم کے ......

آراستہ مکاں ہے جلوس شہانہ ہے
رُت ہے فرشِ خلقِ خدا شامیانہ ہے
ساماں نئے نئے ہیں نیا کارخانہ ہے
مسند بچھی ہے آمدِ شاہِ زمانہ ہے

یہ ترجیع بند نیرہ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس کی بحر موضوع کی مناسبت سے ایک پکار، دعوت اور اعلان کا آہنگ رکھتی ہے۔ اس کے مضامین میں فضا بندی اور ماحول سازی کا عنصر نمایاں ہے۔ شاعر نے ملائکہ، انبیائے کرام اور خود رسولِ پاکؐ کی شمولیت کا ذکر کرکے، مجلسِ میلاد میں شرکت کرنے اور اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی ترغیب دی ہے۔

اس کا آخری بند یہ ہے:

ہر چند اژدہام خلائق دو چند ہے
بس کر امیرؔ ختم سخن دل پسند ہے
اس کا سلام ہو گا جو اقبال مند ہے
مولود آگے ہو گا یہ ترجیع بند ہے ......

ذکرِ انعقاد و اہتمامِ مجلس کے بعد، میلاد کا دوسرا اہم اور بنیادی موضوع حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان مبارک ہے۔ محامد خاتم النبیین کی پہلی نعت ہی اس موضوع پر اس کا انداز غزلِ مسلسل کا سا ہے۔ "پیدا ہوا" کی ردیف نے تمام اشعار میں ایک فکری ہم آہنگی پیدا کر دی ہے۔ اس کے یہ شعر دیکھیے:

مژدہ اے امت کہ ختم المرسلیںؐ پیدا ہوا
انتخابِ صنع عالم آفریں پیدا ہوا
نور جس کا قبلِ خلقت تھا ہوا اس کا ظہور
رحمت آئی رحمت للعالمیںؐ پیدا ہوا
...... چاہئے تعظیم کو اٹھیں جو ہیں محفل نشیں
نائب خاص خدا سے ما وطیں پیدا ہوا [۱۳۱]

اسی موضوع پر ان کی ایک اور طویل نعت ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

زہے رحمت کہ ختم انبیاؐ کی آمد آمد ہے
حبیبِ خاص محبوبِ خدا کی آمد آمد ہے
...... زمانہ تیرہ و تاریک تھا اب روشنی ہو گی
مٹیں گی ظلمتیں شمع ہدا کی آمد آمد ہے
یہ مہر و مہ ہیں جس کے نقش پا انداز کے ٹکڑے
اسی شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ کی آمد آمد ہے
...... ادب آواز دیتا ہے سنبھل بیٹھو سنبھل بیٹھو
کہ فخر اولیا و انبیا کی آمد آمد ہے [۱۳۲]

یہاں بھی ردیف نے نعت کی فضا سازی میں مدد دی ہے۔ امیر مینائی کی مذکورہ بالا دونوں نعتیں حضورِ اکرم کے فضائل اور اسمائے صفات سے عبارت ہیں اور میلاد کی ضرورت و روایت کے مطابق ہیں۔

"محامد خاتم النبیین" میں دوسری قسم ان نعتوں کی ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے موضوع پر

لکھی گئی ہیں۔ یہ نعتیں تعداد اور کیفیت کے اعتبار سے وقیع ہیں۔ واقعہ معراج کا بیان نہ صرف میلاد نگاروں بلکہ عام نعت گو شاعروں کے نزدیک بھی نعت کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ ہر دور کے نعت نگاروں نے اس واقعہ پر معراج نامے، معراجیہ مثنویاں یا نعتیہ غزلوں میں معراج سے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے۔ امیر مینائیؒ نے معراج کے واقعہ کو نظم بند کرتے ہوئے سیرتِ رسول پاکؐ میں اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ جس فضا بندی کا التزام کیا ہے وہ ان کی شاعری کا کمال ہے۔ معراج کی رات ملائکہ و انبیائے کرام کی کیفیاتِ انبساط، مہ و نجوم اور کہکشاں و آسماں کی رونق، عرش و جنت کے تزئین کا احوال، مکہ مکرمہ سے مسجدِ اقصیٰ اور پھر عرش تک کے سفر کا نقشہ جس خوبصورتی سے امیرؔ نے کھینچا ہے وہ نعتیہ غزلوں میں کم کم نظر آتا ہے۔ معراج ناموں کی اکثریت چونکہ مثنوی کی ہیئت میں ہے لہٰذا ان مثنوی کی صنفی خصوصیات کے باعث ربط و تسلسل سے فضا بندی کی جاسکتی ہے مگر غزل کی ہیئت میں لکھی جانے والی نعتوں میں کسی مربوط فضا بندی اور ماحول نگاری کی گنجائش بہت کم ہے۔ یہاں غزل کی ریزہ کاری اور دوسری صنفی پابندیوں کے سبب کوئی مربوط اور واضح تاثر برقرار رکھنا بہت مشکل ہے۔ مگر امیر مینائیؒ نے اپنی فنی مہارت سے اس موضوع پر لکھی گئی نعتیہ غزلوں میں بھی فضا سازی اور ماحول نگاری کے مؤثر نمونے پیش کئے ہیں۔ انہوں نے "معراج کی رات"۔ "آج کی رات"۔ "شبِ معراج" اور "رسول اللہ آتے ہیں" کے الفاظ سے اپنی ردیفوں میں اس مؤثر فضا بندی کی پوری پوری گنجائش رکھی ہے۔ ردیفوں کے علاوہ امیر مینائیؒ کی ان غزلوں کے اسلوب، الفاظ تراکیب اور تشبیہات و استعارات نے ان غزلوں کے نشاطیہ آہنگ اور حسن و تاثر میں اضافہ کیا ہے۔ چند مطلعے[۱۳۲] درج ذیل ہیں:

گرم حضرتؐ کا یہ بازار تھا معراج کی شب
کہ خدا آپ خریدار تھا معراج کی شب

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات
آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات

اللہ نے خلوت میں بلایا شبِ معراج
کیا رتبۂ محبوب بڑھایا شبِ معراج

شبِ معراج ہے مہماں رسول اللہ آتے ہیں
چلیں حوریں بڑھیں غلماں رسول اللہ آتے ہیں

غل ہے معراج کی شب شاہِ امم آتے ہیں
مالکِ مہر و مہ و لوح و قلم آتے ہیں

فرشتوں میں ہے ہنگامہ رسول پاک آتے ہیں
کھلیں رحمت کے دروازے شہِ لولاک آتے ہیں

ان نعتیہ غزلوں کے علاوہ معراج کے موضوع پر ان کا ایک نعتیہ ترجیع بند بھی قابلِ ذکر ہے۔ اس میں دوسرے موضوعات کے علاوہ معراج کے مضمون کو یوں قلمبند کیا ہے۔

راہی ہوئے سرورِ دو عالم
خورشید علم، ستارہ پر چم
جبریل رکاب میں شتاباں
پرواز میں مرکب صبا دم
آئے سوئے کعبہ قبلہ دیں
دونی ہوئی آبروئے زمزم
کعبے سے جو بڑھ چلی سواری
اقصیٰ میں تھے انبیاء فراہم
دیکھی جب دُور سے سواری
تسلیم کو گردنیں ہوئیں خم [۱۲۴]

ایک اور بند کے یہ شعر دیکھئے:

کیا بزم تھی بزمِ لامکانی!
جس بزم میں نور تھا نہ سایا
بیگانہ دوئی سے بزمِ وحدت
اپنا تھا اُس جگہ پرایا
...... بے فاصلہ میزبان و مہماں
کیا قرب نے بُعد کو مٹایا
...... خود ناز کو ناز سے حکایت
خود شوق کو شوق سے کنایا [۱۲۵]

اسی طرح شیخ سعدی کے مشہور نعتیہ قطعہ "بلغ العلیٰ بکمالہ ...... الخ" پر لکھی گئی تضمین میں معراج کا نقشہ دیکھئے:

شب جشنِ خالقِ بحر و بر
جو طلب ہوئی تو بندھی کمر
صفِ انبیاء تھی ادھر اُدھر
وہ نجوم میں صفت قمر
چمنِ جناں کے کھلے تھے در
لگے جھومنے شجر و حجر
ہوئے جبرائیلؑ جو راہبر
تو سوار ہو کے براق پر
بلغ العلےٰ بکمالہ
. . . . . . الخ

جو ادھر سے شوقِ لقا ہوا
تو ادھر سے شوق سوا ہوا
جو حباب بن کے جدا ہوا
وہی قطرہ عین بقا ہوا
الف ایک تھا نہ دوتا ہوا
تھا اگر یہ مد سے بڑھا ہوا
نہ کروں گمان کہ کیا ہوا
سرِ عرش ہے یہ لکھا ہوا
بلغ العلےٰ بکمالہ
. . . . . . الخ [۱۳۶]

یہ پوری تضمین ایک کیف آور فضا سے عبارت ہے اس کے چھوٹے چھوٹے مصرعوں سے امیر مینائی نے کئی صوفیانہ نکات پیدا کئے ہیں۔ منظر نگاری، محاکات، آفرینی اور غنائی آہنگ اس نعت کی جان ہے۔ یہ نعت معراج کے بیان میں امیر مینائی کا شاہکار ہے۔ اس میں منظر نگاری اور فضائلِ محمدیؐ دونوں کا حسین امتزاج ہے۔ امیر

نے معراج کے موضوع اور پیش کش میں ان دونوں پہلوؤں کا ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔

امیرؔ نے تراکیب سازی میں جس ندرت کا اظہار کیا ہے اس کا اعلیٰ نمونہ اس تضمین میں موجود ہے۔ چند تراکیب ملاحظہ کیجیے:

گُہرِ محیطِ عطائے رب۔ قمرِ سمائے سخائے رب۔ شجرِ ریاضِ رضائے رب۔ ثمرِ نہالِ ولائے رب۔ گلِ باغ نشو و نمائے رب۔ نغمہ آشنائے ادائے رب۔ بکمالِ شوقِ رضائے رب۔ ہمائے اوج ہوائے رب۔ داعیِ بزم ہو۔ نسیمِ گلشنِ کن فکاں۔ شمیمِ روضۂ باد داں۔ ہمائے فرقِ پیمبراں۔ مسافرِ رہِ لامکاں۔ ضیائے دیدۂ قدسیاں۔ تمِ صنعِ الٰہ۔ شاہ نجم سپاہ۔ خضرِ راہِ وفا۔ نو بہارِ ریاضِ دیں۔ ثمرِ شجرِ یقیں وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا تراکیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں ہیں۔ امیرؔ مینائی نے تراکیب میں صفاتِ رسولؐ کا اتنا بلیغ اظہار کیا ہے کہ خود ان میں چھوٹی چھوٹی نعتوں کا رنگ جھلکتا ہے۔ چھوٹی بحر جس میں عام طور پر بلیغ خیالات کے بیان کی گنجائش کم ہوتی ہے امیرؔ مینائی کی تراکیب کے سبب ایجاز کا عمدہ نمونہ بن گئی ہے۔ ان تراکیب کے علاوہ الف، مد، اور ایسے ہی بعض دوسرے الفاظ حباب و قطرہ وغیرہ سے امیرؔ نے علامتوں کا کام لیا ہے اور ان کے حوالے سے بعض صوفیانہ نکات کا اظہار کیا ہے۔

لکھنؤ کے دبستانِ شاعری میں سراپا نگاری کا جو رجحان تھا اس سے دوسرے نعت گو شاعروں کی طرح امیرؔ مینائی بھی متاثر ہوئے۔ امیرؔ کے ہاں کسی بھرپور اور طویل سراپا کے بجائے مختلف نعتیہ غزلوں میں آنحضرتؐ کے جمالِ ظاہری اور اعضائے مبارک کے اوصاف ملتے ہیں۔ کہیں کہیں آپؐ کے حسن و جمال کے مجموعی تاثر کا بیان ہے۔ درجِ ذیل اشعار میں دونوں طرح کی مثالیں ملاحظہ کیجیے:

خوبانِ عالم کی تجھے خالق نے دی ہے افسری
گالوں پہ صدقے حورِ عیں بالوں پہ صدقے ہے پری
اے کلکِ صورت آفریں صد آفریں صد آفریں
اس بانکپن اس نوک کی دیکھی نہیں صورت گری
جنّ و بشر تسخیر ہیں سب صورتِ تصویر ہیں
مازاغ کے سرمے سے ہیں آنکھیں تری شوخی بھری [۵۲]

ایک اور نعت کے یہ شعر دیکھیے جن میں آپؐ کے رخ و لب اور جبین و دہن کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں:

درود پڑھتے تھے قدسی جو دیکھتے تھے وہ رُخ
لب آپ کے تھے وہ معجز نما کہ حقِ علی

جبیں وہ لوح کہ جس میں نقوشِ رحمتِ حق

جمال پاک وہ نورِ خدا کہ سِتِ علیٰ

دہن وہ چشمۂ شیریں اگر نظر آئے

کہے یہ چشمۂ آبِ بقا کہ سِتِ علیٰ [۱۳۸]

شبیہِ مبارک رسول اکرمؐ پر بھی ان کی ایک نعت ہے جس کا مطلع ہے:

زہے نو بہار شبیہِ مبارک

مصوّر نثار شبیہِ مبارک

اس نعت میں جیسا کہ اس کی ردیف سے ظاہر ہے حضور اکرمؐ کی شبیہِ مبارک اور ظاہری شمائل کا بیان ہے اس کلام کے علاوہ جو میلاد ناموں کی فضا سے خالی ہے اور جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے "محامد خاتم النبیینؐ" میں نعت کا وہ سرمایہ ہے جو غزل، قصیدہ، رباعی، ترجیع بند، ترکیب بند اور مختلف تضمینوں پر مشتمل ہے۔

امیر مینائی کے نعتیہ کلام کا غالب حصہ غزل کی ہیئت میں ہے۔ وہ اردو شاعری کی تاریخ کے پہلے بڑے صاحبِ طرز غزل گو ہیں جنہوں نے کیفِ نعت کو رنگِ تغزل سے ہمکنار کیا۔ اگرچہ ان سے قبل اور ان کے معاصر نعت گو شاعروں میں بھی ایسے لوگ ملتے ہیں جنہوں نے غزل کی ہیئت میں نعتیہ دیوان مرتب کئے مگر فنی طور پر امیر کی غزل گوئی کافی، لطف، تمنا اور دوسرے نعت گو شاعروں سے زیادہ درجہ و مقام رکھتی ہے۔ شاعری سے خداداد مناسبت کے سبب اگرچہ ان کے سارے کلام میں تازگی مضمون، پاکیزگی زبان اور متانتِ انداز کی وجہ سے ایک خاص انفرادیت کا احساس ہوتا ہے مگر ان کی غزل گوئی کا ایک خاص انداز ہے۔ تخیل کی رنگینی اور خلاقی کے ساتھ لکھنؤ کی فصیح، سلیس اور آراستہ زبان ان کی غزل گوئی کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ جب ان کی غزل گوئی میں نعت کے مضامین در آئے تو رنگِ تغزل اور کیفِ نعت کے امتزاج نے ایک حسین اور مؤثر کیفیت پیدا کر دی۔ یہی دل نشینی ان کی نعتیہ غزلوں کا جوہر ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

قائل ہوں میں تو اپنی طبیعت کا اے امیر

مضمونِ نعت میں بھی نہ لطفِ غزل گیا

اور یہ فی الواقعہ ان کے استادانہ کمال کا ثبوت ہے کہ انہوں نے غزل کے مزاج کو قائم رکھتے ہوئے اسے ایک قرینے اور شائستگی سے نعت گوئی کے لئے استعمال کیا۔ غزل کی ہیئت میں نعت گوئی کی ترویج و مقبولیت امیر مینائی جیسے شاعروں ہی کی مرہونِ منت ہے۔

خالد مینائی نے امیر کی نعتیہ غزلوں کے فکری و فنی محاسن کا ذکر کرتے ہوئے جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے ان

میں سلاستِ زبان، زورِ اصلیت اور سوز و گداز کی بطورِ خاص نشاندہی کی ہے۔ وہ امیر کے فنِ نعت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"رعایتِ لفظی و معنوی اور گفتار کی نرمی و گرمی کے باوجود، جو طرزِ امیر کے احساسات میں سے ہیں، زبان اکثر و بیشتر ان کی صاف، شستہ، ٹھیٹ، بامحاورہ اور مناسب موقع ہے کہ عام و خاص سب ہی کو بھاتی ہے اور یہی سبب ہے کہ امیر کی نعت گھر گھر پڑھی جاتی ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ بیان کی حد تک ان کے نعتیہ کلام کی سب سے بڑی خوبی زبان کا تبریں و سہلِ ممتنع ہونا ہے۔ (کلامِ امیر میں جن) جذبات کا اظہار کیا گیا ہے مصنوعی طرح سے طاری نہیں کئے گئے تھے اس لئے ان میں اصلیت کا زور اور واقعیت کا جوش پورا پورا موجود ہے۔

...... بیان میں بانکپن کے ساتھ گداز و اثر بھی ہے اور یہ لازمہ ہے ان جذبات کی سچی عکاسی کا جو ذاتِ رسولؐ کے احترام اور اس سے حقیقی تعلق کی بنا پہ دل میں پیدا ہوتے ہیں۔" [١٣٩]

امیر مینائی کی نعت گوئی کا کمال یہ بھی ہے کہ وہ عقیدت کی فراوانی کے باوجود نعت گوئی میں محتاط ہیں اور انہوں نے مدحِ رسولؐ میں آدابِ شریعت کو ملحوظ رکھا کہ فنِ نعت میں مشکل مرحلہ ہے۔ ان کی نعت کے مضامین میں ایک نمایاں مضمون تو حضورِ اکرمؐ کے جمال اور ظاہری شمائل کا ہے اس بارے میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوسرے نمایاں مضامین میں حضورِ اکرمؐ سے استمداد اور ان سے شیفتگی و محبت کے جذبات کا اظہار ہے۔ یہی دو موضوع ایسے ہیں جن کے بیان میں امیر مینائی کا اخلاص جھلکتا محسوس ہوتا ہے۔ حضورِ اکرمؐ سے فریاد اور استمداد میں ان کی نعتیں سوز و گداز اور کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ان کی درج ذیل غزلیں دیکھئے جو سراپا فریاد ہیں۔ مطلعے ملاحظہ ہوں:

جز ترے کس سے کرے مسکیں یہ امت الغیاث
الغیاث اے شافعِ روزِ قیامت الغیاث [١٤٠]

تنگ ہے بر سر فریاد یا رسول اللہ
بچایئے مجھے فریاد یا رسول اللہ [١٤١]

ان کے علاوہ کم و بیش تمام نعتوں میں کسی نہ کسی انداز میں حضورِ اکرمؐ سے التجا کا مضمون ملتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

چاہیے مجھ پہ عنایت شہِ دیں تھوڑی سی
دیجئے قبر کو یثرب میں زمیں تھوڑی سی

آرزو ہے کہ محبت میں تمہاری کٹ جائے
عمر باقی ہے جو اسے خسرِ و دیں تھوڑی سی [۱۴۲]

شیفتگی و محبت کے جذبات کا والہانہ اظہار امیر مینائی کی نعتیہ غزلوں کا ایک اور منفرد موضوع ہے۔ ان کی اکثر غزلیں اسی کیف و مستی میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ان کی درجِ ذیل نعت دیکھیے جس کی ردیف ہی میں "صدقے" کے التزام نے شیفتگی کی فضا پیدا کر دی ہے۔

مال آپ پر تصدق جاں آپ پر سے صدقے
آنکھوں سے سر ہے قرباں آنکھیں ہیں سر سے صدقے [۱۴۳]

یہ پوری نعت اسی جذبے میں ڈوبی ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی نعتیں ہیں جن میں ارمان و آرزو کا سوز، محویت و فدویت کے جذبات، دیارِ رسولؐ سے دوری کا شدید احساس اور روضۂ رسولؐ پر حاضری کے والہانہ شوق کا اظہار ملتا ہے۔ عقیدت و محبت کی شیفتگی اور جاں نثاری اور جاں سپاری کا جذبہ ان نعتوں کی جان ہے۔ بعض غزلیں تو مسلسل انہی کیفیات کی آئینہ دار ہیں۔ خصوصاً غزلیں جن کے بیشتر شعر مدینہ کے فراق میں ہیں۔ نمونہ درج ذیل ہے:

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں
...... دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے مجھ میں طاقت
شوق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں
قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے
مدد اے شوق کہ میں پیچھے رہا جاتا ہوں
کاروانِ رہِ یثرب میں ہوں آوازِ درا
سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں [۱۴۴]

اللہ اللہ مدینہ جو قریب آتا ہے
خود بخود سرِ تسلیم جھکا جاتا ہے
...... میں کہوں روضۂ پُرنور، رہا کتنی دور
ساتھ والے کہیں اب آگے ہے اب آتا ہے [۱۴۵]

ان کے علاوہ بہت سی نعتیں جن کے ردیف و قافیہ میں لفظ مدینہ کا التزام ہے بطور خاص امیرؔ مینائی کی محبتِ رسول کی مظہر ہیں۔ مدینہ کا تصور ہی دراصل امیرؔ کے جذباتِ حُبِّ رسولؐ کے لیے ایک انگیخت اور تحریک ہے۔ یہ لفظ امیرؔ کے کلام کا ایک ایسا بلیغ استعارہ ہے جس کے حوالے سے امیرؔ مینائی نے محبتِ رسولؐ کی تمام کیفیات و جذبات کی مؤثر ترجمانی کی ہے۔ عقیدت کی فراوانی کے ساتھ جذب و کیف کا تاثر امیرؔ کے انہی شعروں میں زیادہ ہے جن میں مدینہ یا اس کے متعلقات (روضۂ رسولؐ وغیرہ) کا ذکر ہے۔ درج ذیل شعر دیکھیے:

ہند سے مجھ کو مدینہ میں بلالیں سرکار
پھر میں یہ عرض کروں گا کہ تمنا کیا ہے [۱۴۶]

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے [۱۴۷]

مدینے جاؤں، دوبارہ پھر آؤں پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے [۱۴۸]

کشتی مری تباہ ہے پار اے خدا لگے
ایسی ہوا چلے کہ مدینے کو جا لگے [۱۴۹]

تن سے نکلے گی مرے جس دم امیرؔ
روح جائے گی مدینے کی طرف [۱۵۰]

امیرؔ مینائی کی غیر غزلیہ نعت میں قصائد، رباعیات، ترجیع بند اور دوسری کئی اصناف ہیں جن میں امیرؔ نے نعت لکھی۔ پیشتر اس کے کہ ان کے نعتیہ قصائد کا جائزہ لیں، سرسری طور پر دوسری اصناف[۱۵۱] میں کی گئی نعتیہ شاعری کا ذکر ضروری ہے۔ ترجیع بند میں ان کی ایک طویل مناجات بحضرت سرور کائناتؐ ہے جس کا ٹیپ کا شعر ہے:

وقتِ مدد ہے المدد اے شاہِ المدد
آفت میں ہے یہ بندۂ درگاہ المدد

یہ مناجات جوشِ جذبات اور زورِ بیان کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس میں اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت بے مہریٔ زمانہ، شکایتِ روزگار، برگشتگیٔ طالع کے بیان کے بعد حضور اکرمؐ سے دنیا و عقبیٰ میں دستگیری اور رحمت و شفاعت کی آرزو کا اظہار کیا ہے۔ ایک ترجیع بند مخمس میں ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کی تضمین میں، اور ایک ؏

گر بر سرو چشم من نشینی ..... الخ

کی تضمین میں ہے۔

ان کے علاوہ صائب، سعدی اور جامی کے اشعار پر اردو میں تضمینیں ہیں۔ ایک تضمین محسن کاکوروی کے اس قصیدے پر ہے جو محسن نے شہیدی کے قصیدہ کی زمین میں لکھا ہے۔ "محامد خاتم النبیین" میں رباعیاں بھی خاصی تعداد میں ہیں، جو امیر مینائی کی فنی مہارت کا ثبوت ہیں۔ محامد خاتم النبیینؐ کے آغاز میں حمد و نعت کے بعد سببِ تالیف دیں، اپنے شغفِ نعت اور دعا کا اظہار ہے جبکہ اس دیوانِ نعت کے آخر میں مثنوی کی طرز پر دو مناجاتیں ہیں۔

امیر نے ترکیب بند اور مسدس میں بھی نعت کہی۔ "ذکرِ شاہِ انبیاؐ" ان کا مشہور مسدس ہے۔ بقول ابواللیث صدیقی "یہ مسدس محفلِ میلاد میں پڑھے جانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ پہلے مجلسِ میلاد اور اس کے انعقاد کے فضائل بیان کئے ہیں اور اس کے بعد ولادتِ رسولؐ سے لیکر آنحضرتؐ کی وفات تک کے مختصر واقعات بیان کئے ہیں"۔[۱۵۲]

امیر مینائیؔ نے کل پانچ قصیدے لکھے جن میں تین قصیدے نعت میں ہیں۔ ان کے نعتیہ قصائد کا نمایاں وصف مضمون آفرینی کے ساتھ تخیل کا اعتدال ہے۔ شکوہِ الفاظ، شوکتِ تراکیب اور الفاظ کی تراش خراش جو اس زمانے میں قصیدہ نگاری کے لوازم میں شامل تھی، ان قصیدوں میں بھی نظر آتی ہے۔ امیر مینائی کا ذوقِ غزل کہیں کہیں ان کے قصیدوں میں بھی جھلکتا ہے۔ امیر کے نعتیہ قصیدوں کے مطلعے[۱۵۳] درجِ ذیل ہیں:

تفکر امتیازِ جان و جاناں میں کیا حد کا
عروج اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیتِ مقصد کا

اے خضر بھول گئی تھی مجھے راہِ تگ و تاز
وقت پر آ گئے تم عمر تمہاری ہو دراز

لائی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخسار پھول
دکھلا رہے ہیں باغِ جناں کی بہار پھول

پہلا قصیدہ کرامت علی شہیدی کی تقلید میں اس کے مشہور قصیدے کی زمین میں ہے۔ یہ قصیدہ دوسرے قصیدوں سے طویل ہے اور ۱۲۸۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک ۲۳۔ اشعار کی غزل بھی ہے جس میں کسی مجازی محبوب کے خدوخال کی تعریف کے بعد پھر وصفِ نبیؐ کی طرف گریز کیا ہے اور مطلعِ ثانی یوں کہا ہے ؂

الف آدم میں ہے محدود، احمد میں ہے بے عدد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

اس قصیدے میں "حمد و مناجات" دنیا سے بیزاری، حضور اکرمؐ سے عقیدت، ان کے نامِ مبارک کے شمائل و برکات کا تذکرہ ہے۔ آپ کے سایہ نہ ہونے کو مختلف مضامین اور انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح لفظ محمدؐ کی صفات و برکات میں بھی طرح طرح کے نکات پیدا کئے ہیں۔

دوسرے قصیدے کا آغاز ڈرامائی طور پر ہوتا ہے۔ یہ ۱۲۴۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں خضر سے مکالمہ، روضۂ مبارک کی تعریف، معراج شریف اور آپ کے بعض معجزات کا ذکر ہے۔

تیسرا قصیدہ ۵۵۔ اشعار کا ہے۔ اس میں پھول کی ردیف کا التزام ہے جس کے باعث اس کی فضا پہلے دونوں قصیدوں سے مختلف ہے۔ یہ زیادہ تر آپ کے ظاہری شمائل کے تذکار پر مشتمل ہے۔ اس میں تمہید کے بعد گریز، مدح اور دعا کے مرحلے پہلے قصیدوں کی نسبت زیادہ فطری اور برجستہ انداز لئے ہوئے ہیں۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

"قصائد عام طور پر مشکل زمینوں میں کہے گئے ہیں اور امیر مینائی کی قادر الکلامی و زبان دانی کا سکہ بٹھاتے ہیں۔ قصیدہ نگاری کے لوازم کو بھی یہ پورا کرتے ہیں لیکن بلحاظ شاعری ایسے نہیں کہ نعت گوئی کی تاریخ میں قابلِ ذکر اضافہ کہا جاسکے۔" [۱۹۵]

دراصل امیر مینائی کی غزل گوئی ان کے نعتیہ کلام پر اس شدت سے چھائی ہوئی ہے کہ ان کے ہاں دوسری اصنافِ سخن کا کوئی تاثر اجاگر نہیں ہوتا۔ سینکڑوں نعتیہ غزلوں کے سامنے تین نعتیہ قصیدوں کے فنی اور معنوی محاسن اور ان کا تاثر پوری طرح ابھر نہیں سکا، وگرنہ جہاں تک ان کی قصیدہ نگاری اور نعتیہ قصیدوں کا تعلق ہے، وہ ان کی فنی پختگی اور قادر الکلامی کا ثبوت ہیں۔ ان میں تشبیہات، استعارات، حسنِ تعلیل کے اعلیٰ نمونے اور دوسرے فنی محاسن نظر آتے ہیں۔ اگر ان کے نعتیہ قصائد کا ان کے ہم عصر قصیدہ نگاروں

(امیر، منیر، جلال اور تسلیم وغیرہ) سے مقابلہ کیا جائے تو وہ بہتوں سے بہتر نظر آئیں گے۔ بقول ڈاکٹر محمود الٰہی

"نعتیہ قصیدوں میں امیر مینائی سرور کائنات کے معجزات اور ان کے معمولات بیان کرتے ہیں۔ ان کے یہاں ممدوح کی شخصیت واضح رہتی ہے۔ وہ نعت جیسے دشوار گزار راستے میں بڑی کامیابی سے چلے ہیں۔ ان کے قصیدے شعر و ادب اور مذہب و ملت دونوں کا حق ادا کرتے ہیں۔"

آگے چل کر ڈاکٹر محمود الٰہی امیر کی قصیدہ نگاری پر رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ علمی اور فنی بے راہروی سے بہت دور رہتے ہیں۔ ان کی زبان و بیان میں بڑا رکھ رکھاؤ اور سنجیدگی ہے۔ ان کے تخیل میں پیچیدگی نہیں ہے اور ان کے استعارے عام ہیں۔ اردو قصیدہ نگاری کی تاریخ و ارتقا میں ان کی یہ خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔" ۵۵؎

بحیثیت مجموعی امیر مینائی نے نعت گوئی کی تاریخ میں قابلِ ذکر اضافہ کیا۔ وہ اردو نعت کے شعرائے ماقبل (کافی، لطف اور غلام امام شہید وغیرہ) اور شعرائے مابعد خصوصاً محسن کاکوروی و مولانا احمد رضا خاں وغیرہ کے درمیان ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے نعت کے فن کو تشکیلی مراحل سے نکال کر تکمیلی منازل کی طرف گامزن کیا۔ نعت گوئی کو اصنافِ شعر میں آج جو اہمیت و حیثیت حاصل ہے وہ (محسن سے قبل) امیر مینائی ہی کے ذوقِ نعت کا نتیجہ ہے۔ خصوصاً غزل کی ہیئت میں انہوں نے نہ صرف نعت کی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ نعت خوانوں کے حلقوں اور عوام الناس میں نعت کی ترویج و تشہیر میں بھی ان کی نعتیہ غزلوں کا خاص عمل دخل ہے۔ خاص طور پر ان کی درجِ ذیل غزلیں ہر عہد کے میلاد خوانوں اور مجالسِ میلاد میں مقبول و مشہور رہی ہیں۔ انہیں نہ صرف ذوق و شوق سے پڑھا جاتا رہا ہے بلکہ بہت سے نعت گو شاعروں نے ان زمینوں میں نعتیں بھی کہی ہیں۔ ان نعتوں کے مطلعے ملاحظہ ہوں:

خلق کے سرور، شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسلِ داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

اب کہاں چین خبر دی مرے جی نے مجھ کو
کہ مدینے میں بلایا ہے نبیؐ نے مجھ کو

ان نعتوں کی فضا اخلاص اور شیفتگی سے لبریز ہے اور یہی امیر مینائیؒ کی نعت گوئی کا جوہر ہے۔

سید محمد محسن کاکوروی م ۱۳۲۲ھ

کے ہاں پہلی بار اردو نعت کا فن تکمیل آشنا ہوتا نظر آتا ہے۔ ان کی نعت اب تک کی گئی نعت گوئی کا ماحصل ہے۔ تقلیدی روش اور تشکیلی مراحل کے بعد محسن کے ہاں پہلی بار اردو نعت فن کا ایک مثالی معیار اور ایک جداگانہ صنفِ سخن کا اعلیٰ درجہ حاصل کرتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ محسن کا شغفِ نعت ہے۔ انہوں نے اس صنف پر خصوصی توجہ دی۔ اردو کے دوسرے شاعروں نے تو دیگر اصناف کے ساتھ بھی نعت لکھی مگر محسن نے صرف نعت ہی لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعت کے ساتھ ہی محسن کاکوروی کا نام ذہن میں آجاتا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے محسن نعتیہ شاعری کو بامِ عروج پر پہنچانے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ اسی لئے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

"نعت گوئی تو سب کے لئے ہے مگر محسن کاکوروی نعت گوئی کے لئے ہیں۔"[۱۹۱]

محسن کے نعتیہ کلام کے تجزیے سے پہلے ان کے بارے میں مختلف ناقدین کی آرا ملاحظہ ہوں:

عبدالسلام ندوی نے محسن کاکوروی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"انہوں نے نعت گوئی کو اپنا خاص فن بنایا اور اس حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کی، لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس مقدس موضوع کے متعلق تکلفوں کی بر خود غلط شاعری کا استعمال اور بھی غلط طریقے سے کیا۔ چنانچہ خود ان کے صاحبزادے مولوی نورالحسن صاحب لکھتے ہیں کہ "ان کی سدا بہار طبیعت حسرت و یاس کے مضامین سے الگ رہتی ہے ۔ شگفتگیٔ طبع اور زندہ دلی کی برقِ درخشی ہر بیان میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔ مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان و شکوہ، بندشوں کی چستی ان کا خاصۂ طبیعت ہے۔ اس میں شبہ

نہیں کہ بوجہ دقت مضامین و بلندیٔ خیالات و تلمیحات قصہ طلب کے ان کا کلام کم استعداد حضرات کی سمجھ سے باہر ہے" ـــــ ان تمام باتوں کے ساتھ رعایتِ لفظی کا بھی خاص طور پر التزام ہے۔ .... ان تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر کر دیا ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبہ سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ غرض انہوں نے جو نعتیہ قصائد اور نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معمّا اور چیستاں ہے، نعت نہیں ہے"۔ ۱۵۷ے

محسن کاکوروی کے فن کے بارے میں یہ پہلی تنقیدی رائے ہے جو (محسن کے کلام کے بارے میں اردو تذکروں میں مندرج تاثرات کے بعد) عبدالسلام ندوی کی ایک مربوط اور عالمانہ تصنیف "شعرالہند" سے لی گئی ہے۔ مولانا نے "شعرالہند" کے حصہ دوم میں "مذہبی شاعری" کے عنوان سے ایک مستقل عنوان لکھا ہے یہ باب اردو کی نعتیہ شاعری کے بارے میں پہلے اہم مطالعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ محسن کے جائزہ لینے والوں کے لئے عبدالسلام ندوی کی رائے ہمیشہ بحث طلب رہی ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری" میں محسن کاکوروی کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیتے ہوئے عبدالسلام ندوی کی رائے کے برعکس لکھا ہے کہ:

"محسن کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ نعت گوئی اگرچہ پہلے سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہیں کیا۔ اور جن لوگوں نے عقیدت کی بنا پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہیں کیا۔ .... محسن کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں پر استوار ہے۔ خلوص اور محبت، شیفتگی اور عقیدت، جو محسن کی زندگی کے عناصر تھے، انہی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب بھی اس میں صوری و معنوی دلکشی پائی جاتی ہے۔" ۱۵۸ے

ڈاکٹر ابواللیث نے لکھنوی شاعری کے عناصر خارجیت، نسائیت اور ابتذال وغیرہ کے پس منظر میں محسن کاکوروی کی نعت کا جائزہ لیتے ہوئے اسے (نعت کو) اس لئے بھی سراہا ہے کہ وہ ان عناصر سے پاک ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے بھی عبدالسلام ندوی کی اختلافی رائے پر ایراد کیا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی طرح ان کی بھی یہی رائے ہے کہ محسن نے لکھنوی شاعری کے معائب کو دور کیا ہے:

"اس لحاظ سے محسن ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے (لکھنوی) ماحول کے اس بگاڑ میں اصلاح کی بہترین راہیں پیدا کیں۔ نہ صرف لکھنؤ کے محاسن کے کھوٹ کو دور کیا

بلکہ ان میں اور چار چاند لگا دیے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محسن نے زبان کے اعجاز کو ایک ایسے موضوع کے لیے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے "[۵۹]

محسن کاکوروی کا کلیات سراپا نعت ہے ۔ انہوں نے مختلف اصناف میں نعتیہ شعر کہے ۔ ان کی مثنویوں میں "صبح تجلی" اور "چراغِ کعبہ" زیادہ مشہور ہوئیں ۔ اور قصیدوں میں "مدیح خیر المرسلین" نام کا قصیدہ جسے قصیدہ لامیہ بھی کہتے ہیں ۔ پہلے ہم محسن کی مثنویوں کا ذکر کرتے ہیں :

صبحِ تجلی

کلیاتِ محسن کی سب سے طویل مثنوی ہے جس کے اشعار کی تعداد قریباً پونے دو سو ہے ۔ یہ مثنوی ۱۸۶۹ء میں تصنیف ہوئی ۔ "گلزارِ نسیم" کی بحر میں لکھی گئی ۔ یہ مثنوی حضور اکرمؐ کی ولادت کے ذکرِ مبارک پر مشتمل ہے محسن نے اس مثنوی میں بھی واقعہ معراج بیان کیا ہے ۔ بیت اللہ میں تشریف آوری ، مسجدِ اقصیٰ میں ورود اور پھر ہفت افلاک کی سیر ، جنت و دوزخ کا حال ، آخر میں عرش و کرسی اور مقام اعلیٰ تک رسول اللہ کی رسائی دکھانے کے بعد شاعر نے ایک مناجات پر مثنوی کو ختم کیا ہے ۔ مثنوی کے آغاز میں منظر نگاری ملاحظہ ہو :

بیضاویٔ صبح کا سماں ہے
تفسیرِ کتاب آسماں ہے
ہے خاتمہ شب دل افروز
دیباچہ نگارِ نسخہ روز
آثارِ سحر ہوئے نمایاں
سیپارہ لیے ہوئے ہے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے
آمادہ وردِ والضحٰی ہے
عنوان فلک ہے ورد منشور
لوح زریں ہے سورۂ نور
اطرافِ بیاض مطلع صاف
والفجر کے حاشیہ پہ کشاف

محسن کاکوروی کے فن کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب کیا ہے یہ ان کے فن کا اعجاز ہے کہ انہوں نے بلیغ استعارات اور پاکیزہ تشبیہات کے باعث شروع سے آخر تک مثنوی کی فضا میں طہارت و تقدس کا عنصر برقرار رکھا ہے۔ تلمیحات کی ندرت و کثرت نے ان کی مثنوی میں بھی قصیدہ کی شان پیدا کر دی ہے۔ ان کا طرزِ اظہار بظاہر تکلف سے عبارت نظر آتا ہے مگر انہوں نے جس التزام سے اسے نباہا ہے اس کے باعث اس تکلف کو ان کا فطری اسلوب ماننا پڑتا ہے۔ اس مثنوی میں نعت کے چند شعر دیکھیے۔

پیدا ہوئے سرورِ دو عالم
پیدا ہوئے فخرِ نوح و آدم
محبوبِ خدا، نبی مرسل
صبحِ دو مین روزِ اوّل
شاہنشہ انبیاء محمدؐ
تاجِ سرِ اصفیاء محمدؐ
پیدا ہوئے حضرت پیمبرؐ
صبحِ قدرت کے سعدِ اکبر
..... خورشید سپہرِ دیں محمدؐ
نورِ عین الیقیں محمدؐ
پیدا ہوئے قبلۂ طریقت
پیدا ہوئے کعبۂ حقیقت
مقصودِ ازل، اجل و اعلیٰ
منظورِ حضورِ حق تعالیٰ
سلطان فلک حشم محمدؐ
مہرِ عرب و عجم محمدؐ

محسن کاکوروی کی دوسری مثنوی "چراغِ کعبہ" بھی گلزارِ نسیم کی بحر میں ہے۔ یہ مثنوی ۱۳۰۱ھ میں لکھی گئی۔ اس مثنوی میں واقعہ معراج کو نظم کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ رات سے متعلق ہے لہٰذا اسی مناسبت سے محسن نے "چراغِ کعبہ" کے آغاز میں رات کے پر اسرار سکون و سکوت کا نقشہ کھینچا ہے۔ مثنوی کی یہ تمہید یا

پس منظر نہایت شاعرانہ ہے اور قارئین کو آغازِ واقعہ ہی میں ایک پاکیزہ فضا میں لے جاتا ہے۔ اس کے بعد گریز، مدح، جبرئیل، صفتِ براق اور مسجدِ اقصیٰ کے عنوانات ہیں۔ اس کے بعد ہفت افلاک کی سیر ہے جس کو فتوحاتِ کے طرز پر پیش کیا گیا ہے۔ نظریۂ قدیم کے بموجب فلکِ اوّل پر چاند، فلکِ دوم پر عطارد (منشیِ فلک) فلکِ سوم پر زہرہ (سعد اصغر) فلکِ چہارم پر سورج (شاہِ فلک) فلکِ پنجم پر مریخ (بہرام)، فلکِ ششم پر مشتری (سعد اکبر) اور فلکِ ہفتم پر زحل (ہندوئے فلک) واقع ہیں۔ لہٰذا ہر فلک کی سیر پر ایسا شعور موجود ہے جس میں اس سیارہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا اس فلک سے تعلق ہے۔

پھر جنت و دوزخ کی سیر ہے۔ آخر میں عرش و کرسی اور مقامِ اعلیٰ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی دکھانے کے بعد شاعر نے ایک مناجات پر مثنوی کو ختم کیا ہے۔

چراغِ کعبہ

میں بھی زبان و بیان کی صناعی، آرائش اور مضمون آفرینی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ آغازِ مثنوی کا یہ قطعہ دیکھیے۔ شبِ معراج کی مناسبت سے کس خوبی سے نئے مضامین پیدا کیے ہیں:

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے بیلی گل اندام
شبنم کی ردا بقصدِ احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال
جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفائے رنگ نق ہے
سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرہ
پردیں کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا
اندازِ خرام صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس دمدم
انفاس ہوا رفیق و محرم

خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے

لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے

یا تازہ بسی ہوئی ختن کی

کلیاں یوسف کے پیرہن کی

ناخن کی جگہ ہلال کی مد

دفتر سے طلوع کے ندارد

گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے

ہیں رمی جمار کے اشارے[161]

سن کے یہ اشعار اس صنعت گری کا عمدہ نمونہ ہیں جو ان کے عہد میں لکھنوی دبستانِ شاعری ی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت خیال کی جاتی ہے۔ مگر محسن کے یہاں صنعتوں کے استعمال میں بھی ان کا نگ انفرادیت نمایاں ہے۔ انہوں نے لکھنوی شاعری کی عام روش کے مطابق صنعت گری اور رعایتِ فظی کو نہ تو نفسِ مقصودِ شعر سمجھا ہے اور نہ ہی اسے مبالغہ و اغراق کے لئے استعمال کیا ہے۔ ایک تو ان ا موضوع ہی ایسا عظیم ہے کہ جہاں بڑے سے بڑا مبالغہ، حقیقت اور صنعت گری کوتاہیِ فن اور ظہار عجز کے ذیل میں آتا ہے، دوسرے ان کی محبتِ رسول اور شغفِ نعت ہے جس کے سبب محسن صنعت گری میں بھی شاعرانہ لطافتوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ بقول ڈاکٹر ابواللیث صدیقی:

> "ان کی رعایت بے ساختہ، ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ ان تکلفات کی وجہ سے کلام میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ تلمیحات بھی ہیں اور بکثرت ہیں لیکن بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی۔"
>
> اس اعتبار سے ان کا کلام ایک طرف تعلیم یافتہ طبقے کے لیے جاذبیت رکھتا ہے تو دوسری طرف عوام الناس بھی اس کی خوبیوں پر سر دھنتے ہیں۔[162]

ن کا یہ رنگ اس مناجات میں بھی ہے جو مثنوی کے آخر میں ہے:

اے پرتوِ مہرِ لایزالی

بے مثل مثال بے مثالی

شمعِ حرمِ خدا نمائی

قندیلِ حریمِ کبریائی

جس طرح ملا تو اپنے رب سے
انداز سے شوق سے ادب سے
یوں ہی ترے عاصیانِ مجبور
اک دن ہوں تری لقا سے مسرور
صدقے میں ترے یہ آرزو ہے
دم میں رہِ آخرت کریں طے
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید
جس طرح ہے صبحِ صادقِ عید
یوں سر پہ ہو مہرِ آتشیں خو
ٹوپی میں کسی کے جیسے جگنو
دشمن پہ کڑی ہو پہلی منزل
میں سوؤں لحد میں ہو کے غافل
گزرے مری نعت کے سخن میں
رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں
یاں شوق خلوص و استجابت ہو
واں میں ہوں، آپ ہوں، خدا ہو[۱۶۳]

یہاں بھی حسن و تاثیر کا سبب وہی رعایتِ لفظی ہے جو لکھنوی شاعری کی عام روش یعنی بجائے تقصیدے کے اپنے جذبات و احساسات کی ترسیل کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ رعایتِ لفظی سے زیادہ محسن نے رعایتِ معنوی ملحوظ رکھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی تخلیقی صلاحیت اور قوتِ ایجاد ہے جس نے لکھنوی شاعری کی تصنعات (رعایتِ لفظی، مراعات النظیر اور صنائع بدائع کی بھرمار) کو فن شریف بنایا۔ محمد حسن عسکری نے محسن کے شعری اسالیب کا رشتہ ان کے موضوع اور عقائد سے ملاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"رعایتِ لفظی بری چیز سہی لیکن محسن کی نعتیہ مثنویوں میں یہ رعایت تین دائروں میں یا تین سطحوں پر بیک وقت عمل کرتی ہے:
۱۔ انفرادی طور سے شعر کے اندر رعایتِ لفظی اور مناسبات کا استعمال۔

۲۔ پوری مثنوی میں ایک خاص مضمون کی رعایت اور اس کے مناسبات کا انتخاب۔

۳۔ مناسبات سے اس طرح کے مضمون نکالنا جن سے حقیقتِ محمدی کی طرف اشارہ ہو۔ (۶۰)

اگرچہ رعایتِ لفظی اور مضمون آفرینی صرف الگ الگ شعروں میں ہی کام کر رہی ہوتی تو بھی ہمیں کم سے کم ان کی قوتِ ایجاد کی داد دینی پڑتی جو پارے کی طرح بے تاب رہتی ہے اور بجلی کی طرح ایک شعر سے دوسرے شعر میں نکلتی چلی جاتی ہے۔ لیکن یہ مسلسل اور انتھک مضمون آفرینی بجائے خود حقیقتِ محمدی کی گوناگوں کیفیتوں کا ایک استعارہ ہے جو لمحہ بہ لمحہ نئی سے نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ محسن کے کلام کی شگفتگی اور تازگی سراپا بہار جمالِ محمدی کا گویا ایک عکس ہے۔ محسن کا کمال اسی بات میں ہے کہ ان کا آئینۂ شعر کبھی ماند نہیں پڑتا اور ہر لحظہ بدلتے ہوئے عکس کو قبول کرتا رہتا ہے۔ ان کی قوتِ ایجاد صرف شعروں ہی میں ظاہر نہیں ہوتی بلکہ مناسبات کو شعروں میں، شعر کو مثنوی کے نقش میں اور اس نقش کو اپنے مستقل موضوع میں پیوست اور منضبط کرتی ہے۔ تنظیم کا یہ عمل کسی معمولی درجے کے تخیل کے بس کا روگ نہیں، اس کے لیے تعمیری صلاحیت درکار ہے۔

تلمیحات کا استعمال محسن کی صنعت گری کی دوسری خصوصیت ہے جس کے نمونے ان کے ہاں جا بجا ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام کو تلمیحات سے مزین کر کے نہ صرف یہ کہ اسے علمی وقار اور شکوہ عطا کیا ہے بلکہ ان سے نفسِ مضمون کی ترسیل کا کام لیا ہے۔ قرآن و احادیث کے حوالوں کی کثرت کے باوجود ان پر صنعت گری کا گمان نہیں گزرتا اور وہ ترسیلِ مضمون میں حارج نہیں ہوتے بلکہ اسلوب کو بلیغ اور وقیع بناتے ہیں۔ مختلف جگہوں سے یہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

محبوبِ خدا و انس و جاں کا
مقصودِ رموزِ کن فکاں کا

—

منظورِ اشارۂ "لولاک"
قائم بہ مقامِ "قم فانذر"

—

تھا داغِ فراق "لن ترانی"
مسرورِ جمالِ "من رآنی"

—

آنکھوں کی تماشش جلوۂ رب
کانوں میں صدائے "نحن اقرب"

ہے نامِ خدا سوادِ تحریر
"واللیل اذا سجیٰ" کی تفسیر

آیا گوئے بزم "لی مع اللہ"
آئینے میں جیسے پرتو ماہ

پتلی میں جما، جمالِ دل خواہ
جس طرح چھپے پہ "قل ھو اللہ"

مذکورہ بالا شعروں کی طرح ان کے پورے کلام میں تلمیحات قرآن و احادیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح علوم و فنون کی مختلف اصطلاحیں اور اسلامی تاریخ و روایات کے پرتو ان کے اسلوبِ شعر میں رچے بسے دکھائی دیتے ہیں۔

"صبحِ تجلی" اور "چراغِ کعبہ" کا حسن اور تاثر انہی محاسن کے باعث ہیں جو لکھنوی شاعری کا طرۂ امتیاز تھے۔ مگر انہیں محسن کے انداز میں کسی نے نعت گوئی جیسے پاکیزہ موضوع کے لیے استعمال نہیں کیا تھا۔ محسن کے ہاں رعایتِ لفظی، تلمیحات، تشبیہات، استعارات، مراعات النظیر، حسنِ تعلیل اور دوسرے صنائع بدائع اس فطری انداز میں ملتے ہیں کہ ان پر تصنع اور بناوٹ کا گمان نہیں گزرتا۔ محسن کے اسلوب میں یہ تمام اجزائے ترکیبی یوں گندھے ہوئے ہیں کہ انہیں موضوع سے کسی طور الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں تشبیہات و استعارات اور حسنِ تعلیل وغیرہ کی مثالیں الگ الگ دینے کی ضرورت نہیں، ان کے مذکورہ بالا اشعار میں ان تمام محاسنِ شعری کے نمونے موجود ہیں۔ نعتیہ مثنویوں کی تاریخ میں محسن کی یہ مثنویاں اپنے اسلوب کی انفرادیت کے سبب ممتاز اور سرِ فہرست ہیں۔ لکھنوی شاعری کے محاسن کا سب سے منفرد اور مبارک استعمال نہیں مثنویوں میں ہوا ہے۔

محسن کے نعتیہ قصائد میں سرِ فہرست وہ لامیہ قصیدہ ہے جس کا عنوان "مدیحِ خیر المرسلین" ہے اور جس کا مطلع ہے ؎

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

یہ قصیدہ محسن نے ۱۲۹۲ھ میں (یعنی دونوں مثنویوں "صبحِ تجلی" ۱۲۸۹ھ اور "چراغِ کعبہ" ۱۳۰۱ھ کے درمیانی عرصے میں) لکھا۔ یہ ایک جداگانہ اسلوب کا نمائندہ ہے۔ اس کی فضا ہندی عناصر سے تیار کی گئی ہے۔ محسن نے نعت کے موضوع کے لئے ہندو مذہب، اساطیر کی علامتیں استعمال کی ہیں اور الفاظ و تراکیب کی مدد سے نہ صرف مقامی ماحول کو پیش کیا ہے بلکہ ہندوانہ رسم و رواج اور ہندوانہ مذہب و تہذیب سے خاص روایات، تقریبات اور تلمیحات کی کثرت سے اس نعتیہ قصیدے کی فضا کو "مناسباتِ کفر" کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اس کی تشبیب کے کچھ شعر درج ذیل ہیں:

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

اب کے میلہ تھا ہنڈولے کا بھی گردابِ بلا
نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل [۱۶۵]

محسن کی یہ تشبیب اگرچہ بہاریہ ہے لیکن اس کے انداز اور مضامین پر ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے گہرے اثرات ہیں۔ نعتیہ قصائد کی تاریخ میں یہ قصیدہ اس اعتبار سے نہ صرف مختلف بلکہ منفرد اور اپنے نوع کی بالکل نئی چیز ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

"یہ تشبیب نعتیہ قصائد کی تاریخ میں بالکل اچھوتی تھی۔ آنحضرتؐ کی سیرت و محبت کے بیان میں ہندوستانی تہذیب اور تہذیبی اصطلاحات کا سہارا اس سے پہلے کسی نے

نہیں لیا تھا۔ عام طور پر قصیدے کی تشبیب انہی بندھے ٹکے الفاظ و اصطلاحات و تشبیہات میں کہی جاتی تھی جو عربی اور فارسی شعرا کے ذریعے اردو میں مروّج و مستعمل ہے۔ اسے محسن کاکوروی نے قصیدے کی تشبیب میں جس مقامی رنگ سے کام لیا تھا، اسے بعض متشرع حلقوں میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور طرح طرح کے اعتراض اٹھائے گئے۔"[١٦٦]

اسی ضمن میں انہوں نے امیر مینائی کے اس دفاع کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں انہوں نے معترضین کے جواب میں حضرت کعب بن زہیرؓ کے مشہور قصیدہ "بانت سعاد" سے نعتیہ قصیدے میں غیر مشروع تشبیب کا جواز پیش کیا ہے۔ امیر مینائی کہتے ہیں:

"بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدۂ نعت میں متھرا، گوکل و کنھیا کا ذکر بے محل ہے لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایامِ شباب کرنا اور اصطلاحِ شعر میں مضامینِ عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیصِ مضامینِ عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایتِ زمانہ کرتا ہے کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے۔ کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے۔ الغرض متتبعانِ کلام اساتذہ حقیقت شناسان تشبیب و قصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت ہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے:

صبحے کہ در ہوائے پرستاریٔ وثن

جنبد کلید بتکدہ در دستِ برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرورِ کائنات خواجۂ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قصیدہ "بانت سعاد" جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے، پڑھا گیا اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ مبارک سے اس کی تحسین فرمائی"[١٦٧]

محسن کاکوروی کو بھی اس امر کا پورا پورا احساس تھا کہ وہ نعت کے قصیدے کا آغاز ہندوانہ تشبیب سے کر رہے ہیں اور نعت کے حوالے سے قارئین کی ایک جماعت کو اس پر اعتراض ہوگا کہ نعت رسولؐ میں مناسباتِ کفر کا استعمال غیر مشروع سا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قصیدے میں آگے چل کر انہوں نے خود اس اندیشے

کی نشاندہی کر دی ہے۔ وہ اس تشبیب کے جواز میں کہتے ہیں:

گو قصیدہ ہے جدا ابرِ بہارِ تشبیب
فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضمون کہیں عشق کہیں حسن
کہیں نغمہ ہے کہیں مے کہیں پھول اور پھل
تاہم اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھے ناداں
کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز
رجعتِ کفر بہ ایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر
شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشمِ انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ
نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مقابل میں ہوا اصلِ سخن
گر ایماں کی کہے تو اسی کا تھا محل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا
مے و نغمہ کو کہا کس نے کہ ہے نیک عمل
ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لئے
سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبیِ مرسل ۱۴۸

محمد حسن عسکری نے محسن کے اس قصیدے کا تہذیبی پس منظر میں جائزہ لیا ہے۔ وہ اپنے اس سوال کہ:

آخر اس نظم میں ایسی کیا بات ہے جو آج سے سو سال پہلے ہماری اجتماعی روح کی کسی پوشیدہ رگ کو چھو گئی؟

کے جواب میں اس قصیدے کی مقبولیت کے تاریخی و تہذیبی پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے جو نتائج اخذ کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) تمہید میں استعارات تشبیہات کی تمام قسمیں موجود ہیں جو محسن کی شاعری کی بنیاد ہیں......

.... عالمِ طبیعی کو جس کیف کے ساتھ محسن نے یہاں قبول کیا ہے اس کا تو نشان بھی ان کی کسی اور نظم میں نہیں ملتا۔ فطرت اور انسان، اس طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے ہیں کہ انسانی عوامل کا بیان فطرت کی اصطلاح میں ہوا ہے۔ اور فطرت کا بیان انسانی زندگی کی اصطلاح میں....

...... محسن نے عناصرِ فطرت میں ایسی زندگی کی تصویر اتاری ہے، روحِ فطرت کی تازگی اس طرح نچوڑی ہے، انسان اور فطرت میں وہ انضباط پیدا کیا ہے کہ صرف ہند اسلامی تہذیب میں نہیں بلکہ پوری اسلامی تہذیب میں اس نظم کا ایک خاص مقام ہے...... فطرت کے علاوہ دوسری چیز جسے محسن نے جذب کرنے اور اسلامی تصورات کے ساتھ انضباط دینے کی کوشش کی ہے مقامی عناصر ہیں۔ خصوصاً وہ عناصر جن کا تعلق سری کرشن سے ہے۔ چونکہ سری کرشن اوتار بھی ہیں اور جسمانی محرکات سے ان کا خاص رشتہ ہے اس لیئے فطرت کے حسن اور مقامی عناصر کی لطافت کے ذریعے محسن ہوس و عشق اور جسم و روح کی دوئی مٹانے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں.....
(قصیدہ میں) عربی و فارسی الفاظ اور ہندی الفاظ کا سنگم بھی معنویت سے خالی نہیں اور اضداد کے امتزاج پر دلالت کرتا ہے۔ الفاظ کے ذریعے محسن نے ہند و عرب کو گلے ملا دیا ہے۔

اس قصیدے میں سب سے گہرا اجتماعِ ضدین کفر و اسلام کا ہے۔ امیر مینائی اور خود محسن نے تشبیب کا جواز پیش کرتے ہوئے یہ شرعی حیلہ تو ضرور نکالا ہے کہ قصیدے میں نورِ اسلام کو کفر پر غالب آتے دکھایا گیا ہے...... لیکن اس غلبۂ اسلام کا تعلق فکری عنصر سے زیادہ ہے۔ قصیدے کی جذباتی فضا کچھ اور کہتی ہے۔ ہر قصیدہ نگار کی طرح محسن نے بھی تشبیب پر مدح کی نسبت زیادہ زور دیا ہے اور تشبیب کی ملاحتِ بیان آگے چل کر کم ہو گئی ہے۔ سری کرشن کے مناسبات جس چٹخارے کے ساتھ نظم ہوئے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ کفر کوئی ایسی چیز نہیں جس سے گھبرایا جائے، خصوصاً قصیدے کا خاتمہ:

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

صاف اعلان کرتا ہے کہ اسلام نے کفر کو قبول کر لیا۔ اس قصیدے کی سب سے بڑی جذباتی معنویت یہی ہے کہ اسلام کو چھوڑے بغیر کفر و اسلام کا امتزاج ——— اور یہی اس قصیدے کی مقبولیت کا راز ہے۔[۱۷۹]

اس قصیدے کے ۱۴۷ اشعار میں دو غزلیں بھی شامل ہیں۔ قصیدے میں غزل کی شمولیت نئی چیز نہیں

مگر محسنؔ نے یہاں جس خاص سلیقے کا التزام رکھا ہے وہ قصیدے کی روایت میں محسنؔ کی جدتِ ادا کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ عام طور پر قصیدے میں شامل غزلیں قصیدے ہی کی ردیف و قافیہ میں ہوتی ہیں۔ مگر محسنؔ نے دونوں غزلوں کو قصیدے کے پہلے مصرع "سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل" کی پیروی میں یوں لکھا ہے کہ "بادل" کو ردیف بنایا ہے اور "متھرا" کو قافیہ۔ اور یوں غزلوں کے اشعار "بادل" ردیف کے ساتھ جتنا، سہرا، کرشمہ، صدقہ، ابلا وغیرہ کے قوافی میں ہیں۔ یہ دونوں غزلیں قصیدے کی معنوی فضا سے اس طرح مربوط ہیں کہ اسی کا تخلیقی حصہ نظر آتی ہیں۔

قصیدہ میں خالص نعت اور مدحِ رسولؐ کے اشعار کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو:

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی العربی
زیبِ دامانِ ابد، طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر
نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوجِ رفعت کا قمر، نخلِ دو عالم کا ثمر
بحرِ وحدت کا گہر، چشمۂ کثرت کا کنول
مرجعِ روحِ امیں، زبدۂ عرشِ بریں
حامیِ دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل

قصیدے کے آخر میں مناجات کے شعر دیکھیے:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنّا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہو بھروسہ، تری قوّت، ترا بل
ہو مرا ریشۂ امّید وہ نخلِ سر سبز
جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر اک پھول میں پھل

آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تا دمِ مرگ

شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح

ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

کہیں جبرئیل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل [١٧١]

یہ حیثیتِ مجموعی اس قصیدے کو نہ صرف محسنؔ کے نعتیہ قصائد بلکہ اردو قصائدِ نعت کی تاریخ میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس قصیدے کی اس سے بڑی خوبی کیا ہوگی کہ اگر اردو کے نعتیہ قصائد میں مقبولیت و شہرت اور فنی محاسن کے اعتبار سے صرف ایک قصیدہ منتخب کیا جائے تو بلا خوفِ تردید محسنؔ کے اسی لامیہ قصیدہ کا نام ذہن میں آتا ہے۔ اس قصیدے کی شہرت کا محسنؔ کے نعتیہ کلام پر ایک اثر یہ بھی پڑا کہ اس کے مقابلے میں ان کے دوسرے قصیدے "گلدستۂ رحمت"۔ "ابیاتِ نعت"۔ "نظم دل افروز" اور "انیسِ آخرت" اپنی فنی خوبیوں کے باوصف مشہور نہ ہو سکے۔ ان قصیدوں کے مطلعے درج ذیل ہیں:

پھر بہار آئی کہ ہونے لگا صحرا گلشن

غنچہ بے نامِ خدا، نافہ آہوئے ختن

مٹایا لوحِ دل سے نقش ناموسِ اب وجد کا

دبستانِ محمدؐ میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

ہے منزل اک مسافرِ کنعاں کی قلبِ زار و مضطر میں

یہ مہمانِ عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں

ازل سے عشق حسنِ بے نشاں کے روئے تاباں کا

ہے صد فتنۂ محشر ہوا مہماں دل و جاں کا

پہلا قصیدہ محسنؔ نے سولہ سال کی عمر میں کہا۔ ۵۱ اشعار کے اس قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے اور اس پر لکھنوی اسالیبِ شعر خصوصاً سراپا نگاری کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس میں محسنؔ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

جمالِ ظاہری (کاکل وابرو اور زلف و دندان و عارض وغیرہ) کی مدح کی ہے۔ دوسرا قصیدہ شہیدی کے مشہور قصیدۂ نعت کی تقلید میں ہے۔ شہیدی کے قصیدے کی زمین میں بہت سے شاعروں نے قصیدے لکھے (اور نعتیں بھی کہیں) مگر محسن کا قصیدہ مضمون آفرینی کے سبب زیادہ مقبول ہوا۔

مثنویات و قصائد کے علاوہ محسن نے رباعی کو بھی فنِ نعت کے لئے برتا اور اس خوش اسلوبی سے برتا کہ ان کی رباعیوں کے لب و لہجہ پر انیس و دبیر کا گمان ہوتا ہے:

مولا کی نوازشِ نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیشِ قدسیاں کھلتی ہے
بندہ کو نگاہِ مولا بس ہے
حضرت کا مرے لئے وسیلہ بس ہے
کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز ہیں
مداحِ پیمبر کی زباں کھلتی ہے
میں مشتِ غبار ہوں سہارا مجھ کو
دامانِ رسولِ مصطفٰے کا بس ہے

محسن کی غزلوں میں نعت گوئی کے نمونے کے لئے درج ذیل اشعار دیکھئے:

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسن
کلامِ نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے

محسن کی انتہا ہے فنا فی الرسول ہو
اے بحرِ فیض لے خبر اپنے حباب کی [۱۸]

سراپائے مبارک میں ان کا ایک مسدس بھی ان کی قوتِ شاعری کا بے مثل نمونہ ہے۔

بحیثیتِ مجموعی محسن کاکوروی نے اردو نعت کو فنی معیار سے ہم کنار کیا۔ اردو نعت کی وہ روایت جس کے ابتدائی نمونے جنوبی ہند کے شاعروں کی تصنیفات میں ملتے ہیں اپنے ارتقائی و تشکیلی دور سے گزرتی ہوئی

محسن کے شغف و وابستگی نعت، قادر الکلامی اور علمی تخلیقی صلاحیتوں کے سبب ایک مستقل فن کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ انہوں نے نعت کو وہ انفرادیت دی جو اسے ان سے پہلے حاصل نہ تھی۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

"اردو شاعری کو بلند سطح تک پہنچانے میں جتنا ہاتھ ان کا ہے، کسی اور کا نہیں۔"[۱۷۴]

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر نعت کو محسن جیسا شاعر نہ ملتا تو یہ فن اور بہت عرصے تک تشنۂ تکمیل ہی رہتا۔ محسن نے جس شائستگی اور خوش سلیقگی سے لکھنوی دبستانِ شاعری کے عناصرِ فنی (تشبیہات و استعارات، تراکیب و حسنِ تعلیل، تلمیحات، سراپا نگاری، زبان و بیان کی نفاستیں، مضمون آفرینی اور رعایتِ لفظی وغیرہ) کو نعت کے موضوع میں برتا، اس سبب ان کا کلام نہ صرف تاریخِ نعت بلکہ تاریخِ شعر و ادب میں بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ ان عناصرِ فنی (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) اور جن کی مثالیں گزشتہ صفحات میں دی گئی ہیں، محسن کے نمونۂ کلام میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہیں) کے علاوہ محسن نے اردو نعت کو علمی وقار عطا کیا۔ قرآن و احادیث اور علوم و فنون کے مختلف حوالوں کے سبب ان کی نعت گوئی بلیغ اور وقیع ہے۔ اس کے ساتھ ہندی عناصر کی دلآویزی، کیف اور شعریت نے ان کی شاعری میں حسن اور تاثیر پیدا کی۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اپنی نعت کو شریعت کی حدود میں رکھا اور مضمون آفرینی اور تخیل کی رنگ آمیزی کو احادیث و قرآن کے دائرے سے باہر نہیں جانے دیا یوں ان کی نعت افراط اور ناہمواری کا شکار نہیں ہوئی۔

شمالی ہند کی نعت گوئی کا جائزہ

شمالی ہند میں نعت کے اوّلیں نمونوں اور صوفیائے کرام کی نعتوں کے بعد میر و مرزا کے دور سے لے کر امیر و محسن تک پہنچتے پہنچتے اردو نعت کئی مرحلوں سے گزری اور اس نے تقلید سے لے کر تشکیل و تکمیلِ فن تک اپنے ارتقاء کی کئی منزلیں سر کیں۔ ہم گزشتہ اوراق میں ان مختلف ادوار و مراحل کی خصوصیات کا جائزہ لے چکے ہیں۔ جب ہم بحیثیتِ مجموعی اس پورے عہد کا سرسری جائزہ لیتے ہیں تو درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ شمالی ہندوستان میں قدماء کے دور میں نعت گوئی کا ذوق کم پایا جاتا ہے۔ سوائے سوداؔ کے دوسرے شاعروں کے نعتیہ نمونے ادبی لحاظ سے قابلِ ذکر نہیں۔ دہلوی دبستان کے شاعروں میں سوداؔ کے بعد نعت کے نمونے مومنؔ کے ہاں ملتے ہیں۔

۲۔ نعت نے ہر دور میں معاصر سیاسی و مذہبی اور ادبی و ثقافتی میلانات کے اثرات قبول کئے ہیں۔ شاعروں کے دہلوی اور لکھنوی دبستان کے لب و لہجہ اور دیگر خصائصِ زبان و بیان کے

ساتھ وہاں کی تہذیب و معاشرت نے بھی نعت کے فکر و فن کو متاثر کیا۔ مثلاً دہلوی دبستان کے شاعروں میں نعت کا ایک اسلوب میر حسنؔ کے ہاں پرورش پا رہا تھا جس کا نمونہ مثنوی سحرالبیان میں ملتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دلّی کی بساط اُلٹ جانے کے بعد لکھنؤ میں ایک نیا دربار پوری شان و شوکت سے آراستہ ہو رہا تھا۔ میر حسنؔ جب نعت لکھنے بیٹھے تو یہ دربار اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ ان کے سامنے موجود تھا چنانچہ انہوں نے شاہِ شہنشاہاں کی مدح لکھی تو تمام تشبیہیں اور استعارے اسی دربار سے مستعار لئے:

کروں اس کے رتبہ کا کیا میں بیاں
کھڑے ہیں جہاں باندھے صف مرسلاں
مسیحؑ اس کے خرگاہ کا پارہ دوز
تجلیٔ طور اس کی مشعل فروز
خلیلؑ اس کے گلزار کا باغباں
سلیمانؑ سے کئی مہردار اس کے ہاں
خضرؑ اس کے سرکار کا آبدار
زرہ ساز داؤدؑ سے واں ہزار[۱۷۳]

اسی طرح لکھنؤ کے معاشرے میں تخلیق ہونے والی نعتوں پر وہاں کی معاشرت کے اثرات ملتے ہیں۔ لکھنؤ میں شیعیت کا دور دورہ تھا۔ لکھنوی شیعہ شعراء کے ہاں نعتوں میں منقبتِ اہلِ بیت کے مضامین بھی مل جاتے ہیں۔ میر انیسؔ کے نعتیہ مسدس کے یہ بند دیکھئے:

پہلے کیا جس چیز کو اللہ نے پیدا
لکھا ہے کہ وہ نورِ جنابِ نبویؐ تھا
دس سو برس میں اس دن سے وہ نورِ شہِ والا
استادہ رہا روبروئے خالقِ یکتا
گہ حمد و ثنا گہ صفتِ قدرتِ حق تھی
اس نور پہ ہر دم نظرِ رحمتِ حق تھی

اس نور کو دو حصے کیا حق نے برابر
اور پھر کئے دو حصے کے دو حصے مکرّر

دو ٹکڑوں سے مخلوق ہوئے احمد و حیدرؓ
پیدا ہوئے دو حصوں سے سبطین پیمبرؑ
زہرا کو پھر اس نور سے تنہا کیا پیدا
یوں پنجتن پاک کا نقشہ کیا پیدا ۱۲۹؎

نعت میں شیعہ خیالات و عقائد کا یہ وہی عکس ہے جس کی جھلک ہم مومن کی شیعہ یا سنوں کے شاعروں کی نعت میں دیکھ آئے ہیں۔ اس کے برعکس سُنّی عقائد رکھنے والے شاعروں کے اں نعت میں مدحِ اہل بیت کے ساتھ تمام خلفائے راشدین کی منقبت ملتی ہے۔ نیز اس منقبت میں تفضیلِ علیؓ کا وہ رنگ نہیں ہے جو میر انیس کے نمونۂ نعت میں جھلکتا ہے۔ نمونے کے لئے کافی کے یہ شعر دیکھئے:

مرتضیٰؓ شیرِ خدا اور جنابِ حسنینؓ
شان سے اُنؓ کی نمودار ہے سبحان اللہ
صدرِ ایوانِ خلافت میں وزیرِ اعظم
یارِ غار کشفِ ابرار ہے سبحان اللہ
اور میدانِ فتوت میں جنابِ فاروقؓ
عادل و جابرِ کفار ہے سبحان اللہ
اور عثمانِ غنیؓ محرمِ سخاوی النورین!
کیا حیامند حیادار ہے سبحان اللہ
سورۂ دہر سے ثابت ہے مناقب جس کا
وہ علیؓ حیدرِ کرار ہے سبحان اللہ ۱۳۰؎

غزل کی معروف زمینوں میں معمولی تصرفات دیکھئے۔ مرزا غالب کی زمین میں قوافی کی تبدیلی سے امیر مینائی نے درجِ ذیل نعت کہی:

جنت ہے درِ خسروِ ذیشاں مرے آگے
کہہ دو کہ بنے دون کی رضواں مرے آگے

۳۔ اردو نعت کا مؤثر اظہار غزل کی ہیئت میں ہوا بلکہ ایک لحاظ سے اردو نعت کی فنی تشکیل ہی اس وقت ہوئی جب غزل میں نعت گوئی کا رواج ہوا۔ لکھنؤ میں غزل کو وہی اہمیت حاصل تھی جو دکن میں اردو شاعری کے آغاز کے وقت مثنوی کو حاصل تھی۔ لکھنؤ والوں نے اپنے دبستانِ شاعری کو ممتاز کرنے کے لئے غزل کو آدرۂ اظہار

لونڈی سو جان سے قربان گئی تم پہ نبیؐ
اچھے محشر میں بچھا دیکھو مری تشنہ لبی
تو ہے بندی کا سہارا دمِ حاجت طلبی
مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربیؐ
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مرد دے چار کریں جورو میں اے نیک صفات
حکم ہے شرع کا باری سے رہیں ایک اک رات
ایک تو پاس رہے تین کی پوچھیں نہ وہ بات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
رحم فرما کہ ز حد میگزرد تشنہ لبی

شمالی ہند میں تضمین کی صورت میں بھی نعت کا ایک بڑا تخلیق ہوا۔ اردو شاعروں نے اپنی غزلوں کے علاوہ جن نعتوں کی تضمینیں لکھیں ان میں ؎

اے چہرہ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری (امیر خسرو)

؎

بلغ العلیٰ بکمالہٖ (شیخ سعدی)

؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (شاہ عبدالعزیز)

کے علاوہ جان محمد قدسی کی مشہور نعت ؎

مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی!

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کی سینکڑوں تضمینیں ہوئیں۔ جن میں زیادہ تر خمسے کی شکل میں ہیں[۱۱۵] جن میں غلام امام شہید، مولوی کفایت علی کافی، الطاف حسین خستہ (حالی)، مومن دہلوی، حکیم آغاجان عیش دہلوی، اور بہادر شاہ ظفر جیسے معروف شاعروں کے علاوہ تیموریہ خاندان کی شاعرات، شہزادی کیفی اور نواب اختر محل اختر کی اردو تضمینیں شامل ہیں[۱۱۶] (مرزا غالب نے بھی قدسی کی غزل پر خمسہ لکھا مگر وہ فارسی میں ہے)۔

بحیثیت مجموعی اس دور نعت میں نعت کا بلحاظ مقدار و معیار اضافہ ہوا۔ نعتیہ شاعری میں رنگِ تغزل

کے ساتھ مولانا کفایت علی کافی، غلام امام شہید اور دوسرے شاعروں نے اثر، خلوص اور کیف میں اضافہ کیا۔ امیر مینائی نے نعت کو حلاوت اور محسن کاکوروی نے علمی انداز، وجاہت، جدت آفرینی اور ندرتِ فن کا کمال بخشا۔

پانچواں باب

عصرِ جدید کی نعت گوئی

الف۔ تمہید
جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے اثرات
فریاد و استمداد کا اسلوب

ب۔ جدید اندازِ نعت
حالی۔ شبلی/ مولانا احمد رضا خاں بریلوی/ حسن رضا بریلوی۔
نظم طباطبائی۔ علامہ اقبال۔ ظفر علی خاں۔ حفیظ جالندھری۔

ج۔ دیگر نعت گو
شائق۔ یزدانی میرٹھی۔ ممتاز گنگوہی۔ حمزہ۔ معلی۔ حسرت۔
مضطر۔ جلیل مانک پوری۔

د۔ علما و صوفیا کی نعتیہ شاعری/ عصرِ جدید کا دورِ آخر

ہ۔ عصرِ جدید کی نعت گوئی کا جائزہ

باب [illegible]

[illegible]

ا- [illegible]
[illegible]
[illegible]

ب- [illegible]
[illegible]
[illegible]

ج- [illegible]
[illegible]
[illegible]

د- [illegible]

ہ- [illegible]

تمہید

گذشتہ ابواب میں ہم نے جنوبی ہند اور شمالی ہند میں تخلیق ہونے والے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا ہے جبکہ اس دور کا آغاز ہم ١٨٥٧ء (١٢٧٤ھ) کی جنگِ آزادی سے کر رہے ہیں۔ زبان و ادب کے ادوار کی کوئی ایسی بندھی ٹکی حد بندی ممکن نہیں ہوتی جس میں ریاضی کی سی قطعیت موجود ہو کیونکہ بہت سے شاعر ایسے ہوتے ہیں جن کا زمانہ دو دوروں تک پھیلا ہوتا ہے۔ کچھ ایسے شاعر بھی ہوتے ہیں کہ اپنے سے پہلے دور کے رنگ میں شاعری کرتے رہتے ہیں۔ شعر و ادب کے ادوار اور دبستانوں کی ترتیب عام طور پر اکثریت کی بنا پر قائم کی جاتی ہے تاکہ ہر دور کی خصوصیات کی روشنی میں اس کی انفرادیت کا مطالعہ کیا جا سکے۔ اردو نعت کا دورِ جدید بھی کچھ ایسا ہی پس منظر رکھتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امیر مینائی اور محسن کاکوروی کا دورِ نعت ہنوز جاری ہے کہ مختلف سیاسی و تہذیبی تبدیلیوں کے سبب ہندوستانی سیاست، تمدن اور معاشرت کے ساتھ شعر و ادب کے رنگ اور فکر و اظہار کے اسالیب میں بھی ایک نمایاں تبدیلی آگئی ہے۔ حالی کا مقدمہ شعر و شاعری ایک لحاظ سے شاعری کے بدلتے ہوئے معیاروں کا ایک اعلان نامہ تھا جس میں انہوں نے شاعری کی قوتِ انقلاب کی نشاندہی کرتے ہوئے اصلیت، جوش اور سادگی کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا۔ حالی اور ان کے رفقا نے پرانے مسلماتِ شاعری کی کایا پلٹ دی اور اردو شاعری کے وہ تمام معیارات، موضوعات اور فکری و فنی اقدار جو فارسی کے زیرِ اثر قریباً ڈھائی سو برس تک دہلی، دکن، پنجاب اور دوسرے علمی مراکز میں قائم رہی تھیں، بدل گئیں۔

١٨٥٧ء کی جنگِ آزادی ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی و مذہبی اور سیاسی و ادبی زندگی کا سب سے اہم واقعہ تھی۔ مسلمان علماء نہ صرف ١٨٥٧ء کے زمانے میں بلکہ اس سے بہت پہلے سے مسلمانوں کو جہاد کی تعلیم دیتے آ رہے تھے۔ مسلمانوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود جنگِ آزادی میں ہندوؤں سے زیادہ جوش و خروش

کا مظاہرہ کیا نیز بے مثال استقامت دکھائی اور بے شمار جانی و مالی قربانیاں دی تھیں۔ لہذا جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد زیادہ تر مسلمان ہی انگریزوں کی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو سرکشی و بغاوت کا نام دے کر اس کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا گیا اور اس بغاوت میں ہندوؤں کی شرکت کو محض ایک عارضی لغزش سے تعبیر کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کئی برس تک انگریزوں کی حکمتِ عملی اس اصول پر مبنی رہی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو زیادہ کمزور و ناکارہ اور محتاج بنا دیا جائے اور ان کے حوصلے ایسے پست کر دیے جائیں کہ وہ پھر کبھی انگریزی حکومت کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا خیال تک دل میں نہ لا سکیں، چنانچہ جنگِ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد ہی انہوں نے مسلمانوں پر مظالم شروع کر دیئے۔ وحشیانہ قتلِ عام، تاراج و غارت گری، ضبطیاں، قرقیاں، خانہ بربادیاں اور جلا وطنیوں اور ظلم و تعدی کا بڑا ہدف مسلمان ہی تھے۔ ۱۸۵۸ء کے شاہی اعلانِ معافی کے باوجود مسلمانوں کے لئے شدید ابتلا و آزمائش کا زمانہ ختم نہیں ہوا۔ پکڑ دھکڑ پھر بھی جاری رہی اور پھانسیوں اور کالے پانی کی سزائیں پھر بھی ان کا مقدر بنی رہیں اور انہیں ان سے نجات نہ ملی۔

جنگِ آزادی میں مسلمانوں میں عوام کے ساتھ ساتھ علماء و شعراء کی نمایاں تعداد شامل تھی خصوصاً دین سے شغف رکھنے والے شاعر نہ صرف یہ کہ اس میں پیش پیش رہے بلکہ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں اور جامِ شہادت نوش کیا۔ اردو نعت کا عصرِ جدید اپنی نعت گو شاعروں کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا لیاقت علی الہ آبادی کی مشہور نظم "جہادیہ" جنگِ آزادی کے سلسلے کی ایک اہم تاریخی دستاویز ہے۔ مولانا انگریزوں کے خلاف جہاد کے پُرزور مبلغ تھے۔ جگہ جگہ نہ صرف یہ نظم سنائی جاتی بلکہ دیواروں پر بھی چسپاں کر دی جاتی۔ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ اسے کھڑے ہو کر پڑھتے اور "دین دین" کے نعرے لگاتے ہوئے آزادی کی راہ میں لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ اس جہادیہ[۲۲] میں قرآن و حدیث کے حوالوں کے ساتھ مسلمانوں کا لہو گرمایا گیا۔ اس کا پہلا شعر ہے:

بعد تمہیدِ خدا، نعتِ رسولِ اکرمؐ
یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم

اس میں جہاد کی تبلیغ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا حوالہ دیا گیا جس سے اس میں نعتیہ عناصر نمایاں ہو گئے ہیں:

اے برادر! تو حدیثِ نبویؐ سن لے
باغِ فردوس ہے تلوار کے سائے کے تلے

دل سے اس راہ میں پیسہ کوئی دیوے کا اگر
سات سو اس کو خدا دیوے گا روزِ محشر
زر بھی گر خرچ کیا اور لگائی تلوار
پھر تو دیوے گا خدا اس کے عوض سات ہزار
جو کہ مال اپنے سے غازی کو بنادے اسباب
اس کو بھی مثلِ مجاہد کے خدا دے گا ثواب ؎۲

یہ سلسلۂ اشعار آگے تک چلتا ہے اور اس میں آنحضرتؐ کی ان احادیث مبارکہ کا بیان ہے جو جہاد سے متعلق ہیں۔ مولانا نے جہاد میں حصہ لیا، گرفتاری کے بعد برطانوی سعوبتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ۱۱۔ اپریل ۱۸۶۸ء میں جزیرہ انڈیمان میں شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ دوسرے شعراء میں مولانا رضی الدین بدایونی شہید، منشی محمد اسماعیل منیر شکوہ آبادی، مولانا فضل احمد آسیر دہلوی، امیر مینائی، مفتی سید احمد خان، مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا کفایت علی کافی وہ شعراء ہیں جنہوں نے جنگ آزادی میں حصہ بھی لیا اور نعتِ رسولِ اکرمؐ میں شعر بھی کہے مولانا مفتی کفایت علی کافی شہید جن کا ذکر ہم گزشتہ باب میں پیش کر آئے ہیں، تحریکِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں شہید ہوئے۔ روایت ہے کہ جب مرادآباد میں آپ کو برسرِعام پھانسی دی جارہی تھی تو آپ کے ہونٹوں پر نعت کے شعر تھے۔ اس نعت کا مطلع اور مقطع درج ذیل ہیں:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کافی و لیکن حشر تک
نعتِ حضرتؐ کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا ؎۳

اس نعت میں حضور اکرمؐ کی لازوالی اور قائم و دائم سیرت اور دین کے حوالے سے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جنگِ آزادی کے دوسرے نعت گو شاعروں میں فضلِ حق خیر آبادی کی خاص اہمیت ہے عربی میں نعتیہ اشعار کہے۔ آپ بھی انڈیمان میں تنگی و عسرت میں فوت ہوئے۔ مولانا فضل احمد اسیر کا یہ شعر ان کی گرفتاری کے وقت ان کے ہونٹوں پر تھا:

یہ خوشی حاصل ہے ہم ہو لیں گے شہید
جان دیں گے ہم رسول اللہ تیری آن پر

منیرؔ شکوہ آبادی ان شعرائے مجاہدین میں سے ہیں جنہوں نے فرنگیت کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا۔ آپ مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپ بھی اسیر ہوکے جزیرہ انڈمان میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔ انہوں نے اپنے ایامِ روپوشی اور زمانۂ مصائب کا دردناک احوال اپنے قصائد میں قلمبند کیا ہے۔ منیرؔ نے نعتیہ قصائد بھی لکھے۔ اسی طرح امیرؔ مینائی جو معروف نعت گو بھی ہیں انگریزوں کی مخالفت میں گرفتار ہوئے۔ آپ پر مختلف صعوبتوں کا پہاڑ ڈھایا گیا اور کمزوری و نقاہت کے بڑھنے پر آپ کو رہا کر دیا گیا۔

مفتی سید احمد خان (م ۱۸۵۹ء) مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ مفتی سید احمد خان نے زمانۂ اسیری میں جزائر انڈمان میں آنحضرتؐ کے حضور ایک منظوم عرضداشت لکھی جس میں مصائب و آلام، قید و بند کا اندوہناک بیان ہے۔ اس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

قسم ہے تجھے اے نسیم سحر\
مری بے کسی پر ذرا رحم کر\
میسر نہیں کوئی پیغامبر\
مدینے میں ہووے جو تیرا گزر\
تو میری طرف سے زمیں چوم کر\
یہ کہنا بدرگاہِ خیر البشرؐ\
نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ\
سمجھیں حالِ ما یا نبی الوریٰ\
..... بہت مجھ پہ طوفانِ بیداد ہے\
بہت تنگ تر جانِ ناشاد ہے\
شہِ دادگر وقتِ امداد ہے\
خبر لیجئے جلد فریاد ہے\
..... بندھے بندِ آہن سے سب دست و پا\
رہا بند یک چند آب و غذا\
نہ سننا تھا جو کچھ وہ سب کچھ سنا\
نہ ہونا تھا جو کچھ وہ سب کچھ ہوا\
لٹا گھر دیارِ وطن بھی چھٹا\
چھٹے سب کے سب دوست اور آشنا

...... اسیری بخت اس پہ اب شاق ہے

یہ سید رہائی کا مشتاق ہے ؂

ان کی یہ عرضداشت قبول ہوئی لیکن ان کو خاکِ وطن نصیب نہ ہوئی۔ رہائی کے وقت وطن آنے میں ر روز باقی تھے کہ جزیرہ انڈمان ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ سید مرحوم نے نعت میں اور کلام بھی کہا ہے۔

اسی طرح چند اور نعت گو شاعر بھی ہیں جنہوں نے عملی طور پر جنگِ آزادی، ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔

جنگِ آزادی سے قیامِ پاکستان تک ہندوستانی مسلمان جن سیاسی و تاریخی اور مذہبی و دینی تحریکوں سے رتے رہے اردو نعت ان کا بھی اثر قبول کرتی رہی۔ برصغیر سے باہر بھی ملتِ اسلامیہ جن مسائل اور الات سے دوچار رہی ان کی جھلکیاں بھی برصغیر کی اردو نعت گوئی میں نظر آتی ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی کے خصوصاً پہلی جنگِ عظیم کے بعد کے نعتیہ کلام میں یہ ملی شعور زیادہ نمایاں ہے۔

۱۹۱۴ء میں ترک جنگِ عظیم اول میں شریک ہو گئے۔ ۴۔ نومبر ۱۹۱۴ء کو برطانیہ نے مسلمانوں قامات مقدسہ کی حرمت برقرار رکھنے کا وعدہ کیا مگر انہوں نے (۱۹۱۶ء میں) وعدہ شکنی کی۔ جدہ پر قبضہ بعد کرنل ولسن کی کمان میں انگریزی فوجیں مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوئیں۔ انہوں نے جبلِ ابوقبیس پر اپنی توپیں ب کیں اور قلعہ جیاد پر گولہ باری شروع کی۔ قلعہ کی ایک دیوار ٹوٹ گئی اور وہاں کی ترک فوج شہید ہو گئی۔ یاد کی فتح کے بعد محلہ معبدہ کا ترکی قلعہ محصور کر لیا گیا؛ اور فاران کی مقدس چوٹیوں پر کلدار توپیں نصب ی گئیں۔ ترکی قلعہ کے پیوندِ خاک ہونے کے بعد مجروح اور شکستہ حال ترک خانہ کعبہ میں پناہ گزیں ہوئے بیت اللہ کے اندر اور غلافِ کعبہ سے متصل سب کو شہید کر دیا گیا۔ جدہ، مکہ مکرمہ اور طائف کی تسخیر کے برطانوی فوج نے مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ فلسطین کی طرف سے فرانسیسی فوجوں نے مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کی نور میں بھی مسلمان شہید کیے محاصرہ مدینہ میں گولہ باری کے موضوع پر قاضی منیر الحسن ضلع اعظم گڑھ کے اشعار دیکھیے

تجھ سے فریاد ہے اے گنبدِ خضرا والے

کہ وہ تیرے رحم کے شایاں تری امت نہ رہی

لعجب دین ترا زغنۂ تثلیث میں ہے

اپنی توحید کی یارب تجھے غیرت نہ رہی

اب نہ بغداد ہے باقی نہ حجاز اور نہ شام

حرم حضرتِ باری کی بھی حرمت نہ رہی ؂

۱۹۱۸ء میں انگریزوں نے موصل کی طرف پیش قدمی کی اور قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۔ مئی ۱۹۱۹ء کو یونانیوں

ے ایشیائے کوچک اور تھریس کی زمینوں کو پامال کرنا شروع کیا۔ اس موقع پر مولانا ظفر علی خاں کا اسف
بڑا دردناک ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

جاگ اے یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری اُمّت کا راج
سر چھپانے کو ٹھکانہ بھی انہیں ملتا نہیں
لے چکی ہے جن کی ہیبت ایک عالم سے خراج [۵]

۱۹۱۹ء میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد پڑی۔ مسئلہ تحفظِ ناموسِ خلافت نے ہندوستان کے
کروڑوں مسلمانوں کو ایک ہی مرکز پر جمع کر دیا۔ مسلمانوں کے منجمد خون میں ایک نئی لہر دوڑی۔ سکولوں اور کالجوں
عدالتوں کا بائیکاٹ، ولایتی مال کا مقاطعہ، والنٹیئر کور کی تشکیل، سول نافرمانی کا آغاز اور تقریباً ۰۰ھ
مسلمانوں کی گرفتاری اسی زمانہ کے اہم واقعات ہیں۔ یہ تحریک دراصل مسلمانانِ ہندوستان کی سب سے پہلی
اجتماعی کروٹ تھی اور ایک ایسی انقلابی تحریک تھی جس کی بدولت ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی خیالات کی
تشکیل ہوئی اور ان کے قومی مزاج میں ایک ہمہ گیر سیاسی تغیر رونما ہوا۔ تحریکِ خلافت کا تذکرہ اس
کی نعت گوئی میں بھی نظر آتا ہے۔ درج ذیل شعر دیکھئے:

ہوئی پارہ پارہ خلافت ہماری
تنزّل پہ ہے شان و شوکت ہماری
گھٹا دی ہے یورپ نے طاقت ہماری
بجھا دی ہے شمعِ حکومت ہماری

عرب کو بھی غیروں نے اپنا بنایا
حرم محترم میں بھی سکّہ جمایا

مقدّس مقاموں میں کفّار جائیں
حرم محترم میں بھی آفات ڈھائیں
عراق و عرب پر تسلّط جمائیں
ولی عہد ترکی کو قیدی بنائیں

خلافت کا دیکھیں گے یہ حال کب تک
رہیں گے ہم اس طرح پامال کب تک

ہماری مدد کو خدارا اب آؤ
خلافت کو اعدائے حق سے بچاؤ
مصیبت زدوں کے دلوں کو بڑھاؤ
عرب سے نصاریٰ کو پیچھے ہٹاؤ
توقع ہے امداد ہو گی تمہاری
ہے ناگفتہ بہ ورنہ حالت ہماری[۹]

یہ بند "فریادِ مسلم" (قاری محمد حسین) کے ہیں۔ یہ فریاد آنحضرتؐ کے حضور استغاثہ و استمداد کے پر مشتمل ہے اور درد و سوز اور پُر تاثیر ہے۔

اس دور میں اردو کے نعت گو شاعروں نے دربارِ رسالت مآبؐ میں ایسی کئی عرضداشتیں پیش کیں ملتِ مسلمہ کی زبوں حالی، انگریزوں کے مظالم اور آپؐ سے استمداد کا ذکر ملتا ہے۔ بیسویں صدی کا پہلا ربع نعت میں استغاثہ اور استمداد کے موضوع کا زمانہ ہے۔ اردو نعت میں اس کثرت سے اس سے پہلے کبھی استغاثے نہیں لکھا گیا۔ استغاثوں کی یہ کثرت نعت گو شاعروں میں بڑھتے ہوئے ملّی شعور کی ترجمان ہے۔ ذیل میں نعتیہ استغاثوں اور ملّی شعور کے حامل نعتیہ کلام کی نشاندہی کی جاتی ہے:

- فریاد بحضورِ سرورِ کونینؐ صلی اللہ علیہ وسلم ظفر علی خاں

مصرعہ اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب . . . . الخ

- عرضِ حال بحضورِ صلی اللہ علیہ وسلم وحید الدین

مصرعہ ہاں چمک اے نیّرِ اسلام سپہرِ آفاق پر . . . . . الخ

فریادِ اسلام قمر الدین احمد
فریادِ حرم قاضی ظہور الحسن ناظم
سن تو بطحا کے چاند مولوی احمد علی احمد تبر

. . . . ختم ہوا ضربِ صلیبی سے ہلالِ ترکی
مجھ ترے یہ خمِ تقدیر دکھائیں کس کو

سن تو بطحا کے چاند

تم نے دکھلایا جہاں معجزۂ شقِ قمر
ہم نے کفار کو توپوں کو وہاں پر رکھ کر

کی مقامات ہمایوں پہ گولہ باری

اپنا بم رُک دیے سینے تجھ کو دکھائیں کیونکر

سن تو بطحا کے چاند

تیری اُمت کو نصاریٰ نے ستا رکھا ہے

گنبدِ سبز میں کیوں چین سے تو سوتا ہے

نکل ہاتھ میں توحید کی تلوار لیے

اور فرشتوں کا بھی اک لشکرِ جرار لیے .....

زیبِ سر فتح کا سہرا ہو تو لب پر تکبیر

ساتھ میں خالدؓ و حیدرؓ سے خدا کار لیے

سن تو بطحا کے چاند

۶۔ صدائے مدینہ حافظ محمد مختار (احمد متین)

میں ہوں نبیؐ کا مسکن، مدفن رسولؐ کا ہوں .....

میرے لئے بہا ہے اصحابؓ کا پسینہ

میرے دل و جگر پر دشمن کا ہے تسلط

اغیار روندتے ہیں پیروں سے میرا سینہ

۷۔ طیبہ کی دہائی مولوی عبدالوحید مومن

مدد کیجے خداوندا بس اب تیری دہائی ہے

ترے پیارے کے مسکن پر مخالف کی چڑھائی ہے

مٹا دے اس کو یا اللہ جور و جبر سے جس نے .....

نبی پاکؐ کے دربار کی عظمت مٹائی ہے

اجاڑا جس نے ہو طیبہ کو وہ خود ہی اُجڑ جائے

ملے وہ خاک میں جس نے وہاں پہ خاک اڑائی ہے

۸۔ نعت ابو الاقبال بیش

آپ ہی جب نہ مددگار نہیں گے شاہا .....

ہم سے کیونکر درِ کعبہ کی حفاظت ہوگی

دیکھنا عیش جو کچھ ہو گا مآلِ دشمن

اوج پر جب شۂ ترکی کی خلافت ہو گی

۹۔ نعت کامل شیر کوٹی

جورِ عدو کی جاکر جب ہم خبر کریں گے

امداد اپنی کامل خیر البشرؐ کریں گے

..... یہ غازیانِ اعظم یعنی کمال و انور

حاصل عدو پہ اک دن فتح و ظفر کریں گے

کامل رہے گا کامل دنیا میں دینِ احمدؐ

جب تک جہاں کو روشن شمس و قمر کریں گے [۱۰]

تحریکِ خلافت کے دوران تحریک کی مقبولیت اور وسعت اور اس کے جوش و خروش کے ساتھ کئی ایسی نظمیں تخلیق ہوئیں جو نعت کے ذیل میں تو نہیں آتیں مگر جن میں حضورؐ کے حوالے کے سبب نعت کا عنصر پیدا ہو گیا ہے [۱۱]۔ مثلاً مولانا ظفر علی خاں کا یہ شعر ؎

اڑائے جا رہے ہیں کس لئے پرزے خلافت کے

رسول اللہ کی دولت لٹائی جا رہی ہے کیوں

اور "بولیں اماں محمد علی کی" والی معروف نظم میں:

؎ ہوتے میرے اگر سات بیٹے

کرتی سب کو خلافت پہ صدقے

ہیں یہی دینِ احمدؐ کے رستے

جان بیٹا خلافت پہ دے دو [۱۲]

کا مضمون ملی و قومی شاعری میں نعتیہ عنصر ہی کی نشاندہی کرتا ہے۔

بحیثیتِ مجموعی تحریکِ خلافت نے ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک عالمگیر اسلامی اخوت کا احساس مضبوط کیا اور اس دوران میں تخلیق ہونے والے نعتیہ ادب کے علاوہ ملی و قومی موضوعات پر مشتمل نظموں میں بھی کہیں کہیں نعتیہ عناصر لو دیتے ہیں۔ اس تحریک نے برِعظیم کے مسلمانوں اور ان کی تحریکِ آزادی کو بہت کچھ دیا۔ اس تحریک کے دوران مسلمانوں کے جوش و خروش نے برِعظیم کی سیاسی جدوجہد میں ایک زندگی دوڑا دی۔ اس سے برِعظیم کے مختلف علاقوں کے مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اخوت مضبوط ہوا۔ پہلی جنگِ عظیم

کے بعد ترکی کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس سے مسلمانوں کے جذبات کو جو پہلے ہی اتحادِ اسلامی کے خیال سے موجزن اور اپنے رہنماؤں کی خطابت شاعری کے سبب ہیجان تھے، اور زیادہ مشتعل کر دیا اور اب یہی فضا پورے برِعظیم پر مسلط ہو گئی کہ ہر قیمت پہ پہلے انگریزوں کو نکالا جائے۔ چنانچہ اوّل اوّل مسلمان اور ہندو مل کر پوری قوت سے جدوجہدِ آزادی میں شامل ہوئے مگر بعد میں علامہ اقبال کے فکر اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں تحریکِ آزادیٔ ہند، تحریکِ پاکستان میں منتقل ہوئی۔ دو قومی نظریہ کی حمایت پر زور دیا جانے لگا۔ متحدہ قومیت کے نظریہ پر ضرب پڑی اور مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا احساس بڑی تیزی سے پھیلنے لگا جو مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کی قرارداد (۱۹۴۰ء) کی صورت میں سامنے آیا۔ یہ قرارداد مسلمانانِ ہند کے ایک اہم مطالبے کا اعلان نامہ اور ملّی و قومی آرزو کی ترجمان تھی۔

ہمارے مطالعۂ نعت کا عصرِ جدید جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) سے قیامِ پاکستان (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) کی درمیانی عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ زمانہ جیسا کہ ہم سرسری انداز میں دیکھ گئے ہیں ہندوستان میں مسلمانوں کی قومی و ملّی تحریکوں کا زمانہ ہے۔ اس عرصے میں جو قریب قریب ایک صدی پر محیط ہے قومی و ملّی تحریکوں نے اردو نعت کے موضوعات اور اسالیب کو بھی متاثر کیا، موضوعِ نعت میں دربارِ رسول اکرمؐ میں عرضِ حال اور استمداد و استغاثہ کا انداز اس عصر کی دین ہے۔ پہلے اردو نعت میں انفرادی مصائب و آلام پر آنحضرتؐ سے ضد اشت اور نجات طلبی کی مثالیں تو کہیں کہیں نظر آتی تھیں مگر قومی و ملّی آشوب یا اجتماعی صورتِ حال کا تذکرہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہی نعت کا موضوع بنا۔ کچھ استغاثے (جو نسبتاً غیر معروف نعت گو شاعروں کے تھے) ہم دیکھ آئے ہیں۔ معروف شاعروں میں مولانا حالی، مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال کی دربارِ رسالت مآب میں عرضداشتیں انتہائی مؤثر اور دلدوز ہیں[۱۴]۔

عصرِ جدید کی نعت گوئی کا بڑا دھارا ملّی و قومی موضوعات لئے ہوئے ہے۔ اس میں رسولِ اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے بیان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تذکارِ سیرتِ رسولؐ سے نعت گو شاعروں نے اصلاحِ احوال کا کام لیا۔ اور معجزات اور جمالِ محمدیؐ کی بجائے آنحضرتؐ کے پیغام اور سیرت کو نعتوں کا موضوع بنایا گیا۔ ان شاعروں میں مولانا حالی، شبلی، نظم طباطبائی، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور حفیظ جالندھری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

نعت گوئی کی ایک روایت صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ ان میں مولانا احمد رضا خاں، حسن رضا خاں، مفتی غلام سرور لاہوری، مفتی محمد دیدار علی شاہ اور بیدم وارثی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ نعت گو شاعروں کا ایک گروہ نعت کے رنگِ قدیم کو اپنائے رہا۔ ان میں شائق حیدر آبادی، مظفر خیر آبادی، جلیل مانکپوری، اکبر میرٹھی، بیان یزدانی اور ممتاز گنگوہی وغیرہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ انہوں نے نعت میں ملّی و قومی

مقاصد کے بجائے حبِ رسولؐ کی کیفیات و مشاہدات کو موضوع بنایا۔ اس دور میں میلاد نامے بھی بکثرت تصنیف ہوئے اور انھوں نے بھی ایک خاص طرز کی نعت کی ترویج و مقبولیت میں حصہ لیا۔ آئندہ صفحات میں ہم عصرِ جدید کے مذکورہ میلانات کے حامل شاعروں کے کلام کا جائزہ لیں گے۔

مولانا الطاف حسین حالی (م ۱۳۳۲ھ) عصرِ جدید کے پہلے اہم نعت گو شاعر ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام مقدار میں کم مگر معیار کے اعتبار سے بلند پایہ ہے۔ حالی کی نعت گوئی کا آغاز قدسی کی مشہور فارسی نعت کی تضمین سے ہوتا ہے۔ یہ تضمین انھوں نے مخمس کی صورت میں اس وقت کی جبکہ ان کی عمر سولہ سال تھی اور وہ خستہ تخلص کرتے تھے۔ "حدیثِ قدسی" میں یہ "تضمین" حافظ الطاف حسین صاحب خستہ رئیس پانی پت" کے نام سے ہی چھپی ہے[۱۴]۔ یہ جنگِ آزادی سے قریباً ایک سال پہلے (۱۸۵۶ء) کی بات ہے۔ اس کے قریباً دس سال بعد (۱۸۶۴ء) میں حالی نے ۲۲ اشعار پر مشتمل وہ مشہور نعتیہ قصیدہ کہا[۱۵] جس کا مطلع ہے:

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لئے
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

(یہ قصیدہ غالب، مومن اور ذوق کی مشترکہ زمین میں کہا گیا ہے۔ محسن کاکوروی نے بھی اسی زمین میں ایک نعت لکھی ہے)۔ حالی کے نعتیہ مخمس اور تضمین پر ان کے ابتدائی زمانۂ شاعری کے اثرات واضح ہیں۔ وہ سادگی اور خلوص نہیں جو بعد کے کلام میں ہے۔ مخمس کا پہلا بند ملاحظہ ہو۔

مرحبا زیب دہ مسندِ عالی نسبی
مرحبا صاحبِ اورنگِ شفاعت طلبی
مرحبا سرورِ دیں ہاشمی و مطلبی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربیؐ
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اسی طرح حالی کے نعتیہ قصیدے کی فضا کا رنگ بھی "والہانہ" کی بجائے عالمانہ ہے۔ اس قصیدے میں حضورِ اکرمؐ کے شمائل، خلقِ عظیم اور دوسرے اوصاف و متعلقات کا ذکر ہے۔ چند متفرق شعر درج ذیل ہیں:

گھر اس کا موردِ قرآن و مہبطِ جبریلؑ
در اس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لئے
..... سپہر گرم طواف اس کی بارگاہ کی گرد
زمیں کرسی بجود اس کے آستاں کے لئے

. . . . کہیں مقدمۃ الجیش انبیاء و رسل

کہیں وہ خاتمۃ الباب داستاں کے لئے

. . . . نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت

حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لئے

حریفِ نعتِ پیمبر نہیں سخن حالی

کہاں سے لایئے اعجاز اس بیاں کے لئے

نبی کا نام ہو وردِ زباں رہے جب تک

سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

حالی نے نعت میں ایک قصیدہ چھوٹی بحر میں لکھا جو ۶۰ اشعار پر مشتمل ہے اس کا مطلع ہے:

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور

مجھ سے اٹھیں گے ان کے ناز ضرور

مولانا حالی اس قصیدے کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

"اس قصیدے کی تمہید ۱۲۸۷ھ یا ۱۲۸۸ھ (مطابق ۱۸۷۰-۷۱ء) کے ہذیانات میں سے ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ دلّی میں نامور شعراء کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مومن ذوق آزردہ، غالب اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں۔ اور میدان بالکل خالی ہے۔ انہی دنوں میں بینارام کے بازار میں ایک مشاعرہ قرار پایا۔ مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوے سے لکھی گئیں۔ جن لوگوں کی جا و بے جا تحسین و آفریں سے دماغ میں خلل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرے میں نہ آئے —— بیسوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کھسیانی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعر ان لوگوں کی بے التفاتی سے جن کو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدرداں سمجھتا ہے۔ اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدے کی فخریہ تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر یہ لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو آپ ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں کیوں کہ اس زمانے کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آجکل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعتہً اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا۔ لہٰذا قصیدے کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا تاکہ فخر کے لئے ایک وجہ پیدا ہو جائے۔" [۱۱۶]

یہ قصیدہ حالی کے پہلے اور بعد کے نعتیہ کلام کی درمیانی کیفیات اور روش کلام کا آئینہ دار ہے۔ اس میں قصیدے کا شکوہ ہے مگر بحر کے اختصار اور ردیف کی عدم موجودگی کے سبب اس میں انکسار کا رنگ نمایاں ہے۔ موضوعات کی پیش کش میں بھی حقیقت بیانی، سادگی اور خلوص کے وہ عناصر موجود ہیں جو بعد میں حالی کے نعتیہ کلام کی انفرادی خصوصیات و اوصاف قرار پائے۔ اس قصیدے کے یہ شعر دیکھیے:

وہ شہنشاہ اُمتی جس کا
یاں گنہگار واں مغفور
وہ خداوند خادمی جس کا
یاں بکسار اور واں ماجُور
مژدہ اے امتِ ضعیف کہ یاں
سعی ہوتی ہے بے کئے مشکور
پے شیریں کلام سے اس کے
دوست بھی شاد غیر بھی مسرور

قصیدے کے آخر میں دعا و التجا کا انداز دیکھیے جو خلوص اور دردمندی کا مظہر ہے:

جب ترے آستاں میں جا پہنچا
پھر رہا باب خلد کتنی دور
دوری آستانہ والا سے
ہے بہت تنگ حالیٔ مہجور
جا لگے تیرے در پہ کشتی عمر
جب کرے بحر زندگی سے عبور
جیتے جی دل میں یاد ہو تیری
مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور[۴۱]

حالی کے مذکورہ بالا نعتیہ اشعار غیر ضروری صنائیوں اور مبالغے سے پاک ہیں اور اس عہد میں وہ غیر ضروری معنی آفرینی رعایتِ لفظی اور تصنع کا شائبہ نہیں جن کا اس دور کی شعری خصوصیات میں شمار ہوتا تھا مگر حالی کی نعت گوئی کا کمال ان کی یہ سادگی اور حقیقت بیانی ہیں۔ اردو نعت میں ان کی انفرادی حیثیت کا تعین اس نعتیہ کلام سے ہوتا ہے جو انھوں نے بعد میں لکھا اور جس میں مسدس مد و جزرِ اسلام اور ایک مناجات خصوصی ذکر کے

لائق ہیں۔

مسدسِ حالی (سنِ تصنیف ۱۸۷۹ء/ ۱۲۹۶ھ) اردو کی پہلی طویل نظم ہے جو اپنا ایک مخصوص قومی و ملی پس منظر رکھتی ہے۔ حالی نے یہ نظم سرسید کی تحریک پر لکھی۔ اس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کا سادگی اور دردمندی سے نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے زوال پذیر مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلا کر ان معاشرتی و سماجی اور مذہبی و دینی نقائص و بدعات کی نشاندہی کی جائے جو ان کے زوال کا اصل سبب ہیں اور اس طرح انہیں ان کے قومی و ملی فرائض یاد دلا کر ازسرِ نو ایک واضح اور تعمیری مستقبل کی طرف گامزن کیا جائے۔ یہ طویل اور موثر نظم جو اردو شاعری میں قومی و ملی جذبات کی پہلی موثر اور اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جس کے پس منظر میں سرسید کی اصلاحی تحریک اور اس کے مقاصد جھلک رہے تھے۔

مسدسِ حالی میں جہاں مسلمانوں کی مذہبی، تہذیبی اور علمی زندگی کا انحطاط دکھایا گیا ہے وہاں ظہورِ اسلام سے قبل کی معاشرت، آغازِ اسلام اور آنحضرتؐ کے اعلانِ نبوت، اصلاحِ معاشرت کے سلسلے میں آپؐ کی مساعیِ جمیلہ اور اسی حوالے سے آپؐ کی صفات و محاسن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مسدس کا یہ حصہ اردو نعت کے عصرِ جدید کا آغاز ہے۔ یہ چند نعتیہ بند نہ صرف یہ کہ سادہ بیانی کا شاہکار ہیں بلکہ اس دور کے عمومی اندازِ نعت سے قطعی مختلف ہیں۔ حالی نے مسدس کے دیباچہ میں اس نظم کی انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"ہمارے ملک کے اہلِ مذاق ظاہراً اس روکھی پھیکی سیدھی سادی نظم کو پسند نہ کریں گے کیونکہ اس میں تاریخی واقعات ہیں۔ چند آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ ہے یا جو آج قوم کی حالت ہے اس کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ نہ کہیں نازک خیالی ہے نہ رنگین بیانی نہ تکلف کی چاشنی، غرض کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے اہلِ وطن کے کان مانوس اور مذاق آشنا ہوں۔"[۱۱]

بعینہٖ حالی کی نعت کا یہ آہنگ بھی اس دور کی نعت گوئی میں بالکل منفرد اور اچھوتی حیثیت رکھتا ہے وہ جدید نعت کے بڑے شاعر اور پیشوا اس لئے شمار ہوتے ہیں کہ انہوں نے اردو نعت کو قومی و ملی موضوعات سے ہم آہنگ کیا اور ان کی پیشکش میں سادگی اور حقیقت بیانی کا طرز اپنایا۔

مسدسِ حالی میں ملنے والے نمونۂ نعت کے دو حصے ہیں۔

پہلا حصہ تو ان مضامین اور موضوعات پر مشتمل ہے جو براہِ راست حضور اکرمؐ کی مدح تو نہیں مگر جس کا نعت کے ذیلی موضوعات سے ہر دور میں کوئی نہ کوئی ربط رہا ہے اور جس کا ذکر مسدس کے دیباچہ میں حالی نے یوں کیا ہے کہ:

"عرب کی اس ابتر حالت کا خاکہ کھینچا ہے جو ظہورِ اسلام سے پہلے تھی اور جس کا نام اسلام کی زبان میں جاہلیت رکھ گیا ہے۔ پھر کوکبِ اسلام کا طلوع ہونا اور نبیِ اُمّی کی تعلیم سے اس ریگستان کا دفعتاً سرسبز و شاداب ہو جانا اور اس ابرِ رحمت کا امت کی کھیتی کو رحلت کے وقت ہرا بھرا چھوڑ جانا۔۔۔۔" ۹۵

اور دوسرا حصہ حضور اکرمؐ کی براہِ راست نعت سے عبارت ہے۔ اس میں نعت کے وہ چند بند ملتے ہیں جو مطالعۂ نعت سے شغف رکھنے والوں کے علاوہ زبان زدِ عام ہیں۔ ان میں یہ معروف بند دیکھیے:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

آگے چل کر حالی نعتِ رسولِ اکرمؐ میں گویا ہوتے ہیں کہ:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا
خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا ۹۶

حالی نے ان نعتیہ اشعار میں مقصدی نعت گوئی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ کے معجزات کی بجائے آپؐ کے بشری اوصاف و خصائل کو اجاگر کیا ہے۔ ان اشعار سے ذرا پہلے حضور اکرمؐ کی ولادت مبارک کے ذیل میں بھی انہوں نے بلیغ استعاراتی انداز میں چند شعر کہے ہیں جن میں واقعیت اور شعریت کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ آپؐ کی سیرت مبارک کے ضمن میں یہ (ولادتِ مبارکؐ) وہ مرحلہ ہے جہاں بڑے بڑے شاعروں سے رنگین بیانی میں بعض غیر معتبر روایات بھی قلم بند ہو گئی ہیں مگر حالی نے یہاں بھی حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے اور میلاد نگاروں کے اسلوب کی بجائے واقعیت نگاری کا علمی مگر شعری انداز اختیار کیا ہے:

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحا

کا معروف شعر اس انداز کی خوبصورت مثال ہے۔

غیر ثقہ روایات و معجزات کی بجائے آپؐ کے بشری پہلوؤں کا سیدھا سادا بیان حالی کے نعتیہ کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس سادگی میں حالی کے اخلاص اور دردمندی کا جوہر چمک رہا ہے۔ انہوں نے آپؐ کی سیرتِ مبارکہ کے بیان میں بشری صفات کے جن منور گوشوں کو پیش کیا ہے اردو نعت میں اس کا اظہار ان جزئیات و تفصیلات کے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ حالی سے پہلے کی نعت میں حضور اکرمؐ کے بیغمبرانہ جلال و معجزات کے تذکار تو عام ہیں مگر انسانی زندگی کی ایسی بنیادی قدروں کا اظہار اس سادگی اور دردمندی سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔

حالی نے مسدس کے موجودہ ایڈیشن میں جو ترمیم و اضافہ کے بعد پہلی بار (۱۸۸۶ء/۱۲۰۳ھ) میں شائع ہوا تھا (بیان کی سادگی کے ساتھ) اسی اخلاص و دردمندی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"نظم نہ پہلے پسند کے قابل تھی نہ اب ہے مگر الحمد للہ کہ درد اور پیچ پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ امید ہے کہ درد پھیلے گا اور پیچ چمکے گا۔"[۲۱]

یہ ایک حقیقت ہے کہ حالی کے اخلاص، کیف اور دردمندی کے عناصر سب سے زیادہ حالی کے نعتیہ اشعار ہی میں چمکے اور اسی حوالے سے یوں پھیلے ــــــــ کہ قریباً ایک صدی سے یہ اشعار میلاد کی مجلسوں اور نعت خوانی کے اجتماعات میں ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ ممتاز حسن نے حالی کے اس حصہ نعت کو اردو نعت کا سب سے ممتاز اور منفرد نمونہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"میری رائے میں اردو میں کوئی نعت حالی کے مسدس کی برابر موجود نہیں (وہ

نبیوں میں رحمت لقب پانے والا) ان چند شعروں میں کوئی تکلف، کوئی مبالغہ، کوئی طباعی، کوئی صنعت گری نہیں مگر جو تاثر ان میں موجود ہے اس کی نظیر اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ حضور رسالت پناہ کا اپنا ارشاد ہے کہ :

اُلخلق کلّھم عیال اللّٰہ و اُحبّھم الی اللّٰہ من انفعھم الی الخلق ۰

یعنی "ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو سب سے عزیز وہ انسان ہے جو خلقِ خدا کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے"۔

حالی کے یہ شعر اس حدیث اور صاحبِ حدیث کی تفسیر ہیں۔ وہ اس قدر پُر اثر ہیں کہ انسان کی ساری زندگی کا رُخ بدل سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو خلوص اور سادگی حالی کے ان اشعار میں جھلکتی ہے وہ خود حالی کی روحانی پاکیزگی کی آئینہ دار ہے۔ حالی کی زندگی سراپا خلوص ہے اور جب تک کسی انسان کی زندگی سراپا خلوص نہ ہو حضورِ رسالت مآب سے کسی قسم کے قلبی تعلق کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ان اشعار کو نعت کی حیثیت میں دیکھا جائے تو ان کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئے گی کہ ہر شعر میں رسالت کا پرتو ہے۔ سرکارِ دو عالم کو گیسوؤں والا اور کسی ایسے ہی پیارے نام سے خطاب کر کے جذباتِ عقیدت کی تسکین کی کوشش کرنا اور بات ہے اور حضورؐ کی بشر دوستی اور انسان نوازی کی طرف توجہ دلا کر دنیا کو مقصدِ نبوت سے آگاہ کرنا اور بات ہے۔ یہی حالی کی عظمت ہے۔ ان میں عشقِ ذات اور شعورِ صفات دونوں بیک وقت موجود ہیں"۔ [۲۲]

حالی کی وہ معروف مناجات جس نے اردو نعت میں قومی و ملّی مسائل کے تذکار کو رواج دیا اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے

امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے [۲۳]

ملکی آشوب اور ملی مصائب پر درد بھرے استغاثے میں نبی اکرمؐ کے حضور عرضداشت و گزارش، التجا و زاری اور استغاثہ و استمداد کا انداز فارسی نعت میں شیخ سعدیؒ اور مولانا جامیؒ کے ہاں ملتا ہے مگر اردو میں اس کا موثر [۲۴] اور بھرپور اظہار حالی کی اسی طویل نظم سے ہوتا ہے۔ حالی سے پہلے کی نعت میں انفرادی مسائل و مصائب کا اظہار تو عام ہے مگر کسی اجتماعی مصیبت یا آشوب کی جھلک کم ہی نظر آتی ہے۔ جذبات و تاثیر میں ڈوبی ہوئی یہ

مناجات حالی کے خلوصِ جذبات اور ملتِ اسلامیہ کے بارے میں اُن کی دلسوزی و دردمندی کا مرقع ہے۔ اس کے چند شعر دیکھئے:

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
..... جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
.... جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے
جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت
اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

اس کے آخر میں کہتے ہیں:

ہاں حالیِ گستاخ نہ بڑھ حدِ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے
ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب؟
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگِ خطا ہے

دربارِ رسالتؐ میں حالی کی یہ مناجات جس کا عنوان "عرضِ حال" ہے ایک طویل نعتیہ قصیدے کے آہنگ سے مملو ہے۔ اس میں امتِ مسلمہ کی مذہبی، معاشرتی، علمی اور اقتصادی بدحالی کا شکوہ کیا گیا ہے۔ حالی کے لب و لہجہ میں تیزی اور بلند آہنگی ہے۔ بحر کی صوتی کیفیت نے حالی کے لب و لہجہ اور رنگ کو نمایاں اور موثر کر دیا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ نظم اردو نعت میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعد میں آنے والے شعرا خصوصاً علامہ اقبال اور ظفر علی خان کے نعتیہ کلام میں قومی مسائل و مصائب کا جو دلسوز بیان ملتا ہے اس کا آغاز حالی کی اسی نظم سے ہوا۔ اس اعتبار سے اردو نعت میں حالی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے نعتیہ شاعری کی نئی روایات قائم کیں۔ ان کی حقیقت پسندی اخلاص و دردمندی اور قومی مسائل کے دلسوز طرزِ اظہار نے فکری و فنی طور پر اردو نعت کے دامن کو وسیع کیا۔

بحیثیت مجموعی حالی کی نعت (خصوصاً مسدس حالی کے نعتیہ حصے اور مذکورہ بالا نظم) مقصدی اور اصلاحی نعت گوئی کا عمدہ نمونہ ہے۔ حالی نے اپنے نعتیہ کلام میں نہ صرف یہ کہ امتِ مسلمہ کے زوال کا تذکرہ

کیا بلکہ بین السطور ان عوارض کی نشاندہی بھی کی جو اس زوال کا سبب بنے۔ یوں انہوں نے نعت کے حوالے سے توحید کا اسلامی تصور اور مقامِ رسالت کے شرعی آداب و حدود کے ساتھ دین سے رجوع، اتفاق، وحدت کی تلقین اور معاشرتی، اقتصادی، دینی اور مذہبی معاملات میں اتباعِ رسول مقبول کا درس دیا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) کے نعتیہ کلام پر ان کی سیرت نگاری کے اثرات غالب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے نعت کا جو اسلوب اختیار کیا وہ رنگِ تغزل کی بجائے سادگی اور حقیقت بیانی سے عبارت ہے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں سے بعض واقعات کو سیدھے سادے انداز میں منظوم کر دیا ہے اور یہی چند نظمیں ان کے نعتیہ کلام کا ماخذ ہیں۔ ان نظموں میں ہجرتِ نبویؐ، تعمیر مسجدِ نبویؐ، ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ کا حلم و عفو، اہلِ بیتِ رسولؐ کی زندگی، ایثار کی اعلیٰ ترین مثال اور مساواتِ اسلام وغیرہ عنوانات کی نظمیں شامل ہیں۔

ان نظموں میں حضور اکرمؐ کی زندگی کے ان پہلوؤں کا تعلق ہے جو آپؐ کی بشریت اور مکارمِ اخلاق سے متعلق ہیں۔ مولانا شبلی کے اندازِ نعت پر بھی حالی کی مسدس کا اثر نمایاں ہے۔ پیرویٔ مغربی کی جو لہر جدید شاعری کا پیش خیمہ بنی اور اس نے اردو شاعری کو سادگی، حقیقت نگاری اور اصلیت وغیرہ کی جن خصوصیات سے روشناس کیا ان کی جھلک شبلی کی مذکورہ بالا نظموں میں نظر آتی ہے۔ مولانا نے حضور اکرمؐ کے معجزات قلم بند کرنے کے بجائے سیرتِ طیبہ کے اُن واقعات کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا جن میں آپؐ کے حلم و عفو ایثار اور دوسرے اخلاقِ حسنہ کی جھلک ملتی ہے۔ خلقِ نبویؐ کے بیان میں شبلی نے تمثیل اور واقعہ نگاری کا انداز اختیار کیا ہے۔ وہ صرف آپؐ کے اوصاف کی نشاندہی لفظوں سے نہیں کرتے بلکہ واقعات کی شکل میں آپؐ کے اوصاف و صفات کے عملی مظاہر سے رقم کرتے ہیں۔ شبلی کا یہ اندازِ نعت نہ صرف تمثیلی انداز و صفات کا حامل ہے بلکہ حسنِ تاثیر میں بھی مؤثر ہے۔ قارئین تک کے ترسیلِ واقعہ کے ضمن میں یہ انداز بہت بلیغ اور کارگر ہے۔

ہجرتِ نبویؐ میں حضورِ اکرمؐ کے مدینہ منورہ پہنچنے کا منظر ملاحظہ ہو:

...... ہاں مدینے میں جو داخل کہ رسولؐ آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آکر اشعار
نغمہ ہائے طلع البدر سے گونج اُٹھے گھر
...... دفعتاً کوکبۂ شاہِ رسلؐ آ پہنچا
غل ہوا صلِّ علیٰ خیرِ انامِ و بشر

جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکس فگن

دفعتاً تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ نظر

طُور پر حضرتِ موسیٰ کی صدا آتی ہے

آج ایک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر

سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے

مہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرور

سینے کہتے تھے کہ خلوت گہِ دل حاضر ہے

آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر

ہاں مبارک ترے اے خاکِ حریمِ نبوی

آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر [۲۵]

شبلی کے اندازِ نعت میں اخلاص کی تاثیر لو دیتی ہے۔ واقعاتِ سیرتِ رسول منظوم کرتے ہوئے وہ ایک مورخ اور سیرت نگار ہی نہیں، حبِّ رسولؐ سے بھرا ہوا دل رکھنے والے شاعر بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے مذہبی و ملی کلام کے پس منظر میں بھی دردمندی اور اخلاص ایک تحریک کے طور پر کام کرتا ہے۔ وہ حضورِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کے واقعات اس دلنشیں پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ نہ صرف حضورؐ سے محبت تازہ ہوتی ہے بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ جنگِ اُحد میں آپؐ کی شہادت کی غلط خبر اور ایک انصاری خاتون کے ایثار اور حبِّ رسولؐ کا واقعہ قلم بند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بڑھ کے اس نے رُخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا

تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا

اے شہِ دیںؐ! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

شبلی کی ان نظموں کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تعلیم و تبلیغ ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا اندازِ نعت مقصدی اور اصلاحی ہے۔ انہوں نے سیرت کے بعض منور گوشوں پر نظمیں لکھ کر نعت میں سیرت نگاری کی روایت کو مضبوط بنایا۔ ان کے بعد اقبال اور ظفر علی خاں کے ہاں اجزائے سیرتؐ کے تذکار کی یہی روایت بڑھتی اور پھیلتی نظر آتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) جو بریلوی مکتبِ فکر کے بانی ـــــ اور برصغیر کے

معروف عالمِ دین ہیں، محسن کاکوروی کے بعد اردو کے دوسرے بڑے نعت گو ہیں جنہوں نے اپنے شغفِ نعت
اور اجتہادی صلاحیت سے اردو نعت کی ترویج و ارتقا میں تاریخ ساز کام کیا۔ اردو نعت کی تاریخ میں اگر
کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کیے ہوں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات
ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود نعت میں وقیع شاعری کی بلکہ اپنے ہم مسلک شاعروں، خلفا اور تلامذہ میں
نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اردو نعت میں بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں شاعروں
کے ذوقِ نعت کو جِلا مولانا ہی کی نعت گوئی سے ملی۔

"حدائقِ بخشش" مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے سب سے پہلا
تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے وہ مولانا کے تبحرِ علمی کا ہے۔ مولانا اردو نعت کی تاریخ میں واحد شخصیت
ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو پوری طرح اپنے فنِ نعت میں برتا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں
قرآن و حدیث سے لے کر منطق و ریاضی، ہیئت و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات وغیرہ علوم و فنون کی مختلف
اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے برتا۔

یہ ان کا کمالِ فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی و فنی اصطلاحات و حوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے
نظر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے وسیع مطالعہ کو تخلیقی انداز میں اپنی نعت گوئی کا جزو بنایا ہے اور ان کی نعت میں
ان کی تبحرِ علمی حارج ہونے کی بجائے ترسیلِ فکر میں ممد ثابت ہوتی ہے۔ نعتیہ مضامین کے اظہار میں انہوں نے
مختلف علوم و فنون کو سمو کر جہاں اپنی نعت گوئی کو وقیع بنایا ہے وہاں اردو نعت کے علمی و فکری دائرے کو بھی
وسیع کیا ہے۔

تبحرِ علمی کے شانہ بشانہ مولانا کے نعتیہ کلام میں ملنے والی دوسری خصوصیات ان کا زورِ بیان ہے۔ عام طور پر
دیکھا گیا ہے کہ شاعری میں اصطلاحات اور علمی حوالوں کا کثرتِ استعمال اظہار میں رکاوٹ پیدا کر کے فن پارے کے
فطری بہاؤ کو مدھم کر دیتا ہے۔ مگر مولانا کی نعت گوئی میں اظہار کسی ایسی دقت یا مشکل سے دوچار نظر نہیں آتا۔
مولانا کی نعتِ رسولِ اکرمؐ سے وابستگی و عقیدت اور صاحبِ موضوع سے شیفتگی و محبت کی شدت کی جولانی ان کے
کلام میں شروع سے آخر تک یکساں اور موثر انداز میں جاری و ساری نظر آتی ہے۔ تبحرِ علمی، زورِ بیان اور وابستگی و
عقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں
اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

ذیل میں ان کی نعتوں سے چند متفرق شعر[۲۹] پیش کیے جاتے ہیں جن سے مولانا احمد رضا خاں کی غیر معمولی
ذہانت اور تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان اشعار میں انہوں نے جن اصطلاحات و حوالہ جات کو برتا ہے ان علوم و فنون

اور حوالہ جات کی نشاندہی کر دی گئی ہے:

ایسا اُمّی کس لیے منت کشِ استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اقرأ ربک الاکرم نہیں؟

______: قرآن، سورۂ علق

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

______: قرآن، سورۃ القدر

من زار تربتی وجبت لہٗ شفاعتی
اُن پر درود جن سے نوید اس بشر کی ہے

______: الحدیث

مولانا نے بعض جگہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے حوالوں کو ایک ہی شعر اور کہیں کہیں ایک ہی مصرعہ میں یکجا کر دیا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھیے:

ان پہ کتاب اتری بیاناً لکل شیٍٔ
تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے

______: قرآن۔ حدیث

معنیٔ قد رأیٰ مقصدِ ما طغیٰ!
نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

______: قرآن۔ حدیث

مولانا کے کلام میں اس قبیل کی بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں نظر آتی ہیں۔ بعض نعتوں میں تو ایسے حوالے تسلسل سے نظر آتے ہیں جو ان کی قرآن و حدیث پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ ان کی شعری استعداد اور مہارت کا ثبوت ہیں۔ مولانا کے اندازِ بیان اور ذوقِ نعت گوئی کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی نعت کی تزئین کیلئے قرآن و احادیث کے حوالے محض عقیدتاً ہی نہیں دیے بلکہ ان کے استعمال میں ایک تخلیقی شعور کارفرما ہے۔ قرآن و احادیث کا مطالعہ کرنے اور شعری باریکیوں کو سمجھنے والے جس طرح ان مقالات سے حظ اٹھا سکتے ہیں ایک عام قاری نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور اکرم سے محبت کے سبب ایسے اشعار سے ان کے دلوں میں بھی اہتزاز کی کیفیات پیدا ہو جائیں۔

قرآن و احادیث کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کے حوالے اور اصطلاحیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

سعدین کا قرآن ہے پہلوئے ماہ میں
جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے
_________ علمِ نجوم

سراغِ این و متیٰ کہاں ہے نشانِ کیف و الیٰ کہاں ہے
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے
_________ ما بعد الطبیعیات

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
_________ ہندسہ

ذرے مزارِ قدس تک تیرے توسط سے گئے
حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا
_________ علمِ منطق

وہ گراں سنگیٔ قدرِ مس وہ ارزانیٔ جود
نوعیہ بدلے گئے سنگ و لآلی ہاتھ میں
_________ فلسفۂ نظری

ان مثالوں کے علاوہ مولانا کے کلام میں سینکڑوں ایسے مقامات ہیں جہاں مباحثِ دینی اور مصطلحاتِ علمی کے حوالے، فلسفہ و ہیئت، منطق و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات اور معانی و نحو کی اصطلاحیں نظر آتی ہیں۔ نعت کے ذیل میں مصطلحات کا یہ استعمال مولانا کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے عمیق مطالعے اور وسیع مشاہدے سے اخذ کردہ صلاحیت اور صفت کو حضور اکرمؐ کی نعت کے بیان میں استعمال کر دیا ہے۔ اگر ان کی نعت کا اس حوالے سے جائزہ لیا جائے تو ان کی محبتِ رسولؐ اور شغفِ نعت کا ایک اور احسن پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اور ان کی نعت ان کے تمام علمی، فقہی، مذہبی اور فنی تجربات و مشاہدات کا نچوڑ اور ان کے مطالعۂ ظاہری اور مشاہدۂ باطنی کا ماحصل نظر آتی ہے۔

دوسری خصوصیتِ نعت جس کا پہلے حوالہ دیا جا چکا ہے مولانا احمد رضا خاں کا زورِ بیان ہے۔ مولانا کی نعتوں (خصوصاً سلام مشتمل بر سراپائے اطہر در تہنیت شادیٔ اسریٰ اور درِ ذُرِدیہ) میں قصیدوں کا سا شکوہ مگر

مثنوی کی سی روانی ہے۔ علمی وجاہت کے ساتھ ربط و تسلسل کا التزام ان طویل نعتوں کی خوبی ہے۔

قصیدہ سلامیہ اردو زبان کا سب سے مقبول قصیدہ ہے۔ یہ ۱۶۷۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے چند مشہور شعر درج ذیل ہیں:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جن کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پہ درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

ریشِ خوش معتدل، مرہمِ ریشِ دل
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام [۲۸]

اس سلام میں سراپائے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحسین و درود کے ساتھ ایک منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ نہ صرف مولانا کے نعتیہ کلام بلکہ اردو نعت میں اس سلام کو بہت شہرت نصیب ہوئی۔ نعت و میلاد کی مجلسوں کے علاوہ بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والی مساجد میں خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد اس سلام کو اجتماعی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کے پڑھنے کا ایک خاص لحن اور آہنگ ہے جو کیف و تاثیر کا حامل ہے۔ کئی نعت گو شعرا نے اس سلام کی تقلید میں نعتیہ سلام لکھے۔ بعض شاعروں نے قافیہ میں تبدیلی کے ساتھ سلام کہا۔ اس سلام کی تضمین میں خمسے بھی لکھے گئے۔[۲۹]

اس سلام میں سراپائے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کا ایک منفرد انداز ملتا ہے۔ سراپائے اطہر کے ساتھ ساتھ اوصاف و صفاتِ محمدی کا بیان ملتا ہے۔ شاعر نے بنی نوعِ انسان پر آپ کے فیوض و برکات کو بھی سلام کا حصہ بنالیا ہے۔ آخر میں صحابہ کرامؓ کی منقبت کا عنصر بھی شاملِ سلام ہے۔ یوسف سلیم چشتی اس قصیدے کی شہرت و مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

'اسے یقیناً شرفِ قبولیت حاصل ہوگیا کیونکہ ہند و پاک میں شاید ہی کوئی عاشقِ رسولؐ ایسا ہوگا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں'۔[۳۰]

[۳۱] قصیدہ معراجیہ مولانا کا دوسرا مشہور قصیدہ ہے جو تہنیت شادیِ اسریٰ کے عنوان سے موسوم ہے۔ یہ نظم نسبتاً طویل اور مترنم بحر میں ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی، مچی تھیں دھومیں
اِدھر سے انوار ہنستے آتے اُدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے
خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے
براق کے نقشِ سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

یہ قصیدہ ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ شروع سے آخر تک یہی زورِ بیان اور تسلسل ہے۔ معراج کی مناسبت سے قصیدے کی پوری فضا رنگ و نور میں ڈوبی ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے الفاظ کے انتخاب اور تشبیہ و استعارہ میں خوشی کے عنصر کو ملحوظ رکھا ہے۔ بحر کا ترنم اور نشاطیہ آہنگ اس پر مستزاد ہے۔ اس معراجیہ نظم میں اشارہ و کنایہ سے موضوع کی اس خوبصورتی سے ترجمانی کی گئی ہے کہ مولانا کی شعری استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً قربِ الٰہی کی کیفیت۔ اس کیفیت کا عالم محسوسات سے ورا ہونا اور اعراض یعنی این متیٰ، کیف و کم کا اس عالمِ قرب میں گم ہونا

زمان و مکان اور ابتدا و انتہا نیز اطراف و حدود کے تعینات سے ورا معراجِ رسول اکرمؐ کی کیفیت و مشاہدہ کا اظہار مولانا نے جس ایما و کنایہ سے کیا ہے وہ ان کی معجز بیانی کا شاہکار ہے۔

مولانا کا تیسرا مشہور قصیدہ درود یہ[۳۲] ہے۔ یہ قصیدہ مولانا کے مشہور سلامیہ قصیدے کی بحر میں ہے۔ قافیہ و ردیف میں تصرف کے باوصف اس کی مجموعی فضا بھی قصیدہ سلامیہ ہی کی سی ہے۔ یہ قصیدہ ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے۔ چند شعر دیکھیے:

کعبے کے بدر الدجی تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

جان و دل اصفیا تم پہ کروڑوں درود
آب و گل انبیا تم پہ کروڑوں درود

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود

کر کے تمھارے گناہ مانگیں تمھاری پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروڑوں درود

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

ذات ہوئی انتخاب، وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود

تم سے کھلا بابِ جود تم سے ہے سب کا وجود
تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروڑوں درود

خلق تمھاری جمیل، خلق تمھارا جلیل
خلق تمھاری گدا تم پہ کروڑوں درود

اس قصیدے میں اور خوبیوں کے علاوہ ایک خاص صنعت کا التزام کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر مصرع کا آخری حرف حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔ یہ صنعت شاید ہی کسی اور شاعر نے اپنی نظم میں برتی ہو نیز یہ پورا کلام صنعت لزوم مالا یلزم اور اس کا مصرع اول صنعت ذوقافتین میں ہے۔ حروفِ تہجی کی قید کے ساتھ ذوقافتین مصرعے کہنا اردو نعت میں پہلی مثال ہے۔

مولانا کا کمالِ فن یہ ہے کہ اس صنعت گری میں تخلیق کا رنگ جھلکتا ہے اور کہیں آورد یا تصنع کا گمان نہیں ہوتا۔ درود کے ساتھ ساتھ اس نعت میں حضور اکرمؐ کی جامع الصفات ہستی کے مختلف پہلوؤں کی تعریف کا بیان ہے اس میں آپؐ کے فضائل و برکات کا تذکرہ بھی ہے اور آپؐ کی رحمت کا بیان بھی ہے۔

ان نعتوں کے علاوہ مولانا نے متعدد طویل نعتیں لکھیں چونکہ وہ رسماً شعر نہیں کہتے، جذبۂ حب رسول کے ہاتھوں بے اختیار ہو کر کہتے ہیں اس لئے ان کی اکثر نعتیں طویل ہیں۔ ایک ایک نعت پندرہ پندرہ بیس بیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود کہیں زورِ بیان میں کمی یا ترسیلِ و اظہار میں لکنت کا احساس نہیں ہوتا۔

مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی داخلی کیفیات کے بیان اور اظہار شیفتگی کے باوصف فنی شکوہ سے عبارت ہے۔ ناقدینِ نعت نے مولانا کے جذبۂ حب رسولؐ کا ذکر تو اکثر کیا ہے مگر ان کی نعت کے فنی محاسن شعری پختگی اور قادر الکلامی کا تذکرہ بہت کم ہوا ہے۔ حدائقِ بخشش کا جوہر اگرچہ مولانا کی داخلی کیفیات اور محبتِ رسولؐ کا والہانہ پن ہی ہے لیکن اگر فنی محاسن و صفات کے نقطۂ نظر سے مولانا کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے تبحرِ علمی، شعری صلاحیت، تخلیقی استعداد، صنعت گری اور زورِ بیان کے متعدد نمونے ملتے ہیں۔ جن کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے:

۱۔ ان کی اکثر نعتیں طویل اور زورِ بیان کا نمونہ ہیں۔

۲۔ ان کی کئی نعتیں سنگلاخ زمینوں میں ہیں جن سے ان کی مشکل پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ مطلع دیکھئے:

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

۳۔ ان کے ہاں صنائع بدائع کا استعمال بکثرت ملتا ہے مثلاً:

"صنعت عزا لشفتین (یعنی کلام میں ایسے حروف لانا جن کے پڑھنے کے وقت ہونٹ آپس میں نہ ملیں) صنعت تجنیس، صنعتِ اقتباس، صنعتِ تنسیق الصفات (ممدوح کے متعدد صفات ایک یا دونوں مصرعوں میں پیش کرنا) صنعتِ تضاد کے علاوہ متعدد صنعتوں کا استعمال ہوا ہے۔ علمِ بیان و بدائع اور صنائع کی خوبیاں ان کے کلام میں

جا بجا دیکھنے میں آتی ہیں جن میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، ایجاز، تلمیح، مجاز مرسل، لف ونشر، حسنِ تعلیل، مراعاۃ النظیر کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔

شمس بریلوی نے مولانا کی نعت گوئی کے خارجی محاسن کا ذکر کرتے ہوئے ان صنائع بدائع کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے اور "حدائقِ بخشش" کے اشعارِ نعت سے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے[۳۳]

۴۔ مولانا کے ہاں عربی فارسی کے الفاظ اور مصرعے تو عام ہیں مگر ان کی قادر الکلامی کا اندازہ اس کثیر اللسان نعت سے ہوتا ہے جس میں عربی فارسی ہندی اور اردو زبانوں کے جملے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کا مطلع درج ذیل ہے:

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

مختلف زبانوں کے باوجود یہ نعت عوام میں بہت معروف و پسندیدہ ہے اور مجالسِ نعت و میلاد میں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے۔

۵۔ مولانا کے کلام میں محاورے بکثرت ملتے ہیں۔ ان کے قصیدۂ نوریہ کا مطلع ہے:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس ایک قصیدے میں بیسیوں محاورے استعمال ہوئے ہیں مثلاً "باڑا بٹنا"۔ توڑا ہونا۔ توڑ اینٹا کلمہ پڑھنا۔ صدقہ لینا۔ سونا چڑھنا۔ سر اٹھتے پہ رہنا۔ بخت جاگنا۔ ستارہ چمکنا۔ دن دونا ہونا۔ بول بالا ہونا۔ لہرا بجنا۔ کلیجا ٹھنڈا ہونا۔ پھیکا لگنا۔ دیئے لو لگانا۔ ذرا سامنہ نکل آنا۔ چھینٹا پڑنا۔ آنکھیں مانگنا۔ ماتھے ٹیکا ہونا۔ آنکھ اندھا کرنا۔ گرمی کا جھلکانا۔ دل کے کنول کھلنا۔ الٹی قدموں پھرنا۔ اشاروں پہ چلنا۔ بے حکم پر مارنا دو ورقہ لکھنا۔ وغیرہ وغیرہ[۳۴]

۶۔ مولانا کے ہاں شکوہ الفاظ و تراکیب اور صوتی ہم آہنگی کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ شعر دیکھئے:

فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم، غلام کرم
وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لیے
رسالتِ کل، امامتِ کل، سیادتِ کل، امارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل خدا کے یہاں تمہارے لیے

ایک بات جو مولانا کی نعت گوئی کے فنی محاسن کے ضمن میں کہنا ضروری ہے وہ ان کا تخلیقی استعمال ہے مولانا کی نعت جن خارجی خوبیوں سے مزین ہے وہ کہیں بھی مولانا کے اظہارِ جذبات یا تزئینِ فکر میں سدّ راہ نہیں بنتیں۔ ان کی صنعت گری اور پیکر آرائی نعت کے مضامین کو اور موثر انداز میں پیش کرتی ہے۔

مولانا احمد رضا خان کی خصوصیاتِ نعت اور فنی محاسن میں جو جوہر روح کی طرح جاری وساری ہے وہ ان کا جذبہ عشقِ رسولؐ ہے ان کے مسلک سے اختلاف رکھنے والے بھی حضور اکرمؐ سے ان کی محبت و شیفتگی کے معترف ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کی جان اور اصل ان کا یہی سرمایہ عشقِ رسولؐ ہے۔ ان کے لئے نعت گوئی شوقِ قافیہ پیمائی نہیں بلکہ روحانی واردات ہے۔ ان کی نعتوں میں ان کا دل دھڑکتا محسوس ہوتا ہے۔

پروفیسر محمد عبدالسمیع ضیاؔ چشتی مولانا احمد رضا خاں کی نعت کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"حدائقِ بخشش کے معروضی طرزِ اظہار اور حضرت رضا بریلوی کے اندازِ شیفتگی کا انحصار شدتِ جذبۂ دل پر ہے۔ یہ اندازِ سخن نہ صرف فطری ہے بلکہ ابدی صداقتوں اور شعری کیفیتوں کا پیغامبر بھی۔ اس کا تاثر انفرادی اور مقامی نہیں بلکہ شدید اور ہمہ گیر نوعیت کا ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے محرکات وعوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی کیفیات اور باطنی رجحانات پر مشتمل وہ جذبۂ صادق اور خلوص کامل ہے جو ایک شعلہ بداماں دل کے اندر موجود و مصروفِ کار رہتا ہے اس لئے وہ جذبۂ صادق و خلوصِ کامل قاری کے گوشۂ جاں میں اپنی پوری صداقتوں کے ساتھ اتر جاتا ہے۔"[۳۵]

جذب ومستی کے عناصر یوں تو ہر بڑے نعت گو کے کلام میں نظر آتے ہیں لیکن مولانا کی نعت میں عشقِ رسولِ اکرمؐ کی وارفتگی و شیفتگی بہت نمایاں ہے۔ ان کا طبقۂ نعت ان کی محبتِ رسولؐ کا مظہر ہے۔ حضور اکرمؐ اور ان کے متعلقات (روضۂ مبارک، مدینہ منورہ وغیرہ) کا ذکر آتے ہی ان کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ سوز و درد اور جذب واثر میں ڈوبی ہوئی متعدد نعتوں میں سے چند کے مطلعے درج ذیل ہیں۔ ان نعتوں کی پوری فضا محبتِ رسولؐ میں سرشار ہے۔ اخلاق و تاثیر کا یہی جوہر ان کی نعتوں کی شہرت کا سبب ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

سب سے اعلیٰ و اُولیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

صبح طیبہ میں ہوتی بٹتا ہے باڑا نُور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نُور کا

مدینہ منورہ سے محبت عشقِ رسولؐ ہی کی علامت ہے۔ مولانا کو مدینے سے جو محبت و وابستگی ہے وہ ان کی نعتوں سے جھلکتی ہے۔ خاک پائے حضورؐ، خارِ طیبہ، سگانِ کوچۂ حبیب۔ غرضیکہ مدینہ منورہ کا ذرّہ ذرّہ ان کے لیے قبلۂ مراد ہے۔ درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں:

اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

خوف ہے سمع خراشیِ سگِ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالۂ افغاں ہم کو

دل کے ٹکڑے نذرِ حاضر لائے ہیں
اے سگانِ کوچۂ دلدار ہم

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں[۳۹]

مدینہ کا والہانہ تذکرہ مولانا کی نعت کا ایک مستقل موضوع ہے اور ایک جداگانہ باب کا محتاج ہے[۳۷]۔ اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں صرف اس امر کی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ خاکِ مدینہ کی عظمت و توقیر ان کا جزوِ ایمان ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ مدینہ کی فضا اور اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے خوشی اور محبت محسوس کرتے ہیں بلکہ وہ ان پر دل و جان سے فدویت کا اظہار کرتے ہیں۔

عشقِ رسولؐ کی یہی فضا ان کے طویل سلاموں اور نعتوں میں بھی نظر آتی ہے جو بظاہر زورِ بیان، سراپا نگاری اور منظر نگاری کا نمونہ ہیں۔ جذبۂ دل کی بے ساختگی مولانا کے نعتیہ کلام سے پھوٹی پڑتی ہے۔ حسن و دلآویزی سوز و گداز اور اخلاص و شیفتگی کے عناصر نے ان کے نعتیہ اشعار کو کیف اور تاثیر کے اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہے جہاں بہت کم نعت گو پہنچتے ہیں۔

اس وارفتگی و شیفتگی کے باوجود مولانا نے نعت گوئی میں آدابِ شرعیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفورِ عقیدت اور فرطِ محبت میں انہوں نے الوہیت اور نبوت کے فرق کو کہیں گڈمڈ نہیں ہونے دیا۔ انہیں نعت گوئی کے فن کی باریکیوں کا پورا پورا احساس ہے۔ ایک جگہ خود کہتے ہیں:

"حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"

اپنی نعت گوئی میں آداب و احترام نعت کے اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ[۴۰]

مولانا احمد رضا خاں اپنے بھائی حسن رضا اور مولانا کافی کا کلام اسی سبب پسند کرتے تھے کہ انہوں نے

اپنی نعت گوئی میں آدابِ شریعت کا خاص خیال رکھا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کے ملفوظات میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ کسی نے آپ کو نعت سنانا چاہی۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

"سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام میں قصداً نہیں سنتا۔ مولینا کافی اور حسن میاں مرحوم کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔۔۔ باقی اکثر دیکھا گیا کہ قدم ڈگمگا جاتا ہے۔"[۳۹]

مولانا کے سوانح میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جہاں آپ نے آدابِ شریعت کو ملحوظ نہ رکھنے والے شعراء کی نعت گوئی کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اگر کوئی خیال یا لفظ احترامِ رسالت مآبؐ اور شانِ نعت کے منافی دیکھا تو اس کی اصلاح فرمائی۔[۴۰]

نعت کے باب میں اگر مولانا احمد رضا خاں کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ عاشقانِ رسولؐ کے لئے آج بھی ان کا کلام ایک موثر تحریکِ نعت کا درجہ رکھتا ہے۔

مولانا حسن رضا خاں حسن (م ۱۳۲۶ھ) مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ نعت گوئی میں مولانا احمد رضا خاں کے مرتبے کو تو نہ پہنچ سکے مگر انہوں نے بھی اردو نعت میں گراں قدر اضافے کئے۔ "ذوقِ نعت" معروف بہ "سلمٔ آخرت" ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ ان کا رنگِ سخن بھی مولانا احمد رضا خاں سے ملتا جلتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ان کے عقیدہ و مسلک کا اشتراک ہے۔ مولانا احمد رضا نے نعت گوئی میں جس دبستان کی تشکیل کی حسن رضا خاں اس کے پہلے قابلِ ذکر شاگرد ہیں۔ وہ اگرچہ مولانا احمد رضا خاں کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تاہم بریلوی مکتبِ نعت میں ان کی کارکردگی وقیع اور جاندار رہی۔

حسن رضا کی نعت کی نمایاں خصوصیات کم و بیش وہی ہیں جو مولانا احمد رضا خاں کی ہیں۔ انہوں نے اگرچہ داغ کی شاگردی اختیار کر رکھی تھی مگر نعت میں وہ مولانا احمد رضا خاں کے مقلّد و شاگرد تھے۔ بقول مولانا احمد رضا خاں

"ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتا دیئے تھے۔ ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیارِ اعتدال پر صادر ہوتا۔ جہاں شبہ ہوتا مجھ سے دریافت کر لیتے۔"[۴۱]

یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری میں الوہیت و نبوت کے مراتب کا خیال رکھا گیا ہے اور وہ نعت کہتے ہوئے احترامِ رسالت مآبؐ اور حدودِ شریعت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

حسن رضا خاں کے خاندانی پس منظر اور بڑے بھائی مولانا احمد رضا خاں کی محبت و تربیت کے اثرات ان کی نعت گوئی میں نمایاں ہیں۔ ان کی نعتوں میں قرآن و احادیث کے متعدد حوالے ملتے ہیں جو ان کی علمیت کا ثبوت ہیں۔ ان کی کئی نعتیں مولانا احمد رضا خاں کی زمینوں اور ان کے انداز میں لکھی ہوئی ہیں۔ مضمون آفرینی ان کی نعت گوئی کی جان ہے۔ انہوں نے نعت میں رسمی باتیں کہنے سے گریز کیا ہے۔ حضورِ اکرمؐ کی سیرت کا بیان ہو یا اُن کے اوصاف و معجزات کا۔ حسن رضا نہ صرف نئے ڈھنگ اور ندرت سے بیان کرتے ہیں بلکہ ہر مقام اور ہر جگہ پر نئی بات کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ندرت آفرینی اور جدتِ خیالی کی کچھ مثالیں دیکھیے:

قُل کہہ کے اپنی بات بھی لب سے ترے سُنی
اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

الٰہی دُھوپ ہو اُنؐ کی گلی کی
مرے سر کو نہیں ظلِ ہما خوش

نقشِ پا سے جو ہوا ہے سرفراز
دل بدل ڈالیں گے اس پتھر سے ہم

نیظر لدھیانوی نے مولانا حسن رضا خاں کی نعت گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے زبان و بیان کی متعدد خوبیوں کی نشاندہی کی ہے اور ان خوبیوں کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔ ان میں "حسنِ الفاظ، بے ساختگی، تکرارِ الفاظ، صنعت تواتر و تقسیم، رعایاتِ لفظی، محاورات، تشبیہات" وغیرہ خصوصی ذکر کے قابل ہیں۔

حسن رضا کے ان خصوصیات زبان و بیان میں مرزا داغ کے اثرات نظر آتے ہیں۔ حسن الفاظ، بے ساختگی اور محاورات کے استعمال میں داغ کا رنگ کلام خاص طور پر نمایاں ہے۔ مولانا کی نعت میں آکر داغ کا رنگِ غزل متعین اور مؤثر ہو گیا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

گر وقتِ اجل سر تری چوکھٹ پہ جھکا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

جو ترا ہو گیا، خدا کا ہوا
جو خدا کا ہوا، ہوا تیرا

خدا مدح خواں ہے، خدا مدح خواں ہے
مرے مصطفیٰ کا، مرے مصطفیٰ کا

تمہارے در سے جھولی بھر مرادیں لے کے اٹھیں گے
نہ کوئی بادشاہ تم سا، نہ کوئی بے نوا ہم سا

کیوں تمنا مری مایوس ہوا ہے ابرِ کرم!
سوکھے دھانوں کو مددگار ہے چھینٹا تیرا

مولانا حسن رضا خاں کے ہاں سادگی و سلاست کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں مشکل پسندی بھی نظر آتی ہے بخصوصاً ان نعتوں میں جو سنگلاخ زمینوں میں ہیں، مولانا کی مشکل گوئی کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا کا دیوانِ نعت حروفِ تہجی کی ترتیب سے ہے۔ اس اندازِ ترتیب میں چونکہ ا سے ی تک تمام حروف میں نعتیں لکھنے کا التزام کیا جاتا ہے لہٰذا بعض حروف ث، ح، خ، ظ، ض، غ، ق وغیرہ کے ضمن میں اکثر شاعروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مولانا نے ان مقامات پر قافیہ اور ردیف کے انتخاب میں اور زیادہ دقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ مشکل زمینوں میں سے کچھ کے مطلعے درج ذیل ہیں:

جو نور بار ہوا آفتابِ حسنِ ملیح
ہوئے زمین و زماں کامیابِ حسنِ ملیح

خاکِ طیبہ کی اگر دل میں ہو وقعت محفوظ
عیب گری سے رہے چشمِ بصیرت محفوظ

ہوں جو یادِ رخِ پُر نور میں مرغانِ قفس
چمک اٹھے چہرۂ یوسف کی طرح شانِ قفس

مدینہ میں ہے وہ سامانِ بارگاہِ رفیع
عروج و اوج ہیں قربانِ بارگاہِ رفیع

مولانا کا کمال ہے کہ انہوں نے سنگلاخ زمینوں میں بھی نعت کے اچھے شعر نکالے ہیں۔ اسی طرح مولانا نے اساتذہ کی معروف غزلوں میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ سراپا نگاری میں بھی ان کی کئی نعتیں ہیں جن میں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ ظاہری کو خوبصورت تشبیہوں اور استعاروں میں بیان کیا ہے۔ خصوصاً وہ نعت جس کا مطلع ہے:

یہ گردنِ پُر نور کا پھیلا ہے اُجالا
یا صبح نے سر اُن کے گریباں سے نکالا

اسی طرح انہوں نے الفیات کی ردیف میں پچاس اشعار کی نعت کہی ہے جس میں سراپائے نبویؐ کو کمالِ خوبی سے پیش کیا ہے۔ محبتِ رسولؐ کی کیفیات کے بیان میں آپ کی معروف نعتیں یہ ہیں:

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو
سینے پہ تسلی کو ترا ہاتھ دھرا ہو

اس زمین میں انہوں نے تین نعتیں کہی ہیں جو ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقیدت و شیفتگی کی مظہر ہیں۔ داخلی اعتبار سے آپ کی نعت گوئی کا مقام بہت بلند ہے۔ مشکل زمینوں، صنائع بدائع اور دوسرے خارجی محاسنِ نعت کے باوصف ان کی نعتوں میں عشقِ رسولؐ کی مختلف کیفیات و واردات کے تذکرے میں محویت و فدویت کے عناصر ملتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کے حسن و تاثیر کا یہی جوہر ہے کہ جب وہ مدینہ اور احد کے متعلقات کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا پورا وجود اس تجربے میں گُندھا نظر آتا ہے۔

خارِ صحرائے نبیؐ پاؤں سے کیا کام تجھے
آ مری جان مرے دل میں ہے رستہ تیرا

جیسے سینکڑوں اشعار "ذوقِ نعت" میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں جن میں حسن رضا خاں کی یہی جذب و شیفتگی اور سرشاری محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جھلکتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

"مولانا احمد رضا خاں کی طرح حسن رضا خاں کی نعتوں میں جو چیز خاص طور پر متاثر کرتی ہے وہ سادگی و صفائیِ بیان کے ساتھ ساتھ ان کے جذباتِ عشقیہ کی وہ شدت ہے جو آنحضرتؐ سے ان کے والہانہ لگاؤ کا ثبوت ہر قدم پر مہیا کرتی ہے۔"[۱۳]

سید علی حیدر نظم طباطبائی (م ۱۳۵۲ھ) کی شاعری نے لکھنؤ کے ماحول میں آنکھ کھولی مگر اردو شاعری کے جدید دور میں ان کی شاعری پروان چڑھی اور معروف ہوئی۔ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ انہوں نے اپنی شاعری کا لب و لہجہ بدلا اور اپنی فکری و فنی صلاحیتوں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔

نعت میں نظم نے سات قصیدے کہے جو ایک طرح سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی تاریخ و سیرت کے مختلف واقعات کے تذکار پر مشتمل ہیں۔ یہ ساتوں قصیدے ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں نظر آتے ہیں اور وہ سلسلہ ہے اسلامی تاریخ کو منظوم کرنا۔ ان کے قصیدوں کے عنوانات درج ذیل ہیں:

ذکرِ بعثت و فتح مکہ — قصیدۂ معراج

ہجرت و غزوۂ بدر — عہدِ جاہلیہ کا کفر اور پیغمبرؐ مجاہد

قصیدۂ احزاب — قصیدۂ خیبر

قصیدۂ حنین

نظم طباطبائی نے قصیدے کو پیغمبرِ اسلام کے کارناموں کا مرقع بنایا۔ بقول ڈاکٹر محمود الٰہی:

"اردو قصیدہ نگاری کی تاریخ میں یہ پہلے اور آخری شاعر ہیں جنہوں نے صدرِ اسلام کے غزوات کو قصیدے کا موضوع بنایا اور طول طویل قصیدے لکھے۔ وہ احادیث کی روشنی میں واقعات بیان کرتے ہیں۔ مجاہدین کی سرفروشی اور جانبازی کی تصویر کشی کرتے ہیں اور قوم کو دعوتِ عمل دیتے ہیں۔ حدیث و تاریخ پر ان کی اتنی گہری نظر ہے کہ وہ جب کسی غزوے کا حال بیان کرتے ہیں تو اسی ماحول میں پہنچ جاتے ہیں اور جذبات نگاری کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔"[۱۷]

دراصل نظم نے قصیدے سے وہی کام لیا جو بعد میں حفیظ جالندھری نے "شاہنامۂ اسلام" میں مثنوی کی ہیئت سے لیا۔ نظم کے شعری مزاج کی تربیت چونکہ لکھنؤ میں ہوئی تھی لہٰذا انہوں نے ہیئت کے انتخاب میں اسی تکلف کا مظاہرہ کیا اور طویل مضامین جن کا تعلق سیرتِ رسولؐ کے اہم پہلوؤں سے تھا کے بیان کے لئے قصیدے کو چنا۔ حالانکہ مثنوی کی ہیئت اس کے لئے زیادہ بہتر تھی۔ نظم نے اپنے نعتیہ قصیدوں میں سیرتِ رسولِ اکرمؐ کو عموماً اور غزواتِ رسولؐ کو خصوصاً موضوع بنایا ہے۔ سیرت و تاریخ نگاری کا یہ عنصر ہی ان کی نعت گوئی ہے۔

ذکرِ بعثت و فتح مکہ کے کچھ اشعار دیکھئے:

ظہور اس کا جو آخر میں ہوا اس سے یہ ظاہر ہے
کہ ذات اس کی ہے ایجادِ جہاں کی علتِ غائی

یہ اس سیّد کے ختم المرسلیںؐ ہونے سے ثابت ہے
کہ یہ قربت رسولانِ سلف نے بھی نہیں پائی
کسی کا عرش پر نعلین کو پہنے ہوئے جانا
کسی کی جلوہ گاہِ طور میں وہ برہنہ پائی
یہ کس رستے سے تو اے رہنما ہوتے ہوئے آیا
ہزاروں ہی برس عالم کو تو نے راہ دکھلائی [45]

اس قصیدہ میں حضورِ اکرمؐ کی بعثت کی تمہید، شعب ابی طالب میں قیام کے واقعات سے لے کر فتح مکہ تک کے اہم واقعات کا شاعرانہ بیان ہے جس میں واقعیت نگاری اور تاریخی حقائق کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نظم کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"نظم نے قصیدے کو ایک نئی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان میں تاریخی عنصر کا اضافہ کیا۔ ان کے قصیدوں سے علم و فضل کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ وہ اسلامی جنگ جو مسلمانوں میں ایک خاص اہمیت رکھتی تھی ان کے قصیدوں میں جگہ پاتی ہے۔ معرکہ آرائیوں کا ذکر اس وضاحت کے ساتھ ہوتا ہے کہ نہ صرف جنگ کا نقشہ پیش نظر ہوتا ہے بلکہ واقعات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے اور لوگوں کی سیرت کا بھی پورا اندازہ ہوتا ہے۔" [46]

اردو نعت میں غزواتی واقعات کا جو اندازہ نظم سے ملتا ہے وہ اتنی تفصیلات سے اور بہت کم نظر آتا ہے وہ حریفوں کی ریشہ دوانیوں، مسلمانوں کے جوش و خروش اور واقعاتِ جنگ کا نقشہ بڑے مؤثر انداز میں کھینچتے ہیں۔ ذکرِ بعثت و فتح مکہ والے قصیدے میں یہ شعر دیکھئے :

اٹھیں باگیں، بڑھے توسن، کھنچیں تیغیں، چلے نیزے
کٹے جوشن، چھنیں زرہیں، دمِ رزم و صف آرائی
ہوئے روپوش ڈر ڈر کر چھپایا منہ شریروں نے
پڑی تھی رخ پہ مہرِ سرنوشتِ ننگ و رسوائی
بفتح و نصرت و اجلال مکہ میں ہوئے داخل
ہوئی کعبے کو نورِ کبریا سے نور افزائی [47]

نظم میں محسن کاکوروی کے مشہور قصیدۂ رزمیہ کی طرز پر بھی نعتیہ قصیدہ کہا۔ اس کی تشبیب بھی بندی الفاظ و عناصر سے عبارت ہے اور اس کا انداز بھی محسن سے ملتا جلتا ہے۔ اس قصیدے کا عنوان "ذکر جاہلیہ و جہدِ

آنحضرتؐ" ہے۔ اس کی تشبیب کی فضا محسن کے قصیدہ کی طرح ہندوستانی ہے اور اس میں کنول، بھرجل کشن، گوکل، اندر، ارجن، کنھیا اور گنگا جل وغیرہ کا ذکر ہے۔ بعض اشعار اور مضامین میں بھی محسن کی تقلید کا رنگ واضح ہے مگر نظم کے ہاں گریز اور مدح کا حصہ کافی دلکش اور مؤثر ہے۔ تشبیب و گریز سے گزر کر مدح کی طرف یوں لوٹتے ہیں:

کفر ہے نزع کی حالت میں، دمِ آخر ہے
ابرِ تر حلق میں ٹپکا رہا ہے گنگا جل
ان مظالم سے زمانے کو چھڑانے کیلئے
بطنِ مکّہ سے بڑھا نورِ خدا عزّ و جلّ ۴۲

نظم کے نعتیہ قصیدے علمیت و شعریت کا امتزاج ہیں۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کے موضوعات، واقعاتِ سیرت خصوصاً غزوات سے اخذ کئے ہیں۔ اس موضوعِ نعت کے انتخاب کا سبب ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش مسائل و حالات تھے۔ انہوں نے اسلامی قصے دہرا کر مسلمانوں کے اندر سعی و عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تشبیبوں میں اخلاقی و صوفیانہ مضامین قلمبند کر کے زندگی کے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ وصفِ نبیؐ کے بیان میں انہوں نے قرآن و حدیث کی ترجمانی کی ہے اور حقیقت نگاری کو ملحوظ رکھا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی نعت میں غزوات کے واقعات رقم کرنے میں انہوں نے جس طرح تاریخی اور واقعاتی شعور کا خیال رکھا ہے۔ یہ ان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

علامہ محمد اقبال (م ۱۳۵۷ھ) اگرچہ رسمی معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے۔ انہوں نے براہِ راست بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر نعت لکھی مگر متفرق منظومات کے حوالوں سے اتنے نعتیہ شعر ضرور کہے ہیں کہ اردو نعت کی تاریخ میں ان کا ذکر ناگزیر اور اہم ہے۔ نعتیہ کلام میں مقدار کی کمی کے باوجود ان کے ہاں فکری و فنّی ہر دو اعتبار سے اعلیٰ و معیاری نعت گوئی کے نمونے ملتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عظیم شاعرانہ صلاحیتوں سے نعت کے داخلی اور خارجی اسالیب میں ایسی نمایاں تبدیلیاں کی ہیں جن سے ابھی تک اردو نعت ناآشنا تھی۔

اقبال کے ہاں نعت کے عنوان سے کوئی نظم نہیں۔ ان کی ابتدائی شاعری میں ایک روایتی انداز کی نعت ضرور نظر آتی ہے جسے انہوں نے اپنے کسی مجموعۂ کلام میں شامل نہیں کیا۔ اس کا مطلع ہے:

نگاہِ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

بقول ممتاز حسن:

"اس قسم کی نعت گوئی عصرِ ادب ہی سے متجاوز نہیں ہے دین کے دائرے سے بھی باہر ہے۔ اقبال کا مندرجہ بالا شعر بھی روایتی نعت کا نمونہ ہے اور ابتدائی کلام ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیئے جانے کے لائق سمجھا گیا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسے اپنے مرتب کردہ مجموعے میں جگہ نہیں دی۔"

اقبال نے براہِ راست نعت گوئی کے بجائے مختلف نظموں میں آنحضرتؐ کی مدح، ان کی سیرت و پیغام اور عشقِ رسولؐ کے بارے میں نعتیہ اشعار کہے۔ اقبال کے نعتیہ اشعار حقیقت و معرفت، توحید و رسالت، اسلام کے آفاقی پیغام، غافل مسلمانوں کو پیغامِ محمدؐ کا پاس اور احساس دلانے اور محمدؐ سے وفا کرنے ایسے مقصدی موضوعات نعت پر مشتمل ہیں

ع دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

اور فارسی میں (بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست) اقبال کی نعت کا پیغام اور تذکارِ رسولؐ کا مقصد ہے۔ ان کے نزدیک تخلیقِ کائنات کی غرض و غایت ذاتِ مصطفویؐ ہے اور سارا عالم امکان اسی ایک محور کے گرد گھوم رہا ہے۔ انہوں نے اردو نعت گوئی کو فکری و ذہنی طور پر وسعت دی۔ نعت کے موضوع کو قوم و ملک کی سیاسی و تمدنی زندگی سے ہم آہنگ کر کے اسے ایک نیا روپ دیا۔ نعت کے پرانے اسالیب اور معروف شکلوں کو نظر انداز کر کے نظم کی جدید ہیئتوں اور اسالیب کو نعت کے موضوع کا متحمل بنایا۔ نظم میں نعت کہنے کی جو طرح حالی نے ڈالی تھی اسے فروغ دیا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری اقبال کے کلام میں نعتیہ عناصر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"ان کی پوری شاعری کا حقیقی محور سیرتِ محمدی اور اسوۂ رسولؐ ہے۔ حتیٰ کہ ان کے فلسفۂ خودی کا اصل الاصول بھی یہی ہے۔ اسرارِ خودی سے لے کر جاوید نامہ تک ان کا کلام دیکھ جائیے، اس محور سے انحراف مشکل سے کہیں ملے گا۔ ان کا کلام صاف بتاتا ہے کہ ان کے فکر و فن کا نقطۂ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطۂ ارتقا و اتمام بھی رسالت ہے۔ ان کی شاعری رسمی انداز کی نعتیہ شاعری نہیں بلکہ ذات و صفاتِ محمدی کے بیان کے ساتھ ساتھ دینِ مصطفویؐ کے اساسی پہلوؤں کی بھی مظہر بن گئی ہے۔ ان پہلوؤں کی تشریح و توضیح میں اکثر جگہ آنحضرتؐ کے اخلاق و سیرت کا ذکر آیا ہے اور اقبال کی طبعِ عاشقانہ اور مزاجِ شاعرانہ نے ہر جگہ اس ذکر میں ایک خاص قسم کا لطف سمو دیا ہے۔ چنانچہ اس ذکر میں اقبال کے یہاں بہت سے اشعار، بہت سے ٹکڑے اور بہت سے ایسے قطعات مل جاتے ہیں

جو اقبال کو ایک بلند پایہ نعت نگار ثابت کرتے ہیں۔ "[۱]

سنائی کے مزار پہ کہے گئے اشعار، ذوق و شوق، بلالؓ، حضورِ رسالت مآبؐ میں، شفاخانۂ حجاز، صدیقؓ، جنگِ یرموک کا ایک واقعہ، بلالؓ (یہ نظم پہلی نظم سے مختلف ہے) روحِ محمدؐ سے ——— وہ نظمیں ہیں جن میں اقبال کی نعت گوئی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ان نظموں میں کہیں اقبال نے تاریخِ اسلام کے واقعات کو حضورِ اکرمؐ اور ان کے صحابہؓ کے حوالے سے قلمبند کیا ہے۔ کہیں موذنِ رسولؐ کی تعریف کی ہے اور کہیں جناب بلالؓ کا تقابل اسکندر رومی سے کرتے ہوئے قوت و اقتدار اور ہوسِ ملک گیری پر محبتِ رسولؐ کا غلبہ اور فتح دکھائی ہے:

اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے[۵]

کہیں طرابلس کے شہدا کا ذکر ہے اور کہیں صحابہؓ کی آنحضرتؐ سے وابستگی و شیفتگی کو موضوعِ نعت بنایا گیا ہے۔ ان نظموں میں اگرچہ نعت کا براہِ راست انداز نہیں مگر جذبہ سرفروشی، شہادت کی تمنا، ذاتِ رسالتؐ سے صحابہ کی والہانہ عقیدت نعت کی انتہا ہے۔ یعنی شاعر نے براہِ راست حضورِ رسالت مآبؐ سے خطاب کئے بغیر انتہائی سلیقے سے حب و مدحِ رسولؐ کا اظہار کیا ہے۔ بقول ممتاز حسن:

"اس طرح کی بالواسطہ نعت ایک فنی نزاکت اور شاعرانہ بلاغت کی حامل ہے جو براہِ راست مدحِ رسولؐ میں مشکل سے ملتی ہے۔ براہِ راست اور بلاواسطہ نعتیہ خطاب ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ اقبال نے جناب بلالؓ کے واسطے سے بھی رسولؐ کو دیکھا ہے اور خود بھی حضورِ رسالت مآبؐ میں بار یابی کی سعادت حاصل کی ہے۔"[۶]

اقبال کے کلام میں حضورؐ کی شخصیت کائنات کی تخلیق اور نظام کی تاریخ میں ایک پُر معنی اور بلیغ استعارے کے طور پر ابھرتی ہے۔ ان کے نزدیک حضورؐ کی ذاتِ مبارک تخلیقِ کائنات کا سبب اور ظفر علی خاں کے لفظوں میں "سب نابیوں کی ناپیوں اولیٰ ہے"۔ نیز یہ کائنات کی تخلیق اور حضورؐ کی بعثت تک ہی محدود نہیں بلکہ روحِ محمدیؐ دورانِ خون کی طرح جسم نظامِ کائنات میں ہر وقت جاری و ساری ہے۔ یوں عدم و موجود کے مظاہر، غیاب و حضور کی پراسراریت اور کُن فیکون کا یہ سلسلہ حضورؐ ہی کی شخصیتِ متحرک کا معجزہ زندہ ہے۔ ان کے نزدیک محمدؐ ایک لفظ اور ایک نام ہی نہیں، بلکہ ایک اسمِ اعظم اور ایک ایسی حرارت ہے جس کے سبب اس سیہ خانۂ عناصر کو نہ صرف منور کیا جاسکتا ہے بلکہ اسی حرکی قوت سے نظامِ دہر کو تہ و بالا کیا جاسکتا ہے۔

اقبال کا طرزِ اظہار بھی سب سے منفرد اور جداگانہ ہے۔ وہ "جوابِ شکوہ" میں خدا کی زبان سے ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں تو نہ صرف معنویت دوبالا ہوتی ہے بلکہ اسالیب کی کئی نئی پرتیں سامنے آتی ہیں۔ "جوابِ شکوہ" میں آنحضرتؐ ہی کے حوالے سے ملتِ اسلامیہ کی غیرت و حمیت کو جھنجھوڑا گیا ہے۔ حضورؐ کی پیروی کی تلقین کی گئی ہے اور قرآنی تعلیمات کے مطابق حضورؐ ہی کے اسوۂ حسنہ کو تقلید کے ایک معیار، نمونے اور مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ واضح ہو کہ "جوابِ شکوہ" سے پہلے "شکوہ" میں ملتِ اسلامیہ نے جہاں اپنی خدمات گنوائی ہیں اس میں بھی حضورؐ کا حوالہ سب سے بلیغ حوالہ ہے۔ وہاں بھی حضورؐ ہی کی ذاتِ والاصفات کے وسیلے سے اقبال نے اپنے مافی الضمیر کی ترجمانی کی ہے:

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی

عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی
امتِ احمدِ مرسلؐ بھی وہی تُو بھی وہی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربیؐ کو چھوڑا
بُت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا

اور اسی قبیل کے اشعار اقبال کے ہاں اسی بلیغ حوالے کا شعری اظہار ہیں۔ ان شعروں کے معنوی باطن میں جھانکنے سے ایک اور اہم حقیقت کا سراغ ملتا ہے۔ وہ یہ کہ خدا اور انسان کے درمیان صرف آنحضرتؐ ہی کی ذاتِ مبارک ایک زندہ حوالہ اور وسیلہ ہے۔ آنحضرتؐ کی ذاتِ والاصفات بنی نوعِ انسان کے لئے نہ صرف سرمایۂ افتخار ہے بلکہ ان کی محبت ایک ایسی فعال قوت ہے جس کا وجود انسان کو "اسفل" سے "افضل" اور جس کا عدمِ وجود اسے "افضل" سے "اسفل" کر دیتا ہے۔ یہ بند دیکھیے جسے "لولاک لما خلقت الافلاک" کی خوبصورت شعری تفسیر کہا جا سکتا ہے:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے[۲۳]

کلامِ اقبال (اردو) میں یہ پہلا مختصر مگر جامع بند ہے جو اپنی سادگی اور معنویت کے اعتبار سے ایک مکمل نعت کا درجہ رکھتا ہے۔ اقبال نے ان شعروں میں جن دو پُرمعنی حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ان کی نعت گوئی میں اساسی مضامین کا درجہ رکھتی ہیں۔ یعنی حضورؐ کے سبب اس آیہ "کُن فیکون" کا پُرمعنی، زندہ اور متحرک ہونا اور حضورؐ کا خدا کی ذات اور خدا کی توحید کا سب سے بڑا گواہ ہونا۔ رسالتؐ کی طرف سے توحید کی اس شہادت کے ساتھ ساتھ توحید کی طرف سے رسالتؐ کے اتباع کے مضامین کی تکرار بھی ملاحظہ ہو:

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[۲۴]

یعنی پیغامِ محمدؐ کا پاس اور ذاتِ محمدؐ سے وفا، ملتِ اسلامیہ کے شکوے کا دو ٹوک جواب ہے اور اس کے تمام مسائل کا حل ہے۔ "جوابِ شکوہ" کا آخری شعر وہ روشن آیت ہے جسے خدا کی زبان سے اقبال نے کہلوایا ہے اور جو اقبال کی تمام تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اتباعِ رسولؐ کا موضوع وہ مرجعِ مستنیر ہے جہاں اقبال کے نہ صرف نعتیہ بلکہ پورے کلام کی تمام کرنیں سمٹ آئی ہیں۔

منصبِ رسولؐ سے آگہی اور اتباعِ رسولؐ کی تلقین کے ساتھ ساتھ جو بالکل نیا زاویۂ نظر اقبال نے اردو نعت کو بخشا وہ حضورؐ کے فیضان کو ملتِ اسلامیہ کے دائرے سے پھیلا کر وسیع تر انسانیت کے حوالے

سے دیکھنے کا ہے۔ حضورؐ کی ذات سے مسلمانوں کی عقیدت و وابستگی اور ملّتِ اسلامیہ پر آنحضرتؐ کے فیضان و کرم کا اظہار ہر دور میں نعت کا محوری مضمون رہا ہے مگر رحمت للعالمینؐ کی شخصیت پوری انسانیت کے لیے جن فیوض و برکات کا سرچشمہ بنی اس کا پہلا واضح احساس اور اظہار ہمیں اقبال ہی کے ہاں نظر آتا ہے۔ یہاں ہمارا اشارہ ان پچیس اشعار کی طرف ہے جنہیں اقبال نے سنائی کے مزارِ مقدس کی زیارت کے موقع پر کہا۔ بقول اقبال:

> "یہ چند افکارِ پریشاں جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے اسی روزِ سعید کی یادگار میں سپردِ قلم کیے گئے"۔

یہ اشعار اپنے مضامین اور بندش کے اعتبار سے اردو نعت کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت کے حامل ہیں۔

اقبال کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیتے ہوئے دوسروں نے ان اشعار میں سے دو تین نمایاں نعتیہ اشعار کو الگ کر کے ضرور دیکھا ہے مگر نعت کے حوالے سے اس فن پارے کے معنوی کُل کی دریافت ابھی تک نہیں ہو سکی۔ اگر اس پورے سلسلۂ اشعار کو بغور پڑھا جائے تو اس پر ایک نعتیہ قصیدے کا گمان گزرتا ہے۔ قصائد کی تاریخ میں بہت سے قصیدے ایسے مل جاتے ہیں جن میں تشبیب کا حصہ غالب اور مدح کا حصہ بہت مختصر ہوتا ہے۔ یہ سلسلۂ اشعار بھی اسی انداز کا ایک قصیدہ ہے۔

اس نظم کے تین بند ہیں۔ ہر بند میں ایک مرکزی خیال پایا جاتا ہے۔ پہلے بند میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ عشق وہ قوت ہے جس کی بدولت عاشق زمان و مکاں کی قید سے بالاتر ہے۔ دوسرے بند میں اقبال نے مسلمانوں کے اخلاقی و روحانی زوال کا بڑے مؤثر انداز میں ذکر کیا ہے۔ نیز اس تلخ حقیقت کا اظہار ہے کہ دنیا مادیت اور الحاد میں مبتلا ہے لیکن آجکل مسلمانوں کے اندر یہ صلاحیت موجود نہیں کہ وہ اقوامِ عالم کو توحید کا یہ پیغام دے سکیں۔ آخری بند میں ان کے زوال کا سبب بیان کیا ہے یعنی جب انہوں نے اسلام کو ترک کر دیا تو ان پر غلامی کی لعنت مسلط ہو گئی۔ پھر اقبال غلامی سے نجات پانے کا نسخہ تجویز کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ والاصفات سے رجوع کیا جائے۔ یہ مقام نعت کی معراج ہے:

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں!
"کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را"
وہ دانائے سبل، مولائے کُل، ختم الرسلؐ جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ[۵۳]

ان اشعار میں اقبال نے عشق و مستی کی نگاہ سے حضورؐ کو اوّل و آخر اور ظاہر و باطن کے اسمائے مبارک سے یاد کیا ہے یعنی عاشقانِ رسولؐ کو ذاتِ محمدی میں ذاتِ ایزدی کی صفات کا پرتو نظر آتا ہے۔ بظاہر تو حضورؐ انسان ہی ہیں مگر بہ مرتبہ مظہرِ صفاتِ الٰہی ہیں۔ واضح ہو کہ اوّل و آخر اور ظاہر و باطن اللہ کے اسمائے صفات ہیں لیکن ان کا عکس ذاتِ محمدی میں بھی جلوہ گر ہے۔ نیز چونکہ آپ کا قلب مظہر مہبطِ وحی ہے اس لئے آپ قرآن (ناطق) بھی ہیں کہ آپ کی سیرت بقول حضرت عائشہؓ :

قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات چونکہ معیار حق و باطل ہے اسلئے آپ کے سیرت نگاروں میں آپ کو فرقان بھی کہا ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو یٰسین طٰہٰ کے نورانی اسماء اور مبارک القابات سے بھی نوازا ہے۔

اس نظم کے لئے اقبال نے جو زمین اور لب و لہجہ استعمال کیا ہے اس نے وفورِ جذبات، شدتِ عشق اور دردمندی کے جذبات کے اظہار کے لئے ایک کشادہ شعری فضا اور مؤثر ماحول پیدا کر دیا ہے۔

ذوق و شوق اقبال کے نعتیہ کلام کی انتہا ہے۔ یہ اقبال کی وہ نعت ہے جس کا ہر شعر عشقِ رسولؐ میں ڈوبا ہوا ہے اس لئے انہوں نے اس کا عنوان بھی "ذوق و شوق" تجویز کیا ہے۔ یہ نظم سیاحتِ فلسطین کے دوران میں لکھی گئی اور ان ایام کی تخلیق ہے جب اقبال کے دل میں روضۂ رسولؐ کی زیارت کا ارمان چٹکیاں لے رہا تھا۔ اس نظم میں جذب و کیف اور محبت و شیفتگیٔ رسولؐ کا اظہار بہت بلیغ اور مؤثر انداز میں ہوا ہے۔ بالِ جبریل میں ایک وہ اور مقام بھی ہیں جہاں شاعر خود دربارِ رسالت میں حاضر ہے اور دل کے جذبے کو الفاظ کا جامہ پہنا کر خیر البشرؐ کے حضور میں لب کشائی کر رہا ہے مگر ذوق و شوق اس براہِ راست حضوری خطاب کی نہایت عمدہ مثال ہے:

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مُراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

اس نظم کے فکری عناصر میں مسلم انحطاط کا تذکرہ، عشق و فراق کا بیان اور بحضورِ رسالت مآبؐ اپنے جذب و شوق کا براہِ راست ذکر ہے۔ واضح ہو کہ اقبال نے اردو شاعری میں حضورؐ سے براہِ راست کم خطاب کیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے دین و عقائد میں جس طرح غیر اسلامی شعائر کی آمیزش کر لی ہے اور جس طرح ملحدانہ افکار و نظریات کو اختیار کر لیا ہے اس کا ذکر اقبال نے بڑی دلسوزی و دردمندی سے اہلِ حرم کے سومنات کے الفاظ میں کیا ہے۔ نیز اس محرومی پر دُکھ کا اظہار ہے کہ قافلۂ حجاز (مسلمانوں) میں جو رہنما و حکمران موجود ہیں ان کے اندر شہادتِ حق کا وہ داعیہ نہیں جس کی مثال امام حسینؓ نے پیش کی۔ عرب و عجم دونوں اس روحانی انحطاط کا شکار ہیں۔ مدارس اور خانقاہوں سے وابستہ افراد میں دُور بینی اور جہاں بینی کی بجائے تنگ نظری، کم طلبی اور تنگ دلی پائی جاتی ہے۔ اقبال اس کور نگاہی اور مردہ ذوقی کا بھی رونا روتے ہیں۔

اس نظم میں حضورؐ کے حوالے سے بنی نوعِ انسان کے لئے ان خدمات اور فیضان کا ذکر کیا ہے۔ ذرہ ریگ کو طلوعِ آفتاب سے منور کرنا ایک مختصر سا مصرع ہے مگر اپنے اندر ایک جہانِ معنی لئے ہوئے ہے۔ بے تہذیب دنیا کو اعلیٰ و ارفع تہذیبی آئین سے روشناس کرانا، آدم کو اس منصبِ نیابت سے آگاہ کرنا جہاں فائز ہو کر وہ احسنِ تقویم کا اہل بنتا ہے، آنحضرتؐ ہی کی بعثتِ مبارک کا عطیہ ہے (اقبال مزارِ سنائی والے اشعار میں بھی کہتے ہیں:

غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

کہہ کر اسی بلیغ حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں)۔

اس نظم میں اقبال نے حضورؐ کو باعثِ ایجادِ عالم اور مرکز و محورِ جملہ موجودات کے حوالے سے یاد کیا ہے۔ آئینۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب، لوح و قلم اور الکتاب کے بلیغ استعارے ذوق و شوق کو نعتیہ شاعری کی قسمیں اور نعت کی معراج پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ اسی نظم میں اقبال کہتے ہیں کہ عقل اور عشق آپؐ ہی کے فیضان سے

ہیں اور آپ کی محبت کے بغیر عبادات کا نظام بے کار اور رائیگاں ہے۔ ذوق و شوق کا اختتام وصال و بعد کے دلآویز تجربات و کیفیات سے عبارت ہے۔ شعریت اور تغزل کے رچے ہوئے عناصر نے اس نظم کے اختتام کو حسن و تاثیر سے بھر دیا ہے۔ بقول سید عابد علی عابد :

"سوز و گداز کا اظہار جس دلفریب پیرائے میں "ذوق و شوق" میں ہوا ہے ایسا کسی اور نظم میں نہیں ہوا"

اقبال کے نعتیہ اشعار میں اضطرابِ محبتِ رسولؐ اور ملتِ اسلامیہ کی بدحالی کا ذکر بڑے دردمندانہ لہجے میں ملتا ہے۔ مغربی تہذیب کے پھیلتے اثرات، وطنیت کے گمراہ کن تصورات، مسلمانوں کی محکوم آبادیاں، ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی اور اس بے سروسامانی اور پریشانی میں حضورِ اقدس کی ذاتِ والاصفات سے رجوع، اقبال کی نعت کے خاص موضوعات ہیں۔ بدلتے ہوئے تمدنی اور سماجی حالات میں ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کا احساس جتنا شدید اقبال کو تھا اس کا پتہ "روحِ محمدؐ سے" میں ہوتا ہے۔ اس نظم میں وہ ذاتِ رسالت سے توجہ اور امداد کے ملتجی ہیں۔ ان کی طلب اور التجا ایک فریاد کا رنگ لئے ہوئے ہے اس نظم میں حالی کی مشہور فریاد ؎

(اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ ! وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے)

کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں :

شیرازہ ہوا امتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے؟

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ!
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے؟ [۵۵]

علامہ اقبال کی ایک اور نعت "حضورِ رسالت مآبؐ میں" کے عنوان سے ہے۔ یہ ایک صفحہ کی مختصر سی نظم ہے جو اقبال نے ۱۹۱۲ء میں جنگِ طرابلس پر لکھی جس میں مسلمان نہایت بے جگری سے لڑے اور شہید ہوئے پہلے دو بندوں میں ایک ڈرامائی فضا ہے۔ فرشتے اقبال کو بزمِ رسالت مآبؐ میں لے جاتے ہیں۔ حضورؐ اقبال سے پوچھتے ہیں کہ :

"تو جہاں سے ہمارے واسطے کیا تحفہ لایا ہے؟"

اقبال کا جواب تیسرے بند میں ملاحظہ ہو :

حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزار لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بُو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنّت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرُو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہُو اس میں [۵۶]

بحیثیتِ مجموعی اقبال ایک منفرد نعت گو ہے جس کی مثال کسی زبان کی نعت میں نہیں ملتی۔ یوں تو ان کا سارا کلام خونِ جگر سے لکھا گیا ہے مگر بقول محبّ عارفی:

"جہاں جہاں حضورؐ کا ذکر آیا ہے ایسی وارفتگی، بیتابی اور والہانہ پن کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ بات خونِ جگر سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ یہ روح کی صدائے مستانہ ہے۔

جناب شفیع منصور فرماتے ہیں کہ:

"علامہ فلسفے کی، دلیل کی، عقل کی باتیں کرتے کرتے جب حضورؐ کے ذکر پر پہنچتے ہیں تو اپنے آپ سے گزر جاتے ہیں۔ جنوں کی اس کیفیت میں وہ عقل اور دلیل کی سب باتیں بالائے طاق رکھ کر "ز چشماں اشکِ خوں ریزیم و رتعظیم" کی حالت میں نہ صرف نظر آتے ہیں بلکہ ہم خود بھی جنوں کی یہ برقی رو اپنے رگ و پے میں محسوس کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم بھی اقبال کے ساتھ ساتھ عشقِ رسولؐ میں رقص کناں ہیں"۔.....

بقول نظیر صدیقی:

"یہ سب باتیں اتنے عجیب و غریب انداز میں صرف اقبال ہی کہہ سکتا ہے کہ ان کے پاس قوتِ ابلاغ ہے اور بہت عشاقِ رسالتمآبؐ یہ سب کچھ محسوس تو کرتے ہوں گے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے پاس اقبال کا سا اعجازِ نطق نہیں، لہٰذا یہ اقبال ہی کا حصہ ہے"۔ [۵۷]

مولانا ظفر علی خاں (م ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء) کی نعت میں حالی و اقبال کی ملی و قومی لہر ایک منفرد شان سے جلوہ گر ہوئی ہے۔ برصغیر کی معاصر قومی، ادبی اور سیاسی تحریکوں کا تفصیلی منظرنامہ ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ حمد،

نعت اور اسلامی مضامین ان کی شاعری کا جوہر ہیں۔ ایک جگہ وہ خود کہتے ہیں:

خدا کی حمد، پیغمبرؐ کی نعت، اسلام کے قصے
مرے مضمون ہیں جب سے شعر کہنے کا شعور آیا

مولانا کی نعت کا مطالعہ کرتے ہوئے جو عنصر نمایاں اندازمیں جلوہ گر ہوتا ہے وہ عشقِ رسولؐ کا جذبہ ہے۔ مگر جو خصوصیت ان کی نعتیہ شاعری کو معاصر نعت نگاروں سے منفرد و ممتاز کرتی ہے وہ ان کا قومی و سیاسی شعور ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کے نعتیہ کلام میں ہندی مسلمانوں کی کسمپرسی، عالمِ اسلام کی زبوں حالی، طرابلس پر اٹلی کا حملہ، تحریکِ خلافت، تحریکِ عدم تعاون، تحریکِ ہجرت، شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کے سلسلہ میں رونما ہونے والے مسلم کش فسادات اور متعدد ایسی معاصر سیاسی تحریکوں کے اثرات ملتے ہیں جن میں اس وقت کے مسلمان بالعموم اور ہندی مسلمان بالخصوص کسی نہ کسی طور منسلک رہے ہیں۔ مولانا کی نعت میں ملّی شاعر کا کینوس حالی اور اقبال سے بہت وسیع ہے۔ خصوصاً ہندی مسلمانوں کی زبوں حالی کا جو نوحہ مولانا کے ہاں نظر آتا ہے کسی دوسرے معاصر شاعر کے نعتیہ کلام میں نہیں ملتا۔ انہوں نے اپنی نعتوں سے اصلاح و اتحاد کا کام لیا اور عشقِ رسولؐ کے ترانے گا کر ملتِ اسلامیہ کے اندر ایک ولولۂ تازہ پیدا کیا۔ ان کے نعتیہ کلام میں عظمتِ رفتہ کا احساس، لمحۂ موجود کی زبوں حالی، مستقبل کے روشن اور پُرشکوہ عہد کا انتظار اور ان سے وابستہ تاثرات و احساسات بکثرت ملتے ہیں۔ ان میں سب سے اونچی لے حضور اکرمؐ کے دربار میں فریاد و استغاثہ کی ہے۔

مولانا کی اکثر نعتوں میں عرضداشت و التجا کی یہ لے نمایاں ہے۔ چند نعتوں کے عنوان دیکھئے:

التجا بحضور سرورِ کائناتؐ

عرضداشتِ امت بحضور سرورِ کون و مکاںؐ

اسلامیانِ ہند کی فریاد بارگاہِ سرورِ کائناتؐ میں۔

مولانا ظفر علی خاں کے استغاثہ و استمداد کا انداز بھی منفرد ہے۔ وہ گذارشِ احوال کے بعد جب التجا کے مرحلے پر آتے ہیں تو حضور اکرمؐ کو وسیلہ بنا کر پیش مشکلات کا حل خدا تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے براہِ راست معاونت کی بجائے اکثر آپؐ کے نامِ نامی اور ذاتِ گرامی کو اپنی دعا و التجا میں موثر وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

مولانا کے استغاثوں کے کچھ اشعار دیکھئے:

اے کہ رُواں رُواں ترا درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات

تھام کے پایہ عرش کا کرب ادب یہ التجا

اے کہ ہے مبدءِ فیوض ایک فقط تری ہی ذات
بندے بھلے ہوں یا بُرے تو تو ہے اے خدا! کریم
قطع ہو کیوں کرہم کا سلسلۂ نوازشات
موردِ لطفِ خاص پر کس لئے آج یہ عتاب
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات [۵۸]

"عرضداشتِ امت بحضور سرورِ کون و مکاںؐ" میں التجا کا حصہ دیکھئے:

"تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا
جو کہ ہے مقبولِ درگاہِ خداوندِ جلیل
.....دُر فشاں اے ابرِ رحمت! ہند پر بھی ہو یونہی
تاکہ ہو سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل
علم کا ہم کو رہو شوق اور ہو عمل کا ہم کو ذوق
قرنِ اوّل کے ہوں پیدا ہم میں اخلاقِ جمیل
ہم بھلے ہیں یا بُرے، تیرے ہی آخر ہیں غلام
ہم کو رہم چشموں میں اے آقا! نہ ہونے دے ذلیل
اے شفیع المذنبیںؐ! اے رحمت للعالمیںؐ!
انت کہفی، انت ہادی، انت لی نعم الوکیل [۵۹]

"اسلامیانِ ہند کی فریاد بارگاہِ سرورِ کائناتؐ میں" میں حضورؐ کے اوصاف و برکات کے بیان کے بعد بڑی دلسوزی سے مولانا ہندوستانی مسلمانوں کی کسمپرسی، زبوں حالی اور انتشار و بے بصیرتی کا رونا روتے ہیں۔ آخر میں حضورِ اکرمؐ سے التجا کرتے ہیں:

سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے
ہم ہیں کہ ہم پہ آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات
تیری نگاہِ مہرباں، ہم کو ذریعۂ فلاح
تیری دعائے مستجاب، ہم کو وسیلۂ نجات

دور فتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات [۹۰]

ظفر علی خاں کی مشہور نعت "اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب" میں نالہ و فریاد کی لے بہت تیز نظر آتی ہے۔ اس نعت کا عنوان "فریاد بحضور سرورِ کونینؐ" ہے۔

باور نہ تجھ کو آئے تو ہندوستاں میں آ
اور دیکھ لے الٹ کے ملیبار کا نقاب
اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ دو کون
تیری دعا ہے حضرتِ باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر
دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب
حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام
عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب [۹۱]

کچھ ایسی ہی کیفیت "التجا بحضورِ سرورِ کائناتؐ" میں بڑے مؤثر پیرائے میں اظہار پذیر ہوئی ہے یہ نظم مذکورہ بالا نظموں کے مقابلے میں بہت مختصر ہے، مگر تاثیر کے اعتبار سے زیادہ کارگر ہے۔ اس کا پہلا اور آخری شعر درج ذیل ہے:

جاگ او یثرب کے میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج [۹۲]

مولانا ظفر علی خاں کے استغاثوں اور التجاؤں کے مطالعہ سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

۱۔ ان کے موضوعات و مضامین کم و بیش یکساں نوعیت کے ہیں۔ ان کا تعلق کسی انفرادی واقعہ کی بجائے مسلمانوں کی اجتماعی صورتِ حال سے زیادہ ہے۔

۲۔ ان میں اگرچہ پوری امتِ مسلمہ کے زوال کی جھلک نظر آتی ہے مگر ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی و اقتصادی شکست، سماجی و معاشرتی ابتری، علمی و تہذیبی زوال، اقدار دین سے

دُوری، مختلف مذہبی و نسلی گروہ بندیاں اور ان سے پیدا ہونے والے انتشار اور حالتِ زار کا نقشہ خاص طور پر کھینچا گیا ہے۔ اسی سبب وہ ہندوستانی مسلمانوں کو حضورِ اکرمؐ کی توجہات کے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں۔

۳۔ فریاد و التجا کے بعد دعاؤں میں مولانا نے حضورِ اکرمؐ کو وسیلہ بنایا ہے۔ آنحضرتؐ سے دعا کی طلب و آرزو، ان کے استغاثوں کا ماحصل ہے۔

۴۔ التجا و دعا کے مرحلے پر بعض میں سرخروئی کی تمنا کے ساتھ انہیں جس آرزو نے سب سے زیادہ رُلایا ہے وہ ملت کی دنیوی کامیابی اور گمشدہ اقدار کی بازیابی سے متعلق ہے۔ قومی اتفاق، جوشِ عمل، بلند ہمتی اور عزمِ صمیم ایسی قدروں کی بازیابی کی دعا مولانا کے نعتیہ اشعار کی منفرد خوبی ہے۔ "فخرِ رسلؐ" کے آخری شعر دیکھئے:

ہے یہ دعا کا محل، اے شہِ دنیا و دیں
عرض کر اللہ سے جو ہے خبیرِ و علیم
بخشے ہمارے گناہ، ہم پہ کرے اپنا فضل
پھر ملے اسلام کو عظمتِ شانِ قدیم
قوم میں ہو اتفاق اور ہو پہلے سا جوش
ہمتِ ادھر ہو بلند، عزم ادھر ہو صمیم[۶۳]

اردو نعت میں قومی سطح پر اقدارِ عالیہ کی تمنا کا یہ اسلوب ظفر علی خان کی عطا ہے جو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی جد و جہدِ آزادی میں مولانا کے تاریخ ساز کردار کی ترجمانی کرتی ہے۔ امتِ مسلمہ کی سربلندی و ترقی کے لیے ان کی یہ تمنا، تڑپ اور اضطراب یوں تو ان کی پوری شاعری پر پھیلا ہوا ہے مگر نعتوں میں حضورِ اکرمؐ کے حوالے سے یہ تمنا اور تڑپ ایک کیف اور التجا میں ڈھل جاتی ہے۔

ظفر علی خاں کی نعت کا دوسرا بڑا عنصر تعلیماتِ نبویؐ کا بیان ہے۔ مولانا نے میلاد ناموں کی فضا کے برعکس نعت کو اصلاح اور تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ ان کی نعت گوئی عشقِ رسولِ اکرمؐ کا اظہار تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ کی تعلیمات اور ارشادات کی بھی آئینہ دار ہے۔ انہوں نے پژمردہ اور مغلوب مسلمانوں کے اندر ایمان کی حرارت اور سعی و عمل کا صور پھونکنے کے لیے اپنی نعت گوئی سے ایک تحریک کا کام لیا۔ ان کے نعتیہ آہنگ میں جلال اور شکوہ کا تاثر نمایاں ہے۔ تعلیماتِ محمدیؐ کی ترجمانی میں وہ حضورؐ کے فیضان کا تذکرہ بھی شامل کر لیتے ہیں۔ یہ شعر دیکھئے:

برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا
آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب
پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر
لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب [۶۴]

مولانا ظفر علی خاں کے اس انداز کے نعتیہ شعروں کا مقصد اسوۂ حسنہ کے منور گوشوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

حضور اکرمؐ کے حقیقی اوصاف بیان کرتے ہوئے ظفر علی خاں جگہ جگہ قرآن و احادیث کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ بعض جگہ انہوں نے تمثیلی انداز میں حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کے واقعات کو منظوم کر دیا ہے۔

بقول شورش کاشمیری:

...... "ان کے نعتیہ کلام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے شعراء کی طرح غلو سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ حضورؐ کی سیرت کا نقشہ اور ان کے محاسن کی تصویر اس کمال سے کھینچتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے سیرت النبیؐ چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ ......" [۶۵]

مذکورہ بالا سطور جن میں تعلیمات و فیضانِ محمدیؐ کا بیان، قرآن و احادیث کے حوالے اور سیرتِ طیبہ کی موثر تصویر کشی شامل ہے ایک مقصد سے مربوط ہیں۔ مولانا کی نعت کا یہ مقصد قارئین کو حضور اکرمؐ کے کردار سے روشناس کرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے نعت میں معجزات کی بجائے آنحضرتؐ کے روزمرہ کے واقعات اور ان کے کردار و عمل کے بشری پہلوؤں پر زیادہ زور دیا ہے۔ ان کے ہاں خیر البشرؐ کی حیثیت سے آپ کا کردار ملتِ اسلامیہ کی بجائے شرق و غرب پر محیط نظر آتا ہے۔ ان کے متعدد اشعار میں آپ کی رحمت للعالمینی کا ذکر اسی وسیع تر حوالے سے ہوا ہے:

عرب کے واسطے رحمت، عجم کے واسطے رحمت
وہ آیا، لیکن آیا رحمت للعالمیں ہو کر [۶۶]

شرق نے تجھ سے مستفیض، غرب ہے تجھ سے فیضیاب
دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہمرکاب [۶۷]

اور یہ شعر دیکھیے جس میں ایک ایسی سچی پیشین گوئی کی ہے جس کے عملی مظاہر یورپ کے کئی ملکوں میں آج کل آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں:

وہ وقت آنے کو ہے جب ایشیا کی طرح یورپ بھی

رسولؐ اللہ کے خوانِ کرم سے ، ریزہ چیں ہو گا[۱۸]

محبت و وارفتگی اور کیف و اثر آفرینی مولانا ظفر علی خاں کی نعتوں کی ایک اور خصوصیت ہے۔ ان کے کلام پر اگرچہ علمی انداز ہر جگہ نمایاں ہے مگر بعض نعتیں شدتِ خلوص میں ڈوبی نظر آتی ہیں۔ مثلاً ان کی وہ نعت، جس کا مطلع ہے :

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنّا تمہی تو ہو

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو[۱۹]

یہ نعت اپنی ردیف کے سبب ایک عجیب والہانہ انداز رکھتی ہے اور نعت خوانوں کے حلقے میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ مولانا کی دوسری چند نعتوں کے مطلعے درج ذیل ہیں :

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں[۲۰]

رونقِ بزمِ وجودِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

خواجۂ کیہاں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم[۲۱]

محمد مصطفےٰ، گنجِ سعادت کے امیں تم ہو

شفیع المذنبین ہو، رحمت للعالمیں تم ہو[۲۲]

بحیثیت مجموعی مولانا ظفر علی خاں نے حالی و اقبال کی ملّی و قومی روایت کو نعت میں آگے بڑھایا۔ ان کی نعتیہ شاعری، معاصر مذہبی اور سیاسی واقعات اور تحریکوں کا عکس لئے ہوئے ہے۔ ملتِ مسلمہ خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے لئے دربارِ رسالت مآبؐ میں ان کے استغاثے و تبیع اور موثر ہیں۔ تغزل کی بجائے انہوں نے اپنی نعت کے لئے علمی پیرایۂ اظہار اختیار کیا، جس میں صنفِ نعت کی حدودِ شرعیہ کا پورا پورا خیال رکھا۔ انہوں نے قرآن و احادیث کے حوالوں سے اپنی نعت کی تزئین کی۔ ان کے ہاں اکثر نعتیں حضور اکرمؐ کی سیرت کے کسی واقعہ یا ارشادِ مبارک پر مشتمل ہیں۔ عشقِ رسولؐ، اسلام ہے گورِ بخت اوہام، اللہ والے، عنوان کی نظمیں حضورِ اکرمؐ کی سیرت اور صحابہؓ کے سوانح کے واقعات سے اخذ کی گئی ہیں جبکہ ماں باپ کا ادب، ایمان کی شناخت، دین کی علم اطاعت و استطاعت، اسلام کی شناخت اور رشتۂ اسلام وغیرہ وغیرہ وہ نظمیں ہیں جن میں احادیث مبارکہ کو منظوم کر دیا گیا ہے۔ علمی اور طباعی، قادر الکلامی، تخلیقی اپج، دقت پسندی اور بلند آہنگی ان کی نعت کے فنی محاسن ہیں۔ عشقِ رسولؐ

میں وارفتگی، جوشِ عقیدت اور دردمندی نے ان کے علمی اندازِ نعت میں کیف و تاثیر کا رنگ بھر دیا ہے جس کے سبب ان کی نعتیں عوام کے ہر طبقے میں مقبول ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں نے اپنے کلام میں جن عصری واقعات و مسائل کا ذکر کیا ہے ان میں ایک ختم رسالت کا مسئلہ بھی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوّت پر جن اکابرینِ ملت نے بروقت ردِّ عمل کا بھرپور اظہار کیا ان میں ظفر علی خاں پیش پیش ہیں۔ مولانا نے اس مسئلہ کے سیاسی پہلو کی جانب توجہ کی جسے علماء نے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ علمائے کرام، مرزا غلام احمد کی مخالفت میں "وفاتِ مسیح"، "ظہورِ مہدی"، "علاماتِ قیامت"، "نزولِ مہدی"، "خروجِ دجال" وغیرہ کے مسائل پر زور صرف کر رہے تھے۔ ظفر علی خاں نے اپنی نظموں میں قادیانی تحریک کا تجزیہ کیا اور دیگر پہلوؤں کے ساتھ اس کے سیاسی پس منظر اور تبلیغی سرگرمیوں کے چہرے سے نقاب اٹھائی۔ اور اپنی نظموں میں ایک طرف تو حضورِ اکرمؐ کی ختمِ رسالتؐ کو اجاگر کیا اور دوسری طرف عقیدۂ ختمِ نبوّت کے منکرین اور قادیانی ٹولے کے رد میں نظمیں لکھیں۔ "ارمغانِ قادیان" کی شاعری اسی موضوع سے عبارت ہے درج ذیل شعر دیکھئے:

ہوئی تکمیل دیں تم سے کہ ختم المرسلیں تم ہو
رسالت ہے اگر انگشتری، اس کے نگیں تم ہو[43]

الکمتُ لکم پڑھ کے زبانِ عربی میں
ظلّی و بروزی کی نبوّت کو مٹادوں[44]

کہہ دو یہ قادیاں کے نبی سے کہ خوش نہ ہو
دن رات شادکام ہیں ناکامیوں میں ہم
امت رسولؐ کی ہیں، امانت خدا کی ہیں
ہیں جنّتِ نعیم کے انعامیوں میں ہم[45]

خدا نے تم کو بصیرت اگر عطا کی ہے
تو قادیانیوں کے زہرِ بے کماں سے بچو

کبھی حج ہو گیا ساقط، کبھی قیدِ جہاد اٹھی
شریعت قادیاں کی ہے رضا جوئی نصاریٰ کی
قیامت بن چلا یہ فتنہ اور خاموش بیٹھے ہو
نہیں اے حامیانِ دیں میں تم سے بے سبب شاکی [۹۵]
نبیؐ کے بعد نبوت کا ادعا ہو جیسے
ہر ایسے بطلِ خرافات سے خدا کی پناہ [۹۶]

اردو نعت میں عقیدۂ "ختمِ نبوت" کے تحفظ کی روایت کا پہلا باقاعدہ موڑ ظفر علی خاں کی شاعری ہی ہے۔ ان سے پہلے علامہ اقبال کے ہاں بھی اس عقیدے کے بارے میں متفرق اشعار ملتے ہیں مگر اس عقیدے کے تحفظ کو ایک تحریک کی شکل ظفر علی خاں ہی نے دی۔ بعد میں دوسرے شاعروں نے (خصوصاً شورش کاشمیری) نے "رد قادیانیت" اور "تحفظِ عقیدۂ ختمِ نبوت" کو اپنی نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا۔

حفیظ جالندھری (پیدائش ۱۳۱۹ھ) کی نعت کا دائرہ نہ صرف سیرتِ رسول اکرمؐ بلکہ پوری تاریخِ اسلام پر محیط ہے۔ ان کا "شاہنامۂ اسلام" عصرِ جدید میں اسلام کی تاریخ اور آغازِ اسلام کے کارناموں کو شعر میں نظم بند کرنے کی واحد مربوط اور وسیع کاوش ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے حضورِ اکرمؐ کی سیرت کو منظوم کرنے کی ایک طویل روایت موجود ہے اور مولود ناموں، معراج ناموں، غزوات ناموں، معجزات ناموں وغیرہ سے لیکر شمائل ناموں اور وفات ناموں میں جزوی طور پر حضورِ اکرمؐ کی سیرت کو شعری لباس پہنانے کی متعدد کوششیں ہو چکی ہیں۔ نوازش علی شیدا کی "اعجازِ احمدی" اور محمد باقر آگاہ ویلوری کی "ہشت بہشت" کا دائرہ نامہ کی ترکیب سے لکھی جانے والی دوسری منظومات سے زیادہ وسیع ہے اور ان میں جزوی کی بجائے سیرت النبیؐ کو منظوم کرنے کی مربوط کوشش کے ساتھ صحتِ واقعات پر بھی زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ حفیظ کی "شاہنامۂ اسلام" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے مگر اس کا دائرہ اس طرح کی (اس سے پہلے لکھی جانے والی) دوسری نظموں سے بہت بڑا ہے۔ اس میں عہدِ رسالت مآبؐ کے حالات و فتوحات کی تاریخ کے تناظر میں حضورِ اکرمؐ کی سیرت کا بیان ہے۔ اس کی پہلی بڑی خوبی صحتِ واقعات کی طرف توجہ اور حقیقت بیانی ہے۔ بقول حفیظ:

"ایسی روایات سے حتی الوسع پرہیز کیا گیا ہے جو کافی سند کے بغیر مولود شریف کی عام کتابوں اور بعض کتبِ سیر میں درج کر دی گئی ہیں یا عوام کی محفل میں گرمیٔ محفل کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔" [۹۷]

"شاہنامۂ اسلام" کی تصنیف کا ایک خاص پس منظر ہے جو عصرِ جدید میں تخلیق ہونے والی قومی و ملی

شاعری اور نعت نگاری سے متعلق ہے۔ حالی، اقبال اور ظفر علی خاں کے ہاں حضور اکرمؐ کی زندگی اور بعض احادیث و واقعات کو شاعری کا موضوع بنانے کی کوششیں ملتی ہیں۔ سیرتِ رسولؐ کے بعض منور گوشوں سے رجوع ان شاعروں کے قومی و ملی احساسات کا ایک حصہ ہے جس میں سیرتِ رسولؐ کے تذکار کا ایک واضح مقصد نظر آتا ہے اور وہ مقصد تعلیماتِ محمدیؐ کی نشر و اشاعت اور فروغ ہے تاکہ سیاسی و اقتصادی طور پر پسماندہ مسلمانوں کے اندر ایک نئی قومی روح پھونک کر انہیں زندگی کے مختلف سیاسی و معاشرتی پہلوؤں میں ترقی کی طرف گامزن کیا جاسکے۔ اگرچہ ان شاعروں کی غالب توجہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے مسائل کی طرف تھی۔ مگر ان کے ہاں (خصوصاً اقبال کے ہاں) عالمگیر سطح پر مسلمانوں کے جذبۂ اخوت کو فروغ دینے کا رجحان بھی نمایاں ہے۔

"شاہنامہ اسلام" کے سببِ تالیف میں بھی حفیظ نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے:

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں
مسلمانوں پہ ہے مردہ دلی چھائی ہوئی ہر سو
سکوتِ مرگ نے چادر ہے پھیلائی ہوئی ہر سو
عزیمت ہے نہ جرأت ہے نہ ہے تاب و تواں باقی
فقط حسرت سے تکنے کے لیے ہے آسماں باقی
نظر آتی ہیں اب وہ صف شکن بازو نہ شمشیریں
مقدر کی طرح سوئی پڑی ہیں آج تکبیریں
گئی دنیا سے آزادی محمدؐ کے غلاموں کی
بھلا بیٹھے ہیں یاد اپنے سلف کے کارناموں کی
ارادہ ہے کہ پھر ان کا لہو اک بار گرماؤں
دلِ سنگیں عشق کے آتش تیر دل سے برماؤں [۵۸]

آغازِ شاہنامہ میں حمد و نعت کے بعد اور "سببِ تالیف" کے آغاز میں ایک اور شعر ہے جو ان کی وابستگیِ رسولؐ اور نعت گوئی کے سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

الٰہی کے اسمِ اعظم سے بڑھی جرأت مرے دل کی
کہ میں نے ڈال دی بنیاد ایسے کارِ مشکل کی

"شاہنامۂ اسلام" کی بنیاد دراصل اسی اہم اصول پر رکھی گئی ہے اور تاریخ اسلامی پر مشتمل اس منظوم دستاویز کا محور یہی نام نامی ہے۔ واقعات میں صدق بیانی کا التزام بھی اسی ذات گرامی کے حوالے سے ہے۔ حفیظ کے ہاں اس طرح کے مصرعے[۹۸] کر

مصرع

یہ اُس کا تذکرہ ہے جو مبلغ تھا صداقت کا

اور مصرع

یہ قرآنی بیاں ہے ایک کالی کملی والے کا

دراصل شاہنامہ میں صحتِ واقعات و روایات کے التزام ہی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

حفیظ نے "شاہنامے" کی جلد دوم میں "عذرِ مصنف" کے عنوان سے حقیقت بیانی کے اسی پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اپنی تصنیف کے مزاج کو دوسری داستانوں (شاہنامہ فردوسی وغیرہ) سے مختلف بتایا ہے۔ حفیظ کے اس قسم کے مصرعے[۹۹]

مصرع

یہاں عائد ہے مجھ پر نصِ قرآنی کی پابندی

اور مصرع

تخیل پر نہیں بنیاد میرے شاہنامے کی

موضوع کی اسی نزاکت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی سبب حفیظ نے مصنوعی "شکوہ و شان" کے بجائے واقعات کے بیان میں "اختصار و سادگی" ملحوظ رکھی ہے اور تخیل کو تاریخ کا پابند رکھا ہے۔ اس لحاظ سے شاہنامہ کی تخلیق بڑی کڑی آزمائش تھی۔ شاعر کے پاس قرآن و احادیث اور تاریخ اسلام کے مستند اور مصدقہ واقعات کی پابندی کے سبب اختیار کا حق نہیں تھا اور وہ اپنی مرضی سے موضوع میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتا تھا۔

یوں تو (ایک لحاظ سے) پورے کا پورا شاہنامہ ہی دائرۂ نعت میں آجاتا ہے کہ اس میں عہدِ رسالتمآب کی معاشرتی و تمدنی جھلکیوں کے پس منظر میں حضورِ اکرم کی ولادت مبارک، پرورش، اعلانِ نبوت، ہجرت، غزوۂ بدر، اُحد اور سیرتِ طیبہ کے اہم واقعات کا بیان ہے مگر اس میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جو خالص نعت کے ذیل میں آتے ہیں اور جن میں شاہنامہ کے تاریخی پہلو پر اوصافِ محمدی کا بیان غالب آجاتا ہے تاریخ و سیرت میں گندھے ہوئے شاہنامہ سے اُن پہلوؤں کو الگ الگ کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ شروع سے آخر تک تاریخ کے شانہ بہ شانہ سیرتِ محمدی کا ارتقاء اور سیرتِ محمدی کے ساتھ ساتھ عرب میں رونما ہونے والی معاشرتی، تمدنی اور تاریخی تبدیلیوں کا بیان ہے۔ ان تبدیلیوں کے محرکات میں ذاتِ محمدی کو مرکزیت حاصل ہے شاہنامہ میں اس کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہنامہ کی شاعری کو "رجز" کی شاعری کہا

گیا ہے۔ بقول جیلانی کامران:

"(شاہنامہ میں) واقعات اور مشاہیر کے ذریعے شجاعتوں، سچائیوں اور عظمتوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ اقدار، واقعات اور مشاہیر کے حوالے سے رُونما ہوتی ہیں ـــــ ظہورِ اسلام کی عالمگیر اور دائمی صداقت کی تصدیق کرتی ہیں۔ کفر، ظلمت اور جاہلیت کو نور، صداقت اور اخوت کے ابدی تقابل سے نہ صرف ان منفی طاقتوں کی شکست کا تاثر پیش کیا گیا ہے بلکہ ان مثبت قوتوں کو بڑی تفصیل کے ساتھ آشکار بھی کیا گیا ہے جو "شاہنامہ اسلام" میں ایک خاص دور سے تعلق رکھتی ہیں مگر جن کی مبارزت انسانی تاریخ کو قدم قدم پر روکتی اور پریشان کرتی ہے۔ اس قسم کی شاعری اپنے مقصد کے باعث شعری تکلفات کی حامل نہیں ہو سکتی اسی لئے شاہنامہ اسلام میں صرف مشاہیر، دشمن افراد اور واقعات ہی دکھائی دیتے ہیں۔ دشمنوں کی صفیں، مشاہیرِ اسلام کی پیش قدمی، مبارزت اور حق کی فتح...... ان اجزا سے شاہنامہ اسلام کی شاعری مرتب ہوتی ہے" [۸۳]

حق و باطل کے ان معرکوں میں سب سے نمایاں ذات چونکہ حضور اکرمؐ کی ہے لہٰذا شاہنامے کے پورے تناظر میں رزم و بزم کی اس داستان سے ابھرنے والا تاریخ، ساز اور تہذیب گر کردار آنحضرتؐ ہی کا ہے اس خدوخال کی تصویر کشی کرتے ہوئے جہاں حفیظ نے تاریخی حقیقتوں اور واقعات سے رجوع کیا ہے، وہاں عشقِ رسولِ اکرمؐ کے رنگ کو بھی شامل فن کیا ہے۔ یوں رجزیہ شاعری میں محبت کی آنچ کے امتزاج نے "اردو نعت" کو ایک ایسا نیا اور منفرد آہنگ بخشا ہے جو حفیظ سے پہلے اردو نعت میں نظر نہیں آتا۔ اوّل تو نعت کے گزشتہ ادوار میں غزواتِ رسولِ اکرمؐ کا بیان کم اور اجمالی انداز میں ہے۔ زیادہ زور ولادت و معجزات کے بیان پر صرف کیا گیا ہے۔ اگر کسی نعت گو یا منظوم سیرت نگار کے ہاں غزوات کا بیان ہے بھی تو اس میں صداقت و واقعیت کا وہ معیار ملحوظ نہیں رکھا گیا جو حفیظ کے ہاں ملتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ حفیظ نے "شاہنامہ" میں جو بحر استعمال کی ہے اس سے رجزیہ واقعات اور غزوات کی تصویر کشی بڑے موثر انداز میں ہوتی ہے اس بحر میں خطاب و مکالمہ نیز دوسرے ڈرامائی عناصر نے بیانیہ کے ساتھ ساتھ فعل اور ردعمل کے عناصر کی عکاسی بھی خوب کی ہے

خلاصۂ گفتگو کا یہ ہے کہ اردو نعت میں غزوات کا بیان معتبر، مفصل اور موثر انداز میں حفیظ کے "شاہنامہ اسلام" ہی سے ملتا ہے [۸۴] حفیظ نے جگہ جگہ قرآن و احادیث اور سیرت و مغازی کی مستند کتابوں کو بطور مآخذ برتا ہے اور حواشی میں ان کے حوالے بھی دیے ہیں جس سے شاہنامہ کا اندازِ تحریر وقیع ہو گیا ہے۔

خالص نعت کے ٹکڑوں میں حفیظ کے سب سے معروف وہ اشعار ہیں جو ولادتِ رسولِ اکرم کے موقع پر ایک سلام کی شکل میں ہیں۔ حفیظ جالندھری کا یہ سلام اردو نظم میں ایک نہایت قابلِ قدر اضافہ ہے۔

بقول جیلانی کامران:

"اس نظم میں جہاں رسول اللہ کے ظہور اور مقام کو بنی نوع انسان کے لیے رحمت کا باعث قرار دیا گیا ہے، وہیں قابلِ غور امر یہ ہے کہ یہ نظم عالمِ ہست و بود میں رسول اللہ کے ظہور کو رونق اور روشنی سے بھی منسوب کرتی ہے۔ یہ سلام بیک وقت تاریخی، مذہبی اور فکری سچائیوں کا اظہار ہے اور رسول اللہ کے ہمہ گیر اور عالمگیر مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے نہ صرف مسلمانوں کے بنیادی عقائد کی تصدیق کرتا ہے بلکہ انسانی تاریخ پر رسول اللہ کے احسانوں کا ذکر کرتے ہوئے انسانی تاریخ کے لئے اقدار کے دائمی معیار کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے۔"[۵۵]

اس سلام کے چند شعر درج ذیل ہیں:

سلام اے آمنہؓ کے لالؐ! اے محبوبِ سبحانی!
سلام اے فخرِ موجودات! فخرِ نوعِ انسانی!
سلام اے ظلِّ رحمانی! سلام اے نورِ یزدانی!
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
.... سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم! انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ، یہی اشغالِ روحانی
..... زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی
زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی
..... ترا در ہو مرا سر ہو، مرا دل ہو، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

شاہنامہ میں اس سلام کو حفیظ نے جس ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے اس سے اس کے کیف و تاثر میں اضافہ ہوا ہے۔ حفیظ نے ختم المرسلینؐ، رحمت للعالمینؐ، ولادتِ باسعادت کے عنوان[۵۶] سے قریباً

پچاس سے زائد اشعار میں اس "سلام" کے نزول کے لئے ایک فضا تیار کی ہے۔ (اس کا انداز مولانا شبلی نعمانی کی سیرت میں "ظہورِ قدسی" کے معروف بیان جیسا ہے) ۔ پہلے حفیظ نے اجرامِ فلکی، انبیائے کرام اور صحائفِ آسمانی کے مبشرات کے حوالے سے "نبی المنتظر" کی آمد آمد کا نقشہ کھینچا ہے جس میں آنحضرتؐ کے اوصاف و برکات، آسمانوں پر ملائکہ کی رونق و مسرت اور شش جہات میں نعرہ ہائے تکبیر اور نغمہ ہائے ملائک کی گونج اور ترانوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد یہ شعر ہے:

فرشتوں کی سلامی دینے والی فوج گاتی تھی

جنابِ آمنہؓ سنتی تھیں، یہ آواز آتی تھی

واضح ہو کہ حفیظ کا سلام غزل کی ہیئت میں ہے جبکہ شاہنامے کی ترتیب مثنوی کی طرز پہ ہے۔

اردو نعت کی تاریخ میں ہزاروں کی تعداد میں معروف اور غیر معروف سلام ملتے ہیں مگر ظہورِ قدسی اور ولادتِ مبارکہ کے بیان کے ضمن میں فرشتوں کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔ یہ سلام غالباً پہلا اور اکلوتا سلام ہے۔ اسی بحر اور طرز میں بعد میں کئی دوسرے نعت گو شاعروں نے سلام لکھے ہیں جن میں "ماہر القادری" کا سلام بہت مشہور ہوا ہے۔

حفیظ کے دوسرے نعتیہ کلام کی طرح ان کے کلام میں بھی زیادہ تر انہی اوصاف کا بیان پایا جاتا ہے جو آنحضرتؐ کی بعثتِ مبارکہ کی غرض و غایت ہیں۔ حفیظ نے نہ تو معراج کے واقعہ اور دوسرے معجزات پر زور دیا ہے اور نہ ہی آپؐ کے ظاہری جمال اور سراپا نگاری کو موضوعِ نعت بنایا ہے۔ شاہنامہ میں آپؐ کا کردار ایک متحرک، توانا اور فعال شخصیت کے طور پر ابھرا ہے۔ اس میں آپؐ کے جمالی پہلو کے ساتھ ساتھ جلالی انداز کا بیان بھی ہے جو آنحضرتؐ کے ظاہری سراپا کا ایک منفرد تاثر لیے ہوئے ہے۔ حفیظ نے آپؐ کے عارض و گیسو اور قد و قامت کے جمال کی ترجمانی کی بجائے آپؐ کو باسِ جہاد اور میدان کارزار میں جس طرح دکھایا ہے اس کا انداز ہی جدا ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

نبوت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا

کہ جس کی ضو سے ذرے ذرے میں خورشید پیدا تھا

لباسِ جنگ پہنا آج سردارِ دو عالم نے

خدا کی فوجِ اوّل کے سپہ سالارِ اعظمؐ نے

شرف بخشا زرہ کو چشمِ ہستی کے اجالے نے

سرِ اقدس پہ رکھا خود، کالی کملی والے نے

مگر چمڑے کی پیٹی سے کسی، تلوار لٹکائی
بھرا تیروں سے ترکش بھی، کماں بھی دوش پہ آئی ۲۸ے

اسی طرح میدانِ جنگ میں صحابہؓ کے درمیان جلالتِ رسولؐ کے کئی مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ انہی شعروں میں آگے چل کر حفیظ نے ایک ایسی ہی تصویر پیش کی ہے:

ادھر مسجد میں مردانِ مجاہد سر بکف ہو کر
کھڑے تھے انتظارِ مصطفےٰؐ میں صف بہ صف ہو کر
ہوئے حضرتؐ برآمد حجرۂ خلوت سے جلوت میں
ضیائے نور پھیلی نور کی جلوت سے جلوت میں
نبیؐ کو آج اُمت نے بباسِ جنگ میں دیکھا
جمالِ مصطفےٰؐ کو اس نرالے رنگ میں دیکھا
زرہ، مغفر، کمان و تیر و شمشیر و تبر، بھالا
مجسّم نور جس کے گرد گرد اک نور کا ہالہ
ہویدا تھا جمالِ سرمدی سرکارِ عالی سے
دلِ مردانِ عالم کانپ اٹھے، شانِ جلالی سے ۲۹ے

جلالِ محمدؐ کی یہ شان اور ذاتِ رسولؐ کا یہ رزمیہ پہلو شاہنامہ میں کئی جگہ نظر آتا ہے۔ غزوۂ خندق کے بیان میں حفیظ نے آنحضرتؐ کا ایک منفرد سراپا دکھایا ہے۔ آپؐ حالتِ فاقہ میں مزدوروں کی طرح کھدائی میں مصروف ہیں۔ شانِ نبوی کا یہ پہلو نہایت مہتم بالشان ہے۔ حفیظ کے محاکاتی انداز نے واقعہ کی ترجمانی میں تاثر کا رنگ بھر دیا ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

اڑا دی چادرِ رحمت فلک پرا س نظارے نے
لیا دستِ مبارک میں کدال اللہ کے پیارےؐ نے
زبانِ پاک سے "اللہ اکبر" کی صدا نکلی
لگائی ایک ضرب ایسی کہ پتھر سے ضیا نکلی
ضیا ایسی کہ چمکے جس سے دامن کوہساروں کے
کھلے اہلِ نظر پہ باب کچھ رنگیں نظاروں کے

مرقع قصرہائے احمریں ہیں شام کا پایا
اشارہ اہلِ دیں نے غلبۂ اسلام کا پایا
لگائی دوسری اک ضرب جب اللہ والے نے
دکھایا اک نیا منظر مقدر کے اُجالے نے
اجالے میں جھلک تھی فارس کے قصرِ مدائن کی
یہ ضربِ دستِ حق، کنجی تھی کسرائی خزائن کی [۹۰]

"شاہنامہ" کی بنیاد جس اسمِ اعظم (حبِّ رسولؐ) پر ہے اس کے مظاہر شاہنامہ میں بکثرت ملتے ہیں۔ صحرا کی دعا، رسول کریمؐ کا قبا میں والہانہ استقبال، محبتِ رسولؐ میں صحابہؓ کا جوش، میدانِ کارزار میں تیر و تلوار کی بارش اور صحابہؓ کی جاں نثاری، غزوۂ احد میں شہادتِ رسولؐ کی غلط خبر پہ مدینہ کے ضعیفوں، بچوں اور عورتوں کی کیفیت، حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کی شہادت کا دردناک بیان اور ایسے کئی مواقع ہیں، جہاں حفیظ نے مسلمانوں کی جذبۂ عشق کی سرشاری اور فدویت و جاں سپاری کی کیفیات قلمبند کی ہیں۔ ان کیفیات کو بیان کرتے ہوئے حفیظ کے اندازِ نعت میں شیفتگی جھلکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی منقبت کا موضوع بھی اسی حوالے سے نعت میں داخل ہوگیا ہے۔ عقیدت و محبتِ رسولؐ کے بیان میں حفیظ کے یہ شعر بہت معروف ہیں۔ ان کا عنوان ہی "محبتِ رسولؐ" ہے:

سما سکتی ہے کیونکر حبِّ دنیا کی، ہوا دل میں
بسا ہو جب کہ حبِّ نقشِ محبوبِ خدا دل میں
محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
..... محمدؐ کی محبت، خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان، اولاد سے پیارا [۹۱]

"شاہنامۂ اسلام" کی چاروں جلدیں جو ولادتِ رسولِ اکرمؐ سے قبل دنیا کی حالت سے لے کر آپؐ کی ولادت، غزوات، سیرت و کردار، اخلاق و عادات اور اعمال و اوصاف پر مشتمل ہیں۔ حبِّ رسولؐ کے موضوع پر کئی اشعار اور عشقِ رسولؐ کے متعدد واقعات دہراتی ہیں۔ چوتھی جلد "جنگِ احزاب" کے

خاتمِ جنگ کے واقعات پر مشتمل ہے۔ حفیظ بوجوہ شاہنامہ کے سلسلے کو جاری نہ رکھ سکے۔ تاہم انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی نہ کسی حوالے سے نعت کا موضوع ہے۔

"شاہنامہ" کی بحر و انداز سے ہٹ کر بھی حفیظ نے نعتیہ شاعری کی۔ ہلکی پھلکی بحروں میں حفیظ کے گیت اور غنائی نظمیں بہت مقبول ہوئیں۔ حفیظ نے نعت گوئی میں بھی یہ انداز اختیار کیا۔ سیدھے سادے انداز، سبک الفاظ، سہل زبان اور مترنم بحر میں نعت کا یہ انداز بھی دیکھیے:

قسمت کے آسماں پر سیمائے کہکشاں پر
چمکا ترا ستارہ
اس در پہ حاضری کا تجھ کو ہوا اشارہ
اے بختیار بندے
اے کامگار بندے
تیری مراد مندی تقدیر کی بلندی
تجھ کو پکارتی ہے
آ باریاب ہو جا
اے ذرۂ محبت! جا آفتاب ہو جا
دربار میں چلا جا
سرکار میں چلا جا
رختِ سفر اٹھا لے اللہ کے حوالے
یثرب کے جانے والے بس اک پیام لے جا
میرا سلام لے جا ۹۲؎

حفیظ کے اس اندازِ نعت میں اس عصر کی شاعری کا رومانوی اور غنائی مزاج جھلکتا ہے۔

عصرِ جدید میں نعت گو شاعروں کا ایک ایسا سلسلہ بھی ملتا ہے جو اس قومی و ملی نعت گوئی کے دھارے سے ہٹ کر قدیم انداز میں نعت کہتا رہا۔ ان شاعروں میں شائق حیدرآبادی، مضطر خیرآبادی، جلیل مانک پوری، بیان یزدانی، اکبر میرٹھی، ممتاز گنگوہی، حمزہ، معنی، عبدالقدیر صدیقی حسرت کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

میر اعظم علی خاں شائق حیدرآبادی (م ۱۲۱۵ھ) کے ضخیم کلیات کا بڑا حصہ نعتِ رسولِ اکرمؐ پر

حاوی ہے اور غزل کی ہیئت میں ہے۔ ان کے ہاں مثلث، مخمس، مسدس، سلام اور ٹھمریاں وغیرہ بھی نعت گوئی میں استعمال ہوئی ہیں۔ لیکن تغزل کا رنگ ہر جگہ غالب ہے۔ ایک ہی مضمونِ نعت کو مختلف انداز میں باندھا ہے۔ تغزل کی چھاپ کے سبب کہیں کہیں روح جانی میں بھی مجازی محبوب کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ برت جاتے ہیں۔ دلربا، یارِ طرح دار، مرے بانکے، آنکھ لڑانا، ہوا ہوتی ادا، سبزۂ خط اور، ہجر و وصال کے کئی ایسے مضامین جو غزل سے خاص ہیں، بلاتکلف نعت میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اسی سبب ان کے کلام میں کہیں کہیں ناہمواری پیدا ہو گئی ہے۔ یہ دراصل اس لکھنوی رنگِ تغزل کا اثر ہے جو اس زمانے میں عام تھا۔ جمالِ محمدی کے بیان میں بھی اس دور کی سراپا نگاری کا رنگ جھلکتا ہے۔ اس رنگ کا نمونہ دیکھئے:

یاد آئی مجھے نگاہِ نبیؐ
تیر یہ دل کے پار ہونا تھا[۹۳]

—

چاند دو ٹکڑے ہوا ایک اشارے میں ترے
مرے بانکے ترے اعجاز نے دل چھین لیا[۹۴]

تاہم شائق کی نعت میں داخلی جذبات کے سبب جذب و کشش اور خلوص و آفرینی کے اشعار کی بھی کثرت نظر آتی ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے:

پھر نہ قابو میں ہمارا دلِ ناشاد آیا
روضۂ احمدِ مرسلؐ جو کبھی یاد آیا
دلِ بیتاب میں رہ رہ کے جو ہوتی ہے کسک
آج شاید مرے سرکار کو میں یاد آیا
من رآنی فراد الحق کے یہی معنی ہیں
جس نے دیکھا تجھے بس اس کو خدا یاد آیا[۹۵]

—

آج محروم پھرا اس کو نہ دروازے سے
تیرا شائق کبھی مائل نہ ہوا تھا، سو ہوا[۹۶]

—

مارا ہے فراق ہونی نے مجھے شتاق
جی جاؤں میں، آجائیں جو سرکار ادھر آج [۹۷]

بحرِ طویل میں شتاق کے جذباتِ حُبِّ نبیؐ اور تغزل کا رنگ نمایاں ہے۔ ملاحظہ ہو:

پہنچی کانوں میں جو ماکان محمدؐ کی صدا
چیخ اٹھا تھام کے دل سنتے ہی سرکار کا نام

یاد آیا مجھے وہ راز کا انداز، وہ اعجاز کا اعجاز، سرافراز ہے نازانِ بہار
رو کے میں نے یہ کہا "ایک جواں عربی ہاشمی و مُطلبی، شہرِ مدینہ کا ہے شاہ
حُسن اس چاند کا ہے سب سے نرالا، ہے وہی گیسوؤں والا کہ فدا جس پہ ہے خوبانِ جہاں
نام اس پیارے کا احمدؐ ہے، محمدؐ بھی ہے، محمود بھی، حامد بھی ہے، سردارِ رسل شانِ الٰہ
کملی والا کوئی کہتا ہے کوئی جانِ جہاں، راحتِ جاں، شاہِ زماں، نورِ درخشانِ بہار [۹۸]

شتاق نے کہیں کہیں نعت کے موضوعات کو خالص ہندوستانی رنگ میں بھی پیش کیا ہے۔ ان کی مقبولِ عام ٹھمریاں مقامی ماحول و شاعری کے عناصر لیے ہوئے ہیں، جہاں عورت کی زبان میں حضورِ اکرمؐ سے عقیدت و محبت اور وابستگی و شیفتگی کا اظہار ہوا ہے۔ فراق کے مضامین میں ہندی شاعری کے علائم و رموز کے استعمال نے ان نعتیہ ٹھمریوں کی فضا ہندی گیتوں کی سی ہے کر دی ہے۔ مختلف جگہوں سے درج ذیل نمونے دیکھیے:

سرکار مدینے والے، سرکار مدینے والے!
صورت تو دکھا دو پیاری
میں جان کو اپنی واری
ہے اس چرن کی تماری
سرکار مدینے والے . . . [۹۹]

نبی جی میری بگڑی بنا جانا
پاپ کی نیا ڈوب رہی ہے
تمہارے کرم سے ترانا
ہند نگر میں تڑپوں میں کب تک ـــــ اپنا نگر دکھلا جانا . . . [۱۰۰]

تھارو چرن کی ہے آس رے ساجن! مجھ بے کس کو
نینا لڑا کے دُکھ میں پڑی ہوں
پیت یہ آئی راس رے ساجن! مجھ بے کس کو۔ ۔ ۔ ب[۱۰۱]

سید محمد مرتضیٰ بیانؔ یزدانی میرٹھی (م ۱۳۱۷ھ) اور ان کے شاگرد صوفی محمد اکبر میرٹھی (م ۱۳۴۸ھ) اس دور کی مجالسِ مولود کے معروف شاعر ہیں۔ نعتیہ کلام میں ان کی درج ذیل نعت خاص طور پر مشہور ہے:

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹائے، آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے، آجا
بیکسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے، آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلہ والے ــــ آجا
..... ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے، آجا [۱۰۲]

اس نعت پر کئی شعرا نے خمسے لکھے اور اس کی تضمینیں کہیں۔ عصرِ جدید کے میلاد ناموں میں یہ نعت کئی جگہ درج ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کے لب و لہجہ (خصوصاً مطلع پر ممتاز حسن اور بعض ناقدینِ نعت نے اعتراض کیا ہے اور اسے شانِ نبوت کے منافی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ نعت اپنے مخصوص ترنم اور موسیقیت کے باعث نعتیہ محافل اور مولود کی مجالس میں مقبول و پسندیدہ رہی ہے۔ بیانؔ نے:

ضیائے دیدۂ حق بیں ہے رخسارا محمد کا
کہ ہے اللہ کا دیدار نظارہ محمد کا

مطلع والی نعت میں حضورِ اکرمؐ کا سراپا قلمبند کیا ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

ریاضِ خلد کی لہریں، لکیریں دستِ اطہر کی
کنک بحرِ کرم، انگشت فوارہ محمد کا
وہ شافی میرے دردوں کا، وہ کافی مرے دردوں کا
میں دکھیارا احمدؐ کا، میں دکھیارا محمد کا [۱۰۳]

صوفی اکبر میرٹھی اپنے "میلادِ اکبر" کے سبب مشہور ہیں۔ مولودِ شہیدی کے بعد سب سے مشہور و پسندیدہ مولود "میلادِ اکبر" ہی ہے جس کے اب تک بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

"میلادِ اکبر" کے علاوہ "باغ کلامِ اکبر"۔ "نہالِ روضۂ اکبر"۔ "ریاضِ اکبر"۔ "گلزارِ اکبر" اور "گلستانِ اکبر" وغیرہ کے نام سے ان کے کئی نعتیہ مجموعے شائع ہوئے۔ نعتیہ کلام کے علاوہ انھوں نے مذہبی موضوعات پر اور بھی متعدد کتابیں لکھیں۔

اکبر، چشتی، وارثی اور قادری سلاسل سے وابستہ تھے۔ ان کی نعتوں میں حسن و تاثیر کا سبب ان کے بیان کی سادگی ہے۔ یوں تو ان کے کلام سے ان کی علمیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مگر ان کا بیشتر کلام سہل اور آسان ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے مخاطب وہ عوام تھے جو مجالسِ میلاد کی رونق ہوتے ہیں۔ جذبہ کی سچائی اور خیال و احساس کی پاکیزگی ان کی نعتوں کا جوہر ہے۔ میلاد نگاروں میں وہ بڑے نعت گو اس باعث بھی ہیں کہ انھوں نے اپنی نعتوں کا ادبی معیار قائم کر رکھا ہے۔ ان کے شغفِ نعت نے اردو نعت کو عوامی حلقوں میں بہت مقبول کیا۔ وہ پنجاب کے اکثر اضلاع کا دورہ کرتے رہتے تھے اور جگہ جگہ مجالسِ میلاد منعقد کرتے تھے[۱۱۴]۔ ایک اعتبار سے نعت گوئی اور نعت خوانی ان کی زندگی تھی۔ ان کی نعتوں میں خلوص و عقیدت کی فراوانی، ان کے جذبۂ حُبِ رسولؐ کی مظہر ہے۔ انھوں نے آنحضرتؐ کی سیرت کے واقعات کو بھی ("میلادِ اکبر" میں) منظوم کیا ہے۔ ولادتِ رسولِ اکرمؐ اور "واقعۂ معراج" کا بیان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ زمین و آسمان کے مکالمے میں بھی انھوں نے نعت کے موضوع کو قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کلام میں متعدد سلام ہیں۔ ان کا درج ذیل سلام اردو کے معروف سلاموں میں ہے:

یا نبیؐ سلام علیک، یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیب سلام علیک، صلوٰت اللہ علیک[۱۱۵]

متعدد شاعروں نے اس سلام کی تضمین میں سلام کہے جو آجکل بھی مجالسِ میلاد اور نعتیہ محافل میں پڑھے جاتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

> "یہ اردو کا مقبول ترین سلام ہے۔ اس سے زیادہ نہ کوئی سلام آج تک پڑھا گیا نہ سنا گیا۔ پاک و ہند کا شاید ہی کوئی مسلمان ہو، جس کے کان اس سے آشنا نہ ہوں۔ درود و سلام کے عنوان سے اردو میں درجنوں نظمیں لکھی گئیں۔ خود اکبر وارثی کے سلام کی تقلید میں سینکڑوں سلام منظرِ عام پر آئے لیکن سادگی و صفائی، اثر و تاثیر اور قبولِ عام کے لحاظ سے کوئی بھی "اکبر" کے کلام کو نہیں پہنچتا"۔[۱۱۶]

اکبر کے نمونۂ نعت کے لئے درجِ ذیل اشعار دیکھئے ۔ اس نعتیہ غزل میں قوافی، قرآنِ مجید سے اخذ کئے گئے ہیں:

ہے جسمِ محمدؐ سراجاً منیراً
کہ ہے شان میں جس کی ذکراً کثیراً
جو منظورِ خالق ہوئی رہنمائی
محمدؐ کو بھیجا بشیراً نذیراً [۱۰۷]

یہ پوری نظم اسی انداز کی ہے ۔ "محمدؐ" ردیف میں ان کی کئی نعتیں ہیں ۔ ایک نعت کے کچھ شعر درج ذیل ہیں:

دل میں مرے، آنکھوں میں سما جائے محمدؐ
ہر سمت نظر آئے تجلائے محمدؐ
..... انوارِ خدا کا بھی کہیں ہوتا ہے سایہ
ہے نورٌ علیٰ نور سراپائے محمدؐ
تھوڑی سی زمیں طیبہ میں اکبر کو دے اللہ
قدموں میں محمدؐ کے ہو شیدائے محمدؐ [۱۰۸]

ان کی ایک اور معروف نعت کے درج ذیل شعر دیکھیں ۔ اس میں رائج تغزل کی خصوصیات کے ساتھ خلوص و عقیدت کی فراوانی کا اظہار ہے:

دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر بھی
روشن ہیں ترے نور سے سورج بھی قمر بھی
دی طائروں نے تیری رسالت کی گواہی
بول اٹھے ترے حکم سے پتھر بھی شجر بھی
محبوبِ دو عالم ہے کدھر دیکھئے، دیکھے
مشتاق نگاہوں کے اِدھر بھی ہیں اُدھر بھی
دے ڈالیں گے جاں شربتِ دیدار کے بدلے
مرنے پہ تُو ملتا ہے تو ہم جائیں گے مر بھی [۱۰۹]

ممتاز جہاں گنگوہی (م ۱۲۴۵ھ) بھی اسی دور کے نعت گو ہیں۔ ان کی انفرادیت ان کی پوری نعتوں میں نمایاں ہے۔ اس دور میں ہندی آمیز نعتیں اکثر شعراء کے ہاں نظر آتی ہیں۔ بعض نے راگوں اور ٹھمریوں کی طرز پر نعتیں کہیں۔ ممتاز گنگوہی نے ہندی و پوربی میں متعدد نعتیں کہیں۔ ان کے نعتیہ دیوان "چمن مناقب کا" کا ایک پورا حصہ ان نعتوں پر مشتمل ہے۔ ان نعتوں میں ہندی شاعری کی خصوصیات "پیا کے کارن جوگن کا دَر دَر پھرنا"، عورت کی طرف سے اظہارِ محبت، برہا اور جدائی کی شدت، دیدار کی انتہائی تمنا، محبوب کے چرن چھونے کی آرزو، ہوا کے ذریعہ محبوب کو سندیسہ بھیجنا اور اس انداز کے جذبات ملتے ہیں:

کوئی ایسی سکھی چاتر نہ ملی، موہے پی کے دوارے بٹھا دیتی
میں تو راہ مدینہ بھی دیکھی نہیں، موری بیاں پکڑ کے بتا دیتی

مورے من میں ہے اب تو جوگنیاں بنوں اور مل کے بھبھوت مدینے چلوں
سکھی! ہند کی نگری میں کا ہے رہوں، نہیں بیت تو جیون ذرا دیتی ۱۱۰

ممتاز کی ان نعتوں کو بہت مقبولیت ملی۔ اس کا ایک سبب ان کے اندر خلوص کی فراوانی ہے جو کیف آور ہے۔ دوسرے ہندی میں ہونے کے باوجود ان کا لب و لہجہ سہل اور قابلِ فہم ہے۔ ہندی بحروں کا مخصوص آہنگ و موسیقی بھی ان کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب ہے۔ عصرِ جدید میں چھپنے والے متعدد نعتیہ انتخابات میں "ممتاز گنگوہی" کی ہندی نعتیں نظر آتی ہیں۔

منشی محمد شمس الدین امیر حمزہ (م ۱۲۷۶ھ) کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "چمنستانِ حمزہ" بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ یہ مجموعۂ نعت ۱۲۴۲ھ میں شائع ہوا۔ اس میں نعتیہ غزلوں، قصیدوں اور مرثیوں کے علاوہ نعتیہ ٹھمریاں بھی ہیں۔ مثلث اور مخمس میں نعت کہنے کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے سراپا پر ایک مسدس بھی ہے۔ حمزہ کی شہرت کا بڑا سبب ان کی نعتیہ ٹھمریاں ہیں:

نبی جی کی کھائیں ... جب میں دنیا میں آئی
پر وہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں

میں نے کیا کی برائی ... ان سے دل جو لگائی
کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں

تڑپت الکلپت بیتی رتیاں، نیند اچٹ گئی ہائے
پلک پلک سے نا ہیں ملیں اور من جلیں پہ درس نہ پائے

سکھی تم ہی بتاؤ کیسا ہو گا بنھاؤ

کس سے بولوں ملاؤں

وہ تو آتے نہیں اور بلاتے نہیں

کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے ہیں[۱۱۱]

ہندی گیتوں کی طرز میں ایک نعتیہ گیت دیکھئے:

نجر ہیں آٹھوں پہر بسو ہے تمھاری چتون کملیا والے

ان کھی سیج دیچ انٹی ادائیں، رسیلی انکھیں کملیا والے

بحرِ طویل میں نعت کا نمونہ ملاحظہ ہو:

للّٰہ الحمد یہ دہ روز ہے نیروز کہ نوروز سے بڑھ کر طرب اندوز، دل افروز ہے سامانِ بہار

عشرت انگیز بصد گونہ دل آویز ہے، نو خیز ہے، گلریز ہے ہر شاخِ گلستانِ بہار

حمزہ کی نعت پر "شائق" کے اثرات نمایاں ہیں۔ ان کا بحرِ طویل میں "قصیدۂ بہاریہ" جس کا مطلع اوپر درج کیا گیا ہے، شائق ہی کی تقلید میں ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ٹھمریوں میں بھی شائق کی نعتیہ ٹھمریوں کا سا رنگ ڈھنگ ہے۔

محمد مظفر الدین معلّٰی (م ۱۳۳۵ھ) کے مجموعۂ کلام "ریاضِ معلّٰی" (سنِ اشاعت ۱۳۲۰ھ) کا پہلا حصہ نعتیہ موضوعات پر مشتمل ہے۔ (دوسرے دو حصے عشقیہ و مدحیہ اور فارسی کلام پر مشتمل ہیں)۔ معلّٰی نے غزل کی ہیئت میں نعت کو آگے بڑھایا۔ جذب و شوق ان کی نعت گوئی کی خصوصیات ہیں۔ شغفِ نعت سے وابستگی ان کے ہاں عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

اے معلّٰی نہ کبھی نعتیہ اشعار کو چھوڑ

کافی ہے وِرد یہی بارہ مہینے تجھ کو[۱۱۲]

ان کی نعتوں میں جذبہ و شوق کی فراوانی ہے۔ ان کے صوفیانہ مزاج کے سبب ان کی نعت گوئی میں حالی کا رنگ نمایاں ہے۔ وصفِ رسول میں قرآن و احادیث کے حوالے ان کی علمیت کے شاہد ہیں۔ "وصفِ مدینہ" درود اور مصطفٰے و محمد کی ردیفوں میں ان کی نعتیں عقیدت و شیفتگیٔ رسالت مآب کی مظہر ہیں۔

مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرت کا مجموعۂ کلام "رمزیات الاشواق" ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا۔ اس میں عربی نعت

اور ٹھمریاں ہیں۔ "نسیمِ عرفان" میں نعتیہ ٹھمریاں ہیں۔ "زمزمۂ محبت" ان کا تیسرا مجموعہ ہے جو حمد و نعت و منقبت پر مشتمل ہے۔ حسرت کے کلام میں عربی کے ساتھ ہندی عناصر شیر و شکر ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان کی نعتیہ ٹھمریوں میں حضور اکرمؐ کو جہاں "سیّد المصطفےٰ"۔ "احمدِ مجتبیٰ" اور "سیّد الابرار" کہہ کے مخاطب کیا ہے وہاں "معراجی سیّاں"۔ "کالی کملی والے کنہیا" اور "مکے والے بلما" کہہ کے بھی بلایا گیا ہے۔

حسرت کے نعتیہ کلام کی انفرادیت ان کی نعتیہ ٹھمریوں میں ہے۔ ان میں ہندی بھجنوں اور گیتوں کی سی سرمستی و فریفتگی کا اظہار ہے۔ جذبات کی فراوانی، نسائی طرزِ اظہار اور ترنم و موسیقی کے عناصر نے انہیں کیف آور بنا دیا ہے۔ اگرچہ نعت کا یہ انداز احترام ذکرِ رسالت کے لائق نہیں مگر یہ ٹھمریاں عوامی حلقوں میں بہت پسندیدہ و مقبول رہی ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

معراجی سیّاں! تم پر جیا قربان!
آنکھوں کے تارے، راج دلارے، تم ہو میری جان
معراجی سیّاں
نیند نہیں آوے، چین نہیں آوے، تم بن اے سلطانؐ
معراجی سیّاں [۱۱۴]

او مکے والے بلما! تو آجا رے
آجا رے! پھر نہ جا رے
خدیجہؓ بی بی کے راج دلارے
عائشہؓ بی بی کے بالم پیارے
آجا رے پھر نہ جا رے [۱۱۵]

بھولی بھالی میں ہوں ناری، پیت کے کا ہار
موری نیّا منجدھار
...... کالی کملی والے بھیا، آؤ اب سرکار
موری نیّا منجدھار [۱۱۶]

حسرتؔ کے کلام میں قرآنی حوالے اور تلمیحات بھی ہیں اور علمیت و تصوف کے مضامین بھی، مگر ان کے اندازِ بیان میں سادگی ہے جس کے سبب ان کی نعتیں عام فہم ہیں اور خاص و عام میں مقبول ہیں۔

مضطرؔ خیرآبادی نے دوسری اصنافِ شعر کے ساتھ نعتِ رسول اکرمؐ میں بھی شعر کہے۔ نعتیہ کلام کی مقبولیت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو "دبستانِ لکھنؤ" میں "محسن کاکوروی" کے بعد مضطر ہی کا نام سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کا ایک دیوان "نذرِ خدا" کے عنوان سے شائع ہوا تھا لیکن وہ عام طور پر دستیاب نہیں ہوتا۔ ابواللیث صدیقی نے ان کی معروف نعتوں کا نمونہ دیا ہے جس میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

سبز گنبد کے مکیں! میری مدد فرمایئے

_____ نعتیہ مسدس

ملنا تھا تو مل جاتے اُس نورِ مجسّم سے

کیوں جا کے چلے آئے دربارِ محمّدؐ سے

_____ نعتیہ غزل

انہوں نے نعت میں کچھ اور مسدس بھی کہے جس میں ایک مشہور نعت گو شاعر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی مشہور نعت (جس کا مطلع یہ ہے: لم یات نظیرک فی نظرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا..... الخ) کی تضمین بھی ہے۔ بقول ابواللیث:

"شاعرانہ طرزِ بیان اور نزاکتِ تخیل کے اعتبار سے یہ کلام محسنؔ کی نعت کا ہمسر نہیں ہے البتہ محسنؔ کی طرح اس میں خلوص کی چاشنی موجود ہے اور محض رسمی طور پر انہیں نظم نہیں کیا گیا۔" [۱۷۱]

حافظ جلیل حسن جلیلؔ مانک پوری (م ۱۳۶۵ھ) کی نعت میں قدیم لکھنوی تغزل کے رنگ کی ترجمانی ملتی ہے۔ ان کی زبان شستہ و صاف ہے اور مضمون کو زبان پر ترجیح کے سبب یہ لکھنوی دبستان کے عام شعراء سے قدرے مختلف ہیں۔ شاعری میں چونکہ "امیر مینائی" کے شاگرد ہیں لہٰذا نعت کا ذوق بھی امیرؔ کی صحبت و شاگردی میں پروان چڑھا۔ ان کا نعتیہ کلام "معراجِ سخن" کے نام سے ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوا جس میں زیادہ تر نعتیہ غزلیں ہیں۔ "شبِ معراج" کے موضوع پر ایک "ترجیع بند" بھی قابلِ ذکر ہے۔ نعت میں چند رباعیاں بھی ملتی ہیں۔

بیتل کا نعتیہ کلام سلاست و روانی اور سادگی و خلوص کے سبب خاص تاثیر اور حسن رکھتا ہے۔ ان کی بعض نعتیں رواں دواں اور مترنم بحروں میں ہیں اور سننے والے کو متاثر کرتی ہیں۔ درج ذیل نعتیں اسی انداز کی ہیں:

کٹے عمر صلِ علیٰ کہتے کہتے
اٹھوں حشر میں مصطفٰے کہتے کہتے

محمدؐ کو پایا خدا کہتے کہتے
خدا مل گیا مصطفٰے کہتے کہتے

نہ منصب نہ دولت نہ زر چاہیے
مجھے آپؐ کی اک نظر چاہیے

...... درِ مصطفٰےؐ ہے ادب اے جبیں!
یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیے

ان کی نعتوں میں جمالِ محمدیؐ پر فریفتگی، حبِّ رسولِ اکرمؐ کی اہمیت، بارگاہِ رسالت سے امیدواری و شفاعت طلبی کے مضامین عام ہیں۔ زبان کی شگفتگی اور طرزِ ادا کی ندرت کے سبب ان کے نعتیہ کلام کا ادبی پایہ بھی بہت بلند ہے۔

اس عصر اور رنگ کے دوسرے نعت گو شاعروں میں اکبر بدایونی، کیف ٹونکی، اختر بہاری، عزیز فیض پوری، راغب قصوری، رزاقی، مسکین، وفا، مذاق، بسمل، حزیں، ابرار، آبد، گدا، زاہد، ہدایت علی، نحیف، انور، غالب، شہرت، آثم، ہنر، بیتاب وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی نعتیں مختلف نعتیہ انتخابات مثلاً بوستانِ نعت (مرتبہ حنیف کمالوی)۔ "نعت ہی نعت" (چار حصے مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور) غنچۂ قوالی (مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور) وغیرہ میں ملتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں چھپنے والے نعتیہ انتخابات مثلاً "ارمغانِ نعت" مرتبہ شفیق بریلوی اور "مجموعۂ نعت" دو حصے میں بھی ان میں سے بعض شعرا کے نمونے ملتے ہیں۔

علماء و صوفیاء کی نعتیہ شاعری

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا حسن رضا خاں بریلوی کے علاوہ نعت کے عصرِ جدید

میں علماء و صوفیا کی کثیر تعداد نے اردو نعت کے فروغ اور ترویج میں حصہ لیا۔ ان میں مفتی غلام سرور لاہوری، غلام مصطفےٰ عشقیؔ، صحو ابو العلائیؒ، مفتی محمد دیدار علی شاہ، مولانا حکیم سید غوث شاہ، بیدمؔ وارثیؒ اور ایاس برنی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ وہ علمائے کرام جن کی وجہِ شہرت نعت گوئی یا شاعری نہیں، انہوں نے عشق و مدحِ رسولؐ میں شعر کہے۔ ان بزرگوں نے خود بھی نعتیں لکھیں (ان میں سے اکثر نے نعتیہ دیوان ترتیب دیے) اور ان کے ارادت مندوں اور شاگردوں نے بھی اپنے حلقوں میں مقدور بھر نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ علماؒ اور صوفیاؒ کی نعتیہ شاعری عام شاعروں کی نعت گوئی سے کچھ مختلف ہے اور اپنے مخصوص لب و لہجہ اور صوفیانہ و عارفانہ طرزِ ادا کے سبب منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اکثر صوفیاؒ کا کلام عشقِ حقیقی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کا اظہار چونکہ مجازی علامتوں کے حوالے سے ہوا ہے اس لیے آنحضرتؐ کی محبوبیت کو بالعموم مجازی کے پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں حقیقتِ محمدیؐ کا ادراک اور صفاتِ محمدیؐ کا تذکرہ ایک ذاتی واردات کی حیثیت رکھتا ہے۔ صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے مشاہدات اور کیفیات کے اندر جذب و مستی اور شیفتگی و فدویت کا عنصر زیادہ نمایاں ہے۔ انہوں نے نعت میں جو کچھ کہا ہے ڈوب کر کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شوقِ فراواں اور خلوص و سرشاری کی جو فضا ان کی نعتوں میں ملتی ہے وہ دوسرے شعراء کے ہاں نظر نہیں آتی۔

مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ) نے نعت کے کئی مجموعے لکھے۔ "دیوانِ نعتِ سروری" اور "نعتِ سروری" کے عنوان سے ان کا نعتیہ کلام متعدد بار چھپا اور مقبول ہوا۔ وہ باصفا اور صاحبِ حال صوفی تھے۔ ان کی نعتوں میں دلی جذبات کی فراوانی کے ساتھ حفظِ مراتب کا خیال و التزام ملتا ہے۔ حمدِ باری تعالےٰ، نعتِ رسولِ اکرمؐ اور منقبتِ بزرگانِ دین میں انہوں نے ایک حدِ فاصل رکھی ہے جس سے آپ کے تبحرِ علمی احساسِ نزاکتِ نعت اور مرتبہ شناسی کا پتہ چلتا ہے۔ حلیہ مبارک ﷺ، وفات شریف ﷺ اور درود شریف (موسوم بہ شمس الضحیٰ) ان کی نمائندہ طویل نعتیں ہیں جو سلاست و روانی اور مطالب کی فراوانی کے ساتھ ان کی قادرالکلامی اور موضوع کی پیش کش میں نفاست و مہارت کا پتہ دیتی ہیں۔ "غزل در زیارتِ حرمین شریفین" ان کے سفرِ حج کی نعت ہے جو جذبۂ حبِّ رسولؐ اور فدویت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے یہ شعر دیکھیے:

ہے پہنچا سرورِ عالم کے آج گھر سرورؔ
کھڑا ہے صورتِ دیوانہ زیرِ در سرورؔ

اب اپنے در پہ اسے رکھیو کہ آ سُن
پھرے جہاں میں نہ آوارہ دربدر سرور

منشی سرور سفرِ حج میں ہی فوت ہوئے اور بہیر باالاحسانی جو مضافاتِ جنگِ بدر میں ہے پیوندِ خاک کئے گئے۔ انہوں نے تمام اصنافِ سخن میں نعت کہی ان کے دیوانِ نعت کے آخر میں خمس، مسدس، ترجیع بند اور تراکیب بند ہیں انہیں تاریخ گوئی میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ زیارت روضۂ اطہر کے متعلق ایک قطعہ تاریخ لکھا تھا کہ حضورِ اقدس کے روضۂ منورہ کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھوں گا لیکن یہی قطعہ تاریخ آپ کا قطعہ تاریخِ وفات بن گیا۔

ابھی سرور نے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی (۱۲۰۷ھ)

دکن کے غلام مصطفےٰ اشتی بھی اسی عصر کے صاحبِ حال و قال بزرگ ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے "اردو کی نعتیہ شاعری" میں ان کی تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وہ عشقِ الٰہی وحبِ رسول میں مست رہتے تھے فارسی عربی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ شاعری کی حیثیت سے وہ زیادہ مشہور نہ ہو سکے لیکن نعت خواں حلقوں میں ان کا کلام بہت مقبول رہا ہے۔ ان کے عربی سلام کے یہ اشعار آج بھی میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھے جاتے ہیں۔

یا شفیعَ الوریٰ سلام علیک | یا نبی الھُدیٰ سلام علیک
خاتم الانبیاء سلام علیک | سید الاصفیاء سلام علیک

...... گلدستۂ مصطفوی" دیوانِ نعتیہ موصوف بہ انوارِ مصطفوی، محامدِ محمدی الموصوف بہ توصیفاتِ مصطفوی اور حمائدِ احمد المعروف بہ تعریفاتِ مصطفوی......"

ان کے نعتیہ دیوان ہیں۔ وہ ایک قادر الکلام نعت گو شاعر تھے اور جو کچھ کہتے تھے جذبات میں ڈوب کر کہتے تھے۔ ان کی زبان سادہ اور بیان شگفتہ ہے۔ لیکن پُر گوئی نے خیالات و الفاظ دونوں میں ایسی تکرار پیدا کر دی ہے کہ جدت و ندرت کہیں کہیں ملتی ہے۔ [۱۱۳]

محوا ابوالعلائی (م ۱۳۲۴ھ) نے نعت گوئی میں جذب و کیف اور مستی و وارفتگی کے عناصر کو فروغ دیا۔ وہ حیدرآباد کے صوفی شاعر تھے۔ ان کی نعتیہ شاعری پر حبِ رسول اکرم کا صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ تصوف و

عرفان کے حوالے سے کہیں کہیں نعت میں ایسے مضامین بھی لے آتے ہیں جو حدودِ شریعت اور آدابِ نعت گوئی سے ٹکراتے ہیں۔ جعفو کی نعتوں کا بنیادی جذبہ عشقِ رسولؐ ہے۔ ان کے ہاں خلوص و سرشاری کے جذبات نے جگہ جگہ کیف و دلآویزی پیدا کر دی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پردۂ میم میں چھپے ہیں حضورؐ
ہم سے نزدیک ہیں انہیں کچھ دور [۱۲۱]

مقید کہوں گر تو مطلق ہیں حضرتؐ
بتاؤں میں کیا جو پتہ آپؐ کا ہے
لگی آگ عشقِ پیمبرؐ کی ایسی
جو تھا ماسوا سب کا سب جل گیا ہے

مفتی محمد دیدار علی شاہ کا دیوانِ نعت الموسوم بہ "فروغِ نبیؐ" (سنِ اشاعت ۱۲۸۴ھ) بھی اس زمانے کی یادگار ہے۔ ان کے دیوان میں سنگلاخ زمینوں کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ اکثر ردیفیں مردّف ہیں۔ فراقِ مدینہ کا شدید احساس اور دیارِ رسولؐ میں مرنے کی شدید تمنا ان کی نعت گوئی کا نمایاں موضوع ہے۔ انہوں نے صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں ایک طویل سراپائے رسولِ اکرمؐ [۱۲۲] بھی لکھا۔ نعت بالتسمیہ [۱۲۳] متفرق بھی کہی جو انکی قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔ مجالسِ مولود شریف میں پڑھنے کے لئے "السلام علی الانبیاءؑ و خیرالانامؐ [۱۲۴]" بھی نعت گوئی کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان کی کئی نعتیں ردِ وہابیہ میں ہیں اور مجلسِ میلاد میں بطورِ خاص پڑھنے کیلئے لکھی گئی ہیں:

وہابیہ ہندی ہو یا آنکہ نجدی
ہوں سب قہر سے تیرے مرجانے والے
ہو گستاخ شانِ نبیؐ کو دلی کے
وہ تعظیمِ نبوتؐ سے جل جانے والے
بشر اپنے جیسا کہیں یہ نبیؐ کو
یہ نبیوں کی عظمت سے گھبرانے والے [۱۲۵]

نعت میں ان کا یہ شعر بھی دیکھیے

جو مستوی ہیں سرِ عرش با خدا بن کر
وہی مدینہ میں رہتے ہیں مصطفٰے بن کر

یہاں آسی غازی پوری کے معروف شعر

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفٰے ہو کر

(شعر جس میں نبوت اور الوہیت کے مراتب گڈمڈ کردیئے گئے تھے، کی تصحیح کر کے اسے آدابِ نعت گوئی کے مطابق کر دیا ہے۔)

ان کے دو شعر اور دیکھیے:

تم ہو سینہ میں یا مدینہ میں
ہے مدینہ بھی میرے سینے میں[131]

طیبہ کے دھنی سلطانِ عرب من موہن سید سناوت ہیں
کبھی درشن دے بہلاوت ہیں کبھی مکھڑا چھپا ترساوت ہیں[127]

نعت کے مضامین جنہیں صوفیانہ کیف و جذب کے عنصر نے دلآویز بنا دیا ہے، ان کے دیوان میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔

سید افضل شاہ طوفاں کا دیوانِ نعت "سلطانِ سخن" ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ طوفاں کا تعلق قادریہ اور چشتیہ سلاسل سے تھا۔

اس دیوان میں غزل، مثنوی اور رباعی کے علاوہ اساتذۂ نعت امیر خسرو، لطف بریلوی، بیدم وارثی وغیرہ کے کلام پر تضمینوں کی شکل میں بھی نعتیہ کلام ملتا ہے۔ انہوں نے مشکل زمینوں میں بھی نعتیں لکھیں۔ ان کی نعتوں میں تغزل کے ساتھ حضورِ اکرمؐ سے عقیدت و اشتیاق کے عناصر بھی نمایاں ہیں۔ ان کے شغفِ نعت کا اندازہ اس امر سے ہوتا تھا کہ انہوں نے یہ ضخیم دیوان (جو کم و بیش چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے) چودہ ماہ میں مکمل کیا۔ ان کے درج ذیل شعر دیکھیے:

درد دل کو ملاتے ہیں رو ٹھوں کو مناتے ہیں
عادت ہے محمدؐ کی یوں شیر و شکر کرنا[128]

ضعف کہتا ہے کہ کس طرح مدینے جائیں
شوق کہتا ہے کہ مر مر کے چلے جایئے آپ

گر ہم نہ گئے روح تو جائے گی مدینہ
دل میں کششِ صادقِ حبّ الوطنی ہے

مولانا حکیم سید غوث علی شاہ (م ۱۲۵۵ھ) قادری چشتی اور نقشبندی سلسلے کے بزرگ اور فنافی العشقِ رسولؐ تھے۔ نعت میں ان کا دیوان "مراد العاشقین" کے نام سے طبع ہوا ہے۔ ان کی نعتوں کا غالب موضوع بھی ردِّ وہابیہ ہے۔ انہوں نے "آفتابِ محمدیؐ" کے نام سے غیر مقلدین کے ردّ میں ایک منظوم کتاب بھی (پنجابی میں) لکھی۔ ان کی اکثر نعتیں مجالسِ مولود کا پس منظر رکھتی ہیں:

آؤ رسولِ پاکؐ کے در پر وہابیو
صلّ علی الرسولؐ کو پڑھ کر وہابیو

کیوں یا رسولؐ کہنے سے کرتے ہو شور و غل
کیوں حنفیوں سے مرتے ہو لڑ کر وہابیو [۱۲۹]

مومنو! تشریف لاتے ہیں ضرور
شاہِ خوباں محفلِ میلاد میں [۱۳۰]

وردِ زباں رکھیں گے ہم صلّ علیٰ حبیبہٖ
پڑھتے رہیں گے دم بدم صلّ علیٰ حبیبہٖ [۱۳۱]

غوث شاہ کی نعتوں میں دیارِ رسولؐ سے دوری کے احساس نے اضطراب و کیف کے تاثرات نمایاں کر دیئے ہیں۔ زیارتِ رسولؐ کا شوقِ فراواں ان کی نعت گوئی کا محوری موضوع ہے۔ عقیدت و شیفتگی اور جذب و کیف کے عناصر اسی شوقِ فراواں کا نتیجہ ہیں۔ اوصافِ محمدی کی بجائے ان کی نعت جذبۂ حبِ محمدیؐ سے سرشار ہے۔ کم و بیش ان کی ہر نعت میں حضورِ اکرمؐ کو خواب میں دیکھنے، موت کے بعد قبر میں دیکھنے، میدانِ حشر میں دیکھنے کی تمنا اور حضورِ اکرمؐ کی دستگیری و شفاعت کا بیان ہے۔ شدتِ عشقِ رسولؐ کے سبب ان کی نعتیں

(غزل کی ہیئت میں ہونے کے باوجود) غزلِ مسلسل کی طرح ایک ہی طرح کی کیفیت پر مشتمل ہیں۔ چند شعر دیکھئے:

نکلے گر شوقِ مدینہ میں تڑپ کر دم مرا
آپ کے روضے پہ پہنچائیں فرشتے میری لاش [۱۲۲]

خواب میں بھی گر جمالِ جانفزا
دیکھ لوں تو چوم لوں تیرے قدم [۱۲۳]

شہرِ طیبہ کو چلے جاتے ہیں جانے والے
رہ گئے ہند میں تکلیف اٹھانے والے [۱۲۴]

بادِ صبا! مدینے لے چل مجھے اڑا کے
بن جائے میری تربت، قدموں میں مصطفٰے کے [۱۲۵]

وصال سے کچھ ماہ پیشتر فالج کی حالت میں اور انتقال سے کچھ روز قبل انہوں نے آنحضرتؐ کے دربار میں دو استغاثے لکھے جو جذب و کیف اور عقیدت و محبت کے مظہر ہیں۔ ان کے درج ذیل مطلع دیکھئے:

بحمد اللہ ہوئی پوری تمنائے دلِ مضطر
دکھایا جیتے جی حق نے نبیؐ کا روضۂ اطہر [۱۲۶]

اے سرورِ دو عالم ابرِ کرم خدا را
سن لے مری مصیبت ہوں رنج و غم کا مارا [۱۲۷]

بیدمؔ وارثی (م ۱۳۶۲ھ) اس سلسلۂ نعت کے انتہائی معروف شاعر ہیں جن کی نعتیں تاثیر و شہرت کے سبب خصوصی ذکر کے قابل ہیں۔

جذب و کیف کے عناصر جس فطری انداز میں بیدمؔ کی نعتوں میں آئے ہیں اس سے ان کی نعتوں میں حسن و اثر دوبالا ہو گیا ہے۔ بقول مولانا حسن نظامی:

"کلامِ بیدمؔ سے اردو میں روحانی جان پیدا ہو گئی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب تک اردو کے دم میں دم ہے کلامِ بیدمؔ ہمیشہ باقی رہے گا۔" [۱۳۸]

مولانا محمد صبغۃ اللہ شہید انصاری، بیدمؔ کے کلام کی تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جامیِ عصر، فردِ ذوقِ وقت اور محسنِ زمانہ کے کلام کی بدولت نہ صرف ہمارے اعراس کی محفلیں گرماتی ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ ہمارے ایسے سرد دل بھی ہنگامی طور پر ہی سہی مگر ایک گرمی محسوس کرتے ہیں، روتے ہیں۔ متاثر ہوتے ہیں اور اس جذبہ کو پالیتے ہیں جو چشتیت کی روح بلکہ حاصلِ حیاتِ مستعار ہے۔" [۱۳۹]

بیدمؔ کی نعت گوئی ان کی ذاتی واردات اور داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ ان کے شعروں میں سوز و گداز اور کیف و اثر، اس شیفتگی کا عطا کردہ ہے جو انہیں ذاتِ رسولِ اکرمؐ سے ہے۔ سلیس زبان، سہل انداز اور مترنم لہجہ نے ان کی نعتوں میں ایک پاکیزہ اور وجد آور فضا پیدا کر دی ہے۔ ان کی درج ذیل نعتیں خصوصاً مجالسِ سماع سے لے کر محافلِ میلاد تک خاص و عام میں ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں:

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھینچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم [۱۴۰]

قبلہ و کعبۂ ایماں رسولِ عربیؐ
دو جہاں آپ پہ قرباں رسولِ عربیؐ [۱۴۱]

میرا دل اور مری جان مدینے والے
تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے [۱۴۲]

کیا پوچھتے ہو گرمیٔ بازارِ مصطفیٰ
خود بک رہے ہیں آگے خریدارِ مصطفیٰ [۱۴۳]

بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

"قبولِ عام کے لحاظ سے وہ اردو کے دوسرے نظیر اکبرآبادی ہیں۔ نظیر اکبرآبادی انسان کی زندگی اور اس کے ماحول کی ترجمانی کے سبب شہرت رکھتے ہیں۔ بیدمؔ وارثی کو انسان

کی داخلی زندگی کی عکاسی اور اس کے عشقیہ جذبات کی ترجمانی میں کمال حاصل ہے۔ نیئر کے یہاں جگ بیتی کا لطف ہے۔ بیدم وارثی نے جو کچھ کہا ہے آپ بیتی بنا کر کہا ہے۔ اور آپ بیتی و جگ بیتی میں اثر پذیری کے لحاظ سے جو فرق ہے اس سے سبھی واقف ہیں۔ کلامِ بیدم وارثی کی نمایاں ترین خصوصیت اس کا سوز و گداز ہے۔ ان کی شاعری کیا ہے ایک دیوانۂ محبت کے دل کی آواز ہے ایسی آواز جو سننے والوں کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔"[۱۴۴]

مولانا محمد الیاس برنی کا نعتیہ کلام "معروضہ" (سنِ تصنیف بحساب ابجد ۱۳۷۶ھ) کسی شاعرانہ کمال کے دعوے کے بغیر سیدھے سادے انداز میں جذبِ حبِ رسولؐ کا اظہار ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

برنی باتیں دل کی کہہ دی ہیں زبانِ شوق میں

شاعری کے فن میں گرچہ وہ سند پائی نہ ہو[۱۴۵]

"گزارش" کے عنوان سے انہوں نے معروضہ کے شروع میں لکھا ہے:

"اس معروضہ میں کچھ کلام خام پیش ہے۔ کلام میں بیشتر معنی مقدم رہے۔ الفاظ کی پوری رعایت نہ ہو سکی مثلاً ایک ہی نظم میں کئی کئی قافیے آ گئے ہیں۔ بنا بر آں شاعری کے جو فنی لوازم ہیں بالخصوص بحر، وزن، قافیہ، ردیف، مطلع، مقطع، ان اعتبارات سے کہیں کہیں ضرور کچھ نہ کچھ نقص رہ گئے ہیں۔ چنانچہ اعترافِ تقصیر بلاعذر پیش ہے ..... جو شعر یوں سرسری طور سے بحر میں نہ جمیں اگر ان کو ہندی کی مناسب طرز میں ادا کیا جائے تو رواں ہو کر وہ بخوبی بحر میں بیٹھ جائیں گے اور اکثر بحروں میں ہندی شاعری کی طرز میں زیادہ داخل ہیں...... یہ کلام بیشتر اپنے دل کا ترجمان ہے۔ اپنے واردات کی یادداشت ہے ...... فنی قواعد سے جو شعر درست نکلیں وہ شعر شمار ہوں اور باقی جو ناقص معلوم ہوں، وہ نظم کی بجائے نثر سمجھے جائیں تو پھر شاعری پہ کوئی بار نہیں پڑتا اور اپنے دل کی بات بھی رہ جاتی ہے۔"[۱۴۶]

گزارش سے یہ اقتباسات اس لئے دیئے گئے ہیں کہ "معروضہ" میں شائع شدہ کلام کی فنی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔ معروضہ کی نعتیں اگرچہ فنی اور عروضی پابندیوں سے بے نیاز ہیں مگر وہ شاعر کے خلوص کی آئینہ دار ہیں۔ ان کی تخلیق کے پس منظر میں جذب و مستی کی لہر نمایاں ہے۔ شوق اور سرشاری کا ریلہ فن پارے کی خارجی ہیئتوں کو توڑ کر باہر ابلا پڑتا ہے۔ الیاس برنی کے بیان میں کشش اور جاذبیت ہے۔ قرآنی

مضامین، احادیث کے حوالے اور تلمیحات کے ساتھ ہندی گیتوں کا مخصوص لب و لہجہ اور اسلوب بھی ملتا ہے آنحضرتؐ کے لئے پیا اور بلماں کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ہندی گیتوں کی طرح جوگن کی طرف سے خطاب ہے اور کئی نعتوں کا انداز بھی دادرے اور ٹھمری کی طرح ہے۔ کہیں کہیں ہندی فضا میں عربی کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ چند ملے جلے نمونے دیکھئے:

اپنے پیا کی میں جوگن بنی میں تن من دھن سب واروں گی
مورا پیا تو مدینے رہت میں تن من دھن سب واروں گی [۱۴۷]

بلماں تو مورا مدینے رہت ہے
ہند میں گزرے گی کیسے عمریا [۱۴۸]

مورا من ہی چلتا جائے نبیؐ پہ میں بلہاری
موہے چین نہ اک پل آئے نبیؐ پہ میں بلہاری [۱۴۹]

نبیوں میں نبی مکی مدنی وہ صدرِ رسالت آوت ہے
وہ رسول کریمؐ و رؤف و رحیم جو رب کو سب سے بھاوت ہے [۱۵۰]

رشکِ ماہ ہوں تو کیا میں پہچان گئی نا
کوئی جانے نہ جانے میں جان گئی نا [۱۵۱]

ان کی درج ذیل نعت میں قرآن و حدیث کی تلمیحات بکثرت استعمال ہوئی ہیں:

شانِ ابرو قد بسم اللہ سے ملتی ہوئی
ان کی صورت صاف وجہ اللہ سے ملتی ہوئی
خلق ان کا خلق ہے کونین میں خلقِ عظیم
ان کی سیرت ہے کتاب اللہ سے ملتی ہوئی [۱۵۲]

بہ حیثیتِ مجموعی الیاس برنی کے کلام پر مجددیت کا رنگ غالب ہے۔ وصفِ محمدیؐ کے ساتھ تصوف و عرفان کے مسائل کا بیان بھی ہے۔ خارجی ہیئتوں کی اگرچہ پابندی نظر نہیں آتی تاہم ان کی نعتوں میں شعریت کا عنصر

پوری طرح غالب ہے۔

عصرِ جدید کے دوسرے علمائے کرام جن کی وجہِ شہرت نعت گوئی نہیں مگر جنہوں نے حضورِ اکرمؐ کو نعت کی صورت میں ہدیہ عقیدت پیش کیا بہت ہے ہیں۔ ان میں مولانا امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا انور شاہ کاشمیری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ "بارگاہِ رسالتؐ اور بزرگانِ دیوبند" کے عنوان سے حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں ان علمائے دیوبند کے نعتیہ کلام کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی چند نعتیں لکھیں۔[۱۵۵]

عصرِ جدید کا دورِ آخر

عصرِ جدید کے دورِ آخر میں کچھ شاعر ایسے بھی سامنے آتے ہیں جن کی زندگی کا بڑا حصہ متحدہ ہندوستان میں گزرا مگر جنہوں نے تقسیمِ ہند کے بعد کی ادبی و شعری فضا بالخصوص نعت کو بہت متاثر کیا۔ ایک اعتبار سے انہیں نعت گوئی کے عصرِ حاضر کے قریبی پس منظر میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان میں درج ذیل نعت گو قابلِ ذکر حیثیت رکھتے ہیں۔

سہیل اعظم گڑھی، امجد حیدر آبادی، عزیز لکھنوی، حمید صدیقی، ماہر القادری، بہزاد لکھنوی وغیرہ۔ ان شاعروں نے اپنے نعتیہ کلام کا آغاز عصرِ جدید میں کیا مگر عصرِ حاضر کی نعت گوئی بھی ان شعرا کے میلانات و رجحانات سے متاثر ہوئی۔ یہاں ہم اقبال سہیل اعظم گڑھی، امجد، عزیز اور حمید صدیقی کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیں گے اور بہزاد لکھنوی اور ماہر القادری کی نعت گوئی کا تذکار عصرِ حاضر کے آغاز میں کریں گے۔

اقبال سہیل (م/۱۳۹۵ھ) عصرِ جدید کے آخری اہم نعت گو ہیں۔ بقول اشتیاق اعظمی:

"دورِ حسانؓ سے لے کر عہدِ جدید تک طبقہ اولیٰ کے نعت گو شعراء کا جو تاریخی سلسلہ ہے سہیل اسی "سلسلۃ الذہب" کی آخری کڑی ہیں۔ اقبال کے بعد ...... سہیل ہی وہ ذی مرتبت شاعر ہیں جنہوں نے اپنے پیش رو شعرا کی لفظی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اردو کی نعتیہ شاعری کے افق کو وسیع کیا ہے اور فکر و فن کے اعتبار سے اسے نیا انداز و آہنگ بخشا۔"[۱۵۶]

سہیل کی نعت نگاری کا نمایاں وصف حقیقت نگاری ہے۔ ان کی نعتوں میں رسول اکرمؐ کی سیرت و سوانح اور اوصاف کا بیان قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ انہیں حضور اکرمؐ سے بے پناہ محبت و شیفتگی ہے مگر ان

کی یہ شدت انہیں جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں دیتی۔ محبتِ رسولؐ کے ساتھ علومِ اسلامیہ سے آگہی، ذاتِ رسالتمآبؐ کا شعور، تاریخِ اسلام پر گہری نظر اور سیرتِ رسولؐ کے بارے میں واقعات و روایات کی جزئیات کے عمیق مطالعہ نے ان کی نعت گوئی میں حقیقت و واقعیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ وہ اپنی نعتوں میں حدودِ شریعت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک خط میں "اسلم جیراجپوری" کو لکھتے ہیں:

"...... عام طور پر نعتوں میں بجز حسنِ صورت کی مداحی اور تغزل کا انداز مولانا جامی کے عہد سے آج تک معمول پر تھا یا دوسرے انبیاء و رسل کا استخفاف، غیر ضروری اور بے معنی مبالغہ یا لفظوں کی صنعت گری اور خیال آفرینی جو عرفی وغیرہ نے رائج کی اور محسن کاکوروی مرحوم نے اردو میں منتقل کی ان سے قطعی احتراز ہے۔ مگر سادہ و بے نمک بھی نہیں۔ شکوہِ بیان اور بلندیٔ ادا کا دامن ہاتھ سے کہیں چھوٹنے نہیں پایا ہے..."[۱۵۶]

سہیل نے اپنی نعت نگاری کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی نعت ان کے مطابق ہے۔ سہیل نے بے معنی مبالغہ طرازی سے احتراز کیا ہے اور ہر جگہ آدابِ نبیؐ کا پورا التزام ملحوظ رکھا ہے۔ اور تخیل کی رنگ آمیزی اور صنعت گری کو اپنی نعت پر اس حد تک غالب نہیں کیا کہ حقیقت اس کے اندر گم ہو کر رہ جائے۔

حقیقت نگاری کے علاوہ منقبتِ صحابہؓ کا بیان اور تاریخِ اسلام کا تذکار ان کی نعت گوئی کے بنیادی لوازم ہیں۔ انہوں نے خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی منقبت بھی التزاماً شاملِ نعت رکھی ہے[۱۵۷] اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ و غزوات وغیرہ کے نمایاں واقعات کو بھی نعت کا جزو بنا دیا ہے اور اپنے کلام میں تاریخِ اسلام کی عظیم شخصیتوں کے کارناموں کو خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔

"موجِ کوثر" ان کی طویل نعت ہے[۱۵۸] جو ۵۰ اشعار پر مشتمل ہے اور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں ہے۔ اس ردیف میں بہ تبدیلیٔ قافیہ سینکڑوں نعتیں لکھی گئی ہیں لیکن سہیل کی نعت زیادہ معروف اور موثر ہے۔ سہیل نے یہ نعت جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے:

"اپنی بچی کو بمہرہ (اعظم گڑھ کا ایک گاؤں اور جناب سہیل کا وطن) کو زنانہ محفلِ میلاد میں پڑھنے کے لیے لکھ دی تھی۔"[۱۵۹]

اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ درود شریف ہر شعر میں ردیف ہے۔ اس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

احمدِ مرسل، فخرِ دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اول، مرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسمِ تزکیؒ ، روحِ معطّر ، قلبِ تجلّیؒ ، نورِ منتظر
حسنِ سراپا ، خیرِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلّم

طینت جس کی سب سے مطہّر ، بعثت جس کی سب سے مؤخّر
خلقت جس کی سب سے مقدّم صلی اللہ علیہ وسلّم

...... بچھڑے ہوئے گلے کو ملایا ، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلّم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا ، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کر دی برہم صلی اللہ علیہ وسلّم

فردِ قناعت ، امر و اطاعت ، کسب و قناعت ، عفو و شجاعت
حل کیے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلّم

...... حفظِ مراتب ، پاسِ اخوّت ، سعی و توکّل ، رفق و فتوّت
نکتہ وحدت اللہ میں مضمر صلی اللہ علیہ وسلّم

ساری نعت کا یہی انداز ہے ۔ اوصافِ محمدی کے ساتھ ساتھ تعلیمات و پیغامِ محمدی کو ہم آہنگ کر دیا ہے ۔ نیز نسلِ انسانی پر آنحضرتؐ کے فیضان و برکات کا تذکار بھی نعت میں شامل ہے ۔ جگہ جگہ قرآن و حدیث کے حوالے اور عربی الفاظ نے اس نعت کو اسی طرز کی (صلی اللہ علیہ وسلّم کی ردیف میں لکھی جانیوالی) نعتوں میں ایک منفرد حیثیت بخشی ہے ۔ اس ردیف میں لکھی جانیوالی سینکڑوں اردو نعتوں[۱۶۰] میں کوئی نعت اقبال سہیل کی نعت کے علمی شکوہ اور بلاغت کو نہیں پہنچتی ۔

اس نعت کی دوسری خوبی اس کا اختتامی حصہ ہے جس میں صحابہ کرامؓ ، بناتِ نبیؐ اور ازواجِ نبی اکرمؐ کی منقبت کا بیان ہے ۔ یہ حصہ ۲۸ ۔ اشعار پر مشتمل ہے اور اردو نعت میں منقبت نگاری کی ایک منفرد مثال ، خلفائے راشدین کی منقبت تو اردو نعت کے ضمن میں اکثر ملتی ہے مگر سعدؓ ، سعیدؓ ، زبیرؓ ، طلحہؓ ، ابن عوفؓ اور ابو عبیدہؓ ، نیز بنات و ازواج رسول اکرمؐ ، شہدائے بدر و احد وغیرہ کی منقبت کی یہ پہلی بھرپور اور وقیع مثال ہے ۔

سہیل کی دوسری نعتوں میں دو سرے دو قصائد اور ایک نعتیہ خمسہ بہت معروف ہیں ۔ انہوں نے نعت میں ایک طویل غزل بھی لکھی
ان کے مطالع درج ہیں :

کرے تارِ شعاعی لاکھ اپنی سعی امکانی
رفو ہوتا نہیں اب صبح کا چاکِ گریبانی [۱۶۱]

———— نعتیہ قصیدہ

سرشتِ حسن تغافل مزاج، عشق غیور
وہ التفات سے، ہم التجا سے ہیں معذور [۱۶۲]

———— //

مکتبِ عشق میں ہنوز طفلِ خرد ہے مبتدی
ورنہ ہے باصرہ فروز جلوہ حسنِ سرمدی [۱۶۳]

———— //

بہارستانِ ہستی کا لئے دورِ شباب آیا
شہنشاہ دو عالم مہبطِ ام الکتاب آیا [۱۶۴]

———— نعتیہ خمسہ

کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی ابھر نہ سکتا وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا [۱۶۵]

———— نعتیہ غزل

کرے تارِ شعاعی . . . . . . الخ، والے قصیدے میں معراج کے عنوان سے اسی مجرّد ردیف میں ایک معراج نامہ ہے جس میں منزل بہ منزل حضور اکرمؐ کے سفرِ معراج کی روداد بیان کی ہے۔ عام معراج ناموں کے برعکس اس کی فضا علمی انداز اور حقیقت و واقعیت پر مبنی ہے۔ سہیلؔ نے معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہیں بھی قرآن و حدیث سے سرِ مو انحراف نہیں کیا۔ معراج کا واقعہ اتنا لطیف اور پُر اسرار ہے کہ اکثر نعت گو شاعر اس کے بیان میں حقیقت سے دور نکل جاتے ہیں۔ سہیل نے یہاں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان شعروں میں تشبیہ ملاحظہ کیجئے۔ جوشِ عقیدت اور منظر نگاری میں بھی حسنِ تخیل نے آداب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے:

ع براقِ برق پیکر لے چلا یوں ذاتِ انور کو
فضا میں تیر جائے جس طرح بجلی کی تابانی

حضورؐ اس طرح گذرے گنبدِ مینائے گردوں سے
نظر جس طرح شیشے سے گذر جائے بآسانی [۱۶۶]

سہیل کے نعتیہ قصائد میں آنحضرتؐ کی سیرت اور تاریخِ اسلام کے تابندہ نقوش چمکتے ہیں۔ انہوں نے نعت گوئی میں حقیقت بیانی کا جو التزام برقرار رکھا ہے وہ بڑے بڑے نعت گو شاعروں کو نصیب نہیں ہوا۔ بقول عطیہ نبیل عرب:

"سودا کے عہد سے لے کر دورِ جدید تک اردو کی نعتیہ شاعری میں جو بے راہروی اور افراط و تفریط عام رہی ہے۔ حالی و اقبال کی طرح سہیل نے بھی اس کی اصلاح کی اور عقیدہ توحید کے دائرے میں رہتے ہوئے آنحضرتؐ کی پیمبرانہ شان کے تمام صفات و محاسن، فکر و فن کی پوری رعنائیوں کے ساتھ بیان کئے۔ ...... سہیل نے اپنے نعتیہ کلام میں سیرت نگاری کے تمام اصول و آداب ملحوظ رکھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں جوشِ عقیدت بھی ہے اور اعلیٰ درجے کی سنجیدگی بھی۔ شدتِ احساس اور جوشِ بیان کے باوجود وہ حقیقت و واقعیت کی حدوں میں رہتے ہیں۔ .... ان کا خاص معنوی وصف یہ ہے کہ ان میں توحید و رسالت کا صحیح شعور اور صحابہ کرامؓ کے فرقِ مراتب کا مکمل احساس موجود ہے اور یہی وہ اعلیٰ خصوصیت ہے جس کی بنا پر سہیل نعت کی بزم میں حالی و اقبال کے ہم نشیں ہیں ......"[۱۶۷]

امجد حیدرآبادی (م - ۱۳۸۰ھ) کو ان کے عارفانہ رنگِ کلام کے باعث "حکیم الشعراء" کہا جاتا ہے۔ ان کے متعدد شعری مجموعوں میں نعتیہ کلام ملتا ہے۔ "رباعیاتِ امجد" (حصہ اول، دوم)۔ "نجِ امجد" اور "نذرِ امجد" میں خاص طور پر نعتیہ مضامین ہیں۔ وہ اگرچہ رباعی میں اپنے منفرد رنگ کے سبب مشہور ہیں مگر ان کا نعتیہ کلام مختلف ہیئتوں میں ہے۔

امجد کے نعتیہ کلام پر عارفانہ رنگ کے گہرے اثرات ہیں۔ حقیقتِ محمدی کے اظہار میں انہوں نے کئی ایسے مضامین بیان کئے ہیں جو بے احتیاطی کے ذیل میں آتے ہیں۔ "احد" اور "احمد بے میم" کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض اوقات ان کے خیالات شریعت کی حدود و قیود سے ٹکراتے نظر آتے ہیں۔ ذیل کے شعر دیکھئے:

شکلِ احمدؐ میں خود احد آیا
ہوا مطلق مقید اظہار

دائرہ منتفی تھا نقطہ میں

ہو گئی ختم گردشِ پرکار

۔۔۔۔ یہ بھی ہے وہی شجر بھی ہے

وہی قہار ہے۔ وہی غفار

آپ اپنا پیام پہنچایا

آپ خود اپنا کر گیا اقرار

یار آیا تھا نامہ بر بن کر

خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار[۱۶۸]

یہی خیال دوسری کئی جگہوں میں بھی قلم بند ہوا ہے۔ مثلاً:

تردد میں نظر آتا نہیں رستہ تعین کا

احد کو کیجئے یا احمدِ بے میم کو سجدہ[۱۶۹]

ع

"اُدھر دیکھو محمدؐ ہے اِدھر دیکھو محمدؐ ہے"

اور ع

رُخ کعبہ کی جانب ہے دل سوئے محمدؐ ہے

ان کے اسی انداز کے صوفیانہ مضمون ہیں جن میں عشقِ محمدؐ کی سرشاری 'ذاتِ خداوندی کے تصور سے ہم آہنگ ہوتی نظر آتی ہے۔

امجد کی نعتوں میں شاعرانہ حسن اور طرزِ ادا ہر جگہ موجود ہے۔ اسی سبب ان کے بعض ایسے شعر بھی جو شرعی آداب کے مطابق نہیں، بہر کیف اچھے لگتے ہیں۔ اور اہلِ شریعت کے حلقوں میں بھی پسندیدہ ہیں سخن آفرینی ہی امجد کی نعت گوئی کا وصف ہے۔ امجد نے اپنے نعتیہ کلام کو قرآنی الفاظ کے عنوانات سے بھی مزین کیا ہے اور ھوالظاھر، ھوالباطن، رحمۃ للعالمین، مازاغ البصر و ماطغیٰ جیسے عنوانات کے تحت نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔

"نذرِ امجد" میں حضورِ اکرمؐ کی ہجرت کا بیان ہے۔ یہ مسدس حُبِ نبیؐ کے جذبات اور شاعر کی باطنی کیفیات کا مرقع ہے جس میں تاریخی عناصر پوری شاعرانہ تاثیر کے ساتھ قلمبند ہوئے ہیں۔ ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ کے در و دیوار اور خانہ کعبہ کے تاثراتِ غم کو بڑے دردانگیز انداز میں موضوعِ شعر بنایا ہے۔

تسلسلِ دقت، ربطِ واقعہ اور سادہ بیانی کے سبب یہ مسدس نہایت موثر ہے۔ ایک بند دیکھئے:

ہے دریائے خوں چشمِ زم زم سے جاری
سوادِ حرم میں ہے اک سوگواری
ہر اک دل میں ہے برق سی بیقراری
ہر اک کی صدا ہے کہ سن لے ہماری
نہ جا ہم سے منہ موڑ کر جانے والے!
یہاں کون ہم بے کسوں کو سنبھالے[۱۷]

بارگاہِ رسالت میں امجد کی عرضداشت اور استغاثہ و استمداد کا انداز بھی دلآویز اور موثر ہے۔ امجد نے مترنم اور سلیس انداز میں اپنے احوال کا اظہار کیا ہے۔ خلوصِ جذبات اور لب و لہجہ کی سادگی ان کے کلام میں نمایاں ہے:

چشمِ رحمت تیری مازاغ البصر
پھر نہیں ہے کیوں غریبوں پر نظر
تیری مرضی رحم کر یا پھر نہ کر
دیکھ تو لے رحمتِ عالم اِدھر
یا رسولَ اللہ! انظر حالنا
یا رسولَ اللہ! اسمع قالنا[۱۸]

اسی طرح ان کی ایک اور عرضداشت (جس میں ٹیپ کا مصرع "قُم قُم یا حبیبی کم تنامی" ہے)[۱۹] فارسی نعت میں مولانا نظامی اور جامی کی یاد دلاتی ہے۔ امجد نے حبِ رسولؐ اور استمداد و استغاثہ کے مضامین کے ساتھ بعثتِ رسولِ اکرمؐ کی غایت اور بنی نوعِ انسان پر آپؐ کے فیوض و برکات کا تذکرہ کیا ہے۔ محسن کاکوروی کے قصیدہ ابیاتِ نعت کی تضمین[۲۰] میں امجد نے یہ مضمون نمایاں کیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم امجد کی نعتیہ رباعیات کا ذکر کریں، اس کے کلام میں ہندی عناصر کی نشاندہی ضروری ہے۔ "مدینہ کی جوگن" امجد کی بڑی معروف نعت ہے۔ یہ مسدس کی شکل میں ہے اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ایک عورت کی زبان سے عشقِ رسولؐ کے جذبات پر مشتمل ہے۔ ہندی گیتوں میں جوگن کا مخصوص تصور ہے جو اپنے پیا کی کھوج میں بن بن میں گھومتی ہے اور اس کے ہونٹوں پر برہا کے دکھ اور تکلیف کا اظہار رہتا ہے۔ "مدینہ کی جوگن" بھی مقامی شاعری کے انہی عناصر سے ظہور پذیر ہوئی ہے، عورت کی

زبان سے حبِ رسولؐ کا اظہار عربی اور فارسی نعت گوئی میں نہیں ملتا۔ اس نعت کے ہندی عناصر اور ڈرامائی انداز نے اسے پرکیف اور موثر بنا دیا ہے۔ جوگن، قیس سے مخاطب ہو کر اپنی حالتِ فراق کا بیان کرتی ہے:

تو خاک چھانتا ہے لیلیٰ کی جستجو میں
نکلی ہوں میں بھی گھر سے یثرب کی آرزو میں

آگے چل کر جوگن کا محبوب سے خطاب بھی اس کے جذب و شوق کی ترجمانی کرتا ہے:

آئی برہ کی ماری تیرے لئے برو گن
درشن سے اپنے کر دے دل شاد چشم روشن
ماں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منہ بہ دامن
کب سے کھڑی ہے داتا در پہ ترے بھکارن
جوگن کی جھولی بھر دے وہ رام نام والے
اس بت کو رام کر دے وہ رام نام والے[۹۴]

رباعی گو کی حیثیت سے امجد کا نام اردو رباعی کی تاریخ میں منفرد و ممتاز ہے۔ شاعروں نے عام طور پر رباعی کم ہی لکھی ہے۔ نعت کے موضوع کے لئے بھی دوسری اصناف کی نسبت اس کا استعمال کم ہی ہوا ہے امجد کی نعتیہ رباعیاں اپنے عارفانہ مزاج اور پختگیٔ کلام کے سبب محبتِ رسولؐ سے بھی عبارت ہیں۔ انہوں نے اردو نعت کے عصرِ جدید میں رباعی کی ہیئت کو جس سلیقے اور بلیغ انداز میں برتا ہے اس سے ان کی محبتِ رسولؐ کے ساتھ فنی کمال اور ادبی مقام کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ نمونے کے لئے یہ رباعی دیکھئے:

رخ مصرع ہے قد خطِ شعاعی کی طرح
ور گلۂ امت میں ہے راعی کی طرح
اس خاتمِ انبیاؐ کا آخر میں ظہور
ہے مصرعۂ آخرِ رباعی کی طرح[۹۵]

بحیثیتِ مجموعی امجد کی نعتیہ شاعری صوفیانہ و عارفانہ مسائل، ادبی و فنی حیثیت اور اخلاص و تاثیر کے سبب گراں قدر ہے۔ انہوں نے نعتیہ موضوعات کو نکتہ آفرینی سے نظم بند کیا ہے اور ذاتِ رسول اکرمؐ سے اظہارِ عقیدت و محبت کے لئے سارے فنی محاسن (تشبیہ، استعارہ، کنایہ وغیرہ) کو استعمال کیا۔

عصرِ جدید میں لکھنوی روایتِ نعت سے تعلق رکھنے والے دو بڑے شاعر مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی اور زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنوی ہیں۔

عزیز لکھنوی (م - ۱۳۵۲ھ) نے قصیدے کی ہیئت کو نعتیہ مضامین کے لیے استعمال کیا۔ "صحیفۂ ولا" ان کے قصائد (اور سلام وغیرہ) کا مجموعہ ہے۔

ان کے نعتیہ قصائد حسب ذیل ہیں:

۱۔ حسن و عشق قصیدۂ بہاریہ نوروز در مکالمۂ حسن و عشق و تخلص بہ نعتِ حضرت سرورِ کائنات بہ پیرایۂ غزل۔

۲۔ بہار ربیع در جوشش موسم اردی و برخے از حالات و لادتِ انسان کامل عین العالم حقیقۃ الحقائق مرأت الصفاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

۳۔ معراجیہ در مذاق تغزل و نعت ہادیٔ سبل حضرت ختم الرسلؐ

۴۔ نوید بعثت

۵۔ سرجوش حرا' در حالات بعثت حضرت سرورِ کائناتؐ

۶۔ نورِ ہدایت' در زینت افزائے رُخ کاخ افلاک مخاطب بہ خطاب لولاک خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

۷۔ شمع رسالت' آراستگی عروس مضامین بمدحت رحمۃ للعالمین المخاطب بہ طٰہٰ و یٰسین

۸۔ مرأت الصفاء' در نعت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

۹۔ شارع اسلام

ان قصائد کے علاوہ عزیز لکھنوی نے نعت میں چند قطعات، رباعیات اور نظمیں بھی لکھیں۔ نعتیہ نظموں میں:

۱۔ پیغمبر اسلام
۲۔ فلسفیٔ اُمّی
۳۔ محمد مصطفےٰؐ

قابلِ ذکر ہیں۔

نعت میں عزیز لکھنوی کی شہرت کا سبب ان کے نعتیہ قصائد ہیں۔ انہوں نے اس عہد میں قصیدے کی ہیئت میں نعت کو آگے بڑھایا جبکہ قصیدے کا رواج بہت کم رہ گیا تھا۔ ان کے قصائد کا انداز اور رنگ ڈھنگ ان کے عنوانات سے ظاہر ہے۔ شکوہِ الفاظ ان کے قصائد کی نمایاں خوبی ہے۔ تشبیب نگاری میں عزیز لکھنوی کو کمال حاصل ہے۔ ان کے قصائد کی تشبیبیں زیادہ تر بہاریہ یا تغزل کے رنگ میں ہیں جو آغازِ قصیدہ میں ہی

ایک شگفتہ اور دلآویز فضا پیدا کر دیتی ہیں۔ قصیدہ "حسن و عشق"[۱۷۶] اور "قصیدہ بہارِ ربیع"[۱۷۷] کی تشبیب بہاریہ ہے جبکہ قصیدہ "سرجوشِ حرا"[۱۷۸] اور "قصیدہ نورِ ہدایت"[۱۷۹] میں تغزل کا رنگ نمایاں ہے۔ عزیز نے اپنے قصیدوں میں کہیں کہیں مکالمے سے بھی کام لیا ہے۔ قصیدہ "حسن و عشق"[۱۸۰] میں عشق کے شکوے اور حسن کے جواب میں مکالمہ نگاری نے ایک دلآویز کیفیت پیدا کی ہے۔ اسی طرح قصیدۂ معراجیہ" میں بھی مکالمے نے مضمون کو زیادہ دلنشیں بنا دیا ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

میں نے یہ کہا "ہاتھ سرِ دوش تھا کس کا"
فرمایا "نہ پوچھ اس کو وہ تھی اور ہی اک بات"
کس نے بیا تھا بوسہ پائے مبارک
یہ تو مجھے بتلایئے اے قبلۂ حاجات
فرمایا "وہ تھی عرشِ الٰہی کی جسارت
مانع ہوئی مجھ کو روشِ حسنِ مراعات"
میں نے کہا "فرمایئے، خلوت میں ہوا کیا؟
فرمایا "یہ ہیں راز نہ کر ایسے سوالات"[۱۸۱]

عزیز کی نعت گوئی میں تغزل کے باوجود آدابِ شریعت کے منافی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ حضورؐ سے خطاب اور مدح کے بیان میں انہوں نے قرآن، احادیث، تلمیحات اور بعض جگہ علمی اصطلاحات کا ذکر کیا ہے جس سے ان کی نعت گوئی دقیع اور موثر ہو گئی ہے۔ ان کے ہاں مدحِ رسولؐ میں اضطراب و گداز اور اخلاص کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔ طرزِ ادا میں ندرت ہے مگر لفظی صناعی اور تصنع کی بجائے ایک فطری انداز نمایاں ہے جو قصیدے میں ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور فنی مہارت کا ثبوت ہے۔

حمید صدیقی (م ۱۴۰۵ھ) جو "زائرِ حرم" (اور شاعرِ حرم) کے لقب سے بھی مشہور ہیں، اردو نعت گوئی میں سوز و گداز اور جذب و مستی کے عناصر کو فروغ دینے والے شاعر ہیں۔ انہوں نے عصرِ جدید کی نعتیہ شاعری میں بیدم وارثی کے انداز کو اختیار کیا۔ "گلبانگِ حرم" ان کا مجموعۂ نعت ہے جس میں "عالمِ حضوری" اور "شوقِ حضوری" کے عنوان سے دو حصے ان کی نعتیہ شاعری پر مشتمل ہیں۔ ان کی نعت کا نمایاں جوہر ان کا جذبۂ شیفتگیٔ رسولؐ ہے جو انہیں تخلیقی نعت میں سرشار رکھتا ہے۔ "گلبانگِ حرم" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"مجھے سوائے ذکرِ حبیبؐ اور کوئی صنفِ شاعری محبوب نہیں۔ میں اس رنگ میں

ایسا کھو گیا ہوں کہ یادِ مدینہ و رسولِ اکرمؐ کے علاوہ کوئی اور تذکرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ دیارِ حبیبؐ کا تصور، وہاں کے مناظر اور وہی لیل و نہار اور اشغال و اذکار دل و دماغ میں اس طرح پیوست ہو گئے ہیں کہ سوچتا ہوں تو وہیں کی باتیں اور دیکھتا ہوں تو وہیں کے مناظر۔ سنتا ہوں تو وہی نغمے اور خیال آتا ہے تو اسی فضائے پاک کا۔ اس لئے اک ذرا اشارہ اور ایک معمولی تحریک مجھ کو اسی عالم میں پہنچا دیتی ہے جو میرا منتہائے نقطہ نظر ہے اور وہی کیفیتیں اشعار کا جامہ پہن کر میرے دلی جذبات کی ترجمانی کرتی رہتی ہیں۔"[۱۸۳]

حمید صدیقی کے اسی رنگِ حال نے ان کی نعت گوئی کو ان کے ذاتی احساسات و کیفیات کا ترجمان بنا دیا ہے۔ آنحضرتؐ کی محبوبیت اور ان سے اپنی عقیدت کا اظہار حمید صدیقی نے ایسے انداز میں کیا ہے کہ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

"ان کی نعتیں عاشقانہ غزلیں بن گئی ہیں۔"[۱۸۴]

مشہور نعت گو امجد حیدرآبادی نے بھی ان کے جذبِ نعت کی تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"حمید صدیقی کے کلام میں ایک خاص کیفیت اور والہانہ پن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کسی کی محبت میں وارفتہ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دل کے اسرار زبان پر لا رہا ہے۔"

کیف و سرشاری اور جذب و مستی کے اسی پہلو نے ان کی نعت کو انفرادی مقام عطا کیا ہے۔ ماجد دریابادی ان کے محاسنِ کلام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"کلام جاندار اتنا کہ گویا صفحہ و کاغذ پر چھپا ہوا نہیں زندہ و ذی روح شاعر کی زبان سے ترنم کے لہجے میں ادا ہو رہا ہے اور دل کا شوقِ نیاز ہے کہ ابلا پڑتا ہے ——— یہ کیفیت بہت کم نعت گو شعرا کو نصیب ہوتی ہے۔"

حمید کی نعت حضورِ اکرمؐ کے شمائل و اوصاف کے تذکار سے زیادہ آپؐ کی ذاتِ والا صفات سے محبت و شیفتگی کے بیان پر مشتمل ہے۔ ان کی نعتوں میں حسن و تاثیر اور کیف و دلآویزی کا جوہر اسی جذبۂ محبتِ رسولؐ کا پیدا کردہ ہے۔ "طبلِ حرم" کی مختلف نعتوں کے کچھ متفرق اشعار دیکھئے:

وہ بارشِ کے جلووں کی وہ بارشِ پیہم کیا کہئے
وہ صبح کا منظر کیا کہئے وہ شام کا عالم کیا کہئے

عجب مستیاں ہیں عجب لغزشیں ہیں
کہ پھر حال کے بعد حال آ رہا ہے

کس کی تجلیاں ہیں تصور میں جلوہ گر
آئینہ بن گیا ہے مرا دل نہ پوچھئے

تیرے کوچے میں حمیدِ خستہ حال آ ہی گیا
میرے آقاؐ تجھ کو بندہ کا خیال آ ہی گیا

حمیدؔ اب کچھ نہیں ہے یاد مجھ کو
نبیؐ کا تذکرہ ہے اور میں ہوں

بھینی بھینی پھر شمیم جانفزا آنے لگی
ٹھنڈی ٹھنڈی پھر مدینے کی ہوا آنے لگی
... میں نے چھیڑا نغمۂ نعت اور ادھر سے ہر سمت سے
جیسے کانوں میں صدائے مرحبا آنے لگی

تڑپ رہا ہے یہ مشتاقِ دید کہہ دینا
درِ نبیؐ پہ سلامِ حمیدؔ کہہ دینا

...... بلایئے میرے آقاؐ بلایئے مولاؐ
ہے انتظار کی کلفت شدید کہہ دینا

حمید صدیقی کی نعت گوئی کی برجستگی و بے ساختگی اور گیرائی و شگفتگی کا رنگ جگر مرادآبادی سے ملتا جلتا ہے۔ حمید کی نعتیہ غزلیں زیادہ تر جگر کی زمین میں ہیں۔ زبان و بیان پہ بھی جگر مرادآبادی کی صحبت و شاعری کے اثرات نمایاں ہیں۔ حمید صدیقی نے مولانا احمد رضا خاں کی طرز پر ایک سلام بھی لکھا جس کا مطلع

درج ذیل ہے:

آفتابِ رسالت پہ لاکھوں سلام

ماہتابِ نبوت پہ لاکھوں سلام

اس "سلام بدرگاہِ خیرالانام" میں آنحضرتؐ کے اوصاف و شمائل کا تذکرہ ہے۔ اس کا انداز سلیس اور رواں ہے۔ بحیثیتِ مجموعی حمید کی نعتوں میں شیفتگی، جذب و کیف اور سوز و گداز کے عناصر نے ایک موثر فضا پیدا کر دی ہے جو بہت کم نعتیہ مجموعوں میں نظر آتی ہے۔

عصرِ جدید کی نعت گوئی کا جائزہ

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اردو نعت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ جدید شاعروں نے جن میں حالی، اقبال اور ظفر علی خاں کے نام قابلِ ذکر ہیں، نعت کو قومی و ملی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ ان شاعروں کی نعت کا یہ نیا دور "دورِ ماقبل کی نعت گوئی سے" نہ صرف یہ کہ بنیادی طور پر مختلف ہے بلکہ متعدد امور میں ایک حد تک اس کی خصوصیات کی ضد ہے۔ پہلے ادوارِ نعت میں آنحضرتؐ کے معجزات پر زیادہ زور دیا جاتا رہا ہے جب کہ دورِ جدید میں آپؐ کے اسوۂ حسنہ، سیرتِ طیبہ اور بحیثیت ایک انسانِ کامل کے بنی نوعِ انسان کے لئے آپؐ کے فیوض و برکات کے تذکرہ کو خصوصی توجہ حاصل رہی۔ تحریکِ ردِ عیسائیت اور پیروئ مغرب میں آنحضرتؐ کے پہلوئے بشریت پر زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ بقول حسن عسکری:

> "آنحضرتؐ کو پیغمبر کی بجائے 'مصلح' اور 'ریفارمر' کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔"

وہ حالی کے ذیل میں کہتے ہیں:

> ..... انہوں نے نعت کہی اور بڑے سوز و گداز کے ساتھ لیکن جہاں تک نفسِ مضمون کا تعلق ہے حالی نے ان فوائد کی فہرست بنائی ہے جو آنحضرتؐ سے انسانیت کو اور بالخصوص عرب کو پہنچے۔ اور فوائد بھی روحانی اور اندرونی قسم کے نہیں بلکہ ظاہری اور سماجی قسم کے۔ یا پھر اخلاقی محاسن گنوائے ہیں۔ حالی کی نعت (مسدس کے نعتیہ اشعار) کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا کردار بہت بلند تھا اور ان سے ہمیں بہت فائدے پہنچے۔[۱۲۹]

ایک لحاظ سے عسکری کی رائے سے اتفاق کیا جاسکتا ہے مگر حالی کی نعت گوئی ہی میں ایسی کئی مثالیں مل جائیں گی جہاں آنحضرتؐ کے پہلوئے رسالت کا بیان ہے۔ یہ درست ہے کہ حالی اور اس عصر کے دوسرے شاعروں نے حضورِ اکرمؐ کی بشریت اور سیرت پر زیادہ زور دیا مگر انہوں نے آنحضرتؐ کی ذات والا صفات کے کسی پہلو کی نفی نہیں کی۔ عصرِ جدید کے معاشرتی و تاریخی تقاضے ہی ایسے تھے کہ نعت میں تبلیغ اور مقصد و اصلاح کے عناصر کی آمیزش ضروری ہوگئی تھی۔ یہ ایک انقلابی دور تھا۔ زندگی کی حقیقی قدروں اور ضرورتوں کے شعور نے نعت گو شاعروں کا لب و لہجہ بھی بدلا۔ ملت کے کردار و سیرت کی تشکیل کے لئے نعتیہ ادب میں مقصدی موضوعات کا آغاز ہوا اور آپؐ کے سیرت و سوانح کا تذکرہ آپؐ کے جمال اور سراپا کے مقابلے میں اہم ہوگیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو دوبارہ کارزارِ حیات اور میدانِ مسابقت میں لانے کے لئے جس جذباتی و ذہنی بحالی (Rehabilitation) کی ضرورت تھی، عصرِ جدید کی نعت گوئی نے اس کے لئے بھی فضا تیار کی۔ "مسدسِ حالی" سے "شاہنامۂ اسلام" تک کی تخلیق کے پس منظر میں یہی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے کہ بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو بھولی ہوئی منزل یاد دلائی جائے اور عظمتِ رفتہ کے واقعات اور اسلاف کے کارنامے نمایاں کے تذکرے سے ان کا لہو گرمایا جائے۔ ان کے اندر اعتماد پیدا کرکے انہیں ایک ملت کے طور پر زندگی بسر کرنے اور آگے بڑھنے کا درس دیا جائے۔ برصغیر کی سیاسی و مذہبی تحریکوں کے علاوہ بیرونی دنیا میں رونما ہونے والے واقعات کی جھلکیاں بھی اس عصر کی نعت گوئی میں نظر آتی ہیں، خصوصاً پہلی جنگِ عظیم میں مسلمان ملکوں کی شکست و پسپائی کے نوحے اس دور کی نعتوں میں نظر آتے ہیں۔

صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے خصوصی شغف نے اردو نعت میں بلحاظ مقدار اور بہ اعتبارِ معیار گراں قدر اضافے کئے۔ نعت کی ترویج و مقبولیت میں دوسرے شاعروں کی نسبت ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ محافلِ میلاد[۱۸۵] اور اعراس نے بھی نعت کے دائرے کو وسیع کیا۔ اس دور میں نعتیہ دیوانوں کے علاوہ نعتیہ انتخابات بھی شائع ہونے شروع ہوئے جن میں مقبولِ عام نعتوں کو جمع کیا جانے لگا۔ بیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع کے بعد جب برصغیر میں گراموفون ریکارڈ بننا شروع ہوئے تو گیتوں، ٹھمریوں، راگوں اور غزلوں کی ہیئت میں نعت گوئی کے ایک عوامی دور کا آغاز ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں نعتیں ریکارڈوں کی شکل میں برصغیر کے کونے کونے میں پھیل گئیں۔ کم و بیش ہر معروف گلوکار اور گلوکارہ نے اپنی آواز سے نعت کی اس روایت میں اضافہ کیا۔ اس دور کے نعتیہ ریکارڈوں میں انفرادی آوازوں کے علاوہ بعض قوالوں کی پارٹیاں بھی پیش پیش رہیں۔ یہ موضوع بذاتِ خود اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اس پر علیحدہ مقالے کی ضرورت ہے۔[۱۸۶]

بحیثیتِ مجموعی اس دور میں صحیح معنوں میں اردو نعت کو فروغ حاصل ہوا۔ ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو امیر مینائی اور محسن کاکوروی بھی اسی زمانے کے شاعر تھے۔ اگرچہ ان کا تعلق شاعری کے قدیم اسالیب سے تھا ان کا رنگِ خاص دورِ ماقبل کی نعت گوئی کی معراج تھا ـــــ عصرِ جدید میں نعت میں بلحاظ مقدار و معیار گراں قدر اضافے ہوئے۔ جدید شاعروں نے کیفِ نعت کو بہت وسیع کر دیا۔ نیز بحیثیتِ صنف بھی نعت اسی دور میں مقبول ہوئی۔

[illegible]

[illegible] اور میدانی مسابقت میں ان کے

[illegible] ضرورت کی [illegible]

[illegible]

چھٹا باب

عصرِ حاضر کی نعت گوئی

تمہید

سیاسی و ملی فضا / عصرِ جدید کی توسیع

قیامِ پاکستان کے وقت کے نعت گو

بہزاد اور ماہر القادری

عبدالعزیز خالد

حافظ مظہر الدین / حافظ لدھیانوی / حفیظ تائب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عصرِ حاضر کی نعت گوئی

اردو نعت کا عصرِ حاضر جسے قیامِ پاکستان سے شروع کیا جا رہا ہے ایک اعتبار سے نعت کے عصرِ جدید ہی کی توسیع ہے۔ مولانا حالی، علامہ اقبال، ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری اور اقبال سہیل نے اردو نعت کو فکری و فنی طور پر جن نئے امکانات سے روشناس کرایا اور اس میں واقعیت و حقیقت نگاری کی روایت اور قومی و ملی مسائل و موضوعات کے جن عناصر کو فروغ دیا عصرِ حاضر کے نعت گو شاعروں نے انہی روایات و عناصرِ نعت کی ترجمانی کی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلم قوم پہلے موجود تھی اور پاکستان بعد میں قائم ہوا۔ قومیت یا نیشنلزم کے مغربی تصور کا اطلاق پاکستان پر نہیں ہوتا۔ یہ اس لئے کہ پاکستان نے خود کسی قوم کو جنم نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کو جنم دیا ہے۔ تحریکِ آزادی اور حصولِ پاکستان کے پس منظر میں احیائے اسلام کا جو جذبہ کارفرما تھا اس کی بنیاد محبت و اتباعِ رسولِ اکرمؐ پر تھی۔ بقول محمود فاروقی:

> "اس میں شک نہیں کہ تحریکِ پاکستان کے لئے لوگوں نے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا۔ صاحبانِ فکر نے پاکستان کے تخیل و تصور کی آبیاری کی تھی۔ اہلِ قلم نے پاکستان کیلئے اپنے قلم کی جو جولانیاں دکھائی تھیں۔ اربابِ سیاست نے قوم کو متحد و منظم کیا تھا اور برعظیم ہند کے مسلم عوام نے اپنے جان و مال کی قربانیاں دے کر اس خواب کو حقیقت بنا دیا تھا مگر جب ہم مسلمانانِ ہند کی اس تاریخی جد و جہد کے تمام اسباب و علل کا جائزہ لیتے ہوئے اس آخری قطعی محرک تک پہنچتے ہیں جو اس تحریک میں روحِ رواں کی طرح کام کر رہا تھا۔ وہ نہ ہوتا تو یہ سارے اسباب و علل، عوامل و وجوہ دھرے کے دھرے رہ جاتے اور پاکستان کا حصول و قیام قطعاً ممکن نہ ہوتا۔ ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ صرف ایک سچا اور

حقیقی جذبہ تھا سرورِ عالم رسالت مآب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا جذبہ۔ افراد و اکابر کے ذہن و فکر کے تجزیہ میں ممکن ہے اس جذبہ کی سطح ایک سی نہ نظر آئے اور معیارات کم زیادہ یا مختلف ہوں مگر بحیثیت مجموعی پوری مسلم قوم کی نفسیات کا محور و مرکز اور حرکت و عمل کا سرچشمہ یہی جذبہ تھا[۱]

یہی وجہ ہے کہ جنگِ آزادی، ۱۸۵۷ء سے لے کر قیامِ پاکستان، ۱۹۴۷ء کے تحریکی ادب میں حضور اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت و کردار کے تذکار و تصور کو ایک مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حصولِ پاکستان کے ادبی و لسانی جہاد سے منسلک شاعروں کی نظموں میں نعتیہ عناصر نمایاں ہیں۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں سے مسلم لیگ کے سٹیج تک تحریکِ پاکستان کے شاعروں نے آنحضرتؐ کی ذات اور پیغام کے ذکر سے مسلمانانِ ہند کے دلوں کو گرمایا۔ ملی امنگوں اور جذبوں کے ترجمان ادب نے نعتیہ شاعری کے فروغ و مقبولیت کے لئے فضا ہموار کی اور اردو نعت کا ایک ایسا تابناک دور شروع ہوا جس نے بلحاظ مقدار و معیار اور بحیثیت صنف و فن نعت گوئی کو بے حد ترقی دی۔ بقول حفیظ تائب:

"قیامِ پاکستان کے بعد نعت کے ارتقاء کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی نظریاتی مملکت میں ذکرِ رسولؐ کا چرچا ہونا قدرتی اور فطری عمل تھا۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے نعت میں اس انقلاب کی بازگشت سنائی دینے لگی جسے برپا کرنے کے لئے حضور اکرمؐ تشریف لائے تھے۔ وہ روحانی، تمدنی اور اخلاقی آشوب بطور خاص نعت کا موضوع بنا جس سے امتِ مسلمہ اور عہدِ حاضر کا انسان دوچار ہے۔ اس دور کے نعت گوؤں نے اپنے ذاتی اور کائناتی دکھوں کا علاج حضورؐ کی سیرت اطہر میں تلاش کرنا شروع کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشورِ حیات اور تعلیمات کو نعت میں سمو دیا۔ یوں اردو نعت زندگی سے ہم آہنگ ہو کر مقبولیت کی حدوں کو چھونے لگی۔"[۲]

قیامِ پاکستان کے وقت اردو نعت جس مرحلہ و مقام پر تھی اس کا ذکر ہم پہلے باب میں کر آئے ہیں۔ مولانا حالی سے سہیل اعظم گڑھی تک کی نعت گوئی میں جو عناصر عصرِ جدید کی عطا ہیں ان کا ذکر افتخار اعظمی نے سہیل کے فکر و فن کے حوالے سے کیا ہے۔ اقبال سہیل کی نعت جو اپنی صوری و معنوی خوبیوں کے سبب عصرِ جدید کی نمائندہ نعت ہے درج ذیل خصوصیات سے عبارت ہے:

۱۔ جوشِ عقیدت اور خلوصِ جذبات

۲۔ تاریخِ اسلام کے صحیح اور مؤثر واقعات کی تلمیح اور شاعرانہ پیرایہ میں مستند احادیث و روایات کا ترجمہ یا ان کی تفسیر

۳۔ توحید و رسالت کا صحیح اسلامی شعور

۴۔ جنابِ رسالت مآبؐ کے فضل و شرف کا اس طرح ذکر کہ دوسرے انبیاء کی عظمت میں سرِ مُو فرق نہ آئے

۵۔ صنفِ غزل کے وہ عشقیہ رموز و علامات جو آنحضرتؐ کی پیغمبرانہ جلالتِ شان کے سراسر منافی ہیں، ان سے کلیتہً اجتناب

۶۔ سیرتِ پاک پر اس طرح اظہارِ خیال کہ اسلامی نظریات کی مکمل توضیح بھی ہو جائے

۷۔ بزمِ رسالتؐ کے ارکانِ خاص کے درجہ و مرتبہ کا صحیح تعین اور اس کے لحاظ سے ان کے فضائل و کمالات کا تجزیہ

۸۔ نعت و منقبت کے ضمن میں فلسفہ و حکمت کے بہت سے رازہائے سربستہ کی عقدہ کشائی

۹۔ شاعرانہ محاسن کی آمیزش مگر اس درجہ نہیں کہ جذبہ کی شدت اور خیال کی قوت میں کوئی کمی واقع ہو

۱۰۔ تخیل اور حقیقت میں کامل ہم آہنگی

سیں کی ان خصوصیات میں پورے عصرِ جدید کی نعت گوئی کے رویے اور میلانات جھلکتے ہیں۔

عصرِ جدید کی مذکورہ بالا خصوصیاتِ نعت کے پس منظر میں اردو نعت کے عصرِ حاضر کے آغازِ سفر کا جائزہ لیں تو اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر کی نعت گوئی کو بنیادیں عصرِ جدید ہی نے فراہم کیں۔ مولانا ظفر علی خان کی نعتوں، اور حفیظ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام کی گونج میں مولانا حسرت موہانی، اختر شیرانی، م حسن لطیفی کے نعتیہ اشعار کی ہلکی مگر مؤثر آواز بھی شامل تھی۔ حسرت موہانی کے لہجے میں التجا نمایاں ہے۔ اختر شیرانی کی رومان پسند طبع نعتوں پر بھی اثر انداز ہوئی۔ ان کے ہاں ہیئت کے تجربے، صبا کے ذریعے آنحضرتؐ تک پیامِ رسانی اور مدینے کی کھجوروں کا ذکر ان کے اسی میلانِ فکر کا نتیجہ ہے۔ لطیفی کی روضۂ رحمت للعالمینؐ میں ملتِ مسلمہ کی ابتری کا حال اور التماسِ دعا کا انداز غالب ہے۔

قیامِ پاکستان کے وقت متعدد ایسے شاعر تھے جو نہ صرف یہ کہ نعت کا اعلیٰ ذوق و شغف رکھتے تھے بلکہ نعت گو کی حیثیت سے معروف ہو چکے تھے ان میں ضیاء القادری، بہزاد لکھنوی اور ماہر القادری کے علاوہ شمس مینائی، درد کاکوروی، محمد ذکی کیفی، میرانجم لالی امروہوی، راجہ محمد عبد اللہ نیاز، اثر صہبائی اور

اسد ملتانی وغیرہ متعدد ایسے شاعر ہیں جنہوں نے نعت کے فروغ و ارتقا میں مقدور بھر حصہ لیا۔ عصرِ حاضر کی نعت گوئی کا دورِ اوّل انہی شاعروں پر مشتمل ہے۔ دوسرا دور جو جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء سے کچھ قبل فارقلیط (عبدالعزیز خالد۔ مطبوعہ ۱۹۶۴ء) کی اشاعت سے شروع ہوا، پہلے دور سے وقیع ہے۔ اس میں عبدالعزیز خالد، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، راسخ عرفانی اور متعدد دوسرے نعت گو شاعر ملتے ہیں جنہوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے نعت کے موضوع و فن اور ہیئت و اسلوب میں وسعت اور تنوّع پیدا کیا۔ یہ پورا دور فنی تجربہ اور ادبی نعت کا دور ہے جس کے سب سے اعلیٰ نمونے اس دور کی نعت گوئی میں ملتے ہیں۔

ذیل میں ان نعت گو شعرا کا سرسری ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور شغفِ نعت سے اردو نعت گوئی کے عصرِ حاضر کا آغاز کیا۔

مولانا ضیاء القادری برِصغیر پاک و ہند کے ان نعت گو شاعروں میں سے ہیں جن کی نعت گوئی قیامِ پاکستان سے پہلے مقبولیت حاصل کر چکی تھی۔ مجموعہ "تجلیاتِ نعت" ان کے شغفِ نعت اور جذبۂ شیفتگیٔ رسولؐ کا ترجمان ہے نعت گوئی ان کا ذوق ہی نہیں پوری زندگی تھی۔ نعت میں ان کی دوسری کتاب "نغمہ ہائے مبارک" ہے۔ یہ ایک مجموعۂ سلام کا تاریخی نام ہے۔ اس مجموعہ میں مولانا نے اپنے اور دوسرے شاعروں کے سلاموں کو جمع کیا ہے جنہیں دربارِ رسالت مآبؐ میں پیش کیے جانے کی سعادت حاصل ہے۔ مولانا نے ایک منظوم سفرنامہ بھی لکھا جس میں انہوں نے اپنے سفرِ حجاز کی کیفیات و مشاہدات کو قلمبند کیا ہے۔

نعت گوئی کے علاوہ مولانا کی ایک خدمت (نعت کے ذیل میں) بہت اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے حلقۂ اثر میں نعت گوئی کو مقبولِ عام بنایا اور باقاعدہ ایک اسلوبِ نعت کی ترویج کی۔

شمس مینائی (م ۱۹۷۴ء) ان شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے عمر کا بڑا حصہ قیامِ پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان کی علمی و ادبی فضاؤں میں گذارا۔ اور قیامِ پاکستان کے بعد بدلے ہوئے ماحول و معاشرت میں انہیں بمشکل ایک دہائی نصیب ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد میں جن شاعروں کے ہاں نعتیہ عناصر نظر آتے ہیں شمس مینائی کا نام ان میں قابلِ ذکر ہے۔ ان کا نعتیہ کلام اخبارات و رسائل میں چھپتا رہا۔ سادگیٔ بیان اور مانوس الفاظ و تراکیب کا استعمال ان کے رنگِ نعت کی خوبی ہے۔ ان کی نعتوں میں سرزمینِ مدینہ کے لیے عقیدت و محبت کا رنگ نمایاں ہے۔

درد کاکوروی کا نعتیہ کلام ان کے مجموعوں "جامِ کوثر" اور "درد کا درماں" میں شامل ہے۔ درد کاکوروی جس روایتِ شاعری سے تعلق رکھتے ہیں اس میں رعایتِ لفظی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے اندازِ نعت پر قدیم رنگِ سخن کے گہرے اثرات ہیں۔ انہوں نے مراعاۃ النظیر اور دوسری صنعتوں کو نعتیہ مضامین کے اظہار میں شائستگی سے برتا ہے۔ ان کی نعتوں میں زبان و بیان کی سادگی نے اکثر اشعار کو سہلِ ممتنع بنا دیا ہے۔ مندرجہ ذیل نعتیہ شعر دیکھئے۔ مختصر سی بحر، آسان قوافی اور سہل لب و لہجہ میں کس طرح اپنے جذبات و کیفیات کا اظہار کیا ہے:

محمدؐ کا پیالہ پلا دے خدایا
چھکا دے چھکا دے چھکا دے خدایا
مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ
دکھا دے دکھا دے دکھا دے خدایا
نبیؐ کی قسم دردِ فرقت سے اب تو
شفا دے شفا دے شفا دے خدایا

ان کی نعتوں میں حبِ رسولؐ اور اسلام کا درد نمایاں ہے۔ انہوں نے نعت میں کچھ رباعیاں بھی لکھی ہیں جو ان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور مہارتِ فن کا ثبوت ہیں۔

محمد ذکی کیفی پاکستان کے مشہور عالمِ دین مولانا محمد شفیع دہلوی مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام "کیفیات" میں "ذوق و شوق" کے ذیلی عنوان کے تحت ان کی نعتیں درج ہیں۔ احسان دانش اور ماہر القادری ایسے نعت گو شاعروں نے کیفی کی پختہ کلامی اور سادگیِ بیان کی تعریف کی ہے۔ انہوں نے نعت گوئی کے علاوہ نعتیہ نشستوں کے انعقاد سے بھی نعت کے فروغ میں حصہ لیا۔ ان کی نعتوں میں علمی اندازِ نظر نمایاں ہے۔ بنی نوع انسان کے لئے آنحضرتؐ کے فیوض و برکات کا تذکرہ، آپؐ کے اوصاف کا بیان، حرمِ مبارک کی زیارت کا اشتیاق ان کی نعتیہ شاعری کے نمایاں موضوعات ہیں۔ ان کا یہ شعر دیکھئے:

آپؐ کی اک نظر سے قبل، آپؐ کی اک نظر کے بعد
ہر طرف اندھیرا تھا، ہر طرف اجالا ہے

کس سادگی اور حسن سے آنحضرتؐ سے قبل اور بعد کی تہذیبی و تمدنی اور اخلاقی و روحانی صورتِ حال کے فرق کو واضح کیا ہے۔

راجہ محمد عبداللہ نیاز، مولانا ظفر علی خاں، سالک و غلام بھیک نیرنگ کے معاصر تھے۔ ان کی نعت گوئی میں قومی و اخلاقی رنگ غالب ہے۔ "یہ ہیں کارنامے رسولِ خدا کے" راجہ نیاز کی نعتیہ منظومات کا مجموعہ ہے۔ ان میں آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ کے ساتھ مشاہیرِ اسلام کے قومی، دینی، اخلاقی اور تاریخی واقعات اور کارناموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ انہوں نے نظم و غزل دونوں میں نعت کی روایت کو آگے بڑھایا۔

میر افقؔ کاظمی امروہوی بھی اسی قبیلۂ نعت کے فرد ہیں جنہوں نے نعت کے حوالے سے مسلمانوں کی مذہبی، قومی اور سیاسی اصلاح احوال کی مخلصانہ کوششیں کی ہیں۔ "فروغِ محامد" افقؔ کاظمی کی نعتوں کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے قدیم اساتذہ کی طرز پر ردیف وار مرتب کیا ہے۔ ان کی نعتوں میں ذاتِ رسالتمآبؐ کا شعور و احترام اور صنفِ نعت کی نزاکتوں کا التزام ملتا ہے۔ افقؔ کے نزدیک نعت گوئی کارِ عبادت اور ذریعۂ شناساتِ طلبی ہے۔ ان کی نعتوں میں طویل نعتیہ قصائد، نظمیں اور نعتیہ غزلیں شامل ہیں جن میں چھوٹی اور بڑی ہر طرح کی بحروں کا استعمال ملتا ہے۔ مضامینِ نعت میں اسلامی مواخات و مساوات، تعلیمات و پیغامِ رسالت مآبؐ، آنحضرتؐ کے اسمائے مبارکہ "خاتم النبیین" اور دوسرے اوصاف کا بیان ہے۔ نعت کے بارے میں اپنی کوتاہیِ فن اور عجز و انکساری کا اعتراف ہے۔ ان کی نظم "طلوعِ ماہِ رسالتؐ" اپنے اختصار، رَوانی و سادگی اور فکری خوبیوں کے باعث اردو کی خوبصورت نعت ہے۔ مطلع و مقطع درج ذیل ہے:

کیا بزمِ جہاں میں روشنی ہے
ظلمت کافور ہو گئی ہے

..... صد شکر افقؔ کہ تو جہاں میں
اس فخرِ رسل کا اُمتی ہے

اثر صہبائی کے مجموعۂ نعت "بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم" کو قیامِ پاکستان کے بعد کی دہائی میں شائع ہونے والے چند نعتیہ مجموعوں میں سے ایک ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ نعتِ رسولِ اکرمؐ کی طرف ان کا رجوع غزل گوئی میں پختگی اور مہارت کے بعد ہوا۔ ان کی نعتوں میں اسی سبب غزل کی لفظی و معنوی خوبیاں ایک سلیقے کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں مشکل پسندی اور مشاقانہ پیرایۂ بیان کے نمونے ملتے ہیں بخصوصاً ان کی وہ نعتیں جو غیر مردّف ہیں۔ ان کی وہ نعتیں جو انہوں نے خواب میں زیارتِ رسولِ اکرمؐ (۶-مئی ۵۸ء)

بمقام مری) کے بعد لکھی ہیں، شیفتگی و سرشاری سے لبریز ہیں۔

اسد ملتانی کی نعتیہ منظومات ان کے مجموعۂ کلام "تحفۂ حرم" میں ملتی ہیں۔ "تحفۂ حرم" اسد ملتانی کے سفرِ حج بیت اللہ و زیارتِ روضۂ رسولؐ کے تاثرات پر مشتمل ہے۔ ان کی نعت گوئی کا مرکزی موضوع عشقِ رسولِ اکرم کے حوالے سے مقاصدِ اسلام کی ترویج ہے۔ بقول اسد:

نبیؐ کا عشق خدا کی اطاعتِ کامل
یہ دین کی اصل ہے باقی تمام افسانے

"راہِ مدینہ"، "گنبدِ خضرا"، "مدینہ کی گلیاں" اور "حضورِ نبیؐ میں سلام" اور "الوداع" اسد کی مؤثر نعتیہ منظومات ہیں۔ "دربارِ نبیؐ" اسد کی معروف اور نمائندہ نعت ہے۔ اس میں ملتِ اسلام کی بہبودی اور عشقِ رسولِ اکرم جیسے بلند مقصود حاصل کرنے کے لیے قوم و ملت کے ہر مکتبۂ فکر کو سرگرم کار و اشک کش ہونے کی دردمندانہ تلقین کی گئی ہے۔ ان کی خواہش کے مطابق اگر ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی اپنی خدمات پیش کر دے تو آج دنیائے اسلام میں نظامِ مصطفیٰ[2] کا علم لہرا سکتا ہے۔ اور یوں ملتِ اسلامیہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔

بہزاد لکھنوی (م ۱۳۹۴ھ) کے نعتیہ کلام میں غزل کی لکھنوی روایت ایک سلیقے سے منقلب ہوئی۔ ان کے والہانہ پن اور جذبۂ شیفتگیٔ رسول نے اس تغزل میں کیف و دلآویزی پیدا کی۔ دیارِ رسولؐ، بہزاد کی نعت کا مرکزی نقطہ ہے۔ انہوں نے مدینہ، سفرِ مدینہ، روضۂ رسولؐ اور مدینے کے مناسبات کے بارے میں جو شاعری کی ہے وہ ان کی نعتیہ شاعری کی معراج ہے۔ زیارت کے اشتیاق اور حضورؐ کی محبت کے اظہار میں ہر جگہ ایک بے اختیاری پائی جاتی ہے۔ انہوں نے غزل کے آرائش اور تکلف و صنعت گری کے انداز کی بجائے سادگیٔ بیان کو رواج دیا۔ یہی ان کی نعتیہ غزلوں میں وجد آور کیفیت کا سبب ہے کوئے مدینہ، خاکِ حجاز، گنبدِ خضرا، روضۂ رسولؐ اور اس کے متعلقات کا ذکر کرتے ہوئے یہ کیفیت شدت اختیار کر لیتی ہے۔ چند شعر دیکھیے:

دل کی حالت کیا کہوں یادِ مدینہ دل میں ہے
میں یہاں پر ہوں مگر یہ دل اسی محفل میں ہے[5]

یاد آتی ہے اپنی مجبوری اس ارضِ مقدس سے دوری

دل خون کے آنسو روتا ہے جب کوئی مدینے جاتا ہے

"کرم بالائے کرم" میں بہزاد کا رنگِ نعت مؤثر اور نمایاں ہے۔ یہ مجموعۂ نعت ان کے سفرِ حج و زیارت کے بعد کا ہے۔ اس میں اخلاص، سوز اور کیف کے عناصر سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کی طرح ان کی نعت عشقِ رسولؐ اور یادِ مدینہ میں ڈوب چکی ہے۔

بہزاد نے

چلو آئیں چلیں یثرب نگری

یہاں ہند میں ہے بڑی دردسری

ایسے نعتیہ گیت بھی لکھے جو ان کی وارداتِ قلبی اور عشقِ نبیؐ کے شدید جذبات کے مظہر ہیں۔ انہوں نے نعت میں گائیکی کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا۔ بہزاد ان شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی آواز کے انفعال اور لے کاری سے نعت کو فروغ دیا۔ ترنم اور چھوٹی بحروں میں ان کا کلام بہت مقبول ہوا:

روح کہتی ہے کہ بہزاد مدینے چلو

قلبِ مضطر کو کرو شاد مدینے چلو

ماہر القادری (م ۱۳۹۸ھ) کی نعت گوئی میں ان کی شخصیت اور فکر و فن کا تحریکی عنصر نمایاں ہے۔ ماہر نے نعت گوئی کا آغاز کیا تو اس وقت ترقی پسند تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ ماہر نے نعت کو اصلاح و تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعے ایک طرف تو لادینیت اور ملحدانہ افکار و نظریات کی نفی کی اور دوسری طرف اسلامی عقائد میں ہندی اثرات کے سبب جو غلط عناصر پیدا ہو چکے تھے ان کی بیخ کنی کی۔ اور ان مقاصد کے حصول کے لئے نعت کو ایک تحریک کے طور پر استعمال کیا۔ ماہر کی نعت گوئی کا مقصد آنحضرتؐ کی بعثت کے مقاصد اور پیغام کو عام کرنا ہے۔ بقول پروفیسر ہارون الرشید:

"ان کی نعت گوئی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نعت گو شعراء کے برخلاف غلوئے عقیدت اور مشرکانہ بدعات سے گریز کیا اور توحید و رسالت کو بھی گڈمڈ کرنے کی کوشش نہیں کی۔"[۴۴]

"ذکرِ جمیل" کے دیباچہ میں ماہر کہتے ہیں کہ:

"یہ دیکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ شاعری کا تاریک پہلو نعت و منقبت میں بھی

نمایاں ہو کر رہا۔ بہت سے غلط موضوع اور بے سر و پا باتیں شاعری کی بدولت مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ عقیدت اور محبت کے غیر محتاط جوش میں اس قسم کے چٹخاروں کو لوگ گوارا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان چٹخاروں نے مستقل عنوانات کی صورت اختیار کر لی۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ محبت و عقیدت اور پرستش میں بہت ہی نازک فرق ہے۔ غیر محتاط عقیدت، پرستش بن جاتی ہے'' ؎۲۵

ماہر القادری نے نعت کے علاوہ اپنے مختلف مضامین، تبصروں اور تحریروں میں بھی نعت کے ذیل میں رواج پا چکنے والے غیر محتاط رویّوں اور مشرکانہ عقائد و خیالات کے خلاف جہاد کیا اور عملی طور پر بھی نعت گوئی کا ایک صحیح اور حقیقت پسندانہ معیار قائم کیا جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور جس میں توحید کا تصور مجروح نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنی نعت گوئی کو شاعرانہ رنگ آمیزیوں سے دور رکھ کر اسے اسلامی خطوط پر مرتب کیا۔ ماہر نے اپنی نعتوں میں اسوۂ حسنہ کے منور گوشے پیش کیے، صفاتِ نبویؐ کے ساتھ تعلیماتِ نبویؐ پر زور دیا۔ حضورِ اکرمؐ کے ساتھ انتہائی محبت کا مظاہرہ کیا مگر محتاط طریقے سے اور اپنے جذباتِ عشق و محبت کو شریعت کے دائرہ سے باہر نہ جانے دیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسیرانِ بدر۔ ذکرِ جمیل۔ حریت کا مبلّغِ اعظم۔ نذرِ عقیدت۔ پیغمبرِ انسانیت۔ دربارِ اقدس میں اور ظہورِ قدسی ان کی معروف نعتیہ نظمیں ہیں۔ ان میں "ظہورِ قدسی" کو بہت شہرت نصیب ہوئی۔ اپنی سادگی اور تاثیر کے سبب یہ نظم ماہر کے نعتیہ کلام میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں بنی نوعِ انسان پر آنحضرتؐ کے فیوض و احسانات کا بیان ہے۔ یہ حفیظ جالندھری کے شاہنامہ کی بحر اور ان کے مشہور سلام کی طرز پر ہے۔ اسی سبب بعض لوگ اسے حفیظ جالندھری سے موسوم کر دیتے ہیں۔

یہ شعر دیکھئے جو سلام کے حصے ہیں۔ (یہ ہدیۂ سلام تقریباً پچاس شعروں پر محیط ہے):

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں ؎

"ظہورِ قدسی" کے مضامین کو مختلف عنوانات کے تحت رکھا گیا ہے۔ ماہر نے عنوانات رکھتے ہوئے قرآنِ کریم کی آیات سے رجوع کیا ہے۔ مثلاً "ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین" اور "یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کے عنوانات کے تحت آنحضرتؐ کی ولادت و تشریف آوری اور سلام و صلوٰۃ کے مضامین بیان کئے ہیں۔

"حریتِ کاملہ کا مبلغِ اعظم" میں حضورِ اکرمؐ کی بعثت سے قبل کی معاشرتی و تمدنی اور سیاسی صورتِ حال کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کے بعد اس معاشرتی عدل و مساوات و حریتِ فکر و اظہار اور آزادیٔ جمہور کا تذکرہ کیا ہے جو آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے بنی نوعِ انسان کو نصیب ہوئی۔

ماہر نے نعت میں مولانا حالیؔ اور ظفر علی خاں کی روایات کو فروغ دیا۔ اخلاقی مضامین پیش کرتے ہوئے آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کو رہنما بنایا اور نعت کے وسیلے سے معاشرتی و سیاسی سطح پر اصلاحِ احوال کی کوشش کی۔ بقول گوہر ملسیانی:

> "سرکارِ دو عالمؐ سے شیفتگی کے عالم میں (بھی) مولانا ماہر نے اپنے تحریکی پہلو کو ہر وقت سامنے رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو دنیا کے لئے شمعِ ہدایت کے طور پر پیش کیا ہے۔ خدا کے دین کی سربلندی اور اسلام کی تبلیغ مولانا کا مشن تھا۔ مگر اس مشن کے سوتے حضورِ اکرمؐ کی دعوتِ عمل و فکر سے پھوٹتے ہیں۔ آنحضورؐ کی زندگی کے شب و روز سے ان واقعات کو نظم کرنا جو دعوتِ حق کے مظہر ہوں آپ کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ ہے ...... "[۵۲]

نعیم صدیقی اور آسی ضیائی بھی اسی تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہیں جس سے ماہر القادری عمر بھر وابستہ رہے۔ ان شاعروں کا نعتیہ کلام بھی اسلامی فکر و نظر کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ ماہر کی طرح نعیم صدیقی اور آسی ضیائی کے ہاں بھی سیرتِ رسولِ اکرمؐ کے مختلف پہلوؤں کا بیان اور اس کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو بدلنے کا اصلاحی جذبہ موجود ہے۔ ان کی نعتوں میں "رابطۂ دین و سیاست" کا مضمون بھی سلیقے سے آیا ہے اور یوں انہوں نے آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ اور اخلاقی پہلوؤں کے تذکار کے ساتھ آپؐ کے سیاسی افکار کی ترجمانی بھی کی ہے۔ ان کے ہاں درخشاں منزلوں کی طرف جد و جہد کا عزم اور لگن نمایاں ہے، جن کی راہ حضورِ اکرمؐ کی تعلیمات نے سجھائی۔ ان کے نزدیک نعتِ رسولِ اکرمؐ شاعرانہ زورِ بیان کے نمونے کی بجائے حیات افروز اسلامی مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

مولانا نعیم صدیقی کی مشہور نعت ؎

"میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں"

ایسے ہی جذبات و احساسات کی ترجمان ہے۔ اس میں "نعت برائے نعت" کی بجائے "نعت برائے اسلام" کا درس ہے اور نعت گوئی کے اس رویّہ پر تاسف و افسوس کا اظہار کیا گیا ہے جو نعت گو کے داخل اور کردار میں تبدیلی پیدا کرنے کی بجائے محض قافیہ پیمائی تک محدود ہے۔ نعیم صدیقی کہتے ہیں:

یہ تیرے عشق کے دعوے یہ جذبۂ بیمار
یہ اپنی گرمئ گفتار، پستئ کردار
رواں زبانوں پہ اشعار، کھو گئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار اڑ گیا مضموں!
میں ایک نعت کہوں ...... الخ[۱۱]

اسی مضمون کو آسی ضیائی نے اپنی ایک نعت میں وضاحت سے باندھا ہے۔ ان کے نزدیک عشقِ رسولؐ کا دعویٰ تبھی سچا اور معتبر ہے اگر وہ نعت گو کو اسوۂ رسولؐ پر عمل پیرا ہونے کی طرف راغب کرے۔ اور لفظوں کی بجائے عمل و کردار سے نعت لکھے۔ وہ کہتے ہیں:

ان کی محبت میں مجھے گالی ملے تب نعت ہو
فاقوں کے مارے پیٹ پہ پتھر بندھے تب نعت ہو
مشکیں کسیں، کوڑے پڑیں اور دم گھٹے تب نعت ہو
ان پر بچھے اسینہ چھدے، گردن کٹے تب نعت ہو
آرام کرسی پر پڑا نعتیں اگر فرماؤں گا
اس بارگاہِ پاک سے کیونکر نہ راندا جاؤں گا[۱۲]

نعیم اور آسی کے طرزِ اظہار اور اسلوب کے فرق کے باوجود مضامین و موضوعاتِ نعت اور مقاصدِ فنِ نعت ایک سے ہیں۔ ان کی نعتیں اُن کے نظریاتِ حیات کی ترجمان ہیں۔ انہوں نے اپنی نعت گوئی میں اتباعِ رسولؐ کے جذبہ کو ابھارا ہے اور آنحضرتؐ کی سیرت و کردار کے ان پہلوؤں پر زور دیا ہے جو ان کے نزدیک عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ کی اصلاحِ احوال کا باعث بن سکتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے سب سے منفرد نعت گو عبدالعزیز خالد ہیں۔ انہوں نے نعت نگاری کا ایک خاص انداز اپنایا

کیا ہے۔ جو انہیں نہ صرف زیرِ جائزہ دور کے نعت گو شاعروں سے ممیز کرتا ہے بلکہ ادوارِ ماقبل کے اردو نعت گو شاعروں سے بھی منفرد و ممتاز ٹھہراتا ہے۔ جس طرح اردو شاعری میں وہ ایک خاص الخاص اسلوب کے موجد ہیں اسی طرح وہ نعت نگاری میں بھی ایک اجتہادی شان رکھتے ہیں۔ اسی سبب ڈاکٹر سید عبداللہ انہیں مجتہدانہ نعت نگار کہتے ہیں۔

ان کی نعت گوئی کا رنگِ انفرادیت ان کے نعتیہ مجموعوں کے نام ہی سے جھلکتا ہے۔ مثلاً فارقلیط۔ منحمنا۔ حمطایا۔ ماذ ماذ۔ عبدہٗ (زیرِ طبع) وغیرہ —— خالد کے نعتیہ مجموعوں کے نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسمائے مبارکہ سے ماخوذ ہیں جن کا ذکر کتبِ سابقہ اور صحائفِ آسمانی میں آیا ہے۔ خالد نے ان اسمائے صفات کی معنوی وسعت در نعت اور بلاغت کے سبب انہیں از سرِ نو متعارف و روشناس کرایا اور اردو نعت میں ان کی ترویج کی۔ عصرِ حاضر کے نعت گو شاعروں میں حضورؐ کے اسمائے صفات کا ذکر اور تلاش خالد کے اسی ذوقِ اختراع و اجتہاد کا مرہونِ منت ہے۔

"فارقلیط" ۱۲۸۴ اشعار پر مشتمل ہے اور ایک ہی بحر و قافیہ میں لکھی گئی طویل نعت ہے جو غزل کی ہیئت میں ہے۔ اس کے مختلف حصوں میں سیرتِ پاک کے متعدد ابواب بیان ہوئے ہیں جن میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، سوانح اور پیغام و تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں حمدِ باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ حضور اکرمؐ کی ولادت سے قبل دنیا کے حالات اور کتبِ سابقہ میں آپؐ کے مبشرات اور پیش گوئیوں کو بھی موضوعِ نعت بنایا گیا ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد اس کے سنِ تصنیف (ہجری) کی رعایت سے ہے۔

"منحمنا" کا انداز بھی فارقلیط ایسا ہے۔ قصیدہ کے انداز و ہیئت میں لکھی گئی یہ نعت ۴۴۴ اشعار کو محیط ہے۔ "منحمنا" کو اس کی ردیف کی رعایت سے "قصیدہ میمیہ" کہہ سکتے ہیں۔ اس کا نصف اول حضور اکرمؐ کی مدح و ستائش میں ہے اور نصف ثانی میں زمانے کے بدلتے ہوئے تمدن و ماحول، افکار و احوال اور اقدار پر تشویش کا اظہار ہے۔ نیز اپنی قلبی حالتوں پر بھی تبصرہ ہے۔ اس طویل نعت کے آخر میں امتِ مسلمہ کی کجروی، اخلاقی بے راہروی اور اندھی مغرب پرستی پر اظہارِ تاسف و ندامت کے ساتھ دینِ اسلام اور تعلیماتِ نبویؐ کی طرف رجوع اور تجدیدِ عہد کا درس ہے۔ اس کا خاتمہ "پاکستان" کے لئے دعا پر ہوتا ہے۔

خالد کا تیسرا مجموعۂ نعت "حمطایا" ہے۔ حمطایا میں افتتاحیہ نظم کے علاوہ ستائیس مختلف نعتیہ نظمیں ہیں۔ آخری بارہ نظمیں ایک ہی مخصوص بحر میں ہیں اور ان پہ ایک ہی طویل نظم کے بارہ بندوں کا

گمان ہوتا ہے۔ جو الگ الگ مصرعوں کے قوافی کے سبب متنوع معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں بحر کی طرح ردیف "محمدؐ" بھی واحد اور مشترک ہے۔

"ماذ و ملاذ" بھی خالد کی مختلف نعتوں پر مشتمل ہے جن میں پابند اور آزاد دونوں طرح کی نعتیں ہیں۔

ان کا زیرِ طبع مجموعۂ نعت "عبدہٗ" ایک طویل نعت ہے مگر یہ "فارقلیط" اور "منحمنا" سے اس انداز میں مختلف ہے کہ یہ آزاد نظم کی ہیئت میں ہے جبکہ مؤخر الذکر نعتیں غزل و قصیدہ کی طرز پر ہیں۔

خالد کے نعتیہ اثاثے کے سرسری تذکار کے بعد جب ہم نعت میں ان کے رنگِ خاص کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ اپنی انفرادیت کے باعث اردو نعت کی تاریخ و ارتقاء میں ایک اہم اور ممتاز مقام کے حامل نظر آتے ہیں۔ ان کی نعت دوسرے تمام نعت گو شاعروں کے کلام سے مختلف و جدا ہے۔ ان کے نعتیہ مضامین محبتِ رسولؐ کے جذبات سے لے کر تاریخِ اسلام کے مختلف واقعات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ علوم و فنون، اساطیر و تلمیحات، تمدن و تاریخ، تہذیب و ثقافت، معاشرت و عمرانیات وغیرہ کے متعدد حوالوں نے ان کی نعت کے دائرہ کو بہت وسعت دی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خلافت اور ملوکیت نیز سلطنتِ اسلامیہ کے عروج و زوال اور تاریخ و واقعات کے ذکر کے باعث بقول سیّد عبداللہ:

> خالد کی نعت پھیل کر تاریخِ اسلام اور تذکرۂ مدوجزرِ قومی بن گئی ہے۔[۱۴]

خالد کی انفرادیت ان کے موضوعات و مضامین کی بجائے زیادہ تر ان کے لب و لہجہ اور زبان و بیان کے سبب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے نعت کو وصفِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ تاریخ و عمرانیات سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ انہوں نے نعت میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے واقعات دہرائے ہیں۔ امتِ مسلمہ کو درپیش حالات و مسائل کا ذکر کیا ہے۔ قوم کی بے حسی و ناقدری کا رونا رویا ہے اور انہیں فراموش کردہ روشن منزلوں کا سراغ دیا ہے۔ نیز نعت میں ملی و قومی مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ — مگر یہ تمام موضوعات اور مضامین حالی کے بعد سے عام طور پر اردو نعت میں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ مسدسِ حالی سے شاہنامۂ اسلام (حفیظ جالندھری) تک میں نعت گوئی کا منفرد رجحان احساسِ عظمتِ رفتہ کے ساتھ ملی و قومی سطح پر مسلمانوں کی ذہنی بحالی کے اسی پہلو کی نشاندہی کرتا ہے۔ خالد کی انفرادیت فی صحیح معنوں میں ان کے اسلوب کا سبب ہے جس پر عجمیت کی گہری چھاپ ہے۔ ان کی نعتوں میں عربی، فارسی اور ہندی کے علاوہ بہت سی زبانوں کے الفاظ نہ صرف بکثرت بلکہ تواتر سے استعمال ہوئے ہیں۔ ان زبانوں میں عربی کے الفاظ نمایاں ہیں۔ بعض جگہ پر مصرعے کے مصرعے عربی میں چلے آتے ہیں۔

"فارقلیط" کے یہ شعر دیکھیے:

کثیر المکارم کریم المساعی
نمائندۂ حضرتِ کبریا ہے
ضلیع الفم اشکل العین ابیض
نہ تابِ نظارہ نہ تابِ ثنا ہے
نہ ضرب المثل خائض الطرف اکحل
یہ اثمد کا سرمہ بھی کحلِ دوجا ہے
کریم العصارہ شریف الارومہ
تو فخرِ انام و حبیبِ خدا ہے [۴۵]

خالد کے اسلوبِ نعت میں عربی الفاظ و تراکیب کی کثرت کے ساتھ جو عنصر نمایاں ہے وہ قرآن و احادیث و کتبِ سابقہ اور اساطیرِ قدیم کی تلمیحات اور حوالے ہیں۔ یہ تلمیحات اور حوالے جانے پہچانے بھی ہیں اور ایسے بھی جن کی تفہیم کیلئے وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بعض جگہ یہ حوالے کم مانوس ہونے کے باوجود خارجِ فہم ہیں اور ان کی تاریخی یا اتفاقی نوبت جانے بغیر یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق تاریخ یا تعدائے قدیم میں سے کسی اہم قصے یا واقعے سے ہے۔

خالد کے اسلوب کا ایک عنصر ان کی نوتراشیدہ اور خود وضع کردہ ترکیبیں ہیں جن سے انہوں نے اپنی نعت کو وقیع اور مزین کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، خالد کے عام اسلوبِ شعر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"خالد کی زبان میں ایک خاص قسم کا بانکپن ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اس میں ایک خاص قسم کا بیگانہ پن بھی پایا جاتا ہے مگر یہ بیگانہ پن ایسا ہے جس میں وحشت انگیز بیگانگی نہیں۔ اس کی ترکیبیں بیگانہ پن کے باوجود کسی نہ کسی پہلو سے اپنی معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں دوری کے باوجود قربت کا احساس ہے۔ خالد کے کلام کے گرد دُور سے تماشہ سے وحشت نہیں ہوتی۔ قاری کسی نوع، کسی عنوان سے اپنے آپ کو اس تماشہ سے مانوس اور قریب پاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے خالد کی شاعری کا لباس عجیب معلوم ہوتا ہے۔ مگر احساسِ قرابت کے زیرِ اثر وہ اس سے متوحش ہو کر بھاگ نہیں نکلتا، بلکہ اس قرابت میں ایک کشش محسوس کرتا ہے۔" [۴۶]

یہ بات ان کی نعت گوئی کے بارے میں زیادہ صحیح اور مناسب ہے۔ ان کی نعت گوئی میں الفاظ کی غرابت، تراکیب کی ثقالت اور قرآن و احادیث کے حوالوں کی کثرت کے باوجود ایک کشش ہے۔ اس کی ایک

بڑی وجہ یہ ہے کہ خالد نے اسلوب کی اسی روایت کو زندہ کیا ہے جو عربی شاعری اور عربی اسالیب سے ہمارے ذہنی وجذباتی اور ذوقی و روحانی رشتوں کو استوار کرتی ہے۔ خالد کی نعت کے وہ شعر جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اسی کی عمدہ مثال ہیں۔ یہاں الفاظ وتراکیب کی غرابت کے باوجود ایک ایسی فضا ملتی ہے جو قاری کے ذوق کو محظوظ کرتی ہے۔" عربیت کے اسی عنصر نے نعت کے مضامین سے زیادہ اس خارجی فضا کو زندہ کیا ہے جو قدرتی طور سے رسولِ عربیؐ کے ماحول کے قریب تھی۔ "فارقلیط" اور "منحمنا" دونوں میں یہ کیفیت موجود ہے۔ حضرت رسولِ کریمؐ عرب کی پوری تاریخ کا مرکز ومحور بن جاتے ہیں اور اگلے پچھلے واقعات شعاعوں کا درجہ رکھتے ہیں جن کا منبع ومظہر آفتابِ نبوت ہے۔[۱۰]

خالد کے فنِ نعت گوئی کا ایک اہم عنصر وہ الفاظ ومناسبات ہیں جن کا تعلق ہندی زبان اور ہندی مذہب سے ہے جنہیں انہوں نے تماثل طور پر اپنی نعتوں میں برتا ہے۔ ان ہندی الفاظ وانداز کو کچھ ناقدینِ نعت نے ہدف وتنقید کا نشانہ بنایا ہے بلاشبہ خالد نے ہندی الفاظ کو اپنے فن میں نہایت سلیقے سے برتا ہے اور اس سے ان کے فن میں کیف اور نرمی کے عناصر بھی پیدا ہوئے ہیں۔ مگر ان سے خالد کی نعت کا تقدس بھی مجروح ہوا ہے۔ ان ناقدین نے نعتِ رسولِ اکرمؐ میں ہندی الفاظ خصوصاً وہ نام جو ہندی گیتوں اور بھجنوں میں کرشن مہاراج سے نسبت ہیں، کو نعت کی متانت وتقدس اور احترام کے منافی قرار دیا ہے۔ بقول جون ایلیا:

"اگر خالد صاحب خالص ہندی یا ہندی آمیز لہجے ہی کے شاعر ہوتے تب بھی اس موقع پر ان کو یہ لہجہ ملتوی کر دینا چاہیے تھا کہ یہ لہجہ رسولِ ہاشمیؐ کے مزاج سے قیامت تک ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے قاری کے ذہن کو شدید جھٹکا لگتا ہے۔ خاص طور پر اُس وقت جب وہ حسبِ ذیل اشعار پڑھتا ہوا آگے بڑھتا ہے:

شہنشاہِ لولاک دمولائے سیدرہ
تو میرے تخیل سے بھی ماورا ہے
تری ذات فخرِ بنی نوعِ انساں
تو صلِ علیٰ خیرِ خلقِ خدا ہے
کریم النجیب جمیل الطّوبہ
تو خیر البریہ ستۂ انبیا ہے

(ان اشعار کے بعد قاری) اس لہجے کے ساتھ کس طرح پیش آئے گا جس کی نمائندگی یہ اشعار کرتے ہیں:

وہ میرا مہاراج پربھو گسائیں
سلونا ہے سجدار ہے سانولا ہے
تو ساجن سوامی ہیں باندی بیاکل
میں مورکھ نمانی تڑگن ہے کلا ہے
بچھاؤں تری سیج چن چن کے کلیاں
ترا صاحب ہے میرا تو میرا اعلا ہے
کیا تو نے قبضے میں تر یا کا جوبن
منوہر ہے اُپّن ہے تو چالیا ہے
ستاتی ہے مدماتی بیرن جوانی
کوئی کام دیو اِس کو بھاگیا ہے
سجن من میں چنتا ہے ہردے میں پیڑا
ترے بن یہ الڑ جیا امنا ہے[۱۸]

اسی لسان و لہجہ کا عکس "منحنا" میں بھی ملتا ہے:

براجمان ہوئے آکاش پر مکٹ دھاری
سلج اسباس سے چھلکائے پریم رس پریتم
یہ سرب بھوی کا راجہ مہابلی سمراٹ
اپار، اتھاہ، انت، ایک، ایک، وشواتم
بھی ملن ہی یوگیشور یہی کا ہے من!
سدآتما، اپراجت، اندیم اور دُردم
مہاپرش جسے آکار الکھ پرش کا کہیں
پسینہ جس کا ہے سونا، سوگندھ دہ ستم[۱۹]

مولانا ماہر القادری، نعیم صدیقی اور دوسرے کئی نعت گو شاعروں نے بھی نعت کے ذیل میں اسی اسلوب و انداز اور ہندی زبان، اساطیرِ مذہب اور دیو مالا کے ان الفاظ کو احترام نعتِ رسالت مآب کے منافی اور نامناسب قرار دیا ہے۔

خالد کے کلام میں اساطیری عناصر میں ہند و دیو مالا کے ساتھ یونان دیو مالا کی تلمیحات بھی نظر آتی ہیں۔

"یہ سب کچھ اس نے تاثر کو گہرا کرنے کے لیے یا رنگ کو زیادہ شوخ کرنے کے لیے کیا ہے تاکہ نعت میں اسراریت MYSTRY عظمت اور تخیلی رومانیت ہیبت و جدت اور جلال و جمال سب کے لیے ذائقے جمع ہو جائیں۔" [۱۷]

مختصر یہ کہ خالد کے اسلوبِ نعت میں علمی حوالے، اساطیری عناصر، مشکل پسندی و سنگلاخ آفرینی اور فارسی و عربی تراکیب و الفاظ کی کثرت ایک اجتہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ خالد کی خارا شگافی نے اسلوبِ نعت میں "صوت کاری" اور تاثر کو ملحوظ رکھا ہے اور اس کا لسانی اجتہادی رویہ انہیں خصوصیات کو اجاگر کرنے کے لیے ہے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"اس نے احیائے مصطفویہ کی خاطر عظمت و ضخامت کے جن تخیلی نقوش احساس کو ابھارنا اپنا مقصد ٹھہرا لیا ہے۔ یہی تقاضائے عظمتوں کے عظیم سے عظیم اور ضخیم سے ضخیم تصورات کی بازآفرینی پر بھی مجبور کر رہا ہے۔ وہ اذہان کو عظمت کے نقشِ دائم سے بھر دینا چاہتا ہے جو کبھی تھی اور اب نہیں۔ اور اس کے لیے وہ مروجہ "سمت نظم" کے اسلوب کو ترک کر کے اپنے اجتہاد سے ایک "جہر الصوت" طرزِ بیان اختراع کرتا ہے تاکہ قلوب اور اذہان عمومیت اور ارزلیت و زبونیٔ ہمت کی بجائے اقدار عالیہ اور حکمتِ متعالیہ سے مانوس ہو سکیں۔ بلاشبہ یہ سنگلاخ آفرینی ہے لیکن ظاہر ہے کہ جن ادوار میں لوگ افکار و معانی کے بارے میں بے حس ہو جاتے ہیں اور بعض مادیات و محسوسات سے دل لگا لیتے ہیں۔ ان میں ایسے شاعر ضرور آتے ہیں جو معقولات کی بجائے محسوسات کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اعلیٰ معانی سے واسطہ کم رکھتے ہیں۔ خالد بھی ان معنوں میں حس کا شاعر ہے۔ گراں رنگ الفاظ کا شاعر جو حس انگاری سے اکتا گیا ہے۔ محاورۂ عام سے اس کا جی بھر گیا ہے۔ وہ نادر نادرہ اختیار کر کے ندرت اور جدت کا نیا راستہ کھولتا ہے۔" [۱۸]

اسلوب کے علاوہ خالد کے موضوعاتِ نعت میں بھی ابداع و اختراع کی مثالیں ملتی ہیں۔ انہوں نے اپنی خلاقانہ صلاحیتوں اور فنکارانہ سحر طرازیوں سے اردو نعت میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔ خالد کی نعت، حضورؐ کی عظمت، ختم نبوت، رحمۃ للعالمینی، اتباعِ رسولؐ، اسمائے رسولؐ، کتبِ سابقہ کی بشارات آپؐ کی سیرت و سوانح کے واقعات، خصائل و شمائل اور اوصافِ حمیدہ اور آنحضرتؐ کے سیرت و کردار سے کر صحابہ کرام اور منقبتِ صحابہؓ کے موضوعات کو محیط ہے۔ اس میں جا بجا قومی و ملی اشارے اور تاریخی و عمرانی مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ اسمائے رسولؐ کی تلاش و ذکر خالد کا خاص موضوع ہے۔ ان کی نعتوں میں حضورؐ کے

ناموں کو سمونے کا ایک خاص قرینہ نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں وہ موضوع اور موقع کی مناسبت سے آنحضرتؐ کو اس نام مبارک سے یاد کرتے ہیں جو اس موضوع اور موقع کی معنویت کو زیادہ اجاگر کر سکے اور کہیں کہیں وہ اسمائے رسولؐ کو کسی خاص حوالے کے بغیر منظوم کرتے چلے جاتے ہیں۔ درج ذیل اشعار دیکھئے۔

تو ہے عزِ عرب تو ہے فخرِ عرب عینِ جود و کرم
اے خطیبِ امم راضی و شافی و کافی و مکتفی
مصطفیٰ، مجتبےٰ مرتضےٰ، ہادی المهدی، ہدیہ ہدیٰ
صالح و مصلح و سیدالمرسلین و عفوؔ و ولی
تو رؤف و رحیم و کلیم و حریصٌ علیکم بھی تو
تو مجیب و حجاب و مکین و مبین و متین و قوی
تو ہے مشہود و مامون و موصول و مختار و برؔ و برا
تو ہے بالغ مبلغ تو طیب مطیب صفوح و صفی
تو ہے اکلیل و جبار و مدثر و خاتم الانبیاءؑ
تو مذکر، مبشر، مومل، بشیر و نذیر و نقی
تو ہے مصباح و مفتاح و ذو فضل و ذو عزؔ و ذو قوۃ
تو ہے یاسین و طٰسین و طٰہٰ وحید و واحد و تقی ...... [۲۲]

خالد کی نعت گوئی میں تاریخی و عمرانی موضوعات بھی نظر آتے ہیں۔ "فارقلیط" اور "منحمنا" کے بالاستیعاب مطالعہ سے خالد کے موضوعاتِ نعت کی وسعت اور تنوع کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتابیں تاریخی، الہٰیاتی، قرآنی، عربی، معاشرتی اور تمدنی معلومات کا ایک ذخیرہ رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کے حوالہ جات، مندرجات اور توضیحات سے پتہ چلتا ہے کہ خالد کی نعت شاعری کے علاوہ قاموس العلم بن گئی ہے۔ ڈاکٹر بشارت علی "فارقلیط" پر ایک عمرانی نظر میں لکھتے ہیں:

"نعتِ رسولؐ کو جس سائنٹفک انداز میں پیش کیا گیا ہے اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہو سکتا ہے کہ فارقلیط کی حیثیت اس نظامِ علم کی سی ہو جائے جو کسی معاشرے و ثقافت کو وجود میں لانے والے قوانین ان کے عروج و زوال کے مؤثرات سے بحث کرے۔ اسلامی نظام کی وجودی علتوں، توحید، رسالت اور قرآن کی ترجمانی اور توضیح کے بعد بھی ضرورت تھی کہ ان مؤثرات کو فرداً فرداً اور پھر اجتماعی طور پر ان کے

باقی و سالم رکھنے والے موجودی مؤثر سے بحث کی جائے......"

خالد نے اپنی کتاب کو کچھ اس طرح مرتب کیا ہے کہ اس سے دوگانہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ ابتدائی الواح میں انہوں نے اسوۂ رسولؐ، قرآن اور توحید کی وضاحت سے نمونۂ مثل اور نظام قدور کا وہ معیار اور محک پیش کیا ہے کہ جن کے ملحوظ رکھنے اور قابلِ عمل بنانے سے ماضی میں مسلمان شاندار کامیابی حاصل کر سکے یہی نمونہ اور نظام ہمیشہ اسلامی معاشرے اور ثقافت کی تعمیر اور نمفیتِ جدید کیلئے معیار و مسلک کا کام دے گا۔ یہ معیار و مسلک آخری و حتمی ہے۔...... اس وضاحت کے بعد خالد صاحب نے دورِ جدید کے اسلامی معاشرے کی مرضیات اور تباہ کاریوں کا جائزہ لیا ہے...... دورِ جدید کے معاشرے کی بد احوالی کا نقشہ کھینچنے کے بعد پھر ایک مرتبہ زمامِ حجت کے لئے حضورِ رسالت مآبؐ کی تعریف کے دوش بدوش نمونہ کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔ جو ہمارے سامنے صحابہ کرامؓ نے پیش کیا ہے"۔ [۲۳]

"سمخنا" کا موضوعاتی افق بھی بہت پھیلا ہوا ہے۔ اس کے آخری حصے میں ملت کی زبوں حالی کا نوحہ، معاشرتی و ثقافتی خرابیوں کی نشاندہی، مغرب پرستی اور جنسیات و جنیات کی تباہ کاریوں کا بیان خاصا دلدوز ہے۔ اس میں براہِ راست شخصی غم کے حوالے بڑے پُرخلوص اور الم انگیز ہیں۔ یہاں ذاتی فریاد کی بجائے قومی جذبوں کا بیان نمایاں ہے۔ ثنائے خواجہ کا حق ادا ہو سکنے اور ملت کو امید کا پیغام بھی سمخنا میں بڑے اخلاص سے قلمبند ہوا ہے۔ سیاست، مذہب، تہذیب، تمدن اور اخلاقیات و سماجیات کے دوسرے مضامین بھی اس نعت میں ذیلی طور پر در آئے ہیں۔

خالد کے متفرق نعتیہ کلام میں ان کا وہ استغاثہ بہت مشہور ہے جو انہوں نے "سقوطِ ڈھاکہ" کے موقع پر لکھا۔ اس میں قوم و ملک کو درپیش ابتلا و مصائب کا حال بڑی دردمندی سے بیان ہوا ہے۔ سادہ بیانی کے باعث یہ نظم خالد کی دوسری نعتوں سے مؤثر ہے۔ اس کا ایک بند دیکھئے:

یا رحمۃ للعالمیںؐ! یا رحمۃ للعالمیںؐ!
اک ملتِ واحد ہیں کافر قیصر مانی طاقتیں
تیرے سوا حالِ دلِ آفت زدہ کس سے کہیں؟
آہوں سے دم گھٹتا ہے سینے میں خدایا کیا کریں

ڈر ہے مبادا ضبطِ گریہ سے کلیجے پھٹ پڑیں
مرنے کی کیا صورت نکالیں کس طرح زندہ رہیں
اے رحمۃ للعالمین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔[۲۴]

بحیثیت مجموعی خالد نے اپنے عالمانہ اندازِ نگارش، خاص الخاص اسلوب اور متنوع موضوعات سے اردو نعت کو وسعت اور عظمت دی ہے۔ کلامِ پاک کی آیات اور احادیث کو جس کثرت سے اور جس انداز سے انہوں نے نعت میں سمویا ہے وہ ان سے پہلے اور موجود شعراء کے ہاں نایاب ہے۔ قدرتِ بیان قادر الکلامی کے علاوہ دیگر فنی محاسن کے سبب ان کی نعت ایک وقیع اور منفرد مقام کی حامل ہے اور صحیح معنوں میں "انفرادیت" کا لفظ انہی کی نعت کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

بقول حفیظ تائب:

وہ ہے نوا گرِ فطرت کی منفرد آواز
وہ ہے شہنشہِ عالم کا شاعرِ اعظم

حافظ مظہر الدین کا نعتیہ کلام عصرِ حاضر کی نعت میں جس اندازِ روایت کا نمائندہ ہے اس کا تعلق حضور اکرم سے وابستگی و شیفتگی سے ہے۔ نعت گوئی حافظ کے فن کا کوئی مختلف زاویہ نہیں بلکہ ان کا فن ہی نعت گوئی ہے۔ انہوں نے دوسری اصنافِ سخن سے کنارہ کشی کر کے اپنی تمام تر فکری و ذہنی صلاحیتیں تخلیقِ نعت کے لئے وقف کر دیں۔ نعت گوئی ان کے قلم کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت گوئی میں عبادت کی سی یکسوئی اور انہماک پایا جاتا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں حُبِ رسول اکرم کا استغراق نمایاں وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اخلاق و گداز اور تاثر و کیف کے تمام تر عناصر اسی وصف کی دین ہیں۔ ان کے نعتیہ مجموعوں میں ایک عاشقِ رسول کے سفرِ عشق کے جذبات و کیفیات اور قلبی واردات و مشاہدات کی متنوع جھلکیاں ملتی ہیں۔ انہوں نے آنحضرت سے اپنی عقیدت و ارادت مندی کو اشعار میں سمونے کی جو کامیاب و مشکور سعی کی ہے وہ بہت کم نعت گو شاعروں کا مقدر بنی ہے۔

بقول ان کے:

یوں تو ہیں نعت کے اسلوب ہزاروں لیکن
طرحِ نو میری ہے ہر رنگِ دگر میرا ہے

دراصل یہ اخلاصِ فن اور کیفِ نعت ہی ان کا "رنگِ دگر" ہے۔

ان کی نعتوں میں فقہی مسائل اور مذہبی معتقدات کے مضامین کی جگہ ارادت و عقیدت مندی کے جذبات کا بیان ہے۔ ان کے نعت کے موضوعات ان کی اپنی ذات سے پھوٹتے ہیں جو عشقِ رسولؐ میں سرشار ہے۔ اسی سرشاری کی وجہ سے ان کے فکر و فن پر گہری داخلیت کی چھاپ ہے۔ ان کا رنگِ نعت والہانہ ہے اور یہ خصوصیت دوسری خصوصیات سے افضل ہے۔ والہانہ پن کے بعد ان کے نعتیہ کلام کی دوسری نمایاں خوبی ان کی مضمون آفرینی ہے۔ انہوں نے نعت میں کئی خوبصورت مضمون پیدا کیے ہیں جو ان کی جدت طرازی اور نکتہ آفرینی کے مظہر ہیں۔

مثلاً یہ شعر دیکھیے:

جو حسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھیں تو طوافِ نظر کریں

اللہ کو مرغوب ہیں کیا تیری ادائیں
"قل" کہہ کے سنی بات بھی اپنی ترے لب سے

مرے لئے ہے جہنم کہ خلد داورِ محشر
جو آج ہو نہ سکا ہے وہ ان کے روبرو ہو جائے [۲۶]

منظر کی زبان شیریں و شگفتہ ہے۔ کیفیاتِ حبِّ رسول کے بیان میں مایوسی کی بجائے سرمستی و نشاط کا پہلو غالب ہے۔ انتخاب و استعمالِ الفاظ میں وہ صنفِ نعت کی فنی نزاکتوں کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں سادگی و بے ساختگی کا رنگ نمایاں ہے۔ کہیں کہیں علمی انداز بھی ملتا ہے مگر بقول گوہر ملسیانی:

"موضوع کی مناسبت سے رفعت و شکوہ کے لحاظ سے زبان کا ارفع و اعلیٰ ہونا بھی ضروری ہے مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ الفاظ کی رفعت مفہوم (اور نعت کے مجموعی اثر) کو غائب کر دے" [۲۷]

ان کے علمی انداز کی حامل نعتوں میں بھی کیف اور تاثیر موجود ہے۔ حبِّ رسولؐ اور مدحِ جمال کیساتھ ان کی نعتوں میں حضور اکرمؐ کے پیغام و ارشادات بھی ملتے ہیں۔ نیز پاکستان و اسلام کو درپیش مسائل کا اظہار بھی ملتا ہے۔ "دیارِ حرم" کا یہ شعر دیکھئے:

عوام بے عمل و کج ادا و کج رفتار
حافظانِ وطن ہیں رہینِ لاف و گزاف

ان کی نعتیہ نظموں میں دیارِ حرم۔ ذکرِ میلاد۔ ربیع الاول۔ مطلعِ انوار۔ برہانِ عظیم۔ جامِ طہور۔ شبِ معراج۔ نغمۂ نور۔ شبِ اسریٰ کے علاوہ قصیدۂ نوریہ اور تضمین بر نعتِ قدسی ان کے رنگِ خاص کی عکاس و ترجمان ہیں۔ ان کے عاشقانہ رنگ میں اصلیت اور حبِ رسولؐ کی سرشاری وہ اوصاف ہیں جنھوں نے اردو نعت کو تاثیر و کیف کے متعدد گرانقدر نمونے دیئے ہیں۔

حافظ لدھیانوی ان نعت گو شاعروں میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے کامیاب اور پختہ غزل گوئی کے بعد نعتِ رسول اکرمؐ کی طرف رجوع کیا۔ ان کی نعت حسنِ تغزل اور کیفِ نعت کا دلپذیر امتزاج ہے۔ ان کے پہلے نعتیہ مجموعے "ثنائے خواجہ" میں حسنِ تغزل کی خوبی نمایاں ہے جبکہ دوسرے مجموعۂ نعت "نشیدِ حضوری" میں کیفِ نعت کا عنصر غالب ہے۔

دراصل یہ دونوں مجموعے ان کے سفرِ نعت کے تدریجی ارتقاء کے دو اہم سنگِ میل ہیں۔ وہ "قال" سے "حال" کی طرف جس تدریج کے ساتھ بڑھے ہیں اس کی مثالیں ان دونوں مجموعوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو حافظ لدھیانوی کی نعت گوئی کے دو نمایاں ادوار بھی کہا جا سکتا ہے۔ پہلا دور جس میں فنی پختگی تو ہے مگر نعت کا جذب کم اجاگر ہوا ہے۔ غزل کے رنگ میں نعتیہ عناصر پوری طرح لو نہیں دے سکے۔ اور یوں نعت گوئی کا رنگ رسمی انداز کا رہا۔ دوسرے دور اور مجموعے میں کیف و جذبِ نعت موجود ہے۔ رنگِ غزل یہاں بھی ہے مگر کیفِ نعت کے تابع ہے۔ شاعر کا مقصد قافیہ پیمائی یا غزل خوانی نہیں بلکہ کیفیاتِ حبِ رسولؐ کا اظہار ہے۔ اس دورِ نعت میں حقیقی نعت گوئی کے خوبصورت نمونے ملتے ہیں جن میں حافظ کی وارداتِ جذب و شوق اور عقیدت وارادت مندی کی فراوانی ملتی ہے۔

سفرِ حج و زیارتِ روضۂ رسولؐ کے بعد حافظ کا فنِ نعت جس طرح نکھر کر سامنے آیا ہے "نشیدِ حضوری" کے صفحہ صفحہ پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔ "نشیدِ حضوری" اپنے جلو میں مدینہ کی تمنا۔ سفر۔ ماحول اور عشق کی جھلکیاں لئے ہوئے ہے۔ حافظ نے "نشیدِ حضوری" میں مدینہ اور مرکزِ مدینہ کے روضے کے قرب و حضوری کے ایسے ایسے نازک تجربات بیان کئے ہیں جو بلاشبہ اردو نعت کی تاریخ میں ایک گرانقدر اضافہ ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان تجربات کے بیان میں فارسی و اردو غزل کی وہ شائستگی اپنی پوری

نزاکتوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ جس کی تاریخ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ حافظ صاحب نے اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتیں صنفِ نعت کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔ اُن کی نعت اُن کی فنکارانہ مساعی، تخلیقی مہارت اور قادر الکلامی کا ماحصل ہے۔

نعت کا نام اور فن ان کے ہاں ایک رسم کی بجائے ایسی ذہنی و روحانی واردات بن گیا ہے۔ جس سے اُن کا لفظ لفظ سرشار ہے۔ اُن کی نعتوں میں جذبے کا رچاؤ انتہا پر ہے۔

خوشبو ہر ایک سانس میں شہرِ نبیؐ کی ہے
وہ کیفیت حضورؐ سے وابستگی کی ہے

حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی کے نعتیہ کلام میں عقیدت و محبت کے جذبات اور کیف و مستی کے عناصر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں

"نعت کہنے کے لیے جس گداز قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حافظ صاحب کے دامن میں موجود ہے۔ وہ ازل ہی سے یہ سرمایہ سمیٹ لائے ہیں"[۲۸]

حافظ کی نعتوں میں فکری شعور اور ملکی سیاست و احوال کا پرتو بھی ملتا ہے اور اپنی ذات کے علاوہ وطنِ عزیز اور ملتِ اسلامیہ کے مسائل و احوال کی بہبود و فلاح کے لیے استمداد و التجا کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے فنِ نعت کے متعلق مختلف خیالات و کیفیات کا بیان ملتا ہے۔

یوں نعت میں بدلا ہے اندازِ غزل خوانی
لطفِ شہِ طیبہ سے ہر شعر ہے نورانی

ہر ایک شعر پر اُن کے کرم کا پرتو ہے
حضورؐ کی یہ عنایت ہے بے نوا کے لیے

بقول حفیظ تائب:

"حافظ نے نعت کے نئے تقاضوں کو داخلی کیفیات اور نرم و نازک پیرایۂ اظہار کے ساتھ موسیقیت سے ہم آہنگ کر کے حسن و معنویت میں جو توازن پیدا کیا ہے۔ وہ اردو نعت کے لیے انتہائی خوش آئند ہے"[۲۹]

غزل کی ہیئت کو استعمال کرتے ہوئے حافظ نے نزاکتوں اور نفاستوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ حافظ محمد افضل فقیر (جو خود ایک صاحب طرز نعت گو ہیں) نے حافظ لدھیانوی کی نعت کے تخلیقی عمل کا جائزہ

لیا ہے اور اس کی باریکیوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

"اُن (حافظ) کے ہاں نعت کا آغاز غزل گوئی کی عام ڈگر کی طرح کسی اسم ضمیر کے ساتھ یکلخت نہیں ہوتا بلکہ وہ نہایت وقار و متانت سے مطلع لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضورِ ختمی مرتبت کے کسی اسم صفت کا ذکر کرتے ہیں یا مدینہ منورہ کی پُر کیف روحانی فضا کا ذکر ہوتا ہے۔ دیارِ حبیبؐ کے شوق کا اظہار ہوتا ہے یا دردمندیِ دل کے مداوا کا التماس اگر مطلع میں اس قبیل کا کوئی مضمون نہ لاسکیں تو آغازِ سخن میں نعت کے کسی کنایاتی پہلو کا التزام ضرور کرتے ہیں جس سے شعر اقلیمِ غزل میں داخل ہونے سے بچ جائے اور اس کا انطباق صرف محلِ ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ہو سکے ساتھ ہی اس حزم و احتیاط سے بھی صرفِ نظر نہیں کرتے کہ اگر نعت کا آغاز صیغہ خطاب سے ہوا ہے تو وہ اسی لہجے میں اختتام پذیر ہو اور اگر صیغۂ حاضر سے شروع ہوئی ہے تو اسی حساب سے آخر تک پہنچے اس اہتمام کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ نالۂ درد اور نشیدِ حضورؐ کا ہر رو کا پیرایۂ اظہار مختلف ہو اور ان کا جداگانہ آہنگ ہر نعت میں صاف سنائی دے"[۳۰]

حفیظ تائبؔ اس دورِ نعت کے ایک اور منفرد شاعر ہیں۔ ان کی نعت ذوقِ جدید کی نمائندہ ہے طرزِ احساس اور پیرایۂ اظہار کے لحاظ سے بھی وہ نئے شاعروں کے زیادہ قریب ہیں۔ نعت گوئی جن غیلوی خطوط سے عبارت ہے ان میں احترامِ رسالت مآبؐ اور جذبۂ شیفتگی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

"حفیظ تائب کا مجموعۂ نعت[۳۱] دو لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ اس میں اردو کی نعتیہ شاعری کی عام روایت سے ہٹ کر رسولِ مقبولؐ سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے عام نعتوں کی پیروی میں رسولِ پاک کے سراپے کو موضوع نہیں بنایا اور نہ ہندی شاعری کی روایت سے اثر لے کر حُبِ رسول کو کرشن اور گوپیوں کی سطح پر محسوس کیا ہے۔ انہوں نے رسولِ اکرمؐ کی ذات کے احترام کو بھی برقرار رکھا ہے اور محبت کے ساتھ اسوۂ حسنہ کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ مجموعہ کی دوسری اہم خوبی یہ ہے کہ یہ اشعار تائبؔ کے نزدیک محض ثواب کمانے کا ذریعہ نہیں بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے اُسے تخلیقی سطح پر محسوس کیا ہے۔ یہ کلام اُن اعلیٰ لمحات کی روداد ہے جو کسی بھی بڑے شاعر کے لیے سرمایۂ افتخار ہو سکتی ہے......"[۳۲]

نعت کے موضوع سے حفیظ تائب کی تخلیقی وابستگی کے اثرات ان کے طرزِ اظہار میں نمایاں ہیں سبک الفاظ کا انتخاب، مترنم بحور، جذبے کا رچاؤ جو اس دور کے نعت گو شاعروں کے نمایاں اوصاف ہیں، تائب کے فن میں اپنی پوری دلآویزیوں کے ساتھ جھلکتے ہیں۔ ان کے ساتھ جذب و کیف اور اخلاص وگداز کے جوہر نے انہیں معاصر نعت نگاروں کی صف میں ممتاز و منفرد حیثیت عطا کی ہے بقول سید عبداللہ:

"زبان و بیان میں کمال درجے کی شستگی اور شائستگی، سکون و سکونت اور برجستگی کے باوجود متانت جو لازمۂ ادب ہے، آرائش کا یہ رنگ اور زیبائش کا یہ ڈھنگ صلوا علیہ وآلہٖ (تائب کا مجموعہ) میں ہر جگہ جلوہ افروز ہے۔"

حفیظ تائب کی نعت کا مرکزی موضوع آنحضرتؐ کی ذات و متعلقات سے ارادت و عقیدت مندی ہے۔ مگر یہ عقیدت مندی آپ کی شان کی مدح و توصیف تک محدود نہیں تائب نے صاحب موضوع کے ارشادات و پیغامات اور مقاصدِ نبوت و بعثت نبوی کو جو جدید نعت کی اصل خوبی ہے مسلسل پیشِ نظر رکھا ہے۔ ان کی نعت گوئی اصلاحی اور مقصدی پہلو لیے ہوئے ہے۔ پاکستان اور ملتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل کا اظہار جس شائستگی سے اُن کی نعتوں میں ملتا ہے، دوسروں کے ہاں نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی، پاکستان میں سیاسی انتشار، اخلاقی و مذہبی قدروں کی پامالی سے لے کر مسجد اقصیٰ کے ماتم افغانستان میں روسی جارحیت پر نالہ و فریاد کے جو مضامین تائب کی نعت گوئی میں ملتے ہیں ان کے سبب نہ صرف تائب کے فن بلکہ صنفِ نعت کو وسعت ملی ہے۔

ع دے تبسم کی خیرات ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ ۔۔۔ الخ

ع اخلاق کا یہ کساد مولاؐ ۔۔۔ الخ اور

ع جلنے لگے اب سرو و صنوبر مرے آقاؐ ۔۔۔ الخ

وہ نعتیں ہیں جو ملکی و ملی احساسات سے لبریز ہیں۔ تائب نے معاصر مذہبی، سیاسی اور معاشرتی مسائل و اقدار کو جزوِ نعت بنا کر صنفِ نعت کو وسیع اور وسیع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فن نعت غیر نعت گو شاعروں کے نزدیک بھی مقبول و پسندیدہ ہے۔

بقول احمد ندیم قاسمی:

"حفیظ تائب کی نعتیں پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے توسط سے وہ کائناتِ انسانی کے مثبت مطالعے میں مصروف ہے۔ زندگی کا کوئی مسئلہ اس کے موضوع سے خارج

نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اس کائنات کی تخلیق ہی اس وجودِ گرامی کی خاطر ہوئی جو ختم المرسلین بھی تھا اور خاتم النبیین ﷺ بھی اور جس کا پیغام صرف عرب یا صرف عجم کے لیے نہیں تھا بلکہ پورے کرۂ ارض کے علاوہ پوری کائنات کے لیے تھا۔

حفیظ تائب کے ذوقِ نعت کا وہ پہلو جس کے سبب وہ معاصر نعت گو شاعروں میں منفرد ہیں، عصرِ حاضر میں نعت کے فروغ و ترویج کے سلسلے میں ان کی مساعیِ جمیلہ ہیں، انہوں نے نعت گوئی کے علاوہ مختلف مضامین اور انٹرویو وغیرہ کی صورت میں صنفِ نعت اور نعت گو شاعروں کو قارئینِ ادب سے روشناس و متعارف کرایا ہے۔ ادبی حلقوں اور نئے شاعروں میں نعت کا ذوق ایک حد تک حفیظ تائب کی معیاری نعت گوئی اور صنف سے گہرے شغف کا نتیجہ ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

"اُس حقیقت کو اب تمام اہلِ فن کے ذہنوں پر آفتاب بن کر طلوع ہونا چاہیے کہ حفیظ تائب ہی نے اردو اور پنجابی نعت گوئی کو حیاتِ نو بخشی ہے، اور ہم سب لوگ جو کبھی کبھار نعتیں کہہ لیتے ہیں دراصل اسی کے مقلد ہیں۔"

پیرایۂ غزل میں نعت لکھنے والے دوسرے شاعروں میں راسخ عرفانی کا نام قابلِ ذکر ہے، انہوں نے نعت میں جو کچھ کہا اس کا بڑا حصہ رنگِ تغزل میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایک حقیقی غزل گو کی طرح وہ نعتیہ مضامین کو بھی اپنے اوپر وارد کر کے جذبے کی پوری آمیزش سے شعر کہتے ہیں اُن کے نعتیہ اشعار میں گھلاوٹ، اسپردگی اور شوق کی فراوانی کا سبب بھی کیفیت ہے۔

راسخ عرفانی کا تعلق اگر ان کی شعر گوئی کی عمر کو مدِنظر رکھا جائے تو پرانی نسل سے ہے۔ انہیں فکرِ سخن کرتے ہوئے کم و بیش نصف صدی بیت گئی ہے۔ مگر بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

"راسخ کا کلام پختگی اور کہنگی کی فرسودہ تراکیب کا متحمل نہیں انہوں نے فن کے راستے میں جو منزل پائی ہے اس میں قدامت کی حدود کے اندر جدیدیت کی بےتابانہ امواج فضاں ہیں گہرے دینی شعور کے ساتھ ساتھ غزل کی ہنرمندانہ جذب باقی بافت کلامِ راسخ کا جوہر ہے جو انہیں عصرِ حاضر کے اضطراب میں اخلاقی اقدار کا سراغ لگانے پر اکساتا ہے..... راسخ اسلام کا والہ و شیدا ہی نہیں بلکہ عملی زندگی میں دین کی ضرورت و اہمیت کے علاوہ دورِ حاضر کی روحانی ابتری کا واحد علاج بھی جانتا ہے۔ راسخ کا دینی جذبہ فکری پختگی کا امین ہے....."

جس کے گواہ اس کے متعدد نعتیہ مجموعے ہیں۔

ان کا اسلوب سہل اور آسان ہے۔ رنگِ تغزل کے سبب ان کی نعتوں میں موسیقیت اور خوش آہنگی کا احساس نمایاں ہے۔ انہوں نے غزل کی معروف زمینوں میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ اور نعتِ رسولِ کریم ﷺ

کے لیے نئی زمینیں بھی تلاش کی ہیں۔

ے رحمتیں برسیں زمانے پر سحابوں کی طرح!
دل بنامِ مصطفےٰؐ نکھرے گلابوں کی طرح

ے در حضورؐ پہنچوں تو ان کی نذر کروں
چمک رہے ہیں جو پلکوں پر آبگینے سے

ے راسخ غموں میں اسوۂ حضرتؐ کے فیض سے
ہنس ہنس کے زندہ رہنے کی عادت ملی مجھے

ے غیب نے تیرے نوازا ہے یقیں ہے مجھ کو
معتبر دیدہ سے ہے لفظ شنیدہ میرا

راسخ عرفانی کی نعتیں ان کے قلبی واردات کی مظہر ہیں۔ خصوصاً ان کا وہ نعتیہ کلام جو دیارِ نبیؐ کی یاد اور محبت میں لکھا گیا ہے، شوق و جذب کی فراوانی لیے ہوئے ہے۔ اخلاص ان نعتوں کا جوہر ہے جو نہ صرف ان کی تخلیق میں کارفرما ہے بلکہ قارئین میں بھی اشتیاق انگیز جذبات پیدا کرتا ہے۔

عبدالکریم ثمر کی نعت گوئی میں جدید موضوعاتِ نعت کی فراوانی ہے۔ ان کی نعتوں میں آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کے بیان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جس نے زمانے کو زیست کے آداب اور تہذیب سکھائی۔ انہوں نے غزل کی معروف زمینوں میں نعت کہی ہے۔ ان کی وہ نعتیں جو سفرِ مدینہ اور قیامِ مدینہ کے دوران میں لکھی گئیں (جن میں سفرِ حجاز کے نام سے طویل مثنوی بھی شامل ہے) سوز اور خلوص کی آنچ سے لبریز ہیں۔ نعت کہنے کے لیے سیرتِ طیبہ پر گہری نظر، زبان اور فنی عبور کے علاوہ قلب و نظر کی جس پاکیزگی اور روح کی جس طہارت کی ضرورت ہوتی ہے اس کا نہ صرف یہ کہ انہیں گہرا شعور ہے، بلکہ ان کی نعت گوئی اس کی مظہر ہے۔

ڈاکٹر و۔ د۔ نسیم نے پوری فنی روایت اور تہذیبی پس منظر میں نعت کہنا شروع کی وہ نعت کو کوئی لاتعلق وسیلہ اظہار نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ہاں خالصتاً عشقیہ رچاؤ کے ساتھ اظہارِ عقیدت ملتا ہے ان کا والہانہ پن اپنے اور نبی کریمؐ کی ذات میں کسی بھی ایسے وسیلے کو روا نہیں جانتے جس سے طالب و مطلوب کے درمیان ذرہ بھر بھی فصل ہو۔ ان کی نعتوں میں صیغہ متکلم کا بکثرت استعمال اُن کی اسی شیفتگی کا مظہر ہے۔

سیف زلفی نے نعت رسولؐ میں منقبت کی روایت کو خوش اسلوبی سے آگے بڑھایا ہے۔ ان کی نعتوں میں حضور اکرمؐ کی محبت کے ساتھ اہل بیت کی ستائش خصوصاً حضرت علیؓ کی منقبت کا بیان بھی ملتا ہے اُن کے اس رنگِ خاص کو ان کے حسنِ تشبیہ و استعارہ اور رنگِ تغزل نے کیف آور بنا دیا ہے حسنِ ادا اور منقبت کا انداز دیکھیے :

جب اندھیرے سازشیں کرنے لگے شب خون کی
اپنے بستر پر سُلا دی مصطفےٰؐ نے روشنی[40]

کونین میں تکمیل رسالت کے مدارج
شبیرؓ کے احسانِ شہادت سے لکھوں گا[41]

راغب مراد آبادی نے مدحت خیر البشرؐ کا فریضہ بیشتر غالب کی زمینوں میں سرانجام دیا ہے جو ان کی فنی مہارت اور پختگی کا ثبوت ہے ان کی نعتوں میں وجد و کیف کی سرمستی بھی ہے اور خیال کی بلندی اور ندرت بھی انہوں نے اگرچہ غزل کی ہیئت میں نعتیں لکھی ہیں مگر بقول انور سدید "نعت کے محبوبؐ پر غزل کے خیالی محبوب کا پرتو پڑنے نہیں دیا۔"

جن کا اُمتی ہونا زندگی کا حاصل ہے
آ کے اُن کے قدموں میں زیست کا مزا پایا[42]

اختر حیدر آبادی کی نعتوں میں ہیئتوں کا تنوع ہے۔ ان کے مجموعہ نعت "ترتیل" میں مسدس، مخمس، مربع، عقیدہ، غزل، اور قطعہ کی ہیئت اور اسلوب میں نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا گیا ہے اور ان کی بحور مترنم ہیں اور سماع کی ضرورتوں کے مطابق ان کا ایک خمسہ جس کا مصرع یہ ہے

محمدؐ حشر کے میدان میں دولہا بن کے نکلیں گے[43]

ایک زمانے تک محافل سماع میں بہت مقبول اور دل پسند رہا
اُن کی نعتوں میں معرفت و تصوف کے مضامین عام ہیں۔ جذب و کیف اور والہانہ شیفتگی کے سبب نعتوں میں تاثیر ہے۔

یوسف ظفر (م ۱۹۷۲ء) کی وہ نعتیں جو انہوں نے سفر حج کے بعد لکھیں کیف سے لبریز ہیں۔ ان میں شیفتگی و سرشاری کا رنگ نمایاں ہے بقول قدرت اللہ شہاب :

"یوسف ظفر کی نعتوں کے ایک ایک شعر سے محبت اور سرشاری کے چشمے پھوٹے ہیں۔

محبِ رسولؐ کی اس معراج کے صدقے وہ صرف لکھنے والا بلکہ پڑھنے والا بھی دو جہاں میں نجات کا امیدوار ہو سکتا ہے۔[۱۳۴]

گنبدِ خضرا کا سایہ مل گیا
دل زدہ دارالاماں تک آ گئے

آ گئے ہم اپنے مولا کے حضور
سرورِ کون و مکاں تک آ گئے[۱۳۵]

سورش کاشمیری کی نعت میں ردِ قادیانیت اور عصری مسائل و واقعات کے حوالے ملتے ہیں، جس میں فرنگ کے بڑھتے ہوئے اثرات، مٹتی ہوئی اخلاقی قدریں، قومی رہنماؤں کی منافقت، اور ملکی سیاست پر دردمندانہ اظہارِ خیال کے ساتھ حضورِ اکرمؐ سے استغاثہ و استمداد کے مضامین ملتے ہیں۔ تحفظِ عقیدہ ختم نبوت شورش کا مضمون خاص ہے جو ان کی نعتوں کے علاوہ دوسری منظومات میں بھی ملتا ہے۔

احسان دانش کی نعت گوئی کا بھرپور اظہار ان کی طویل نعت "دارین" میں ہوا ہے جو مسدس کی ہیئت پر ہے۔ "دارین" بیک وقت کئی موضوعاتِ نعت کو محیط ہے اس میں حمد کے بعد بنی نوعِ انسان پر حضورِ اکرمؐ کی فضیلت اور اوصافِ حمیدہ کا تذکار ہے۔ آنحضرتؐ نے جس طرح باطل کو شکست دے کر گدائی اور شاہی کا امتیاز ختم کیا اور بندہ و مولا کو یکجا کر کے غلامی کو افتخار دیا، احسان دانش نے اس کے ذکر سے آپؐ کی مدح و ستائش کی ہے۔ نیز منصفی و عدالت کی خرابیاں، جہادِ نفس و قلم کی معطلی، تعلیم نو کی صنعت ایجاد، فتنۂ الحاد اور امت کو درپیش دورِ کے مسائل کا بیان ہے۔ "دارین" اصلاحی و مقصدی رنگ لیے ہوئے ہے اس میں امت سے خطاب بھی ہے اور خدا سے دعا بھی۔

تم امتیِ احمدِ مرسل! نہیں نہیں ..... الخ[۱۳۶]

حج حرم کو عکس کا میلہ سمجھ لیا ..... الخ[۱۳۷]

دونوں بند بڑے موثر ہیں۔ نظم کے آخر میں دانش نے اتباعِ رسولؐ پر زور دیا ہے اور اسے درپیش خرابیوں کا حل بتایا ہے۔

عزیز حاصل پوری کی تخلیقی صلاحیتوں نے نعت کو نئی زمینوں سے روشناس کرایا۔ ان کی لحنوں میں آہنگ کی تازگی کا وصف نمایاں ہے۔ ان کا "قصیدہ نوز" ان کی مہارت کا آئینہ دار ہے۔ اس طویل قصیدے کے ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں عزیز صاحب نے قوافی کا اہتمام کیا ہے اور پھر کوئی قافیہ دوبارہ نہیں آنے دیا۔ نعت میں ان کا معروف مخمس جو گیارہ بندوں پر مشتمل ہے ان کی نکتہ دانی اور رمز آفرینی کا

ثبوت ہے۔ اس مخمس کے ہر بند میں آنحضرت صلعم کے اسم مبارک "محمدؐ" کے حروف سے دلاویز نکتے پیدا کیے گئے ہیں۔ بقول ان کے

ع یہ کارنامہ سرِ حشر کام آئے گا
عزیزؔ نعتِ محمدؐ میں نام کرکے چلے

انہوں نے نعتِ محمدؐ میں اپنی مہارت و مشاقیِ فن کے سبب نمایاں مقام حاصل کیا ہے جسے وہ باعثِ نجات کارنامہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اعظم چشتی اس دور کے معروف نعت گو ہیں جنہیں ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے ملک گیر شہرت حاصل ہے۔ ان کی ذات میں نعت گوئی اور نعت خوانی دونوں صفات کا خوشگوار امتزاج موجود ہے۔ موسیقی و ترنم کے خاص ذوق کے سبب انہوں نے اپنے نعتیہ کلام کو ایک مؤثر لحن و آہنگ سے تخلیق کیا ہے۔ الفاظ و تراکیب کے استعمال سے کر بحور اور زمینوں کے انتخاب میں وہ سلیقہ اور نفاست سے کام لیتے ہیں۔

اُن کے مختلف نعتیہ مجموعے اُن کے ذوقِ نعت اور ذاتِ رسالت مآبؐ سے گہری عقیدت وارادت مندی کے مظہر ہیں ان کے موضوعاتِ نعت میں آنحضرتؐ کے اوصاف، ذکرِ میلاد مبارک، انسانیت پر آپؐ کے فیوض و برکات، معجزات خصوصاً واقعہ معراج کا بیان نمایاں ہے۔ عام سامعینِ نعت کے نزدیک اعظم چشتی کی وجہِ شہرت اُن کی نعت گوئی کی بجائے نعت خوانی ہے۔ لیکن اُن کے نعتیہ مجموعوں کے جائزہ کے بعد ایک نعت گو کی حیثیت سے ان کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُن کی نعتوں میں عوامی مضامین و موضوعات کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے، مگر قرآن و احادیث کے حوالے اور فارسی عربی تراکیب بھی نظر آتی ہیں۔

مظفر وارثی نے اردو نعت کو ایک مترنم اسلوب دیا۔ اُن کی نعت گوئی کا غالب اظہار پیرایۂ غزل ہی میں ہوا ہے، مگر انہوں نے قطعہ بند نظموں کی صورت میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ ان نظموں کے تخلیقی پس منظر میں ان کا ذوقِ ترنم جھلکتا ہے۔ ان کی بحریں مختصر، زبان سہل اور لب و لہجہ سادہ ہے اور اسی ترنم و سادگی کے سبب وہ محافلِ نعت میں بڑے ذوق شوق سے سنی جاتی ہیں۔

مظفر وارثی کی نعت میں نغمہ کاری کے علاوہ شوق و عقیدت کی فراوانی، ملکی و ملی مسائل کا بیان، اور دوسرے جدید مضامین ملتے ہیں انہوں نے قرینے اور سلیقے سے ان موضوعات کو جزوِ نعت بنایا ہے۔ بعض ناقدینِ نعت اُن کی نغمہ کاری کی سحر سے آگے نہیں جاتے لیکن اگر بنظرِ غائر اُن کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی غزل کی ندرت و جدت اور دردمندی کو نعت میں بھی سمو دیا ہے۔ ان کی نعت گوئی کو اُن کے مجموعی شعری رویّے سے الگ کرکے دیکھنا ممکن نہیں۔

انہوں نے موضوع کی تبدیلی سے شاعری کے اسلوب میں تبدیلی نہیں کی۔ ان کی عام غزلوں اور نظموں میں تازہ کاری اور تازہ خیالی کی جو کیفیت ملتی ہے، وہ نعتوں میں بھی نظر آتی ہے ..... انہوں نے لفظ اور جذبہ کی خوشگوار ہم آہنگی ..... اور عقیدے اور ادبیت کو یکجا کر کے ایسی نعتیں لکھی ہیں جن کو اردو نعت گوئی کی تاریخ میں یقیناً نمایاں حیثیت حاصل ہوگی۔[۴۹]

رحسن کیانی کی شاعری ملی موضوعات سے عبارت ہے۔ اُس کے ہاں اُسی اسلامی روایتِ شاعری کا جاندار اور شاندار تسلسل ملتا ہے، جو حسان بن ثابت اور جامی و سعدی سے ہوتی ہوئی حالی و اقبال کے وسیلے سے عصرِ حاضر کے شاعروں تک پہنچی۔ بقول سید عبداللہ

"نعت میں کیانی کا لہجہ اپنا ہے ــــ وہ نعت میں جہادیہ رنگ پیدا کرتا ہے۔ معلوم ہے کہ ہر نعت گو کے اپنے مزاج کے مطابق اُس کے پیرائے بھی بے شمار ہیں ــــ کیانی نے بھی اپنے مزاج کے مطابق نعت لکھی ہے۔ اُس کا پیرایہ بھی اپنا ہے۔ التجا بھی ہے اوصاف بھی ہیں مگر سب پر جہاد اور فریادِ امت کا سایہ جلوہ فگن ہے۔"[۵۰]

اُن کی نعتوں پر قدسی و محسن کے انداز کی جھلک بھی ہے مگر جہاد اور فریاد کا موثر پیرایۂ اظہار بھی نمایاں ہے۔

عاصی کرنالی قبیلۂ نعت کے اُن شعراء سے تعلق رکھتے ہیں جو احترامِ رسالت مآبؐ کے گہرے شعور کے ساتھ آنحضرتؐ کے مقاصدِ بعثت کی تفسیر و تشریح میں مشغول ہیں۔ اُن کی نعت کا اسلوب اصلاحی و مقصدی ہے۔ نعت اُن کے نزدیک ایک مقدس عبادت ہے جس کے وسیلے سے وہ زندگی کے اعلیٰ و ارفع مقاصد اور دنیا اور عقبیٰ کی سرخروئی کے طلبگار ہیں۔ اُن کی نعتوں میں فنِ نعت کی نزاکتوں کا پورا پورا احترام نظر آتا ہے۔ شیفتگی و شوق کی فراوانی کے باوجود حضور اکرمؐ کے دربار میں حد درجہ احتیاط اُن کی فنِ نعت شناسی کی دلیل ہے۔ جدید طرزِ اظہار نے اُن کی نعتوں کو اور زیادہ دلآویز بنا دیا ہے۔

عبدالرحمٰن عاجز نے نعت میں دنیا کی بے ثباتی اور زر و مال کی ناپائیداری کا نقشہ کھینچ کر اعمالِ صالح کی ترغیب دی ہے۔ محی الدین خلوت کے نعتیہ کلام میں اسلامی تاریخ و مذہب کے حوالے دراصل تجدیدِ داعیاتِ دین کی ترغیب ہیں۔ منظور احمد منظور کی 'شاخِ طوبیٰ' عقیدت و شیفتگی کے ساتھ عشاقی آہنگ لیے ہوئے ہے۔ خلیق قریشی کی نعتوں میں عذرِ گناہ، احساسِ ندامت اور عفو طلبی کے جذبات نمایاں ہیں۔ نظیر لدھیانوی کی نعتوں میں کلاسیکی شائستگی کے ساتھ فنی مہارت کے عناصر لو دیتے ہیں۔ کرم حیدری کی نعتوں میں علمی حوالے اور جذبۂ حبِ رسولؐ کی کیفیات کا اعتدال قابلِ ذکر ہے۔ اقبال عظیم کی نعتوں میں دردمندی اور دل سوزی کا عنصر نمایاں ہے۔ حسام چشتی، اسکندر لکھنوی اور ظہوری نے نعت گوئی میں عوامی خواہشات کو پیشِ نظر

رکھا اُن کی نعتوں میں حضورِ اکرمؐ اور دربارِ رسولؐ سے متعلق سوادِ اعظم کی کیفیات کا اظہار ہوا ہے۔ نثیر افضل جعفری کی لسانی تشکیلات ان کی نعتوں میں بھی نظر آتی ہیں انہوں نے نعتِ حضرتؐ میں پنجاب رنگ شامل کر کے اسے اپنے ہمعصروں سے ممتاز کر دیا ہے۔ یہ شعر ان کی انفرادیتِ نعت کا نمونہ ہیں۔

وہ سونے سینوں کا ساون صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی سوچ دلوں کا پھاگن صلی اللہ علیہ وسلم
تاج اُس کے منگتے کا ٹھوٹھا تخت اس کے بردے کی پیڑھی
شاہی اُس کے شہر کی جوگن صلی اللہ علیہ وسلم
اُس کی حکمت کے دیوانے زنجیروں کو زیور جانیں
ہتھکڑی اُس کی دھن میں کنگن صلی اللہ علیہ وسلم
میرے حق میں زم زم و کوثر میکدے پینے مشروب عرشی
اس کے زخمی پاؤں کی دھوون صلی اللہ علیہ وسلم[۵۱]

شمیم یزدانی کی طویل نظم 'نغمہ انوار' سیرت و اخلاق حمیدہ رسولؐ پر لکھا جانے والا موثر اور پُرسوز مرقع ہے۔ یہ طویل مثنوی آنحضرتؐ کے مکارمِ اخلاق کے تذکارِ مبارک پر مشتمل ہے۔ پیرو سہارنپوری کا قصیدہ 'رحمت للعالمینؐ' اور یزدانی جالندھری کی 'صبح سعادت' عصرِ حاضر کی نمائندہ نعتیں ہیں۔[۵۲]

صوفی محمد افضل فقیر کی نعت گوئی اُن کی حبِّ رسولؐ میں سرشاری و شیفتگی کا رنگ لیے ہوئے ہے ان کی نعت حُسن اور تاثیر سے مملو ہے۔ خالد بزمی، عابد نظامی، راجا رشید محمود، بشیر ناظم، قمر میرٹھی، علیم ناصری، خالد شفیق اور تبسم رضوانی ان نعت گو شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے نعت گوئی کے علاوہ نعت کی ترویج وتشہیر میں قابلِ ذکر کام کیا ہے۔ نعتیہ نشستوں کے انعقاد سے نعت گو شاعروں پر تعارفی مضامین تحریر کرنے تک ان کا شغف نعت پھیلا ہوا ہے۔

نعت گوئی کے بارے میں ترقی پسند شعراء کا رویہ بے اعتنائی کا رہا۔ ترقی پسند تحریک جس نظام و منشور کی پیداوار تھی اس کی بنیاد مذہب کی نفی پر رکھی گئی تھی۔ لھذا ترقی پسند شاعروں کے ہاں مذہبی موضوعات و مضامین کے بارے میں لاتعلقی بلکہ تضحیک آمیز رویوں کا اظہار ملتا ہے ان کے ہاں مذہب کی بنیاد اور فلسفہ پر سنجیدہ غور و فکر کی بجائے اُن کے ظواہر کا مذاق اور فروعی اختلافات و تضادات کو ابھارنے کی شعوری کوشش نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند تحریک کے پہلے ربع میں نعت کا ذکر تو کیا شاعری میں نعتیہ حوالوں کو بھی ہدفِ تنقید بنا کر اُن شعری تخلیقات کی حوصلہ شکنی کی جاتی رہی جن میں کسی نہ کسی طور

کسی نعتیہ یا مذہبی حوالے کا اظہار ہوا تھا۔ اس تحریک سے وابستگان کا یہ رویہ قیامِ پاکستان سے بعد تک قائم رہا۔[53] اور وہ شاعر جن کے توارث و ماحول میں مذہب کا عمل دخل تھا اور جنھوں نے گاہ گاہے نعت لکھی بھی اُن کا نعتیہ رویہ ایک ذاتی تخلیقی عمل اور حرفِ زیرِ لب سے آگے نہ بڑھا۔ ان شاعروں میں احمد ندیم قاسمی کا نام قابلِ ذکر ہے انھوں نے تحریک کے مقاصد و منشور کے بڑے دھارے سے کٹ کر دوسرے موضوعاتِ شاعری کے ساتھ نعت گوئی پر بھی توجہ دی۔ قیامِ پاکستان سے قبل بھی اُن کی نعتیں مختلف اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں[54] مگر قیامِ پاکستان کی دوسری دہائی میں خصوصاً انھوں نے اپنے افکار و نظریات کے اظہار کے لیے نعت گوئی کو بھی اپنایا۔ اور اعلیٰ نعتیں لکھیں۔ یہ وہ وقت ہے جب دوسرے ترقی پسند شعراء کے ہاں مذہب دشمنی کی بجائے اپنے مقصد برآری کے لیے مذہبی حوالوں کی طرف رجوع کی شعوری کوششیں نظر آتی ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے بعض ناقدین کے نزدیک یہ "رجوع" ایک طرح کی ڈپلومیسی ہے جس کا مقصد نعت کو اپنے منشور و مقاصد کے لیے استعمال کرنا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی کے مشاعروں میں شرکت اور مفاد پسندی کو بھی بعض شاعروں کے ہاں محرک کی حیثیت حاصل ہے۔ ماحول اور معاشرت میں نظامِ مصطفیٰ کے نعرے، ملک کو نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ کرنے اور مکمل اسلامی دستورِ حیات کو نافذ کرنے کی کوششوں کے علاوہ مختلف اسلامی ملکوں میں وحدت و یگانگت کے رجحان و میلان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ عوامی خواہشات اور قومی اور ملی تقاضوں کی روشنی میں متشدد ترقی پسند شاعروں نے بھی مذہب دشمنی کی روش ترک کرکے ادب و شعر میں "نعت" کی حد تک سمجھوتہ کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ۶۵ء کی جنگِ ستمبر کے بعد ترقی پسند شاعروں کے ہاں نعت گوئی کی طرف میلان نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اب تخلیقِ نعت کو رجعت پسندی کی بجائے ادبی و فنی معیارِ شعر کے طور پر نمایاں کیا جانے لگا ترقی پسند شعراء نے نعتوں کے مجموعے ترتیب دیے۔[55]

ترقی پسند شاعروں کی نعت گوئی میں آنحضرتؐ کی بعثت و نبوت کے مقصدِ اعلیٰ (نفاذِ اسلام اور حکومتِ الٰہی کا قیام) کے بجائے آپ کی سیرت و کردار کے بعض اُن پہلوؤں کا ذکر خاص طور پر ملتا ہے جو ان شاعروں کے خیالات و نظریات کی اشاعت میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں اور جن کا تعلق معاشرتی مواخات و مساوات اور عدل و انصاف سے ہے یا جن میں جراَتِ اظہار، بے باکی کردار، حق گوئی، امانت و دیانت اور دوسرے بشری اوصاف و خصائل کے بیان کو ان شاعروں کے ہاں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید (ترقی پسند تحریک کے) بعض شعراء نے نعت کو اشتراکی زاویے استعمال کرکے (معاشرتی و طبقاتی) تضاد ابھارنے کی کوشش بھی کی ہے، مثلاً

قصرِ مرمریں سے شہنشاہ نے از راہِ غرور

تیری کٹیا کو جو دیکھا تو بہت شرمایا

چند ایک شعراء کے ہاں قصیدے (مدحِ رسول) کا انداز ڈپلومیٹک نظر آتا ہے اور ان نعتوں میں جو صفاتِ حضورؐ کی بیان کی گئی ہیں ان کا اطلاق کسی بھی بڑی شخصیت پر ہو سکتا ہے۔ عام طور پر اس قسم کی نعتوں میں حضور کا اسم درج نہیں کیا جاتا بلکہ قصیدہ تجریدی انداز میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً

یہ بھی ہے سچ کہ آپ کی گفتار ہے جمیل

یہ بھی ہے حق کہ صاحبِ کردار آپؐ ہیں!

یہ فخر کم نہیں کہ میں ہوں جس کی گردِ راہ

اُس قافلے کے قافلہ سالار آپؐ ہیں[۵۹]

ترقی پسند شعراء کی نعت کا لفظیاتی ماحول زیادہ غیر مذہبی ہوتا ہے۔ اس میں قرآن و احادیث کے الفاظ آپ کے اسمائے مبارکہ (یٰسین، طٰہٰ، مدثر، مزمل وغیرہ) مصطفےٰ، مدینہ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کی ردیفوں کی بجائے شاعری کا عام اسلوب و انداز نظر آتا ہے۔ نیز آپؐ کے معجزات و عبادات اور خالص دینی موضوعات پر اظہار کی بجائے آپؐ کی شخصی خوبیوں کے ذکر پر توجہ دی جاتی ہے۔ ترقی پسند شعراء کی نعت گوئی کے محرکات و مقاصد سے قطع نظر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے فنی طور پر معیاری نعتیں لکھیں اور آپؐ کی سیرت و کردار کے بعض گوشوں کو عصری احوال و مسائل کے پس منظر میں منفرد اور موثر انداز میں پیش کیا انہوں نے اسلوبِ نعت سے زیادہ موضوعاتِ نعت پر توجہ دی اگرچہ ان کے موضوعات کا دائرہ خاص ہے مگر انہوں نے اس دائرہ ہی میں نعت گوئی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ان شاعروں میں سرِ فہرست احمد ندیم قاسمی ہیں جن کی نعتیں نہ صرف شعر و فن کے اعلیٰ معیارات و اقدار پر پورا اترتی ہیں بلکہ عوام میں بھی بہت مقبول و پسندیدہ ہیں۔

عارف عبدالمتین نے بھی بکثرت نعتیں لکھیں ہیں۔ بقول گوہر ملسیانی

"ترقی پسند تحریک کے شاعر حمد و نعت و منقبت اور ملّی نظموں کو مذہبی شاعری قرار دیتے ہوئے ان پر محدود خیالات و اظہار کا لیبل چسپاں کر دینے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مگر دورِ حاضر نے ترقی پسند شاعروں کو حمد و نعت کے میدان میں اُترنے پر مجبور کر دیا اور انہیں اس محدودیت میں لا محدودیت کے عناصر دکھائی دینے لگے دورِ حاضر کو اس لحاظ سے نعت کا دور کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس صنفِ شاعری سے روگردانی کرنے والے

بھی اس کے سایہ عاطفت میں اپنی بھلائی پانے لگے ۔"

"لینن کے حضور ہیں اے عظیم باپ تیرے واسطے ترے فرزند عقیدتوں کے شفق رنگ پھول لائے ہیں جیسی عقیدت و احترام سے لبریز نظمیں لکھنے والے نے جب نعت کی طرف رخ پھیرا تو اپنے فکر و فن کی ساری توانائیاں اس کے لیے وقف کر دیں ان کی نعتوں میں محبت اور التجا کا انداز نمایاں ہے ۔

میری ہستی کو ملا رنگ اخوت تجھ سے!
پھر عجب کیا ہے جو کرتا ہوں محبت تجھ سے
لفظ پھر لفظ ہیں جذبوں کو سمیٹوں کیونکر
کیسے کر پاؤں میں اظہار عقیدت تجھ سے
آرزو مند ہوں مٹ جائیں مرے داغ قبا
ورنہ شرماؤں گا میں روز قیامت تجھ سے

عارف کا یہ شعر بھی دیکھیے

زندگی میری ہے طائف کے سفر کا پرتو
میں نے پائی ہے ستم سہنے کی عادت تجھ سے

عارف نے آزاد نظم میں بھی نعت کے نمونے تخلیق کیے ہیں ان کی نعتوں میں جدید غزل کا پرتو غالب ہے ۔ بعض نعتوں میں آنحضرت سے خطاب کا انداز بعینہٖ وہی ہے جو غزل میں نظر آتا ہے 'تو' اور 'تم' کے الفاظ سے حضور اکرم سے سرگوشی اور التجا عارف کا رنگ خاص ہے ۔

قتیل شفائی ، ظہور نظر اور احمد فراز بھی اسی اندازِ نعت کے پیروکار ہیں ان کے کلام میں نعتیں بہت کم ہیں اور جو ہیں ان میں آنحضرت کے اس انسانی پیغام کا تذکار غالب ہے جو عدل و انصاف ، اخوت و مساوات ، مواخات اور بھائی چارے سے متعلق ہے ۔ ان کی نعتوں میں معاشرتی طبقات اور سیاسی حوالوں کی لپک بھی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے ۔

عصرِ حاضر کی نعت گوئی کا جائزہ

عصرِ حاضر نعت کے لیے انتہائی اہم اور مبارک ثابت ہوا ۔ نعت کی ترتیب و تشہیر اور تخلیق و تحقیق وغیرہ سے متعلق جو کام اس دور میں ہوا اس کی مثال پہلے کی ادبی تاریخ میں نظر نہیں آتی سا اس عصر کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں مستند شخصیات شعر و ادب نے فن نعت کی طرف توجہ دی اور اسے ایک باقاعدہ

صنفِ سخن کا درجہ دینے میں نمایاں طور پر سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ عصرِ حاضر سے قبل اردو نعت کو جو شاعرانِ کرام میسر ہوئے ان میں تخلیقی نعت کا بڑا کام کرنے والے وہ علمائے کرام تھے جو اپنے شاعرانہ جوہر اور تخلیقی صلاحیتوں کے سبب کارِ نعت میں مصروف تو رہے مگر ادبی سطح پر اُن کی پذیرائی نہ ہو سکی۔ اصنافِ سخن میں چونکہ نعت کا مقام اور اس صنف کے خدوخال کا جداگانہ تشخص نہ ہوا تھا اس لیے وہ شاعر جو نعت کا شغف رکھتے تھے مقدار اور معیار کے لحاظ سے نمایاں کارکردگی کے باوجود تاریخِ شعر و ادب میں وہ مقام نہ پا سکے جس کے وہ بجا طور پر اہل تھے نعت کے گزشتہ ادوار کی صورتِ حال کچھ یوں ہے کہ وہ شاعر جنہوں نے نعت میں باقاعدہ دیوان مرتب کیے تاریخِ ادب میں غیر معروف رہے مثلاً مولانا احمد رضا خاں، مولانا لطف بریلوی، مولانا کفایت علی کافی، مولانا مفتی غلام سرور لاہوری..... وغیرہ وغیرہ، اپنی شاعرانہ استعداد اور کارکردگی کے باوجود ادب کے تذکرے اور تاریخیں ان شاعروں کے ذکر سے خالی ہیں اگر کسی جگہ ان کا تذکرہ موجود بھی ہے تو سرسری انداز میں چند جملوں سے زیادہ نہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جن میں سب سے بڑی وجہ نعت کی بحیثیت صنفِ سخن ناقدری رہی۔ اور اسے اعلیٰ تخلیقی و معیاری ادب کے بجائے مسجد و خانقاہ سے وابستگان کے وعظ و نصیحت کا ایک انداز سمجھ لیا گیا۔ اوّل اوّل اسے ایک علیحدہ صنف ہی نہیں سمجھا گیا (زیادہ سے زیادہ ایک موضوع کے طور پر مذہبی شاعری کے ذیل میں اس کی نشاندہی کی جاتی رہی) بعد میں جب باقاعدہ ادبی و شعری تاریخ نگاری کا دور شروع ہوا تو کارپردازانِ شعر و ادب کے نزدیک نعت گوئی مذہبی شاعری یا پروپیگنڈا سمجھ کر نظر انداز کر دی گئی۔ نکات الشعراء (میر تقی میر) آبِ حیات (محمد حسین آزاد) سے لے کر تاریخ ادب اردو (رام بابو سکسینہ) اور (History of Urdu Literature) محمد صادق) تک نعت اور نعت گو شاعروں کے ساتھ ادبی تذکرہ و تاریخ نگاروں کا یہی رویہ رہا۔ امیر مینائی اور محسن کے باب میں نعتیہ شاعری کا ذکر ضرور ہوا مگر دوسرے سینکڑوں نعت گو شاعر جن میں ادبی و فنی معیارات کے لحاظ سے بعض نعت گو ممتاز حیثیت کے مالک تھے شعر و ادب کے ارتقا و تاریخ کے تذکرے میں چند جملوں سے بھی محروم رہے۔

دوسری طرف وہ شاعر جن کی ادبی حیثیت ہر دور میں مسلّم رہی اور جن کا ذکر تاریخ و ادب کے لیے ناگزیر رہا انہوں نے نعت گوئی کی طرف توجہ ہی کم دی ان میں ولّی، میر، سودا سے لے کر نظیر اکبر آبادی، غالب، و داغ تک کئی نام ملتے ہیں، جنہوں نے متنوع موضوعات اور اصناف میں طبع آزمائی کی مگر جن کا نعتیہ سرمایہ چند اشعار یا چند نعتیہ غزلوں اور قصیدوں سے زیادہ نہیں۔ عصرِ جدید میں حالی، اقبال اور ظفر علی خان نے اپنی استعدادِ شاعری سے اردو نعت کی روایت کو آگے بڑھایا مگر مقدار کے

لحاظ سے ان بڑے شاعروں کی نعتیہ تخلیقات بھی چند منظومات سے زیادہ نہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی اس مقدار میں نعتیں نہیں لکھیں کہ اُن کا علیحدہ مجموعہ نعت مرتب ہو سکے۔

اب تک کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ عصرِ حاضر سے پہلے وہ شاعر جنہوں نے نعت میں دیوان مرتب کیے ادبی سطح پر معروف نہ ہو سکے اور وہ شاعر جو ادبی مقام و مرتبہ کے حامل ٹھہرے انہوں نے مقدار میں نعت کم لکھی ـــــ نعت کا عصرِ حاضر اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں ادبی سطح پر مقدار و معیار اور تعداد و شہرت میں حائل خلیج کو پاٹ دیا گیا۔ نعت گوئی کو نہ صرف وہ ادبی مرتبہ و مقام حاصل ہوا جس کی وہ اہل تھی بلکہ روز بروز اسے دیگر اصنافِ سخن میں زیادہ نمایاں حیثیت مل رہی ہے۔ ان شاعروں نے جو ادب میں مستند معیار و مرتبہ رکھتے ہیں نعت کی طرف توجہ دی اور نعت میں باقاعدہ مجموعے مرتب کیے۔ ان میں بہزاد لکھنوی عبدالعزیز خالد، احسان دانش، قیوم نظر، حافظ لدھیانوی، مظفر وارثی، سیف زلفی ـــــ سے لے کر ساغر صدیقی اور شکیل بدایونی تک بیسیوں ایسے شاعر ہیں جنہوں نے دیگر تصنیفاتِ شعر کے ساتھ ساتھ نعت میں جداگانہ تصنیفات مرتب کیں۔

عصرِ حاضر میں نعت کا مرکزی موضوع تو مدحِ رسول ؐ کا اظہار ہی رہا مگر اس بڑے دھارے میں مضامین و خیالات کے وہ چھوٹے چھوٹے سوتے آ کر ملتے رہے جو بدلتے ہوئے عصری رجحانات و میلانات اور احوال و تحریکات کے بطن سے پھوٹتے رہے۔ قیامِ پاکستان سے اب تک جن ملّی و مذہبی اور قومی و سیاسی تحریکوں نے نعت گو شاعروں کو متاثر کیا ان میں تحریکِ ختمِ نبوّت (۵۳ء، ۷۴ء) جنگِ ستمبر ۶۵ء، سقوطِ ڈھاکہ اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ ۷۷ء زیادہ اہم ہیں۔ ان تحریکوں کے ساتھ ساتھ تاریخ و سیاست کے مختلف حالات و واقعات نے بھی اردو نعت پر اثرات ڈالے۔ ان میں عرب اسرائیل جنگ، مسجد اقصےٰ اور بیت المقدس کا سقوط، مختلف اسلامی ممالک میں یگانگت و یک جہتی کا رجحان، اسلامی سربراہی کانفرنسوں کا انعقاد شامل ہے۔ حال ہی میں افغانستان میں روسی جارحیت اور اس سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کی عکاسی بھی نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں دنیا بھر میں مادی و سائنسی ترقی کے مقابلے میں امتِ مسلمہ کی پسماندگی بے وقعتی، اس سے پیدا ہونے والے مصائب، رنگ و نسل کے تعصبات اور اس کے ردِّعمل کے طور پر ایک مرکز پر جمع ہونے کی آرزو اور مساعی، نیز اپنے تمام وسائل جمع کر کے نشاۃِ ثانیہ اور سیاسی و مادی ترقی کے ساتھ روحانی و اخلاقی اقدار کی بازیابی کے خیالات بھی نعت کے موضوعات بنے عالمِ اسلام میں پیدا ہونے والے ارتعاش خصوصاً پاکستان میں امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کا تذکرہ، عصرِ حاضر کی نعت گوئی کا خاص موضوع ہے۔ اس میں داخلی احساسات و کیفیات کے ساتھ ساتھ ملکی و ملّی آشوب، نالہ و فریاد

اور استحضت ﷺ سے استمداد واستغاثہ کے عناصر نے نعت کے دائرہ کو بے حد وسیع کر دیا ہے۔ انسان کی مادی ترقی کے ساتھ مذہبی و روحانی بڑھتے ہوئے خلا کو پُر کرنے کے لیے جس تصور، طاقت اور سہارے کی ضرورت ہے اس کی واحد مثال حضور اکرم کی ذات والا صفات اور آپ کی تعلیمات میں نظر آتی ہے۔ ذات و پیام نبوی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے اثرات مسلمان ممالک کے علاوہ غیر مسلم معاشروں میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسلام سے دشمنی کا رویہ ترک کر کے اسے ایک مقصدِ حیات کے طور پر سمجھنے کی سنجیدہ کوششوں نے غیر مسلموں میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے مطالعہ کا ایک نیا باب کھول دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں ریتے گینون، مارٹن لنگز، شوان اور برک ہارٹ ایسے متصوف ذہنوں کی قبولیت اسلام نے جہاں ایک طرف اسلام کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے وہاں حضور اکرم ﷺ کی ذات اور پیغام کے بارے میں غور و فکر کے نئے زاویے بھی سجھائے ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کی آویزش کے مقابلہ میں اسلام کا اعتدال و توازن بھی جدید سیاست و اقتصادیات میں خصوصی توجہ و مطالعہ کا متقاضی ہے — یہ تمام سوچیں اور خیالات بھی عصرِ حاضر کی اردو نعت میں جھلکتے ہیں۔ ذیل میں مذکورہ بالا رجحانات و تحریکات سے پیدا ہونے والے احساسات پر مشتمل نعتیہ شاعری کی کچھ مثالیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں جن سے اس صنف کی وسعت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نعت میں ملکی سیاست اور ملت اسلامیہ کو درپیش مصائب کی ایک جھلک دیکھئے۔

؎ تیرگی ہے کہ اُمڈتی ہی چلی آتی ہے
میرے ہادی کوئی پیدا ہو سحر کی صورت
سخت درماندہ ہیں کشمیر و فلسطین میں ہم
اب تو آ جائے نظر فتح و ظفر کی صورت

(عابد نظامی) جسارت کراچی

؎ جو انبیاء کے قدم سے تھی مفتخر وہ زمیں
ہوئی ہے قوتِ باطل کے آج زیرِ قدم
وہ ارضِ پاک ہے صیہونیت کے قبضے میں
غبارِ راہ میں ہے شورِ نالہ و ماتم
حضور آج ہے مسلم پہ کفر کی یلغار
حضور قعرِ مذلت میں گر چکے ہیں ہم

گذر گئی ہے قیامت ترے غلاموں پر
عدو نے ڈھائے ہیں افغانیوں پہ ایسے ستم
نہتے لڑتے ہیں کفار کے عساکر سے
بڑھی ہے فوجِ عدو اُن کی سمت صورتِ یم
ڈٹے ہوئے ہیں یہ سیلابِ کفر کے آگے
مجاہدین کہ ہر چند ہیں بہت ہی کم
کوئی ہو غیب سے امداد اے شہِ بطحاؐ
ترے ہی نام سے قائم ہے عاصیوں کا بھرم

(حافظ لدھیانوی) [۵۹]

نظم "دُہائی"

بھائی کا بھائی نے خون ہنس کے بہایا کیسے
گوشت انسان کا انسان نے کھایا کیسے
کب ترے ساتھ اسے پیار کا ڈھب آئے گا
تیرا دریائے کرم جوش پہ کب آئے گا

(مظفر وارثی) [۶۰]

نظم "خیر کی بھیک"

تیرے کہلائیں غیروں کی بیعت کریں رہنما سازشوں کی قیادت کریں
خواہشیں ہیں پنپنے کی بروان کی جڑ مسلمان کاٹے مسلمان کی

ہر طرف وسوسے
روشنی کو ڈسے
مارِ تیرہ شبی یانبیؐ! یانبیؐ!

(مظفر وارثی) [۶۱]

فریاد ہے اے گنبدِ خضرا کے محافظ
اُمت ترے محبوبؐ کی اس وقت حزیں ہے

پھر جانبِ حرمین ہیں اغیار کی نظریں
پھر آج خطر میں ترے محبوب کا دین ہے
(عابد نظامی[۶۲])

ریاض اپنے وطن کی خاک کے آنسو بھی لایا ہے
رسولِ محترم کیجے کرم اپنی عطاؤں کے
(ریاض حسین چوہدری[۶۳])

مسلسل ہو رہی ہے جانے کیوں اُمت کی رُسوائی
دعاؤں میں یہ افلاس اثر دیکھا نہیں جاتا
(احسان دانش[۶۴])

اس قیادت کی کشمکش میں حضورؐ
ہو نہ جائے کہیں چمن برباد
برق دھر کی دہشت انگیزی!
ہے گریزاں نگوں سے بادِ مراد
اے رسولؐ کریم شاہِ زمن
اب توجہ کا منتظر ہے چمن
(عبدالکریم ثمر[۶۵])

۲۔ اس عصر کی ملی نظموں میں بھی حضورِ اکرمؐ کا ذکر اور نعتیہ عناصر نظر آتے ہیں قومی و ملی موضوعات پر لکھنے والے شاعروں کے ہاں یہ نعتیہ حوالے بکثرت نظر آتے ہیں۔ معروف نعت گو عبدالعزیز خالد کے ہاں ملی منظومات میں بھی نعت کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ شعر دیکھئے

یا رحمۃ للعالمین، یا رحمۃ للعالمین!
یہ کشور دولتِ پاکستان کی یہ سرزمیں
(نظم "یا رحمۃ للعالمین" - عبدالعزیز خالد)

اس کے علاوہ "ہم حزبِ محمد ہیں" "جی میں آتا ہے فلسطین چلیں" "دیارِ پاک" اور "قوم کے مجاہدوں کو" عنوان کی نعتیہ نظمیں جو عبدالعزیز خالد نے ملی موضوعات پر لکھیں اگرچہ نعتیں نہیں مگر ان میں آنحضرتؐ کے حوالے سے نعتیہ عناصر در آئے ہیں۔ اور اسی انداز کے دیگر مسائل و مصائب نمایاں

ہیں ان نظموں میں

؎ صف بہ صف حزبِ محمدؐ کے اراکین چلیں

؎ جانثارانِ رسولِ ہاشمی

ناموس و ناموسِ محمد کے امین

؎ اے شمعِ رسالت کے آتش زدہ پروانو

؎ چھیڑا شبِ معراج نے پھر قصۂ اسرا

پھر دل میں ہوا تازہ غمِ مسجدِ اقصیٰ[۶۶]

قسم کے مصرعے اور اشعار خالد کی ملی شاعری میں نعت ہی کے عنصر کی نشاندہی کرتے ہیں

ردِ قادیانیت میں یہ شعر دیکھئے :

اب آمدِ نبی کا لطیفہ غلط غلط قرآں کے بعد کوئی صحیفہ غلط غلط

(راسخ عرفانی)[۶۷]

ذکر جب احمدِ مرسل زباں پر آیا منکرِ ختمِ نبوت کو کئی تیر لگے

(عبدالکریم ثمر)[۶۸]

نسبت ہمیں ہے احمدِ مختار سے اسد ہم احمدی تو ہیں پہ غلام احمدی نہیں

(اسد ملتانی)

پاکستان میں سوئے اتفاق سے ایک ایسا دور بھی آیا جب کچھ نام نہاد رہنماؤں کی گمراہ کن کوششوں سے ہمارے بعض ناپختہ ذہن نوجوانوں نے اسلام کے مقابلے میں بعض ملحدانہ اور کافرانہ ازموں کا پرچار شروع کیا۔ نعت گو شاعروں نے اس محاذ پر بھی اپنی آواز بلند رکھی۔

؎ مطلوب نہیں ہم کو سٹالین و ٹرومین

کونین کا سردار ہے سردار ہمارا

(اثر صہبائی)

؎ اشتراکیت کے حامی کچھ تو رسوا ہو گئے!

کچھ وہ اس توہین کا بھگتیں گے خمیازہ ابھی

آج ہو جائے نظامِ مصطفےٰ[۶۹] پر گر عمل!

کفر و باطل کا اتر جائے گا سب غازہ ابھی (خلد نوری)

سے

لندن و پیرس کی خونریزی سے اس کو کیا غرض
جو خمستانِ حرم کا بے خود سرمست ہے
اُس کو بزمی لینن وماؤ سے کیا وابستگی
جس کا دل اس محسنِ کونین سے پیوست ہے (خالد بزمی)

موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ عصر حاضر میں نعت گوئی کے اسالیب اور ہیئتوں میں بھی اضافہ ہوا قصیدہ و مثنوی کی بجائے غزل اس عصر کی نمائندہ و مقبول ہیئت ہے۔ اس عصر میں ترجیع و ترکیب بند مخمس و رباعی تضمین اور دوسری ہیئتوں کا استعمال غزل کی نسبت بہت کم رہا۔ غزل میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے دیوان نعت مرتب کرنے کی بجائے جدید شعری مجموعوں کی طرح نعتیہ مجموعے مرتب ہوئے۔ نعت میں کینٹو (Canto) کی طرز پر طویل منظومات کہنے کا رواج ہوا۔ ذیل میں اُن نعتیہ مجموعوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو ایک ہی نعت پر مشتمل ہیں۔

۱۔ غزل و قصیدہ کی ہیئت میں — منحمنّا (عبدالعزیز خالد) فارقلیط (عبدالعزیز خالد)
۲۔ مسدس " " — فخر کونینؐ (محشر رسول نگری) داریں (احسان دانش) رحلِ نظر (مہدی نظمی)
۳۔ آزاد نظم " " — عبدہٗ (عبدالعزیز خالد)
۴۔ مثنوی کی " " — حضرت محمد ﷺ منظوم (ضمیر علی دل طالب نگری)، بقعۂ انوار (شمیم بریلوی)
۵۔ مختلف ہیئتوں میں — صلصلۃ الجرس (عمیق حنفی) اس میں پابند، معرّا، اور آزاد نظم کی ہیئت کا استعمال ہوا ہے۔

مذکورہ بالا طویل نعتیہ منظومات عصر حاضر کی نعت گوئی کا وقیع سرمایہ ہیں۔ ان طویل نعتوں میں نعت کا موضوعاتی افق بہت پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ذات و صفاتِ محمدی کے علاوہ عمرانیات و سماجیات، سیاسیات، اقتصادیات، تصوف و اخلاقیات سے لے کر تہذیب و ثقافت اور ذاتی احوال و مشاہدات تک مختلف اور متنوع مضامین و موضوعات کا بیان ملتا ہے۔

طویل منظومات کے علاوہ معرّا، آزاد اور نثری نظم کی ہیئتوں میں بھی نعت نگاری کے نمونے ملتے ہیں چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

نظم معرّا میں

تلخ واہموں کے سخت پیکر میں

سورج لے جائے ایسے جنگل میں
غم کی بیگار جس میں دل بھگتے
پھول سوچے بسیط سائے میں
منزلیں چھوٹ جائیں رستے میں

آپ سے ہے محبتوں کو ثبات
ایسے میں آپ ہی کا روشن ہاتھ
میری انگلی کو تھام لیتا ہے
کتنی شفقت سے میرے کانوں میں
کوئی میرا ابھی نام لیتا ہے
کرنیں رم جھم برسنے لگتی ہیں
منزلیں راستوں سے جھانکتی ہیں
حوصلے مور بن کے ناچتے ہیں ۹۵

(ناہید قاسمی) "اقتباس"

اک زار نظم

---گلیم دردپوشی ایسی ___
کہ جس میں تہہ بہ تہہ محراب زخموں کی
وہ جس کے ساتھ ہر موسم چمکتے جگنوؤں کے ساتھ اڑنے کا
لگن سی ___
پانیوں پر تیرتے روشن دریچوں کی

اُسی کی دید سے تقویم ہوتے ہیں، بھلے لے
اُسی کے نام سے
آنکھوں میں ٹھہرے نقش جلوے کے
کوئی محراب کا نقشہ پرانے آسمانوں میں
ہماری زندگی کا راز جس پر آشکارا ہے

وہی روشن ستارہ تو ہمارا استعارہ ہے....
نظم "وہی روشن ستارہ" احسان اکبر (اقتباس)

سلام اُسؐ پر جو ظلمتوں میں منارۂ روشنی ہوا ہے
وہ ایسا سورج ہے جس کی کرنیں ازل ابد کے تمام گوشوں
میں نور یُن کے سما چکی ہیں
ہر ایک ذرے کو ماہِ تاباں بنا چکی ہیں
سلام اسؐ پر
(اظہر نفیس)

۔۔۔ خلق میں سب سے بڑا، سب سے جدا
وہی محبوبؐ خدا
تہی دامان و تہی دست — مگر رحمتِ کل
وہ مہاجر وہ غریب الوطن و خانہ بدوش
وہ شہنشاہِ رسلؐ حکمران (صفدر صدیقی رضی)

نثری نظم میں
ابھی ابھی میں نے اپنی گھڑی موت کی گھڑی سے ملائی ہے
یارسولؐ اللہ
مجھے میری موت سے پہلے میرے جسم کی گندی مٹی کو پاک کر دیجئے، یا اُسے معاف کر دیجئے
صرف چند سال زندہ رہنے کے لالچ کے اوپر میری روح کو کسی مضبوط رسی سے باندھ دیجئے
اور پھر میرے جسم کی تمنّوں کو اس تلوار سے کاٹ دیجئے، جو اللہ نے آپ کو سونپی تھی

یارسولؐ اللہ
میں نے اپنی گھڑی، موت کی گھڑی سے ملاکے آسمان کی طرف دیکھا کہ زمین کے وقت گذر جانے
کی دعا مانگوں مگر عرصہ ہوا میں اپنی نسل کے لوگوں کے ہجوم میں وہ دعا بھول چکا ہوں
یارسولؐ اللہ
میری بھول کو چھوڑ کر صرف میری اُمی ایک نیّت کو اٹھا لیجیے، جو آپؐ کو شافع محشر جان کر آنسوؤں کی زبان

میں روتی ہے

کیونکہ انتظار، ابد، کا دل ہے اور کوئی کہتا ہے کہ میرے بچے مت رو۔ مت رو

اگر پیدا ہونے والے بچے کے کان میں اذان دینے کی رسم نہ ہوتی تو میرے پیدا ہونے کا مطلب کون بتاتا؟

یا رسول اللہ، مجھے آپ کا مبارک نام کون بتاتا؟

نظم[۵۸] "رسالت مآب کے حضور میں" احمد ہمیش (اقتباس)

غزل اس دور میں بھی نعت گو شاعروں کی محبوب صنف رہی ہے نئے شاعروں کی نعتیہ غزلوں میں محبتِ رسالت مآبؐ کے ایسے ایسے دلآویز تجربے پیش کیے گئے ہیں کہ نعت کے ساتھ غزل کو بھی باوقار اور پُرکیف بنا دیا ہے۔

ے کیسی اجلاتی بکھرتی ہے ۔۔۔ تتلی پہ لکھ دیا محمدؐ
بانٹ رہا ہے اندھیاری میں ۔۔۔ جگنو جگنو ضیا محمدؐ

(منظر حنفی)[۵۹]

ے پستی بلند آپ کے پابوس سے ہوئی
اعلیٰ منارِ مہر سے غارِ حراء حضورؐ

(مرزا محمد منور)

ے دل میرا خوفِ مرگ سے مطلق ہے بے نیاز
میں جانتا ہوں موت ہے سنّت حضورؐ کی

(احسان دانش)

ے تُو تو وہ ہے کہ تری رحمتیں بھادوں کی جھڑی
ابرِ باراں مدد دے، خضرِ بہاراں مدد دے

(تحسین فراقی)

ے حسنِ آخر نے کیا حسن کو آخر تجھ پر
آخری روپ دیا آخری صورت لکھی (خالد احمد)

ے شانِ محبوب جو لکھ سکے ایسی نوکِ قلم چاہیئے
(مسرور بدایونی)

ے ستارہ بن کے رہوں بے کنار ہو جاؤں
جو تو ملے تو اندھیروں کے پار ہو جاؤں
(جاذب قریشی)

ے جہات اُن کے درتک ہی طولِ سفر ہے یہ قصہ پھر آگے بہت مختصر ہے
(انور کیف)

ے روز و شب اس میں ہے عکسِ رسولؐ دل کا حجرہ بھی حرا آثار ہے
(شبیر افضل جعفری)

ے جب گمراہ تھی انسانیت دے کے اس کو درسِ اخوت
ایک نئے قالب میں ڈھالا صلی اللہ علیہ وسلم
(حمید جالندھری)

عصرِ حاضر میں نعت کے خوبصورت مجموعے اور مشاعرے شائع ہوئے ذیل میں ان معروف نعتیہ کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جس سے کسی حد تک نعتیہ ادب کی تیز رفتاری کا اندازہ ہوتا ہے یہ فہرست معروف نعت گو حفیظ تائب نے مرتب کی ہے

نعتیہ مجموعے :

دیارِ نبیؐ	ضیاء القادری	۱۹۵۰ء
آفتابِ تاج	تاج الدین احمد تاج	۱۹۵۰ء
آہنگِ مجاز	عرش ملسیانی	۱۹۵۳ء
ثنائے حبیب	بہزاد لکھنوی	۱۹۵۴ء
نغمۂ روح	؍؍	سال اشاعت درج نہیں
کرم بالائے کرم	؍؍	؍؍
درمانِ غم	؍؍	؍؍
بحضور سرورِ کائناتؐ	اثر صہبائی	۱۹۵۸ء
والیٔ بطحاؐ	عنایت اللہ خاں عنایت	۱۹۵۹ء

ارمغانِ حرم	اقبال سہیل	۱۹۶۰ء
جامِ نور	عزیز حاصل پوری	۱۹۶۱ء
بستانِ حرم	زائرِ حرم حمید صدیقی	۱۹۶۱ء
غبارِ حجاز	راسخ عرفانی	۱۹۶۱ء
منور نعتیں	منور بدایونی	۱۹۶۲ء
فخرِ کونینؐ	محشر رسول نگری	۱۹۶۲ء
جامِ حیات	ساحر صدیقی	۱۹۶۴ء
جنگ نامہ اسلام	منظور حسین منظور	—
فارقلیط	عبدالعزیز خالد	۱۹۶۴ء
صہبائے مدینہ	آثم نظامی	۱۹۶۵ء
انوارِ طیبہ	بیدل جبلپوری	سال درج نہیں
تنزیل	اختر حیدرآبادی	۱۹۶۵ء
تاریخ اسلام (منظوم)	سید ضمیر علی جعفری	۱۹۶۶ء
یہ ہیں کارنامے رسولؐ خدا کے	راجہ عبداللہ خاں نیاز	۱۹۶۷ء
شاخِ طوبیٰ	ادیب سیمابی	۱۹۶۷ء
خمخانۂ حجر	قمر یزدانی	۱۹۶۸ء
تجلیات	حافظ مظہر الدین	۱۹۶۹ء
تسبیحِ رعنا	رعنا اکبرآبادی	۱۹۶۹ء
مینائے کوثر	انجم وزیرآبادی	۱۹۶۹ء
خمخانۂ زمزم	مینا زبیری	۱۹۷۰ء
آہنگِ حجاز	چوہدری فضل حق	۱۹۷۰ء
نیرِ اعظم (حصہ نعت)	محمد اعظم چشتی	۱۹۷۰ء
ثنائے خواجہ	حافظ لدھیانوی	۱۹۷۱ء
عقیدت	محمد اختر کیانی	۱۹۷۱ء
سبز گنبد	ساغر صدیقی	۱۹۷۲ء

نعت محل	اختر الحامدی	۱۹۷۴ء
زخمۂ دل	سرور سہارنپوری	۱۹۷۴ء
دارین	احسان دانش	۱۹۷۵ء
جلوہ گاہ	حافظ مظہر الدین	۱۹۷۵ء
شاخِ سدرہ	عبدالکریم ثمر	۱۹۷۵ء
نوائے بردہ (منظوم ترجمہ بردہ شریف)	فروغ احمد	۱۹۷۵ء
جام طہور	عبدالرحمٰن عاجز	۱۹۷۵ء
عطایا	عبدالعزیز خالد	۱۹۷۶ء
اُس قدم کے نشان	ادیب رائے پوری	۱۹۷۶ء
جامِ عرشی	سید منظور احمد مہجور	
شمس و قمر	قمر میرٹھی	۱۹۷۶ء
بابِ حرم	مظفر وارثی	
مدحت	عاصی کرنالی	۱۹۷۶ء
فیوض الحرمین	محمد عبدالعزیز شوقی	۱۹۷۶ء
سرِ نور	ماجد صدیقی	۱۹۷۶ء
تجلیات شمسی (نعتیہ حصہ)	شمسی پنسوی	۱۹۷۶ء
قابِ قوسین	سید اقبال عظیم	۱۹۷۷ء
ورفعنالک ذکرک	راجہ رشید محمود	۱۹۷۷ء
مہرِ عرب	فضل حق	۱۹۷۷ء
مختارِ کُل	انور فیروزپوری	۱۹۷۷ء
اعجازِ مصطفےٰ	اعجاز رحمانی	۱۹۷۷ء
شمشیرِ ضیابار	رحمٰن کیانی	۱۹۷۷ء
جمالِ مدینہ	مرتضیٰ خاور	۱۹۷۷ء
روشنی	سیف زلفی	۱۹۷۸ء
مدحتِ خیر البشر	راغب مرادآبادی	۱۹۷۸ء

جامِ طہور	صابر براری	۱۹۷۸ء
بابِ جبریل	حافظ مظہر الدین	۱۹۷۸ء
نعتِ مصطفےٰ	قیوم نظر	۱۹۷۸ء
چراغِ حرا	مسرور کیفی	۱۹۷۸ء
صلّو علیہ وآلہٖ	حفیظ تائب	۱۹۷۸ء
تصویرِ کمالِ محبت	ادیب رائے پوری	۱۹۷۹ء
خیر الوریٰ	ظہیر صدیقی	۱۹۷۹ء
ذکرِ خیر	راسخ عرفانی	۱۹۷۹ء
نور و نکہت	فیاض احمد کاوش	۱۹۷۹ء
آں خنک شہرے	صائم چشتی	۱۹۷۹ء
نشیدِ حضوری	حافظ لدھیانوی	۱۹۷۹ء
عقیدت کے پھول	میجر محمد عاشق	۱۹۷۹ء
مآثر ماکہ	عبدالعزیز خالد	۱۹۷۹ء
ملجا و ماوا	مسرور کیفی	۱۹۸۰ء

نعتیہ انتخاب

صحیفۂ انوار	علامہ سید عشقی	۱۹۶۰ء
ہندو شعرا کا نعتیہ کلام	فانی مرادآبادی	۱۹۶۲ء
گلدستۂ نقشبندی	محمد بشیر نقشبندی	۱۹۷۲ء
مدحِ رسولؐ	راجہ رشید محمود	۱۹۷۳ء
اردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر فرمان فتحپوری	۱۹۷۴ء
خیر البشر کے حضور میں	ممتاز حسن	۱۹۷۵ء
المستغاث یا رسول اللہ	محمد بخش تابش قصوری	۱۹۷۵ء
ارمغانِ نعت	شفیق بریلوی	۱۹۷۶ء
مجموعۂ نعت	انیس احمد نوری	۱۹۷۷ء
نعتِ خیر البشر	سید فیض	۱۹۷۷ء

گلدستۂ نعت — ضیاء محمد ضیاء، طاہر شادانی — ۱۹۷۸ء

مخزنِ نعت — پروفیسر محمد اقبال جاوید — ۱۹۷۹ء

مذکورہ بالا نعتیہ مجموعوں اور انتخابوں کی فہرست[62] کے علاوہ اگر مزید تحقیق و تلاش سے کام لیا جائے تو کم و بیش اتنے ہی نعتیہ مجموعوں اور انتخابوں کی فہرست اور تیار ہو سکتی ہے[63]۔

عصرِ حاضر میں رسائل و اخبارات نے بھی نعت کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ سیر و سفر کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے نعت نمبر نکالا۔ نعت کے موضوع پر دوسرا خاص نمبر "صریرِ خامہ" کا "سیر و سفر" کے کئی سال بعد ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ موخر الذکر نمبر (صریرِ خامہ) میں اردو نعت کے انتخاب کے ساتھ نعت کے فکر و فن پر چند تحقیقی و تنقیدی مضامین بھی شامل ہیں۔ جب کہ اول الذکر یعنی سیر و سفر کا دائرہ نعتیہ کلام کے انتخاب تک محدود ہے۔ نعت کے موضوع، فن اور ارتقائی جائزہ پر تیسری اہم دستاویز ماہنامہ "شام و سحر" لاہور کا نعت نمبر (مطبوعہ فروری ۸۱ء) ہے۔ ان کے علاوہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ کا ادبی جریدہ "مہک" کا رحمۃ للعالمین نمبر (مطبوعہ ۸۰ء) بھی نعتیہ ادب کے بارے میں اہم معلومات اور انتخابِ نعت رکھتا ہے۔ حال ہی میں ماہنامہ "محفل" لاہور کے خیر البشر نمبر (مطبوعہ مارچ ۸۱ء) میں بھی کچھ نعتیہ مواد شائع ہوا ہے۔

ان رسائل کے علاوہ سیرتِ رسولِ اکرمؐ کے موضوع پر چھپنے والے خصوصی شماروں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ خصوصاً ربیع الاول کے مہینے میں مذہبی رسائل اور اخبارات کے خاص نمبروں کی اشاعت ایک روایت کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ ان رسائل و اخبارات میں حضورِ اکرمؐ کی سیرت و پیغام کے تذکار کے ساتھ نعتیں، فنِ نعت اور نعت گو شاعروں کے بارے میں بھی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں دوسرے قومی و ملی تہواروں اور تقریبات کے مواقع پر اخبارات و رسائل کے جو خاص[64] شمارے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں بھی نعتیہ ادب کے نمونے ایک لازمی جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جمعرات اور جمعہ کو چھپنے والی ملی اشاعتوں کے ذریعے ہر ہفتے نعت کا خاصا ذخیرہ تخلیق و شائع ہوتا رہتا ہے[65]۔

عصرِ حاضر میں ریڈیو اور ٹی وی نے بھی نعت کے فروغ و ارتقاء میں قابلِ ذکر خدمات انجام دی ہیں۔ ان اداروں کے خصوصی پروگراموں (ربیع الاول، معراج، لیلۃ القدر، اور محرم و رمضان المبارک وغیرہ) کے علاوہ معمول کی نشریات میں بھی پرانے اور نئے شاعروں کی نعتیں نشر ہوتی رہتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان سنٹرل پروڈکشنز کی نیشنل ساؤنڈ لائبریری میں محفوظ نعتوں اور قوالیوں کے کیٹلاگ کا مطالعہ کیا جائے تو نعت کے فروغ و مقبولیت کے سلسلے میں ریڈیو کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ نعتیں اور قوالیاں، کیٹلاگ میں ۱۸۱۷ نعتوں اور قوالیوں کی تعداد ملتی ہے جنہیں ۲۶۵ شاعروں نے لکھا اور ۲۷۴ فن کاروں نے گایا۔ ان

کا کل دورانیہ ۴۰،۴۷ منٹ تقریباً ہے۔ اردو، عربی، فارسی، نیز مختلف علاقائی زبانوں میں گائے جانے والی ان نعتوں میں ۱۵۰ نعتیں بغیر سازوں کے اور ۴۰۲ سازوں کے ساتھ گائی گئی ہیں۔ اس نعتیہ سرمایہ میں ۵۴۷ نعتیں اور ۱۳۴ قوالیاں شامل ہیں۔[۳۶]

گراموفون کمپنیوں اور فلموں نے بھی نعت کی مقبولیت کے دائرہ کو وسیع کیا۔ ماضی قریب میں کیسٹوں نے اس روایت نعت میں اضافہ کیا۔ فلم، ریڈیو، ٹی وی، گراموفون اور کیسٹوں کے ذریعے نعت خوانی اور نعتیہ قوالیوں کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ "ذرائع ابلاغ عامہ اور اردو نعت کی تشہیر و مقبولیت" کا موضوع ایک جداگانہ مقالے کا مستحق ہے۔ گراموفون ریکارڈ اور کیسٹوں کے وسیلے سے جہاں پرانے شعرا کی نعتیں از سر نو زندہ و مقبول ہو رہی ہیں وہاں نئے لکھنے والوں کی نعتیں بھی مشہور ہو رہی ہیں۔ یہ شہرت بھی دوسرے محرکاتِ نعت کی طرح عصرِ جدید کا ایک اہم جزو ہے جس نے نئے شاعروں کو نعت گوئی کی طرف راغب کیا ہے۔ ذرائع ابلاغِ عامہ کے ذریعے فروغ پانے والی نعتیہ شاعری کا بڑا حصہ زیادہ معیاری نہ سہی مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے نعت کے دائرے کو وسعت دی اور اسے مقبول عام بنایا۔

ذرائع ابلاغِ عامہ نے نعت کو گھر گھر پہنچا دیا تو نعت خوانی اور نعت گوئی کے مواقع بڑھے۔ مختلف تقریبات، محافل اعراس اور مجالس میلاد میں نیز نعتیہ نشستوں اور مشاعروں[۳۷] میں نعت گوئی کو فروغ ملا۔ بقول اقبال عظیم:

"غیر معمولی مقبولیت کے سبب نعتیہ مشاعروں نے اب ایک ثقافتی و دینی تحریک کی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اگر ہم چاہیں تو یہ چلتی پھرتی درسگاہیں تبلیغ دین، تہذیب اخلاق و تعمیر کردار کا مؤثر ترین ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ جو ایک بگڑے ہوئے اسلامی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔"[۳۸]

اردو نعت کا عصرِ حاضر دراصل نعت کے روشن مستقبل کا بابِ آغاز ہے۔ عصرِ حاضر تک آتے آتے اردو نعت کو اصنافِ سخن میں جو مرتبہ و مقام حاصل ہوا ہے وہ اس کے کبھی ختم نہ ہونے والے امکانات کا ثبوت ہے۔ آج اردو نعت کے معیار اور فکری و فنی عظمت اور مضامین و موضوعات کی وسعت دیکھ کر یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو میں نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اثاثہ موجود ہے وہ دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں۔ عربی و فارسی میں بلاشبہ نعت کے اعلیٰ نمونے تخلیق ہوئے مگر جہاں تک سرمایۂ نعت کا تعلق ہے عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری کو یکجا بھی کر لیا جائے تو اس کی تعداد اردو نعت کے برابر نہیں ہو گی۔ یہ فخر صرف اردو زبان کو حاصل ہے کہ اس میں چھوٹے بڑے نعتیہ مجموعوں، انتخابوں، گلدستوں، اور میلاد ناموں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی ہے۔

عصرِ حاضر میں امین راحت چغتائی، اجمل نیازی اور صلاح الدین پرویز جیسے شاعروں نے نظم کی صورت میں کامیاب، موثر اور دلآویز نعتیں کہی ہیں جب کہ حنیف اسعدی، کرم حیدری، راز کاشمیری، سرور سہارنپوری، عزیز حاصل پوری، اختر حسینی خان، نظر لودھیانوی، یزدانی جالندھری، ذوقی مظفر نگری، علیم ناصری، سید عاصم گیلانی، امین نقوی، عمر کیفی، صہبا اختر، قمر یزدانی، گوہر ملسیانی، راشد بزمی، افسر عباس زیدی، تاباں عابدی، رحمان کیانی، خالد احمد، منیر قصوری، راجہ رشید محمود، ریاض حید رچوہدری، انجم نیازی، جعفر بلوچ، انور جمال، اور دوسرے بہت سے شاعروں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور والہانہ شیفتگی کا اظہار غزل کی صورت میں کیا ہے۔

غزل بلاشبہ اردو کی مقبول اور دلاویز صنف ہے مگر نعت بھی شاعروں کا محبوب ترین موضوع ہے غزل کی ہیئت میں نعت کے موضوع کا بیان ہو تو کیف و دلاویزی دوچند ہو جاتی ہے۔ آج کی نعت جس کا بڑا حصہ غزل ہی کی ہیئت میں لکھا جا رہا ہے۔ اردو کی تمام اصنافِ سخن کا ماحصل ہے۔ اس میں موضوع کی عظمت و رفعت کے ساتھ ہر صنفِ شعر کی خوبیاں ایک نفاست اور قرینے سے دَر آئی ہیں۔ تذکار رسولؐ میں اردو شاعر جو صوری اور معنوی حسن پیدا کر رہے ہیں اس سے دوسری اصنافِ سخن محروم ہیں۔ آج نعت کی وسعت و تنوع، عظمت و رفعت، ندرت و جدت اور مقدار و معیار اردو زبان و ادب کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ بلاشبہ آج اردو نعت "و رفعنا لک ذکرک" کی صداقت و حقانیت کی گواہی دے رہی ہے۔

ضمیمے

۱۔ احادیثِ نبویؐ میں لفظِ نعت کا استعمال

۲۔ اسمائے رسولِ مقبولؐ

۳۔ شرحِ بردہ

۴۔ میلاد نامے

۵۔ غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام

۶۔ خواتین کی نعت گوئی

۷۔ نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کا جائزہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ضمیمہ نمبر ا

احادیثِ نبویؐ میں لفظ نعت کا استعمال!

نعت کا لفظ احادیثِ نبویؐ میں مختلف مفہوم میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث نبویؐ (جو صحاح ستہ، مسند الدارمی، موطا امام مالک اور مسند امام حنبل پر مشتمل ہے) میں ان احادیث مبارکہ جن میں لفظ نعت یا اس کے اشتقاقات استعمال ہوئے ہیں، کی فہرست درج ذیل ہے۔

نُعَتَ:

نعت رسول اللہ (ص) من ذات الجنب..... — جہ طب ۱۷

انّ رسول اللہ (ص) نعت من عرق النسا؛ نعت رسول اللہ (ص) الخ — حم ۵، ۸۵

ثمّ نعت (رسول اللہ (ص)) ابویہ، اباہ — ت فتن ۶۴ — حم ۵، ۴۰، ۹۱، ۴۰

اتی النبیّ (ص). برجل قد نعت لہ الکی — حم ۱، ۴۰۶

ونعت لی الصلاۃ — حم ۴، ۲۵۷

لقیت عیسیٰ، موسیٰ فنعتہ النبیّ (ص) — خ انبیاء ۴۸ — م ایمان ۲۷۲ — حم ۲، ۲۸۲

فنعتہ وانا انظر الیہ — حم ۱، ۲۰۹

یقال لہا السعدان قال ونعتہا لہم — حم ۳، ۱۷

وقد نعت لی ابوذر   حم ۵ ، ۱۲۶

ونعت الیہ رجل منہم   م ایمان ۵۵

ونعتت قراءتہ فاذاہی تنعت قراءۃ مفسرۃ حرفاحرفا   دَ وتر ۲۰

ت ثواب القرآن ۲۲ - ن افتاح ۱۲

قیام اللیل ۱۳ ، حم ۶ ، ۲۹۱ ، ۳۰۰

سمعت کان رسول اللہ (ص) ینعت الزیت والورس

من ذات الجنب   ت طب ۲۸ - حم ۴، ۲۷۲

کیف سمعت رسول اللہ (ص) ینعت الاسلام   حم ۴، ۳۶۳

کان (أنس) ینعت لنا صلاۃ النبی (ص)   خ اذان ۱۲۷

ت طب ۲۸ ، حم ۳ ، ۱۷۲ ،

انہٗ کان ینعت النبی (ص)   حم ۲، ۳۲۸

سمعت ابا ہریرہ ینعت النبی (ص)   حم ۲ ، ۴۴۸

عند بعض نسائہ وہو ینعت امراۃ   د باس ۳۳

حم ۶ ، ۱۵۲

فما احد من خلق اللہ یستطیع ان ینعتہا   م ایمان ۲۵۹

وصفق محمد بن عبید بیدیہ ینعتہا ثلاثا   ن صیام ۱۶

لا تباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتہا ، لتنعتہا (اجل ، کا تہا ثم) تنعتہا   خ نکاح ۱۱۸ ،

د نکاح ۴۴ ، حم ۱، ۳۸۷ ، ۴۳۸

۴۴۰ ، ۴۴۳ ، ۴۶۰ ، ۴۶۲ ، ۴۶۴

فہل تستطیع ان تنعت لنا ہذا الرجل   حم ۱، ۲۶۱

ہل تستطیع ان تنعت لنا المسجد   حم ۱، ۳۰۹

انعت لک الکرسف فانہ یذہب الدم   د طہارۃ ۱۰۹

ت طہارۃ ۹۵ ، جہ طہارۃ ۱۱۵ ، حم ۱ ، ۴۳۹

فنزلت النعت حتی التبس علی بعض النعت   حم ۱، ۳۰۹

الکم تنعتون نعت امراۃ مطبوبۃ   حم ۶ ، ۴۰

انعت لنا رسول اللّٰہ (ص)	حم ۱، ۱۵۱، ۲، ۳۰۴، ۶۲، ۵، ۲۷۳
انعتہ لی حتّی أعرفہ	حم ۳، ۴۹۹
انعتھم لنا	حم ۵، ۲۴۳
امّا النعت فواللّٰہ لقد اصاب	حم ۱، ۲۰۹
باب نعت الاسلام	ن ایمان ۵
فاذا نعت رسول اللّٰہ (ص) فیہما	حم ۵، ۴۹۰
لأ ریتکم قبورھما بالنعت الذی نعت لنا رسول اللّٰہ (ص)	حم ۱، ۴۵۱
نعرفہ بالنعت	حم ۵، ۱۴۶
انہ لیس بالنعت	د دیات ۲۳
فجاءت بہ علی النعت الذی نعت اللّٰہ بہ رسول اللّٰہ (ص) ۳۵	خ تفسیر سورہ ۲۴، ۱
فجاءت بہ علی النعت المکروۃ	د، طلاق ۲۷، جہ طلاق ۲۷،
	حم ۵، ۳۳۴
حتی نظرت إلیہ علی نعت النبی (ص) الذی نعتہ	خ مناقب ۲۵

فأتی بہ، فوجد، جیٔ بالرجل علی النعت الذی نعت، نعتہ رسول اللّٰہ (ص)

خ ادب ۹۵، استتابہ ۷، حم ۳، ۵۶۳، ۶۵

لا أدری ماکان مع ھذا من النعت	حم ۱، ۳۶۱
فرأینا فیہما نعت رسول اللّٰہ (ص)	حم ۵، ۸۰
کیف تجد نعت رسول اللّٰہ (ص) فی التوراۃ	دی مقدمہ ۲
باب ما یذکر فی الذات والنعوت واسامی اللّٰہ	خ توحید ۱۴
فنعتت لہ الانعات وکنت اعالجھا	حم ۶، ۲۷۶
واللّٰہ قد ذکرتہ ونعتہ فی مشیتہ	حم ۲، ۲۴۳

ضمیمہ نمبر ۲

اسمائے رسولِ مقبولؐ

(ا) الابریاللّٰہ — الابطحی — اتقی الناس —

الاجود ــ اجود الناس ــ الاحد ــ الاحسن ــ احسن الناس ــ احمد ــ احید ــ الاخذ بالخبرات ــ الآخر ــ ارحم الناس بالعباد ــ الازہر ــ الاصدق فی اللہ ــ اطیب الناس ریحا ــ الاعز ــ الاعلی ــ الاعلم باللہ ــ اکثر الناس تبط ــ الاکرم ــ اکرم الناس اکرم ولد آدم ــ المص والم والمر ــ امام الخیر ــ امام المتقین ــ امام المرسلین ــ امام النبیین ــ الامام ــ الامر والناہی ــ الآمن ــ امنۃ اصحابہ ــ الامین ــ الاتی ــ انعم اللہ ــ الاول ــ اول شافع ــ اول المسلمین ــ اول شفع ــ اول المومنین ــ اول من تنشق عنہ الارض ــ الاتقی الاجل ــ الاحشم ــ الارجح ــ الارحم ــ الاسد ــ الاشنب ــ اصدق الناس لہجۃ الاطیب ــ الاعظم الاخر ــ الاکلیل ــ الامجد ــ امام العالمین ــ امام العاملین ــ امام الناس ــ الامان الامنہ ــ الامنہ ــ ام المر المصی ــ الانور المتجرد ــ الاواہ ــ الاولی ــ اول المرسل آیہ اللہ ــ ابو قسم ــ ابو القاسم ــ ابو ابراہیم ــ ابو الارامل ــ ابو المومنین

ب

البر ــ البارقلیط ــ الباطن ــ البرہان ــ البشر ــ بشری عیسی ــ البشیر ــ البصیر ــ البلیغ ــ البالغ ــ البیان البینۃ البارع ــ الباہر ــ الباہی ــ البحر ــ البدد ــ البدیع ــ البدر ــ البرقیطس ــ بموذماذ ــ البہا ــ البہی ــ

ت

التالی ــ التذکرہ ــ التقی ــ التنزیل ــ التہامی

ث

ثانی اثنین ــ الثمال

ج

الجبار ــ الجد ــ الجواد ــ الجامع

ح

حاتم ــ حزب اللہ ــ الحاشر ــ الحافظ ــ الحاکم بما اراہ اللہ ــ الحامد ــ

حامل لواء الحمد ـــ الحاید لامته عن النار ـــ الحبیب ـــ حبیب الرحمٰن ـــ حبیب اللہ
الحجازی ـــ الحجۃ البالغۃ ـــ حجۃ اللہ علی الخلائق ـــ حرز الامیین ـــ الحری ـــ حریص
ـــ الحریص علی الایمان ـــ الحبیب ـــ الحفیظ ـــ الحق ـــ الحکیم ـــ الحلیم ـــ حلم
ـــ حماد ـــ حمطایا ـــ حمیاط ـــ حمعسق ـــ حمٓ ـــ الحمد ـــ حاط حاط ـــ الحکم ـــ
احاحل ـــ الحمید ـــ الحنان ـــ الحیّ

خ

الخیر ـــ خاتم النبیین ـــ خاتم المرسلین ـــ الخاتم ـــ الخازن لمال اللہ ـــ
الخاشع ـــ الخاضع ـــ الخالص ـــ خطیب الانبیاء ـــ خطیب الامم ـــ خطیب الوافدین علی اللہ
الخلیل ـــ خلیل اللہ ـــ الخلیفہ ـــ خیر الانبیاء ـــ خیر البریہ ـــ خیر الناس ـــ
خیر خلق اللہ ـــ خیر العالمین طرا ـــ خیر ھذہ الامتہ ـــ خیرت اللہ ـــ الخانفض ـــ خافض
الجناح ـــ خلیل الرحمٰن ـــ خلیفۃ اللہ ـــ الخیر

د

دار الحکمۃ ـــ الداعی الی اللہ ـــ دعوۃ ابراہیم ـــ دعوت النبیین ـــ دلیل الخیرات
ـــ دعوت التوحید

ذ

الذاکر ـــ الذکر ـــ ذکر اللہ ـــ ذو الحوض المورود ـــ ذو الخلق العظیم ـــ ذو القوۃ
ـــ ذو الصراط المستقیم ـــ ذو مکانۃ ـــ ذو عزۃ ـــ ذو فضل ـــ ذو المعجزات ـــ
ذو المقام المحمود ـــ ذو الوسیلہ ـــ الذخر الذکار ـــ الذکر ـــ ذو التاج ـــ ذو الجہاد ـــ ذو الحطیم
ـــ ذو السیف ـــ ذو السکینۃ ـــ ذو طیبہ ـــ ذو العطایا ـــ ذو الفتوح ـــ ذو المدینہ
ـــ ذو القضیب ـــ ذو المیم ـــ ذو الہراوۃ

ر

الرائع ـــ الراضی ـــ الراغب ـــ الرافع ـــ راکب البراق ـــ راکب البعیر
ـــ راکب الجمل ـــ راکب الناقۃ ـــ راکب النجیب ـــ الرحمۃ ـــ رحمۃ الامۃ
ـــ رحمت العالمین ـــ رحمت مہداۃ ـــ الرحیم ـــ الرسول ـــ رسول ـــ رسول الرحمۃ
ـــ رسول اللہ ـــ رسول الملاحم ـــ الرشید ـــ الرفیع الذکر ـــ رفیع الدرجات ـــ

الرقیب ـ روح الحق ـ روح القدس ـ الرؤف ـ رکن المتواضعین ـ الراجی ـ الرجل ـ الرجیح ـ الرجب الکف ـ الرضی ـ الرفیق ـ الراہب ـ الروح ـ

ز

الزاہد ـ زعیم الانبیا ـ الزکی ـ الزمزمی ـ زین من وافی القیامہ ـ الزاجر ـ الزاھر ـ الزاہی ـ زلف ـ الزین

س

السابق ـ السابق بالخیرات ـ سابق العرب ـ الساجد ـ سبیل اللّٰہ ـ السراج المنیر ـ الصراط المستقیم بہ السیف ـ سعد اللّٰہ ـ سعد الخلایق ـ السمیع ـ السلام ـ السید ـ سید ولد آدم ـ سید المرسلین ـ سید الناس ـ سید الکونین ـ سید الثقلین ـ سیف اللّٰہ المسلول ـ السخی ـ السدید ـ سر خلیطس ـ السمی ـ السنا ـ السند ـ السیف المنخرم ـ سیف الاسلام

ش

الشارع الشاکر ـ الشاھد ـ الشکور ـ الشکار ـ الشمس ـ الشہید ـ المشفع ـ الشافی ـ الشش ـ الشدید ـ الشدقم ـ الشریف ـ الشفا ـ الشہاب

ص

الصابر ـ الصاحب ـ صاحب الآیات ـ صاحب المعجزات ـ صاحب البرہان ـ صاحب البیان ـ صاحب التاج ـ صاحب الجہاد ـ صاحب الجۃ ـ صاحب الحطیم ـ صاحب الحوض المورود ـ صاحب الخاتم ـ صاحب الخیر ـ صاحب الدرجۃ العالیہ الرفیعہ ـ صاحب الردا ـ صاحب الازواج الطاہرات ـ صاحب السجود للرب المحمود ـ صاحب السرایا ـ صاحب السلطان ـ صاحب السیف ـ صاحب الشرع ـ صاحب الشفاعۃ الکبریٰ ـ صاحب العطایا ـ صاحب العلامات الباھرات ـ صاحب العلو والدرجات ـ صاحب الفضیلۃ ـ صاحب الفرج ـ صاحب القضیب ـ صاحب قول لا الٰہ الا اللّٰہ ـ صاحب المقدمہ ـ صاحب الکوثر ـ صاحب اللوآ ـ صاحب المحشر ـ صاحب المدینہ ـ صاحب المغفر ـ صاحب المغنم ـ صاحب المعراج ـ صاحب المنشور

ـــ صاحب المقام المحمود ـــ صاحب ـــ صاحب المنبر ـــ صاحب النعلین ـــ صاحب الہراتہ
ـــ صاحب الوسیلہ ـــ الصادع بما امر اللہ ـــ الصادق ـــ الصبور ـــ اصدق ـــ
صراط اللہ ـــ صراط الذین انعمت علیہم ـــ الصراط المستقیم ـــ الصفوح ـــ الصفوح عن الزلات
ـــ الصفوۃ ـــ الصفی ـــ الصالح ـــ صاحب التوحید ـــ صاحب زمزم ـــ صاحب
الموزعۃ ـــ صاحب المشعر ـــ صاعد المعراج ـــ الصبیح ـــ الصدوق ـــ الصدیق ـــ
الصفید ـــ الصین

ض

الضارب المتلوم ـــ ارفحاکر ـــ الضحوک ـــ الضابطہ الضارع الضمین ـــ الضیاء

ط

طاب طاب ـــ الطاہر ـــ الطبیب ـــ طم طس ـــ طٰہٰ ـــ الطیب ـــ الطہور ـ
الطراز المعلم ـ الطہور

ظ

الظاہر ـــ الظفور

ع

العابد ـــ العادل العظیم العانی ـــ العالم ـــ علم الایمان ـــ علم الیقین ـــ العالم
بالحق ـــ العامل ـــ عبداللہ ـــ العبد ـــ العدل ـــ العربی ـــ العروۃ الوثقیٰ
العزیز ـــ العفو ـــ المعطوف ـــ العلیم ـــ العلی ـــ اعلامت ـــ عین العز ـــ
عبدالکریم ـــ عبدالجبار ـــ عبدالحمید ـــ عبدالمجید ـــ عبدالوہاب ـــ عبدالقہار ـــ
عبدالرحیم ـــ عبدالخالق ـــ عبدالقادر ـــ عبدالقدوس ـــ عبدالغیاث عبدالرزاق عبدالسلام
ـــ عبدالمومن ـــ عبدالرسول ـــ عبدالغفار ـــ العارف ـــ العاضد ـــ العائل ـــ
العزیز ـــ العصمۃ عصمت اللہ العلم العماد ـــ العمدۃ ـــ العین ـ العظیم ـ العلم

غ

الغالب ـــ الغفور ـــ الغنی ـــ الغنی اللہ الغوث الغیث الغیاث ـــ الغطمطم

ف

الفاتح ـــ الفارقلیط ـــ الفارق ـــ الفتاح ـــ الفاروق ـــ الفجر ـــ الفرط

ــــ الفصیح ــــ فضل اللہ ــــ فواتح النور ــــ الفاضل ــــ الفایق ــــ الفخر ــــ الفذعم
الفرد ــــ الفضل ــــ الفطن ــــ الفہیم ــــ فخرۃ المسلمین

ق

القاسم ــــ القاضی ــــ القانت ــــ قائد الخیر ــــ قائد الغر ــــ القابل ــــ
القائم ــــ القتال ــــ القتول ــــ قثم ــــ القثوم ــــ قدم صدق ــــ القرشی ــــ
القریب ــــ القمر ــــ القیم ــــ القری ــــ القاری ــــ القائد ــــ قدمایا ــــ

ک

کافۃ الناس ــــ الکفیل ــــ الکامل فی جمیع اموره ــــ الکریم ــــ کھیعص
الکاف ــــ الکافہ ــــ الکافی ــــ الکثیر الصمت ــــ کندیدہ ــــ الکنز ــــ الکوکب ــــ

ل

اللسان ــــ اللبیب ــــ اللسن ــــ اللیث

م

الماجد ــــ ماذماذ ــــ المزمل ــــ المومل ــــ الماحی ــــ سالطون ــــ المانع ــــ الماء المعین
ــــ المبارک ــــ المستہل ــــ المبرا ــــ المبشر ــــ مبشر البائسین ــــ المبعوث ــــ
المبلغ ــــ المبیع ــــ المبین ــــ المتین ــــ المتبسم ــــ المتربص ــــ المترحم ــــ
المتفرع ــــ المتقی ــــ المتوعلیہ ــــ المجید ــــ المتوسط ــــ المتوکل ــــ المثبت ــــ مجاب
ــــ مجیب ــــ المجتبی ــــ المجیر ــــ المحترض ــــ المحرم ــــ المحفوظ ــــ المحال
ــــ محمد ــــ المحمود ــــ المخبر ــــ المختار ــــ المخصوص بالشرف ــــ المخصوص بالعز
ــــ المخصوص بالمجد ــــ المخلص ــــ المدثر ــــ المدنی ــــ مدینۃ العلم ــــ المذکر ــــ
المذکور ــــ المرتضیٰ ــــ المرتل ــــ المرسل ــــ المرتجیٰ ــــ المرحوم ــــ المرتفع الدرجات
ــــ المرد ــــ المزکی ــــ سالمزمل ــــ المسبح ــــ المستغفر ــــ المستغنی ــــ المستقیم ــــ
المسری بہ ــــ المسعود ــــ المسلم ــــ المشاور ــــ المشفع ــــ المشفوع ــــ المشہور
ــــ المشیر ــــ المصباح ــــ المصارع ــــ المصافح ــــ مصح الطنات ــــ الصدوق
ــــ المصطفیٰ ــــ المصلح ــــ المصلی علیہ ــــ المطاع ــــ المطہر ــــ المطہر ــــ
المطلع ــــ المطیع ــــ المظفر ــــ المعزر ــــ المعصوم ــــ المعطی ــــ المعقب ــــ

المعلم ـــ معلم امت ـــ المعلن ـــ المعلے ـــ المفضال ـــ المفضل ـــ المفتاح ـــ
مفتاح المقدصد ـــ المقتفی ـــ المقدس ـــ المقری ـــ المقسط ـــ المقیم ـــ
المقدس علیہ ـــ المقفی ـــ مقیل العثرات ـــ مقیم السنت ـــ بعد الفترۃ ـــ المکرم
ـــ المکتفی باللہ ـــ المکی ـــ المکین ـــ ملقی القرآن ـــ الممنوح ـــ المندی
المنتشر ـــ المنجی ـــ المنذر ـــ المنزل علیہ ـــ المنصف ـــ المنصور ـــ المنیب ـــ
المنیہ ـــ المہاجر ـــ المہتدی ـــ المہدی ـــ المہدی ـــ المہیمن ـــ الموتمن ـــ
جوامع الکلم ـــ الموتر ـــ الموجی الیہ ـــ المرسل ـــ المولی ـــ المومن ـــ المؤید ـــ
المیسر ـــ الموسم ـــ المؤید المتلو ـــ المتمکن ـــ المتمکن فی الارض ـــ المتمم ـــ المتمم
ـــ المثبت ـــ المجادل ـــ المجید ـــ المجتبٰی ـــ المحکم ـــ المحید ـــ المخبت ـــ
المختص ـــ المختص بالقرآن ـــ المختص بای لا تنقطع ـــ المختم ـــ المخنم ـــ رحمت
ـــ المزمزم ـــ المرشد ـــ مرغم ـــ المرغب ـــ مزیل الغمہ ـــ المستجیب ـــ
المستفید ـــ المساد ـــ المسیح ـــ المشذب ـــ المشرد بالعدو ـــ المشیح ـــ مشیح
ـــ المصدق ـــ المصدق ـــ المصوف ـــ المفخم ـــ المطری ـــ المغنی ـــ المعروف
ـــ المعم ـــ المعین ـــ المعزم ـــ المغنم ـــ المغنی ـــ المفغم ـــ المفلج ـــ
المقدم ـــ المقوم ـــ المکلم ـــ الملاذ ـــ الملبی ـــ الملجاہ الملیک ـــ الملک ـــ
الملسی ـــ الممنوع ـــ المنتخب ـــ المنتجب ـــ المنجد ـــ المنقذ ـــ منۃ اللہ ـــ
المناب ـــ المہذب ـــ الموردود موضہ ـــ موذموذ ـــ الموعظہ ـــ الموسی ـــ مذمذ ـــ المیزان
ـــ المیم ـــ الناموس ـــ المشفع

ن

الناقد ـــ الجز الناس ـــ النسخ ـــ الناشر ـــ الناصح ـــ الناصر ـــ الناطق
بالحق ـــ النہی ـــ نبی الرحم ـــ نبی الاسود ـــ نبی التوبہ ـــ نبی الحرمین ـــ نبی الرحمت
ـــ نبی الراحۃ ـــ النبی الصالح ـــ نبی اللہ ـــ نبی المرحمۃ ـــ نبی الملحمۃ ـــ النبی
النجم الثاقب ـــ نجی اللہ ـــ النذیر ـــ النبیہ ـــ نسیح ـــ ناصح ـــ النعمۃ ـــ
نعمت اللہ ـــ النقیب ـــ النقی ـــ النور ـــ نور الحرم ـــ نور اللہ الذی لا یطفاد ـــ
الناسک ـــ الناصب ـــ الناظر من خلفہ ـــ نجی ـــ النجیب ـــ النجید ـــ النزب ـــ

و

الوجب ـ الوسط ـ الواسع ـ الواصل ـ الواضح ـ الواعد ـ الوعد ـ الوسیلہ ـ الوفی ـ الوافی ـ ولی الفضل ـ الولد ـ الواجد ـ الوالی ـ الوسم ـ الوصی ـ الوہاب ـ الولی

ھ

الھادی ـ ھدی ـ الھدی ـ ھدیت اللہ ـ الہاشمی ـ الھجود ـ الھام ـ الھمتہ ـ الھین

ی

الیثربی ـ یاسین

ضمیمہ نمبر ۳

شروحِ بردہ

قصیدہ بردہ کی سو کے قریب شرحیں عربی، فارسی، ترکی، بربر اور اردو میں لکھی جا چکی ہیں۔ اس کی تخمیس، تثلیث اور تشطیر میں جو نظمیں لکھی گئیں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کی درج ذیل اہم شروح اور تراجم کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ تاریخی اعتبار سے اولین شرح ابو شامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل الدمشقی (۵۹۶ھ/۶۶۵ھ) کی ہے جس کے نسخے پیرس (کتاب خانہ ملی عدد ۱۶۲۰) اور میونخ (عدد ۵۴۴) میں موجود ہیں۔

۲۔ شرح ابن مرزوق التلمسانی (م ۷۸۱ھ) جسے دوزی Dozy نے عظیم حلال (Stupendus harrandus) قرار دیا ہے۔

۳۔ شرح خالد الازہری (م ۹۰۵ھ) جو کئی بار چھپ چکی ہے بعض اوقات یہ . . . . .

۴۔ ابراہیم الباجوری (م ۱۲۷۶ھ) کی شرح کے ساتھ بھی شائع ہوئی ہے۔

۵۔ شرح ابن عاشور (قاہرہ ۱۲۹۶ء)

اصل قصیدہ پہلی بار اوری Uri نے ۱۷۶۱ء میں لاڈن سے بعنوان

لاطینی ترجمے کے ساتھ Carmen Mysticism Burda Dictum
شائع کیا۔ مغرب میں Von Rozenwiag کا مطبوعہ نسخہ بعنوان......
Funkelnde Wandelsterne Zum des Bestender Gexpofe
(وی آنا ۱۸۲۴ء) مع ترجمہ وحواشی قابلِ ذکر ہے جو اس کی وفات کے بعد Behrnauer
نے شائع کیا۔ یعنی Die Buda, ein deolgedicht auf Muhammad

(وی آنا ۱۸۶۰ء) مع فارسی و ترکی و جرمنی تراجم لیکن اس میں وہ الحاقی اشعار شامل نہیں جو Von Rozenwiag کے نسخے میں درج ہیں۔

البردہ کے تراجم میں درج ذیل ترجمے مشہور اور قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ ترجمہ دساسی de Sacy پیر علی برگدی Birgeni کی تصنیف کے ترجمے بعنوان Exposition de la foi Musulmane از گارساں دساسی Garein de Tassy (پیرس ۱۸۲۲ء)

۲۔ ترجمہ از Redhouse The Burda, (در Arabian Poetry for English Readers, N. A.Clouston ص ۳۲۲ تا ۳۴۱۔ گلاسگو ۱۸۸۱ء)

۳۔ ترجمہ از R.Basset مع شرحیں (پیرس ۱۸۹۴ء)

۴۔ اطالوی ترجمہ از al- Burdatayn,G.Cabrieli
فلارنس ۱۹۰۱ء ص ۲۰ تا ۸۰ مع حواشی[1]

قصیدہ بردہ کی شروح اور تراجم کی سب سے تفصیلی فہرست فضل احمد عارف (مصنف انوارِ بردہ شرح قصیدہ بردہ) نے دی ہیں۔ انہوں نے زمانی طور پر قصیدہ بردہ کی شروح، تراجم اور اس کی طرز پر لکھی گئی مختلف منظومات (تخمیس، تشطیر اور تذییل وغیرہ) کا ذکر کیا ہے[2]، جو (مختصراً) درج ذیل ہے۔

<u>۷ویں صدی ہجری:</u>

۱۔ عبدالسلام بن ادریس المراکشی (م ۶۶۰ھ) شرح کا نام خواص البردہ فی برء الداء ہے۔

۲۔ ابو شامہ عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل المقدسی المقری (م ۶۶۵ھ)

<u>۸ویں صدی ہجری:</u>

۳۔ علی بن جابر بن موسیٰ الیمنی الشافعی (م ۷۴۵ھ)

۴۔ عمر بن عبدالرحمٰن الفارسی (م ۷۴۵ھ)

۵۔ ابوعثمان سعد بن یوسف البیری (م ۷۵۰ھ)

۶۔ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن حَجَلہ التلمسانی الحنبلی (م ۷۷۶ھ)

۷۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن الزمردی ابن الصائغ (م ۷۷۶ھ) شرح کا نام الرقم ہے۔

۸۔ ابوعبداللہ محمد بن مرزوق التلمسانی (م ۷۸۱ھ/۸۴۲ھ) ان کی شرح تین ناموں اظہار صدق دیباچہ/طیب الجیب کے نام سے مشہور ہے۔

۹۔ امام فخر الدین احمد بن محمد بن ابی بکر شیرازی نے ۷۸۷ھ اور ۸۰۹ھ کو دو شرحیں لکھیں نزہت الطالبین و تحفۃ الراغبین

۱۰۔ سعدالدین تفتازانی (م ۷۹۱ھ)

۱۱۔ جلال بن قوام بن الحکم (سن شرح ۷۹۲ھ)

۱۲۔ بدرالدین محمد بن بہادر زرکشی (م ۷۹۴ھ)

۱۳۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الاوری (م آٹھویں صدی ہجری)

<u>۹ ویں صدی ہجری</u>

۱۴۔ شیخ جلال دین الجمندی (م ۸۰۲ھ)

۱۵۔ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن عماد الدین عبدالباقی الاقفھسی الشافعی الشارحی (م ۸۰۸ھ)

۱۶۔ زین الدین ابوالمظفر طاہر بن حسن المعروف ابن حلیب حلبی (م ۸۰۸ھ)

۱۷۔ یوسف البساطی (سن شرح ۸۲۱ھ)

۱۸۔ شرف الدین علی یزدی (م ۸۲۸ھ)

۱۹۔ کمال الدین حسین خوارزمی (سن وفات بعد از ۸۴۰ھ)

۲۰۔ شیخ عفیف الدین عبداللہ بن محمد بن خلف بن عیسیٰ اسعدی المطرزی (سن شرح ۸۴۰ھ)

۲۱۔ جمال الدین عبداللہ بن یوسف المعروف ابن ہشام نحوی (م ۸۶۱ھ)

۲۲۔ جلال الدین عبداللہ محمد بن احمد المحلی الشافعی (م ۸۶۴ھ)

۲۳۔ الفاضل مسعود بن محمود بن نیکنا الحسینی (سن شرح ۸۶۵ھ) نام نزہت الطالبین و تحفۃ الراغبین ہے

۲۴۔ ابوالفضل احمد بن ابوبکر المرعشی (۸۷۳ھ)

۲۵۔ شیخ علی بن عضد الدین محمد مصنفک البسطامی الشاہرودی (م ۸۷۵ھ)

۲۶۔ شیخ نجم الدین محمد بن احمد بن عبداللہ القلقشندی الشافعی (م ۸۷۶ھ)

۲۷۔ محمد بادرکانی بن صانی (م بحدود ۹۰۰ھ)

۱۰ویں صدی ہجری

۲۸۔ شیخ زین الدین خالد بن عبداللہ ازہری (م ۹۰۵ھ) دو شرحیں تحریر کیں۔

۲۹۔ محمد غیور قادری (زمانہ حیات: بحدود ۹۲۰ھ) فارسی میں شرح لکھی۔

۳۰۔ شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن القسطلانی (م ۹۲۳ھ)

۳۱۔ قاضی ذکریا بن محمد انصاری (م ۹۲۶ھ) شرح کا نام الزبدۃ الرائقۃ فی شرح البردۃ الفائقۃ ہے۔

۳۲۔ المولیٰ عبیداللہ بن یعقوب الغفاری (م ۹۳۶ھ)

۳۳۔ عصام الدین ابراہیم عربشاہ الفرائینی (م ۹۴۴ھ) فارسی شرح

۳۴۔ خیرالدین خضر بن محمود بن عمر العطوفی (م ۹۴۸ھ)

۳۵۔ حسن بن حسین التالشی (حیات بحدود ۹۵۶ھ) شرح کے علاوہ ایک تخمیس بھی کی ہے۔

۳۶۔ محی الدین محمد بن مصطفیٰ شیخ زادہ (م ۹۵۱ھ) شرح کا نام 'راحت الارواح' ہے۔

۳۷۔ شیخ بدرالدین محمد بن محمد الغزی العامری (م ۹۸۴ھ) شرح کا نام 'الزبدہ' ہے

۳۸۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد حسن القدسی البرمونی (سن کتابت شرح ۹۹۰ھ)

۳۹۔ غضنفر بن جعفر الحسینی (م ۹۹۷ھ) فارسی شرح

۴۰۔ محمد بن بدرالدین آقی حصاری (م ۱۰۰۱ھ) سن شرح ۹۹۸ھ اور شرح کا نام 'طراز البردہ' ہے

۱۱ویں صدی ہجری

۴۱۔ شیخ منور بنی اسرائیل (م ۱۰۰۳ھ)

۴۲۔ احمد بن خفاجی (م ۱۰۰۱ھ)

۴۳۔ احمد بن مصطفیٰ لالی دو شرحیں لکھیں ایک عربی میں 'خواص البردہ' ہے اور دوسری ترکی میں جس کا سن تصنیف ۱۰۰۱ھ ہے۔

۴۴۔ نورالدین علی القادری (م ۱۰۱۴ھ)

۴۵۔ علی بن محمد انصاری الہروی (م ۱۰۱۴ھ) شرح کا نام "زبدہ" ہے۔

۴۶۔ محمد بن علی البابلی شمس الدین (م ۱۰۲۴ھ)

۴۷۔ الفاضل حسن بن محمد بن حسن الحنفی النمفی (سن تصنیف شرح ما قبل ۱۰۷۶ھ)

۴۸۔ شیخ رضی الدین محمد بن یوسف بن ابی اللطیف القدسی والشافعی (م ۱۰۲۸ھ)

۴۹۔ مفتی سعد الدین (م ۱۰۳۴ھ)

۵۰۔ عبد الواحد بن احمد بن عاشر انصاری (م ۱۰۴۰ھ)

۵۱۔ عبد اللہ بن محمود المعروف کوچک محمود زادہ (م ۱۰۴۲ھ) فارسی شرح

۵۲۔ یوسف بن موسیٰ الجرامی (م ۱۰۴۲ھ)

۵۳۔ محمد بن ابی بکر بن محمد سلیمان الکروی السہرانی الحنفی (سن آغاز شرح ۱۰۴۸ھ) نام "الدرہ المضیئة فی شرح الکواکب الدریة" ہے

۵۴۔ نظام الدین بن محمد رستم الجندی (م ۱۰۶۲ھ)

۵۵۔ محمد المصری (زمانہ حیات بحدود ۱۰۴۸ھ) شرح کا نام "جاوح الکنوز" ہے۔

۵۶۔ عبد القادر بن عمر بغدادی (م ۱۰۹۳ھ)

۵۷۔ ابو البقاء ایوب بن موسیٰ الحسینی الکفوی (م ۱۰۹۴ھ)

۸ ویں صدی سے ۱۱ ویں صدی ہجری تک (جن کی وفیات کا تعین نہیں ہو سکا)

۵۸۔ شیخ قاضی بحر بن رئیس بن صلاح الہارونی المالکی شرح کا نام ہے

۵۹۔ حسام الدین حسن بن عباس

۶۰۔ مفتی یحییٰ بن زکریا

۶۱۔ عبد اللہ بن محمد یعقوب ۔ شرح کا نام اغاثہ اللہفات ہے

۶۲۔ شیخ الادیب ناصر الدین بن عبد الصمد

۶۳۔ شعبان بن محمد قرشی۔ شرح کا نام "آثار العشرہ" ہے

۶۴۔ شیخ سعد اللہ خلوتی

۱۲ ویں صدی ہجری

۶۵۔ عبد الغنی بن عبد الفتاح (سن آغاز شرح ۱۱۱۹ھ) شرح کا نام "الجوہرة الیتیمة الفردہ" ہے

۶۶ محمد بن مصطفیٰ المدرونی (زمانہ حیات بحدود ۱۱۳۶ھ)

۶۷ عثمان بن عبد اللہ الکلیسی العریانی الحلبی (سن شرح بحدود ۱۱۶۳ھ)

۱۳ ویں صدی ہجری

۶۸۔ مولوی ارتضا علی خاں گوپاموی (م ۱۲۵۱ھ)

۶۹۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد (سن شرح ۱۲۰۰ھ)

۷۰۔ مولوی تراب علی لکھنوی (م ۱۲۱۳ھ) فارسی شرح

۷۱۔ مولوی امام العالم خیر آبادی

۷۲۔ عمر بن احمد الخرپوتی (سن تصنیف شرح ۱۲۱۴ھ)

۷۳۔ ابراہیم بن محمد البارجوری (سن شرح ۱۲۷۷ھ)

۷۴۔ تاج العلماء مولوی نجف علی جھجری (سن شرح عربی ۱۲۹۵ھ) فارسی اور اردو میں بھی شرحیں لکھیں

۷۵۔ مولوی رضا حسن خاں کاکوروی (تصنیف شرح ۱۲۶۵ھ) ۱۲۹۴ھ میں بردہ کا معارضہ کیا

۱۴ویں صدی ہجری

۷۶۔ حسن العدوی الحمزاوی (م ۱۳۰۳ھ) شرح کا نام 'النفحات الشاذلیہ' ہے۔

۷۷۔ عثمان توفیق بے (سن طبع شرح ۱۳۰۰ھ) ان کی شرح ترکی زبان میں ہے

۷۸۔ احمد فتحی پاشا (م ۱۹۴۴ء) ان کی شرح ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی

۷۹۔ مولانا ذوالفقار علی (سن طبع ۱۳۱۹ھ) نام 'عطر الوردہ' ہے مطبع مجتبائی سے یہ اردو شرح دہلی میں شائع ہوئی۔

۸۰۔ مولوی عبد المالک مشیر مال سابق ریاست بہاولپور

۸۱۔ مولانا ابو الحسنات محمد احمد قادری ان کی شرح کا نام 'طیب الوردہ' ہے

۸۲۔ فضل احمد عارف (سن اشاعت شرح ۱۹۶۴ء) نام 'انوار بردہ' ہے

شارحین غیر معین العہد

۸۳۔ محمد بن عبد الحق السبتی

۸۴۔ علی بن ابراہیم بن ادریس انطاکی

۸۵۔ سعید بن احمد السملالی

۸۶۔ عبد اللہ بن علی الکاشی الطبیب

۸۷۔ حسن بن محمد الحنفی

۸۸۔ عبد اللہ بن فخر الدین بن یحییٰ الحسینی الموصلی

۸۹۔ موسیٰ بن محمد ابتر دار

۹۰۔ احمد بن الحاج

۹۱۔ محمد بن نصیر الخلیصی کرمانی

۹۲۔ محمد مکی افندی "التوسل" نام سے ترکی شرح مع تخمیس چھپ چکی ہے۔

۹۳۔ محمد خیری افندی ترکی میں مطبوعہ شرح

۹۴۔ امام عین القضاۃ ہمدانی شرح کا نام صادقیہ ہے

۹۵۔ ملا عبد الغنی القراباغی

تخمیس ــــ ۸ویں صدی ہجری

۹۶۔ محمد بن ابو زید عبد الرحمن المراکشی (م ۷۴۹ھ)

۹۷۔ بدر الدین احمد بن محمد بن علی الصاحب الحموی (م ۷۰۵ھ)

۹۸۔ مجد الدین اسماعیل بن ابراہیم محمد الکنانی الحنفی (م ۷۸۷ھ)

۹۹۔ فتح الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن الشاہد الشافعی (م ۷۹۳ھ) انہوں نے دو تخمیس لکھیں۔

۱۰۰۔ عبد اللطیف بن احمد الشافعی

تخمیس ــــ ۹ ویں صدی ہجری

۱۰۱۔ العطاری (م ۸۲۸ھ)

۱۰۲۔ زین الدین طاہر بن حسن بن عمر بن حبیب الحلبی (م ۸۰۷ھ)

۱۰۳۔ زین الدین ابو سعید شعبان بن محمد بن داؤد بن علی المصری القرشی الآ مشاری العثمانی الشافعی۔
(م ۸۲۸ھ) تخمیس کا نام العمدۃ فی المختار من تخمیس البردہ ہے۔

۱۰۴۔ ابو المحاسن تقی الدین ابو بکر بن حجۃ الحموی الازراری (م ۸۳۷ھ) تخمیس کا نام البدر العبید ہے

۱۰۵۔ شمس الدین محمد بن خلیل المقری الحلبی المعروف بہ ابن القباقبی (م ۸۴۹ھ)

۱۰۶۔ امام شہاب الدین احمد بن محمد حجازی (م ۸۷۹ھ)

۱۰۷۔ محمد بن احمد بن محمد الناکانی (یا بیا کافی) طوسی (حیات بعہد ۹۰۰ھ)

تخمیس ــــ ۱۰ ویں صدی ہجری

۱۰۸۔ حسن بن حسین الناشئی (م ۹۵۶ھ)

۱۰۹۔ خلیفہ بن احمد البسطامی (م ۹۶۰ھ)

۱۱۰۔ سلیمان بن علی کرمانی (م ۹۷۴ھ)

۱۱۱۔ محمد بن احمد بن عبداللہ بن ماما یر بن الرومی الاکشاری (م ۹۸۷ھ)

۱۱۲۔ صدقۃ اللہ القاہری (م ۱۱۰۵ھ) تخمیس کا نام "القصیدۃ الوتریۃ" ہے
غیر معین العہد

۱۱۳۔ محمد بن احمد بن العید القفصی المالکی السخاوی

۱۱۴۔ ناصر الدین محمد بن عبد الصمد الغیوتی

۱۱۵۔ محمد الانصاری

۱۱۶۔ السیّد شریف افندی احمد بن ترجم

۱۱۷۔ عبد الرحمٰن بن احمد بن یوسف بن مقللش

۱۱۸۔ شمس الدین محمد الفیومی

۱۱۹۔ شہاب الدین احمد بن منصور بن صارم المیاطی المعروف بابن اطباس

۱۲۰۔ الشیخ ابن قطب الدین

۱۲۱۔ جمال الدین حسن بن احمد صوفی تخمیس کا نام الفرج بعد الشدۃ ہے

۱۲۲۔ ابوبکر بن رمضان بن موک

۱۲۳۔ محمد مکی آفندی

۱۲۴۔ یحییٰ بن عبداللہ الدفتری المصری

۱۲۵۔ محمد بن منصور بن عبادہ

۱۲۶۔ علاؤ الدین بن علی امین الدین بن سالم الجزی

۱۲۷۔ شہاب الدین احمد بن مجد الدین سالم الاذرگی

۱۲۸۔ محمد المیاطی الخضری

۱۲۹۔ عبد الرحیم بن عبد الرحمٰن بن محمد السیوطی الجرجاوی

۱۳۰۔ شہاب الدین احمد بن محمد الافانی

۱۳۱۔ قاضی زیاد اندلسی

۱۳۲۔ قاضی عبد الرحیم بخاری الخرپتاری تخمیس کا نام تحفۃ العزیزیہ ہے

۱۳۳۔ محمد بن شماع المصری

۱۳۴۔ احمد مصطفےٰ ۔ یہ تخمیس ترکی میں ہے اور بولاق سے ۱۲۵۶ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۱۳۵۔ محمد سلیمان نجیبقی (م ۱۱۲۳ھ) یہ تخمیس ترکی میں ہے

۱۳۶۔ عباس نیضی آفندی۔ ترکی تخمیس ہے ۱۳۰۱ھ میں استانبول میں طبع ہوئی۔

تسبیعیں

۱۳۷۔ عبداللہ بن عمر البیضاوی (م ۶۹۴ھ) تسبیع کا نام تفریح الشدیدہ ہے

۱۳۸۔ عمر بن محمد بن عباس التفصی العبنی (تاریخ کتابت تسبیع ۸۴۳ھ)

۱۳۹۔ شمس الدین محمد بن عبداللہ الملکی المالکی (۱۰۴۸ھ)

۱۴۰۔ عثمان صلاح الدین احمد بن الشرفی الاشقی

۱۴۱۔ جمال الدین محمد بن الوفا۔

۱۴۲۔ محمد الملاطی المصری الخلوتی

۱۴۳۔ احمد بن محمد الرفاعی (م ۱۱۸۳ھ)

۱۴۴۔ عبدالمجید قدس تسبیح کا نام دفع شدہ ہے یہ تکرمر سے ۱۳۱۳ھ کو شائع ہوئی۔

۱۴۵۔ محمد عمر بن عباس التفصی العبنی (۱۳۸ پر اسی نام کی ایک تسبیع کا حوالہ گزر چکا ہے۔

تشطیریں

۱۴۶۔ احمد شخاوی

۱۴۷۔ عبدالرحیم عبدالرحمن بن سیوطی ان کی تشطیر کا نام برا لسقیم ہے

۱۴۸۔ عبدالمجید بن محمد بن علی (۱۸۰۱ھ بقید حیات تھے جلب المسرۃ اور دفع الشدہ فی تشطیر البردہ کے نام سے ان کی دو تشطیریں ہیں۔

۱۴۹۔ احمد بن احمد بن عثمان بن سالم (تالیف ۱۲۰۱ھ)

۱۵۰۔ احمد بن عبدالوہاب الجرجاوی (م ۱۲۵۴ھ)

۱۵۱۔ شیخ قاضی تشطیر کا نام الدرۃ الزاہرۃ ہے (مطبوعہ دمشق ۱۲۸۴ھ)

۱۵۲۔ احمد الحفظی (م بحدود ۱۱۹۳ھ) تشطیر کا نام تصدیر البردہ ہے

۱۵۳۔ محمد مکہ فرغلی طہطاوی

۱۵۴۔ ابوالہدیٰ حسن الصیادی الرفاعی (سن تالیف ۱۳۰۸ھ)

۱۵۵۔ احمد بن شرقاوی بن مساعد الخلوتی (م ۱۳۱۶ھ)

۱۵۶۔ عبدالقادر بن سعید الرافعی الفاروقی (م ۱۹۰۵ء)

۱۵۷۔ روضات جلاوہ (م ۸۸۷ھ)

۱۵۸۔ سالم ابوالنجم البولاقی القاہری (تشطیر مطبوعہ ۱۳۰۴ھ)

۱۵۹۔ محمد بن ابراہیم بن خلیل الازہری تشطیر کا نام الفیوض الرحمانیہ ہے

۱۶۰۔ محمد بن موسیٰ النجار تشطیر کا نام الشہباء ہے

۱۶۱۔ داود بن حسین البغدادی نقشبندی

تذییلیں

۱۶۲۔ عمر ان کی تذییل کا نام مفرج الشدۃ ہے

۱۶۳۔ احمد بن عبداللہ الذروی الجزائری (م ۹۲۳ھ)

تراجم

۱۶۴۔ ۱۸۲۴ء میں متن معہ جرمن ترجمہ Wein جرمنی سے طبع ہوا

۱۶۵۔ ۱۸۴۷ء جرمن ترجمہ

۱۶۶۔ ۱۸۶۰ء قصیدہ مع حواشی ویانا سے چھپا

۱۶۷۔ ۱۸۴۹ء فارسی ترجمہ

۱۶۸۔ ۱۸۶۰ء متن کے ساتھ ایک ترکی ترجمہ چھپا

۱۶۹۔ ۱۸۷۲ء پہلا فرانسیسی ترجمہ چھپا

۱۷۰۔ سلوسٹر ڈے ساسی (Sylvestredecacy) نامی فرانسیسی مستشرق نے قصیدہ بردہ کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

۱۷۱۔ ۱۸۹۴ء رینا بیسے (Rena Basset) نے قصیدہ مع حواشی شائع کی

۱۷۲۔ ۱۸۵۳ء پہلا انگریزی ترجمہ و حواشی شیخ فیض اللہ بھائی نقمان جی نے بمبئی سے شائع کیا

۱۷۳۔ ۱۲۹۸ھ لغت تاتاریہ میں ترجمہ

۱۷۴۔ ۱۳۱۴ھ جاوا زبان میں ترجمہ و شرح

۱۷۵۔ ۱۳۴۴ھ منظوم ترجمہ اردو و فارسی از خان بہادر محمد حسین خاں۔ مطبوعہ رحمانی پریس دہلی

۱۷۶۔ منظوم فارسی ترجمہ مطبوعہ نولکشور از لطف اللہ مہندس

۱۷۷۔ اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ۱۹۳۷ء

۱۷۸۔ اردو ترجمہ مع حواشی (ڈاکٹر) تاج کمپنی لاہور

۱۷۹۔ پنجابی ترجمہ منظوم از شیخ غلام مرتضےٰ (سن اشاعت ۱۹۵۶ء) لاہور

۱۸۰۔ فارسی اردو دوسرایکی منظوم ترجمہ "الورع" از مولانا عزیز الدین بہاولپوری

۱۸۱۔ اردو ترجمہ مع حواشی نور محمد چشتی

۱۸۲۔ انگریزی میں منظوم ترجمہ از کلاوسٹن (Clouston)

(جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا ہے) مذکورہ بالا فہرست پروفیسر فضل احمد عارف کی شرح "انوار بردہ" شرح قصیدہ بردہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء (ص ۸۳ تا ۱۰۶) سے لی گئی ہے۔ ان شروح وتراجم کے علاوہ بھی اس نوع کی کچھ اور تصنیفات ملتی ہیں جن میں درج ذیل قابل ذکر ہیں:

۱۔ شرح قصیدہ بردہ مع حواشی فضل احمد عارف اس کا نام برکات بردہ ہے، یہ انوار بردہ کے شارح کی دوسری کتاب ہے جو بعد رد ۷۹ء/۸۰ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ فارسی ترجمہ منظوم مولانا جامی

۳۔ اردو ترجمہ منظوم محمد فیاض الدین نظامی بہزاد دکن ۲، اور ۳ ترجمے عربی متن کے ساتھ تاج کمپنی لاہور کے شائع کیے ہیں۔

۴۔ نوائے بردہ منظوم اردو ترجمہ علامہ فروغ احمد مطبوعہ ادب اسلامی لاہور

۵۔ شرح قصیدہ بردہ۔ علامہ نور بخش توکلی

۶۔ ترجمہ اردو منظوم محمد سعید دہلوی ۵، اور ۶ یکجا نوری بک ڈپو لاہور سے شائع ہوئی۔

۷۔ الشوارد والفردہ علی شرح قصیدہ بردہ (پروفیسر سید محمود علی)

۸۔ طیب البردہ فی شرح قصیدۃ البردہ (ابو الحسنات)

۹۔ حسن الجردہ فی شرح قصیدۃ البردہ (ابو البرکات)

۱۰۔ گلہائے عقیدت شرح قصیدہ بردہ (سائیں جی) سول لائنز گوجرانوالہ

۱۱۔ شرح قصیدۂ بردہ (علی محسن صدیقی) مکتبہ اسمانیہ کراچی

۱۲۔ نوائے بردہ (فروغ احمد)

وغیرہ وغیرہ

ضمیمہ نمبر ۴

میلاد نامے

تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند (جلد اول) میں مرثیہ ادب کے ذیل میں میلاد ناموں کی ایک

طویل فہرست دی گئی ہے جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد عصرِ جدید میں لکھے گئے۔ یہاں اُن میلاد ناموں کو نقل کیا جا رہا ہے۔ آخر میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۔ اسعد البیان (حضرت شاہ احمد سعید دہلوی) تصنیف ۱۲۷۷ھ

۲۔ محافل الانوار فی احوال سید الابرار (مولانا عبد المجید بدایونی)

۳۔ احوال النبیؐ (مولانا محمد حیات)

۴۔ میلاد شریف (شاہ محمد سلامت اللہ لکھنوی)

۵۔ عشقِ مصطفیٰ (قربان علی سالک)

۶۔ جلاء القلوب بذکر المحبوب (سر سید احمد خاں) تصنیف ۱۲۸۵ھ

۷۔ نظم الدُرر فی سلک شق القمر (مولوی عبد الحلیم فرنگی محل) ۱۲۸۵ھ

۸۔ نور الایمان فی آثارِ حبیب الرحمٰن (مولوی عبد الحلیم فرنگی محل) ۱۲۸۵ھ

۹۔ رسالہ میلاد النبیؐ (مولانا عبد الرزاق فرنگی محل) م ۱۳۰۷ھ

۱۰۔ تنشیط العشاق فی احوال النبیؐ المشتاق (مولانا عبد الرزاق فرنگی محل) م ۱۳۰۷ھ

۱۱۔ خدا کی رحمت (غلام احمد شہید م ۱۲۹۶ھ)

۱۲۔ میلاد شریف شہید (غلام احمد شہید م ۱۲۹۶ھ)

۱۳۔ مولود شریف بہاریہ (غلام احمد شہید م ۱۲۹۶ھ)

۱۴۔ سودائے آخرت (عبد القادر)

۱۵۔ مولود شریف (مولانا حالی) تصنیف ۱۲۸۱ھ

۱۶۔ اسلامی مجالس (محمد وجیہہ)

۱۷۔ میلاد النبی (مولوی حفاظت حسین) تصنیف ۱۲۸۳ھ

۱۸۔ مولود عرشِ بہادر (علی بہادر مرزا)

۱۹۔ میلاد شریف (باقر علی لکھنوی) تصنیف ۱۲۹۲ھ

۲۰۔ مولود منظوم (فضل رسول) تصنیف ۱۲۹۲ھ

۲۱۔ منظہر میلاد (وزیر علی عاقل) تصنیف ۱۳۰۰ھ

۲۲۔ خیابانِ آفرینش (امیر مینائی)

۲۳۔ سرورِ بشیر (منور حسین بشیا)

۲۴ ۔ نورِ محمدی (محمد اسماعیل)

۲۵ ۔ میلاد و سوانح عمری محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مجیب اللہ)

۲۶ ۔ ریاض الازہار (وحید الدین رضوی)

۲۷ ۔ شمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ (جمیل احمد)

۲۸ ۔ میلاد محمدی (عبد اللہ مقبول احمدی)

۲۹ ۔ الدرر المنتظم فی بیان المحکم (عبد الحق الہ آبادی)

۳۰ ۔ فضائل محمدی (عبد الحفیظ)

۳۱ ۔ تاریخ احمدؐ (سراج الدین)

۳۲ ۔ میلاد سرورِ انبیاؑ (سرور علی خاضی)

۳۳ ۔ ناصر اللبیب فی اسماء الحبیب (ناصر علی)

۳۴ ۔ محفلِ میلاد (محسن الملک)

۳۵ ۔ شمعِ لاہوت (مہدی علی پروانہ)

۳۶ ۔ نبی نامہ (محمد علی خاں)

۳۷ ۔ مولود نامہ (منظہر الاسلام)

۳۸ ۔ انوار احمدی (انوار اللہ خاں) تصنیف بحدود ۱۳۱۷ھ - ۱۳۲۳ھ

۳۹ ۔ سیرِ مصطفٰے (شاہ جہاں بیگم بھوپال) تصنیف بحدود ۱۳۱۳ھ - ۱۳۲۳ھ

۴۰ ۔ احسن المیلاد (احسن علی احسن) تصنیف ۱۳۲۸ھ

۴۱ ۔ میلاد مجیدی (مجید الدین) تصنیف ۱۳۲۸ھ

۴۲ ۔ مولود سلطان الانبیاء (حبیب اللہ) تصنیف ۱۹۱۲ء

۴۳ ۔ سچا میلاد شریف (ابوالبیان) تصنیف ۱۹۱۵ء

۴۴ ۔ میلاد النبیؐ (ترجمہ محمد جان شاہ)

۴۵ ۔ میلاد مصطفوی (وزیر حسین)

۴۶ ۔ ذکر میلاد (تجمل حسینی)

۴۷ ۔ نشر الطیب (مولانا اشرف علی تھانوی)

۴۸ ۔ طریقۂ میلاد (مولانا اشرف علی تھانوی)

۴۹۔ سرچشمۂ رحمت (حبیب الدین)

۵۰۔ محمدؐ کی سرکار (خواجہ حسن نظامی)

۵۱۔ محمدؐ درشن (خواجہ حسن نظامی)

۵۲۔ اسلامی رسولؐ (خواجہ حسن نظامی)

۵۳۔ اسوۂ حسنہ (حشمت علی)

۵۴۔ میلاد محمدی (خواجہ حافظ علی) (تصنیف بحدود ۱۹۲۰ء - ۱۹۲۵ء)

۵۵۔ فردوس تقی (تقی الدین چشتی) "

۵۶۔ میلاد حبیب (حبیب حسین) "

۵۷۔ میلاد نامہ جدید (عبدالرزاق ملیح آبادی) "

۵۸۔ تحفہ عثمانیہ (محمد عظیم) "

۵۹۔ طریقہ حسنہ (رحمن علی خان) "

۶۰۔ محامد النبیؐ (حامد علی) "

۶۱۔ ولادتِ سرورِ عالم (عبدالحلیم شررؔ) "

۶۲۔ ذکریٰ (ابوالکلام آزاد) "

۶۳۔ ذکر میلاد (ابوالکلام آزاد) "

۶۴۔ نور ہدایت (ایم اسلم) "

۶۵۔ میلاد سرفرازی (یاور حسین) "

۶۶۔ ذکر حبیب (حبیب الرحمٰن خاں شیروانی)

۶۷۔ ظہورِ خاتم الانبیاء (محمد ادریس کاندھلوی)

۶۸۔ سبحان المولود (محمد مدنی)

۶۹۔ مولودِ سعیدی (محمد سعید)

۷۰۔ سرورِ کائنات (اولاد علی)

۷۱۔ میلاد النبیؐ (عبدالسبحان)

۷۲۔ ذکرِ میلاد مبارک (عبدالرحمٰن نگرامی)

۷۳۔ میلاد محمدی (محمد بن ابراہیم)

۷۴۔ اذکارِ جمیل (علم الدین نیرنگ)

۷۵۔ اعجازِ احمدی (جلال الدین)

۷۶۔ حبیب خدا کی عیدی (مشیر محمد وفی)

۷۷۔ میلادِ اکبر (اکبر خاں میرٹھی)

۷۸۔ ذکرِ حبیب (عبد العلیم صدیقی)

۷۹۔ آفتابِ عالم (صادق حسین)

۸۰۔ پیغامِ رحمت (عبد المجید)

۸۱۔ مولودِ طپش (سید چراغ علی طپش)

۸۲۔ زیورِ ایمان (میلاد برائے خواتین / مولوی محمد علی خاں سعید لکھنوی)

۸۳۔ میلادِ مقبول (کیف المسلمی الاد مراہی)

۸۴۔ میلادِ گوہر (منشی گوہر علی خاں گوہر رامپوری)

۸۵۔ تحفۃ الرسول (شاہ محمد معین الدین احمد فریدی آردی)

۸۶۔ مولود سعدی (؟)

۸۷۔ مولود شریف جدید (محمد قمر الدین)

۸۹۔ اجبار القلوب فی مولد المحبوب (مولانا محمد عبد الجلیل بن عبد الحبیب)

۹۰۔ صبح کا ستارہ (مولوی محمد عباس ابن ناصر)

۹۱۔ شمع ہدایت الموسوم صبح کا ستارہ (سید منیر الدین)

۹۲۔ ذکرِ حبیب (علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی قادری)

۹۳۔ گلاب کا پھول (عزیز)

۹۴۔ میلادِ پیغمبر (درد کاکوروی)

۹۵۔ سراج منیر فی میلاد سید البشیر والنذیر ؟

۹۶۔ میلادِ خلیل (حافظ مولوی ابراہیم علی خاں خلیل)

۹۷۔ میلاد مطہر (حمید الدین حمید)

۹۸۔ آمنہ کا لال (راشد الخیری)

۹۹۔ مولود شریف عزیزیہ (حافظ عبد المعزیز)

۱۰۰۔ مولود شریف جدید (مولوی احمد خاں صوفی)

۱۰۱۔ زیور ایمان مولود شریف برائے خواتین (مولوی انور علی) اس نام سے ایک مولود شریف مصنف سعید لکھنوی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۱۰۲۔ مولود شریف عربی با ترجمہ (مولوی سلامت اللہ)

۱۰۳۔ مولد شریف مع خصائل چار یار مطبع گلشن احمدی لکھنؤ

۱۰۴۔ شمس الضحیٰ فی میلاد المصطفیٰ (مولوی حبیب اللہ)

۱۰۵۔ مجموعۂ میلادِ مصطفوی (مشمول ہمہ رسالہ و دیگر) (سید وزیر حسن رضوی)

۱۰۶۔ خدا کی رحمت (مولوی سلامت اللہ)

۱۰۷۔ مولود شریف برزنجی (محمد عبد الغنی قادری)

۱۰۸۔ راحت القلوب فی مولود المحبوب مع حلیہ شریف منظوم (مولوی عبد السمیع بیدل)[۱]

ضمیمہ نمبر ۵

غیر مسلم شعراء کی نعتیہ شاعری

غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کی روایت کا آغاز جنوبی ہند ہی سے ہو چکا تھا اور مسلمان شاعروں کی طرح ہندو شاعروں نے عقیدت و محبت کے اظہار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و نعت کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ لچھمی نرائن شفیق کا "معراج نامہ" اور راجہ مکھن لال مکھن کا نعتیہ کلام اس اظہار عقیدت کے نمونے ہیں۔ شفیق نے مثنوی کی ہیئت میں معراج کے واقعات شاعرانہ انداز میں رقم کیے ہیں۔ شعری التزام اور برجستگی ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ جبکہ راجہ مکھن لال نے اپنی نعتوں میں عربی فارم اور قرآن و احادیث کے حوالے دیئے ہیں۔ خلوص و عقیدت اور حضور اکرمؐ سے نجات و شفاعت طلبی کے مضامین ان کے ہاں عام ہیں۔

ے حمید و احمد و محمود تم ہو یا رسولؐ اللہ
سعید و اسعد و مسعود تم ہو یا رسول اللہ
بہر آن و زماں موجود تم ہو یا رسول اللہ
دل و جان کے مرے مقصود تم ہو یا رسول اللہؐ[۱]

؎ سورۂ والشمس ہے تجھ حسنِ عارض پر گواہ
زلفِ مشکیں تس پہ جیوں واللیل ہے بے اشتباہ
آیہ انّا فتحنا فتح میں ہے شمعِ راہ
قاتلِ حسادِ دین تم ہو تیغِ لا الٰہ

یارسول اللہؐ تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے [۲]

اسی طرح بعض ہندو شاعروں کے ہاں نعت کے کچھ شعر مل جاتے ہیں مثلاً بالاپرشاد ربط کا یہ شعر دیکھیے:

؎ تصویر اگر شمعِ رسالتؐ کی لکھوں میں
خامہ سے نکل جلوۂ شق القمر آوے

ہندو شاعروں کی نعت گوئی کا حقیقی دور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہوا۔ عصرِ جدید میں ہمیں متعدد ایسے غیر مسلم شاعر ملتے ہیں جنہوں نے مقدار اور معیار ہر اعتبار سے اس روایت کو آگے بڑھایا اس کے بہت سے سیاسی و معاشرتی عوامل ہیں۔ ایک بڑی وجہ وہ رواداری کی فضا ہے۔ جو جنگِ آزادی کے بعد ہندو مسلم قوموں میں پہلے کی نسبت کچھ نمایاں ہوگئی تھی۔ انگریز کے خلاف جنگِ آزادی میں اگرچہ مسلمانوں نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ مگر بعض جگہ ہندو بھی مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑے۔ اس کے بعد جد وجہدِ حصولِ آزادی کی جنگ (جو قریب قریب ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے) میں مقصد و منزل کی ہم آہنگی بھی دونوں میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ مخلوط معاشرت میں اگرچہ ہندو مسلم تعلقات میں ایک کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کے تہذیب و تمدن میں واضح اختلاف رہا۔ اس کے باوجود اہلِ فکر و قلم کے حلقوں میں ایک رواداری کی فضا ملتی ہے۔ جدید علوم اور برصغیر کی بدلتی ہوئی معاشرت میں مذہبی عصبیتوں کا جوش اور شدت ذرا کم ہوئی تو اس رواداری میں اضافہ ہوا۔ علامہ اقبالؒ کی "نیا شوالہ"، "نانک"، "رام" اور "سوامی رام تیرتھ" پر لکھی ہوئی نظمیں اسی رواداری کی علامت ہیں۔ اسی طرح ہندو شاعروں کے ہاں نعتِ رسولِ اکرمؐ اور بزرگانِ دین کی منقبت کے نمونے نظر آتے ہیں۔ رواداری اور یگانگت کے اسی جذبے کے فروغ کے لیے بعض ادبی و سیاسی اور مذہبی و ثقافتی اجتماعات میں ایک دوسرے کے مشاہیر کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا رواج ہوا۔ ہندو شاعروں کے ہاں نعت گوئی کے ذوق کو اسی ماحول میں جلا ملی۔ ان معاشرتی و سیاسی عوامل میں سب سے بڑھ کر رحمۃ للعالمینؐ کی ذاتِ گرامی ہے جن کی کی سیرت و کردار اور پیغام نے اہلِ فکر لوگوں کو خاص طور پر متاثر کیا اور انہوں نے اپنے تاثرات کو قلمبند کر

کے اس روایت کو مستحکم کیا۔ حضور اکرمؐ کے بارے میں غیر مسلم مشاہیر کے تاثرات و آرا اور نظم و نثر میں ان کی تحریروں کی تدوین جدید سیرت نگاری کا ایک مستقل باب ہے اور اس موضوع پر متعدد مضامین اور کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔

نعت کے عہدِ جدید میں پہلے غیر مسلم اہم نعت گو منشی شنکر لال ساقی (م ۱۸۹۰ء) ہیں انہوں نے جنگِ آزادی سے قبل شاعری کا آغاز کر دیا تھا۔ مگر انہیں شہرت بعد میں نصیب ہوئی۔ انہوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نعتیہ اشعار کہے۔ محمد الدین فوق نے "اذانِ بتکدہ" میں ان کا نمونہ کلام دیا ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں جو ان کے خلوص و عقیدت مندی کے مظہر ہیں۔

سراسر لفظِ نعتِ احمدی سے دُرِّ یکتا ہے
لکھا جو دائرہ ہے وہ مہِ کامل کا بالا ہے

جیتے جی روضۂ اقدس کو نہ آنکھوں دیکھا
روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہوگی
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے
کیا مری ان کے مدح خوانوں میں ہستی ہوگی

آیتِ لولاک سے ظاہر تھی عظمت آپؐ کی
سب سے پہلا تھا یہی نورِ نہاں قندیل میں

کیا کہوں جلوہ تھا کیا صلّی علیٰ صلّی علیٰ
رہ گئی تھی دیکھ کر حیران و ششدر چاندنی [۵۴]

ساقی کے شعروں میں خلوص و عقیدت کا عنصر ہے جو ان کے ذوقِ نعت اور حُبِّ رسولؐ کا ترجمان ہے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد (م ۱۳۵۹ھ) کے نعتیہ کلام" ہدیۂ شاد" کی اشاعت ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ یہ پہلے معروف ہندو نعت نگار تھے جنہوں نے کثرت سے نعتِ رسول اکرمؐ کہی۔ ان کا مجموعۂ نعت قریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ شاد کے نعتیہ اشعار جذب و شوق اور حبِ رسولؐ سے بھرے ہوئے

ہیں۔ اور محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کسی غیر مسلم کا کلام ہے۔ چند شعر دیکھئے:

ع کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں اس کا جو ہے سلطانِ مدینہ

ع کافر عشقِ محمدؐ ہوں میں شاد
سبحہ سے بڑھ کر مرا زنّار ہے

ع طوافِ روضہ عینِ حج ہے اے شاد
مرا کعبہ مدینے کی گلی ہے

شاد کے کلام میں رسمی اور تقلیدی نعت گوئی کی بجائے حقیقی نعت گوئی کی جھلک ملتی ہے۔ ان کی نعتوں کی بڑی خوبی ان کی تاثیر ہے۔ مختصر بحروں اور سادہ زمینوں میں ان کی یہ نعتیں دیکھئے جو سہلِ ممتنع کے نمونوں میں شمار ہوتی ہیں:

ع ساز گار اپنا زمانہ ہو گیا
ہند سے طیبہ کو جانا ہو گیا

ع مدینے کو چلو دربار دیکھو رسول اللہؐ کی سرکار دیکھو

ع محمدؐ پہ دل اپنا شیدا ہوا ہے
ستارہ نصیبے کا چمکا ہوا ہے

ان کی نعتوں میں عربی الفاظ و تراکیب بھی ملتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نعت کی زبان اور اس کے انداز کے جملہ پہلوؤں سے پوری طرح باخبر ہیں، یہ شعر دیکھئے:

ع ان کا کہنا ہے وحی مایوحیٰ
نہ بناوٹ نہ اس میں کوئی قصور

شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ، خیرالوریٰ، نورالہدیٰ
ع شانِ خدا فضل الٰہ، شاہنشا، کرسی نشیں

ختم الرسل، ہادیٔ کل، ہیں باعثِ ہر جزو و کل

سلطانِ دین، شمس الیقیں ہیں رحمۃ للعالمین[۳۱]

پہلا شعر ایک قصیدے کا ہے جو ۱۰۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ چھوٹی بحر میں یہ قصیدہ شاد کی نعت گوئی کا کمال ہے۔

شاد کے مضامینِ نعت کا غالب حصہ اظہارِ عشق و وابستگیٔ رسول اور اوصافِ محمدی کے تذکار پر مشتمل ہے کہیں کہیں احد اور احمدِ بے میم کے مضمون بھی باندھے ہیں جن پر غیر اسلامی عقائد کے اثرات نظر آتے ہیں انہیں اس امر کا بھی شدت سے احساس ہے کہ وہ مسلمان نہیں اکثر شعروں میں وہ اپنے کفر کا حوالہ دیتے ہوئے حضورِ اکرمؐ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے عفو و بخشش کے طلب گار ہوتے ہیں ایسی جگہوں پر ان کے شعر موثر اور کیف آور ہیں۔

کلام کی کثرت اور کیف کے باعث غیر مسلم نعت نگاروں کے دو تین بڑے شاعروں میں شاد شمار ہوتے ہیں۔ داخلی کیفیاتِ محبت کے ساتھ ساتھ انہوں نے آنحضرتؐ کے ظاہری جمال کے بارے میں متعدد شعر لکھے ہیں جن میں آپؐ کے زلف و عارض، خد و خال اور ابرو قامت کے حسن کو تشبیہہ و استعارہ کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ان کے سماجی منصب و مرتبہ اور ان کی نعت گوئی نے غیر مسلم حلقوں میں نعت کی تشہیر و اشاعت کو فروغ بخشا۔

دلو رام کوثری (۱۳۶۵ھ) اس سلسلہ نعت کے سب سے معروف شاعر ہیں۔ ان کے حبِ رسول اور شغفِ نعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ برصغیر کے مشہور صوفی پیر جماعت علی شاہ نے انہیں "حسان الہند" کا خطاب دیا۔

ع ہے حسان پہلا تو میں دوسرا ہوں

نہیں فرق اول میں ثانی نہیں رکھا

خدا نے اُسے سونپی محفل عرب کی

مجھے بزمِ ہندوستانی میں رکھا[۳۲]

دلو رام کوثری کے موضوعاتِ نعت میں اس امر کا اظہار بکثرت پایا جاتا ہے کہ وہ ہندو ہیں اور ان کا تعلق اس دین و مذہب سے نہیں جسے پیغمبرِ اسلامؐ نے پیش کیا۔ اس احساسِ محرومی کے باوجود ان کے لب و لہجہ میں آنحضرتؐ کی رحمۃ للعالمینی، محبت و شفقت اور آپؐ کے حلم و درگذر کا مکمل یقین ہے۔ یہ یقین ان کی نعتیہ شاعری میں اتنا راسخ نظر آتا ہے کہ ان کے لب و لہجہ پر ہندو ہونے کا گمان تک

نہیں ہوتا۔

کوثری کی نعت پر غزل و تغزل کے اثرات نمایاں ہیں، مگر ان کے اسلوب میں داخلیت کے عنصر نے ان کی نعت کو حسن و تاثیر سے بھر دیا ہے۔ عشقِ محمدی کی سرشاری اور ذوقِ نعت سے شیفتگی کا اظہار ان کی نعت گوئی کے نمایاں اوصاف ہیں۔ اپنے ہندو ہونے کے ناطے انہوں نے نعت میں نئے نئے مضامین نکالے ہیں۔ درج ذیل شعر دیکھیے۔

کچھ عشقِ محمدؐ میں نہیں شرطِ مسلمان
ہے کوثری ہندو بھی طلب گارِ محمدؐ ہے [۱۴]

کر اے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا
مسلمان مان جائیں لوہا سب تیغِ برہمن کا [۱۵]

لے کے دتو رام کو حضرتؐ گئے جنت میں جب
غل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے [۱۶]

یہ مضامین و خیالات اردو نعت میں اضافہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ کوثری سے قبل نعت میں اس طرح کے مضامین نہیں نظر آتے۔ نعت میں ندرت و جدت کے اس اسلوب کے ساتھ کوثری کی دوسری خصوصیات میں سادگی و سلاست کے عناصر ہیں، جنھوں نے ان کی نعتوں میں تاثیر اور کیف کو ابھارا ہے ان کی نعتوں میں قرآن و احادیث کے حوالے اور اسلوبِ بیان میں فارسی و عربی کے الفاظ و تراکیب رچے بسے نظر آتے ہیں اور کہیں غیریت اور اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے اور اسلام اور پیغمبرؐ اسلام سے ذاتی رغبت و محبت کے سبب تہذیبی و ثقافتی طور پر کوثری ایک مسلمان بھی تھے [۱۷] ان کی نعتیہ شاعری کی فضا اس حقیقت کی گواہ ہے۔

عرشؔ ملسیانی۔ صاحب دیوان نعت گو ہیں اُن کا نعتیہ مجموعہ "آہنگِ حجاز" اگرچہ مختصر ہے مگر اختصار کے باوجود نعت گوئی کے پختہ ذوق کا ترجمان ہے۔ مولانا عبد الماجد دریاآبادی نے عرشؔ کی نعتیہ شاعری کا ذکر کرتے ہوئے جس پہلو کو خصوصیت سے بیان کیا ہے وہ ہندو مسلم مخلوط معاشرے میں اس انداز کی شاعری سے پیدا ہونے والی باہمی محبت و یگانگت ہے وہ کہتے ہیں۔

"قومی اور اجتماعی حیثیت سے ...... وہ اس وقت کتنی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں ایک پل ایک برزخ ایک حرف ربط کا کام دے رہے ہیں۔ ملک کی دو بڑی قوموں،

دو بڑی تہذیبوں، دو بڑے مذہبوں کے درمیان۔ وہی خدمت جو ماضی قریب میں اس ملک و وطن کی دو محترم ہستیاں انجام دے چکی ہیں ایک مسز سروجنی نائیڈو اور دوسرے مہاراجہ یمین السلطنت سر کشن پرشاد شاد۔[۱۸]

یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنی نعتوں سے عرشؔ نے مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر مخلوط معاشرے میں محبت و رواداری کے جذبے کو فروغ دیا۔

عرشؔ کی شاعرانہ صلاحیت اور تخلیقی استعداد نے ان کی نعتوں کو فنی محاسن سے بھر دیا ہے۔ سادگی، جذبات نگاری اور اظہار شیفتگی ان کی نعتوں کے نمایاں اوصاف ہیں۔ حضور اکرمؐ کی ذات والاصفات سے نیازمندی اور ارادت و عقیدت کے جو جذبات اور کیفیات ان کی نعتوں میں ملتے ہیں ان میں بقول مولانا دریاآبادی "دلی تڑپ اور خلوص نمایاں ہے"۔ درج ذیل اشعار دیکھیے جن میں آنحضرتؐ کے فیضان کا ذکر بھی ہے:

ے تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خونِ ہر بشر
حسنِ نمودِ زندگی، رنگِ رخِ حیاتِ نو[۱۹]

ے جو وہ چاہے تو مجھ کو اک نظر سے زندگی بخشے
جو وہ چاہے تو بختِ خفتہ بھی بیدار ہو جائے[۲۰]

ے اے عرشؔ درِ محبوبِ خدا ملجا ہے مقدر والوں کا
کٹتے ہیں تصور میں اپنے گو صبح و شام مدینے میں[۲۱]

عرشؔ کی مختصر بحروں میں لکھی گئی نعتوں میں ترنم و موسیقی کے عناصر نے ایک کیف اور فضا پیدا کر دی ہے۔ ان میں سلاست و روانی اور بے ساختگی کی خصوصیات نے حسن و تاثیر میں اضافہ کر دیا ہے۔ ذیل کے مطلعے ملاحظہ ہوں:

ے رخِ مصطفےٰ کا جمال اللہ اللہ
زبان کا وہ حسنِ مقال اللہ اللہ[۲۲]

ے معطر فضا مست ساری خدائی
صبا مشک افشاں مدینے سے آئی[۲۳]

عرشؔ کی نعتوں میں آنحضرتؐ کے اوصاف کے بیان میں ایک محتاط رویہ کا اظہار ہوا ہے۔ غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی نعتوں میں صداقت اور حقیقت پسندی کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

دوسرے غیر مسلم شاعروں میں ہری چند اختر، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، ساقی سہارنپوری، منور لکھنوی، شمیم فرخ آبادی، چمن لال چمن، امر چند قیس جالندھری، تلوک چند محروم، جگن ناتھ آزاد، مخمور جالندھری، موج فتح گڑھی، شبید دہلوی، نشتر لکھنوی، کبیر داس بنارسی اور متعدد دوسرے شاعروں نے نعتیں لکھیں ہیں۔ بعض غیر مسلم شاعرات شبہ پتی برادتی اور رام پیاری لکھنوی کے کلام میں بھی نعتیہ نمونے مل جاتے ہیں۔ نعت گوئی کی اس روایت کا اظہار نئے غیر مسلم شاعروں کے شعری مجموعوں میں بھی ہوا ہے 'انتظار کی رات' (کمار پاشی) کا آغاز ایک نعت سے ہوا ہے جس کا مطلع ہے:

سہل ہے راستہ محمدؐ کا جل رہا ہے دیا محمدؐ کا [۲۵]

حال ہی میں سادھو رام آرزو سہارنپوری کا نعتیہ مجموعہ شائع ہوا ہے جس کا نام "ظہور قدسی" ہے ان کا یہ نعتیہ مطلع دیکھیے:

نورِ حق جلوۂ رب، سرِ الہ ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ [۲۶]

آزاد سہارنپوری کا نعتیہ کلام شیفتگیٔ رسول کا مظہر ہے۔ صنفِ نعت سے ان کی وابستگی سرسری نہیں ان کا نعتوں کا والہانہ پن بتاتا ہے کہ انہوں نے عشقِ رسول میں ڈوب کر نعتیں لکھی ہیں۔ معنوی و صوری خوبیوں کے علاوہ حسن و تاثیر ان کی نعتوں کا جوہر ہے۔

بحیثیت مجموعی غیر مسلموں کی نعت گوئی اردو نعت کے ایک منفرد اسلوب کی عکاسی ہے۔ اس کا بڑا حصہ اگر رسمی انداز پر مشتمل ہے مگر لکھنہ، ساقی، شاد، کوثری، عرشی اور آرزو سہانپوری وغیرہ کے ہاں حقیقی نعت کے بعض ایسے نمونے بھی نظر آتے ہیں جو موضوع و اسلوب کی انفرادیت رکھتے ہیں انہوں نے شانِ رسالتمآبؐ کو تخلیقی سطح پر محسوس کیا ہے اور صنفِ نعت و محبتِ رسولؐ کے بارے میں ایسے خیالات و تجربات کا اظہار کیا ہے جو اردو نعت میں ایک مستحسن اضافہ ہیں۔

غیر مسلموں کی نعت گوئی کا آغاز اگرچہ حضور اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہی ہو چکا تھا (اعشیٰ کے نعتیہ اشعار اس کی اولین مثالوں میں سے ہیں) بلکہ آپؐ کے بارے میں ما قبل بعثت بھی یہودی علما کے نعتیہ و توصیفی فقروں اور شعروں کو اسی عنوان کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ فخر برصغیر کے غیر مسلم شاعروں ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے نعت میں نمایاں طور پر اضافہ کیا۔ اردو میں غیر مسلم شاعروں کی نعت کا جو میلان نظر آتا ہے اس کی مثال عربی و فارسی میں نظر نہیں آتی۔ "اذانِ بت کدہ" (منشی محمد الدین فوق)

ہندو شعراء دربارِ رسالت میں (میاں محمد محفوظ الرحمان) غیر منقوطہ نعتیہ دیوان (دلّو رام کوثری) ہدیۂ شاد (سر کشن پرشاد شاد) آہنگِ حجاز (عرش ملسیانی) اور ظہورِ قدسی (آزاد سہارنپوری) اس کا ثبوت ہیں۔ ان انفرادی مجموعوں اور نعتیہ انتخابات کے علاوہ متعدد مضامین کی شکل میں غیر مسلم شاعروں کے نعتیہ اشعار کا جائزہ ملتا ہے۔

اردو میں اس نوع کی نعتیہ شاعری میں معیار و مقدار کا جو اضافہ ملتا ہے اس کا سبب برصغیر کی مخصوص معاشرت و ماحول ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کی مخلوط فضا میں ہندو اور مسلمانوں کو مذہب و ثقافت کے اختلاف کے باوجود بعض سطحوں پر رواداری کا مظاہرہ کرنا پڑا۔ کم از کم کلچر کی جغرافیائی سطح پر دونوں قوموں میں بھائی چارے کی فضا قائم رکھنے کی ضرورت و اہمیت پر ہمیشہ زور دیا جاتا رہا ہے۔ شائستہ مسلک کے حامل اذہان کے ہاں ایک دوسرے کے لیے احترام کی فضا ہمیشہ موجود رہی۔ برصغیر پاک و ہند میں غیر مسلم شاعروں کی نعت گوئی کے محرکات میں احترام کا یہ عنصر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ آج بھی ہندوستان کے نعتیہ مشاعروں میں غیر مسلموں کی نعت گوئی اسی احترام و رواداری کا ثبوت ہے۔

اس رسمی اور معاشرتی سبب کے علاوہ غیر مسلموں میں نعت گوئی کی حقیقی وجہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات کی صداقت ہے۔ آنحضرتؐ کی ہمہ جہت انقلاب آفریں شخصیت، تاریخ ساز پیغام اور اسوۂ حسنہ کے مثالی نمونہ کے مطالعہ سے غیر مسلم بھی آپ کے کردار و سیرت کے قائل ہو گئے۔ غیر مسلموں کی لکھی ہوئی سیرتِ رسول اکرمؐ کی سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں نعتیں اسی جذبۂ عقیدت و محبت اور شکر و احسان کی ترجمان ہیں۔ بقول ماجد دریا آبادی:

> "جو مسلمان گیارہ سو سال تک عزت و اقتدار کے رتبے پر فائز رہے ناممکن تھا کہ اس طویل یکجائی اور ہمسائیگی میں غیر مسلم اسلام سے متاثر نہ ہوتے۔ یہ تاثر مختلف صورتوں میں نمایاں ہوا۔ لاکھوں خوش نصیب آغوشِ اسلام میں آگئے۔ لاکھوں کے عقائد و افکار میں بنیادی تغیر پیدا ہوا اور خود ان کے اندر زبردست اصلاحی تحریکیں جاری ہو گئیں۔ بے شمار اصحاب ایسے بھی تھے جو اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے بھی رسول پاک صلعم کے بارے میں ویسے ہی محبت افروز جذبات کو لباسِ شعر پہناتے رہے جیسے مسلمانوں کے سینوں میں ہمیشہ موجزن رہے۔ اگر یہ نعتیں ناموروں کی تصحیح کے بغیر شائع کر دی جائیں تو کسی کو تمیز نہ ہو سکے کہ یہ غیر مسلموں کی کہی ہوئی ہیں......"[۳]

ضمیمہ نمبر ۶

خواتین کی نعتیہ شاعری

خواتین کی نعتیہ شاعری کا پہلا اہم نمونہ قبیلہ بنی زہار کی خاتون کے درج ذیل اشعار ہیں جو غلطی سے حضرت حسانؓ بن ثابتؓ سے منسوب ہیں:

واجمل منک لم تر قط عینی
واحسن منک لم تلد النساء
حسنت طرفا و شرفت قدرا
کانک قد خلقت کما تشاء[1]

آپؐ کی والدہ ماجدہ آمنہؓ، حلیمہ سعدیہؓ، کے چند اشعار بھی آپؐ کی مدح میں کہے گئے اولین نمونہ نعت میں شمار کیے جا سکتے ہیں جنہیں خواتین نے لکھا۔ سفر ہجرت مدینہ میں ام معبدؓ کا کہا ہوا سراپائے حضور اکرمؐ بھی نثر میں ہونے کے باوجود نعت کا عمدہ نمونہ ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات مبارک پر صحابہ کرامؓ کی طرح صحابیات نے بھی شعروں میں رثائی جذبات و خیالات کا اظہار کیا۔ جناب عائشہؓ، جناب فاطمہؓ جناب صفیہ۔ جناب عاتکہؓ کے کہے ہوئے مختصر مرثیے نعت صحابیات کے مطالعہ میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ نعت کے موضوع میں وفات رسول اکرمؐ پر مرثیہ کا نسائی اظہار درد انگیز اور مؤثر ہے۔ عہد مابعد صحابہ میں بھی چند [illegible]تین کے نعتیہ نمونے ملتے ہیں، جن میں سعدونہ بنت عصام کا نام قابل ذکر ہے۔ نبہانی نے اپنے نعتیہ انتخاب "المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ" میں ان کا نمونہ کلام دیا ہے۔

اردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں چند شاعرات کے نعتیہ مجموعے بھی ملتے ہیں جہاں تک کچھ نعتوں کا تعلق ہے وہ تو سینکڑوں شاعرات نے لکھی ہیں "تذکرۂ شاعرات اردو" میں محمد جمیل احمد نے متعدد ایسی شاعرات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اردو شاعری کے دوسرے موضوعات کے ساتھ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نعتیں لکھیں۔

"تذکرۂ شاعرات اردو" میں محمد جمیل احمد نے جن شاعرات کا نمونہ کلام پیش کیا ہے۔ ان میں نعت کے کچھ نمونے بھی ملتے ہیں خواتین کی نعت گوئی کے سلسلے میں ہمارا پہلا مآخذ یہی کتاب ہے۔ اس میں تیموریہ خاندان کی شہزادی کیفی، عصمت، نواب اختر، آفتاب بیگم باس، شرف النساء ضرورت، حیدری بیگم

قمر، بیگم ڈاکٹر محمد افضال، بیگم حرم، محترمہ سپہر آرا، رابعہ خاتون پنہاں، سردار حیدر آبادی، جمال النساء بیگم سلمیٰ، سیّدہ شیر آبادی (بنت مضطر خیر آبادی) شمیم جالندھری اور آمنہ خاتون عفت مظفر نگری وہ شاعرات ہیں جن کا کلام نعتیہ عناصر سے بھرپور ہے۔

ان شاعرات کے کلام میں کیفی اور نواب اختر محل (جن کا تعلق تیموریہ خاندان سے تھا) نے قدسی کی فارسی نعت کی تضمین کی۔ اور خمسے کہے۔ اختر محل کے خمسوں میں اپنے گناہوں پر ندامت اور بخشش طلبی کے ذکر کے ساتھ آنحضرتؐ کی محبت کا تذکرہ ہے۔ یہ خمسہ فنی مہارت اور پختگی کلام کا مظہر ہے۔ بقول عبدالباری آسی "لفظ لفظ سے مشقِ کلام کا پتہ چلتا ہے"۔[۲]

بیگم افضال کی نظم "تعمیرِ حرم"[۳] پنہاں کی "لیلۃ المعراج"[۴] شمیم جالندھری کی نظم "میلاد النبی صلعم"[۵] نعت گوئی کے عمدہ نمونے ہیں دیگر شاعرات کی نعت گوئی زیادہ تر غزل کی ہیئت میں ہے۔ جمال النساء سلمیٰ (جو امجد حیدر آبادی کی بیوی تھیں) کا مخمس ہے "میرا عربی آقا اللہ کہاں ہوگا"[۶] محبتِ رسول کا ترجمان ہے

بیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں نعت گوئی میں زاہدہ خاتون کا نام خصوصی اہمیت رکھتا ہے "آئینۂ حرم" اور "فردوسِ تخیل" زاہدہ کے شعری مجموعے ہیں جن میں دوسرے موضوعات کے ساتھ نعتیہ کلام بھی ہے۔ ان نعتوں میں وہ نظم منفرد ہے جس میں جناب آمنہؓ کی زبان سے آنحضرتؐ کی نعت کا اظہار ہے۔ شاعرہ نے نظم میں جناب آمنہ کو بسترِ مرگ پر دکھایا ہے۔ موت کے وقت اپنے معصوم اور اکلوتے لختِ جگر کے لیے ایک ماں کے جو احساسات ہو سکتے ہیں، انہوں نے اس نعتیہ نظم میں کیف و گداز کے تاثر کو ابھار دیا ہے۔ اظہارِ غم کے ساتھ ماں کی زبان سے بچے کے عالمِ طفلی میں اوصاف و خصائل کا تذکرہ بھی اس نظم میں شامل ہے۔"[۷]

کسی خاتون کی طرف سے اردو نعت کا غالباً پہلا مجموعہ "گلبنِ نعت" ہے جس کی مصنفہ زینت بی بی محجوب ہیں۔ یہ مجموعہ جیسا کہ انہوں نے خود ذکر کیا ہے خواب میں زیارتِ رسول اکرمؐ کے بعد پندرہ دنوں میں مکمل کیا یہ مجموعہ نعت ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوا۔ محجوب کا تعلق ایک دیندار گھرانے سے تھا ان کی نعتوں میں تغزل کے رنگ و اسلوب کا پرتو جھلکتا ہے گلبنِ نعت میں ۳۰ غزلیں اور کچھ قطعہ ہائے منقبت و تاریخ ہیں ایک قطعہ دیکھیے:

تعالی اللہ کہ فکرِ نعت میں تحریر میں آیا
رسول اللہ نے مجھ کو عالمِ رویا میں فرمایا

عنا کی اللہ، عطاک اللہ، جزاک اللہ اے محبوب
یہ تیرا نسخۂ پُر درد مجھ کو بھی پسند آیا

نور جہاں بیگم نور کے موضوعاتِ شعر میں اسلامی اور اخلاقی رنگ نمایاں ہے۔ ان کی نظم "قدرت کا پیغام خورشیدِ رسالت کے نام"[۷] میں حضورِ اکرمؐ کی بعثت کا مضمون ایک منفرد انداز میں پیش ہوا ہے۔ نور کی دوسری نظموں میں نعتیہ عناصر ملتے ہیں نور جہاں بیگم نور المتخلص بہ نور بدایونی کا شعری مجموعہ "خونابۂ دل" جو ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔ ایک مخصوص آہنگ رکھتا ہے۔ اس کتاب کا انتساب "سبز گنبد کے مکیں کی جناب میں"[۸] کی گئی نور بدایونی کے خیالات و رجحانات کا عکس ہے۔ نور کا رنگِ کلام اخلاقی ہے۔ کتاب کے آغاز میں متعدد نعتیں اور نظمیں (درود وسعیاد، نوید ولادت صلعم، رحمۃ اللعالمین کی تشریف آوری، سلام از ائرِ طیبہ سے) نور کی نعتیہ شاعری کے ماخذ ہیں یہ نعتیہ حصہ تقریباً ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ زائرِ طیبہ سے آنحضرتؐ کے حضور، ایک نالہ و فریاد، اور التجا و زاری ہے جس میں نور زائرِ طیبہ کے وسیلے سے دربارِ رسالت مآبؐ تک اپنے احوال پہنچانے کی آرزومند ہے۔ اخلاص و سوز کے عناصر نے اس نظم کو بہت پُرتاثیر بنا دیا ہے۔

انیسہ ہارون شروانیہ نے سفرِ حج و زیارت کے احوال کو اپنی نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ان کا شعری مجموعہ "انیسیات" میں دربارِ حبیب اور محبتِ رسول کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں آیا ہے بقول اشفاق:

"انیسہ کے کلام کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ جہاں وہ بارگاہِ نبوت کے جلال سے سہمی سہمی باادب خطاب کے لیے زبان کھولتی ہیں۔ وہاں بیباکانہ عشقِ نبیؐ کا دعویٰ بھی کر جاتی ہیں الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے کام ضرور لیا ہے لیکن مضمون وہی ہے جسے خالص تغزل سے تعبیر کریں گے۔"[۸]

"انیسات" کی نعتوں میں بے قراریِ شوق، سوز و گداز اور جذب و کیف کے عناصر عام ہیں "تذکرۂ شاعراتِ اردو" میں ایک اور نعت گو شاعرہ محترمہ رسول جہاں بیگم بیدل کا ذکر[۹] ملتا ہے۔ ان کا کلام ان کی بہن نور کی طرح اخلاقی اور مذہبی موضوعات لیے ہوئے ہے۔ نعت ان کی شاعری کا خاص موضوع ہے۔ "یثرب کے جانے والے" ان کا مؤثر نعتیہ مسدس ہے جو بارہ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس میں خلوص و محبت کی فراوانی ہے۔ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں ان کا "سلام" جو مسدس ہی میں ہے۔ عشقِ رسولؐ کے والہانہ جذبات لیے ہوئے "رودادِ نسواں" میں انہوں نے ان احسانات

بعثت رسالتؐ کا اظہار کیا ہے جو آنحضرتؐ کی ولادت سے عورتوں کو پہنچے۔

نوشابہ خاتون کے مجموعۂ کلام "موجِ تخیل" میں بھی "آرزو میں" اور ہدیۂ عقیدت بحضورِ حبیبِ خالق اکبر، بھی نعت کے عمدہ نمونے ہیں۔ "ہدیۂ عقیدت......" میں سلام کے ساتھ حضور اکرمؐ کے اوصاف و تعلیمات کا تذکرہ بھی ہے جو اصلاح کے جذبہ کے تحت لکھا گیا ہے۔ "محمودہ خاتون" کا "دیوانِ نعت" بھی اسی عصر کی یادگار ہے۔ یہ دیوان داناپور پٹنہ سے ۱۹۵۵ء میں چھپا۔ اسی زمانے میں تہنیت النساء بیگم (بیگم زور) کا مجموعۂ نعت "فکر و ذکر" چھپا جو خواتین کی نعت گوئی کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس باب میں عصرِ حاضر کی یہ پہلی اہم کتاب نعت ہے جس میں شوق کی فراوانی اور حُبِ رسول کا والہانہ پن نمایاں ہے۔ یہ مجموعہ نعتیہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ تہنیت کے فنِ نعت کا کمال یہ ہے کہ ان کی نعتوں میں رنگِ تغزل کے غلبہ کی بجائے حقیقی نعت گوئی کا قرینہ اور سلیقہ ملتا ہے۔ بقول امجد حیدرآبادی...... "وہ (تہنیت) حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہیں:

...... ان کے اشعار سے ایک خاص قسم کی ربودگی اور رفتگی محسوس ہوتی ہے اور شعر متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں جن کا اثر پڑھنے والوں پر بھی پڑتا ہے۔ بعض بعض اشعار سے میں بھی متاثر ہوا ہوں مثلاً

؎ وقتِ رخصت ہم پہ جو گذری وہ اب تک یاد ہے
چھوٹتے ہی اُن کا دَر تنہا نظر آنے لگے[۵۹]

یہ شعر مدینہ سے رخصتی کا ہے۔ دیارِ رسولؐ کی حاضری اور اس سے متعلق کیفیات کا تذکرہ تہنیت کی نعت کا خاص موضوع ہے۔ درج ذیل شعر دیکھئے:

؎ ہم اور بارگاہِ رسالت پناہ میں
مارے خوشی کے آنکھوں سے آنسو نکل گئے[۶۰]

؎ آپ کے شوق میں ہر شوق کو ہم بھول گئے
حرمِ پاک میں کچھ اور ہی حالات رہے[۶۱]

حرم میں جا بجا اس شوق میں کیے سجدے
حضورؐ جلوہ فگن بس یہیں ہوئے ہوں گے[۶۲]

؎ جب مدینے کی یاد آتی ہے ہم کو اپنا پتہ نہیں ملتا[۶۳]

بیگم نصرت عبدالرشید کو دوسری نعت گو شاعرات پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ ان کے دو نعتیہ مجموعے ہیں۔ "دعائے نیم شبی" اور "آہِ سحر گاہی"۔ نعتیہ کلام کی مقدار اور موضوعات و ہیئت کے تنوع میں "نصرت" کا نام نعت گو شاعرات میں سرفہرست ہے۔ اپنے موضوعات کے بارے میں وہ آپ ہی کہتی ہیں

"کہ میں نے اپنے احساسات میں جن نقوش کو نمایاں پایا وہ مسکنِ خدا سے دوری کا الم، دیدِ جمالِ رسالت کی تشنگی اور غمِ عصیاں کا بارِ گراں ہے"[۱۵]

انہوں نے اردو، پنجابی، اور سرائیکی اور پوربی میں بھی نعتیں لکھیں۔

نصرت کی نعت گوئی کا آغاز صغیر سنی ہی سے ہوا۔ عشقِ رسولؐ کا جذبہ ان کی وارداتِ قلبی کی آمیزش میں اسی طرح اظہار پذیر ہوا ہے کہ ان کی نعتوں میں سوز و گداز اور تاثیر بڑھ گئی ہے۔ آپ کا اندازِ بیان دردِ عشقِ محمدؐ سے اس حد تک مغلوب ہے کہ آپ کا تمام نعتیہ کلام دردکا مرقع نظر آتا ہے۔ عجز و انکسار، فریاد و فغاں، اشکباری، امید و بیم کی کشمکش، قرب و دوری کا احساس، سلسلۂ انتظار، عشقِ حضور در اقدس پہ باریابی کی التجائیں، روضہ مبارک کی جالی چومنے کی آرزو، سبز گنبد کے دیدار کی تمنا، کاروانِ حجاز میں شمولیت کی خواہش، مدینے کے سفر کا شوق۔

ضمیمہ نمبر ۷

فلمی و غیر فلمی نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کا جائزہ

حضور اکرم ؐ کی محبت اور مدح میں لکھی گئی نعتوں کا ایک بڑا حصہ عوامی انداز کی ان نعتوں پر مشتمل ہے جو ادبی معیار کی حامل تو نہیں مگر میلاد کی محافل میں ان نعتوں کو کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔ ان نعتوں کا ادبی درجہ و مقام تو نہیں مگر نعت کے اس عوامی ذخیرے کے جائزے کے بغیر بھی اردو زبان میں لکھی گئی نعتوں کا تذکرہ ادھورا رہے گا۔

اس انداز کی نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی کے آغاز میں گراموفون کی ایجاد اور ہندوستان میں آمد کے بعد ہوا۔ ناطق فلموں کے بعد جب فلمی گانے معاشرے میں پھیل گئے تو بعض نعت گو شاعروں نے فلمی گانوں کی دھنوں کی مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر ان دھنوں میں نعتوں کے بول تحریر کیے اور یوں نعت بطرز ..... (گانا) کا آغاز ہوا۔ گراموفون کمپنیوں کی کاروباری ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے بھی فلمی گانوں کی طرز پر ہزاروں کی تعداد میں نعتیں لکھی گئیں اور تا حال لکھی جا رہی ہیں۔ اسی انداز میں نعتیہ قوالیوں کی روایت بھی موجود ہے۔ نئے دن اس طرح کی نعتوں کے مختصر کتابچے چھپتے رہتے ہیں جن میں نئی نئی فلموں کے مقبول عام گانوں کی طرز پر اردو اور پنجابی نعتیں ہوتی ہیں لکھی جانیوالی نعتوں کے ساتھ ان کی طرزوں کی نشاندہی کی گئی ہوتی ہے۔

ایسی نعتیں جمعہ کے علاوہ مذہبی اجتماعات و تقاریب عید میلاد النبی ؐ کے جلوس، شب معراج کے جلسوں وغیرہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ماہِ رمضان میں سحری کے وقت لوگوں کو جگانے والی پارٹیوں میں یہ نعتیں مقبول و پسندیدہ ہیں۔ مجلسی ضروریات کے تحت لکھی جانے والی ان نعتوں کا بڑا موضوع اور پیشکش ہر دو اعتبار سے غیر معیاری ہوتا ہے۔ ان میں نہ صرف یہ کہ غیر مستند واقعات اور روایتیں ہوتی ہیں بلکہ انداز بیان اور ذخیرہ الفاظ بھی فلمی گانوں کا سا ہوتا ہے جو شان رسالتمآب ؐ کے انتہائی نامناسب ہے۔ ان میں آنحضرت ؐ سے خطاب اور حضور ؐ کا ذکر مجازی محبوب کا انداز اور رنگ ڈھنگ لیے ہوتا ہے۔ جو احترام نعت کے بھی منافی ہے۔

مقام و منصب رسالت ؐ کے بارے میں افراط و تفریط، مناظرہ جاتی لب و لہجہ، غیر ثقہ روایات، جذبۂ محبت رسول ؐ کا غیر محتاط انداز بیان، تلفظ و تراکیب کی اغلاط اور فلمی گانوں کی پٹی ہوئی پامال دھنوں کے آہنگ کے سبب ان نعتوں کا وہ درجہ و مقام نہیں جو حقیقی نعتیہ کلام کا ہوتا ہے۔

ان شعرا میں جنہوں نے نعت کے اس عوامی انداز کے پھیلاؤ میں حصہ لیا۔ موسیٰ لدھیانوی، مسلم اویسی امرتسری، نعیم عطا، صابر بخاری، صادق امرتسری، نیاز محمد نیاز، نور محمد حشمت، حافظ محمد ایوب، محمد رفیق ایوب حمید، ملک محمد اشرف، مولوی غلام حسین، ملک محمد اشرف، برکت علی، نظام صابری، ظہوری، حافظ محمد حسین وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں جن اشاعتی اداروں نے اس طرح کے ہزاروں نعتیہ کتابچے چھاپے ہیں اور چھاپ رہے ہیں ان میں ملک بشیر احمد تاجر کتب کشمیری بازار، جہانگیر بک ڈپو اردو بازار لاہور، حمید بکڈپو نولکھا بازار لاہور، سیٹھ آدم جی عبداللہ پبلشرز لاہور، شیخ محمد سعید نولکھا بازار لاہور، ملک آرٹ پبلشرز لاہور، نذر حسین اینڈ سنز لاہور، کتب خانہ مقبول عام فیصل آباد، چشتی کتب خانہ فیصل آباد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کتابچوں میں اردو، پنجابی اور اردو پنجابی کی ملی جلی نعتیں بھی ملتی ہیں۔

فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں، گراموفون ریکارڈوں اور فلمی نعتوں میں سے چند کے حوالے آئندہ صفحات میں دیئے جا رہے ہیں (یہاں صرف ان کی نشاندہی کی جا رہی ہے مکمل متن نہیں دیا جا رہا) گراموفون کمپنیوں کی فہرستوں میں ایسی ہزاروں نعتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۱) فلم شاہجہان میں کے ایل سہگل کے گائے گئے اس معروف گیت کی طرز پر جو نعت لکھی گئی وہ بھی گیت کی طرح بہت مشہور ہوئی۔ دونوں بول دیکھیے۔

فلمی گیت: غم دیئے مستقل
کتنا نازک ہے دل
یہ نہ جانا ہائے ہائے یہ ظالم زمانہ

نعت کا مکھڑا درج ذیل ہے
یا حبیبِ خدا
یا نبی ﷺ مصطفےٰ
للہ آنا میری بگڑی ہوئی کو بنانا

اس طرز کی نعتوں میں فلمی دھن اور لے کو ملحوظ رکھا جاتا ہے تاکہ اس کی مقبولیت و پسندیدگی کا فائدہ اٹھایا جا سکے۔ نعت خوانوں کو بھی اسی انداز کی نعت خوانی میں کوئی زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔ قیام پاکستان سے قبل موسیٰ لدھیانوی نے فلمی طرزوں پر بہت نعتیں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں چند نعتوں کی طرزیں اور بول درج ذیل ہیں:

فلم	گیت کے بول	نعت کے بول
پردیسی	پہلے جو محبت میں اقرار کیا ہوتا (خورشید)	گر خواب میں ملنے کا اقرار کیا ہوتا
چودھری	بس بس وے ڈھولنا	یثرب کے دلربا
معصوم	معصوم نظر کا بھولا پن للچا کے لبھانا کیا جانے	مست مئے حسنِ ساقی دیں راہ مینا نہ کیا جانے
"	یہ جی چاہتا ہے ہنسیں اور ہنسائیں	یہ جی چاہتا ہے کہ روضے پہ جائیں
خاندان	میرے لیے جہان میں چین ہے نہ قرار ہے	جاتا ہے اضطراب میں دل ہے تو بیقرار ہے
"	تو کون سی بدلی میں مرے چاند ہے آجا	زلفوں کو ہٹا کر رخِ پرنور دکھا جا
یملا جٹ	کنکاں دیاں فصلاں پکیاں نیں	یثرب کے سفر کے ساماں ہیں [۲]

(۲) علاوہ ازیں فلموں میں بھی گانوں کے ساتھ گاہے گاہے نعتیں نظر آنے لگیں۔ ہندوستانی فلموں کی اولین معروف نعتیں ولی صاحب کی لکھی ہوئی ہیں۔ آغا حشر کے شاگرد ولی Twin-HMV اور کولمبیا گراموفون کمپنی کے لیے گیتوں کے ساتھ ساتھ نعتیں بھی لکھتے رہے۔ اگرچہ وہ شاعر سے زیادہ پروڈیوسر کی حیثیت سے معروف ہوئے مگر فلموں میں ان کی درج ذیل نعتیں آج بھی مقبول ہیں:

ع آیا ہے بلاوا مجھے دربارِ نبیؐ سے اور ع محمد مصطفےٰ کے نام کو وردِ زباں کر لوں [۳]

(۳) گراموفون کمپنیوں کی طرف سے نئے نعتیہ ریکارڈوں کے اشتہار بھی دیے جاتے۔ درج ذیل نعتیہ ریکارڈوں کی فہرست روزنامہ انقلاب کے پرچوں سے تیار کی گئی ہے:

نام کمپنی	گلوکار	نوعیت	حوالہ
جانیو فون ریکارڈ	مسلم پارٹی	میلاد شریف	روزنامہ انقلاب ۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء
	J.P.7,8	سلام	
	مس شمشاد	امتِ پاک رسول وہی میں روزِ محشر بخشاؤں گی	
	J.P.711	وقتِ صبح وے اے صبا شہرِ مدینہ جایا کر	
ٹوئین ریکارڈ	F.T.464	پیارا پیارا نبیؐ کا جھولنا (نعتیہ خمسہ)	
	ماسٹر عبدالرزاق علیگڑھ والے	چمکا جنت کا جہنم کا نہ غم (حقانی قوالی)	
ہز ماسٹرز وائس	N.4698	میرے سوہنے محمدؐ دلارے نبیؐ	روزنامہ انقلاب ۳ نومبر ۳۴ء
	مس اختر جان (لودہاں)	کملی والے سب تمہیں نرالے	

رات فراق دی مکدی ناہیں (نعت) N.4701

ماسٹر غلام فرید / ماسٹر اعجاز علی کدی تاں دسّو

جاینو فون ریکارڈ J.P.718 عاشق ہوں جان و دل سے (نعتیہ قوالی) روزنامہ انقلاب۔ نومبر ۳۴ء

معراج الدین نعمت حق کے نخرلئے پر

(۴) کم و بیش ہر گلوکار نے نعتیں گائی ہیں ذیل میں متحدہ ہندوستان کی مشہو گلوکارہ مس کملا جھریا کے نعتیہ ریکارڈوں کی مختصر سی فہرست دی جا رہی ہے۔

یہ نعتیں غزل اور ٹھمری کے انداز میں ہیں اور اپنے وقت میں بہت مشہور رہی ہیں

مصرع اولی

مجھے روئے زیبا دکھا کملی والے

محمدؐ سا دو عالم کا نگہباں ہو نہیں سکتا

تمرے دیا کی ہے آس محمدؐ

تورے درشن کے کارن بھئی جوگن

میں نے لکھنے کو کہا جب قصد بسم اللہ کا (مس کملا جھریا کیسٹ ۲ ۷ ۱۹۸۰۷ رحمت گراموفون فیصل آباد)

(۵) نعتیں کورس کی شکل میں اور قوالی کے انداز میں بھی ملتی ہیں قوالوں کی بعض پارٹیاں اس انداز کی نعتیں گانے میں مشہور رہی ہیں ریڈیو کے علاوہ ان کی نعتوں کے ریکارڈ کسی زمانے میں مارکیٹ میں بھی دستیاب تھے اور لوگ انہیں بڑی پسندیدگی سے سنتے تھے۔

ان قوال پارٹیوں میں آغا بشیر، احمد چشتی، عاشق علی، اسمٰعیل آزاد، دین محمد قوال، کالو قوال وغیرہ کی پارٹیاں بہت معروف ہیں ان کے چند ریکارڈوں کی نشاندہی آئندہ صفحات میں کی جا رہی ہے۔

آغا بشیر قوال و پارٹی مدینے میں جس وقت پہنچے KDA 20020

محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی

یہ دل عشق احمدؐ KDA 20022

اللہ کی قدرت کا عنوان

احمد چشتی، عاشق علی اور دیگر نوری نوری چہرہ KDA 25002

	امت کے سہارے	
اسماعیل آزاد قوال	اللہ کے حبیب سا	GE 23037
	بات نبیؐ کی مان	KCA 10004
	دعوت نبیؐ	KCA 10024
	عرب کے ایک کملی پوش	KCA 10032
	یثرب کو جانے کے	KCA 10035
	پارے پارے میں لکھا ہے	KCA 10044
دین محمد قوال	رسولؐ پاک کو	KDA 15005
شمشاد بیگم	محبت کے آستانے کی	
	محمدؐ کے صدقے میں	KDA 10002
	پیغام صبا لائی ہے	KCA 1500
	محمدؐ مصطفےٰ کے نام کو	KDA 1500
صالح محمد اشرفی	اے میرِ عرب اے ماہ عجم	KDA 2000
	مرحبا نورِ خدا	
	محمدؐ ہیں دنیا میں تشریف لائے	
	بہاروں میں محمدؐ ہے	KDA 10060
عبدالرب محمدی	طیبہ کو کارواں ہونے کو	KDA 10035
	یا نبیؐ ہجر کے بیمار نے دم توڑ دیا	
عبدالرحمٰن کانچ والا	تم سے لاگے نیہں محمدؐ	KDA 100
فیاض احمد اور پارٹی	محمدؐ کا جلوہ خدا کے نظارے	KDA 20023
	دیار نبیؐ پھر دیار نبیؐ ہے	KDA 20024
کلن خاں و پارٹی	مدینہ نہ دیکھا تو کچھ بھی نہ دیکھا	KDA 15002
ماسٹر حبیب قوال نظامی	دامن نبیؐ کا نہ چھوڑ	KCA 10002
	یا نبیؐ کہہ کے جو اٹھوں	KCA 10012
	جمال محمدؐ کی	KCA 10023

یارسولِ خدا KCA 10031

EMI پاکستان لمیٹڈ کی تازہ فہرست (۳۱ دسمبر ۷۶ء) میں گراموفون کمپنیوں کی نعتوں کے ریکارڈوں اور کیسٹوں کی طویل فہرست موجود ہے جس میں عصر حاضر کے معروف گلوکاروں اور قوالوں کی گائی ہوئی نعتوں کا ذکر ہے۔

کتابیات

۱۔ قرآن وحدیث

۲۔ کتبِ سیرت

۳۔ لغات

۴۔ کتبِ حوالہ

۵۔ کلیات

۶۔ دیوان

۷۔ مثنویات

۸۔ کتبِ معاون و تنقید، دیوان یا شعری مجموعے

۹۔ جرائد کے خصوصی شمارے / عام اشاعتیں

۱۰۔ فہارس

۱۱۔ زیرِ طبع مواد

گذارشات

۱۔ یہ مقالے کے تمام مراجع و مآخذ کی فہرست نہیں بعض ایسے حوالے جن کا ذکر اس فہرست میں نہیں دیا ان کی نشاندہی متعلقہ صفحات کے حواشی میں کر دی گئی ہے۔

۲۔ کتب و دواوین وغیرہ کی ہجی الفبائی ترتیب سے ہے۔ مگر اندر اس ترتیب کا التزام نہیں۔

قرآن واحادیث

۱۔ قرآن مجید
۲۔ تفہیم القرآن (مولانا ابوالاعلیٰ مودودی) ۶ جلدیں مکتبہ تعمیرِ انسانیت لاہور
۳۔ صحیح البخاری امام بخاری
۴۔ الجامع الصحیح امام مسلم
۵۔ سنن ابی داؤد ابوداؤد
۶۔ سنن نسائی النسائی قاہرہ
۷۔ مسند دارمی الدارمی
۸۔ سنن ابن ماجہ الماجہ قاہرہ
۹۔ صحیح مسلم شریف اردو ترجمہ مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی (تین حصے) قرآن محل کراچی
۱۰۔ شمائل ترمذی اردو ترجمہ مولانا ذکریا
۱۱۔ ترجمہ مشکوٰۃ شریف (۳ حصے) مکتبہ رحمانیہ لاہور
۱۲۔ ترجمہ بخاری شریف (۳ حصے) دینی کتب خانہ لاہور
۱۳۔ حدیثِ رسول ؐ کا تشریعی مقام ترجمہ غلام رسول ملک برادرز لائلپور ۱۹۷۱ء
۱۴۔ مظاہرِ حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف جلد چہارم
۱۵ ترمذی شریف مترجم بدیع ۲ جلدیں المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل

۱۶۔ مسند امام احمد بن حنبل | امام حنبل | بیروت
۱۷۔ موطا امام مالک | امام مالک

کتب سیرت

۱۔ سیرت ابن ہشام، (دو جلدیں) ترجمہ عبد الجلیل صدیقی (اشاعت چہارم) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۷۹ء
۲۔ سرورِ دو عالم، ابو الاعلیٰ مودودی دو حصے لاہور ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۳۔ رحمت للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری تین حصے مکتبہ رحمت یو۔پی
۴۔ سیرۃ محمدیہ ترجمہ مواہب اللدنیہ (قسطلانی) دو جلدیں عبد الجبار خاں آصفی کراچی
۵۔ مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (محمد بن عبد الوہاب) ترجمہ محمد خالد سیف
طارق اکیڈمی فیصل آباد، طبع اول ۱۳۹۹ھ
۶۔ الشفا قاضی عیاض ترجمہ ملک فضل الدین چنین الدین لاہور
۷۔ شمائل ترمذی ترجمہ مولانا زکریا
۸۔ شواہد النبوت (مولانا جامی) ترجمہ بشیر حسین ناظم مکتبہ نبویہ لاہور بار دوم ۷۵ء
۹۔ انوار المحمدیہ فی سیرت المصطفویہ محمد ضیاء اللہ قادری قادری کتب خانہ سیالکوٹ ۱۳۹۶ھ
۱۰۔ انوار احمدی مولانا محمد انوار اللہ خاں الکتاب لاہور ۱۹۷۷ء
۱۱۔ خصائص الکبریٰ علامہ سیوطی اردو ترجمہ
۱۲۔ خطیب قرآن مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی سید شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۱۳۔ شمائل رسول یوسف بن اسماعیل النبہانی ترجمہ محمد میاں صدیقی المعارف لاہور
۱۴۔ مواہب اللدنیہ (قسطلانی)

لغات

۱۔ تاج العروس السید محمد مرتضےٰ الزبیدی جلد اول قاہرہ
۲۔ لسان العرب ابن منظور جلد اول القاہرہ
۳۔ جمہرۃ اللغت ابن درید طبع جدید جواہر حسنی قاہرہ ۱۳۵۱ھ
۴۔ القاموس المحیط مجد الدین فیروز آبادی طبع الخامسہ مصر ۱۹۵۲ء

۵۔ الصحاح الجوہری مرتب احمد عبدالغفور عطار مصر ۱۹۵۶ء

۶۔ مجمع بحار الانوار مولانا شیخ محمد طاہر (جلد ۳) نول کشور ۱۲۸۳ھ

۷۔ النھایہ فی غریب الحدیث والاثر ابن الاثیر الجزجانی قاہرہ ۱۹۶۳ء

۸۔ منتہی الارب مطبع مصطفائی ۱۸۹۷ء

۹۔ المعجم الوسیط ابراہیم مصطفےٰ، احمد حسن زیات وغیرہ تہران ۱۹۳۴ء

۱۰۔ معجم المعرب پنجاب ایڈوائزری بورڈ لاہور لاہور ۱۹۳۸ء

۱۱۔ معجم العربیہ محمد حسن الاعظمی حیدرآباد ۱۹۴۶ء

12. Dictionary Persian, Arabic and English, Francin Johnsōn.

13. Persian, English Dictionary, F. Stein gass. ۱۹۳۰ء لندن

۱۴۔ غیاث اللغات رزاقی پریس کانپور ۱۳۲۳ھ

۱۵۔ فرہنگ آنندراج محمد بادشاہ شاد (جلد ہفتم) مطبوعہ انتشارات کتابخانہ خیام ایران

۱۶۔ ہفت زبانی لغت مرتبہ مرکزی اردو بورڈ باراول لاہور ۱۹۷۴ء

۱۷۔ اردو لغت مقبول بیگ بدخشانی لاہور ۱۹۶۹ء

۱۸۔ پنجابی کوشں (گورمکھی پنجابی) جلد ۳ پٹیالہ ۱۹۶۷ء

۱۹۔ لغات الحدیث وحید الزماں کراچی

کتب حوالہ

۱۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند پنجاب یونیورسٹی لاہور

۲۔ المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ یوسف اسماعیل نبہانی (چار جلدیں) بیروت ۱۳۲۰ھ

۳۔ تقویم تاریخی عبدالقدوس ہاشمی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی ۶۵ء

۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

۵۔ البدایہ والنہایہ حافظ ابن کثیر جلد پنجم المعارف بیروت طبع اولیٰ ۱۹۶۶ء

۶۔ الشہیر الوافی بالوفیات صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفوی جلد اوّل

۷۔ نعت حضرت رسول اکرمؐ در شعر فارسی ضیاء الدین دہشیری تہران ۱۳۹۰ھ

۸۔ المدیح النبویؐ محمد یاسین اختر اعظمی اعظم گڑھ

کُلیّات

۱۔ کلیاتِ قلی قطب شاہ (مرتبہ ڈاکٹر زور) مجلس اشاعت دکنی مخطوطات حیدرآباد ۱۹۴۰ء

۲۔ کلیاتِ بحری (مرتبہ حفیظ)

۳۔ کلیاتِ سراج

۴۔ کلیاتِ ولی

۵۔ کلیاتِ میر (مرتبہ عبادت بریلوی) کراچی ۱۹۵۸ء

۶۔ کلیاتِ سودا مرتبہ عبدالباری آسی (دو حصے) نولکشور ۱۹۳۲ء

۷۔ کلیاتِ مومن

۸۔ کلیاتِ مصحفی مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن نقوی مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ۱۹۶۸ء

۹۔ کلیاتِ شبلی معارف پریس اعظم گڑھ طبع سوم ۱۹۴۵ء

۱۰۔ کلیاتِ محسن (محسن کاکوروی) یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ

۱۱۔ کلیاتِ اقبال (اردو) لاہور

۱۲۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) لاہور

۱۳۔ کلیاتِ میراں شاہ حضرت شاہ میراں شاہ لاہور

۱۴۔ کلیاتِ شیخ سعدی انتشارات محمد حسن علمی طہران ۱۳۳۸ھ

دیوان

۱۔ دیوان نعت سروری مفتی غلام سرور لاہوری لاہور ۱۳۰۱ھ

۲۔ دیوان حسّان بن ثابت (عکسی ایڈیشن) امجد اکیڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ

۳۔ دیوان البرعی فی الابتہالات والتضرعات الالٰہیۃ والاستعطافات والمدائح المحمدیہ (عبدالرحیم البرعی)
مصر ۱۳۶۶ھ

۴۔ دیوان کامل جامی مرتبہ ہاشم رضی انتشارات پیروز تہران ۱۳۴۱ھ

۵۔ دیوان نصرتی مرتبہ جمیل جالبی توسین تھورنٹن روڈ لاہور ۱۹۷۲ء

۶۔ دیوان شاہ نیاز مرتبہ شفیق بریلوی تنظیم خدام سلسلہ عالیہ نیازیہ کراچی

۷۔ فروغِ نبیؐ دیوان دیدار علی (اردو) منظور عام پریس لاہور ۱۳۴۸ھ

۸۔ دیوان شہیدی

۹۔ دیوان لطف

۱۰۔ دیوان تمنا

۱۲۔ دیوان بے کس جبلپوری

۱۲۔ دیوان فقیر فقیر حسین فقیر

۱۳۔ دیوان قصائد نظم طباطبائی مطبع اعظم جاہی حیدرآباد ۱۹۷۳ء

۱۴۔ دیوان گرامی

مثنویات

۱۔ اردو کی دو قدیم مثنویاں (از اسماعیل امروہی) مرتبہ نائب حسینی نقوی مجلس ترقی ادب لاہور اشاعت اول ۱۹۶۹ء

۲۔ قطب مشتری (وجہی ملّا اسد اللہ) مرتبہ مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو کراچی طبع ثانی ۱۹۵۳ء

۳۔ من لگن (بحری) مرتبہ محمد سخاوت مرزا انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۵ء

۴۔ پھول بن (ابن نشاطی) مرتبہ شیخ چاند ابن حسین انجمن ترقی اردو کراچی

۵۔ علی نامہ مرتبہ/ مقدمہ پروفیسر عبدالمجید صدیقی مجلس اشاعت دکنی مخطوطات حیدرآباد دکن ۱۹۵۹ء

۶۔ مخزن اسرار نظامی گنجوی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۲۲ء

۷۔ خسرو شیریں " "

۸۔ لیلیٰ مجنوں " "

۹۔ سکندر نامہ بری " "

۱۰۔ ہفت پیکر " "

۱۱۔ اردو مثنویوں کا ارتقاء عبدالقادر سروری صفیہ اکیڈمی کراچی ۱۹۶۹ء

۱۲۔ گلشن عشق (نصرتی)

۱۳۔ علی نامہ مرتبہ عبدالحق

۱۴۔ سحر البیان (میر حسن) مرتبہ و مقدمہ احسان الحق اختر لاہور

۱۵۔ حدیقہ سنائی (مولانا سنائی) نولکشور

۱۶۔ مثنوی مولانا روم تہران

نعتیہ / شعری مجموعے و کتب معاون

(ا)

آغا صادق	شاخ طوبیٰ	اسلامیہ پریس کوئٹہ ۵۳ء
ابو البرکات محمد عبد المالک	حسن البردہ فی شرح قصیدۃ البردہ	شیخ الاسلام اکیڈمی قصور ۱۳۹۳ھ
ابو الحسنات، محمد احمد قادری	طیب البردہ شرح القصیدہ البردہ	مکتبہ رحمانیہ سیالکوٹ ۱۳۹۳ھ
	ترجمہ کشف المحجوب (ابو الحسن سید علی بن عثمان الہجویری)	المعارف لاہور ۱۳۹۶ھ
ابو الحسن، مولوی	کامن دعوات مقبول مع اسماء اللہ و اسماء الرسول	۱۳۲۰ھ
ابو سلمان شاہجہان پوری	ارمغان آزاد	آزاد اکیڈمی کراچی اشاعت ثانی ۱۹۷۸ء
اثر صہبائی	بحضور سرورِ کائنات	کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور ۱۹۵۹ء
احمد الغازی الاندلسی عبد الرحمٰن	الوسائل المتقبلہ فی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مصر
احمد شوقی	الھمزیۃ النبویۃ (ترجمہ فارسی فیوض الرحمٰن)	مکتبہ العلمیہ لاہور ۱۳۸۹ھ
احمد علی اثر بالوری	عطرِ جذبات	مشہور آفسٹ پریس کراچی ۱۳۸۵ھ
اختر، سید اختر حسین	ترتیل	حلقہ اربابِ چشت ۱۳۸۴ھ
اختر الحامدی سید محمد مرغوب	نعت محل	مکتبۃ الرضا لاہور ۱۹۷۴ء
	انوارِ عقیدت	مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ۱۳۹۲ھ
	امام نعت گویاں	مکتبہ فریدیہ ساہیوال ۱۳۹۰ھ
اسلم جالندھری	عقیدت کے پھول	شوکت بکڈپو گجرات

اشرف علی تھانوی، مولانا	نشر الطیب فی ذکر النبی الطیب	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
ارشد القادری، علامہ	محمد رسول اللہ قرآن میں	مکتبہ فریدیہ ساہیوال بار سوم
اعظم چشتی، محمد	غذائے روح	ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۳ء
	نیر اعظم	حلقہ احباب اعظم لاہور ۷۰ء
احمد رضا خاں بریلوی، مولانا	ملفوظات	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
	حدائق بخشش	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
انجم وزیر آبادی، محمد جان	مینائے کوثر	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی ۱۳۸۰ھ
امیر مینائی	محامد خاتم النبیین	نولکشور لکھنو ۱۹۱۷ء
	خیابانِ آفرینش	
اکرام، الشیخ محمد	ارمغانِ پاک	ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی ۱۹۵۹ء
	آبِ کوثر	فیروز سنز لاہور
	موج کوثر	"
	رودِ کوثر	"
احمد حسین زیات	تاریخ ادب عربی (ترجمہ طاہر سورتی)	غلام علی اینڈ سنز لاہور
اعوان، ملک شیر محمد	مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری	مرکزی مجلس رضا لاہور بار چہارم ۱۹۷۶ء
انیس، میر	انتخابِ میر انیس	بزم انیس کراچی دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۳ء
اسماعیل شہید، مولانا	تقویت الایمان (مقدمہ غلام رسول مہر)	اہلِ حدیث اکادمی لاہور ۱۹۷۱ء
انصاری (محمد سعید)	گلدستۂ نعت	جیلانی کتب خانہ کانپور ۱۹۶۶ء
	بہارِ مدینہ	"
اقبال سہیل، اعظم گڑھی	عروجِ کوثر	لکھنو
	ارمغانِ حرم (مرتبہ افتخار اعظمی)	
ادیس	جنگ نامہ بدر	مطبع مجیدی کانپوری ۱۳۰۹ھ
اوج گیاوی، حافظ محمد یعقوب	لمعات اوج	شیخ مبارک علی لاہور
ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	لکھنؤ کا دبستان شاعری	اردو مرکز لاہور ۱۹۶۰ء
ھوالمغازی، فاروقی	شرح قصیدہ بانت سعاد	دائرہ مطبوعات ملیہ جونپور

احمد حسین امجد حیدر آبادی	رباعیات امجد	دکن دارالاشاعت کراچی
اصغر بلگرامی سید علی	حدیقۃ السلاطین	
احسن گیلانی، مناظر حسن	النبی الخاتم	لاہور
احمد علی کلانوری	بوستان نعت	فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۳۴۹ھ
احمد یار، مفتی	شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن	وزیر بک ڈپو کراچی
	محامد پیغمبری	نوری کتب خانہ لاہور
ابن حجر، عسقلانی	الاصابہ (چار جلدیں)	کلکتہ
اعجاز قدسی	سراپائے رسولؐ	مکتبہ فلاح انسانیت لاہور
اعجاز حسین، سید	مذہب و شاعری	اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۵۵ء
الم مظفر نگری	سدرہ و طوبیٰ	بک ورلڈ لاہور
امداد امام اثر	کاشف الحقائق	مکتبہ معین الادب لاہور ۱۹۵۶ء
امین گیلانی	دامان خیال	شیخوپورہ ۱۹۵۸ء
(ب)		
برنی، محمد الیاس	معروضہ	تاج اینڈ کمپنی لمیٹڈ
بیدم وارثی	دیوان بیدم	امین برادرز کراچی
	مصحف بیدم	خورشید بک ڈپو، لکھنؤ
بشیر زواری	خزینۂ نعت	ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۶۸ء
برکت علی، صوفی	تاجدار مدینہ	کتب خانہ مقبول لائل پور (فیصل آباد)
بیکل اتساہی	صہبائے نور	جیلانی کتب خانہ کانپور
	پیام رحمت	مکتبہ امجدی
بوصیری، امام	قصیدہ بردہ	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی ۱۹۵۷ء
باہو، سلطان	عقل بیدار	کشمیری بازار لاہور
بیدل بریلوی، حکیم محمد علی	میلاد شریف	نظامی پریس بریلی ۱۸۹۵ء

بدرامروہی، سید طفیل احمد	سلام قدس	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
بشیرالدین احمد	سوداکی قصیدہ نگاری	خدمت لمیٹڈ لاہور ۵۶
بہزاد لکھنوی	کفر وایمان	
	کرم بالائے کرم	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
	ثنائے حبیب	ادارہ فروغ اردو لکھنؤ ۱۹۵۴ء
	بستان بہزاد	کتب خانہ اردو دہلی
باقر علی، ہنر، مولوی منشی	نعت ہی نعت حصہ سوم	مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۳ھ
	نعت ہی نعت حصہ چہارم	″ ″ ″ ″

(ت)

تاراچند، ڈاکٹر	تمدن ہند پر اسلامی اثرات ترجمہ	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء
تجمل جلالپوری، سید تجمل حسین	سراج محفل جلد اول دیوان تجمل	مطبع نامی کریمی بمبئی ۱۳۲۵ھ
	چراغ بقا جلد دوم دیوان تجمل	″ ۱۳۶۶ھ
توکلی، علامہ نور بخش	قصیدہ بردہ (شرح)	نوری بک ڈپو لاہور
تہنیت النساء بیگم زور	ذکر و فکر	رفعت منزل حیدرآباد دکن ۱۹۵۵ء

(ٹ)

ٹرمنگھم، جے سپنسر	صوفی آرڈر ان اسلام	آکسفورڈ ۱۹۷۱ء

(ث)

ثاقب زیروی	شہاب ثاقب	پاکستان کوآپریٹو بک سوسائٹی کراچی ۶۱ء
ثمر عبدالکریم	شعر و الہام	مکتبہ عرفان اچھرہ لاہور ۶۲ء
	لوح و قلم	مکتبہ نوائے وقت لاہور
	شاخ سدرہ	آئینہ ادب لاہور

(ج)

جعفری، رئیس احمد	اقبال اور عشق رسولؐ	کتاب منزل لاہور
جگر مرادآبادی	شعلۂ طور	ادارہ فروغ اردو لاہور
	یادگار جگر	آئینہ ادب لاہور

جلال، علاؤ الدین	گلدستۂ فیضانِ رسولؐ	میرٹھ
جمیل، جمیل الدین احمد	گلدستۂ نعت	مطبع المطابع دہلی
جلال الدین احمد جعفری، حافظ	تاریخ قصائدِ اردو	شرکت مصنفین لاہور
جے ایس سنت سنگھ لاہور	ہارمونیم ٹیچر یعنی ہارمونیم گائیڈ	لاہور ۱۹۲۴ء
	بہارِ خلد	لاہور
جالبی، جمیل	تاریخ ادب اردو جلد اوّل	مجلس ترقی ادب لاہور
	مثنوی قدم راؤ پدم راؤ	انجمن ترقی اردو کراچی

(ح)

حالی، مولانا الطاف حسین	مسدسِ مدّ و جزرِ اسلام	تاج اینڈ کمپنی لمیٹڈ لاہور
	مقدمہ شعر و شاعری (مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی)	لاہور
حافظ لدھیانوی	ثنائے خواجہ بار دوم	فیصل آباد ۱۹۷۸ء
	نشید حضوری بار اوّل	لاہور ۱۴۰۰ھ
حسن رضا خاں بریلوی	ذوقِ نعت	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
حسن سیفی، غلام حافظ	دیوانِ مقبول حبیب (حصہ اوّل)	دہلی
حفیظ تائب	صلو علیہ و آلہٖ	سیرت مشن لاہور ۱۹۷۸ء
حمید شاہ صابر بخاری، سید	باغِ رسولؐ	ملک بشیر احمد تاجر کتب لاہور
	کوئے مدینہ	ملک آرٹ پبلشرز لاہور
حفیظ جالندھری	شاہنامہ اسلام (چار حصے)	ایوان اردو لاہور
حمید صدیقی، زائرِ حرم	گلبانگ حرم	نامی پریس لکھنؤ

(خ)

خادم، سید امداد علی	غنچۂ وحدت (حصہ دوم قوالی)	لاہور ۱۹۲۶ء
خالد، عبدالعزیز	حمطایا	مقبول اکیڈمی لاہور
	ماذ ماذ	

	متمنّا	
	فارقلیط	
خواجہ بک ڈپو لاہور (مرتب)	سوانح خواجہ دل محمد	لاہور
خلیل الرحمٰن ہیلی بیتی حافظ	آئینہ پیغمبرؐ	نظامی پریس بدایوں ۱۳۳۰ھ
(د)		
داؤدی، خلیل الرحمٰن	اردو کی قدیم منظوم داستانیں	مجلس ترقی ادب لاہور
درد کاکوروی	سرورِ کائناتؐ	آئینہ ادب لاہور
(ذ)		
ذکی کاکوروی	تجلیات	نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۷۳ء
ذبیح اللہ صفا	گنج سخن حصہ اول و دوم	دانشگاہ تہران ۱۳۳۹ھ
ذکریا، مولانا	فضائل درود شریف	کلام اکیڈمی
(ر)		
راغب مرادآبادی	خیر البشر	سفینہ اکیڈمی کراچی ۱۹۷۹ء
راسخ عرفانی	حسنِ کلام	مکتبہ نور گوجرانوالہ
	ذکرِ خیر	״
	غبارِ حجاز	״
رضا کالیداس گپتا	متعلقاتِ غالب	ومل پبلیکیشنز بمبئی ۱۹۷۸ء
رحیم امرتسری	گلدستۂ عقیدت	لائل پور (فیصل آباد)
رؤف امروہی	کوثرِ رحمت	الجمعیۃ پریس دہلی ۱۹۷۶ء
(ز)		
زکی مبارک، ڈاکٹر	المدائح النبویہ فی الادب العربی	مصطفےٰ البابی الحلبی قاہرہ ۱۳۵۴ھ
زیات، احمد حسن	تاریخ ادب عربی (ترجمہ طاہر سورتی)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
زور، ڈاکٹر محی الدین	دکنی ادب کی تاریخ	سندھ اکیڈمی ستمبر ۱۹۶۹ء
(س)		
سہارنپوری، اسرار احمد خاں	ادب اور اسلامی قدریں	مکتبہ چراغ کراچی ۱۹۶۰ء

ساجد صدیقی لکھنوی	صہبائے حرم (بار سوم)	لکھنؤ ۱۹۷۵ء
ساحر صدیقی	جام حیات (مرتبہ ارشد قریشی)	مکتبہ خیال لاہور ۱۹۶۴ء
سید عبداللہ ڈاکٹر	سخن ور	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۷۶ء
سیف زلفی	روشنی	حلقہ اہل قلم لاہور ۱۹۷۸ء
سلطان احمد، حافظ	مشہور غزلیات المعروف بہ نغمہ بہار جاوید (حصہ دوم)	مطبع حمیدیہ لاہور
سائر صدیقی	سبز گنبد	ٹیکنیکل پبلشرز لاہور ۱۹۷۲ء
ساجد صدیقی	مقبول کلام	مکتبہ دینی ادب لکھنؤ
سکندر لکھنوی	سیماب رحمت	ناظم آباد کراچی
	ارمغان حرم	″
	قاسم خلد	″
سہیل بنارسی	عرفان	انجمن شعرائے اہل بیت پاکستان لاہور ۱۹۶۷ء

(ش)

شہابی، مفتی انتظام اللہ	ظہور قدسی میلاد نامہ منظوم	قرآن محل کراچی
شکیل بدایونی	نغمہ فردوس	شفاعت بکڈپو لکھنؤ ۱۹۷۶ء
شبنم سمانی	قوس قزح	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور
شیر محمد زندی	شان مصطفٰےؐ	مکتبہ فریدیہ لاہور
	مقام مصطفٰے	ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور
شرقی، محمد عبدالعزیز	فیوض الحرمین	ماڈل ٹاؤن لاہور
شمس بریلوی	کلام رضا کا تحقیقی جائزہ مع حدائق بخشش	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۶ء
شہید، غلام امام	مولود شریف شہید	مطبع انوار محمدی کراچی
شیرانی، حافظ محمود	پنجاب میں اردو	مکتبہ معین الادب لاہور

شفیق بریلوی	ارمغان نعت	مرکز علوم اسلامیہ کراچی
(ص)		
صائم چشتی	روح کائنات	چشتی کتب خانہ لائل پور ۱۹۷۷ء
	آں خنک شہرے	〃 ۱۹۸۰ء
صولت علوی	بہشتی نغمے (نعتوں کا گلدستہ)	بمبئی ۱۹۷۴ء
صدیقی ابواللیث	لکھنو کا دبستان شاعری	اردو مرکز لاہور ۱۹۶۷ء
صفدر حسین سید، ڈاکٹر (مرتبہ)	قندیل حرم بیان یزدانی مرحوم	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۴ء
صبا متھراوی	دربار رسالتؐ میں	مکتبہ اردو ادب کراچی
صفی حیدر دانش	تصوف اور اردو شاعری	سندھ ساگر اکیڈمی ۱۹۴۸ء
ضیاء الدین دہشیری	نعت رسول اکرمؐ در شعر فارسی	تہران ۱۳۹۰ھ
(ض)		
ضیاء القادری	نغمہ ربانی	آستانہ بکڈپو دہلی ۱۹۶۴ء
	دربار نبیؐ	مکتبہ احیائے العلوم الشرقیہ لاہور
(ظ)		
ظفر علی خاں	خیالستان	مکتبہ کارواں لاہور
	بہارستان	〃
	ارمغان قادیاں	〃
	حبسیات	〃
ظہور الدین احمد، ڈاکٹر	نیا ایرانی ادب	یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور ۱۹۶۷ء
ظہوری، محمد علی	نوائے ظہوری	گجرات بار سوم ۱۹۷۷ء
(ع)		
عارف فضل احمد	انوار بردہ	ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۴ء
	برکات بردہ	نذیر سنز لاہور
عابد خورشید احمد	جلوؤں کی سحر	مکتبہ فروغ ادب لائل پور ۱۹۷۸ء

عنایت، کفایت اللہ خاں	وادیٔ بطحیٰ	اردو پریس لاہور ۱۹۵۹ء
عاصی کرنالی	مدحت	شیخ اکیڈمی لاہور ۱۹۷۶ء
عبد اللہ عباسی ندوی	عربی میں نعتیہ کلام	میزان ادب کراچی ۱۹۷۸ء
عثمان احمد قاسمی جونپوری	ہدیۂ عثمانی	علمی کتاب گھر جونپور ۱۳۹۱ھ
عبد الحق مولوی	چند ہمعصر (مرتبہ شیخ چاند)	لطیفی پریس دہلوی
	اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام	انجمن ترقی اردو کراچی
عزیز لکھنوی	صحیفۂ ولا	صدیق بک ڈپو لکھنو
عزیز اللہ صفی پوری	طور تجلی	مطبع اعجاز محمدی لکھنو ۱۳۲۳ھ
عزیز حاصل پوری	جامۂ نور	آئینہ بک ڈپو لاہور
عطار محمد اشرف خاں	جمخانۂ یثرب	ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور

(غ)

غالب، میرزا اسد اللہ خاں	قطعات و رباعیات مرتبہ غلام رسول مہر	مجلس یادگار غالب لاہور ۱۹۶۹ء
	قصائد و مثنویات 〃	〃 〃
	غزلیات فارسی (سید وزیر الحسن عابدی)	〃 〃
غافل کرنالی	قندیل حرم	علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۲ء
غلام محی الدین قصوری	تحفہ رسولیہ	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۳۵ء
غلام حسین، ذوالفقار	اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر	جامعہ پنجاب لاہور ۱۹۶۶ء
	ظفر علی خاں	مکتبہ خیابان ادب لاہور
غلام سرور لاہوری	تحفہ سروری	نولکشور لکھنو ۱۸۸۱ء
	نعت سروری	

(ف)

فضل حق	مہر عرب	فیروز سنز لاہور ۱۹۷۵ء
	آہنگ حجاز	〃 〃

فیروز سنز (مرتب)	نعت رسولؐ	فیروز سنز لاہور ۱۹۷۵ء
فانی مراد آبادی	ہندو شعراء کا نعتیہ کلام	عارف پرنٹنگ پریس (فیصل آباد) لائلپور
فضل الدین ملک (مرتبہ)	بہار شرب / در بہار شرب / گلزار شرب	ملک فضل الدین ککے زئی۔ لاہور
فرمان فتح پوری	اردو میں نعتیہ شاعری	آئینہ ادب لاہور
	اردو کی منظوم داستانیں	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۷۱ء
(ق)		
قادری، جمیل الرحمٰن	قبالۂ بخشش	بریلی ۱۳۴۱ھ
قمر سلیمان	نور خراماں	چمن گنج کانپور
قیوم نظر	نعت مصطفےٰؐ	اردو بک سٹال لاہور
قادری، حامد حسن	داستان تاریخ اردو	
قادری، سید نور محمدؐ	اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	مرکزی مجلس رضا ۱۳۹۵ھ
قائد شرقپوری	گلدستۂ رحمت	
قادری بادشاہ	مدح پیغمبر اللہ	مطبع نامی مدراس ۱۹۲۴ء
	نعت خیر البشر	۱۹۲۵ء
قمر یزدانی	خمخانۂ محمد	
قمر انجم	حسنت جمیع خصالہ	نعت کونسل کراچی
(ک)		
کاوش فیاض احمد	نور و نکہت	اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ ۱۹۷۹ء
کیفی، ابوالکیف	صلی علی محمدؐ	پشاور
کوثر نیازی	زر گل	فیروز سنز لیمٹڈ لاہور
کنور اندر سہلے	بزم طرب	اسٹیم پریس آگرہ
کنور گوری پرشاد	گلدستۂ بزم نشاط	ابوالعلائی پریس آگرہ
	گلدستۂ بزم راحت	//
کوکب، عبدالغنی قاضی (مرتبہ)	مقالات یوم رضا	دائرۃ المصنفین لاہور
کاظمی، سید احمد سعید شاہ	میلاد النبیؐ	مکتبہ فریدیہ ساہیوال

(گ)

گرامی، غلام قادر	رباعیات گرامی	شیخ مبارک علی لاہور
گوہر، مولانا غلام رسول نقشبندی قدس سرہ	احسن الکلام گوہر نظام	قصور

(م)

ماہر القادری	ذکر جمیل	نفیس اکیڈمی دکن
	فردوس	مکتبہ چراغ راہ لاہور
محمد مسعود احمد	عاشق رسولؐ	مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۷ء
مخمور اکبر آبادی	سرود صنوبر	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۱ء
مجبور، سید منظور احمد	بام عرش	تاج کمپنی لاہور ۱۹۶۹ء
منور بدایونی	منور نعتیں	اقبال بک ہاؤس کراچی ۱۹۶۳ء
مسرور کیفی	ملجا و ماوا	ادارہ فروغ ادب کراچی ۱۹۸۰ء
مظفر وارثی	باب حرم	آئینہ ادب لاہور ۱۹۷۹ء
محشر رسول نگری	فخر کونینؐ	پنجاب بک ڈپو لاہور طبع دوم ۱۹۹۲ء
مجذوب، عزیز الحسن	کشکول مجذوب	سہارنپور ۱۳۶۹ھ
محمود الٰہی، ڈاکٹر	اردو قصیدہ نگاری کا جائزہ	مکتبہ جامعہ ملیہ نئی دہلی ۱۹۷۳ء
محبوب، زینت بی بی	گلبن نعت	مطبع مصطفائی لاہور ۱۳۱۲ھ
محمد مسعود خاں حافظ (مرتب)	نعت ہی نعت حصہ اول	مجیدی پریس کانپور
محمد داؤد (مرتب)	نعت ہی نعت حصہ دوم	مطبع رزاقی کانپور ۱۳۲۳ھ
ممتاز گنگوہی	گلشن مناقب کا	سلیم پریس آگرہ
محمد یاسین اختر اعظمی مصباحی	المدیح النبویؐ	جامعہ اشرفیہ مبارک پور (اعظم گڑھ) ۹۷۹
محمد حسن عسکری	ستارہ یا بادبان	مکتبہ سات رنگ لاہور
ممتاز حسن	خیر البشرؐ کے حضور	ادارہ فروغ اردو لاہور

(ن)

نور محمد انور	تنویرات	کالاباغ میانوالی
نور الحسن مودودی	نغمات سماع	نظامی پریس بدایوں
نصرت بیگم عبدالرشید	دعائے نیم شبی	بہاولپور
	آہ سحر گاہی	لاہور
نصیر ملکی (مرثیہ)	راوی دیاں چھلاں	گورنمنٹ کالج لاہور
ندوی، شاہ معین الدین احمد	ادبی نقوش	لکھنؤ ۱۹۶۰ء
نظمی مہدی	رحل نظر	انڈیا ۱۳۸۸ھ
	پیغمبر عالم	ہندوستان پبلیکیشنز نازی آباد ۱۹۷۶ء
نیازی، عبدالستار	یا حبیبی مرحبا	
نوری، انیس احمد	مجموعۂ نعت (حصہ اول و دوم)	
نبہانی، یوسف اسماعیل	الدلالات الواضحات	مصطفےٰ البابی قاہرہ ۱۹۵۵ء
نظامی، سید رکن الدین دہلوی	حیات خسرو	کتب خانہ محبوبی دہلی ۱۳۶۰ھ
نظیر لدھیانوی	شعر حسن	رضا پبلیکیشنز لاہور ۱۳۹۷ھ
ندوی، عبدالسلام	شعر الہند	اعظم گڑھ ۴ ۱۹۵ء
نفیس خلیلی	قدسی	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

(و)

وارث جیلانی	گلدستۂ عقیدت قصیدہ نعتیہ	مکتبہ لالہ زار فیصل آباد جدید و ۱۹۵۳ء
وارث میرٹھی، صوفی	میلاد اکبر مع اضافہ جدید کلام	
	باغ کلام اکبر عرف دیوان اکبر	ہندوستان پریس لکھنؤ ۱۳۲۵ھ
	ریاض اکبر	بلالی سٹیم پریس ہوڑہ
	گلستان اکبر	دہلی
	معراج نامہ کلاں معروف بہ معراج تجلی	دہلی ۱۳۳۹ھ

(ہ)

ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان	کشف المحجوب (اردو ترجمہ ابوالحسنات)	المعارف لاہور ۱۳۹۶ھ

ہلال جعفری | جانِ رحمت | دانش کدہ اوصاف ملتان
طلوعِ سحر | //
معراج مصطفےٰ | //

ہاشمی، نصیر الدین | قدیم اردو (دکھنی) کے چند تحقیقی مضامین
دکن میں اردو
دکنی کلچر | مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۱۳ء

(ی)

یٰسین اختر مصباحی | امام احمد رضا | نفیس اکیڈمی کراچی

جرائد کے خاص نمبر

۱۔ ہفت روزہ سیر و سفر۔ نعت نمبر ملتان اگست ۱۹۶۳ء

۲۔ صریر خامہ نعت نمبر شعبہ اردو جامعہ سندھ ۱۹۷۸ء

۳۔ ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر لاہور جنوری فروری ۱۹۸۱ء

۴۔ ماہنامہ فاران کراچی سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۶ء

۵۔ سیرت پاک (انتخاب مضامین ماہ نو کراچی) ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی ۱۹۶۶ء

۶۔ محدث رسول مقبول نمبر ۲ جلد ۶ عدد ۳، ۴ ربیع الاول و الآخر لاہور ۱۳۹۶ھ

۷۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور جلد ۲ شمارہ ۵ ۵ رسول نمبر دو جلدیں نومبر ۱۹۷۳ء

۸۔ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد ربیع الاول ۱۳۹۹ھ (سیرت نمبر)

۹۔ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد سیرت نمبر ربیع الاول ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء

۱۰۔ صریر خامہ قصیدہ نمبر جامعہ سندھ ۶۸-۶۷

۱۱۔ مہک (نذرانۂ عقیدت بحضور سرورِ کونین) گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ ۱۹۸۰ء

۱۲۔ ماہنامہ 'محفل' لاہور خیر البشر نمبر مارچ ۱۹۸۱ء

۱۳۔ ماہ نامہ 'ماہِ نو' (خصوصی شمارہ، مسلم فن و ثقافت نمبر) لاہور مئی ۱۹۸۰ء

۱۴۔ ماہنامہ تحریریں لاہور خالد نمبر ۳ حصے

۱۵۔ ماہنامہ سیارہ لاہور عبدالعزیز خالد نمبر ۲ حصے

۱۶۔ ماہنامہ فاران کراچی ماہر القادری نمبر دسمبر ۷۸ء

۱۷۔ ترجمان اہل سنت جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر کراچی

۱۸۔ ادب لطیف (غالب نمبر)
۱۹۔ الفرقان زبورہ (نعت نبوی نمبر) دسمبر ۱۹۹۵ء

عمومی اشاعتیں

۱-۳۔ ماہنامہ اوقاف اسلام آباد اکتوبر ۷۸ء / اگست ۷۸ء / جنوری ۷۸ء

۴۔ ماہنامہ فنون لاہور اکتوبر نومبر ۷۷ء

معارف اعظم گڑھ دسمبر ۵۶ / مارچ ۷۸ / اپریل ۷۸ء

۵۔ روزنامہ حریت کراچی ۷۶ء

فہارس

۱۔ قاموس الکتب جلد اول انجمن ترقی اردو کراچی

۲۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن فواد الباقی عکسی ایڈیشن سہیل اکیڈمی لاہور

۳۔ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبویؐ جز ۶ بیرٹن ۱۹۶۷ء

۴۔ سیرت رسولؐ مرتبہ شیخ مبارک محمود پانی پتی نیشنل بک سنٹر پاکستان لاہور ۱۹۷۳ء

۵۔ ماہنامہ "کتاب نما" مرتبہ سید فرحت حسین) اپریل ۷۶ء مکتبہ جامعہ ملیہ نیو دہلی

۶۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو جلد پنجم حیدرآباد دکن ۱۹۵۹ء

۷۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ ، مطبع ابراہیم ۱۹۶۱ء

۸۔ مکمل فہرست ریکارڈ ہنماسٹرز وائس و کولمبیا (دسمبر ۷۵ء) کراچی ۵۸ء

9. Record Catalogue upto Dec.1976. EMI کراچی ۷۷ء

۱۰۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو مرتبہ افسر صدیقی امروہوی چار جلدیں انجمن ترقی اردو کراچی

۱۱۔ فہرست لائبریری مطبوعہ دو حصے گورنمنٹ اسلامیہ کالج فیصل آباد

حواشی

ریختہ

9. Record Catalogue(Urdu) Dec 1966.

پہلا باب

(النعت كالمنع) أي في كونه مفتوح العين في الماضي والمضارع (الوصف) نعت الشيء بما فيه وتبالغ في وصفه والنعت ما نعت به نعته ينعته وصفه ورجل ناعت من قوم نعات قال الشاعر - أنعتها اني من نعاتها - وفي صفته صلى الله عليه وسلم يقول ناعته - لم أر قبله ولا بعده مثله قال ابن الاثير النعت وصف الشيء بما فيه من حسن ولا يقال في القبيح الا أن يتكلف متكلف فيقول نعت سوء، والوصف يقال في الحسن والقبيح - قلت وهذا أحد الفروق بين النعت والوصف وان صراح الجوهري، والفيومي وغيرهما بترادفهما ويقال النعت بالحلية كالطويل والقصير والصفة بالفعل كضارب وقال ثعلب النعت ما كان خاصا بمحل من الجسد كالأعرج مثلا والصفة للعموم كالعظيم والكريم فالله تعالى يوصف ولا ينعت (كالانتعات) يقال نعت الشيء وانتعته اذا وصفته وجمع النعت نعوت قال ابن سيده لا يكسر على غير ذلك (و) النعت من كل شيء جيده وكل شيء كان بالغا تقول هذا نعت أي جيد قال الازهري و (الفرس) النعت (العتيق السابق) الذي يكون غاية في العتق والسبق بالفتح والنعيت والنعتيه) كل ذلك بمعنى العتيقة وفرس منتعت اذا كان موصوفا بالعتق والجودة والسبق قال الاخطل

اذا غرق الال الاكام علونه - منتعتات لا بغال ولا حمر

والمنتعت من الدواب والناس الموصوف بما يفضله على غيره من جنسه وهو مفتعل من النعت يقال نعته فانتعت كما يقال وصفته فاتصف وقد غفل ان

ذلک شیخنا فجعل قول المصنف العتیق السابق من غرائبہ مع کونہ موجودا فی دواوین اللغۃ وأمہاتہا واختلف رأیہ فیما بعدہ من قولہ والنعتۃ الی آخرہ وجعل عبارۃ المصنف قلقۃ والحال أنہ لاقلق فیہا علی مافسرنا والصحت من غیر عسر فیہا (وقد نعت) الفرس (ککرم نعاتۃ) اذا عتق ونعت الانسان ککرم نعاتۃ اذا کان النعت لہ خلقۃ وسجیۃ فصار ماہرا فی الاتیان بالنعوت قادرا علیہا کذا فی المصباح (وأما نعت کفرح) بنعت نعتا (فللتکلف ٣) فعرف من ذلک ان نعت من المثلثات باختلاف المعنی وقال شیخنا فی ہذا الاخیر انہ غریب لان فعل المکوریس مما یدل علی التکلف لکنہ جاء کانہ موضوع لذلک من غیر الصیغۃ (واستنعتہ استوصفہ) ہو فی التہذیب (و) قال ابن الاعرابی (أنعت) الرجل اذا حسن وجہہ حتی ینعت) أی یوصف بالجمال (والنعیت) الرجل الکریم الجید السابق والمسمی بہ (شاعران النعت بن عمرو بن مرۃ الیشکری والنعیت الخزاعی واسمہ أُسید (و) النعیت (رجل) آخر (من بنی سامۃ بن لوی) ذکرہ أبوفراس وہو النعیت بن سعید السامی (و) تقول (عبدک أو أمتک نعتیہ بالضم أی غایتہ فی الرفعۃ) وعلو المقام وہو مأخوذ من قولہم فرس نعتیہ اذا کان عتیقا وقد تقدم وعبارۃ الاساس وعبدک نعت وأمتک نعتۃ وقیہ وہو منعوت بالکرم وبخصال الخیر ولہ نعوت ومناعت جمیلۃ وتقول حرامنابت حسن المناعت ووشی ٤ نعت جید بالغ انتہی (وناعتون أو ناعتین ع) واقتصر علی الاول فی الصحاح وفی اللسان وقول الراعی۔

حیّ العیار دیارام بشیر - بنویقتین فشاطئ التسریر

انما اراد ناعتین فصغرہ تاج العروس (الزبیدی) جلد اوّل، ص ٥٩٣۔

٢۔ الصحاح (جوہری)، ص ٢٦٩۔

٣۔ لسان العرب (ابن منظور)، جز اوّل، ص ٥٠٤۔

٤۔ تاج العروس (سید مرتضیٰ الزبیدی)، جلد اول، ص ٥٩٣۔

٥- النهايہ فی غریب الحدیث والاثیر (ابن اثیر)، جلد ٥، ص ٧٠۔

٦- مسند ابن حنبل ۔۔۔ قال فیہا حت علی النعت المکروہ (جلد پنجم، ص ٣٢٤) میں بُرے وصف کے لئے نعتِ سوء کی بجائے نعت مکروہ کے لفظ بھی ملتے ہیں۔ اس حدیث کو دارمی نے (طلاق: ٢٧) اور ابن ماجہ نے (سنن ابن ماجہ طلاق: ٢٧) میں نقل کیا۔

٧- تاج العروس (سید محمد مرتضیٰ الزبیدی)، جلد اوّل، ص ٥٩٢

٨- الصحاح (ص ٢٦٩) القاموس المحیط (جز اوّل، ص ١٥٩) صراح (ص ٦٩) منتہی العرب (ص ١٨٦٧) فاکسقہ البستان (ص ١٥٠٧) المعجم الوسط (ص ٩٤١) معجم العربیہ (ص ١١٢١) المعجم الاعظم (ص ٣٤٣٩) الرائد (ص ١٥١٢) المنجد (ص ١٢٩٣) جلد دوم ص ٢٢) القاموس العصری (ص ١٦٧) تاج العروس (جز اوّل، ص ٥٩٣) لسان العرب (جز اوّل ص ٤٠٥) لغات الحدیث (ص ٨٩، جلد ششم)۔

٩- تاج العروس (الزبیدی) جلد اول، ص ٥٩٢۔

١٠- المعجم المفہرس لا الفاظ الحدیث النبوی، ص ٤٨٣-٤٨٤ (ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں)۔

١١- سنن دارمی (ابو محمد عبد اللہ)، جز اوّل، ص ٦۔

١٢- النہایہ فی غریب الحدیث والاثر (ابن اثیر)، جزء پنجم، ص ٧٩۔

١٣- مجمع بحار الانوار (مولانا شیخ محمد طاہر)، جلد سوم، ص ١ تا ٣۔

١٤، ١٥، ١٦، ١٧۔ کشف المحجوب (شیخ علی ہجویری) ترجمہ ابو الحسنات، محمد احمد قادری، ص ١٠٥، ١٠٧، ١٢١۔

١٧- کشف الظنون (حاجی خلیفہ)، جلد اول۔

١٨- فرہنگ۔ آموزگار (حبیب اللہ آموزگار)، ص ٤٧٧۔

١٩- منتخب اللغات (حاشیہ غیاث اللغات)، ص ٥٠٢۔

۲۰۔ فرہنگ۔ آنند راج (محمد بادشاہ) جلد ہفتم، ص ۴۳۵۶۔

۲۱۔ گنج سخن (دکتر ذبیح اللہ صفا)، جلد اول، ص ۶۰۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴۱ ۲۔

۲۳۔ تذکرۂ شعرائے کشمیر، ص ۱۴۱ ۴۔

۲۴۔ نعت حضرتِ رسول اکرم در شعر فارسی (سید ضیا الدین دہشیری) ص ۵۔

۲۵۔ جامع اللغات ص ۱۶ ۷، الغات کشوری ص ۲۰۱، فرہنگ۔ عامرہ ص ۶۵۸۔

۲۶۔ نور اللغات (مولوی نورالحسن نیر کاکوروی)، جلد چہارم، ص ۶۸۱۔

۲۷۔ اُردو کی قدیم منظوم داستانیں (مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی)، جلد اول، ص ۳۷۶۔

۲۸۔ پنجابی زبان میں البتہ حافظ شمس الدین (متوفی ۱۹۰۲ء) کی "نعت موسٰی" کے نام سے ایک نظم کا ذکر ملتا ہے۔ جس میں موسٰی علیہ السلام کے واقعات اور توصیف و منقبت کا بیان ہے بحوالہ راوی دیاں چھلاں ——— (مرتب نصیر ملکی)، ص ۱۱۳۔

۲۹۔ اردو لغت (مرزا مقبول بیگ بدخشانی)، ص ۴۲۷۔

۳۰۔ آہنگ۔ حجاز (چودھری فضل حق)، ص ۷۔

۳۱۔ اختر شیرانی اور جدید اُردو ادب (ڈاکٹر یونس حسنی) ص ۲۵۲۔

۳۲۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)، ص ۲۱۔

۳۳۔ خیر البشر کے حضور میں (ممتاز حسن)، ص ۱۵۔

۳۴۔ بال جبرئیل (علامہ اقبال)، ص ۱۱۳، کلیات اقبال اردو، ص ۴۰۵۔

۳۵۔ بال جبرئیل (علامہ اقبال)، ص ۲۲، کلیاتِ اقبال اُردو، ص ۳۱۴۔

۳۶۔ بانگِ درا (علامہ اقبال)، ص ۱۹۷، کلیات اقبال اردو، ص ۱۹۷۔

۳۷۔ بھارت میں اُردو کی نعتیہ شاعری (سید رفیع الدین اشفاق)، ص ۳۱۔

۳۹۔ شمائل ترمذی میں اس روایت سے پہلے والی روایت کے آخر میں بھی یہی

ٹکڑا حضرت علی رضؓ کے حوالے سے ملتا ہے۔ اسے نافع ابن جبیر نے روایت کیا ہے۔ شمائل ترمذی (ترجمہ مولانا ذکریا) ص ۱۶۔

۴۰۔ مسند ابن حنبل، ص ۳۲۸ و ص ۴۴۸، جلد دوم و ص ۱۷۲ جلد سوم۔ ابو داؤد، ص ۲۷، جلد اوّل، جامع ترمذی، ص ۵۶، جلد چہارم وغیرہ۔

۴۱۔ سنن۔ دارمی، جلد اوّل، ص ۶۔

۴۲۔ خصائص الکبریٰ (سیوطی)، ص ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۶، ۱۷،

۴۳۔ انوار محمدیہ فی سیرۃ المصطفویہ (محمد ضیاء اللہ قادری)، ص ۲۰۹ بحوالہ تفسیرین جلالین، ص ۱۴، تفسیر نیشاپوری، ص ۳۲۷، جلد اوّل، سراج المنیر، ص ۲۷، مدارک ص ۴۷، جلد اوّل، ابو المسعود ص ۳۹۲، جلد اوّل، جامع البیان ص ۱۶۔

۴۴۔ عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں
دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں
حدائق بخشش (مولانا احمد رضا خاں) حدائق بخشش، ص ۳۵۔

۴۵۔ مضمون ’’آداب نبویؐ‘‘ (شمیم احمد)، سیرت پاک، ص ۸۶۔

۴۶۔ اردو شعراء پر تنقیدیں (امیر حسین خان نظیر لدھیانوی) ص ۴۲۵۔

۴۷۔ در قصنامک ذکر کی (راجا رشید محمود)، ص ۱۲۶۔

۴۸۔ خیر البشر کے حضور (ممتاز حسین)، ص ۱۵۔

۴۹۔ اسی طرح حمد کے ضمن میں نعت کی ضرورت و اہمیت کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ بقول مولانا انور شاہ کشمیری۔

قہوہ حمد را مزد انور   دارچینی ز نعت پیغمبر

جب یہ شعر ایک مجلس میں امیر شریعت کی موجودگی میں پڑھا گیا تو فرمانے

لگے "اس سے معلوم ہوا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعتِ رسولؐ نہ کہی جائے"۔ انوارِ احمدی (مولانا محمد صاحب لدھیانوی)، ص ۱۱۳۔

۵۰۔ شانِ مصطفیٰ (شیر محمد ترمذی)، ص ۵۶۔

۵۱۔ الملفوظ (مولانا احمد رضا بریلوی)، حصہ دوم، ص ۴۔

۵۲۔ شاخ۔ سدرہ عبدالکریم ثمر، ص ۶۔

۵۳۔ بام۔ عرش (منظور احمد مہجور)، ص ۴، (دیباچہ)۔

۵۴۔ لکھنؤ کا دبستان۔ شاعری (ابواللیث صدیقی)، ص ۴۴۵۔

۵۵۔ اُردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر (ڈاکٹر اے۔ ڈی نسیم (مقالہ پی ایچ ڈی)، ص ۲۹۱۔

۵۶۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)، ص ۱۲۔

۵۷۔ نعتِ مصطفیٰؐ (قیصر قاسمی)، ص ۱۰۔

۵۸۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری)، ص ۱۱۳، جلد ۲۔

۵۹۔ ہفت روزہ چٹان، ۶ نومبر ۶۷ء، ص ۱۷۔

۶۰۔ فنِ شعر اور شعرا پر تنقید (اصغر حسین نظیر لدھیانوی)، ص۔

۶۱-۶۲۔ ورفعنا لک ذکرک (راجہ رشید محمود (ص ۱۱۸، ص ۱۲۳)۔

۶۳۔ آہنگ حجاز (چوہدری فضل حق)، ص ۱۱۔

۶۴۔ یہ شعر آسی غازی پوری کا ہے جو ایک صوفی شاعر تھے اور جنہیں دبستان ناسخ کا میر کہا جاتا ہے۔ بحوالہ مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی (بشیر احمد قادری)، مقالہ ایم۔ اے پنجاب یونیورسٹی۔ ص ۱۳۰،

۶۵۔ ادبی نقوش (شاہ معین الدین احمد ندوی)، ص ۲۸۶۔

۶۶۔ فاران، سیرت نمبر، ص ۲۸۰۔

۶۷۔ خیر البشرؐ کے حضور (ممتاز حسن)، ص ۲۰۰۔

۶۸۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعت گوئی (بشیر احمد قادری)، مقالہ ایم اے ص ۴۴

۶۹۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق)، ص ۱۰۳۔
۷۰۔ خیر البشر کے حضور میں (ممتاز حسن)، دیباچہ۔
۷۱۔ ارمغان نعت (شفیق بریلوی)، ص ۳۶۔
۷۲۔ عبد الحق، ڈاکٹر، مولوی۔ چند ہم عصر، ص ۳، بار اول۔
۷۳۔ ممتاز حسین (خیر البشر کے حضور)، ص ۱۷۔
۷۴۔ سحر البیان (میر حسن)، ص ۱۳۰۔
۷۵۔ کلیات سودا، جلد دوم، ص ۸۶۔
۷۶۔ حنفی لائل پور (اعلیٰ حضرت نمبر) اپریل ۷۳ء، ص ۲۴۔
۷۷۔ چند ہم عصر، مولوی عبد الحق، ص ۴۔
۷۸۔ اردو شاعری کا مذہبی و فلسفیانہ عنصر (اے۔ ڈی۔ نسیم)، مقالہ پی ایچ ڈی ص ۲۴۹۔
۷۹۔ ماہنامہ محدث لاہور (رسول نمبر) ۱۳۹۶ھ۔
۸۰۔ ورفعنا لک ذکرک (راجا رشید محمود)، ص ۱۲۷۔
۸۱۔ نگار پاکستان، فروری ۶۵۔ نیاز فتح پوری، ص ۷۱۔
۸۲۔ مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی (مقالہ) بشیر احمد قادری، ص ۱۴۱، بحوالہ ماہنامہ "عرفات" لاہور اعلیٰ حضرت نمبر اپریل ۷۸، ص ۳۔
۸۳۔ نوری کرن "بریلی" ص ۱۴، اکتوبر ۱۹۶۲۔
۸۴۔ قرآن مجید، پارہ ۲۶، ۹۴۔
۸۵۔ بام عرش (سید منظور احمد مہجور)، ص ۴۔
۸۶۔ ماہنامہ حنفی (لائل پور) اپریل ۷۲، ص ۲۲۔
۸۷۔ ماہنامہ "محدث" لاہور (رسول مقبول نمبر)، ص ۲۰۱۔
۸۸۔ ایضاً، ص ۲۰۹۔
۸۹۔ ایضاً، ص ۲۰۷۔
۹۰۔ ایضاً، ص ۲۰۹۔

۹۱۔ ماہنامہ "محدث"، لاہور، رسول مقبول نمبر، ص ۲۰۷
۹۲۔ اردو کی نعتیہ شاعری (سید اشفاق احمد)، ص ۵۶۔
۹۳۔ شاخ سدرہ (عبدالکریم)، ص ۵،
۹۴۔ خیر البشر کے حضور (ممتاز حسین)، ص ۱۷۔
۹۵۔ ظفر علی خان (ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار)، ص ۱۶۴، (ب) نوائے ظہوری دیباچہ عزیز حاصل پوری، ص ۶۔
۹۶۔ شاخ سدرہ (عبدالکریم ثمر)، ص ۵۔
۹۷۔ ہدیہ عثمانی (عثمان احمد قاسمی)، ص ۲، دیباچہ معین ندوی۔
۹۸۔ آہنگ حجاز (چوہدری فضل حق)، ص ۱۱، دیباچہ، ضمیر جعفری۔
۹۹۔ ورفعنا لک ذکرک (راجہ رشید محمود)، ص ۱۲۷، تاثر (دیباچہ) مرزا محمد منوّر۔
۱۰۰۔ بام عرش (سید منظور احمد مہجور)، ص ۴۔
۱۰۱۔ غزلیات۔ غالب (فارسی) "مرزا غالب"، ص ۶۹، (مرتبہ وزیر الحسن عابدی)
۱۰۲۔ بحوالہ ارمغانِ نعت (مرتبہ شفیق بریلوی)، ص ۱۷۔
۱۰۳۔ گل مغفرت (حیدر بخش حیدری)، ص ۷۔
۱۰۴۔ مثلاً غزل الغزلات، عہد نامہ قدیم، باب پنجم، آیت ۱۰-۱۶ میں تشبیہات سلیمان ملاحظہ ہو۔
۱۰۵۔ سیرت النبیؐ (علامہ سید سلیمان ندوی)
۱۰۶۔ آرائش محفل (میر شیر علی افسوس)، ص ۲۔
۱۰۷۔ آرائش محفل (میر شیر علی افسوس) ص ۲
۱۰۸۔ نغمۂ فردوس (شکیل بدایونی) ص ۱۰
۱۰۹۔ مثلاً عبدالعزیز خالد کی طویل نعتیہ منظومات "فارقلیط"، اور "منحمنا" جو غزل (قصیدہ) کی خارجی ہیئت میں ہیں۔
۱۱۰۔ ملاحظہ ہو مضمون، اردوئے قدیم اور نعت گوئی، افسر صدیقی بحوالہ سیارہ

ڈائجسٹ (رسول نمبر)

۱۱۱۔ مثلاً ہشت بہشت (مولانا محمد باقر آگاہ)

۱۱۲۔ مثلاً سیرت ابن ہشام میں حضرت حسان بن ثابت رض کے وہ قصیدے ملاحظہ ہوں جو غزوات سے متعلق ہیں۔

۱۱۳۔ اُردو میں نعتیہ شاعری ص ۵۹۔

۱۱۴۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ص ۶۰۔

۱۱۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۵۶۔

۱۱۶۔ مسدس حالی ص ۱۹ - ۲۲۔

۱۱۷۔ یہ غزل یا نعت امیر خسرو کے کلیات میں نہیں ملتی اگرچہ سماع میں گائی جانے والی غزلوں کے مجموعوں اور نعت کے انتخاب میں اسے امیر خسرو کے نام سے نقل کیا جاتا ہے۔

۱۱۸۔ جوہر اقبال میں عبدالرحمان طارق نے ص ۹۳ سے ص ۱۸۱ تک مثالوں سے ان موضوعات کا ذکر کیا ہے۔

۱۱۹۔ مسدس حالی (مولانا حالی) ص ۱۲۵۔

۱۲۰۔ کلیات اقبال ص ۱۹۷۔

۱۲۱۔ لمعاتِ نور (ماسٹر نورالدین نور) ص ۴۷۵

۱۲۲۔ شاہنامہ اسلام جلد اوّل (حفیظ جالندھری) ص ۱۴۲

۱۲۳۔ ذکر جمیل ص ۴۵۔

۱۲۴۔ حدائق بخشش (مولانا احمد رضا خان) ص ۴۲۲ - (مرتبہ شمس بریلوی)

۱۲۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۹۴۔

۱۲۶۔ موجِ کوثر (اقبال اسہیل) ص ۱۸ تا ۲۲۔

۱۲۷۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق) ص ۱۰۱

۱۲۸۔ کلیات شائق ص ۱۲۸۔

۱۲۹۔ دیوان محو ص ۳۶۔

۱۳۰۔ کلیات شائق ص ۱۲۵۔

۱۳۱۔ کلیات محسن کاکوروی ص ۲۳۲۔

۱۳۲۔ کلیات محسن (محسن کاکوروی)

۱۳۳۔ نعت سلطان العرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین ککے زئی) ص ۶۔

۱۳۴۔ علامہ اقبال کے ہاں بھی نعتیہ مضامین میں اس انداز کے شعر تھے مگر بعد میں علامہ نے انہیں، حذف کر دیا۔

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزم یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

۱۳۵۔ نعت سلطان العرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین ککے زئی) ص ۱۶۔

۱۳۶۔ فاران سیرت نمبر، ص۔

۱۳۷۔ بزم طرب (حصہ اول) مرتبہ۔ کنور اندر سیائے سکینہ علم بدایونی ص ۵۷

۱۳۸۔ " " " " " " " ص ۲۰

۱۳۹۔ پھولوں کے ہار عرف مدینے کی بہار (حافظ میاں فیاض الدین)

۱۴۰۔ مولود سعیدی۔

۱۴۱۔ سید الاذکار یعنی میلاد احمد مختار (محمد بدر الحسن) ص ۵۱۔

۱۴۲۔ بزم طرب (حصہ اوّل) مرتبہ کنور اندر سہائے ص ۵۸۔

۱۴۳۔ نغمۂ بہار جدید (حصہ دوم) مؤلفہ سلطان احمد ص ۲۔

۱۴۴۔ دیوان دوست (دوست) ص ۴۲۔

۱۴۵۔ نعت سلطان العرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین ککے زئی) ص ۱۰۹۔

۱۴۶۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین ککے زئی) ص ۶

۱۴۷۔ " " " " " " " "

۱۴۸۔ " " " " " " " ص ۵

۱۴۹۔ " " " " " " ص ۸۸

۱۵۰۔ مولود طیش (حصہ دوم) ص ۵۸ -

۱۵۱۔ نعتِ سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین ککے زئی) ص ۵

۱۵۲ " " " " " " " ص ۸۸

۱۵۳۔ سید الاذکار یعنی میلادِ احمد مختار (محمد بدرالحسن) ص ۵۲ -

۱۵۴۔ بزم طرب حصہ اول (مرتبہ کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی) ص ۵۷

۱۵۵۔ ریاض امجد حصہ اول (امجد حیدر آبادی) ص ۱۲ -

۱۵۶۔ معروضہ (محمد الیاس برنی) ص ۴۷

۱۵۷۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین ککے زئی) ص ۱۳ -

۱۵۸۔ صہبائے حرم (ساجد صدیقی لکھنوی) ص ۱۰۳ -

۱۵۹۔ بزم طرب حصہ اول (مرتب کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی) ص ۳۰

۱۶۰۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (فضل الدین ککے زئی) ص ۵ -

۱۶۱۔ " " " " " ص ۲-۴۰

۱۶۲۔ " " " " " " ص ۲۱

۱۶۳۔ مولود سعیدی ص ۴۴ -

۱۶۴۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین ککے زئی) ص ۲۱

۱۶۵۔ " " " " " ص ۲۷

۱۶۶۔ " " " " " " " ص ۸۸

۱۶۷۔ بزم طرب حصہ اول (مرتبہ کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی) ص ۳۱ -

۱۶۸۔ کلیات محسن - ص ۱۶۱ -

۱۶۹۔ حدائق بخشش (مولانا احمد رضا خاں بریلوی) ص ۱۳۱

۱۷۰۔ فارقلیط (عبدالعزیز خالد) ص ۳۵ - ۳۹ -

۱۷۱۔ منحمنا (عبدالعزیز خالد) ص

دوسرا باب

۱۔ حال ہی میں امریکہ سے عیسائی مصنف و مؤرخ مائیکل ہارٹ کے مشاہیر عالم اور دنیا کی تاریخ ساز شخصیات کی سوانح، کارنامے اور اثرات پر مبنی ایک کتاب One Hundred (ایک سو) چھپی ہے اس کے مطالعہ اور اور تحقیق کے بموجب ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک جو شخصیات دنیا میں آئیں ان میں اثرات کے اعتبار سے سب سے بڑی شخصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ ص ۴ روزنامہ امروز ۵ ستمبر ۱۹۸۰ء

۲۔ پیش لفظ باب حرم (مظفر وارثی)

۳۔ ترجمہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ص ۳۵۰، رحمۃ اللعالمین (جلد دوم)

۴۔ ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی ص ۱۷، تفہیم القرآن۔ (جلد چہارم)

۵۔ باب نمبر ۱۵، ص ۱۰۲، ۱۰۱، صحیح مسلم شریف، مترجم اردو، (مولانا عابد الرحمٰن صدیقی)

۶۔ ص ۱۰۱ صحیح مسلم شریف، مترجم اردو، (مولانا عابد الرحمٰن صدیقی)۔

۷۔ ص ۱۰۱ ۔ ایضاً۔

۸۔ ص ۱۰۲ ۔ ایضاً۔

۹۔ بخاری شریف، جلد سوم، باب ۔ ۶۵۲۔

۱۰۔ رحمۃ للعالمین، جلد دوم ص ۔ ۲۶۳۔

۱۱۔ زرقانی، جلد ۶، ص ۲۸۵۔

۱۲۔ تعارف، مارچ ۱۹۷۹ء، ص ۲۰۵۔

١٣۔ عقل و دین و نگاہ کا مُرشدِ اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین: مُبکدہ تصوّرات ۔ کلیاتِ اقبال اُردو ص ۴۰۴۔

١۴۔ شوق ترا اگر نہ ہو، میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب ۔ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۰۵

١۵۔ (الاحزاب: ٢١)

١٦۔ مثلاً روایت ہے کہ حضرت بایزید بُسطامیؒ نے عمر بھر خربوزہ اس لئے نہیں کھایا کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت خربوزہ کس طریقے سے کھایا کرتے تھے اقبال نے مثنوی "اسرار و رموز ص ۲۴ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

کامل بُسطام در تقلید فرد ۔ اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

١٧۔ ص ۲۶۳ تاریخ ادب عربی (استاد احمد حسن زیات) ترجمہ۔ عبد الرحمٰن طاہر۔ اس واقعہ کی تفصیل باب فضائل حسّان بن ثابت صحیح مسلم ص ۵۸۵ (جلد سوم) میں موجود ہے۔

١٨۔ ص ۲۴۲ شمایل ترمذی: ترجمہ مولانا محمد ذکریا۔

١٩۔ ~~ص ۵۸۴~~، ص ۵۸۳ صحیح مسلم۔

٢٠۔ البدایہ والنہایۃ ۔ حافظ ابن کثیر (جلد پنجم)

٢١۔ اردو کی نعتیہ شاعری ۔ (ڈاکٹر فرمان فتحپوری)۔

٢٢۔ (سورۃ الاحزاب: ۵٦)

٢٣۔ ان احادیث کی روشنی میں درود شریف کے مسائل، اقسام، پڑھنے کے خاص اوقات و آداب پر علیحدہ کتابیں بھی تصنیف ہوئیں، جن میں آپ پر درود بھیجنے کے اجر اور ثواب کی وعید دی گئی ہے۔ مثلاً فضائل درود مولانا محمد ذکریا

٢۴ تا ٢٨۔ ص ۲۷ فضائل درود شریف (مولنا شیخ محمد ذکریا) ص ۲۷، ص ۴۰، ص ۴۱، ص ۲۵۔ نیز ملاحظہ ہو کاموس الکتب (حصہ اول) انجمن ترقی اردو کراچی

۲۹- روزنامہ "جسارت کراچی - ۱۸- اپریل ۸۳ء۔

۳۰- اردو میں نعتیہ شاعری از ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ص ۵۹۔

۳۱- سچی بات تو یہ ہے کہ وہ کبھی کسی شاعرانہ کمال کے مدعی ہوئے بھی نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت نے انہیں کسی نہ کسی شکل میں کارِ نعت سے منسلک رکھا۔

۳۲- خصوصاً باب النبیؐ" اور باب الطریق" میں

۳۳- خصوصاً باب النبیؐ میں۔

۳۴- حسین نصر کے ہاں زیادہ تر "دشون"، ہی کے اذکار کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

۳۵ The Sufi order in Islam, J.Spencer Trimingham.

۳۶- ابوالحسن الشاذلی کے شیخ عبدالسلام بن مشیش کا قصیدہ نعتیہ" بھی مشہور ہے۔ اس قصیدے کا، Titus Burck Hards نے (جو قبول اسلام کے بعد "ابراہیم عزالدین کے نام سے موسوم ہیں) انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ بحوالہ مضمون Foundation of Islam. از ڈاکٹر محمد اجمل، پاکستان ٹائمز، لاہور۔

۳۷- بحوالہ۔ السیر الابہر۔ محمدؐ علوان الجسقی۔

۳۸- بحوالہ E.Dermenghem Le Cult Les saints Lans l'islam maghrifim, Paris 1954, P. 186.

۳۹- بحوالہ کتاب الاسری للمقام الاسرا۔ (محی الدین ابن عربی)

۴۰- بحوالہ ص ۱۸۱- ۱۹۶۷- Islam in the Soviet Union, London 1967, P.181.

۴۱- تقویم دارالاحسان ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء (محمد برکت علی لودھیانوی) سلسلہ اشاعت: ۲۳۴، دارالاحسان، فیصل آباد- ۱۹۷۹ء

۴۲- ان کے علاوہ ہزاروں بزرگوں کا صوفیاء کا ذکر اس تقویم میں

موجود نہیں مگر ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ ملک گیر سطح پر نہیں تو مقامی سطح پر، خصوصاً اُن دیہات اور نواح میں جہاں وہ مدفون ہیں۔

۴۳۔ ص: "شمع محفل" مرتبہ منشی فضل الٰہی، حصہ دوم، مرغوب ایجنسی، لاہور ۱۳۳۴ھ۔

۴۴۔ ص ۴۶۶ جلد سوم "سیرۃ النبیؐ"۔ سلیمان ندوی۔

۴۵۔ ص ۱۳-۱۴ تاریخ میلاد، (حکیم عبدالشکور مرزا پوری)

۴۶۔ ص ۲۶ " " " (" " ")

۴۷-۴۸۔ ص ۱۶۱، ص ۸ بحوالہ تاریخ میلاد۔ (حکیم عبدالشکور مرزا پوری)

۴۹۔ یہ میلاد خاص طور پر خواتین کی محفل میلاد کیلئے ہے اور اس کے مصنف "مولود سعیدی والے سعید لکھنوی" ہی ہیں۔

۵۰۔ یہاں صرف ان چند میلاد ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو انیسویں صدی عیسوی کے آخر اور بیسویں صدی کے پہلے ربع میں تصنیف و شائع ہوتے ورنہ اردو میں دکنی دور میں بھی سینکڑوں مولود نامے ملتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

۵۱۔ کشف المحجوب، (داتا گنج بخش، ہجویری رح)

۵۲۔ مسائل سماع (مولانا احمد رضا خان بریلوی)، مطبوعہ لاہور۔

۵۳۔ ص ۲۔ روزنامہ امروز، لاہور، مضمون نعت کا عرانی پہلو۔ از صفدر حسین صفدر، ۱۱۔ اپریل ۱۹۸۰ء۔

۵۴۔ ص ۴۵۴، "نغمات سماع۔ مؤلفہ سید نور الحسن مودودی صابری، نظامی پریس، بدایوں: ۱۳۵۲ھ۔

۵۵۔ ص ۴۶۹، ص ۴۷۰، نغمات سماع، مؤلفہ، سید نور الحسن مودودی صابری، نظامی پریس، بدایوں، ۱۳۵۲ھ۔

۵۶۔ ذرائع ابلاغ عامہ کے حوالے سے تفصیل بحث "عصر حاضر میں نعت گوئی کے باب میں دیکھئے۔

۵۷- The Life of Mohammad. ولیم میور ص ۷۸

۵۸- نعت رسول کریمؐ بآیات قرآن حکیم، مرتبہ مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی ارمغان نعت (مرتبہ شفیق بریلوی) ص ۱۶، ۱۵ ؟

۵۹- شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) حصہ اول ص ۱۲۸-

۶۰- شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) حصہ اول ص ۱۶۸

۶۱- دیوان (محمد دیدار علی شاہ) ص ۲۶

۶۲- ریاض معلیٰ (محمدؐ مظفر الدین معلیٰ) ص ۱۰، ص ۴ -

۶۳- دیوان (محمد دیدار علی شاہ) ص ۳۲ -

۶۵- کلیات اقبال (اردو) ص ۳۱۷

۶۶- محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے (مولانا تقی الدین ندوی) ص ۲۵-

۶۷- حدیث رسول کا تشریعی مقام (ڈاکٹر مصطفی السباعی) ترجمہ غلام احمد حریری ص ۷۹ -

۶۸- اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی جلد ۷ ص ۹۹۳ -

۶۹- دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) جلد ۷ - ص ۹۶۹ -

۷۰- شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد اول ص ۱۴۳ -

۷۱- ریاض معلیٰ (مظفر الدین معلیٰ) ص ۳۲ -

۷۲- خیالستان (مولانا ظفر علی خان) ص ۲۲ -

۷۳- سیرۃ النبیؐ (مولانا شبلی) جلد اول حاشیہ ص ۲۷ -

۷۴- ان کے علاوہ ولید بن مسلم القرشی، عبدالمومن دمیاطی، علاؤالدین علی ہجویری محمد فلاطی، حافظ عبد سعید عبدالملک نیشاپوری، حافظ ابن جوزی اور حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ الکلابی کی کتب سیر و مغازی بھی قابل ذکر ہیں -

۷۵- مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۳۶ -

۷۶۔ دلائل نبوت (محدث بیہقی) ج ۱ ص ۶۹

۷۷۔ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ج ۱ ص ۱۱ (نبہانی)

۷۸۔ بحوالہ تفہیم القرآن جلد دوئم سورۃ الاعراف حاشیہ نمبر ۱۱۳ نیز مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سیرت رسولؐ "سرور عالم" جلد اول میں "بعثت سرور عالم۔ تورات و انجیل کی پیشگوئی پر مبنی فصل نمبر ۴ (ص ۱۳۴ - ۱۵۳) ملاحظہ ہو۔

۷۹۔ النور المحمدیہ فی سیرت المصطفویہ (مولانا ابوالحامد محمد ضیاء اللہ قادری) ص ۳۰۱ - ۳۱۳۔

۸۰۔ خصائص الکبریٰ (جلال الدین سیوطی) ص ۳۷ ج ۱، حجت اللہ العالمین ص ۱۲۲ بحوالہ ایضاً۔

۸۱۔ خصائص الکبریٰ (علامہ سیوطی) جلد اول ص ۳۷، حجۃ اللہ علی العالمین (نبہانی) ص ۱۲۳۔

۸۲۔ معارج النبوت (علامہ واعظ کاشفی) رکن دوم۔ بحوالہ النور المحمدیہ فی سیرت المصطفویہ (ضیاء اللہ قادری) ص ۳۱۴۔

۸۳۔ سیرت المصطفیٰ (میر ابراہیم سیالکوٹیؒ) جلد اول ص ۱۳۱۔

۸۴۔ سیارہ ڈائجسٹ (رسول نمبر) جلد اول۔

۸۵۔ النور المحمدیہ فی سیرت المصطفویہ (مولانا ابوالحامد قادری میں) ص ۲۸۱ - ۳۰۰ پر مندرج مضمون انجیل برناباس کے حوالہ جات میں تفصیلات سے ان کی شہرت کا ذکر موجود ہے۔

۸۶۔ النبی الخاتم (سید مناظر احسن گیلانی) ص ۲۱۔

۸۷۔ سام وید دوسرا حصہ باب پنجم فصل اول پر پاٹھک بستم ۲۰ ترجمہ ماہر پیارے لال صاحب ص ۱۲۵۔

۸۸۔ میلاد نامہ (حسن نظامی) ص ۴۴ - ۴۵ بحوالہ النور المحمدیہ فی سیرت المصطفویہ (مولانا ابوالحامد) ص ۱۶۹

۸۹۔ مثلاً قسطلانی کی مواہب اللدنیہ، ابونعیم کی دلائل النبوۃ، سیوطی کی خصائص الکبریٰ، بیہقی کی دلائل النبوۃ، جندی کی کتاب الوفا، نبہانی کی جواہر البحار اور جحۃ اللہ العالمین، ملا علی قاری کی شرح شفاء، جوزی کی کتاب الوفا، جامی کی شواہد نبوت وغیرہ میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں۔ عصر حاضر میں مولانا شبلی، منصور پوری، مولانا مودودی اور دوسرے کئی سیرت نگاروں نے بھی ان ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔

۹۰۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) ص ۱۳۷ - ۱۳۸۔

۹۱۔ مشکوٰۃ ص ۱۲۴ تا ص ۱۲۸ جلد سوم

۹۲۔ 〃 ص ۱۲۴ تا ص ۱۲۸ 〃۔

۹۳۔ 〃 〃 ص ۱۲۴ تا ۱۲۸ 〃

۹۴۔ خصائص الکبریٰ (سیوطی) ص ۱۸۷

۹۵۔ ملاحظہ ہو الشفا (قاضی عیاض) مصنف (عبدالرزاق) مواہب اللدنیہ (قسطلانی) شرح مواہب (زرقانی) وغیرہ۔

۹۶۔ خصائص الکبریٰ (سیوطی) ص ۱۸۷

۹۷۔ مواہب اللدنیہ (قسطلانی) میں مندرج ناموں کیلئے ضمیمہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

۹۸۔ علامہ سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں ان تیس ناموں کی فہرست نقل کرنے کے بعد تینتالیس کے قریب مزید ایسے نام بھی گنواتے ہیں جو قرآن کریم میں ملتے ہیں دیکھئے ص ۱۸۷ ترجمہ

۹۹۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف جلد چہارم ص ۵۸

۱۰۰۔ احکام شریعت (اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی) ص ۱۵۷

۱۰۱۔ اسمائے رسول مقبول کی تدوین و تشریح میں قاضی عیاض، قسطلانی اور زرقانی کے علاوہ کئی دوسرے عاشقان رسول ؐ کے نام بھی قابل ذکر ہیں علامہ یوسف اسماعیل النبہانی نے نہ صرف الدلالات الواضحات میں،

اسمائے رسول ؐ کی ایک طویل فہرست گنوائی ہے بلکہ اس موضوع پر ایک جداگانہ کتاب بھی مرتب کی ہے۔ صاجت الطرف فی لقدمات العرب میں بھی آپ کے معروف دو سو ناموں کی فہرست ملتی ہے۔ فارسی میں مولانا مولوی ابوالحسن (شارح صحیح البخاری المعروف بہ فیض جاری) کی کتاب، کامن و نحوات مقبول مع اسماء اللہ و اسماء الرسول، میں باری تعالیٰ کے اسمائے حسنہ کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ؐ کے اسمائے مبارک بھی جمع کیے گئے ہیں۔ حضرت سلطان باہو کی کتاب عقل مدار، ابراہیم سیالکوٹی کی اسمائے رسول، اور خلیل الرحمٰن لغانی مظاہری کی کتاب منتخب و دلپذیر اسلامی نام میں بھی آنحضرت کے معروف ناموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس سلسلے میں صوفی برکت علی صاحب کی زیر نگرانی میں مرتب ہونے والی ضخیم کتاب اسماء النبی الکریم کا ذکر بھی ضروری ہے۔ تادم تحریر بڑے سائز کی اس کتاب کی چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔ جو ۱۲۵۷ صفحات پر مشتمل ہیں اور جن میں اسمائے مبارک کی تعداد ۴۸۷ ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کی جانے والی کتاب انتہائی خوبصورت انداز اور گیٹ اپ میں چھاپی جا رہی ہے۔ اندازہ ہے کہ اس کتاب کی ابھی دو جلدیں اور بھی آئیں گی۔

۱-۲۔ ماہنامہ آستانہ دہلی رسول نمبر (۱۹۵۳ء) (مرتبہ ضیاء القادری)

۱-۳۔ دیوان دیدار علی شاہ ص ۳۲

۱-۴۔ ارمغان حرم (اقبال سہیل) ص ۵۶

۱-۵۔ ماہنامہ ”فنون“، لاہور (تبصرہ۔ محمد کاظم) اکتوبر نومبر ۱۹۷۷ء ص ۲۹۲۔

۱-۶۔ اس عنوان سے ارشاد شاکر عوان نے ایک مضمون (مطبوعہ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد شمارہ خاص ربیع الاول (فروری ۷۹ء) میں حضور اکرم ؐ کے ظہور قدسی سے پہلے بعض ان روایات و استعارہ کا ذکر کیا ہے جنہیں ہم عربی نعت

کے اولین نقوش میں شمار کر سکتے ہیں ۔

۱۰۷۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۱۳ - ۲۱۵ ۔

۱۰۸۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۸۴ - ۲۸۵ / ص ۲۸۸ ، ۳۰۰ ۔

۱۰۹۔ زاد المعاد جلد اول ص ۳۰۷ ، البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ۱۶۵ ، رحمت اللعالمین (منصور پوری) جلد اول ص ۶۱ ۔

۱۱۰۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۵۲۷ ۔

۱۱۱۔ عربی میں نعتیہ کلام (عبداللہ عباس ندوی) ص ۴۶ ۔

۱۱۲۔ مجموعۃ النبہانیہ جلد اول ص ۶۱ ۔

۱۱۳۔ مختصر سیرت الرسول (محمد بن عبدالوہاب) اردو ترجمہ محمد خالد سیف ۱۷۱ - ۱۷۴ ۔

۱۱۴۔ ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد فروری ۸۰ء ص ۵۹

۱۱۵۔ مجموعۃ النبہانیہ جلد اول ص ۷۶ ۔

۱۱۶۔ مختصر سیرت الرسول (محمد بن عبدالوہاب) اردو ترجمہ محمد خالد سیف ص ۲۸۵ - ۲۸۶ اس ضمن میں سب سے تفصیلی بحث مواہب اللدنیہ جلد اول ص ۵۸ اور ۲۸۵ پر کی گئی ہے ۔ جہاں مصنف نے ان کے اشعار کے محل نزول سے متعلق مختلف روایات کا جائزہ لیا ہے ۔

۱۱۷۔ مجموعۃ النبہانیہ جلد اول ص ۷۶ ۔

۱۱۸۔ عربی میں نعتیہ کلام (عبداللہ عباس ندوی) ص ۵۴ ۔

۱۱۹۔ المدائح النبویہ فی الادب العربی (ڈاکٹر زکی مبارک) ص ۱۸

۱۲۰۔ تاریخ ادب عربی (احمد حسن زیات) ترجمہ طاہر سورتی ص ۲۶۳ ۔

۱۲۱۔ صحیح مسلم شریف (اردو ترجمہ) ص ۵۸۵ جلد سوم ۔

۱۲۲۔ مثلاً صحیح مسلم شریف باب فضائل حسان ؓ جلد سوم ص ۵۸۵ ۔

۱۲۳۔ ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد فروری ۸۰ء ص ۷۴ ۔

۱۲۴۔ شمع انجمن (صدیق حسن) ص ۱۸۔

۱۲۵۔ الشہر الوافی بالوفیات جلد اول ص ۹۳۔

۱۲۶۔ علامہ بنبانی نے اپنے مجموعہ 'المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ' میں چونتیس صحابہ و صحابیات کے نعتیہ اشعار درج کیے ہیں۔

۱۲۷۔ سیرت ابن ہشام جلد دوم ص ۶۸۵ - ۶۹۷۔

۱۲۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ ص ۲۰۸۔

۱۲۹۔ نعت کے یہ دو مشہور شعر۔

واجمل منک لم ترقط عینی	حسنت طرفا و شرفت قدرا
واحسن منک لم تلد النساء	کانک قد خلقت کما تشاء

آپ سے زیادہ دلربا شخصیت پر میری نگاہ کبھی نہیں پڑی آپ سے زیادہ حسین وجود کو کسی عورت نے جنم نہیں دیا۔ حسین نگاہ بلند مرتبہ گویا آپ جیسا چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کیے گئے۔

۱۳۰۔ شمائل ترمذی (ترجمہ مولانا ذکریا) ص ۲۲۲

۱۳۱۔ سیرت ابن ہشام (جلد دوم) ص ۶۰۵ - ۶۱۹ میں تفصیل کے ساتھ اس قصیدے کی تخلیق کے پس منظر اور حضور اکرم کے سامنے اس کے پڑھنے کا حال ملتا ہے۔

۱۳۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) جلد ۲ ص ۱۳-۱۰ پر ج کے فرانسیسی، انگریزی، لاطینی، جرمنی اردو اور پنجابی ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

۱۳۳۔ حضرت انس رضہ کے حوالے سے اس واقعہ کی تفصیل شمائل ترمذی میں ملتی ہے۔ بحوالہ اردو ترجمہ مولانا ذکریا ص ۲۳۸۔

۱۳۴۔ نبہانی نے اپنے مجموعے میں ۱۶۴ اشعار نقل کیے ہیں جو صحابہؓ سے منسوب ہیں کتب سیر و تاریخ میں ملنے والے اشعار کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔

۱۳۵۔ مجموعہ نبہانی جلد اول ص ۴۸۔

۱۳۶۔ نبہانی نے اپنے مجموعہ میں قریباً ۶۰ اغیر صحابہ شعرا کے ۸۔۶ ۳۴ اشعار درج کئے ہیں۔

۱۳۷۔ المدائح النبویہ فی الادب۔ م ڈاکٹر زکی مبارک) ص ۵۲ ۔۱۴۰

۱۳۸۔ امام صرصری کا دیوان ۱۲۹۸ھ میں استنبو میں شائع ہوا عبداللہ عباس ندوی نے عربی میں نعتیہ کلام میں ص ۲۱۶، ۲۲۰ پران کا نمونہ کلام دیا ہے۔

۱۳۹۔ فوات الوفیات جلد۲ ص ۲۰۹، برکات بردہ (فضل احمد عارف) ص ۴۸، طیب الوردہ شرح قصیدہ ابردہ (علامہ ابوالحسنات ص ۲۶

۱۴۰۔ قدیم ترتیب میں اشعار کی کل تعداد ۱۶۲، بقول فاضل پطرس بستانی اس کے آخری شعرالحاق ہیں۔

۱۴۱۔ انداز بردہ (فضل احمد عارف) ص ۴۷

۱۴۲۔ لٹریری ہسٹری آف دی عربس (نکلس) ص ۳۲۷۔

۱۴۳۔ برکات بردہ کے مصنف (فضل احمد عارف) نے خواص بردہ کے عنوان سے اس قصیدے کے فیوض وبرکات کا تفصیلی جائزہ لیا نیز ص ۸۹۔۹۵ پر اس کے وظیفہ وقرأت کے بارے میں بعض آداب، انداز اوقات، موقع وصول اور ضرورت کے پیش نظر قصیدہ کے خاص اشعار کی معنوی اور باطنی خصوصیات کی نشاندہی کی ہے۔

۱۴۴۔ صوفی آرڈر ان اسلام (ٹرمنگم) ص ۲۷۔

۱۴۵۔ روزنامہ حریت کراچی عید میلاد النبی ایڈیشن) ۱۵ مارچ ۱۹۸۰ء ص ۳

۱۴۶۔ قصیدہ بردہ شریف (اردو ترجمہ فیاض الدین نظامی) ص ۷۔

۱۴۷۔ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۴۸۔ مضمون احمد شوقی اوران کی نعتیہ (عبدالرحمان طاہر سورتی) مطبوعہ ماہنامہ اوقاف، اسلام آباد جولائی ۷۸ ان قصائد کے منتخب اشعار اور انکی ترجمہ پر مشتمل ہے۔

۱۴۹۔ تاریخ ادب عربی (احمد حسن زیات) اردو ترجمہ ص ۲ ۵ ۶
۱۵۰۔ المعزۃ النبویہ (قاری فیوض الرحمان) اردو ترجمہ۔
۱۵۱۔ کلیات شیخ سعدی ص ۳ ۷
۱۵۲۔ اس موضوع پر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے محمد اسحاق قریشی (استاد شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد) پی ایچ ڈی کا کام کر رہے ہیں۔
۱۵۳۔ شاہنامہ فردوسی ص ۴ ۔
۱۵۴۔ رباعیات ابو سعید ابوالخیر ص ۲۶ ۔
۱۵۵۔ حدیقہ سنائی متعدد صفحات ۔
۱۵۶۔ جمال الدین اصفہانی کے یہ شعر ضیاء الدین (رہبشری) کے نعتیہ انتخابات نعت حضرت رسول اکرمؐ در شعر فارسی'' ص ۹۸ سے لیے گئے ہیں فارسی نعت کے نمونوں کے سلسلے میں رہبشری کی اس کتاب سے کئی جگہوں پر رجوع کیا ہے۔ حاشیے میں بار بار حوالہ دینے کی بجائے ایسے مقامات پر نمونہ افت کے ساتھ ہی صفحہ نمبر درج کر دیا گیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اشعار کے ساتھ ہی درج شدہ صفحہ نمبر کا مرجع انتخاب رہبشری ہی ہے۔
۱۵۷ ۔ ماہنامہ فاران کراچی (سیرت نمبر جنوری ۵) ص ۲۸۵
۱۵۸ تا ۱۶۱۔ کلیات خاقانی ص ۳ ، ص ۱۰ ، ص ، ص ۲۲۸ ۔
۱۶۲، ۱۶۳ مثنوی مخزن الاسرار (نظامی) ص ۲۷، ص ۲۸ ۔
۱۶۴ ۔ مثنوی خسرو شیریں (نظامی) ص ۵-۶ ، مثنوی لیلیٰ مجنوں (نظامی) ص ۴-۷ ، مثنوی سکندر نامہ (نظامی) ص ۱۰ - ۱۵ ، مثنوی ہفت پیکر (نظامی) ص ۳-۶
۱۶۵۔ گنج سخن (ڈاکٹر ذبیح اللہ) ص ۸۱ جلد دوم ۔
۱۶۶۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۸۶ ۔
۱۶۷ ۔ مثنوی مولانا روم ص

۱۶۸ تا ۱۶۹ - کلیات شیخ سعدی ص ۲۱۹ - ۲۲۰ -

۱۷۰ - ادب نامہ ایران (مرزا مقبول بیگ بدخشانی) ص ۴۴۹

۱۷۱ - نعت رسول اکرمؐ در شعر فارسی (دہشری) مقالہ جامی

۱۷۲ تا ۱۷۶) دیوان کامل جامی ص ۵۴۹، ص ۷۳، ص ۸۲، ص ۸۸، ص ۹۵، ۱۰۰ -

۱۷۷ - گنج سخن (دکتر ذبیح اللہ صفا) جلد دوم ص ۲۸۹ -

۱۷۸ - سید ضیاء الدین دہشری نے نعت رسول اکرمؐ در شعر فارسی' میں ان شاعروں (ما سوائے تاآنی) کے نعتیہ نمونے درج کیے ہیں -

۱۷۹ - تاریخ ادبیات مسلمان (پنجاب یونیورسٹی) جلد ۳ ص ۲۱۳ -

۱۸۰ - واضح رہے کہ ساقی دائم بہ منزل بود شب جائیکہ من بودم والی غزل جو مجالس سماع میں آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہے امیر خسرو دہلوی کی نہیں ہے - یہ اگرچہ مختلف کتابوں اور انتخابات نعت میں امیر خسرو کے نام سے منسوب ہے - مگر یہ ان کے کسی مستند کلیات میں موجود نہیں اسی امر کی نشاندہی ڈاکٹر رحمان فتحپوری نے اردو نعتیہ شاعری' میں (ص ۳۵ پر) کی ہے -

۱۸۱ - کلیات فیضی -

۱۸۲ - ۱۸۳ - کلیات عرفی -

۱۸۴ - شعر العجم (شبلی نعمانی) جلد ۳ ص ۸۱ -

۱۸۵ - ارمغان نعت (مرتبہ شفیق بریلوی) ص ۹۵ -

۱۸۶ - ارمغان نعت (مرتبہ شفیق بریلوی) ۸۹ -

۱۸۷ - ارمغان پاک (مرتبہ شیخ اکرام) ص ۱۴۸ -

۱۸۸ - مضمون "نعت قدسی اور اس کی مقبولیت" از ڈاکٹر سمیع الدین احمد ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ دسمبر ۷۶، ص ۴۴۵ اسی موضوع

سے متعلق اسی مصنف کا تفصیلی مضمون نعت قدسی اور اس کا مصنف،
(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ) مارچ ۱۹۵۳ء ص ۲۰۷ - ۲۱۵ و اپریل ۱۹۵۳ء
ص ۲۷۴ تا ۲۹۱) میں چھپا ہے۔
۱۸۹۔ کالیداس گپتا رضا نے "متعلقات غالب" میں غزل قدسی اور تضمین
غالب کے مضمون میں قدسی کی تضمینوں کے کئی مجموعوں کا ذکر بھی کیا ہے۔
جن میں خمہائے غزل قدسی (مرتبہ محمد حسین خان تمکین ۱۲۷۱ھ حدیث
قدسی (مرتبہ قاضی محمد عمر ۱۲۸۱ھ) صحیفہ قدسی حصہ دوم حدیث قدسی
(مرتبہ حاجی سید شمشیر علی ۱۲۹۳ھ) قابل ذکر ہیں ص ۱۴-۲۰ متعلقات
غالب (کالیداس گپتا رضا)
گذشتہ سو سالوں میں بھی اس نعت کی تضمین ہوئیں اور مختلف زبانوں
فارسی اردو، پنجابی وغیرہ سب نعتیہ قدسی پر قصے لکھے گئے اردو کے
معروف جدید شاعر حمایت علی شاعر نے بھی اس نعت پر لکھی گئی
تضمینوں کو عہد وار مرتب کیا ہے اور اسے کتابی صورت میں پیش کرنے
کا اعلان کیا ہے۔ بحوالہ صریر خامہ (نعت نمبر) ص ۳۰۔
۱۹۰۔ ماہنامہ فاران، کراچی (سیرت نمبر) جنوری ۵۶، ص ۹۹ ۲ (نعت کا مکمل
متن غزلیات فارسی (غالب مرتب سید وزیر الحسن عابدی ص ۶۸-۶۹ پر ہے)
۱۹۱۔ قصائد و مثنویات فارسی (غالب مرتبہ غلام رسول مہر) ص ۸-۴۴۔
۱۹۲۔ شہنشاہ سخن (ڈاکٹر سید عارف شاہ گیلانی) ص ۲۲۵-۲۲۸
۱۹۳۔ سر سید نے آثار الصنادید کے چوتھے باب میں بر سلسلہ احوال غالب اس
مثنوی کے بارے میں لکھا ہے اور ایک مثنوی مشتمل اوپر غزوات حضرت
رسالت دستگاہی فتح پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کے اگرچہ ہنوز ناتمام ہے۔
آثار الصنادید (سر سید) ص ۲۶ بحوالہ قصائد و مثنویات فارسی (غالب مرتبہ مہر) ص ۴۲۔
۱۹۴۔ قصائد و مثنویات فارسی (غالب مرتبہ مہر) ص ۹۶-۱۱۹۔

۱۹۵۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث (شمالی ہندوستان میں نعت گوئی کے باب میں) آگے آئے گی۔

۱۹۶۔ قصائد مثنویات فارسی (غالب مرتب مہر) ص ۵۸۔

۱۹۷۔ سرو صنوبر (مخمور اکبر آبادی) ص ۳۵۷ - ۳۷۲۔

۱۹۸۔ باغ دو در (غالب مرتبہ وزیر الحسن عابدی) ص

۱۹۹۔ قطعات و رباعیات وغیرہ (غالب مرتبہ مہر) ص ۲۰۳ - ۲۰۵۔

۲۰۰۔ تاریخ ادبیات ... (پنجاب یونیورسٹی) جلد پنجم ص ۴۹۸

۲۰۱۔ رباعیات گرامی ص ۵۔

۲۰۲ تا ۲۰۴۔ مثنوی اسرار و رموز از کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۹-۲۰، ص ۶۶، ص ۱۶۸

۲۰۵۔ کلیات اقبال فارسی ص ۲۹۹-۳۰۰۔

۲۰۶۔ ماہنامہ 'سیارہ' لاہور اقبال نمبر فروری مارچ ۱۹۷۸ء ص ۱۲۲-۱۲۳۔

۲۰۷۔ خیر البشر کے حضور میں (ممتاز حسن) ص ۴۶۔

۲۰۸ تا ۲۱۰، ۴، ۵، ۶ کلیات اقبال فارسی۔ ص ۱۴۷ - ۱۶۷/ ص ۸۴۴ - ۸۴۸/
ص ۹۰۵ - ۹۴۴۔

۲۱۱-۲۱۲۔ کلیات اقبال فارسی ص ۹۰۶/ ص ۹۴۱۔

۲۱۳۔ ارمغان نعت (مرتبہ شفیق بریلوی) میں ان مشاہیر کی فارسی نعتوں کے نمونے موجود ہیں۔

۲۱۴۔ ہندو شعرا کا نعتیہ کلام (مرتبہ فانی بدایونی) میں ان شاعروں کی فارسی نعتوں کے نمونے دیے گئے ہیں۔

۲۱۵۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) جلد پنجم ص ۶۶۶، ۶۷۳ کے علاوہ ماہنامہ بلال کراچی کی پرانی فائلوں میں ان مشاعروں کی فارسی نعت شائع ہوتی رہی ہے۔

تیسرا باب

۱۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی) جلد اول ص ۱۰
۲۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات (ڈاکٹر تارا چند) ترجمہ ص ۲۲۸۔
۳۔ دکنی کلچر (نصیر الدین ہاشمی) میں ص ۵۳ - ۵۸ پر ان نمایاں صوفیائے کرام اور اولیائے نظام کی فہرست (نام / سنہ انتقال، مقام مدفن وغیرہ) دی گئی ہے۔ جن کی مساعی اور تبلیغ اسلام کے باعث دکن کی کثیر آبادی نے اسلام قبول کیا۔
۴۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام (مولوی عبدالحق)
۵۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی) جلد اول ص ۱۶۰۔
۶۔ دکن میں اردو (نصیر الدین ہاشمی) ص ۲۹
۷۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۲۶، ارمغان نعت (شفیق بریلوی) ص ۸۰ / صریر خامہ (نعت نمبر) ص ۱
۸۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۲۵۷۔
۹۔ آغا حیدر حسن کی علوکہ بیاض کسی بزرگ ابوالقاسم نصیر الدین کی ہے یہ بیاض ۱۱۱۴ھ میں مرتب ہوئی۔
۱۰-۱۱۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۳۰، ص ۳۲۔
۱۲-۱۳۔ اس بحث کے لیے دیکھئے مقدمہ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، مرتبہ

جمیل جالبی ص ۳۰ - ۳۵ / ص ۶۹ - ۷۳۔
۱۴۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی) ص ۱۶۶۔
۱۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر طلحہ رضوی برق) ص ۵
۱۶۔ قدیم اردو (عبد الحق) ص ۲۷۔
۱۷۔ کبِ محویت کے علاوہ ان کی دوسری تصانیف "رموز السالکین" وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۲۷۳ - ۲۷۴۔
۱۸۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۳۸۔
۱۹۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جالبی) جلد اول ص ۱۷۳
۲۰۔ یہ شہادت التحقیق کے نام سے مشہور ہے۔
۲۱۔ قدیم اردو (عبد الحق) ص ۱۹۔
۲۲۔ خزائن رحمت اللہ (شیخ باجن) قلمی نسخہ بحوالہ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جالبی) جلد اول ۱۰۷
۲۳۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جالبی) جلد اول ص ۱۰۷۔
۲۴۔ جکری کی تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۱۳۱ - ۱۳۳، مقالات شیرانی جلد اول ص ۱۷۶، ۱۷۷۔
۲۵-۲۶۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جالبی) جلد اول ص ۱۰۹، ص ۱۱۰۔
۲۷-۲۸۔ مقالات شیرانی جلد اول ص ۱۷۱، ص ۱۲۰
۲۹۔ اخبار الاخیار صفحہ ۱۸۷ بحوالہ مقالات شیرانی جلد اوّل ص ۱۷۶۔
۳۰-۳۱۔ قدیم اردو (ڈاکٹر عبد الحق) ص ۹۵، ص ۹۵
۳۲-۳۳۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جالبی) جلد اول ص ۱۱۳
۳۴۔ سیرت پاک (ماہ نو میں چھپنے والے مضامین نعت و سیرت کا انتخاب) ص ۹۸ افسر صدیقی کا یہی مضمون سیارہ ڈائجسٹ (رسول نمبر، جلد دوم) میں

بھی چھپا ہے ۔ملاحظہ ہو ص ۴۷۸ ۔

۳۵ ۔ تاریخ ادب اردو (جمیل جالبی) جلد اول ص ۱۷۸

۳۶ ۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (جلد پنجم) ص ۴۲۲ بحوالہ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ۴۵۳ ۔

۳۷-۳۸ ۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (جلد اول) ص ۱۸۵-۱۸۶، ص ۱۸۴ ۔

۳۹ ۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جالبی) جلد اول ص ۱۱۹

۴۰ ۔ قدیم اردو (ڈاکٹر عبدالحق) ص ۲۶ ۔

۴۱-۴۲ ۔ قدیم اردو (ڈاکٹر عبدالحق) ص ۲۷، ص ۲۸

۴۳ ۔ قدیم اردو (ڈاکٹر عبدالحق) ص ۳۶ ۔

۴۴ ۔ قدیم اردو (عبدالحق) ص ۷۰ - ۷۱ ۔

۴۵ ۔ سیرت پاک (مضمون افسر صدیقی امروہوی) ص ۹۸ ۔

۴۶ ۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر طلحہ برق رضوی) ص ۲۶ ۔

۴۷ ۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۱۲۱ - ۱۲۲

۴۸ ۔ بحوالہ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۲۴۲ - ۲۴۵ ۔

۴۹ ۔ اردو میں نعتیہ شاعری (اشفاق) ص ۱۲۸ تا ۱۳۰ ۔

۵۰ ۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۲۴۵ (حاشیہ)

۵۱-۵۲ ۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام (ڈاکٹر عبدالحق) ص ۴۱ - ۴۲، ص ۴۳ ۔

۵۳-۵۴ ۔ قدیم اردو (ڈاکٹر عبدالحق) ص ۴۵، ص ۴۵ ۔

۵۵ ۔ قدیم اردو (ڈاکٹر عبدالحق) ص ۵۴ ۔

۵۶ ۔ یہ چھوٹی بڑی تصنیفات (جن کا موضوع مذہب اسلام کے احکام و مسائل ہے) سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ان کے نام اور نمونے اردوئے قدیم پر لکھی جانے والی کتابوں (اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے

کرام کا کام اور قدیم اردو (ڈاکٹر عبد الحق) دکھنی کے چند تحقیقی مضامین (زور) دکن میں اردو (ہاشمی) اردوئے قدیم (شمس اللہ قادری) کے علاوہ مختلف کتب خانوں کی وضاحتی فہرستوں میں بکثرت نظر آتے ہیں۔

۵۷ تا ۶۱۔ کلیات سلطان قلی قطب شاہ (مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور) ص ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۳

۶۲۔ دکنی کلچر (نصیر الدین ہاشمی) ص ۳۵۶ اسی ضمن میں حدیقۃ السلاطین (سید علی اصغر بلگرامی) ص ۴۹ تا ۵۶ پر دی گئی تفصیلات بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

۶۳، ۶۴۔ کلیات سلطان قلی قطب شاہ (مرتبہ ڈاکٹر محی الدین زور) ص ۴۶۔

۶۵۔ تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی) جلد اول ص ۴۱۴

۶۶۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۴۱۵۔

۶۷۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۵۱۔

۶۸ تا ۷۰۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۴۱۷۔

۷۱۔ صریر خامہ (نعت نمبر) ص ۵۔

۷۲۔ سیارہ ڈائجسٹ (رسول نمبر) جلد دوم ص ۴۷۹، سیرت پاک ص ۹۹

۷۳۔ قطب مشتری (مرتبہ مولوی عبد الحق) ص ۹۶۔

۷۴۔ قطب مشتری (مرتبہ مولوی عبد الحق) ص ۷

۷۵۔ قطب مشتری (مرتبہ مولوی عبد الحق) ص ۷

۷۶۔ قطب مشتری (مرتبہ مولوی عبد الحق) ص ۸ تا ۹

۷۷۔ ۷۸۔ تاریخ ادب اردو (جمیل جالبی) ص ۴۴۰، ۴۴۱۔

۷۹۔ تاریخ ادب اردو (جمیل جالبی) جلد اول ص ۴۶۹

۸۰۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) ص ۴۶۹۔

۸۱، ۸۲۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۶۲، ۶۴

۸۳۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۴۷۷ بحوالہ مقدمہ کلیات عوامی (مرتبہ محمد بن عمر) ص ۸۔۹۔ اس کا سن تصنیف ۱۰۲۵ اور ۱۰۲۷ بھی لکھا ہے۔
۸۴۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) ص ۴۷۳۔
۸۵۔۸۶۔ مثنوی سیف الملوک، بدیع الجمال (مرتبہ میر سعادت علی رضوی) ص ۷۔۸۔
۸۷۔ طوطی نامہ (مرتبہ میر سعادت علی رضوی) ص ۴۔۵۔
۸۸۔ طوطی نامہ (مرتبہ میر سعادت علی رضوی) ص ۴۔
۸۹۔۹۰۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) جلد ۶ ص ۴۲۱
۹۱۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۴۱
۹۲تا۹۴۔ پھولبن (مرتبہ عبد القادر سروری) ص ۷۔۹ شیخ چاند ابن حسین نے بھی ۱۹۵۵ میں پھول بن کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔ بحوالہ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۴۲۷۔
۹۵۔ پھولبن (مرتبہ عبد القادر سروری) ص ۹ (شیخ چاند ابن حسین نے بھی ۱۹۵۵ میں، پھول بن کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔ بحوالہ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۴۲۷۔
۹۶۔ قصۂ بے نظیر (مرتبہ عبد القادر سروری) ص ۷۔
۹۷۔۹۸۔ قصۂ بے نظیر (مرتبہ عبد القادر سروری) ص ۱۲۔
۹۹۔۱۰۰۔ قصۂ بے نظیر (مرتبہ عبد القادر سروری) ص ۸۷، ص ۲۔
۱۰۱۔ کلیات شاہی (مرتبہ مبارز الدین رفعت) ۱۰۵
۱۰۲۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۵۱۔۱۵۲۔
۱۰۳، ۱۰۴۔ گلشن عشق (مرتبہ مولوی عبد الحق) ص ۱۲، ص ۱۳
۱۰۵۔ گلشن عشق (مرتبہ مولوی عبد الحق) ص ۱۶۔
۱۰۶۔ علی نامہ (مرتبہ پروفیسر عبد المجید صدیقی) ص ۱

۱۰۷۔ علی نامہ (پروفیسر صدیقی) ایضاً ۲۔

۱۰۸۔ دیوان نصرتی (مرتبہ جمیل جالبی)

۱۰۹۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان۔ جلد اول ص ۲۸۱

۱۱۰۔ تاریخ ادب اردو (جمیل جالبی) جلد اول ص ۱۲۸

۱۱۱۔ سیارہ ڈائجسٹ (رسول نمبر) جلد دوم ص ۴۸۰، سیرت پاک ص ۱۰۰

۱۱۲۔ نصیر الدین ہاشمی نے اپنے طویل مضمون قدیم اردو (دکھنی) میں سیرۃ النبیؐ کا ذخیرہ میں ایسی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے اور ان تصانیف کا نمونہ کلام بھی درج کیا ہے۔ یہ مضمون ان کی کتاب دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین ہیں (ص ۲۲۔۵۰) شامل ہے۔

۱۱۳۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۴۹۳۔

۱۱۴۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۴۲۱۔

۱۱۵۔ دکھنی کے چند تحقیقی مضامین (نصیر الدین ہاشمی) ص ۲۳

۱۱۶۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۹۷

۱۱۷۔ معراج نامہ بلاقی کتب خانہ ادارہ ادبیات حیدر آباد دکن ص ۱۰ بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری (اشفاق) ص ۱۵۱۔

۱۱۸۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۹۸

۱۱۹۔ سیارہ ڈائجسٹ (رسول نمبر) جلد دوم ص ۴۸۰، سیرت پاک ص ۱۰۰

۱۲۰۔ قلندر نامہ معظم کی اور مثنوی ہے جس میں قلندری کی اہمیت اور قلندر کی صفات پر روشنی ڈالی گئی ہے

۱۲۱۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۴۹۵۔

۱۲۲۔ رسالہ نوائے ادب جلد ۴ شمارہ ۴ بمبئی ۱۹۵۳۔

۱۲۳۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۴۸۶

۱۲۴۔ سیارہ ڈائجسٹ (رسول نمبر) جلد دوم ص ۴۸۰

۱۲۵، ۱۲۶، دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۹۰، ص ۲۰۳ ۔

۱۲۷۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۵۳

۱۲۸-۱۲۹۔ معراج نامہ مختار بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۵۴، ص ۱۵۵ ۔

۱۳۰ - تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۵۱۱

۱۳۱ - سیارہ ڈائجسٹ (رسول نمبر) جلد دوم ص ۴۸۱

۱۳۲، ۱۳۳، اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۶۰ ۔

۱۳۴، تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۴۳۹ ۔

۱۳۵۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۶۱ بحوالہ تذکرہ اردو مخطوطات (سید محی الدین زور) جلد اول ص ۲۲ ۔

۱۳۶ تا ۱۳۸۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۶۱ - ۱۶۵ بحوالہ تذکرہ اردو مخطوطات (سید محی الدین زور) جلد اول ص ۲۲، ص ۱۸۱، ص ۲۴۴ ۔

۱۳۹ - دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۲۶۸ نے ادارہ ادبیات اردو میں اس وفات نامہ کے تین نسخوں کی نشاندہی کی ہے ۔

۱۴۰ - وفات نامہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ ص ۱۸۴ (بحوالہ اشفاق ۱۶۶، ۱۶۷)

۱۴۱، ۱۴۲ - وفات نامہ سرور کائنات مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد (بحوالہ اشفاق ص ۱۶۸)

۱۴۳ - دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۲۶۹ - ۲۷۰ ۔

۱۴۴ - ۱۴۵۔ سیرت پاک ص ۱۰۲، ص ۱۰۱، ۱۰۲،

۱۴۶، ۱۴۷۔ دکھنی کے چند مضامین (ہاشمی) ص ۲۴ ۔

۱۴۸ - دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۲۰۳ ۔

۱۴۹۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۵۷ - ۱۵۸ ۔

۱۵۰۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۲۰۵۔

۱۵۱۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) ص ۳۱۳ ۵۔

۱۵۲۔ تاریخ ادب اردو (جالبی) جلد اول ص ۲۹ ۵ - ۳۰ ۵۔

۱۵۳، ۱۵۴۔ کلیات ولی (مرتبہ سید نورالحسن ہاشمی) ص ۳۰۴، ص ۳۰۹۔

۱۵۵، ۱۵۶، کلیات ولی ص ۳۰۹، ص ۳۱۱

۱۵۷ تا ۱۵۹، کلیات ولی (سید نورالحسن ہاشمی) ص ۳۲۴، ص ۳۲۶۔ ص ۳۲۶۔

۱۶۰، ۱۶۱، کلیات ولی (سید نورالحسن ہاشمی) ص ۲۷۰، ص ۲۷۰۔

۱۶۲، ۱۶۳، کلیات ولی ص ۲۷۳، ص ۲۷۷، ص ۲۷۹، ص ۲۸۰، ص ۲۸۴، ص ۴۷

۱۶۴۔ کلیات ولی (سید نورالحسن ہاشمی) ص ۲۸۸ یہ مخمس ولی نے اپنی ہی ایک غزل پر لکھی ہے غزل ص ۱۷۳، ۱۷۴ پر درج ہے۔

۱۶۵، ۱۶۶، کلیات ولی ص ۲۶۲، ص ۲۹۶،

۱۶۷، اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر طلحہ رضوی برق) ص ۳۴۔

۱۶۸۔ کلیات بحری (مرتبہ ڈاکٹر محمد حفیظ سید) ص ۱۲۷

۱۶۹ تا ۱۷۳، کلیات بحری (مرتبہ ڈاکٹر محمد حفیظ سید) ص ۱۴۹، ص ۱۵۰، ص ۱۹۱، ص ۲۳۷، ص ۲۳۹۔

۱۷۴۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۲۹۱ - ۲۹۲

۱۷۵۔ نظیر لدھیانوی کا یہ طویل مضمون ماہنامہ "شام وسحر"، لاہور کے نعت نمبر (جنوری فروری ۸۱ء) میں ص ۲۵ - ۱۲۷ رہے۔

۱۷۶۔ شام وسحر نعت نمبر (جنوری فروری ۸۱ء) ص ۲۷

۱۷۷۔ سیرت پاک ص ۱۰۵

۱۷۸۔ مثنویات سراج (مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری) ص ۱۲۸۔

۱۷۹، ۱۸۰، غزلیات سراج (مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری) ص ۵۲۹،

۱۸۱۔ بحوالہ دکھنی کے چند تحقیقی مضامین (نصیر الدین ہاشمی) ص ۲۸، ۲۹۔

۱۸۲۔ دکھنی کے چند تحقیقی مضامین (ہاشمی) ص ۲۸ - ۲۹

۱۸۳۔ سیرت پاک (انتخاب مضامین سیرت ماہ نو) ص ۱۰۴

۱۸۴۔ اعجاز احمدی جلد اوّل ص ۴ بحوالہ اشفاق ۱۹۱-۱۹۲۔

۱۸۵۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۲۳۴۔

۱۸۶۔ اعجاز احمدی جلد اول ص ۴۔

۱۸۷۔ اعجاز احمدی ص ۲ بحوالہ اشفاق ص ۱۹۳۔

۱۸۸-۱۸۹، دکھنی کے چند تحقیقی مضامین (ہاشمی) ص ۲۴/ ص ۲۶۔

۱۹۰۔ دکھنی کے چند تحقیقی مضامین (ہاشمی) ص ۲۷

۱۹۱-۱۹۲، ہشت بہشت ۲۹/ ۴۵ بحوالہ اردو کی نعتیہ شاعری (اشفاق) ص ۲۰۱۔

۱۹۳۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو۔ جلد اول ص ۸۸ - ۸۹ ص ۹۱۔

۱۹۴ تا ۱۹۶۔ ہشت بہشت ۴۶ بحوالہ مقالہ اشفاق ص ۲۰۱۔

۱۹۷، ۱۹۸۔ ہشت بہشت بحوالہ اشفاق ص ۲۰۳/ ص ۲۰۴۔

۱۹۹ تا ۲۰۱۔ ہشت بہشت بحوالہ اشفاق ص ۲۰۴/ ص ۲۰۶ ص ۲۰۷۔

۲۰۲۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو (جلد اول) ص ۸۷

۲۰۳۔ ہشت بہشت بحوالہ اشفاق ص ۲۰۹/ ص ۲۱۵، ۲۱۶۔

۲۰۴۔ بحوالہ سیرت پاک ص ۱۰۵۔

۲۰۵۔ اردوئے قدیم (مولوی عبدالحق) نصرت علی اور محمد محسن علی کے وفات ناموں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مگر ان کے کوائف عہد مولود و مسکن کے بارے میں معلومات نہیں ملیں۔

چوتھا باب

۱۔ پنجاب میں اُردو (حافظ محمود شیرانی) ص ۳۲۹۔

۲۔۳۔ پنجاب میں اردو (شیرانی) ص ۲۳۷، ص ۲۲۹۔

۴۔۵۔ پنجاب میں اردو (شیرانی) ص ۲۴۴، ص ۵۴۴۔

۶۔۷۔ پنجاب میں اُردو (شیرانی) ص ۲۳۴/ص ۲۴۴۔

۸۔ پنجاب میں اردو (شیرانی) ص ۴۳۱ (قاضی فضل حق نے اس عربی آمیز مناجات میں ایک اور شعر کی نشاندہی کی ہے جو درج ذیل ہے۔

آ بیٹھے دیکھنے عشق کوں ھرنا عموماً فی العموم کیسی بنی کیسی پڑی انظر بحالی یا نبی ص

بحوالہ ایضاً ص ۴۲۸۔

۹۔ پنجاب میں اردو (شیرانی) ص ۳۲۷ (قاضی فضل حق نے اس عربی آمیز مناجات میں ایک اور شعر کی نشاندہی کی ہے جو یہ ہے۔

آ بیٹھے دیکھنے عشق کو ھرنا عموماً فی العموم

کیسی بنی کیسی پڑی انظر بحالی یا نبی ص بحوالہ ایضاً ص ۴۲۸۔

۱۰۔ ایضاً ص ۳۶۷ دلشاد کے ہاں جناب علی رض، مہدی آخرالزماں، حضرت عیسیٰ اور جناب غوث اعظم سے بھی ایسے ہی استمداد کے نمونے ملتے ہیں۔

۱۱۔ ایضاً ص ۴۶۳۔۴۶۴۔

۱۲۔ محشر نامہ، خواب نامہ، پیغمبر اور دہیر نامہ بی بی خاتون بھی محبوب عالم کی

تصانیف ہیں ان کے موضوعات بھی مذہب سے متعلق ہیں۔

۱۳-۱۴۔ پنجاب میں اردو شاعری (حافظ محمود شیرانی) ص ۲۶۶ / ص ۲۶۷

۱۵۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) جلد ششم ص ۱۷۲

۱۶۔ پنجاب میں اردو (شیرانی) ص ۹۴۔

۱۷۔ پنجاب میں اردو (شیرانی) ۳۱۹۔

۱۸۔ ذکر مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی میں یہ مثنوی تین حصوں قصہ بی بی فاطمہ، وفات نامہ بی بی فاطمہ اور شادی نامہ بی بی فاطمہ کے ناموں سے ہے۔

۱۹، ۲۰۔ اردو کی دو قدیم مثنویاں از اسماعیل امروہی (مرتبہ نائب حسین نقوی) ص ۱۰۵۔ ص ۱۴۸۔

۲۱، ۲۲۔ اردو کے دو قدیم مثنویاں از اسماعیل امروہی (مرتبہ نائب حسین نقوی)، ص ۱۵۱ / ص ۱۵۵۔

۲۳۔ ایضاً (ایضاً) ص ۱۶۵۔

۲۴۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) چھٹی جلد ص ۱۷۴

۲۵۔ شعر الہند (عبدالسلام ندوی) جلد دوم ص ۳۴۳

۲۶۔ کلیات سودا ص ۲۲۲

۲۷۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر طلحہ رضوی برق) ص ۳۵۔

۲۸۔ کلیات سودا ص ۲۲۲ - ۲۲۴۔

۲۹، ۳۰۔ تاریخ ادبیات (پنجاب یونیورسٹی) ساتویں جلد ص ۱۱۰۔

۳۱۔ کلیات سودا جلد اول ص ۲۲۴۔

۳۲ تا ۳۴، کلیات سودا جلد اول ص ۲۲۴، ص ۲۲۵۔

۳۵، ۳۶، کلیات سودا (جلد اول) ص ۲ / ص ۲۔

۳۷۔ کلیات سودا (جلد دوم) ص ۵۸، ۸۸

۳۸۔ کلیات سودا (جلد دوم) ص ۸۶۔

۳۹۔ کلیات سودا (جلد اول) ص ۴۱۳ قاضی عبدالودود نے "سویرا"

میں (ص ۲۹) کلیات سودا کے پہلے مطبوعہ نسخے کی تفصیل میں اس مثنوی کو الحاقی قرار دیا ہے۔ انہوں نے اسے شیدا کی مثنوی کہا ہے۔ بحوالہ تاریخ ادبیات ساتویں جلد ص ۱۲۴۔

۴۰-۴۱۔ کلیات مصحفی (دیوان اول) ص ۱، ص ۲۔

۴۲۔ کلیات مصحفی (دیوان چہارم) ص ۳۔

۴۳، ۴۴، کلیات مصحفی دیوان چہارم ص ۲۸۹، ص ۳۸۴

۴۵۔ اورنٹیل کالج میگزین خصوصی شمارہ بتقریب جشن صد سالہ ص ۱۵۲

۴۶۔ ریاض الفصحا (مصحفی) ص ۲۸۶ بحوالہ لکھنو کا دبستان شاعری، (صدیقی) ۲۲۵، ۲۲۶ صفحات۔

۴۷-۴۹۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۱۱ / ص ۱۲، / ص ۱۷۔

۵۰۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ (ڈاکٹر محمود الٰہی) ص ۳۴۶۔

۵۱۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۱۱ - ۲۱۔

۵۲۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۲۱

۵۳۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۴۱۶ - ۴۳۲ اسی بحر اور انداز میں مومن کی ایک اور مثنوی، حمد، کے موضوع پر بھی ہے۔ جو زیر نظر کلیات میں اشعار مثنوی (ناتمام) کے عنوان سے ہے۔ کلیات مومن کے بعض نسخوں میں ان دونوں مثنویوں کو ایک مثنوی کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

۵۴۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۴۱۷۔

۵۵۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۴۱۸۔

۵۶-۵۷۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۴۱۹ / ص ۴۲۱۔

۵۸۔ 〃 〃 (〃) ص ۴۲۳۔

۵۹ تا ۶۱۔ کلیات مومن (جلد دوم) ص ۴۲۳ / ص ۳۰۹ - ۳۱۰ / ص ۲۹۱۔

۶۲۔ انتخاب میر انیس ص ۴۱-۴۶

۶۳۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ (ڈاکٹر محمود الٰہی) ص ۳۱۹۔

۶۴۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری (ابواللیث صدیقی) ص ۴۷۴۔

۶۵۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ (ڈاکٹر محمود الٰہی) ص ۳۷۶۔

۶۶۔ میر مہدی مجروح کی نعت گوئی میں خالد بزمی کا ایک تعارفی مضمون روزنامہ امروز میں چھپا ہے (۱۲ مئی ۱۹۷۹ء)

۶۷۔ تقویت الایمان (شاہ اسماعیل شہید) ص ۶۷، ۶۸۔

۶۸۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نے مرزا غالبؔ سے بھی اس مسئلہ پر ایک مثنوی لکھوائی جس کا نام شان نبوت و ولایت ہے۔ بحوالہ قصائد و مثنویات فارسی (غالب مرتبہ مہر) ص ۴۹۔

۶۸۔ دیوان شہیدی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء (مطابق ۱۲۹۳ھ)

۷۰، ۷۱۔ دیوان شہیدی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء (م ۱۲۹۳ھ)

۷۲۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۵۔

۷۳۔ کلیات محسن کاکوروی ص ۹۷۔

۷۴۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۵۱۔

۷۵۔ ڈاکٹر اشفاق نے اسے قصیدہ کے ذیل میں رکھا ہے۔ نیز اس کا موضوع نعت کے بجائے منقبت جناب علیؓ بتایا ہے۔ دیکھئے اردو میں نعتیہ شاعری حاشیہ ص ۲۲۹۔

۷۶۔ صریر خامہ (نعت نمبر) ص ۱۲۱-۱۲۴۔

۷۷۔ نظیر حسین لدھیانوی نے اپنے مضمون "تذکرہ عندلیبان ریاض رسول" میں شہیدی کے نعتیہ کلام کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۲۹ پر ایک ترجیع بند کا حوالہ اور نمونۂ کلام بھی دیا ہے۔ جس کے ٹیپ کا شعر قدسی کی مشہور نعت کا مطلع ہے ؎ دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی : مرحبا سید مکی مدنی العربی۔

یہاں نظیر صاحب سے سہو ہوا ہے۔ شہیدی نے قدسی کے مطلع پر کوئی ترجیع بند نہیں کہا۔ انہوں نے جس ترجیع بند کا نمونہ کلام دیا ہے، وہ کلام امام شہید کا ہے اور ان کے مولود شریف میں صفحہ ۴۷۔۵۰ پر درج ہے۔ اس کے علاوہ وہ نعت قدسی کے تضمینوں کے مشہور مجموعے "حدیثِ قدسی"، مرتبہ قاضی محمد عمر، مطبوعہ مطبع مرتضوی محمد عزیز الدین ۱۸۷۳ء کے صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۳ پر بھی غلام امام شہید ہی کے نام سے درج ہے۔

۷۸۔ ماہنامہ ماہ نو، لاہور مسلم فن و ثقافت نمبر، ص ۱۴۴۔

۷۹۔ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ مطبع ابوالعلائی حیدرآباد دکن

۸۰۔ حوالے اشعار کے ساتھ درج ہیں۔

۸۱۔ اس نعت پر کافی کا ایک خمسہ بھی ہے جو ان کے دیوان کے آخر میں ص ۵۹۔۶۰ پر درج ہے۔

۸۲۔ دیوان کافی ص ۲۷، ص ۳۴، ص ۴۳، ص ۴۴۔

۸۳۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۲۱ نیز مولانا احمد رضا خان نے ملفوظات (جلد دوم) میں ص ۴۸۔۵۰ پر بھی کافی مرادآبادی کی نعت گوئی کی تعریف کی ہے۔

۸۴۔ مولوی کافی نے اپنی اس نعت کی تضمین بھی کہی جو ان کے دیوان کے آخر میں ص ۵۸۔۵۹ پر درج ہے۔ نیز کافی کی اس نعت پر بعد کے کئی نعت گو شاعروں نے بھی نعتیں کہیں۔

۸۵۔ شعر الہند (عبدالسلام ندوی) حصہ دوم ص ۲۰۸۔۲۰۹

۸۶۔۸۷۔ اردو کی نعتیہ شاعری / ص ۵۴، ص ۱۷۶

۸۸۔ ماہنامہ شام و سحر، (نعت نمبر) ص ۲۷۔۲۸

۸۹ تا ۹۱۔ مولود شریف شہید ص ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ص ۳۲۔

۹۲۔ مولود شریف شہید ص ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ص ۳۲

۹۳- مولود شریف غلام امام شہید ص ۷۶ -

۹۴- مولود شریف غلام امام شہید ص ۷۶،

۹۵-۹۶- مولود شریف غلام امام شہید ص ۷۶، ۷۷، ۷۸ -

۹۷- اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشتیاق) ص ۲۷۳ -

۹۸- اردو نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشتیاق) ص ۲۷۳ -

۹۹-۱۰۰- مولود امام شہید ص ۸۰-۸۱ / ص ۸۳ -

۱۰۱-۱۰۲- مولود غلام امام شہید ص ۸۴، ۸۵ -

۱۰۳-۱۰۴- مولود شریف (شہید) ص ۴۷، ۴۹ -

۱۰۵- مولود شریف (شہید) ص ۷۱

۱۰۶- داستان تاریخ اردو (حامد حسن قادری) ص ۲۲۹ -

۱۰۷ تا ۱۰۹- دیوان شاہ نیاز (مرتبہ شفیق بریلوی) ص ۱۷۰، ۲۴۱، ۲۳۴، تنظیم خدام سلسلۂ عالیہ نیازیہ کراچی -

۱۱۰- ۱۲۷۰ھ والا ایڈیشن مطبع گلشن محمدی لکھنؤ سے چھپا ہے۔ اس کے دیباچہ میں مطبع میں آئینہ سکندر سے چھپنے والے ایک پہلے ایڈیشن کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو ۲۵۶ جلدوں پر مشتمل تھا -

۱۱۱- بحوالہ شعر الہند (مولانا عبدالسلام ندوی) جلد دوم ص ۲۰۹ -

۱۱۲- زیر نظر دیوان لطف مطبع مجتبائی لکھنؤ سے ۱۲۲۷ھ میں شائع ہوا اس کے آخر میں مولوی کفایت علی کافی اور کچھ دوسرے شعرا کی نعتیں درج ہیں -

۱۱۳- حیات النبی کا یہ مسئلہ ہر دور کے علماء کی طرح شعراء کے ہاں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ بریلوی اور دیوبندی شاعروں کے ہاں عام طور پر اور دیوبندی حضرت کے ہاں کہیں کہیں، یارسول اللہ، کا خطاب ملتا ہے جب کہ اہل حدیث نعت گو اس سے اجتناب کرتے ہیں -

۱۱۴- ترانۂ ایمان (تمنا مراد آبادی) ص ۲-۳ -

۱۱۵ تا ۱۱۸ ۔ ترانۂ ایمان (تمنا مراد آبادی) ص ۲۴، ص ۳، ص ۴، ص ۳۲۔
۱۱۹۔ ماہنامہ " ادب لطیف، لاہور (غالب نمبر) ص ۱۸۶۔
۱۲۰، ۱۲۱، ترانۂ ایمان (تمنا مراد آبادی) ص ۶۸ / ص ۲۔
۱۲۲، ۱۲۳، ترانۂ ایمان (تمنا مراد آبادی) ص ۳۲، ص ۵۷
۱۲۴۔ ترانۂ ایمان (تمنا مراد آبادی) حوالہ ساتھ درج کر دیا گیا ہے۔
۱۲۵۔ ترانۂ ایمان (تمنا مراد آبادی) ص ۵۵۔
۱۲۶ تا ۱۲۹۔ خیابان آفرینش، (امیر مینائی) / ص ۳ سبب تالیف ہی میں ایک جگہ لکھتے ہیں " سبب علماء فضلا کو (روایات) کی تصحیح میں . . . غور و فکر کی احتیاج ہے تو انشا پردازوں اور شاعروں کے لکھنے کا اس باب میں اعتبار رہا اور ان کی لکھی ہوئی عبارتیں جیسی کہ کہیں کہیں مشہور مولدوں میں پائی جاتی ہیں کیونکر قابل اعتماد ہو سکتی ہیں "
۱۳۰۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۱۱۱ - ۱۱۳۔
۱۳۱۔ " " " ص ۲۸ - ۲۹۔
۱۳۲۔ ذکر حبیب (خالد مینائی) ص ۲۲۲ - ۲۲۳۔
۱۳۳۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) متفرق صفحات) ص ۱۱۵، ۱۱۶۔
۱۳۴، ۱۳۵۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) متفرق صفحات ۱۱۵ - ۱۱۶۔
۱۳۶۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۱۰۹
۱۳۷۔۱۳۸۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۴۶۔
۱۳۹۔ ذکر حبیب (خالد مینائی) ص ۳۱ - ۳۲
۱۴۰۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۴۰
۱۴۱ تا ۱۴۳۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۸۰، ص ۸۲، ص ۹۳۔
۱۴۴ تا ۱۵۰۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۶۹ / ص / ص / ص ۹۲ / ص / ص ۹۹۔
۱۵۱۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۹۶ - ۱۳۹۔

۱۵۲۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری (ابواللیث صدیقی) ص ۶۵۶۔

۱۵۳۔ محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) ص ۵/ ص ۱۵/ ص ۲۵۔

۱۵۴۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۶۹۔

۱۵۵۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ ڈاکٹر محمود الہٰی) ص ۴۱-۴۳۔

۱۵۶۔ مریر خامہ (قصیدہ نمبر) ص ۳۵۲۔

۱۵۷۔ شعر الہند (عبد السلام ندوی) حصہ دوم) ص ۲۱۱-۲۱۲

۱۵۸۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری (ابواللیث صدیقی) ص ۵۴۵-۵۴۸۔

۱۵۹۔ اردو میں نعتیہ شاعری (رفیع الدین اشفاق) ص ۳۲۰-۳۲۱۔

۱۶۰۔ کلیات محسن (محسن کاکوروی) ص

۱۶۱۔ کلیات محسن (محسن کاکوروی) ص

۱۶۲-۱۶۳۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری (ابواللیث صدیقی) ص ۵۶۳۔

۱۶۴۔ ستارہ یا بادبان (محمد حسن عسکری) ص ۳۲۱

۱۶۵۔ کلیات محسن (محسن کاکوروی) ص ۱۵۹-۱۶۱۔

۱۶۶۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۶۰

۱۶۷۔ کلیات نعت (مولوی محمد حسین) ص ۱۵۵ مطبوعہ یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ۔

۱۶۸۔ کلیات محسن ص

۱۶۹۔ ستارہ یا بادبان (محمد حسن عسکری) ص ۲۹۸-۳۳۶

۱۷۰۔ کلیات محسن ص ۱۷۵

۱۷۱۔ کلیات محسن (متفرق صفحات)

۱۷۲۔ اس موضوع پر (حیدر آباد یونیورسٹی سندھ) سے درج ذیل عنوانات کے تحت ایم اے کے تین مقالات بھی لکھے گئے۔

(۱) محسن کے کلام پر قرآن و حدیث کے اثرات۔

(۲) چراغِ کعبہ — حواشی و تعلیقات۔

۱۷۱)۔ صبح تجلی۔ حواشی و تعلیقات ، بحوالہ ، صریر خامہ ، نعت نمبر ص ۱۳۷
۱۷۳۔ مثنوی سحر البیان (میر حسن) ص ۲۲۹۔
۱۷۴۔ انتخاب میر انیس ص ۴۲۔
۱۷۵۔ دیوانِ کافی (کافی مراد آبادی) ص ۴۲
۱۷۶۔ بحوالہ ص ۸ ۱۳ تاریخ ریختی معہ دیوان جان صاحب مرتبہ مولوی سید محمد مبین مطبع انوار احمد الہ آبادی۔
۱۷۷۔ کالیداس گپتا رضا نے ، متعلقات غالب ، میں ، غزل قدسی اور تضمین غالب کے مضمون میں قدسی کی تضمینوں کے کئی مجموعوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں قابل ذکر یہ ہیں۔ خمسائے غزل قدسی ، (مرتبہ محمد حسین خاں تحسین ۱۲۷۱ھ) حدیث قدسی (مرتبہ قاضی محمد عمر ۱۲۸۱ھ)
صحیفہ قدسی حصہ دوم حدیث قدسی (مرتبہ حاجی سید شمشیر علی ۱۲۹۳ھ)
نیز غزل قدسی پر سب سے زیادہ تضمینیں بنارس کے اخبار ، جریدہ روزگار ، میں چھپیں بقول گپتا رضا " چار سال ۱۸۸۵ ، ۱۸۸۶ ، ۱۸۸۹ ، ۱۸۹۰ کے پرچوں میں دو سو سے زائد خمسے تو میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ قیاس غالب ہے کہ خمسوں کی مجموعی تعداد پانچ سو کے قریب ہو گئی۔ واضح ہو کہ یہ اخبار ۱۸۷۵ء سے نکلنا شروع ہوا اور ۴/۱۹۰۳ تک جاری رہا۔ متعلقات غالب ، (کالیداس گپتا رضا) ص ۱۴۔ ۳۰۔
۱۷۸۔ تذکرہ شاعراتِ اردو (مولفہ محمد جمیل احمد) ص ۱۶۰ ، ۱۶۱ ، یہ خمسے ، حدیث قدسی ، سے لئے گئے ہیں۔

پانچواں باب

۱۔ یہ مقدمہ دیوان حالی کے ساتھ ۱۸۹۲ میں نامی پریس کانپور سے شائع ہوا۔
۲۔ ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی جنگِ آزادی نمبر ص۔ ۲۱۶ - ۲۱۷۔
۳۔ ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی جنگ آزادی ۱۸۵۷ نمبر ص۔ ۲۱۶ - ۲۱۷۔
۴۔ القلم کراچی (جنگ آزادی نمبر) جون ۱۹۵۷ء۔
۵۔ ماہنامہ ادب لطیف لاہور، (غالب نمبر) جلد ۶۹ شمارہ ۱۱، ۱۲، ص ۱۸۰۔
۶۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے اپنے مضمون غالب کے چند شاگرد مطبوعہ ماہنامہ ادب لطیف (حوالہ ایضاً) میں ان کا ایک نعتیہ بند بھی نقل کیا۔
۷-۸۔ غلامی سے آزادی تک (غلام فرید) ص ۵۳ / ص ۵۴۔
۹۔ گلدستۂ مقبول (مرتبہ حاجی مقبول احمد) جلد دوم ص ۱۲ - ۱۳۔
۱۰۔ گلدستۂ مقبول (مرتبہ قاضی مقبول احمد) جلد دوم ص ۱۳-۱۲۔
۱۱۔ بہارستان (مولانا ظفر علی خان) کی متعدد نظموں میں ذکر خلافت کے ساتھ نعتیہ عناصر نظر آتے ہیں۔
۱۲۔ تحریک آزادی میں اردو کا حصہ (ڈاکٹر معین الدین عقیل) ص ۴۲۳۔
۱۳۔ ان کا تفصیلی ذکر متعلقہ شاعروں کے جائزے میں آئے گا۔
۱۴۔ حدیث قدسی (مرتبہ قاضی محمد عمر) ص ۲۶۔
۱۵۔ مولانا حالی نے اس قصیدے کے حاشیے میں یہ صراحت لکھا ہے، اس

سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا"۔ اس کی روشنی میں قدسی والی تضمین کی نسبت تحقیق طلب ہے لیکن بقول ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی چونکہ اس کے خلاف بھی کوئی حتمی دلیل نہیں ملتی اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ اسے کلیات میں شامل کیا جائے، کلیات نظم حالی (مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی) جلد اول حاشیہ ص ۲۸۸)

۱۶۔ کلیات نظم حالی (مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی) جلد اول ص۔ ۲۸۷ حاشیہ ص۔ ۲۵۸ - ۲۵۹

۱۷۔ کلیات نظم حالی (" " ") ص ۲۵۸ - ۲۶۵۔

۱۸۔ کلیات نظم حالی (مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی) جلد اول ص ۲۷/ص ۳۳۔

۱۹۔ " " " (" " ") " " ص ۲۶/ص ۳۳۔

۲۰۔ کلیات نظم حالی (مرتبہ افتخار احمد صدیقی) جلد اول ص/ ۳۳۔

۲۱۔ مسدس حالی۔ ص۔ ۱۵۔

۲۲۔ خیر البشر کے حضور میں (ممتاز حسن) ص۔ ۲۳۔

۲۳۔ مسدس حالی (مولانا الطاف حسین حالی) ص۔ ۱۲۵/ ۱۲۹۔

۲۴۔ حالی کی اس عرضداشت سے پہلے نسبتاً غیر معروف شاعروں کی کچھ ایسی نظمیں ملتی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ہم اس باب کے آغاز میں کر آئے ہیں مگر اردو کی پہلی بھرپور موثر اور معروف عرضداشت حالی کی یہی نظم ہے۔

۲۵۔ کلیات شبلی (مولانا شبلی) ص ۳۴/ص ۲۸۔

۲۶۔ حدائق بخشش (احمد رضا بریلوی)

۲۷۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) میں مرتب نے تفصیل سے مولانا کے کلام سے فکری و فنی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے ہے یہ مثالیں اسی کلام سے لی گئی ہیں

۲۸۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۳۲۴، ۳۵۴۔

۲۹۔ مولانا کے نعتیہ سلام میں بھی مشہور نعت گو مولانا کفایت علی کافی کے سلام کا

رنگ جھلکتا ہے ۔ کافی نے بھی سلام میں حضور اکرم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے چند شعر دیکھیں

خاص محبوب خدا ختم رسالت پر سلام — عین رحمت شافع روز قیامت پر سلام

مبتدا اصلی علی جین جبین با صفا — نور کی دریائے امواج لطافت پر سلام

چشم پر ابرو و بعینہ مد ہے سورہ صاد کا — دونوں ابروئے مبارک کی شہادت پر سلام

مصحف رخسار حضرت مظہر انوار غیب — روئے قدسی مطلع صبح صداقت پر سلام

(دیوان کافی ۔ ص ۳۲)

قافیہ اور موضوع کی یکسانیت کے باوجود کافی اور مولانا کے سلام میں بہت فرق ہے ۔ مولانا احمد رضا کا سلام زیادہ تفصیلی، موثر اور شعری و فنی محاسن و صنائع سے لبریز ہے ۔

۳۰ ۔ نوائے وقت لاہور ۲۲ نومبر ۱۹۷۳ء

۳۱ ۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۴۱۲ ۔ ۴۲۰

۳۲ ۔ ” ” ” ص ۴۴۲ ۔ ۴۳۲

۳۳ ۔ مقدمہ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۱۲۱ ۔ ۱۹۱ ۔

۳۴ ۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ۳۸۲ ۔

۳۵ ۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی)

۳۶ ۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) مختلف صفحات ۔

۳۷ ۔ اس موضوع پر ”اعلیٰ حضرت مدینے کی گلیوں“ کے عنوان سے اقبال فاروقی نے ایک مضمون لکھا ہے جو ماہنامہ ضیائے حرم لاہور شمارہ مارچ (۱۹۷۳ء میں ص ۶۰ ۔ ۶۵) پر شائع ہوا ہے ۔

۳۸ ۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۵۷۴

۳۹ ۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی (حصہ دوم) ص ۴۸ ۔ ۴۹ (حاشیہ نمبر ا والا اقتباس میں اس واقعہ کے ضمن میں آیا ہے ۔

۴۰ ۔ امام نعت گویاں“ میں مولانا اختر الحامدی نے ”مولانا“ رضا کی نعت گوئی اور

پاس شریعت" کے عنوان سے جو ذیلی باب لکھا ہے اس میں اس طرح کے کئی واقعات درج کیے گئے ہیں۔

۴۱۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی حصہ دوم، ص ۴۸۔

۴۲۔ شعر حسن (نظیر لدھیانوی) ص ۲۰-۲۷۔

۴۳۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۸۷۔

۴۴۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ (ڈاکٹر محمود الٰہی) ص ۴۵۳۔

۴۵۔ مجموعہ نظم (نظم طباطبائی) ص ۶/ص ۱۰۔

۴۶۔ مختصر تاریخ اردو (ڈاکٹر اعجاز حسین) ص ۲۱۰۔

۴۷۔ مجموعہ نظم (نظم طباطبائی) ص ۱۰۔

۴۸۔ " " " ص ۳۱۔

۴۹۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۷۵-۷۷۔

۵۰۔ کلیات اقبال (اردو) ص: ۱۶۳، ۱۶۸۔

۵۱۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۲۰۷ اور ص ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۰۸،

۵۲۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸۔

۵۳۔ " " ص ۳۱۷،

۵۴۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۴۰۵-۴۰۶

۵۵۔ کلیات اقبال۔ (اردو) ص۔ ۵۱۰۔

۵۶۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۱۹۷، اقبال نے یہ نظم لاہور کی شاہی مسجد میں منعقد ہونے والے جلسے میں پڑھی۔

۵۷۔ ماہنامہ ادبیات، جموں، اپریل ۸۳ء، ص ۲۴۔ مضمون، اقبال منفرد نعت گو، (صادق نسیم)

۵۸ تا ۶۱۔ بہارستان " (مولانا ظفر علی خاں) ص ۳۶/ص ۳۶/ص ۴۴/ص ۴۹

۶۱۔ حبسیات (مولانا ظفر علی خان) ص: ۱۰۔

۶۲۔ بہارستان (مولانا ظفر علی خاں) ص: ۳۹۔

۶۳۔ بہارستان (مولانا ظفر علی خاں) ص: ۵۳

۶۴۔ حبسیات (مولانا ظفر علی خاں) ص: ۱۰

۶۵۔ نقوش، (شخصیات نمبر)

۶۶۔ بہارستان (مولانا ظفر علی خاں) ص: ۳۷

۶۷۔ خیابستان (مولانا ظفر علی خاں) ص: ۱۷، ص ۲۲، ص ۱۸۔

۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲۔ حبسیات (مولانا ظفر علی خاں) ص: ۱۸

۷۳۔ یہ نظمیں حبسیات اور خیابستان دونوں مجموعوں میں ملتی ہیں۔ واضح ہو کہ مولانا ظفر علی خاں کی کئی نظمیں ان کے مختلف مجموعوں میں مشترک ہیں۔

۷۴۔ بہارستان، (مولانا ظفر علی خاں) ص: ۴۹۔

۷۵تا۷۸، ارمغان قادیان (مولانا ظفر علی خان) ص ۲۳، ص ۳۱، ص ۳۶، ص ۴۴، ص ۵۹

۷۹۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد چہارم۔ ص: ۱۰۔

۸۰۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد اول، ص: ۳۸۔

۸۱-۸۲۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد دوم۔ ص: ۲۱۴۔

۸۳۔ تاریخ ادبیات مسلمان پاکستان و ہند، (پنجاب یونیورسٹی) دسویں جلد ص: ۱۰۳، ۱۰۴۔

۸۴۔ اس ضمن میں طوالت کے خوف سے نمونہ اشعار نہیں دیا جا رہا، شاہنامہ اسلام کی جلد چہارم) بدر، اور جلد سوم احد کے واقعات ہی پر مشتمل ہے۔

۸۵۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (پنجاب یونیورسٹی) دسویں جلد، ص: ۱۰۴

۸۶۔ شاہنامہ اسلام، (حفیظ جالندھری) جلد اول، ص: ۱۳۶

۸۷۔ اس کا ذکر آگے، ماہر القادری، کی نعت گوئی کے ذیل میں آئے گا۔

۸۸۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد دوم۔ ص ۲۴۷۔ ۲۴۸۔

۸۹۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد دوم، ص: ۲۴۸۔
۹۰۔ شاہنامۂ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد چہارم، ص: ۱۶۹، ۱۷۰۔
۹۱۔ شاہنامۂ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد دوم، ص: ۱۱۲،
۹۲۔ ماہ نامہ شام و سحر: لاہور (نعت نمبر) ص: ۴۴۔
۹۳ تا ۱۰۱۔ کلیات شائق ص: ۳۳۵، ص ۸۸، ص ۸۶، ص ۵۹، ص ۱۱۵، ص: ۱۲۵،
ص: ۲۴۵، ص: ۳۳۵۔
۱۰۲۔۔ بوستان نعت (سیف بلالوری) ۵-۶-
۱۰۳۔ ارمغان نعت (شفیق بریلوی) ص: ۱۴۴، ۱۴۵۔
۱۰۴۔ ماہنامہ شام و سحر، لاہور، (نعت نمبر) ص ۴۳۔
۱۰۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر طلحہ برق) ص ۱۵ ایڈیٹر سے ہیدم وارثی سے منسوب کیا گیا ہے۔
۱۰۶۔ اردو کی نعتیہ شاعری، (فرمان فتحپوری) ص: ۹۴۔
۱۰۷۔ باغ کلام اکبر (اکبر میرٹھی) ص: ۵/ص: ۱۵۔
۱۰۸۔ باغ کلام اکبر (اکبر میرٹھی)
۱۰۹۔ " " (" ")
۱۱۰۔ چمن مناقب کا، (ممتاز گنگوہی) حصہ سوم (یہ حصہ بندی نعتوں پر مشتمل ہے)
۱۱۱۔ چمنستان حمزہ" (امیر حمزہ) ص: ۱۳۶، /ص: ۵، ۲/ص: ۳۰/
۱۱۲۔ ریاض معلّی (معلّی) ص: ۳۱:
۱۱۳، ۱۱۴۔ نسیم عرفان" (عبد القدیر صدیقی حسرت) ص: ۶۳/ص: ۶۴/
۱۱۵۔ رمزات الاشواق (عبد القدیر صدیقی حسرت) ص: ۲۰/،
۱۱۶۔ لکھنو کا دبستان شاعری،" (ابو اللیث صدیقی) ص: ۶۹۰۔
۱۱۷۔ دیوان نعت سروری (مفتی غلام سرور لاہوری) نیو المپریل پریس لاہور، طبع پنجم، ۱۳۰۱/ نعت سروری (مفتی غلام سرور لاہوری) مں نولکشور کانپور

۱۹۱۱/۱۳۲۹ھ سفر حج کے دوران میں کہی گئی نعتوں کو الگ شائع کیا گیا، وصال سرور، کے نام سے، بعد ازاں ان کے برادر اصغر حکیم محمد النور نے آپ کا تمام نعتیہ کلام کلیات نعت سرور، کے نام سے شائع کیا، بحوالہ خزینۃ الاصفیا (مفتی غلام سرور لاہوری) ص ۱۱۱ المعارف لاہور ۱۳۹۲ھ۔

۱۱۸، ۱۱۹۔ دیوان نعت سروری (مفتی غلام سرور لاہوری) ص ۱۲۷۔ ۱۲۹/ ص ۱۴۵، ۱۴۶

۱۲۰۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۸۸

۱۲۱۔ دیوان محو (محو ابو العلائی) ص ۳۶/ ص ۷۳،۷۴

۱۲۲ تا ۱۲۷۔ دیوان نعت (مفتی دیدار علی شاہ) ص ۵۷۔ ۵۸/ ص ۸۱/ ص ۱۰۱/ ص ۷۲/ ۷۳/ ص ۶۱/ ص ۶۲۔

۱۲۸۔ سلطان سخن (افضل شاہ طوغان) ص ۱۴۵۔

۱۲۹ تا ۱۳۱۔ مراد العاشقین (سید محمود غوث شاہ) ص ۶۱/ ص ۵۳/ ص ۶۵،

۱۳۲ تا ۱۳۷۔ " " ص ۴۲/ ص ۵۱/ ص ۷۵/ ص ۸۱/ ص ۳۵۔ ۳۶/ ص ۲۔۳۔

۱۳۸ تا ۱۴۳۔ مصحف بیدم (بیدم وارثی) ص ۳/ ص ۵/ ص ۲۴/ ص ۲۶/ ص ۲۷/ ص ۲۹۔

۱۴۴۔ اردو کی نعتیہ شاعری (فرمان فتحپوری) ص ۸۵

۱۴۵۔ ۱۴۶۔ معروضہ (محمد الیاس برنی) ص ۱۱۸/ ص ۵۔۶

۱۴۷ تا ۱۵۲۔ معروضہ (محمد الیاس برنی) ص ۷۶/ ص ۸۱/ ص ۷۸/ ص ۵۴/ ص ۳۸/ ص ۲۰

۱۵۳۔ بارگاہ رسالت مآب اور بزرگان دیوبند (مرتبہ مولانا محمد عبید اللہ) مطبوعہ فاروق پبلیکشنز۔ لاہور ۱۳۹۱ھ۔

۱۵۴۔ ارمغان آزاد (مرتبہ ابو سلیمان شاہجہانپوری) ص ۴۹۔ ۵۲ پر آزاد کی چار نعتیں ملتی ہیں۔

۱۵۵۔ ارمغان حرم (اقبال سہیل) مرتبہ افتخار اعظمی ص ۲۱۔

۱۵۶۔ مکتوب سہیل (۸ مارچ ۱۹۴۲ء) بنام مولانا اسلم جیراج پوری شمولہ ارمغان حرم (اقبال سہیل، مرتبہ افتخار اعظمی) ص (ج)

۱۵۷ تا ۱۵۸، مکتوب مذکورہ بالا ۔ میں ہی سہیل نے ان امور کا اظہار بھی کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو ص (ذ) ، (ح)

۱۵۹ ۔ ارمغان حرم (اقبال سہیل) ص ۴۶ - ۱۶۴ (یہ نظم الگ کتابچے کی شکل میں بھی شائع ہوئی ہے)

۱۶۱ ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے راز کاشمیری نے حال ہی میں ایسی نعتوں کا انتخاب شائع کیا ہے ۔ جس میں اس ردیف کی نعتیں شامل ہیں ۔

۱۶۱ ۔ ارمغان حرم (اقبال سہیل) ص ۱۲۳ ۔

۱۶۲ ۔ " " ص ۱۶۵ ۔

۱۶۳ ۔ " " ص ۱۶۹

۱۶۴ ۔ " " ص ۱۸۵

۱۶۵ ۔ " " ص ۱۸۱، ص ۱۴۲، ۹۸،

۱۶۶ ۔ ارمغان حرم (اقبال سہیل) ص ۸۹ - ۱۱۱

۱۶۷ ۔ عطیہ خلیل عرب کے مضمون، سہیل ایک عبقری، سے مختلف اقتباسات ۔

۱۶۸ ۔ ریاض امجد (امجد حیدر آبادی) ص ۱۵ / حصہ دوم) ص ۲۲،

۱۶۹ ۔ نج امجد (امجد حیدر آبادی) ص ۱۰۴

۱۷۰ ۔ نذر امجد (امجد حیدر آبادی) ص ۱۱

۱۷۱ ۔ ریاض امجد (امجد حیدر آبادی) ص ۲۲ حصہ دوم

۱۷۲ ۔ تضمین بر قصیدہ حسن ۔ ص ۱۰۴ (نج امجد)

۱۷۳ ۔ ریاض امجد (امجد حیدر آبادی) حصہ اول ۔ ص ۱۱

۱۷۴ ۔ ریاض امجد (امجد حیدر آبادی) حصہ اول ص ۱۲ ۔

۱۷۵ ۔ رباعیات امجد (امجد حیدر آبادی) حصہ دوم ص ۱۳ ۔

۱۷۶ تا ۱۷۸، قصیدہ ولا (عزیز لکھنوی) ص ۱ ۔ ص ۲۵ ، ص ۲۵ ۔

۱۷۹ ۔ قصیدہ ولا (عزیز لکھنوی) ص ۲۵

۱۸۰۔ " " " ص ۵-۸

۱۸۱۔ " " " ص ۱۸۔

۱۸۲۔ گلبانگ حرم (حمید صدیقی) دیباچہ، امجد حیدر آبادی کی آراء بھی گلبانگ حرم، کے شروع میں دیے گئے تاثرات و پیش لفظ سے ماخوذ ہیں۔

۱۸۳۔ اردو کی نعتیہ شاعری (فرمان فتح پوری) ص ۹۴۔

۱۸۴۔ ستارہ یا بادبان (محمد حسن عسکری) ص ۳۰۴۔

۱۸۵۔ اس دور کے میلاد ناموں کیلئے ضمیمہ نمبر ۲ دیکھئے۔

۱۸۶۔ ضمیمہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

چھٹا باب

۱۔ ہفت روزہ، زندگی، لاہور اکتوبر ۷۷ء

۲۔ اس ضمن میں خواجہ دل محمد اور دوسرے بہت سے شاعروں کا ذکر ملتا ہے جو انجمن کے سالانہ جلسوں میں ایسی نعتیہ نظمیں پڑھتے جو قومی و ملی آرزوؤں کی نظیر ہوتیں۔ دیکھئے سوانح خواجہ دل محمد مطبوعہ لاہور۔

۳۔ ماہنامہ ماہ نو، لاہور (خصوصی شمارہ مسلم فن و ثقافت نمبر) مئی ۱۹۸۰ء، ص ۴۷

۴۔ ارمغان حرم (اقبال سہیل) ص ۴۸۔۴۹ (مقدمہ افتخار اعظمی)

۵-۶۔ کفر و ایمان (بہزاد لکھنوی) ص ۱۶، ص ۱۵

۷۔ اردو ادب اور اسلام (پروفیسر ہارون الرشید) حصہ اول ص ۵۲۳۔

۸-۹۔ ذکر جمیل (ماہر القادری) ص ۱۷، ص ۴۵

۱۰۔ ماہنامہ فاران، کراچی ماہر القادری نمبر دسمبر ۷۸ء، ص ۳۰۹۔

۱۱۔ ارمغان نعت (مرتب شفیق بریلوی) ص ۲۴۲۔

۱۲۔ گلدستہ نعت (مرتبین ۔ طاہر و ضیاء) ص ۵۴۔

۱۳-۱۴۔ خالد شخص و شاعر (مرتب حسین سحر) ص ۴۳/ ص ۴۵

۱۵۔ خاد قلیط (عبدالعزیز خالد)

۱۶۔ سخن ور (ڈاکٹر سید عبداللہ) ص ۲۱۸

۱۷۔ خالد شخص، شاعر (مرتب، حسین سحر) ص ۴۹۔

۱۸۔ ماہنامہ تحریریں لاہور (عبدالعزیز خالد نمبر ۳) ص ۲۸۳۔

۱۹۔ منمنا (عبدالعزیز خالد)

۲۰۔ خالد شخص شاعر (مرتب حسین سحر) ص ۵۰

۲۱۔ خالد شخص و شاعر (مرتب، حسین سحر) ص ۵۲۔

۲۲۔ تمطایا (عبدالعزیز خالد) ص ۵۱۔

۲۳۔ ماہنامہ تحریریں لاہور، خالد نمبر حصہ ۳ ص ۸۰ - ۸۱۔

۲۴۔ خروش خم (عبدالعزیز خالد)

۲۵۔ تجلیات، جلوہ گاہ، باب جبرئیل حافظ مظہر الدین کے نعتیہ مجموعے ہیں۔

۲۶۔ علامہ اقبال (از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر) کے مقابلے میں حافظ صاحب کی یہ جرأت و جسارت نعت کا اچھوتا مضمون ہے بقول خالد بزمی حافظ صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتہ اللعالمین اور شافع مذنبین ہونے پر اسقدر ناز ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس رحمت دو جہاں کے سامنے ان کے کسی نام لیوا کو جہنم میں بھیجا ہی نہیں جا سکتا۔۔۔ نکتہ طرازی کی یہ ایک (عمدہ) مثال ہے، ص ۲۰ ماہنامہ محفل لاہور اکتوبر ۱۹۷۶ء

۲۷۔ ماہنامہ سیارہ لاہور دسمبر ۷۶ء۔ ص ۹۴

۲۸، ۲۹۔ ثنائے خواجہ (حافظ لدھیانوی) پیش لفظ ص ۱۲ / مضمون حفیظ تائب ص ۳۶۔

۳۰۔ تسنیم حضوری (حافظ لدھیانوی) ص ۱۲ دیباچہ۔

۳۱۔ صلوا علیہ وآلہ (حفیظ تائب)

۳۲۔ فلیپ (صلوا علیہ وآلہ) ص

۳۳۔ صلوا علیہ وآلہ ص ۱۲۔

۳۴۔ ماہنامہ برکات" لاہور نومبر ۷۶، (اشاعت خاص بہ سلسلہ حفیظ تائب) ص

۳۵۔ اس سلسلے میں نعتیہ نشستیں اور ماہانہ مشاعروں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ لاہور میں حفیظ تائب کے ساتھ خالد بزمی، عابد نظامی اور محمد افضل فقیر کی کوشش بھی لائق تحسین ہیں۔ راجہ رشید محمود کے ہاں بھی کار نعت میں خصوصی دلچسپی

نظر آتی ہے۔

۳۶۔ ماہنامہ "برقاب" لاہور نومبر ۷۶ء (اشاعت خاص بسلسلہ حفیظ تائب)

۳۷۔ غبارِ حجاز، حسن کلام، ارمغان حرم اور ذکر خیر وغیرہ۔

۳۸۔ ماہنامہ محفل لاہور فروری ۸۰ء ص ۶۵۔

۳۹۔ شاخ سدرہ (عبد الکریم ثمر) ص ۱۴۳-۱۵۵۔

۴۰-۴۱۔ روشنی (سیف زلفی) ص ۳۰/ص ۲۰۔

۴۲۔ مضمون راغب مراد آبادی کی نعت گوئی، (انور سدید ڈاکٹر)

۴۳۔ ترتیل (اختر حیدر آبادی) ص ۹۴

۴۴، ۴۵۔ عشق پیچاں (یوسف ظفر) فلیپ / ص ۱۹۔

۴۶-۴۷۔ دادین (احسان دانش) ص ۴۵، ص ۵۶

۴۸۔ غذائے روح، نیّر اعظم۔

۴۹۔ باب حرم (مظفر وارثی) ص ۸ دیباچہ

۵۰۔ سخن ور (سید عبد اللہ) ص ۲۳۰۔

۵۱۔ روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۷ جولائی ۸۰ء

۵۲۔ سروری نعت قصیدے میں ہے اور یزدانی کی مثنوی کی ہیئت میں۔

۵۳ احمد ندیم قاسمی کی نظم، کشمیری مجاہد کا نعرہ میں اسلامی حوالوں (میں گرز مصطفوی سے بتوں کو توڑ دوں گا میں اپنا رشتہ شہر غزنوی سے جوڑوں گا،

مری نظر میں مدینہ کی سرزمین ہے ابھی محمد عربی پر مجھے یقین ہے ابھی) کی مذمت کرتے ہوئے عارف عبد المتین کہتے ہیں . . . . تمام نظم خطرناک قسم کے احیائی میلانات سے اس قدر لبریز ہو گئی ہے کہ اگر احمد ندیم قاسمی کی دوسری ترقی پسند نظمیں ہماری نظر سے نہ گذری ہوتیں اور خود احمد ندیم کو ہم اچھی طرح نہ جانتے ہوتے تو ہمارے لئے ان میں اور یوسف ظفر یا عشرت رحمانی میں فرق کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا، سویرا ۷، ۸ ص ۱۰۷۔

۵۴۔ مگر انہیں تا حال کسی شعری مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا ۔

۵۵۔ مثلاً عارف عبدالمتین کا مجموعۂ نعت "بے مثال" ؛ وغیرہ

۵۶۔ مضمون "اردو میں نعت نگاری" "النور سدید (ص ۱۶ مسودہ) زیر طبع نقوش (رسول نمبر) لاہور ۔

۵۷۔ ماہنامہ 'سیارہ' لاہور (مضمون گوہر ملسیانی) جون ۶۹ء، ص ۲۰۵ ۔

۵۸۔ جسارت کراچی ۹ ۔ ۷۹ ۔ ۱۰ ۔ ۲۲ ۔

۵۹۔ نوائے وقت لاہور ۸۰ ۔ ۷ ۔ ۲۴ ۔

۶۰۔ ۶۱۔ باب حرم (مظفر وارثی) ص ۵۲ / ص ۷۳

۶۲۔ ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور اکتوبر ۷۹ء، ص ۵۳ ۔

۶۳، ۶۴۔ ماہنامہ "سیارہ" لاہور جون ۶۹ء ص ۱۸ / ص ۱۲ ۔

۶۵۔ شاخ سدرہ (عبدالکریم ثمر) ص ۹۳ ۔

۶۶۔ خروش خم (عبدالعزیز خالد) ص ۶۵ ۔ ۷۴ ۔

۶۷۔ لشخ عرفانی ۔

۶۸۔ شاخ سدرہ (عبدالکریم ثمر) ص ۴۱ ۔

۶۹۔ گلدستۂ نعت (مرتبہ۔ ضیاء محمد ضیا طاہر شادانی) ص ۲۳۹ ۔ ۲۴۰ ۔

۷۰۔ سہ ماہی "شعور" دہلی مارچ ۷۸ء ص ۲۱۰ ۔ ۲۱۲ ۔

۷۱۔ ماہنامہ "آہنگ" گیا (انڈیا) شمارہ مارچ، اپریل ۷۸ء

۷۲۔ یہ فہرست حفیظ تائب کے مضمون 'اردو نعت ۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے حافظ لدھیانوی تک، ایک اجمالی جائزہ' میں پہلی بار شائع ہے۔ بعد میں یہی مضمون گورنمنٹ اسلامیہ کالج فیصل آباد کے ادبی جریدے 'دانش' ۱۹۸۰/۱۹۷۹ء میں بھی چھپا۔ کچھ اضافے اور تبدیلی کے ساتھ یہی فہرست حفیظ تائب کے مضمون 'اردو نعت کا پس منظر اور پیش منظر (مطبوعہ ماہنامہ ماہ نو، خصوصی شمارہ مسلم فن و ثقافت جز مئی ۱۹۸۰ ص ۱۴۷، ۱۴۸) میں

بھی شامل ہے۔

۷۳۔ نائب کی توجہ میں ہندوستان میں چھپنے والی نعتیہ کتابوں کے علاوہ پاکستان کے نسبتاً غیر معروف (اور چند معروف) نعت گو شاعروں کے نعتیہ مجموعے بھی جگہ نہ پا سکے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں اس امر کی نشاندہی بھی کی ہے کہ اس فہرست کو حتمی اور مکمل نہ سمجھا جائے کئی مجموعے راقم کی نظر سے نہیں گزرے ہوں گے۔ گزشتہ پچیس تیس سالوں میں نعت سے متعلق درج ذیل کتابیں بھی شائع ہوئیں منحنا (عبدالعزیز خالد ۱۹۶۶ء) خزینہ نعت (بشیر زواری ۱۹۶۸) ارمغان نعت (ساجد صدیقی ۱۹۶۳) ارمغان عقیدت (ملک منظور حسین منظور، ۱۹۷۰) تذکرہ شعرائے حجاز (امداد صابری ۱۹۶۹ء تذکرہ رسول اکرم (امانت علی ۷) سلام قدس (طفیل احمد بدر ۱۳۷۴ھ) صلی اللہ علیہ وسلم (اعاز اسمری) ضیائے نبوت (عبدالرحیم صبا ۱۹۸۰ء مجموعہ نعت (محمد خیر الدین ۱۹۵۴ء) قند مکرر (عابد علی عابد اسری ۱۳۹۷ھ) دربار رسالت میں (ضیا متھراوی) دیوان نعت (محمودہ خاتون ۱۹۵۵ء) خیر الوری (ظہیر صدیقی ۱۹۷۹ء) مقبول سلام (ساجد صدیقی ۱۹۶۳ء) نعت رسول (فیروز سنز ۱۹۷۶ء) شاخ طوبیٰ (منظور احمد منظور) صلصلۃ الجرس (عتیق حنفی) رحل نظر (مہدی نظمی ۱۳۸۸) عطر جذبات (اثر ہاپوڑ طسی) ۱۹۶۵ء) ضیائے نور، پیام رحمت (بیکل اتساہی مجدد ۱۹۶۶ء) ذکر و فکر (تہنیت ۱۹۵۵ء) تجلیات (ذکی کاکوروی ۱۹۷۳ء) کوثر رحمت (رؤف امروہی ۱۹۷۶) صبائے حرم (ساجد صدیقی ۱۹۷۵ء) نغمہ فردوس (شکیل بدایونی ۱۹۷۶ء) صبح فاراں (شمیم کرہانی ۱۹۷۴) حاتم چشتی کے متعدد نعتیہ مجموعے، روح کائنات، حاتم نوائے، جلدے، نظارے، نور ہی نور ۶۵-۷۸، نغمہ ربانی (ضیا القادری ۱۹۶۴) نوائے ظہوری (محمد علی ظہوری ۱۹۷۷ء) پیغمبر عالم (مہدی نظمی ۱۹۷۶ء) یا حبیبی مرحبا (عبدالستار نیازی ۱۴۰۰ھ)

گلدستہ عقیدت (وارث جیلانی ۱۹۵۳ء) جان رحمت طلوع سحر معراج مصطفیٰ (ہلال جعفری) مثلاً ۱۹۶۶-۱۹۸۲ وغیرہ وغیرہ۔

۷۴۔ مثلاً ماہنامہ فاران، سیرت نمبر کراچی (   ) ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور رسول نمبر (   ) ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد۔

۷۵۔ اگر تخلیق ورات   نعت کا شماریاتی مطالعہ کیا جائے رفتار نعت سے اعداد و شمار جمع کیے جائیں تو قومی اخبارات (جسارت، جنگ، حریت، نوائے وقت، امروز، مشرق وغیرہ) اور ہفت روزہ اور ماہناموں میں شائع ہونے والی نعتوں کی ماہنامہ اوسط تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔

۷۶۔ پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن کی سنٹرل پروڈکشن کے آواز خزانہ (ساونڈ لائبریری) میں محفوظ مذہبی پروگراموں کی دوسری فہرستوں مثلاً محرم الحرام اور ربیع الاول (بہ سلسلہ پندرھویں صدی ہجری) وغیرہ میں بھی نعتیہ شاعری کا ذکر ملتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔

تعارفی کتابچہ عید میلاد النبیؐ کے موقع پر پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن راولپنڈی کے خصوصی پروگرام یکم ربیع الاول تا ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ اور ذکر نبیؐ (جشن میلاد النبی ۱۹۷۴ء) ریڈیو پاکستان لاہور کے پروگرام) ایسے تعارفی کتابچے گاہے گاہے چھپتے رہے ہیں۔ پندرہ روزہ آہنگ کراچی میں ان پروگراموں کی تفصیلات شائع ہوتی رہتی ہیں۔

۷۷۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں نعت کے انعامی مشاعرے بھی مقبول ہو رہے ہیں۔

۷۸۔ قاب قوسین (اقبال عظیم) ص ۲۸۔

ساتواں باب

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) جلد ۳ ص ۳۷۹۔۳۸۰

۲۔ اس سلسلے میں قاموس الکتب (حصہ اول) مرتبہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں میلاد ناموں کی طویل فہرست بھی قابل ذکر مطالعہ ہے۔

ضمیمہ نمبر ۵

۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر طلحہ برق) ص ۳۲۔

۲۔ راجہ مکھن لال کا قلمی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے اردو میں نعتیہ شاعری (ص ۲۴۴۔۲۴۶) میں ان کے نعتیہ کلام کا انتخاب درج کیا ہے۔ جس میں سے یہ شعر لیے گئے ہیں۔

۳۔ دکن میں اردو (ہاشمی) ص ۲۴۴۔

۴۔ اذان تبکدہ (فوق) ص ۳۲۔۳۵۔

۵ تا ۱۲۔ ہدیہ شاد (کشن پرشاد شاد) ص ۹۲/۱۴۸/۱۱۴/۳/۸۱/۱۱۸/۱۸۲۔

۱۳ تا ۱۶۔ اذان تبکدہ (محمد دین فوق، (مرتبہ)) ص ۲۴/۱۹/۲۰/۲۵/

۱۷۔ ایک روایت کے مطابق "آخر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کوثر علی محمد ثری ہو گئے ان کا مزار غالباً مشہور قبرستان میانی صاحب (لاہور)

میں ہے۔ ماہنامہ "شام و سحر" لاہور (مارچ ۱۹۸۴ء) ص ۴۳۔

۱۸ تا ۲۳۔ آہنگ حجاز (عرش ملسیانی) دیباچہ مولانا دریا آبادی ص ۶/۱۰/۱۲/۱۶/۱۹/۱۳/

۲۴۔ ہندو شعراء کا نعتیہ کلام (مرتبہ فانی مراد آبادی) میں متعدد غیر مسلم شعراء کی نعتیں ملتی ہیں

۲۵۔ انتظار کی رات (کمار پاشی) ص ۲ دریا گنج دہلی ۱۹۷۳ء

۲۶۔ اس مطلع کے ذیل میں یہ اشتہار قابل توجہ ہے کہ گزشتہ دس سال سے چیلنج کے باوجود کوئی بھی شاعر ایسا مطلع نہیں کہہ سکا، ماہنامہ، شان ہند، دہلی ص ادسمبر ۱۹۸۶ء

۲۷۔ آہنگ حجاز (عرش ملسیانی) دیباچہ ماجد دریا آبادی ص ۷

ضمیمہ نمبر ۶

۱۔ (آپ سے زیادہ دلربا شخصیت) پر میری نگاہ کبھی نہیں پڑی آپ سے زیادہ حسین وجود کو کسی عورت نے جنم نہیں دیا حسن نگاہ بلند مرتبہ گویا آپ جیسا چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کیے گئے) ان دونوں اشعار کے الفاظ مختلف روایتوں میں مختلف مفہوم لیکن مفہوم تقریباً ایک ہی ہے، تیسرا مصرعہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے۔ خلقت مبرا ً من کل عیب۔ صاحب نعتیہ الاماثل نے لکھا ہے کہ ایک خاتون نبی ہاشم سے حضور اکرم کی خدمت میں آئی تھیں اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے جذبات عقیدت شعر کی صورت میں عرض کروں اجازت پاکر انہوں نے مذکورہ دو شعر پڑھے۔ علامہ بنہانی نے ان اشعار کی حضرت حسان رضہ سے نسبت کو مشکوک قرار دیا ہے ممکن ہے غلط فہمی کا سبب یہ ہو کہ حضرت حسان کا ایک بہترین قصیدہ اسی بحر و قافیہ میں موجود ہے جس کا مطلع ہے۔

۱۔ عفت الدیار ذات الاصابع فالجوار – امی عذراو منزلہا خلاء
عربی میں نعتیہ کلام (عبد اللہ عباس ندوی) ص ۴۳ بار دوم
۲۔ تذکرۂ شاعرات اردو (مؤلفہ محمد جمیل) ص ۱۶۰ – ۱۶۱
۳ تا ۵۔ تذکرہ شاعرات اردو (مؤلفہ محمد جمیل) ص
۶ – فردوس تخیل (زاہدہ خاتون) ص ۲۱۱ ۔
۷۔ خوشنا بۂ دل (نور بدایونی) ص ۷۹ ص ۸۰ ۔
۸۔ اردو میں نعتیہ شاعری (اشفاق) ص ۶۲۶
۹۔ تذکرہ شاعرات اردو (محمد جمیل احمد) ص ۸۰، ۹۵۔
۱ تا ۱۴۔ ذکر و فکر (تہنیت) ص ۷ / ۹۴ / ۴۲ / ۲۷ / ۳۷ /
۱۵۔ دعائے نیم شب (بیگم نصرت عبد الرشید)

ضمیمہ نمبر ۷

۱۔ مکمل فہرست Columbia, H.M.V. دکمبر ۷۵ وغیرہ۔
۲۔ بحوالہ بیاض کلام موسٹی لدھیانوی مملوکہ تحا زل شاہ (فرزند موسٹی لدھیانوی) موسٹی لدھیانوی نے اس انداز کے علاوہ بھی نعتیں نیز ملی موضوعات پر اردو اور پنجابی میں نظمیں لکھیں وہ قیام پاکستان سے قبل لدھیانہ کی معروف شعری سماجی اور مذہبی شخصیت تھے ۔ ان کا انتقال ۱۹۴۸ میں ہوا ۔ ستمبر ۱۹۶۴ میں ان کی خدمات کی یاد میں بزم موسٹی کے نام سے راولپنڈی میں ایک تنظیم کا قیام بھی عمل میں آیا جس کا مقصد موسٹی لدھیانوی کے مختصر کلام کی تدوین و اشاعت تھا بحوالہ ماہنامہ دنیائے تجارت راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۴ء

اشاریہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اشخاص

آبرو: ۲۸۱

آثم، نظامی: ۴۶۱-۵۳۵

آدم، حضرت: ۱۱۳-۲۰۰-۲۰۳-۲۷۰

آدم جی، سیٹھ، عبداللہ: ۵۸۲

آرزو، سہارنپوری، سادھو رام: ۵۷۴-۵۷۵

آزاد، ابوالکلام، مولانا: ۴۷۱

آزاد، اسماعیل (قوال): ۵۸۴-۵۸۵

آزاد، بلگرامی: ۱۳۶

آزاد، جگن ناتھ: ۵۷۴

آزاد، محمد حسین: ۵۲۴

آسی، عبدالباری: ۵۷۷

آسی، ضیائی: ۴۹۸-۴۹۹

آسی، غازی، پوری: ۵۸-۴۶۵

آصف جاہ: ۱۶۶

آصف الدولہ، نواب وزیر الممالک: ۲۹۰

آگاہ، محمد باقر، مولوی: ۱۰۹-۲۱۱-۲۱۲-۲۴۱-۲۴۶-
۲۵۰-۲۵۲-۲۵۴-۲۵۶-۲۵۷-۲۶۰-۲۶۳-۴۴۳

آمنہ، بی بی: ۱۱۷-۱۲۴-۲۵۱-۳۲۳-۴۴۴-۴۷۴-
۴۸۰-۵۷۶-۵۷۷-

ابا کرب (تبع ثانی) ۱۲۴

ابد: ۴۶۱

ابدالی، احمد شاہ: ۴۲۷

ابرار: ۴۶۱

ابراہیم، حضرت: ۱۱۰-۱۱۲-۱۱۵-۲۷۰-۳۰۳

ابراہیم بن محمد بن علی: ۱۱

ابراہیم، سیالکوٹی: ۱۱۳

ابراہیم، قطب شاہ: ۱۹۱

ابلیس: ۲۸۷

ابن اثیر: ۳

ابن اسحاق: ۱۲۹

ابن تیمیہ: ۸۵

ابن جبیر: ۸۵

ابن حنبل : ۴

ابن سعد : ۱۰۸

ابن سید الناس : ۱۰۸

ابن سیدہ : ۲

ابن عباس : ۱۱-۱۲۰

ابن عبدالبر : ۱۰۸

ابن العربی : ۲-۸۰-۸۳

ابن عوف : ۳۷۴

ابن خلکان : ۸۵

ابن ماجہ : ۱۰۵

ابن نشاطی، محمد مظہر فخر الدین، شیخ : ۲۰۰-۲۰۲

ابن منظور : ۵

ابن نباتہ مصری : ۱۳۴

ابن ہشام : ۱۰۸-۱۰۹-۱۲۴-۱۲۶

ابن وحیہ، عمر بن الخطاب، کلبی : ۸۵

ابو احمد بن جحش : ۱۳۵

ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ البغدادی : ۱۰۸

ابوبکر بن الغزالی قاضی : ۱۲۰

ابوجہل : ۲۲۱

ابوالحامد، محمد ضیاء اللہ قادری : ۱۱۴-۱۱۶

ابوالحسن : ۵

ابوالحسن، مجد الدین، کسائی : ۷

ابوسعید : ۲۱۰

ابوسعید، ابوالخیر : ۱۳۶-۱۳۷

ابوسفیان، ابن حارث : ۱۳۰-۱۳۱

ابوطالب، جناب : ۱۲۴-۱۲۵-۱۲۷-۱۲۸-۲۲
۲۵۲، ابی طالب، ۲۷۴

ابوعبیدہ، حضرت : ۳۷۴

ابوالفرح، شیخ، فاضل الدین بٹالوی : ۲۷۱-۲۷۴

ابواللیث، صدیقی، ڈاکٹر : ۱۹-۳۶۰-۳۶۴-
۳۶۸-۶۰۴

ابونعیم : ۱۲۰

ابوہریرہ، حضرت : ۱۱

ابی بن کعب : ۸۷

اثر، صہبائی : ۱۹۴-۳۹۴-۵۲۹-۵۳۴

اجمل، نیازی : ۵۰۴

احسان، اکبر : ۵۳۲

احسان دانش : ۱۰-۴۰-۵۶-۴۹۳-۵۱۷-
۵۲۵-۵۲۸-۵۳۰-۵۳۳-۵۳۶

اختر، بہاری : ۶۱۴

احمد : ۲۱۵-۲۵۸

احمد، احمد علی، مولانا : ۳۹۵

احمد تھانیسری : ۱۳۶

احمد حسن، دبیر، عبد روسی : ۲۰۰

احمد حسن، محدث، مولانا : ۱۶۲

احمد، چشتی (قوال) : ۵۸۴

احمد بن درویریہ : ۸۲

احمد رضا خان، مولانا : ۱۹-۲۹-۴۴-۴۶-۵۳-

۶۸-۸۳-۸۷-۱۰۱-۱۲۰-۳۱۳-۳۱۵-۳۶۲-
۳۸۷-۳۹۸-۴۰۸-۴۱۱-۴۱۳-۴۱۵-۴۱۶-
۴۱۷-۴۱۹-۴۲۱-۴۲۳-۴۶۰

احمد عثمانی، عزیز الدین : ۱۶۲

احمد، قمر الدین : ۳۹۵

احمد متین، محمد مختار، حافظ : ۳۹۷

احمد ہاشمی : ۵۳۳

اختر جان بس (لودھانہ) : ۵۸۳

اختر الحامدی : ۵۳۶

اختر، حیدر آبادی : ۵۱۶، ۵۳۵

اختر، شیرانی : ۴۹۱

اختر کیہانی، محمد : ۵۳۵

اختر، نواب، اختر محل : ۴-۳۸۴-۵۷۶-۵۷۷

اختر، ہری چند : ۵۷۴

اخطل : ۲

اخوند، ادریزائی : ۲۲۵

ادب، سیمابی : ۵۳۵

ادب، فیاض الدین، خاں : ۲۵۷

ادیب، رائے پوری : ۵۳۶

ارشاد، اعوان، شاکر : ۱۲۸

ارفی شہید، رضی الدین، مولانا : ۳۹۱

ازہری : ۲

اسد ملتانی : ۴۹۲-۴۹۵-۵۲۹

اسرار احمد، سہارودی : ۱۵۹

اسکندر : ۴۲۸

اسلم، جیراجپوری : ۴۷۲

اسماعیل، امروہوی : ۲۷۷-۲۷۹

اسماعیل، شہید، شاہ : ۲۹۸

اسماعیلؑ، حضرت : ۲۳۰

اسیر، بدایونی : ۴۶۱

اسیر دہلوی، فضل احمد، مولانا : ۳۶۲-۳۹۱

اشتیاق، ڈاکٹر : ۳۲۲

اشرف بیابانی، شاہ، سید : ۱۷۶، ۱۷۷

اشرف غزنوی، سید حسن : ۱۳۸

اشرفی، صالح محمد : ۵۸۵

اشفاق احمد : ۲۱-۲۲

اشفاق، رفیع الدین، ڈاکٹر : ۱۰-۱۱-۴۲-۵۶-
۷۹-۱۴۳-۱۹۹-۲۱۵-۲۱۹-۲۲۴-۵۷۸

اطہر، نفیس : ۵۳۲

اظہر، پارلوڑی : ۲۹

اعجاز حسین، ڈاکٹر : ۴۲۵

اعجاز، رحمانی : ۵۳۶

اعجاز علی، ماسٹر : ۵۸۴

اعزاز الدین، مستقیم جنگ، علامہ : ۲۵۹

اعشیٰ ابن قیس : ۱۲۷

اعظم، بیجاپوری : ۲۵۹

اعظم چشتی : ۵۱۸

اعظم، دکنی : ۲۵۹

افتخار النظمی : ۱۷۲ - ۴۹۰

افسر، صدیقی، امروہوی : ۱۷۶ - ۲۱۰ - ۲۱۴ - ۲۲۶ - ۲۸۳

افسر عباس، زیدی : ۵۰۴

افسر، میرٹھی : ۱۹۰

افسوس، شیر علی، میر : ۳۷

افصحی : ۱۸۳ - ۲۵۲

افضل جعفری، شیر : ۵۲۰ - ۵۳۲

افق، کاظمی، امروہوی، میر : ۴۹۱ - ۴۹۲

افلاطون : ۲۳۱

اقبال، محمد، علامہ : ۹ - ۱۰ - ۱۴ - ۴۶ - ۴۹ - ۵۱ - ۴۷ - ۱۰۹ - ۱۳۴ - ۱۵۷ - ۱۶۱ - ۲۸۷ - ۲۹۸ - ۴۰۶ - ۴۰۸ - ۴۲۶ - ۴۳۱ - ۴۳۳ - ۴۳۶ - ۴۴۱ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۵۰ - ۴۷۱ - ۴۷۵ - ۴۸۳ - ۴۸۹ - ۵۱۹ - ۵۲۴ - ۵۶۸

اقبال، عظیم : ۵۱۵ - ۵۳۶ - ۵۳۹

اکبر، جلال الدین : ۱۵۷

اکبر حسینی، سید، محمد (پسر خواجہ گیسو دراز) : ۱۷۰

اکبر میرٹھی، محمد، صوفی : ۴۹۸ - ۵۱۴ - ۵۴۵ - ۵۵۶

اکبر میرٹھی، وارثی، صوفی : ۵۳ - ۵۵۴

الیاس، برنی، محمد، مولانا : ۴۶ - ۶۸ - ۶۲۴ - ۶۹۴

امام بخش، قادری : ۲۷۱

امامی، دکنی : ۱۸۳ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۵۹

امجد حیدر آبادی : ۶۳ - ۱۰۲ - ۱۷۴ - ۵۷۴ - ۴۷۸ - ۴۸۱ - ۵۷۷ - ۵۷۹

امتی : ۱۷۷

ام معبد : ۳۶ - ۱۲۵ - ۵۷۶

امیر احمد خاں، راجہ، محمد، والی محمود آباد : ۱۶۲

امیر، مینائی : ۴۳ - ۲۶۵ - ۲۷۱ - ۳۰۵ - ۳۰۷ - ۳۴۷ - ۳۶۴ - ۳۷۳ - ۳۷۵ - ۳۷۹ - ۳۸۱ - ۳۸۳ - ۳۸۵ - ۳۸۹ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۴۶۰ - ۴۸۵ - ۵۲۴

امین الدین، شاہ، حضرت : ۱۸۴ - ۱۸۵

امیر شاہ : ۳۴۸

امین گجراتی : ۲۵۸ - ۲۵۹

امین نقوی : ۵۰۴

انجم، نیازی : ۵۰۴

انجم، وزیر آبادی : ۵۳۵

انس رضؓ، حضرت : ۷۳

انشاء : ۳۰۱

انوار اللہ، خاں، مولانا : ۸۱

انور : ۴۶۱

انور، بلوچ : ۵۰۴

انور، سدید : ۵۱۶ - ۵۲۱

انور شاہ، کشمیری، مولانا : ۴۷۱

انور، فیروز پوری : ۵۳۶

انور، کیف : ۵۳۴

انوری : ۱۳۶ - ۱۵۰

انیس احمد، نوری : ۵۳۷

انیس، میر : ۳۰۰-۳۸۰-۳۸۱

اینسہ، ہارون، شروانیہ : ۵۷۸

اوحدی: ۱۴۱-۱۴۵

اورنگ زیب، عالمگیر : ۱۶۶-۲۶۷-۲۷۷

ایبک، قطب الدین: ۱۶۵

ایلیا، جون : ۵۰۳

ایمان، شیر محمد خان : ۲۵۷

ایوب، حمید : ۵۸۲

ایوب، قادری : ۳۴۲

ب

باجن، بہاؤالدین، شیخ : ۱۷۳-۱۷۴-۱۷۶-
۱۸۳-۲۶۲

باقر : ۱۱۸

باقی باللہ، خواجہ : ۱۶۲

بایزید رح : ۲۴

بتول رض، حضرت : ۲۷۰

بحری، محمود، قاضی : ۲۲۳-۲۳۷-۳۳۶

بخاری، امام : ۱۰۵

بختیار کعکی، خواجہ : ۱۶۲

بدخشانی، مقبول بیگ، مرزا : ۱۴۵

برزنجی، امام : ۸۲-۸۳

برق، طلحہ رضوی، ڈاکٹر : ۱۷۱-۱۸۱-۲۳۵-۲۸۱

برکت علی : ۵۸۲

برک ہارٹ : ۵۲۶

بسمل : ۱۶۴

بشارت علی، ڈاکٹر : ۵۰۶

بشیر، آغا (قوال) : ۵۸۴

بشیر احمد قادری : ۲۹

بشیر احمد ملک : ۵۸۲

بطلیموس : ۲۹۵

بلاقی، حیدر آبادی، سید : ۲۱۲-۲۱۴-۲۱۵-۲۵۹

بلال رض، حضرت : ۴۲۸

بلقیس شاہ : ۲۷۸، ۲۷۹

بندہ، نیاض الدین، خواجہ : ۲۵۷

بیان، یزدانی، محمد مرتضیٰ، سید، میرٹھی : ۳۹۸-
۴۵۱-۴۵۴

بیدل، جبلپوری : ۵۳۵

بیدل، مرزا : ۱۵۲

بیدل، رسول جہاں، بیگم : ۵۷۸

بیدم، وارثی : ۳۴-۴۶-۸۳-۳۹۸-۴۶۲-
۴۶۵-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۸۰

بوادتی، شریمتی : ۵۷۳

بوصیری، امام : ۲۲-۴۶-۵۰-۱۳۳-۱۳۵-۱۴۵

بولہب : ۲۵۱-۲۵۲

بہار، خراسانی : ۱۴۸

بہزاد، لکھنوی : ۳۴-۴۶-۴۷۱-۴۸۷-۴۹۱-

۴۹۵-۴۹۶-۵۲۵-۵۳۴
بیگم، محمد افضال، ڈاکٹر (شاعرہ): ۵۷۷
بچھرالونی (نیازی): ۱۶۲
بھرو جی، عبدالمالک: ۱۸۱-۲۵۸
بھگوان، بجگوان داس، رانا: ۱۶۲

پ

پاس، آفتاب بیگم (شاعرہ): ۵۷۶
پرویز، صلاح الدین: ۵۴۰
پنہاں، رابعہ خاتون: ۵۷۷

ت

تابش، محمد منشا، قصوری: ۳۷
تاباں، عابدی: ۵۴۰
تاج، تاج الدین، احمد: ۵۳۴
تاراچند، ڈاکٹر: ۱۶۷
تاناشاہ، ابوالحسن: ۲۰۵
تائب، حفیظ: ۱۰-۱۶-۴۴-۴۶-۵۶-۱۰۲، ۴۸۷-
۴۹۰-۴۹۲-۵۰۸-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-
۵۳۷
تبسم، رضوانی: ۵۲۰
تبسم، غلام مصطفیٰ، صوفی: ۱۶۲
تحسین فراقی: ۵۳۳
تربی بیجاپوری، ابوالحسن شاہ: ۲۴۶-۲۵۹
ترمذی، امام: ۱۰۵-۱۰۶
ترین، عبدالحمید: ۲۲۵-۲۲۶-۲۶۰
تسلیم: ۳۶۲
تمنا عمرادآبادی، محمد حسین مولوی: ۳۰۱-۳۰۴-۳۰۶-۳۴۴-
۳۵۶-۳۶۲
تمیم انصاری، حضرت: ۲۰۲
تہنیت النساء بیگم، بیگم زور: ۵۷۹
تیمور: ۱۴۱

ٹ

ٹرویمن: ۵۲۹

ث

ثعلب: ۳
ثمر، عبدالکریم: ۱۹-۵۱۵-۵۲۸-۵۲۹
ثوبیہ: ۲۵۱-۲۵۲

ج

جابر، اندلسی: ۱۳۴
جاذب، قریشی: ۵۳۴
جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۱۶۶-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۳-
۱۷۶-۱۸۱-۱۹۰-۱۹۴-۱۹۶-۲۰۹-۲۱۴-
۲۱۸-۲۲۸
جالینوس: ۲۹۵

جامی، مولانا: ۴۶-۸۰-۸۳-۱۳۶-۱۴۵-۱۴۸-
۲۹۱-۳۰۷-۳۶۰-۴۰۵-۴۲۷-۴۷۷-۵۱۹
جانم، برہان الدین، شاہ، خلیفہ: ۱۶۸-۱۶۹-
۱۸۴-۲۱۵
جانی (ایک شاعر): ۴۷۲
جاوید، محمد اقبال، پروفیسر: ۵۳۸
جبرئیل، حضرت: ۶۶
جرأت: ۳۰۱، ۳۰۷
جعفر، بلوچ: ۵۴۰
جعفر طیار، حضرت: ۳۶
جگر، مراد آبادی: ۴۸۲
جلال، میر، سید: ۲۲۴-۳۶۲
جلال، شاہ مراد ابن سید: ۱۸۴
جلا لا: ۷۲۲
جلیل مانک پوری، خلیل حسن، حافظ: ۳۸۷-۳۹۸-
۴۵۱-۴۶۰-۴۶۱
جماعت علی، شاہ، پیر: ۵۷۱
جمال الدین، اصفہانی: ۱۳۸-۱۴۲
جناح، محمد علی، قائد اعظم: ۳۹۶
جنونی گجراتی: ۲۳۱-۲۶۰
جنید بغدادی: ۶-۲۴-۸۹
جوہر، محمد علی، مولانا: ۳۹۸
جوہری: ۳
جیلانی، عبد القادر، محی الدین سید، حضرت: ۲۷۰-
۲۷۱-۲۸۰-غوث الاعظم، حضرت ۲۱۶-۲۵۰-
شاہ جیلانی، ۲۵۵
جیون، محبوب عالم، شیخ: ۲۷۵

چ

چاند، شیخ: ۲۰۰
چلپی، سلیمان: ۸۲-۸۳
چمن، چمن لال: ۵۷۴
چنگیز خاں: ۱۴۱

ح

حاتم: ۲۳۷-۲۸۱
حافظ (فارسی شاعر): ۷۴-۱۵۰
حافظ، لدھیانوی: ۴۴-۵۶-۱۰۲-۴۸۷-۴۹۲-
۵۱۰-۵۱۲-۵۲۵، ۵۲۷، ۵۳۵، ۵۳۷
حالی، الطاف حسین، خواجہ: ۱۵-۴۴-۵۲-۵۵-
۱۱۹-۱۵۶-۳۸۴-۳۸۷-۳۸۹-۳۹۸-۳۹۹-
۴۰۶-۴۲۷-۴۳۴-۴۳۶-۴۴۱-۴۴۴-۴۵۸-
۴۷۵-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۸-۵۰۱-
۵۱۹-۵۲۴
حامد حسن، قادری: ۳۳۰
حبیب نظامی، ماسٹر، قوال: ۵۸۵
حزیں: ۴۱۶
حسان بن ثابت رضؓ: ۷۶-۱۲۷-۱۳۱-۱۳۹-۴۷۱-

۵۱۹-۵۷۱-۵۷۶
حسرت، موہانی: ۴۹۱
حسرت، عبدالقدیر، صدیقی، مولانا: ۳۸۷-۴۵۱-
۴۵۸-۴۶۰
حسرت، غلام محمد: ۲۶۰
حسنؓ، امام: ۱۷-۶۶-۲۰۴-۲۷۰
حسن رضا خاں، بریلوی: ۸۳-۳۸۷-۳۹۸-
۴۱۹-۴۲۳
حسن عسکری: ۴۸۳-۴۸۴
حسن مثنیٰ ندوی، سید، مولانا: ۹۹
حسن نظامی، خواجہ: ۸۷-۱۱۷-۴۶۷
حسین احمد مدنی، مولانا: ۴۷۱
حسینؑ، امام: ۱۷-۶۶-۱۷۶-۲۰۴-۲۷۰-
۲۷۶-۴۳۳
حسین نصر: ۸۱
حسنین: ۳۸۱
حشر، آغا: ۵۸۳
حشمت نور محمد: ۵۸۲
خضر، حضرت: ۲۶
حفیظ، جالندھری: ۲۰-۳۹-۴۹-۵۳-۱۰۹-
۱۱۸-۳۸۷-۳۹۰-۴۴۳-۴۴۷-۴۴۹-۴۵۱-
۴۸۹-۴۹۱-۴۹۷-۵۰۱
حلاج: ۱۵۹
حلیمہ سعدیہؓ، حضرت: ۱۳۴-۳۲۲-۳۳۵-۵۲۷

حمداللہ جلبی حمدی: ۸۲
حمزہ، محمد شمس الدین، امیر، منشی: ۳۸۷-۴۵۱-
۴۵۷-۴۵۸
حمزہؓ، حضرت: ۱۲۵-۲۴۱
حمید، جالندھری: ۵۳۴
حمید، صدیقی، لکھنوی (ملقب بہ زائر حرم): ۴۷۱-
۴۷۸-۴۷۹-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۵۳۵
حنیف اسیری: ۵۴۰
حیات خاں، محمد، میسوری: ۲۵۷
حیدر حسن آغا: ۱۶۹
حیدری، حیدر بخش: ۳۶

خ

خالد، احمد: ۵۲۳-۵۴۰
خالد، بزمی: ۵۲۰-۵۲۹-۵۳۰
خالد بن ولید: ۳۹۷
خالد شفیق: ۵۲۰
خالد، عبدالعزیز: ۱۰-۵۰-۵۶-۶۸-۶۹-
۱۰۱-۱۰۲-۱۰۸-۱۱۹-۱۳۶-۴۸۷-۴۹۲-
۴۹۹-۵۰۸-۵۲۵-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۵-
۵۳۶-۵۳۷
خالد، مینائی: ۳۵۶
خاقانی، شیروانی: ۱۳۸-۱۴۰
خاموش، معین الدین شاہ، خواجہ: ۲۵۷

خاور، مرتضیٰ: ۵۳۶

خبیبؓ: ۴۵۰

خدیجہؓ، بی بی: ۶۶-۲۲۸-۲۴۱-۲۵۲-۴۵۹

خسرو، امیر: ۷۷-۸۳-۱۲۸-۱۴۹-۳۲۹-
۳۸۴-۴۶۵

خضر: ۳۴۵-۳۶۱-۳۸۰

خطابیؓ: ۷۳

خطیب، بادشاہ مدراسی: ۲۵۷

خلجی، علاؤالدین: ۱۶۵-۱۶۷

خلوت، محی الدین: ۱۶۲-۵۱۹

خلیل اللہ، حضرت: ۱۱۸-۱۱۹-۳۸۰-۴۰۴

خلیل بن ایبک الصفوی، صلاح الدین: ۱۲۸

خلیق، تزلیشی: ۵۱۹

خواجو: ۱۴۱

خوب محمد، چشتی، گجراتی: ۱۸۰-۱۸۱

خورشید، (سنگر): ۵۸۳

خوشنود، ملک: ۲۵۸

خیر، عبداللہ خاں، خواجہ: ۲۵۷

د

داغ، مرزا: ۴۲۱-۴۲۵

دارمی: ۴

داؤد، امام: ۱۰۵

داؤد، حضرت: ۱۱۴-۱۱۸-۲۳۱-۳۸۰

دبیر: ۳۰۰

درد، کاکوروی: ۸۷-۴۹۱-۴۹۳

درویش، قادری، شاہ: ۲۵۹

دریا: ۱۸۳

دریا، علی بخش: ۲۵۹

دریا، شاہ محمد، قادری: ۲۲۳-۲۵۹

دعبل: ۱۳۱

دل، طالب نگری، ضمیر علی: ۵۳۰

دیدار علی شاہ، محمد، مفتی: ۸۳-۱۲۱-۳۴۶-
۳۹۶-۴۶۲

دین محمد، قوال: ۵۸۴-۵۸۵

ذ

ذبیح اللہ (حضرت اسماعیلؑ): ۱۱۸

ذکی: ۲۳

ذوق: ۳۰۱-۳۹۹-۴۰۰

ذوقی، مظفر، نگری: ۵۴۰

ر

راز، کاشمیری: ۵۴۰

راسخ، عرفانی: ۱۰۷-۴۹۲-۵۱۴-۵۱۵-۵۲۵-۵۴۷

راسخ، غلام مصطفیٰ: ۲۵۷

راشد، بزمی: ۵۴۰

راغب، تصوری: ۴۶۱

راغب، مراد آبادی: ۵۱۶-۵۳۶
رام: ۵۶۸
رام پیاری، لکھنوی: ۵۷۴
رام تیرتھ، سوامی: ۵۶۸
ربط، پرشاد: ۵۶۸
رجانی: ۱۴۸
رحمٰن، کیانی: ۵۱۹-۵۳۶-۵۴۰
رحمت اللہ، شیخ، پیر: ۱۷۳
رزاق: ۱۶۴
رشید، غلام دستگیر، ڈاکٹر: ۴۷
رشید محمود، راجہ: ۵۲۰-۵۳۶-۵۳۷-۵۴۰
رعنا، اکبرآبادی: ۵۳۵
رضی، صفدر صدیقی: ۵۳۲
رقیہ رضا، بی بی: ۲۵۳
رودکی: ۱۳۶
رومی، مولانا: ۸۳-۱۴۱-۱۴۳-۲۲۱-۴۲۸
رویم بن محمد: ۵
ریاض الحسن: ۲۶-۳۲
ریاض حسین، چودہری: ۵۲۸-۵۴۰
رنگین، سعادت یار خاں: ۳۰۱
رینے گینوں: ۵۲۶

ز

زاہد: ۱۶۴
زاہدہ خاتون: ۵۷۷
زبرقان: ۱۴۸
الزبیدی: ۳-۵
زبیر رضا، حضرت: ۲۷۳
زرقانی: ۱۰۸
زکی مبارک، ڈاکٹر: ۱۲۷-۱۳۲
زلفی، سیف: ۵۱۶-۵۲۵-۵۳۶
زور محی الدین، قادری: ۲۲۰-۲۵۸
زہرا، حضرت: ۲۷۲
زہری، امام: ۱۰۸
زیارت، احمد حسن: ۱۳۵
زید رضا، حضرت: ۴۵۰

س

ساجد لکھنوی: ۳۸
ساحر، صدیقی: ۵۳۵
ساغر، صدیقی: ۵۲۵-۵۳۵
ساقی سہارنپوری: ۵۷۴
ساقی، شنکر لال، منشی: ۵۶۹
سالار جنگ: ۲۱۹-۲۲۶
سپنسر ٹرمنگھم: ۸۱-۸۳
سٹالین: ۵۲۹
سحر، انصاری، پروفیسر: ۷۱
سچل، سرمست: ۸۳

سخن : ۴۶۱

سدرہ، عبدالکریم : ۵۳۶

سراج، اورنگ آبادی : ۲۳۹-۲۴۱

سراقہ بن مالک : ۱۲۶

سردار، حیدرآبادی : ۵۷۷

سروجنی نائیڈو، مسز : ۵۷۳

سرور لاہوری، غلام مفتی : ۸۳-۲۹۶-۴۶۲-۴۶۳-
۵۲۴

سرو، سہارنپوری : ۵۲۰-۵۳۶-۵۴۰

سروش، اصفہانی : ۱۲۸

سعدؓ، حضرت : ۴۷۳

سعدی، شیخ : ۵۱-۱۳۵-۱۳۶-۱۴۱-۱۴۳-۱۴۵-
۲۲۵-۲۵۴-۳۶۰-۳۸۴-۴۰۵-۵۱۹

سعیدؓ، حضرت : ۴۷۳

سعید، محمد علی خان، لکھنوی، مولوی : ۸۶

سکینہ، رام بابو : ۵۲۴

سکندر بن محمد : ۱۸۳

سکندر عادل شاہ : ۲۱۴-۲۱۵

سلطان الاولیا : ۸۸

سلمیٰ، جمال النساء، بیگم : ۵۷۷

سلیمانؑ، حضرت : ۳۶-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۸-۲۲۴-۳۸۰

سلیمان، ساوجی : ۱۴۵

سلیمان ندوی، مولانا : ۸۵

سمراٹ، مہابلی : ۶۹-۵۰۴

سلیم چشتی، یوسف : ۴۱۳

سمیع الدین، احمد، ڈاکٹر : ۱۵۳

سنائی : ۸۳-۱۳۶-۱۳۸-۴۲۸-۴۳۱

سودا : ۲۶-۲۶۵-۲۶۷-۲۶۸-۲۸۱-۲۸۹-۲۹۱-
۲۹۲-۳۰۰-۳۷۹-۴۷۵-۵۲۴

سہگل، کے، ایل : ۵۸۲

سہیل عظیم آبادی : ۵۳-۱۲۲-۱۷۱-۴۷۴-۴۷۵

سہیلی، عبدالرحمٰن : ۱۰۸

سیتارام : ۴۴۰

سید احمد خان، سر : ۱۶۲-۴۰۲

سید احمد خان، مفتی : ۳۹۱-۳۹۳

سیدہ، خیر آبادی (بنت مضطر خیر آبادی) : ۵۷۷

سیدی : ۲۵۸

سیف الدین، ابوطاہر : ۱۳۶

سیوطی، جلال الدین، حافظ، علامہ : ۸۵-۱۰۹-۱۱۴-
۱۲۰-۲۴۹

ش

شاد، ہرکشن پرشاد، مہاراجہ : ۵۶۹-۵۷۲-
۵۷۴-۵۷۵

شاکر : ۱۸۲-۲۵۸

شام گھنیا : ۶۶

شاہجہاں : ۱۵۳

شاہ عالم، حضرت : ۱۷۲

شائق، حیدر آبادی: ۳۸۷-۳۹۸-۵۱۴-۵۳۴-
۵۸۴
شاہ مینا: ۳۴۸
شاہی، عادل شاہ ثانی: ۲۰۵-۲۰۹
شبلی، مولانا: ۳۷-۱۰۸-۱۰۹-۳۸۷-۳۹۶-
۴۰۷-۴۰۸-۴۴۸
شبیر، حضرت: ۵۱۶
شرف الدین، محمد بن سعید بوصیری: ۱۳۲
شریف: ۲۵۸
شریف احسن: ۸۷
الشریف الرضی: ۱۳۱
شعیب بن الحسن، ابومدین: ۸۱-۸۲
شفیع منصور: ۵۳۴
شفیق اورنگ آبادی، لچھمی نرائن: ۲۵۹-۵۶۷
شفیق، بریلوی: ۵۳۷
شکیل، بدایونی: ۵۲۵
شمس الائمہ، گرگانی: ۸۹
شمس بریلوی: ۴۱۶
شمس پٹنیسوی: ۵۳۶
شمس الدین، محمد ابن حمزہ: ۸۲
شمس مینائی: ۴۹۱-۴۹۲
شمشاد بیگم: ۵۸۵
شمشاد مس: ۵۸۳
شمیم، جالندھری: ۵۷۷
شمیم، فرخ آبادی: ۵۷۴
شمیم یزدانی: ۵۲۰
شورش، کاشمیری: ۴۴۰-۴۴۳-۵۱۷
شوق رامپوری، رگھنندن کشور، بابو: ۱۶۲
شوقی احمد: ۱۳۴-۱۳۵
شوقی، عبدالعزیز، محمد: ۵۳۶
شون: ۸۱-۵۲۶
شہاب، قدرت اللہ: ۵۱۶
شہاب، محمود الحلبی: ۱۳۴
شہرت: ۴۱۶
شہمیر: ۳۱۲
شہید، سید احمد: ۳۰۱-۳۰۲
شہید، غلام امام: ۸۶-۳۰۱-۳۰۷-۳۰۸-۳۱۵-
۳۱۷-۳۱۹-۳۲۲-۳۲۴-۳۳۰-۳۸۴-۳۸۵-
شہیدی، کرامت علی: ۳۰۲-۳۰۶-۳۳۰-۳۴۰-
۳۶۰-۳۶۱-۳۷۸
شیام: ۶۹
شیدا، نوازش علی: ۲۴۳-۲۴۶-۲۴۹-۲۵۹-
۲۶۰-۴۴۳
شیدا دہلوی: ۴۵۷
شیرانی، حافظ محمود: ۲۶۷-۲۶۹

ص

صابر، بخاری: ۵۸۲

صابر، براری: ۵۳۷

صارق، آغا: ۱۶۳

صادق، امرتسری: ۵۸۲

صائب، تبریزی: ۱۴۸-۳۶۰

صائم، چشتی: ۵۱۹-۵۳۷

صبا، فتح علی خان: ۱۴۸

صحو، ابوالقلائی: ۳۶۳-۳۶۴

صدرالدین، شاہ: ۱۷۲

صدیق، ابوبکرؓ، حضرت: ۶۶-۷۸-۲۷۲-

یارِغار، ۳۸۱

صدیق حسن: ۱۲۸

صرصری، یحییٰ، امام: ۱۳۲

صفدر، صفدر حسین: ۸۸

صفا، ذبیح اللہ، ڈاکٹر: ۱۴۱-۱۴۸

صفی، علی شاہ: ۱۴۸

صفیہ بنت عبدالمطلب: ۱۳۰-۵۷۶

صنعتی، محمد ابراہیم: ۲۰۲-۲۰۵-۲۲۷

صہبا اختر، ۵۴۰

ض

ضرورت، شرف النساء (شاعرہ) ۵۷۶

ضمیر جعفری: ۲۱

ضمیر، منظور حسین، میر: ۲۶۰

ضیا احمد، پروفیسر: ۱۳۸-۱۵۴

ضیاؔ چشتی، محمد عبدالسمیع، پروفیسر: ۱۴۷

ضیاء القادری: ۴۹۱-۴۹۲-۵۳۳

ضیاؔ، کالی داس، گپتا: ۱۵۴

ضیاء الدین، دہشیری: ۷

ضیاؔ، ضیا محمد: ۵۳۸

ط

طالب: ۱۶۴

طاہر شاداتی: ۵۳۸

طبری، امام: ۱۰۸

طبعی: ۲۱۸

طلحہؓ، حضرت: ۳۷۴

طوسی، جلال دین: ۱۱

طوفان، افضل شاہ، سید: ۴۶۵

طپش، چراغ علی، سید: ۸۷

ظ

ظفر احمد، عثمانی: ۱۳۶

ظفر، بہادر شاہ: ۳۰۱-۳۸۴

ظفر علی خان، مولانا: ۱۵-۴۴-۱۰۷-۱۰۹-۱۶۲-
۳۸۷-۳۹۴-۳۹۸-۴۰۶-۴۰۸-۴۲۸-
۴۳۵-۴۳۶-۴۳۸-۴۴۴-۴۸۳-۴۹۱-۴۹۸-۵۴۴

ظفر، یوسف: ۵۱۶

ظہور نظر: ۵۲۳

ظہوری: ۵۱۹-۵۸۲

ظہیر، صدیقی: ۵۳۷

ع

عابد، عابد علی: ۴۳۶

عابد، نظامی: ۵۲۰-۵۲۶-۵۲۸

عاتکہ بن عبد المطلبؓ: ۱۳۱-۵۷۶

عاجز، جان محمد: ۲۶۰

عاجز، عبد الرحمٰن: ۵۱۹-۵۳۶

عادل شاہ، علی، ثانی: ۲۴

عارف، عبد المتین: ۵۲۲-۵۲۳

عارف، فضل احمد: ۱۳۳

عارفی، محب: ۴۳۵

عاشق، اصفہانی: ۱۴۸

عاشق علی (قوال) ۵۸۴

عاصم، گیلانی، سید: ۵۴

عاصی کرنالی: ۴۴-۵۶-۵۴۶

عالم، گجراتی: ۲۰۹-۲۱۰

عائشہؓ، حضرت: ۱۱۷-۱۲۹-۱۳۰-۱۴۲-۲۵۴-
۲۷۵-۲۷۶-۴۳۲-۴۵۹-۵۷۶

عباسؓ، حضرت: ۷۶-۱۳۰

عبد الحفیظ، دادگستری: ۱۶۲

عبد الحق، ڈاکٹر: ۲۵-۲۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۸۵

عبد الحق، شاہ: ۸۰

عبد الحق، محدث دہلوی، شیخ: ۱۶۲-۱۷۵-۳۰۸

عبد الحئی، حسید، مولانا: ۱۳۶

عبد البرؒ، حافظ: ۱۲۸

عبد الرب، محمدی: ۵۸۵

عبد الرحمٰن، کانپخ والا: ۵۸۵

عبد الرحیم، البرعی: ۱۳۴

عبد الرزاق، ماشر: ۵۸۳

عبد السلام، ندوی: ۲۸۱-۳۶۳-۳۶۴

عبد السمیع، مولوی: ۸۵

عبد اللطیف: ۲۵۸-۲۵۹

عبد العزیز، شاہ: ۸۳-۱۳۶-۳۸۴

عبد الغنی، مجددی، شاہ: ۴۳

عبد اللہ، انصاری: ۱۳۷

عبد اللہ، جناب: ۱۱۷-۱۲۸-۲۶۹ (نبی کریمؐ
کے والد ماجد)

عبد اللہ بن حارثؓ: ۱۲۵

عبد اللہ بن رواحہ، حضرت: ۷۴-۱۲۷-۱۳۰

عبد اللہ بن زبعری: ۱۳۰

عبد اللہ، سید، ڈاکٹر: ۲۱-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-
۵۰۵-۵۱۳

عبد اللہ، شاہ: ۴۲۲

عبد اللہ، قطب شاہ، سلطان: ۱۸۱-۱۸۸-۱۹۱-
۱۹۴-۱۹۶-۲۰۵-

عبد الماجد، دریا آبادی، مولانا: ۵۷۳-۵۷۵

عبدالمطلب، جناب: ۲۵۱

عبدی، مولانا: ۲۷۷

عثمان (مصنف شمائل ترمذی) ۲۲۶

عثمان بن مظعونؓ: ۱۲۵

عثمانؓ، حضرت: ۹۶-۲۵۳-۲۷۲-۳۸۱

عثمان، شیخ: ۲۷۳

عثمان، عثمان علی خاں، میر، نواب (والئ دکن) ۱۹۲

عجزی: ۲۳۸

عراقی، فخرالدین: ۸۳-۱۴۲

عرش، ملسیانی: ۱۹۲-۵۳۴-۵۷۲-۵۷۵

عرفی، جمال الدین، محمد: ۱۹-۲۰-۴۲-۴۸-۱۵۱-
۱۵۲-۱۵۶-۴۷۲

عریاں، باباطاہر: ۱۳۷-۱۶۱

عزت، بخاری: ۴۳

عزیز، حاصل پوری: ۵۱۷-۵۳۵-۵۴۰

عزیز، فیض پوری: ۴۱۶

عزیز، لکھنوی، محمد ہادی مرزا: ۴۷۱-۴۷۸-۴۷۹

عشقی، سید، علامہ: ۵۳۷

عشقی، غلام مصطفےٰ: ۴۶۲-۴۶۳

عصمت (ایک شاعرہ): ۵۷۶

عطار: ۸۳-۱۴۱

عطا، عطا حسین: ۳۰۷

عطا، نعیم: ۵۸۲

عطیہ خلیل، عرب: ۴۷۵

عفت مظفرنگری، آمنہ خاتون: ۵۷۷

عقیلی، ابی صخر: ۱۱

علیؓ، حضرت: ۷-۱۰-۱۱-۱۲-۶۶-۱۳۷-۱۹۰-
۱۹۱-۱۹۶-۱۹۷-۲۰۵-۲۱۵-۲۱۶-۲۲۷-
۲۳۴-۲۴۲-۲۷۰-۲۷۲-۲۷۶-۲۷۷-
۲۸۳-۲۸۴-۲۹۰-۳۹۷-۵۱۶، مرتضیٰ ۳۸۱

علی ابن محمد الحبشی: ۸۲

علی خاں: ۸

علی شاذلی، ابوالحسن: ۸۲

علی محمد، شاہ، جیوگام دھنی: ۱۷۷-۱۷۸

علی ہجویریؒ، گنج بخش، شیخ: ۸۷

علیم، ناصری: ۵۲۰-۵۴۰

عمرؓ، حضرت: ۶۶-۲۴۲-۲۷۲-۲۷۶، فاروق
(عمرؓ) ۳۸۱

عمر بن محمد موصلی: ۸۵

عمر بن وجیہ، ابوالخطاب، کلبی، اندلسی، بلنسی: ۸۵

عمر خاں، غلام، ڈاکٹر: ۱۹۹

عمرو بن مرہ جہینیؓ: ۱۲۵

عمیق حنفی: ۴۰-۵۳۰

عنایت شاہ، قادریؒ: ۲۵۸

عنایت، عنایت اللہ، خاں: ۵۳۴

عنصری: ۳۶

عیاض، قاضی: ۱۳۰

عیسیٰؑ، حضرت: ۳۰-۳۲-۱۱۰-۱۱۸-۴۱۵

عیسٰی، ابوالاتہال : ۳۹۷-۳۹۸
عیش دہلوی، آغا جان، حکیم : ۳۸۴

غ

غالب، مرزا : ۳۵-۱۵۴-۱۵۷-۱۵۹-۲۹۲-
۳۷۳-۳۷۹-۳۸۱-۳۸۴-۳۹۲-۳۹۹-۴۰۰
غنیمہ، سبل مولی : ۱۱
غلام احمد، قادیان، مرزا : ۲۴۴
غلام حسین، مولوی : ۵۸۲
غلام فرید، ماسٹر : ۵۸۴
غلام نادر، شاہ : ۲۶۸-۲۷۰
غنی زادے اتاوری : ۸۳
غواصی، ملا : ۱۹۶-۲۰۰
غوث علی شاہ، سید حکیم، مولانا : ۴۶۲، ۴۶۶
غوری : ۱۶۵
الغیثی، نجم الدین : ۸۳

ف

فاضل الدین، بٹالوی، شیخ : ۲۷۱-۲۷۳
فاطمہؓ، حضرت : ۱۷-۶۶-۹۴-۱۳۰-۲۵۳-۲۶۲-
۲۷۵-۳۰۷-۵۷۶
فانی، مراد آبادی : ۵۳۷
فتاحی : ۱۸۲-۲۱۹-۲۲۰-۲۴۸-۲۵۸
فتح الدین، شیخ : ۱۲۸
فخر الدین، گرگانی : ۱۳۷
فدوی، ندوی خاں : ۲۳۸
فراز، احمد : ۵۲۳
فراقی، بیجاپوری، سید محمد : ۲۳۷-۲۳۸
فراہانی، ادیب الممالک : ۱۴۸
فرخی : ۱۳۶
فردوسی، ابوالقاسم : ۱۳۶-۱۳۷-۲۰۹
فرزدق : ۱۳۱
فرعون : ۱۸۷
فرمان، فتحپوری، ڈاکٹر : ۹-۱۹-۷۶-۳۰۶-۳۶۱-
۳۷۲-۳۷۹-۴۲۳-۴۲۷-۴۵۵-۴۶۲-۴۶۸-
۴۸۱-۵۳۶-۵۳۷
فروغ احمد : ۵۳۶
فضل حق، چوہدری : ۵۳۵
فضل حق، خیرآبادی، مولانا : ۱۳۶-۱۵۶-۳۰۲-
۳۴۱-۳۹۱-۳۹۲
فضل حق، قاضی : ۲۶۹-۲۷۲
فقیر (ایک شاعر) ۲۷۶
فقیر، محمد افضل، صوفی : ۵۱۱-۵۲۰
فلتان بن عاصم : ۱۱
فوق، محمد الدین : ۵۶۹-۵۷۴
فیاض احمد (قوال) : ۵۸۵
فیض، سید : ۱۵۲-۵۳۷
فیضی، ابوالفضل : ۱۵۰-۱۵۱

قیومی : ۳

ق

قاآنی، حبیب اللہ : ۱۲۸
قاسم، نانوتوی، مولانا : ۱۸۲-۱۸۳-۲۵۸-۴۷۱
قتیل شفائی : ۵۲۳
قدرتی : ۲۲۷-۲۲۸
قدسی، مشہدی، محمد جان، حاجی : ۱۵۳-۱۵۴-۱۵۶-
۲۹۲-۳۸۴-۳۹۹-۵۱۹
قربی، ابوالحسن، سید : ۲۵۵
قطب عالم، برہان الدین، سید : ۱۷۲
قطلانی : ۱۰۸
قلندر، پانی پتی، بوعلی : ۱۶۲
قلندر، شہباز : ۸۳
قلی، قطب شاہ : ۱۶۳-۱۷۱
قمر، حیدری بیگم (ایک شاعرہ) ۵۷۶
قمر، میرٹھی : ۵۲۰-۵۳۶
قمر، یزدانی : ۵۳۵-۵۴۰
قیس : ۶۳
قیس، جالندھری، امرچند : ۱۶۲-۵۷۴
قیوم، نظر : ۵۶-۵۲۵-۵۲۷

ک

کافی، کفایت علی، شاہ، مولانا : ۳۰-۳۰۸-۳۱۵-
۳۵۶-۳۶۲-۳۸۱-۳۸۵-۳۹۱-۵۲۴
کالو، قوال : ۵۸۴
کامران، جیلانی : ۴۴۶-۴۴۷
کامل، شیرکوٹی : ۴۹۸
کاوش، فیاض احمد : ۹۷-۵۳۷
کبریاؒ، حضرت : ۵۰۲
کبیر، داس، بنارسی : ۵۷۴
کرشن، مہاراج : ۶۰-۶۱-۶۲-۶۵-۶۸-۱۱۷-
۱۷۴-۱۹۰-۳۷۲-۵۰۳-۵۱۲
کرمانی، خواجہ : ۱۳۶-۱۴۵
کرم، حیدری : ۵۱۹-۵۴۰
کعب بن زہیرؓ : ۷۴-۱۲۹-۱۳۰-۳۷۳
کعب بن لوی : ۱۲۴
کعب بن مالک، انصاری : ۱۲۷-۱۳۰
کلن (قوال) : ۵۸۵
کلیم اللہ، حضرت : ۲۳۱
کمار، پاشی : ۵۷۴
کمال، شاہ : ۲۱۲
کمال، کمال الدین، شاہ : ۲۵۹
کمال محمد، سیستانی : ۱۸۰
کملا جھریا، مس (گلوکارہ) : ۵۸۴
الکمیت بن زید الاسدی : ۱۳۱
کندی تھانیسری، عبدالمقتدر، شیخ : ۱۳۶
کوثری، اولورام : ۵۷۱-۵۷۲-۵۷۴-۵۷۵

کیث بن زید : ۱۹۵

کیث، ٹونکی : ۴۶۱

کیف المسلمی الامروہی : ۸۷

کیفی، شہزادی (شاعرہ) ۳۸۴ - ۵۷۶

کیفی، محمد زکی : ۴۹۱ - ۴۹۳

گ

گدا : ۴۶۱

گرامی، مولانا : ۱۵۷

گل حسن، مولوی : ۸۱

گوتم، بدھ : ۱۱۶

گوہر، رام پوری، گوہر علی خاں، منشی : ۸۷

گوہر، ملسیانی : ۴۹۸ - ۵۰۹ - ۵۲۳ - ۵۴۰

گوئٹے : ۱۵۹

گیسو دراز، بابا (فارسی شاعر) : ۲۵۹

گیسو دراز، بندہ نواز، خواجہ : ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۲۱۵

ل

لطف، بریلوی : ۳۰۱ - ۳۱۲ - ۳۳۰ - ۳۳۶ - ۳۳۸ -
۳۴۰ - ۳۶۲ - ۳۸۲ - ۴۶۵ - ۵۲۴

لطیفی، م، حسن : ۴۹۱

لنگز، مارٹن : ۸۱، ۵۲۶

لودھی، سکندر : ۵۱۹

لیثق : ۴۶۱

لیاقت علی، الہ آبادی : ۳۹۰

لیلیٰ : ۲۹ - ۴۷۸

لینن : ۵۳۰

م

ماجد، دریابادی : ۴۸۱

ماجد، صدیقی : ۵۳۶

ماڈ : ۵۳۰

ماہر القادری : ۵۶ - ۴۴۸ - ۴۷۱ - ۴۹۱ - ۴۹۳ -
۴۹۶ - ۴۹۸ - ۵۰۴

متنبیؔ : ۱۳۵

مجروح، میر مہدی : ۳۰۱

مجنوں : ۲۹

مجید امجد : ۳۱ - ۳۴ - ۳۵

محبوب عالم، شیخ : ۲۵۹

محتشم، کاشی : ۱۴۸

محبوب، زینت بی بی : ۵۷۷

محروم، تلوک چند : ۵۷۲

محسن کاکوروی : ۳۴ - ۵۷ - ۶۷ - ۱۳۹ - ۲۵۶ -
۳۰۵ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۶۰ - ۳۶۲ - ۳۶۳ -
۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۸ - ۳۷۹ - ۳۸۲ -
۳۸۵ - ۳۸۹ - ۳۹۹ - ۴۰۹ - ۴۳۵ - ۴۳۶ -
۴۶۰ - ۴۷۲ - ۴۷۷ - ۴۸۵ - ۵۱۹ - ۵۲۵

محشر، بدایونی : ۵۶

محشر، رسول نگری: ۲۰-۵۰-۱۰۹-۵۳۰-۵۳۵

محمد، سید (مرتب دیوان عبداللہ قطب شاہ) ۱۹۶

محمد اشرف، ملک: ۵۸۲

محمد اعظم، مولوی، چشتی: ۸۵-۵۳۵

محمد امین، نقوی: ۱۳۶

محمد ایوب، حافظ: ۵۸۲

محمد بشیر، نقشبندی: ۵۳۷

محمد بن ابی بکر البوتری: ۱۳۲

محمد بن اسحاق: ۱۰۸

محمد بن تغلق: ۱۶۵- محمد تغلق، ۱۶۷

محمد بن عبدالوہاب، شیخ: ۱۲۶

محمد بن عمر الواقدی: ۱۰۸

محمد بن عیسیٰ، حافظ: ۲-۲۲۶-۲۵۳

محمد بن قاسم: ۱۶۵

محمد بن مجتبیٰ، مہدوی: ۲۵۹

محمد بن المختار، ودالیہ: ۸۲

محمد جمیل احمد: ۵۷۶

محمد سعید، شیخ: ۵۸۲

محمد شفیع، مفتی، مولانا: ۳۲

محمد، حاجی، شیخ: ۲۷۱

محمد حسن، عسکری: ۳۶۹-۳۷۴

محمد حسین، حافظ: ۵۸۲

محمد حسین، قاری: ۵۹۵

محمد رفیق: ۵۸۲

محمد شفیع، دہلوی، مولانا: ۳۹۴

محمد صادق، ڈاکٹر: ۵۴۴

محمد طاہر، شیخ، مولانا: ۵

محمد طیب، قاری، مولانا: ۱۷۴

محمد عادل شاہ: ۲۰۲

محمد عاشق، میجر: ۵۳۷

محمد عثمان، المرغانی: ۸۲

محمد قلی، قطب شاہ: ۱۸۶-۱۸۷-۱۹۱-۱۹۴

محمد گوندصلوی، حافظ، مولانا: ۳۲

محمد محسن، علمی: ۱۸۳

محمد یوسف، دہلوی، مولانا: ۳۲

محمد، ابوالعلائی: ۶۲۴

محمود الٰہی، ڈاکٹر: ۳۶۲-۴۶۴

محمود خاتون: ۵۷۹

محمود دریائی، قاضی: ۱۷۵-۱۷۶-۱۸۳-۲۶۲

محمود، غزنوی: ۱۶۵

محمود، فاروقی: ۸۹۴

محمود، ناصر الدین: ۱۶۷

محفوظ الرحمٰن، محمد میاں: ۵۷۵

محی الدین، میراں، حضرت: ۱۹۷

مختار: ۱۸۲-۲۱۵-۲۱۸-۲۱۹-۲۵۸-۲۵۹

مخدوم جہانیاں، بخاری، سید الاقطاب: ۱۷۲

مخدوم، حسینی: ۲۶۰

مخمور، اکبر آبادی: ۱۵۶

مخمور، جالندھری: ۵۷۴

مداح، نواب، ارسطو جاہ: ۲۵۷

مذاق (ایک شاعر): ۳۰۵-۴۶۱

مریمؑ، حضرت: ۱۱۰

مستعصم، باللہ: ۱۴۵

مسرور، بدایونی: ۵۳۴

مسرور، کیفی: ۵۳۷-۵۴۰

مسکین: ۴۶۱

مسلم، امام: ۷۳-۱۰۵

مسلم، اویسی، امرتسری: ۵۸۲

مسیحؑ، حضرت: ۵۸-۳۸۰-مسیحا حضرت، ۴۰۴

مشتاق، اصفہانی: ۱۴۸

مصحفی: ۲۶۸-۲۸۲-۲۸۹-۲۹۱-۳۰۰-
۳۰۳-۳۸۲

مصطفیٰ خاں، غلام، ڈاکٹر: ۱۰۲-۳۰۷

مصطفیٰ، السباعی، ڈاکٹر: ۱۰۴

مضطر خیرآبادی: ۴۵۱-۴۶۰

مطموس: ۲۹۵

مظفر، ابوسعید، سلطان اربل: ۸۵

مظفر، خیرآبادی: ۳۹۶

مظفر شاہ، گجراتی، سلطان: ۱۸۲

مظفر وارثی: ۵۶-۵۱۸-۵۲۵-۵۲۷-۵۳۶

مظہر جانجاناں، مرزا: ۱۶۲

مظہر الدین، حافظ: ۴۴-۴۶-۱۰۲-۱۶۲-۴۸۷-
۴۹۲-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۱-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷

معراج الدین: ۵۸۴

معروف، امیٹھوی، حضرت: ۱۶۲

معزی، امیر: ۶-۷

معظم، بیجاپوری: ۲۱۴-۲۱۵-۲۵۹

معلیٰ، محمد مظفر الدین: ۳۵۸-۳۸۷-۴۵۱

معلوم تبریزی، حسن بیگ، مرزا: ۷

معین الدین، احمد، ندوی: ۲۱

معین الدین احمد فریدی، محمد شاہ، آروی: ۸۷

معین الدین، چشتی خواجہ: ۱۶۲

معین الدین، ہروی، مولانا: ۲۴۹

مغموم مدراسی، محمد اسماعیل، سیٹھ: ۲۵۷

مفتون، محمد شریف: ۲۳۸-۲۳۹

مکھند: ۵۷۳

مکھن، مکھن لال، راج: ۵۶۷

ممتاز جہاں، گنگوہی: ۳۹۸-۴۵۱-۴۵۷-ممتاز،
۶۳-۶۵

ممتاز حسن: ۹-۲۵-۱۵۹-۴۰۴-۴۲۶-۴۲۸-
۴۵۴-۵۳۷

ممتاز حسین: ۱۶-۲۲

ممنون، نظام الدین، میر: ۳۰۰-۳۰۱

منظر، حنفی: ۵۲۳

منوچہری: ۱۳۶

منور، بدایونی: ۵۳۵

منور لکھنوی : ۵۷۴
منور، محمد مرزا : ۲۷-۵۳۳
منوہر : ۵۰۴
منیر الحسن : ۳۹۳
منیر شکوہ آبادی، اسماعیل حسین سید : ۳۰۱-۳۹۱-۳۹۲
منیر علی، جعفری، سید : ۵۳۵
منیر، قصوری : ۳۶۲-۵۴۰
موج، فتح گڑھی : ۵۷۴
مودود چشتی، شیخ المشائخ، اقدس سرہ : ۸۹
مودودی، مولانا : ۲۷-۳۳-۹۸
مور، ولیم : ۹۵
موسیٰ، حضرت : ۳۰-۱۸۷-۲۷۰-۴۰۸
موسیٰ، لدھیانوی : ۵۸۲
مومن : ۲۹۲-۲۹۴-۳۰۰-۳۷۹-۳۸۴-۳۹۹-
۴۰۰-۵۲۴
مومن، عبدالوحید، مولوی : ۳۹۷
مہاجر، مکی : ۸۳
مہجور، منظور احمد، سید : ۵۳۶
مہر علی شاہ، پیر : ۸۳-۸۷
مہدی، نظمی : ۱۰-۴۰
مہرہ، شہاب الدین : ۱۴۸
مہیار : ۱۹۵
میرا بائی : ۶۵
میرا (ایک غیر معروف شاعر) : ۱۸۳-۲۵۹

میر، تقی میر : ۲۶۵-۲۶۷-۲۶۸-۲۸۱-۲۸۸-
۲۸۹-۳۰۰-۳۸۹-۵۲۴-۵۲۵
میرانجی، شمس العشاق : ۱۷۲-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۴
میرا بھیکھ، چشتی صابر، سید : ۲۷۵
میر حسن : ۲۵-۲۳۷-۳۰۱-۳۸۰
میلکم، لے مین : ۸۶
مینا، زبیری : ۵۳۵

ن

ناجی : ۲۸۱
نائی، عثمان ویدے : ۸۳
نادر، شاہ : ۲۷۴
ناسخ : ۳۰۱
ناشاد، پسروری، دل محمد : ۲۷۴
ناصر، خسرو : ۱۳۷
ناظم حیدر آبادی، محمود علی، شیخ : ۲۵۷
ناظم، ظہور الحسن، قاضی : ۳۹۵
نامی، اعزالدین، خاں : ۲۵۷
ناہید، قاسمی : ۵۳۱
نبہانی، علامہ : ۱۳۱-۱۳۲-۵۷۶
نجاشی، شاہ : ۳۶
نخشبی، ضیاء الدین : ۱۹۷
نجیفی : ۸۳
ندا، ارسطو جاہ، نواب : ۲۵۷

ندیم قاسمی، احمد: ۵۶-۵۱۳-۵۱۴-۵۲۱-۵۲۲

نذر حسین: ۵۸۲

نسائی، امام: ۱۰۵

نسیم مالف۔ د۔ ڈاکٹر: ۱۹-۲۷-۱۶۹-۲۸۰-۵۱۵

نسیم امروہوی: ۱۶۲

نشتر، لکھنوی: ۵۷۴

نصرت، بیگم عبدالرشید: ۵۸۰

نصرت جنگ: ۲۲۸

نصرت علی: ۱۸۳

نصرتی: ۲۰۶-۲۰۹-۲۶۰

نصیر، شاہ: ۳۰۳-۳۰۷

نظام الدین، احمد، مرزا: ۱۸۱

نظام، صابری: ۵۸۲

نظامی، فخرالدین: ۱۷۰-۱۷۱

نظامی، گنجوی، مولانا: ۱۴-۱۴۱-۱۴۳-۱۴۷-
۱۹۱-۲۶۳-۴۷۷

نظم، طباطبائی، علی حیدر، سید: ۱۰۹-۳۸۷-
۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶

نظیر، اکبرآبادی: ۱۸۶-۳۰۱-۴۶۸-۴۶۹-۵۲۴

نظیر، صدیقی: ۴۳۵

نظیر لدھیانوی: ۱۵-۲۱-۴۲۱-۵۱۹-۵۴۰

نظیر، نیشاپوری: ۱۵۲

نعیم صدیقی: ۴۹۸-۴۹۹-۵۰۴

نعیمی، احمد یار خان، مفتی: ۹۸

نکلسن: ۱۳۳

نندا (شاگرد گوتم بدھ): ۱۱۶

نواب، دہلوی: ۳۰

نوحؑ، حضرت: ۲۷۰

نوشابہ خاتون: ۵۷۹

نورالحسن، مولوی: ۳۶۳

نور، نورجہاں، بیگم: ۵۷۸

نوری: ۷۹

نیاز، بریلوی، شاہ: ۸۳-۳۳۰

نیاز، محمد نیاز: ۵۸۲

نیاز، محمد عبداللہ، راجہ: ۴۹۱-۴۹۴-۵۳۵

نیرنگ، سالک و غلام بھیک: ۴۹۴

نیر، واسطی: ۵۱-۱۳۶

و

وجہی، اسداللہ، ملا: ۱۹۱-۱۹۴-۱۹۷

وحشی بافقی: ۱۴۸

وحید الدین: ۳۹۵

وحید قریشی، ڈاکٹر: ۵۱۲-۵۱۴

ورقہ بن نوفل: ۱۲۴

وشوامتر: ۶۹-۵۰۴

وشنو داس: ۱۱۷

وصالی، شیرازی: ۱۴۸

وعبل: ۱۹۵

وفا: ۴۶۱

ولسن، کرنل: ۳۹۳

ولی (قلمساز): ۵۸۳

ولی اللہ، شاہ: ۸۱-۱۳۶

ولی دکنی: ۱۶۳-۲۲۸-۲۳۶-۲۳۸-۲۶۳-۲۶۷-۵۲۴

ولی، ویلوری، نیاضی: ۲۴۱-۲۴۳-۲۴۶-۲۴۹-۲۵۹-۲۶۰

وہب بن منبہؓ، حضرت: ۱۱۳

ویلمی: ۷۹

ہ

ہارون الرشید، پروفیسر: ۴۹۶

ہاشم حسن العلوی، سید، شاہ: ۱۸۳

ہاشمی بیجاپوری، سید میراں: ۲۵۹-۲۶۰

ہاشمی، نصیر الدین: ۱۶۸-۱۸۸-۲۱۲-۲۱۵-۲۲۷-۲۴۶

ہاشمی، نورالحسن: ۲۳۲

ہدایت علی: ۴۶۱

ہلاکو: ۱۴۵

ہلال، چغتائی: ۱۳۸

ہنر: ۴۶۱

ی

یحییٰؑ، حضرت: ۳۰-۱۱۸

یزدانی، جالندھری: ۵۲۰-۵۴۰

یزدانی، میرٹھی: ۳۸۷

یسوعؑ، حضرت: ۱۱۵

یعقوبؑ، حضرت: ۲۷۰

یغمائی، جندقی: ۱۴۸

یکرنگ: ۲۸۱

یوسف ابوالحجاج: ۸۱

یوسف بن اسماعیل، نبہانی: ۱۳۴

یوسفؑ، حضرت: ۳۳-۱۸۷-۲۷۰-۳۲۴

یوگیشور: ۵۰۲

کتب

اردو - عربی - فارسی - انگریزی کتب اور رسائل و اخبارات:

آب حیات از محمد حسین آزاد: ۵۲۴

آرائش محفل از میر شیر علی افسوس: ۳۸

آفتاب تاج از تاج الدین احمد تاج: ۵۳۴

آفتاب محمدی (منظوم پنجابی کلام) از حکیم سید

غوث علی شاہ : ۴۶۶
آمنہ کا لال از علامہ راشد ... ی : ۸۰
اس خنک شہرے از صابر چشتی ۵۳۷
آہ سحر گاہی از بیگم نصرت عبد الرشید : ۸۰
آہنگ حجاز از چوہدری نفضل حق : ۵۳۵
آہنگ حجاز از عرش ملسیانی : ۵۳۴
آہنگ حجاز از " " : ۵۷۲-۵۷۵
آئینہ حرم (نعتیہ مجموعہ) از زاہدہ خاتون : ۵۷۷
ابر گہر بار (مثنوی) از غالب امرزا
ابیات نعت از محسن کاکوروی
اخبار الاخیار فی اسرار الابرار از شیخ عبد الحق محدث دہلوی : ۱۷۵
اذان بتکدہ : ۵۶۹
اذان بتکدہ از منشی محمد دین فوق : ۵۷۴
اربعین نووی از نووی : ۴۲-۷۹
اردو کی نعتیہ شاعری (انتخاب) از ڈاکٹر فرمان فتحپوری : ۵۳۷
اردو نعت میں ہندوستانی صنمیات کا اثر از ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق : ۵۶
ارستاد نامہ از شاہ برہان الدین جانم
ارمغان حجاز از اقبال : ۱۶۰
ارمغان حرم از اقبال سہیل : ۵۳۵
ارمغان قادیان از ظفر علی خاں : ۴۴
ارمغان نعت (انتخاب) از شفیق بریلوی : ۱۶۴-۵۳۷
اسرار خودی از علامہ اقبال : ۴۲۷
اسرار نامہ از عطار : ۴۱
اسرار و رموز از علامہ اقبال : ۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹
اس قدم کے نشان از ادیب رائے پوری : ۵۳۶
السلام علی الانبیا و خیر الانام از مفتی محمد دیدار علی شاہ : ۴۶۴
السیرۃ از محمد بن عمر الواقدی : ۱۰۸
اصابہ : ۱۰۹-۲۴۹
اعجاز احمدی از نواز ش علی شید ا : ۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴
اعجاز مصطفےٰ از اعجاز رحمانی : ۵۳۶
اغثنی یا رسول اللہ (مجموعہ نعت) از محمد منشا تابش قصوری : ۵۲-۵۳۷
انتظار کی رات از کمار پاشی : ۵۷۴
انجیل ۱۱۰ (یوحنا، ۱۱۱-۱۱۲) (برنباس ۱۳۰-۱۱۳-۱۱۶) ۱۱۶-۱۱۸-۱۱۹-۱۷۸-۲۵۰ (متی ۱۱۱)
انیس آخرت از محسن کاکوروی : ۳۷۷
انبیسیات (شعری مجموعہ) از انیسہ ہارون شروانیہ : ۵۷۸
انوار احمدی از مولنا انوار اللہ خاں : ۸۱
انوار ساطعہ از عبد السمیع : ۸۵
انوار طیبہ از بیدل جبلپوری : ۵۳۵
انوار مصطفویؐ از عشقی : ۴۶۳
انہج البردہ، قصیدہ از احمد شوقی : ۱۳۵
اتھروید : ۱۱۶

ب

باب جبریل از حافظ مظہر الدین : ۵۳۷
باب حرم از مظفر وارثی : ۵۳۶
باد شاہ خیبرو بلقیس : ۲۷۸
بازو ناختہ از جنونی گجراتی : ۲۲۱-۲۶۰
باغ دورر : ۱۵۶
باغ کلام اکبر از صوفی اکبر میرٹھی : ۵۵۴
بال جبریل از علامہ اقبال : ۱۰۰-۴۳۲
بام عرش از سید منظور احمد مجبور : ۵۳۶
بحر المعانی از محمد بن مجتبیٰ مہدوی : ۲۵۹
بحضور سرور کائنات از اثر صہبائی : ۵۳۴
بحضور رسالت مآب از نیر واسطی : ۵۱
بدعت حسنہ از علامہ سیوطی : ۸۵
بردہ (قصیدہ) ۵۱۴
بساتین الانس از احمد حسن دبیر عیدوسی : ۲۰۰
بستان حرم از زائر حرم حمید صدیقی : ۵۳۵
بقعۂ انوار (طویل نظم) از شمیم یزدانی : ۵۲۰-۵۳۰
بوستان از سعدی : ۱۴۳
بوستان نعت (نعتیہ انتخاب) مرتبہ سید گلانوی : ۱۶۱۴
بہار خلد (شمائل ترمذی کا ترجمہ) از کافی : ۳۰۸
بہرام و گل اندام از سلطان عبداللہ قطب شاہ : ۲۰۵
بیاض : ۱۶۹ (مملوکہ آغا حیدر حسن)

پ

پس چہ کرد اے اقوام شرق از علامہ اقبال : ۱۶۰
پنجاب میں اردو از محمود شیرانی : ۲۶۹-۲۷۱-۲۷۳
پیام مشرق از علامہ اقبال : ۱۵۹
پھول بن از ابن نشاطی : ۲۰۰-۲۰۲

ت

تاج العروس از الزبیدی : ۱-۵
تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ : ۵۲۲
تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند : ۱۶۹
تاریخ ادب اردو (انگریزی) از ڈاکٹر محمد صادق : ۵۲۴
تاریخ اسلام (منظوم) از سید منیر علی جعفری : ۵۳۵
تاریخ کبیر از امام طبری : ۱۰۸
تاریخ کبیر از ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ البغدادی : ۱۰۸
تاریخ المغازی از محمد بن عمر الواقدی : ۱۰۸
تاریخ میلاد : ۸۵
ترتیل از افسر حیدر آبادی : ۵۳۵
تجلیات از حافظ مظہر الدین : ۵۳۵
تجلیات شمسی (نعتیہ حصہ) از شمس بینسوی : ۵۳۶
تجلیات نعت از ضیا القادری، مولانا : ۴۹۲
تحفۂ حرم، اسد ملتانی : ۴۹۵
تحفۃ الابرار از مولانا جامی : ۱۴۵-۱۴۷
تحفۃ الاخبار : ۲۴۹
تحفۃ الرسول از شاہ محمد معین الدین احمد فریدی : ۸۷
تحفۃ العراقین از خاقانی شیروانی : ۱۳۹

تذکرہ اردو مخطوطات از نصیر الدین ہاشمی : ۲۲۰-۲۵۸

تذکرہ شاعرات اردو از محمد جمیل احمد : ۵۷۶-۵۷۸

تذکرہ عندلیبان رسولؐ مرتبہ نظیر لدھیانوی، خضر حسین ۳۳

تذکرہ مہر جہانتاب : ۳۳۱

ترانۂ ایمان (دیوان) از تمنا مراد آبادی : ۳۴۰

ترجیع بند قابل پیشخوانی در محفل میلاد شریف صلی اللہ علیہ وسلم از امیر مینائی : ۳۵۰

تسبیح رعنا از اکبر آبادی : ۵۳۵

تسبیحات سلیمان : ۱۱۲

تصویر کمالِ محبت از ادیب رائے پوری : ۵۳۷

تعلیم غوثیہ از مولوی گل حسن : ۸۱

تقدیس الکرم من تدنیس الحرم : ۱۳۲

تقدیم دار النعمان : ۸۴

تقویت الایمان از اسماعیل شہید : ۳۰۲-۳۴۱-۳۴۷

التنویر فی مولد السراج المنیر (مولود شریف) از ابن دحیہ (عمر بن الخطاب ابن دحیہ کلبی) تولد نامہ از امین گجراتی : ۲۵۸

تولد نامہ از عبد الملک بھروچی : ۲۵۸

تورات : ۱۱۰-۱۱۱-۱۱۸-۱۷۸-۲۰۴-۲۵۰

تہنیت شادی اسریٰ (قصیدہ معراجیہ) از احمد رضا خاں : ۴۱۱-۴۳۰

ث

ثنائے خواجہ (مجموعہ نعت) از حافظ لدھیانوی : ۵۱۰-۵۱۱-۵۳۵

ثنائے حبیب از بہزاد لکھنوی : ۵۳۴

ج

جام جم از اوحدی : ۱۲۵

جام حیات از ساحر صدیقی : ۵۳۵

جام طہور از عبد الرحمٰن عاجز : ۵۳۶

جام طہور از صابر براری : ۵۳۷

جام کوثر از درد کاکوروی : ۴۹۳

جام نور از عزیز حاصل پوری : ۵۳۵

جامع ترمذی : ۱۰۵

الجامع الصحیح از امام بخاری : ۱۰۵

جاوید نامہ از علامہ محمد اقبال : ۱۵۹-۴۲۷

جذب القلوب : ۲۴۹

جذبۂ عشق از کافی : ۲۰۸

جلوہ گاہ از حافظ مظہر الدین : ۵۳۶

جمال مدینہ از مرتضیٰ خاور : ۵۳۶

جمعات شاہی (ملفوظات) از سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری : ۱۷۲

جمع الجوامع : ۳۳۵

جنگ نامہ اسلام از منظور حسین منظور : ۵۳۵

جواب شکوہ از علامہ محمد اقبال : ۴۲۹-۴۳۰

جواہر اسرار اللہ (مجموعہ کلام) از شاہ علی محمد جیو گام دھنی : ۱۷۷-۱۷۸

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار : ۱۱۱

جواہر العقدین : ۲۴۹

جوہرۃ الکمال : ۸۲

جہادیہ (نظم) از لیاقت علی الہ آبادی : ۳۹۰

چ

چراغ حرا از مسرور کیفی : ۵۳۷

چراغ کعبہ از محسن کاکوروی : ۳۶۶-۳۶۷-۳۷۱-
۳۷۲-۳۸۲

چرخیات نصرتی (معراج نامہ) از نصرتی : ۲۰۹-۲۶۰

چکی نامہ از گیسو دراز : ۱۶۹

چمن مناقب کا (نعتیہ دیوان) از ممتاز جہاں گنگوہی : ۴۵۷

چمنستان راسخ از غلام مصطفےٰ راسخ : ۲۵۷

چمنستان حمزہ از امیر حمزہ، منشی محمد شمس الدین : ۴۵۷

ح

حج اکبر از امجد حیدر آبادی : ۴۷۵

حدائق بخشش (نعتیہ مجموعہ) از احمد رضا خاں بریلوی : ۴۹۹-
۴۱۶-۴۱۷

حدیقۃ الحقیقت از حکیم سنائی : ۱۳۷

حدیقۃ السلاطین از نظام الدین احمد : ۱۸۱

حدیث قدسی از قاضی محمد عمر : ۳۰۵

حضرت محمدؐ (منظوم) از نصیر علی دل طالب نگری : ۵۳۰

حسن التوسل : ۲۴۹

حسن کلام از راسخ عرفانی : ۱۰۷

حسن المقصد فی عمل المولد از علامہ طوسی : ۸۵

حلیہ شریف از کافی : ۳۰۸

حلیہ مبارک (طویل نعت) از غلام سرور لاہوری : ۴۶۲

حمائد احمد المعروف بہ تعریفات مصطفوی : ۴۶۳

حطایا از خالد عبد العزیز : ۱۱۹-۱۲۲-۵۰۰-۵۳۰-۵۳۴

حیاۃ الحیوان : ۲۴۹

خ

خزائن رحمت اللہ از شیخ باجن : ۱۷۳

خسرو شیریں، از نظامی گنجوی : ۱۴۷

خمسہ نظامی : ۱۴۰

خصائص الکبریٰ از علامہ سیوطی : ۱۱-۱۰۹

خمخانۂ زمزم از مینا زبیری : ۵۳۵

خمخانۂ محمدؐ از قمر یزدانی : ۵۳۵

خمسۂ مذاق از مذاق : ۳۰۵

خوب ترنگ از شیخ خوب محمد چشتی گجراتی : ۱۸۰-۱۸۱

خونابۂ دل از نور بدایونی، نور جہاں بیگم : ۵۷۸

خیابان آفرینش (مولود نامہ) از امیر مینائی : ۳۴۸-۳۴۹

خیابان فردوس (ترتیب اہل سعادت از شاہ عبدالحق محدث) از کافی : ۳۰۸

خیالستان از ظفر علی خان : ۱۰۷

خیبر نامہ از شاہی، علی عادل شاہ : ۲۰۵

خیر البشرؐ کے حضور میں (انتخاب) از مختار حسن :
۹-۵۳۷

خیرالوریٰ از ظہیر صدیقی : ۵۲۷

د

دارین از احسان دانش : ۱۰۱-۴۰۰-۵۱۷-۵۳۰-۵۳۶
داستانِ صادق از کافی : ۳۰۸
در تعریف شہر سورت از ولی دکنی : ۲۳۲-۲۳۳
درد کا درماں از درد کاکوروی : ۴۹۳
در شکایت از جہان و مدح پیغمبر اکرم از خاقانی شروانی : ۱۳۰
درد نامہ از شیخ محبوب عالم : ۲۵۹
درد نامہ از میر اجھکیہ چشتی صابری سید : ۲۷۵-۲۷۶
درمانِ غم از بہزاد لکھنوی : ۵۳۴
در نعت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم از ولی دکنی : ۲۳۹
درود تاج : ۹۸
درود شریف موسوم بہ شمس الضحیٰ از غلام سرور لاہوری : ۴۶۲
درود لکھی : ۹۸
دعائے فاطمہ رضی از ولی ویلوری : ۴۱۲
دعائے نیم شبی از بیگم نصرت عبد الرشید : ۵۸۰
دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی : ۱۶۸
دکنی کلچر از نصیر الدین ہاشمی : ۱۸۸
دیارِ حرم از حافظ مظہر الدین : ۵۰۹
دیارِ نبیؐ از ضیاء القادری : ۵۳۴

دیوان (غزلیہ) از لطف بریلوی : ۳۳۱
دیوان آسی غازی پوری : ۴۶۵
دیوان اشرف غزنوی از سید حسن بہ ملقب اشرف غزنوی : ۱۳۸
دیوان اعشیٰ : ۱۲۷ (اعشیٰ بن قیس)
دیوان شہیدی از شہیدی : ۳۰۷
دیوان عبد اللہ قطب شاہ : ۱۹۶
دیوان فارسی از وجہی : ۱۹۱
دیوان قصائد (جلد اول و دوم) از مصحفی : ۲۹۱
دیوان کافی از کافی کفایت علی : ۳۰۸-۳۰۹
دیوان مصحفی (ہفتم) : ۲۹۰-۳۰۳
دیوان مفتون، محمد شریف : ۲۳۸-۲۳۹
دیوان نعت سروری از غلام سرور لاہوری : ۴۶۲
دیوان از گرامی مولانا اور مجموعہ رباعیات : ۱۵۷
دیوان نعت از لطف بریلوی : ۳۳۲-۳۳۳
دیوان نعت از مولانا حسن رضا خاں : ۴۲۲
دیوان نعت از محمود خاتون : ۵۷۹

ذ

ذخر المعاد (طویل قصیدہ) ۱۳۲
ذکر بعثت و فتح مکہ (قصیدہ) از نظم طباطبائی : ۴۴۴
ذکر جاہلیہ و جہاد آنحضرتؐ (قصیدہ) از نظم طباطبائی : ۴۴۵
ذکر جمیل : ۴۹۶
ذکر خیر از راسخ عرفانی : ۵۳۷

ذکر شاہ انبیاؐ (مسدس) از امیر مینائی : ۳۶۰

ذکر المولد (قصیدہ) از احمد شوقی : ۱۳۵

ر

ریاض : ۵۶، ۵۹

رحل نظر از مہدی نظمی : ۱۰-۴۰۰-۵۳۰

رحمت العالمینؐ (قصیدہ) از سرور سہارنپوری : ۵۳۰

رسائل مولود شریف از حافظ جلال الدین سیوطی : ۲۴۹

رمزات الاشواق (مجموعہ کلام) از مولانا عبد القدیر

صدیقی حسرت : ۴۵۸

رمز العشق از حضرت غلام قادر شاہ : ۲۶۸

روایت استغنا خانہ از شہید : ۳۲۶

رواہ ابو امامہ (مجموعہ احادیث) : ۷۸

رواہ ابو الدردا (" ") : ۷۸

رواہ ابو ہریرہ (" ") : ۷۸

روشنی از سیف زلفی : ۵۳۶

روض الانف (شرح سیرت ابن اسحاق) از عبد الرحمٰن

سہیلی : ۱۰۸

روضۃ الاحباب : ۱۰۹-۲۴۹

روضۃ الشہدا از ولی ویلوری : ۲۴۱-۲۴۹

روضۃ الاطہار از شیدا نوازش علی : ۲۴۳-۲۴۹

روضۃ الانوار از ولی ویلوری، میر ولی فیاض : ۲۴۱-

۲۴۲-۲۴۳-۲۶۰

روضۃ الانوار از نوازش علی شیدا : ۲۵۹

روضۃ العقبیٰ از ولی ویلوری : ۲۴۱

ریاض السیر از غلام محمد حسرت : ۳۰۴

ریاض الفصحا از مصحفی : ۲۹۰

ریاض امجد از امجد حیدر آبادی : ۴۷۵-۴۷۶

ریاض معلّٰی (مجموعہ کلام) از محمد مظفر الدین معلّٰی : ۴۵۸

ریحان مواج از میر منظور حسین ضمیر : ۲۶۰

ز

زبور : ۱۱۱-۱۱۴

زخمۂ دل از سرور سہارنپوری : ۵۳۶

زرقانی علی المواہب از زرقانی : ۱۰۸

زمزمۂ محبت از حسرت عبد القدیر : ۴۵۹

زمزمہ سنجی طبع بہ مضمون بادخوانی نسیم گلشن نبوت و

شمائل چمن رسالتؐ از مومن : ۲۹۲

زیور ایمان از مولوی محمد علی خاں سعید لکھنوی : ۸۶

س

سام وید : ۱۱۶-۱۱۷

سبد باغ دو در : ۱۵۶

سب رس از ملا وجہی : ۱۹۱

سبز گنبد از ساغر صدیقی : ۵۳۵

سبحۃ الابرار از جامی : ۱۴۵-۱۴۷

شجرۃ الکون از ابن العربی : ۸۰

سحر البیان از میر حسن : ۳۸۰

سرو نور از ماجد صدیقی : ۵۳۶

سرو صنوبر از مخمور اکبر آبادی : ۱۵۶

سفر نامہ از ابن جبیر : ۸۵

سلام بدرگاہ خیر الانام از حمید صدیقی : ۴۸۳

سلسلۃ الذہب از جامی، مولانا : ۱۴۵-۱۴۷

سلطان سخن (دیوان نعت) از سید افضل شاہ،

طوفان : ۴۶۵

سمط الدرر (مولود شریف المعروف بہ مولود الحبشی)

از علی ابن محمد الحبشی : ۸۲

مسند الفردوس (دیلمی) : ۴۲-۴۹

سنن ابن ماجہ : ۱۰۵

سنن ابو داؤد : ۱۰۵

سنن ترمذی : ۱۰۶

سنن دارمی : ۴

سنن نسائی : ۱۰۵

سیرت ابن البسر از ابی البسر : ۱۰۸

سیر العباد از حکیم سنائی : ۱۳۷

سیرت ابن ہشام از ابن ہشام : ۱۰۸-۱۰۹-۱۲۶-۱۲۹

سیرت الرسولؐ از محمد بن عبد الوہاب : ۱۲۶

سیرت النبیؐ از شبلی نعمانی مولانا : ۳۷-۸۴

سیف الملوک و بدیع الجمال از ملا غواصی : ۱۹۶-۱۹۸-۱۹۹

ش

شاخ سدرہ از عبد الکریم سدرہ : ۵۳۶

شاخ طوبیٰ از ادب سیمابی : ۵۳۵

شام ابد از امیر مینائی : ۳۴۸

شاہ انبیا از امیر مینائی : ۳۴۸

شاہنامہ اسلام از حفیظ جالندھری : ۳۹-۵۰-۱۰۹-۱۱۸-۴۲۴-۴۳۳-۴۵۱-۴۸۴-۴۹۱-۴۹۷-۵۰۱

شاہنامہ فردوسی : ۱۳۷-۲۰۹-۴۰۵

شجرۃ الاتقیا (مثنوی) از معظم : ۲۱۵

شرح قصیدہ بردہ (دیکھیے صفحات ۵۵۲ تا ۵۶۷)

شعر العجم : ۱۲۵

شعر الہند از عبد السلام ندوی : ۳۶۴

شمس و قمر از قمر میرٹھی : ۵۳۶

شمائل ترمذی : ۱۰-۱۰۹-۱۱۰-۲۱۱-۱ از حافظ محمد

بن عیسیٰ، ۲۲۶-۲۵۳

شمائل ترمذی از عثمان : ۲۲۶

شمائل ترمذی مع شرح ملا عصام و شیخ ابن حجر : ۲۴۹

شمائل محمدی از صاحبان عثمان : ۲۶۰

شمائل النبیؐ از عبد المحمد ترین : ۲۲۵-۲۲۶-۲۶۰

شمشیر ضیا بار از محسن کیانی : ۵۳۶

شواہد النبوۃ از مولانا جامی : ۸۰-۱۰۹-۱۴۵-۲۴۹

الشوقیات از احمد شوقی : ۱۳۵

شہادت نامہ از میرانجی شمس العشاق : ۱۷۲

ص

صبح تجلی از محسن کاکوروی : ۱۳۷-۳۷۲-۳۸۲

صبح سعادت از یزدانی جالندھری: ۵۲۰
صبہائے مدینہ از ہاشم نظامی: ۵۳۵
صحائف آسمانی: ۳۷
صحیح مسلم از امام مسلم: ۳-۷۳-۱۰۵
صحیفۂ انوار (نعتیہ انتخاب) از علامہ سید عشقی: ۵۳۷
صلصلۃ الجرس از ... (طویل نعت): ۴۰-۵۳۰
صلی اللہ علیہ وسلم (نعتوں کا انتخاب) از راز کاشمیری: ۵۴
صلو علیہ و آلہ از حفیظ تائب: ۱۰-۵۱۳-۵۳۷

ط

طاب طاب از خالد عبد العزیز: ۱۱۹
طبقات ابن سعد از ابن سعد: ۱۰۸
طریق التحقیق از حکیم سنائی: ۱۳۷
طوطی نامہ از غواصی: ۱۹۷-۱۹۹
طوطی نامہ (فارسی) از ضیاء الدین نخشبی: ۱۹۷
طیبۃ الغراء فی مدح سید الانبیاءؐ: ۱۳۴

ظ

ظہور قدسی (نعت) از ماہر القادری: ۴۹۷
ظہور قدسی از سادھو رام آرزو سہارنپوری: ۵۴۷-۵۷۵

ع

عبدہٗ از خالد عبد العزیز: ۱۳۶-۵۰۰-۵۰۱
عرض حال بہ جناب سرورؐ کائنات از حالی: ۵۱-۶۰۴
(مناجات حالی)
عرض دربار رسولؐ میں (انتخاب نعت): ۵۲
علی نامہ از نصرتی: ۲۰۸-۲۰۹
عقیدت از محمد اختر کیانی: ۵۳۵
عقیدت کے پھول از بجز محمد عاشق: ۵۳۷
عیون الا... بن سید الناس: ۱۰۸-۴۹،
عہد جاہلیہ کا ... در پیغمبر مجاہد (قصیدہ) از نظم طباطبائی: ۴۲۴

غ

غبار حجاز از راسخ عرفانی: ۵۳۵
غزل در زیارت حرمین شریفین از غلام سرور لاہوری: ۴۶۲
غزل در وصف قدم شریف از شہید: ۳۲۱
غنچۂ قوالی مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور: ۴۶۱
غیاث اللغات: ۶

ف

فارقلیط از خالد عبد العزیز: ۱۰-۴۱-۵۰-۶۸-۶۹-۷۰-۱۱۹-۱۲۲-۴۹۲-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۶-۵۳۰-۵۳۵
فتح الباری: ۲۴۹
فتح الورود از محمد اعظم: ۸۵
فتح المتعال: ۲۴۹

فخر کونین از محشر رسول نگری: ۱۰۰-۴۰-۵۰-۱۰۹-۵۳۰-
۵۳۵

فردوس تخیل از زاہدہ خاتون (نعتیہ مجموعہ): ۵۷۷

فروغ (مجموعہ نعت) از میرانیس کاظمی امروہوی: ۴۹۴

فروغ نبی (دیوان نعت) از مفتی محمد دیدار علی
شاہ: ۴۶۴

فرہنگ آموزگار: ۶

فرہنگ آنندراج: ۶

فریاد سکندری از جامی، مولانا: ۵۴۱

فریاد علم از قاری محمد حسین: ۳۹۵

فضہ ہندی از عبدی مولانا: ۲۷۷

فکر و ذکر از بیگم زور (تہنیت النساء بیگم): ۵۷۹

فیوض الحرمین از محمد عبد العزیز شوق: ۵۳۶

فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ: ۸۰

ق

قاب قوسین از سید اقبال عظیم: ۵۳۶

قاموس اللغات: ۳

قرآن مجید: ۲-۹-۱۲-۱۴-۲۲-۲۳-۳۰-۳۵-
۴۵-۶۰-۶۳-۷۲-۷۷-۹۵-۹۹-۸۲-۱۰۱-
۱۰۲-۱۰۴-۱۰۷-۱۰۸-۱۱۰-۱۱۶-۱۱۸-۱۱۹-
۱۲۰-۱۲۸-۱۳۳-۱۳۴-۱۴۲-۱۵۰-۱۹۷-۲۰۲-
۲۱۹-۲۲۰-۲۴۰-۲۴۵-۲۵۴-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۹-۲۹۸-
(کتاب آسمان ۳۶۵) ۳۷۰-۳۷۱-۳۷۹-۳۹۰-
۳۹۹-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۹-۴۲۶-۴۳۲-۴۴۰-
(الکتاب ۴۳۰) ۴۴۱-۴۴۵-۴۴۶-۴۵۶-
۴۵۸-۴۶۰-۴۷۱-۴۷۳-۴۷۴-۴۸۰-۴۹۸-
۵۰۲-۵۰۶-۵۰۷-۵۱۸-۵۲۲-۵۲۹-۵۴۷-

قصائد ابوطالب: ۱۲۵-۱۲۶

قصائد عزیز لکھنوی: ۴۷۹-۴۸۰

قصائد میر نظام الدین ممنون: ۳۰۰

قصص الانبیاء از قدرتی: ۲۲۷-۲۲۸

قصۂ بے نظیر موسوم بہ تمیم انصاری از محمد ابراہیم
صنعتی: ۲۰۲-۲۰۴-۲۲۷

قصہ حضرت بلالؓ از شہید: ۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱

قصہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ از شہید: ۳۱۹

قصہ در عشق بسر شیشہ گر بزرگر بسر (بطور ساقی
نامہ و دیگر حکایات شیخ و عا بادشاہ) از سودا: ۲۸۵

قصہ زیتون و محمد حنیف از علی خان: ۸

قصہ ہرنی (۱۹، اشعار کی نظم): ۲۲۲-۲۶۰

قصیدہ از سودا: ۲۸۳

قصیدہ از ورقہ بن نوفل: ۱۲۴

قصیدہ احزاب از نظم طباطبائی: ۴۲۴

قصیدہ بانت سعاد از حضرت کعب بن زہیرؓ: ۱۲۹-
۱۳۲-۲۷۳

قصیدہ بردہ (محمد نام الکواکب الدریہ فی مدح
خیر البریہ) ۱۳۲-۱۳۳- از امام بوصیری-
۵۰-۱۲۶

قصیدہ حسنین از نظم طباطبائی : ۴۲۴
قصیدہ خیبر از " " : ۴۲۴
قصیدہ در حمد و نعت و منقبت و موعظمت : از ولی دکنی : ۲۲۹
قصیدہ درودیہ از احمد رضا خاں بریلوی : ۴۱۱-۴۱۳-۴۱۴
قصیدہ لامیہ از احمد رضا خاں بریلوی : ۴۱۳
قصیدہ لامیہ از محسن کاکوروی : ۶۷
قصیدہ معجزہ از جنونی گجراتی : ۲۲۱-۲۶۰ (ایک نام کے دو قصیدے ایک ۱۳ اوراق کا دوسرا ۱۵ اوراق کا)
قصیدہ معراج از نظم طباطبائی : ۴۲۴
قصیدہ نعتیہ از عرفی : ۱۹
قصیدہ نور از عزیز حاصل پوری : ۵۱۷
قصیدہ نوریہ از احمد رضا خاں بریلوی : ۴۱۶
قطب مشتری از ملا وجہی : ۱۹۱-۱۹۴-۱۹۷
قلندر نامہ از معظم : ۳۱۴

ک

کتاب الشفاء : ۱۰۹-۲۴۹
کتاب المغازی از امام زہری : ۱۰۸
کتاب المغازی از محمد بن اسحاق : ۱۰۸
کدم راؤ پدم راؤ از نظامی فخر الدین : ۱۷۰-۱۹۱
کربل کتھا : ۱۷۶
کرم بالائے کرم از بہزاد لکھنوی : ۴۹۶-۵۳۲
کسب محویت از صدر الدین شاہ : ۱۷۲
کلکی پوران (ہندوؤں کی مذہبی کتاب) : ۱۱۷
کلام اقبال (کلیات اقبال اردو) : ۴۳۰
کلیات بحری : ۲۳۷-۲۶۴
کلیات جامی از جامی، مولانا : ۱۴۷
کلیات حکیم سنائی : ۱۳۷
کلیات شاہی : ۲۶۴
کلیات سودا : ۲۸۴-۲۸۷
کلیات قلی قطب شاہ : ۱۸۸
کلیات محسن : ۳۶۵
کلیات مومن : ۲۹۵
کلیات ولی : ۲۳۴-۲۶۴
کیفیات (مجموعہ کلام) از محمد ذکی کیفی : ۴۹۳ (ذوق وشوق "کیفیات" میں ذیلی عنوان کے تحت نعتیں درج ہیں)

گ

گلبانگ حرم (مجموعہ نعت) از حمید صدیقی : ۴۸۰-۴۸۱
گلبن نعت (نعتیہ مجموعہ) از زینت بی بی محجوب : ۵۷۷
گلدستۂ از محسن کاکوروی : ۳۷۷
گلدستۂ مصطفوی از عشقی غلام مصطفیٰ : ۴۶۳
گلدستۂ نعت (انتخاب) از طاہر شادانی، ضیا محمد ضیا : ۵۳۸

گلدستۂ نقشبندی از محمد بشیر نقشبندی : ۵۳۷
گلزار اکبر از اکبر میرٹھی : ۵۵۴
گلزار نسیم از محسن کاکوروی : ۳۶۵-۳۶۶
گلستان اکبر از اکبر میرٹھی : ۵۵۴
گلستان ایمان از شیدا، نوازش علی : ۲۴۳-۲۴۴-۲۶۰
گلشن عشق از نصرتی : ۲۰۶-۲۰۸-۲۹
گل معرفت از حیدر بخش حیدری : ۳۶

ل

لازم المبتدی از اشرف بیاہانی : ۷۶، ۷۷، ۱
لسان العرب از ابن منظور : ۵
لکھنؤ کا دبستان شاعری از ابواللیث صدیقی : ۴۳۶
لمعات نور : ۵۲
لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا (نعت) از احمد رضا خاں : ۶۸
لوائح از جامی، مولانا : ۸۰
لیلۃ القدر از امیر مینائی : ۳۴۸
لیلیٰ مجنوں از جامی، مولانا : ۱۴۵
لیلیٰ مجنوں از نظامی گنجوی : ۱۴

م

ماذ ماذ از خالد، عبد العزیز : ۱۱۹-۵۰۲، ۵۰۵-۵۳۷
متی (انجیل) ۱۱۱
مثنویات اسمٰعیل امروہوی : ۲۷۷
مثنویات تجمل در بارہ نبی کریمؐ از کافی : ۳۰۸
مثنوی در ہجو ندری متوطن پنجاب کہ در اصل بقال بچہ بود از سودا : ۲۸۸
مثنوی مولانا روم : ۱۴۲-۲۲۱
مثنوی نور و تجلی و ابر کرم از امیر مینائی : ۳۴۸
مجمع بحار الانوار از شیخ محمد طاہر، مولانا : ۵
مجموعہ نعت (نعتیہ انتخاب) : ۱۶۴
مجموعہ نعت (انتخاب) از انیس احمد نوری : ۵۳۷
المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویۃ از یوسف بن اسمٰعیل نبہانی : ۴۱۳-۵۷۶
محامد خاتم النبیینؐ از امیر مینائی : ۳۴۸-۳۴۹-۳۵۶-۳۶۰
محامد محمد ماقبل بعثت میں : ۴۱۲
محامد محمدی (الموصوف بہ توصیفات مصطفویؐ) از عشقی : ۴۶۳
محب نامہ یا محبت نامہ از شاہ امین الدین : ۱۸۵
محو ابو العلائیؒ : ۵۷
مختار التفاسیر از سید امیر الدین حسینی : ۲۶۰
مختار کل از انور فیروز پوری : ۵۳۶
مخزن الاسرار مثنوی از نظامی گنجوی : ۱۴-۱۴۷
مخزن نعت (انتخاب) از پروفیسر محمد اقبال جاوید : ۵۳۸
منح المدح : از شیخ فتح الدین : ۱۲۸

مدارج النبوت از شاہ عبدالحق : ۸۰-۲۴۹

مدحت از عاصی کرنالی : ۵۳۶

مدحت خیر البشرؐ از راغب مراد آبادی : ۵۳۶

مدح رسولؐ (انتخاب) از راجہ رشید محمود : ۵۳۷

مدیح خیر المرسلینؐ از محسن کاکوروی : ۳۶۵-۳۷۱

مدینۃ الانوار از علامہ اعزاز الدین مستقیم جنگ : ۲۵۹

مدینہ کی جوگن از امجد حیدر آبادی : ۴۷۷

مراد العاشقین از حکیم سید غوث علی شاہ : ۴۶۶

مراۃ الحشر از نراقی بیجاپوری : ۲۳۷

مراۃ سکندری از سکندر بن محمد : ۱۸۲

مسدس حالی از الطاف حسین حالی : ۵۴-۵۵-
۴۰۱-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۶-۴۰۷-۴۸۳-۴۸۴-۵۰۱

مسند احمد ابن حنبل امام : ۴-۵۴۳

مسند الدارمی : ۵۴۳

مشکوٰۃ شریف : ۱۲۰

مصیبت اہل بیت (مثنوی) از احمد : ۲۱۵

مظاہر حق (شرح مشکوٰۃ شریف) : ۱۲۰

مطلع الانوار : ۱۵۰

منظر العجائب از عطار : ۱۴۱

مظہر معانی (دیوان) از میر مہدی مجروح : ۳۰۱

معارج النبوۃ از مولانا معین الدین ہروی : ۹۱-۱۰۹-۲۴۹

معجزات رسالتؐ از مخدوم حسینی : ۲۶۰

معجزات نبی کریمؐ : ۲۵۵

معجزات النبیؐ از جان محمد عاجز : ۲۶۰

معجزہ انار از اسماعیل امروہوی : ۲۷۸

المعجم : ۵۴۳

معراج سخن (نعتیہ کلام) از جلیل مانک پوری : ۴۰۶

معراج الکبریٰ از نجم الدین الغنیتی : ۸۳

معراج نامہ از اعظم دکنی : ۲۵۹- بیجاپوری ۲۵۲

معراج نامہ از امین گجراتی : ۲۵۹

معراج نامہ از سید بلاقی حیدر آبادی : ۲۵۹

معراج نامہ از شاہ ابوالحسن قربی بیجاپوری : ۲۵۹

معراج نامہ از شاہ کمال الدین کمال : ۲۵۹

معراج نامہ از فتاحی : ۲۲۰

معراج نامہ از کاظمی : ۳۰۸

معراج نامہ از لچھمی نرائن، شفیق اورنگ آبادی : ۲۵۹-۵۶۷

معراج نامہ از مختار : ۲۱۵-۲۱۶-۲۱۸-۲۵۹

معراج نامہ از معظم : ۲۱۴-۲۵۹

معراج نامہ سید میران ہاشمی بیجاپوری : ۲۵۹

معرونہ (نعتیہ کلام) از برنی محمد الیاس، مولانا : ۴۹۱

مغز مرغوب از میرانجی شمس العشاق : ۱۷۲

مفید الیقین (مولود نامہ) از فتاحی : ۲۱۹-۲۴۸-۲۵۸

مقدمہ شعر و شاعری از حالی : ۳۸۵

مقصود المراۃ از سید شاہ ہاشم حسن العلوی : ۱۸۳

ملجا و ماوا از مسرور کیفی : ۵۳۷

منتخب سماوی : ۳۷

منتخب اللغات : ۶

منحنا از خالد، عبدالعزیز : ۱۰-۰۰م-۵۰-۶۸-
۷۹-۰۰-۷-۱۱۹-۱۲۲-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۳-۵۰۳م-۵۰
۵۰۶-۵۰۷-۵۳۰

منطق الطیر از عطار : ام ا-۲م ا

منظوم سفرنامہ حجاز، ۱۶۱

منفعت الایمان از شاہ برہان الدین جانم : ۱۶۸-۱۶۹

من لگن از بحری، محمود : ۲۲۳-۲۳۶-۲۳۷

منور نعتیں از منور بدایونی : ۵۳۵

من ہرن (بہشت بہشت کا ایک رسالہ) ۱۱۸

مواہب اللدنیہ از قسطلانی : ۱۰۸-۱۲۰

موج تخیل از نوشابہ خاتون : ۵۷۹

موج کوثر (طویل نعت) از اقبال سہیل اعظم گڑھی : ۱۲۲-۷۲م

موطا امام مالکؒ : ۵۴۳

مولود اکبر از خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی : ۸۶

مولد انسان الکاملؐ از محمد بن المختار ردو الیہ : ۸۲

مولود بہاریہ از کافی : ۳۰۸

مولود سعدی از نامعلوم : ۸۷،

از مولوی محمد علی خاں سعید لکھنوی : ۸۶-۸۷

مولود سعیدی : ۶۶-۸۷

مولود شریف از شہید : ۳۱۹

مولود شہیدی از غلام امام شہیدی : ۸۶-۸۷م-۷م

مولود طیش از سید چراغ علی طیش : ۸۷

مولود المرغانی از محمد عثمان المرغانی : ۸۲

مولود از ابوالحجاج یوسف : ۸۱

مولود از حمد اللہ چلبی حمدی : ۸۲

مولود نامہ از شاکر : ۲۵۸

مولود نامہ از عبداللطیف : ۲۵۸

مولود نامہ از عبدالمالک بھروچی معروف نام تولد نامہ : ۱۸۱-۱۸۳

مولود نامہ از مختار : ۲۱۸-۲۵۸

مولود نامہ از قاسم : ۲۵۸

مہابھارت : ۵۶-۵۹

مہر عرب از فضل حق : ۵۳۶

میلاد اکبر از صوفی اکبر میرٹھی : ۵۴م-۵۵م

میلاد پیغمبرؐ از درد کاکوری : ۸۷

میلاد گوہر از منشی گوہر علی خاں گوہر رامپوری : ۸۷

میلاد مقبول از کیف المسلمی الامروہی : ۸۷

میلاد نامہ از خواجہ حسن نظامی : ۸۷

میلادیہ قصیدہ از شہید، غلام، امام : ۳۱۵

مینائے کوثر از انجم وزیر آبادی : ۵۲۵

ن

نذر امجد از امجد حیدر آبادی : ۷۵م-۷۶م

نذر خدا (دیوان) از مظفر خیر آبادی : ۶۰م

نزہتہ الخواطر از سید عبدالحیٔ مولانا : ۱۳۶

نسیم جنت از کافی (چہل حدیث کا ترجمہ) : ۳۰۸
نسیم عرفان از حسرت عبد القدیر : ۵۹۴
نشید حضوری (نعتیہ مجموعہ) از حافظ لدھیانوی : ۵۱۰-۵۱۲-۵۳۷
نظم دل افروز از محسن کاکوروی : ۳۷۷
نعت امیر المومنین علیؓ در شعر فارسی از سید ضیاء الدین وہ اشیری : ۷
نعت حضرت رسول کریمؐ در شعر فارسی از سید ضیاء الدین وہ اشیری : ۷
نعت خیر البشرؐ (انتخاب) از سید فیض : ۵۳۷
نعت سروری از غلام سرور لاہوری : ۶۲۴
نعت محل از اختر الحامدی : ۵۳۶
نعت مصطفےٰؐ از قیوم نظر : ۵۳۷
نعت ہی نعت مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور : ۶۱۴
نعتیہ دیوان از دلو رام کوثری : ۵۷۵
نعتیہ قصیدہ از عرفی : ۲۸
نعتیہ مسدس صبح ازل از امیر مینائی : ۳۴۸
نعتیہ تظلیس از ماہر القادری : ۹۷۴
نغمۂ روح از بہزاد لکھنوی : ۵۳۴
نغمہ ہائے مبارک از مولانا ضیاء القادری : ۹۲۴
نکات الشعراء از میر تقی میر : ۵۲۴
نل دمن از ابو الفضل فیضی : ۱۵۰
نوائے بردہ (منظوم ترجمہ بردہ شریف) از فروغ احمد : ۵۳۶
نور اللغات : ۸
نور نامہ از احمد : ۲۱۵-۲۵۸
نور نامہ از سیدی : ۲۵۸
نور نامہ از شریف : ۲۵۸
نور نامہ از عنایت شاہ قادری : ۲۵۸
نور نامہ از مختار : ۲۵۸
نور نامہ از ملک خوشنود : ۲۵۸
نور نامہ فقیر از فقیر : ۲۷۶
نور و نکہت از فیاض احمد کاوش : ۵۳۷
نو سر ہار از شاہ اشرف بیابانی : ۱۷۶-۱۷۷
نہال روضۂ اکبر از اکبر میرٹھی : ۵۵۴
نیر اعظم از محمد اعظم چشتی (حصہ نعت) : ۵۳۵

و

واحد باری از اشرف بیابانی : ۱۷۶
والیٔ لیلیٰ از عنایت اللہ خاں عنایت : ۵۳۴
ورفعنا لک ذکرک از راجہ رشید محمود : ۵۳۶
وصف قدم شریف از شہید : ۳۲۲
وصیت نامہ از عطار : ۱۴۱
وصیت الہادی از شاہ برہان الدین جانم : ۱۷۸
وفات شریف (طویل نظم) از غلام سرور لاہوری : ۶۲۴
وفات نامہ از انعمی : ۲۵۹
وفات نامہ از شاہ محمد قادری، دریا : ۲۲۳-۲۵۹
وفات نامہ از عبد اللطیف : ۲۵۹

وفات نامہ از عالم گجراتی : ۲۵۹
وفات نامہ از عبد المالک بھروچی : ۱۸۱-۱۸۳
وفات نامہ بی بی فاطمہؓ از اسماعیل امروہوی : ۲۷۷
وفات نامہ پیغمبرؐ از میر (ایک غیر معروف شاعر) : ۲۵۹
وفات نامہ دہ مجلس از فیاضی ولی ویلوری : ۲۵۹
وفات نامہ سرور کائناتؐ از امامی دکنی : ۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۵۹
وفات نامہ سرور کائناتؐ از علی بخش دریا : ۲۵۹
وفاء الوفا : ۱۰۹-۲۴۹
وفیات الاعیان از ابن خلکان : ۸۵
وید : ۵۶-۵۹
ویس ورامین مثنوی از فخر الدین گرگانی : ۱۳۷

ہ

ہجرت وغزوہ بدر (قصیدہ) از نظم طباطبائی : ۴۴۴
ہدیہ شاد از ہرکشن پرشاد شاد : ۵۶۹-۵۷۵
ہشت بہشت از مولانا محمد باقر آگاہ : ۱۱۸-۲۱۱-۲۱۲-۲۳۱-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۳-۲۵۵-۲۵۷-۲۶۰-۴۴۳
الھمزیۃ النبویہ قصیدہ از احمد شوقی : ۱۳۵
ہندو شعرا کا نعتیہ کلام (انتخاب) از فانی مراد آبادی : ۵۳۷

ی

یوسف زلیخا از جامی مولانا : ۱۴۵
یہ ہیں کارنامے رسولؐ کے از راجہ عبد اللہ خاں نیاز : ۵۳۵

انگریزی کتب

از شون : ۸۱
از حسین نصر : ۸۱
از سپنسر ٹرمنگھم : ۸۱
از شون : ۸۱
از مارٹن لنگز : ۸۱

رسائل

سیر و سفر (نعت نمبر) : ۵۳۸
شام و سحر (نعت نمبر) ماہنامہ لاہور۔
فروری ۸۱ء : ۵۳۸
صریر خامہ (نعت نمبر) ۱۹۷۸ء : ۵۳۸
محدث (رسول نمبر) : ۳۲
محفل، ماہ نامہ لاہور (خیر البشرؐ نمبر)
مارچ ۸۱ء : ۵۳۸
مہک (رحمۃ اللعالمینؐ نمبر) گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ،
۸۰ء : ۵۳۸

اخبارات

انقلاب، روزنامہ : ۵۸۳-۵۸۴
جریدۂ روزگار (از بنارس) : ۱۵۴
جسارت، کراچی : ۵۲۶
لیڈر، الہ آباد (انگریزی اخبار) : ۱۱۶

امکنہ

آب حیواں : ۳۴۵
اٹلی : ۴۳۶
اٹلیٰ : ۵۰۲
احد : ۱۴-۱۳۰-۲۴۱-۴۰۸-۴۷۳
احتساب : ۲۴۱
احمد نگر : ۱۶۵
اعظم گڑھ : ۳۹۳
افغانستان : ۵۱-۵۱۳-۵۲۵
الجیریا : ۸۱-۸۳
الہ آباد : ۱۱۶
انڈیا آفس : ۱۵۳
اورنگ آباد : ۲۳۸

ایران: ۱۳۵-۱۳۶-۱۳۹-۱۴۸

ایشیا: ۱۴۱

ایشیائے کوچک: ۳۹۴

ب

بانکی پور: ۱۵۳

بدایوں: ۱۶۵

بدر: ۱۴-۱۳۰-۱۴۱-۲۲۱-۲۵۳-۴۶۳-۴۷۳

برٹش میوزیم: ۱۵۳

برصغیر: ۵۱-۷۹-۸۱-۸۴-۸۶-۹۰-۹۱-۱۲۳-
۱۳۵-۱۳۶-۱۴۶-۱۴۸-۱۵۴-۱۵۷-۱۶۱-۱۶۵-
۲۶۱-۲۶۷-۲۸۰-۳۰۲-۳۹۳-۴۱۳-۴۳۵-
۴۳۹-۴۴۴-۴۵۵-۴۸۴-۴۸۹-۴۹۲-۵۷۴-۵۷۵

برطانیہ: ۳۹۶-۳۹۸
(مزید دیکھیے، ہندوستان)

بریدہ (اعظم گڑھ): ۴۷۲

بریلی: ۳۴۴

بلخ: ۳۰۹-۳۷۶-۳۹۵-۳۹۷

بغداد: ۵۱-۱۶۵-۲۴۵-۳۹۳

بنارس: ۶۸-۱۵۴-۳۷۴

بنگال: ۱۶۵

بہار: ۱۶۵

بیت اللہ: ۳۰۵-۳۶۵-۴۹۵

بیجاپور: ۱۶۵-۱۹۶-۲۰۵-۲۶۳

پ

پاکستان: ۵۱-۹۰-۹۱-۱۳۶-۱۶۴-۲۲۰-۳۹۳-
۳۹۶-۴۸۷-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-
۵۰۰-۵۰۹-۵۱۳-۵۲۱-۵۲۵-۵۲۹-
۵۸۴-۵۸۴ EMI پاکستان گراموفون کمپنی ۵۸۶

پانی پت: ۳۹۹

پنجاب: ۱۶۵-۱۶۷-۳۸۹-۵۲۰

پیر بالا حسانی (مضافات بدر) ۴۶۳

ت

تبوک: ۱۲۶-۲۴۱

ترچناپلی: ۲۵۷

ترکی: ۸۱-۸۲-۸۳-۸۶-۳۸۵-۳۸۶-۳۹۴-

ترکی قلعہ محلہ مجددہ: ۳۹۳

تیرتھ: ۶۷-۶۸

تھریس: ۳۹۴

ج

جامعہ عثمانیہ: ۲۲۳-۲۲۷

جبل ابوقبیس: ۳۹۲

جدہ: ۳۹۳

جزیرہ انڈیمان: ۳۹۱-۳۹۳

جمنا: ۶۸-۳۷۶

چ

چشمہ کوثر: ۳۴۵

ح

حبشہ: ۱۲۵-۲۲۷

حبیب گنج: ۱۵۳

حجاز: ۸۲-۱۶۰-۳۹۳-۳۹۵-۴۳۸-۴۹۵-۵۱۵-
۵۸۰

حدیبیہ: ۱۳۰

حرا، غار: ۱۱۷

حرم پاک: ۳۹۳-۳۹۴-۴۰۸-۵۷۹

حرمین شریفین: ۱۳۵

حجرہ ازواج: ۳۲۰

حضرموت: ۱۲۴

حنین: ۱۴۲

حیدرآباد (دکن): ۱۷۶-۲۱۵-۲۱۷-۲۱۹-۲۶۳-۴۶۳

کتب خانہ ادارہ ادبیات حیدرآباد دکن: ۲۳۶

کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن: ۲۲۳-۲۲۷

ادارہ ادبیات اردو: ۲۳۸

خ

خندق: ۱۴-۱۳۰-۴۴۹

خیبر: ۱۳۰-۲۰۵-۲۴۱-۲۷۸

د

داناپور پٹنہ: ۵۷۹

دکن: ۱۶۵-۱۶۶-۱۸۳-۱۸۸-۲۲۰-۲۴۳-۲۸۱-
۳۸۹-۴۶۳

دمشق: ۱۶۵

دولت آباد: ۱۶۵

دہلی: ۱۵۳-۱۶۵-۱۶۷-۲۶۷-۲۸۱-۲۹۰-
۳۸۹-۴۰۰

ڈ

ڈھاکہ: ۵۱-۵۰۷-۵۲۵

ر

رام پور: ۱۵۳

روس: ۸۳

روضۂ احمد مرسلؐ: ۵۲۴، روضۂ اطہر ۴۶۳، ۴۶۷،
روضہ اقدس، ۵۶۹، ۵۷۰-۳۰۵ روضہ پرنور،
۳۸۳، روضۂ رحمت العالمینؐ، ۴۱۰، روضۂ رسولؐ،
۱۳-۱۵-۱۳۲-۱۳۴-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۷-۱۶۱-
۲۲۵-۲۳۸-۳۴۶-۳۴۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۱-
۴۳۲-۴۹۵-۵۱۰-(مواجہۂ اقدس) ۱۳۹-
روضہ مبارک ۴۶-۱۴۷-آستانۂ رسولؐ
۳۰۵-۳۱۸

س

سرحد : ۱۶۵-۱۶۷

سندھ : ۱۶۵-۱۶۷

سوڈان : ۸۱-۸۳

ش

شام : ۴۱۲-۲۵۲-۳۱۹-۳۹۳

شعب ابی طالب : ۴۲۵

شمالی افریقہ : ۸۲

شمبل دیپ : ۱۱۷

شیراز : ۱۵۱

ط

طائف : ۴۱۲-۲۹۳-۵۲۳

طرابلس : ۴۲۸-۴۳۴-۴۳۶

طور : ۳۸۰-۳۸۳-۴۰۸-۴۳۵

طوس : ۲۹۵

ع

عجم : ۱۳۹-۱۴۰-۱۸۱-۴۳۳-۴۴۰-۵۱۴-۵۸۵

عراق : ۳۹۴

عرب : ۱۶-۴۲-۴۹-۵۸-۶۳-۸۱-۹۷-۱۱۷-
۱۲۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۴۰-۱۸۱-۲۳۶-۳۲۸-۳۳۹-
۳۶۶-۳۷۵-۳۹۴-۳۹۵-۴۰۳-۴۲۰-۴۴۰-۴۶۵-
۴۸۳-۵۰۳-۵۰۶-۵۱۴-۵۸۵

عرش معلی : ۳۹

علی گڑھ : ۱۵۴-۱۷۶-۵۸۳

غ

غزنی : ۱۶۵

ف

فاران : ۱۱۲-۳۹۳

فلسطین : ۵۲۶-۵۲۸

فیصل آباد : ۵۸۲-۵۸۴
(چشتی کتب خانہ فیصل آباد : ۵۸۲، کتب خانہ مقبول عام فیصل آباد : ۵۸۲)

ق

قادیان : ۴۴۲-۴۴۳

قسطنطنیہ : ۳۹۳

ک

کاشی : ۶۷-۶۸-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۸۲

کانپور : ۴۶۱-

مطبع مجیدی کانپور : ۴۶۱

کربلا : ۱۳۱-۱۳۲

کشمیر: ۵۲۶
کعبہ: ۳۰۴-۳۰۹-۳۱۹-۳۲۷-۳۳۷-۳۵۳-
۳۶۷-۳۹۸-۴۲۵-۴۷۶-۵۷۰
کنعان: ۳۷۷
کولمبیا گراموفون کمپنی: ۵۸۳
کوہ وداع: ۱۲۶

گ

گجرات: ۱۶۵-۱۶۷-۱۷۵-۱۷۷-۲۶۳
گنبد خضرا: ۱۰-۱۵-۲۹-۴۶-۳۴۶-۳۹۳-
۴۹۵-۵۱۷
گنبد سبز: ۳۹۷-۵۷۸
گنگا: ۶۷-۶۸
گوالیار: ۱۶۵
گوجرانوالہ: ۵۳۸
(گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ، ۵۳۸)
گولڑہ شریف: ۸۷
گولکنڈہ: ۱۶۵-۲۶۳

ل

لاہور: ۵۳۸
(جہانگیر بکڈپو اردو بازار لاہور: ۵۸۲، کشمیری
بازار لاہور: ۵۸۲، ملک آرٹ پبلشرز لاہور
۵۸۲، نولکھا بازار حمید بکڈپو: ۵۸۲
لکھنو: ۲۸۹-۲۹۰-۳۰۷-۳۴۸-۳۵۵-۳۵۶-
۳۶۳-۳۶۴-۳۸۰-۳۸۲-۴۲۳
لندن: ۵۳۰
لیبیا: ۸۳

م

مدینہ: ۱۴-۱۵-۲۱-۴۶-۶۰-۶۲-۶۶-۱۱۷-
۱۲۲-۱۲۵-۱۲۷-۱۳۹-۱۴۷-۱۴۸-۲۵۵-۲۶۸-
۲۷۹-۲۹۳-۲۹۹-۳۰۵-۳۱۳-۳۱۶-۳۱۷-
۳۱۹-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۶-۳۵۸-
۳۵۹-۳۶۲-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۷-۴۰۷-۴۱۷-
۴۱۹-۴۲۲-۴۲۳-۴۵۳-۴۵۷-۴۵۸-۴۶۴-
۴۶۵-۴۶۷-۴۷۷-۴۸۱-۴۸۲-۴۹۱-۴۹۲-
۴۹۳-۴۹۵-۴۹۶-۵۱۰-۵۱۲-۵۱۵-۵۲۲-
۵۷۰-۵۷۳-۵۷۶-۵۷۹-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵
(شہر رسولؐ، ۳۲۵-۳۴۷-شہر نبیؐ، ۵۱۱-طیبہ، ۲۵۵-
۳۹۷-۴۱۴-۴۱۶-۴۱۸-۴۲۲-۴۵۶-۴۶۵-
۴۶۷-۵۱۱-۵۷۸-۵۸۵-یثرب، ۲۲-۶۴-
۶۵-۶۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۹۴-۳۹۷-۴۳۸-
۴۷۸-۴۹۶-۵۸۳، دیارِ پاک، ۵۲۸- دیار
رسولؐ، ۵۷۹- دیارِ نبیؐ، ۵۸۵
مسجد اقصیٰ: ۳۵۲-۳۶۵-۳۶۷-۵۱۳-۵۲۵-
۵۲۹
مسجد نبویؐ: ۱۵-۴۶-۷۶-۱۲۹-۱۳۳-

۳۲۶-۴۰۷
مسجد وزیر خان: ۹۰
مراد آباد: ۳۹۱
مراکو: ۸۳
مری: ۴۹۵
مزارِ سنائی: ۴۲۸-۴۳۱-۴۳۳
مصر: ۸۱-۸۲-۸۳-۸۶
مغرب: ۸۱-۸۲-۸۳-۵۰۰
مکہ: ۱۴-۴۰-۱۱۲-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۹-۱۴۷-۱
۴۲-۳۰۹-۳۵۲-۳۹۳-۴۲۴-۴۳۶-۴۷۶
ملتان: ۱۶۷
ملیبار: ۴۳۸
مواجۂ شریف: ۴۶
موتہ: ۱۳۰
متھرا: ۶۷-۶۸-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۸۲

و

وادی سینا: ۴۳۱-۴۳۳

ہندوستان: ۱۱۶-۱۵۱-۱۶۲-۱۶۶-۱۶۷-
۲۲۲-۲۵۵-۲۷۵-۳۹۳-۴۵۷-۴۶۷-۴۷۰-
(۴۷۱ متحدہ ہندوستان) ۴۹۰-۴۹۲-۴۹۶-
۵۶۸-۵۷۵-۵۸۱-۵۸۳-۵۸۴
جنوبی ہند: ۱۶۳-۱۶۷-۱۶۸-۱۸۶-۲۱۱-
۲۲۸-۲۲۹-۲۵۷-۲۵۸-۲۶۱-۲۶۳-۲۶۷-
۲۷۱-۲۸۱-۳۷۸-۳۸۹-۵۶۷-
شمالی ہند: ۱۶۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۷-۲۵۷-
۲۶۴-۲۶۵-۲۶۷-۲۷۱-۲۸۰-۲۸۴-۲۸۶-
۲۸۸-۲۸۹-۲۹۱-۳۰۰-۳۰۱-۳۳۰-۳۷۹-
۳۸۴-۳۸۹-۴۰۳-۴۰۸
(مزید دیکھیے برصغیر پاک و ہند)

ی

یمن: ۱۲۴
یورپ: ۳۹۴-۴۴۱

آیاتِ قرآنی

آل عمران: ۳۱ — ۷۵
: ۳۳ — ۹۹
: ۱۶۴ — ۱۰۰
: ۱۷۹ — ۹۹
ابراہیم: ۱ — ۱۰۰
الحمد: — ۱۰۰

بیانا لکل شیٔ ۴۱۰

تلک حدود اللہ ۴۷۳

صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۴۹۸

فاحببت ان اعرف ۲۷۱

فھو الحامد والمحمود ۲۹۸

وفی انفسکم ۲۷۱

فیستحی منکم ۲۵۴

کان الخاتم مثل ذوالمجلۃ ۱۵۵

کن فیکون ۴۳۰

لعمرک ۱۵۵

لقد کان لکم فی رسول اللہ

اسوہ حسنہ : ۷۵

لولاک لما خلقت الافلاک : ۱۵۴

۲۷۰ - ۴۲۹

ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین : ۴۹۸

ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی : ۱۵۴

ماعبس وماعبس ۴۱۰

ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی

اللہ ورسولہ : ۱۰۰

ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا

وحی یوحٰی : ۱۵۴

معنی قدر ان مقصد ما طغٰی : ۴۱۰

من زاد قربتی وجبت لہ شفاعتی : ۴۱۰

نحن اقرب ۲۷۱

ورفعنا لک ذکرک : ۳۱۳-۵۴۰

وکان فضل اللہ علیک عظیما : ۹۸

یا ایھا الذین آمنوا : ۴۸۸

الاحزاب	: ۶	۷۳
	: ۳۳	۷۵
	: ۲۱-۲۴	۹۹
	: ۲۱	۱۰۳
	: ۳۶ : ۴۰ : ۴۶	۱۰۰
الاعراف	: ۱۵۲	۱۰۰
	: ۱۵۵-۱۰۷-۱۷۱	۱۱۰
	: ۱۵۷	۹۹
الم نشرح	: ۴	۹۹
انعام	: ۱۶۳	۱۰۰
الانبیاء	: ۱۰۷	۹۸-۱۰۰
البقرہ	: ۵۵-۵۶-۶۳-۸۹	۱۱۰
	: ۲۸۵	۱۰۰
التغابن	: ۱۲	۷۵
توبہ	: ۲۴	۷۳
	: ۱۲۸	۱۰۰-۱۰۲
الحجرات	: ۱۵	۷۵
	: ۹۴	۲۳
حج	: ۷۸	۱۰۰
رعد	: ۷	۱۰۰
زمر	: ۳۳	۱۰۰
سبا	: ۲۸	۹۶
	: ۴۸	۱۰۰
والشمس	:	۵۶۸
الصف	: ۶	۹۹-۱۱۰
طٰہٰ	: ۱	۹۹
علق	:	۱۰۴
العلم	: ۱۰۳	۱۰۳
الفتح	: ۱۷	۷۵
	: ۲۹	۹۹
القدر	:	۱۰۴
القلم	: ۴	۹۸-۱۰۰
الکوثر	: ۱	۹۸
مائدہ	: ۱۵	۱۰۰
المجادلہ	: ۱۳	۷۵
محمدؐ	: ۳۳	۷۵
مدثر	: ۱	۹۹
مزمل	: ۱	۹۹
النجم	: ۱۷	۱۰۳
نحل	: ۴۴	۱۰۰
النساء	: ۶۹	۷۵
	: ۱۰۵-۱۰۰-۱۷۴	۱۰۰
نمل	: ۲۷	۱۰۰
یٰسین	: ۱	۹۹
اقتربت الساعۃ وانشق القمر		۱۵۵
انا فتحنا فتح		۵۶۹
ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبیؐ		
یاایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماہ		۵۶ -۷۸-۹۷

اقبال اکادمی